ہماری ویب ڈیجیٹل بک

امتیاز علی شاکر

IMTIAZ ALI SHAKIR

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB.com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Imtiaz Ali Shakir"
at Hamariweb.com

قسمت کی دیوی اور عمران خان

تعلقات زندگی کا جال ہیں ۔ حلقہ احباب کی صحبت کے اثر سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا ۔وہ ہماری سوچ اور رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ہمارے خیالات ،احساسات ،معاملات اور فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں ۔اکثر کامیاب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کو ایسے دوست اور تجربہ کار ناصح نصیب ہوئے جنہوں نے ہر مشکل وقت میں ایسی رہنمائی کی جن کی رہنمائی نے نہ صرف انہیں مشکلات سے نکلنے میں مدد کی بلکہ آگے.بڑھنے میں بھی مدد دی ہے ۔اگر انسان کو اچھے صاف گواور تجربہ رکھنے والے دوستوں کا ساتھ ملے تو انسان نہ صرف.بڑے.بڑے خواب دیکھنے لگتا ہے بلکہ.بڑے.بڑے فیصلے بھی کرنے لگتا ہے ۔آج کل قسمت کی دیوی عمران خان پر مہربان ہے ۔جاوید ہاشمی نے ان کا ساتھ دینے کی حامی کیا بھری انھوں نے اپنے منشور کا اعلان بھی کردیا اور قوم سے بہت.بڑے.بڑے وعدے بھی کرڈالے جن میں سب سے اہم وعدہ 90 دن کے اندر کرپشن کے خاتمے کا ہے ۔اگر ہم معاشرے میں پھیلی ہوئی کرپشن کی جڑوں کو دیکھیں تو لگتا تو نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے ۔لیکن مایوسی گناہ ہے اس لیے اچھے وقت کی امید تو کرنی چاہیے ۔امید کے ساتھ ساتھ ہمیں کرپشن کے خاتمے کے لیے بہت.بڑے اور مشکل فیصلے کرنے پڑیں گے۔ ہمیں اس بات کی سچائی پر کبھی شک نہیں کرنا چاہیے کہ آگے .بڑھنے کی راہ ان فیصلوں سے ہموار یا دشوار بنتی ہے

جو ہم زندگی میں کرتے ہیں۔ چھوٹے موٹے فیصلے سبھی کرتے ہیں ۔یہ کام بہت آسان ہوتا ہے ، لیکن معمولی فیصلوں کے نتائج بھی معمولی ہی ہوا کرتے ہیں ۔لیکن جو لوگ بڑے اور مشکل فیصلے کرتے ہیں ۔وہی دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں ۔لیکن اکثر لوگ جب مشکل وقت آتا ، پیچیدگی بڑھتی ہے تو مشکل فیصلے کرنے اور چھلانگ لگا کر آگے بڑھنے کی بجائے حالات سے منہ موڑ لینے میں عافیت محسوس کرتے ہیں ۔اس طرح ان کو عارضی طور پر تو عافیت مل جاتی ہے لیکن مشکل نہیں ٹلتی ۔بلا شبہ اس وقت پاکستانی قوم بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہی ہے۔اور بات میں بھی کسی کو شک نہیں ہونا چاہے کہ اس وقت ہمیں ان مشکلوں سے نکلنے کے لیے بہت سے مشکل فیصلے کرنے ہونگے ۔شائد عمران خان نے بھی انھیں میں سے ایک فیصلہ کر لیا ہے ۔جو وہ 90 دن میں کرپشن کا خاتمہ کرنے کی بات کر رہے ہیں ۔قوم کو اپنے سیاست دانوں پر اعتبار تو نہیں لیکن پھر بھی رسک تو لینا پڑے گا۔جس کے لیے قوم بظاہر تیار ہے لیکن عمران خان کے گرد پرانے اور آزمائے ہوئے سیاست دانوں کے جمع ہونے سے عمران خان کی شخصیت بھی کچھ قابل اعتبار نہیں لگتی۔اور قوم کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ عمران خان آج کل کیا بانٹ رہے ہیں جو ہر کوئی لائن میں لگ گیا ہے ۔عمران خان کو سیاست میں آئے 15 سے 16 سال کا عرصہ گزر چکا ہے ان کا اندازے سیاست شروع سے ہی یہی تھا جو آج ہے اور ان کی شخصیت بھی ایسی ہی تھی اور یہ جو لوگ آج تحریک انصاف میں اپنے جگہ بنانے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں یہ سارے بھی یہیں تھے۔ پچھلے 15 سال سے ان سب کو کیوں خیال

نہیں آیا کہ عمران ایک سچا انسان ہے وہ جو کہتا کرتا بھی وہی ہے ؟ کیوں ان سب کو عمران خان کی ایمانداری، سچائی ،نیک نیتی اور حب الوطنی آج سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔ اور آج یہ لوگ جوق درجوق تحریک انصاف میں شامل ہورہے ہیں؟ تحریک انصاف کے نظریاتی ورکر اور ووٹر ان لوٹوں اور لفافوں کو تحریک انصاف میں آتے دیکھ کر بہت پریشان ہیں ۔ان کو لگتا ہے جیسے عمران خان کو ہائی جیک کر لیا گیا ہے اور اب تحریک انصاف بھی باقی سیاسی پارٹیوں کی طرح صرف اقتدار کی سیاست کرے گی ۔لیکن عمران خان یہ کہتے ہیں کہ جب وہ پارٹی ٹکٹ دیں گے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیں گے ۔لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ دودھ کا دودھ تو وہ تب ہ کرپائیں گے جب ان کے پاس تھوڑا بہت دودھ موجود ہوگا اگر وہ سارا پانی ہی اکٹھا کرلیں گے تو پھر دودھ کہاں سے نکالیں گے ۔عمران خان اگر اسی طرح سے ہر آنے والے کو تحریک انصاف میں شامل کرتے رہے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ عمران خان تحریک انصاف کے میاں اظہر بن جائیں اور تحریک انصاف تو ٹھاٹھ سے سیاست کرے اور عمران خان تنہائی میں گایا کریں کہ (اب تک تو جو بھی دوست ملے بے وفا ملے) خیر یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ عمران خان دودھ کا دودھ کریں گے یا خود پانی وپانی ہوتے ہیں ۔عمران خان کچھ بھی کہیں عوام ان آزمائے ہوئے لوگوں کو دوبارہ موقعہ دینے کے موڈ میں نہیں لگتی ۔عمران خان کہہ رہے ہیں کہ وہ ملک میں عوام کا سونامی لے آئے ہیں لیکن تحریک انصاف کے مخالفین کہتے ہیں کہ عمران خان کی مقبولیت میں اسٹیبلشمنٹ کا

ہاتھ ہے لیکن عمران خان کے یہ مخالفین اشاروں سے بات کرتے ہیں کھل کر کسی کا نام نہیں لیتے ۔جمہوری حکمرانوں کو تو عام سے عام آدمی بھی تنقید کا نشانہ بنالیتا ہے مگر اسٹبلیشمنٹ والوں کا نام کوئی نہیں لیتا جس کا ثبوت یہ ہے کہ پاکستان کی مشہور بے باک اور نڈر وکیل عاصمہ جہانگیر کا کہنا ہے کہ ان کا نام لینے والا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ؟ اگر پاکستان کے سیاست دان اتنے بے بس ہیں کہ وہ جن کو ملک کی تباہی کا ذمہ دار کہتے ہیں ان کا نام نہیں لے سکتے تو میرے خیال میں ایسے بزدل لوگوں کو ملک پر حکمرانی کرنے کا کوئی حق نہیں ۔ملک چلانا تو دور کی بات ہے ایسے لوگوں کو تو گدھا گاڑی چلانے کا حق نہیں ہے۔(میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ایسے بزدل حکمرانوں سے ہماری جان خلاصی کرے) تحریک انصاف کے مخالفین جو بھی کہیں ان کی اپنی مرضی ہے لیکن میرے خیال میں عمران خان کی عوامی حلقوں میں بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ عوام کے پاس اب اور کوئی چوائس نہیں ہے۔ عوام باقی سب کو آزما چکی ہے ۔اور مخدوم جاوید ہاشمی کے تحریک انصاف میں شامل ہونے سے بھی تحریک انصاف کو بہت زیادہ تقویت ملی ہے۔ جاوید ہاشمی جیسے لوگ کسی بھی پارٹی کا بڑا سرمایہ ہوتے ہیں ۔جاوید ہاشمی قومی سطح کے سیاست دان ہیں ان کے تحریک انصاف میں شامل ہونے سے جہاں مسلم لیگ ن کو بھاری نقصان ہوا وہیں تحریک انصاف کو بہت بڑا فائدہ ہوا۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ عمران خان ،جاوید ہاشمی کو کس قدر مفید طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اب مسلم لیگ ن کو سنجیدگی سے سوچنا

چاہیے کہ مستقبل میں اس قسم کے نقصانات سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔جاوید ہاشمی کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف نے مجھے روکا ہی نہیں درمیانے درجے کے مسلم لیگی رہنما مجھے مناتے رہے۔ان کا یہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر میاں نواز شریف ان کو روکنے کی کوشش کرتے تو شائد وہ رک جاتے۔جاوید ہاشمی صاحب کی اب تک کی گفتگو پر غور سے سوچا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ میاں نواز شریف سے ناراض تھے۔اور اگر یہ سچ ہے تو پھر جاوید ہاشمی کو منانے کی کوشش بھی میاں نواز شریف کو ہی کرنی چاہیے تھی۔مگر میاں نواز شریف کا کہنا ہے کہ جاوید ہاشمی بتا کر جاتے تو اچھا ہوتا۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس نے روکا بھی نہیں اور میں ٹھہرا بھی نہیں۔تو بڑا فٹ لگے گا۔ حالات واقعات کو دیکھیں تو لگتا تو نہیں کہ میاں نواز شریف کو جاوید ہاشمی کی ناراضگی کا علم نہیں تھا۔میاں نواز شریف نے جاوید ہاشمی کو کیوں نہیں روکا یہ تو وہ ہی بہتر جانتے ہیں لیکن اگر جاوید ہاشمی کی اب تک کی گفتگو کا بغور جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے۔جیسے جاوید ہاشمی صاحب کو میاں نواز شریف سے کوئی بہت بڑا اختلاف نہیں ہے اور وہ میاں نواز شریف کو ملک دشمن نہیں سمجھتے۔اور جس طرح شاہ محمود قریشی نے پیپلز پارٹی کو چھوڑتے ہی پیپلز پارٹی کی قیادت کو تنقید کا نشانہ بنایا جاوید ہاشمی نے ایسا نہیں کیا جو بہت ہی اچھی بات ہے اور جاوید ہاشمی نے ایسا کرکے ایک اچھی روایت ڈالی ہے۔

ایک این آر او بلوچستان کے لئے

اگر ہماری سوچ یہ ہے کہ امریکہ کی نظر میں پاکستان کے مفادات اہم ہیں تو یہ ہماری بہت بڑی بھول ہے کیونکہ جب امریکہ کی نظر میں پاکستان کی ہی کوئی اہمیت نہیں تو پاکستان کے مفادات اور خود مختاری کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے حالات کے مطابق اپنے وسائل اور مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے فیصلے کرنے چاہئے ۔پیٹ بھرنے کے لئے سود پر قرض لینے سے بہتر ہے بھوک سے مر جانا۔دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے فیصلے خود کرتے ہیں ۔آج بحیثیت قوم ہمیں سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھ لیں کہ ہم کون ہیں ،ہم کہاں ہیں اور ہماری منزل کہاں ہے۔زندگی میں ہمیں ذاتی فلسفے کی ضرورت ہوتی ہے۔آج ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ہم کون ہیں ،ہم کہاں سے آئے ہیں ،ہمیں کہاں جانا ہے ،ہم کیا چاہتے ہیں ،ہماری منزل کہاں ہے اور ہمیں اپنی منزل حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا۔اگر ہم ان سوالوں کے جواب تلاش نہ کریں تو پھر ہماری حالت شاخ سے ٹوٹے ہوئے اس پتے جیسی رہے گی جو ہوا کے رخ کے ساتھ چلنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا (جیسی کے آج ہماری ہے)اور ہم اپنے آپ کو چاروں طرف بھاگتا ہوا پائیں گے اور پھر نہ تو ہماری کوئی سمت رہے گی اور نہ ہی کوئی منزل ملے گی۔دنیا میں وہی قومیں باوقار ہوتی ہیں جو اپنی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی

گزارتی ہیں۔کامیاب وہی قومیں ہوتی ہیں جن کی اپنی اقدار ہوتی ہیں اور جو عزت نفس کا گہرا احساس رکھتی ہیں ۔کامیابی کے ساتھ آگے وہی قومیں بڑھتی ہیں جن کی کوئی سمت ہوتی ہے ۔جب متضاد خیالات کا طوفان قوموں کو اندھیری کھائی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے تو وہ دوسری قوموں کے وقتی فیشن کے سیلاب میں بہہ جاتی ہیں۔ایسے حالات میں وہی قومیں ڈٹی رہتی ہیں جن کے اپنے اصول اور آدرش ہوتے ہیں ،جو عزت نفس کی حامل ہوتیں ہیں ،اور جو اپنے فیصلے خود کرتی ہیں ۔ لیکن ہم نے سدا سے عالمی جاگیردار یعنی امریکہ کے فیصلوں پر ہی لبیک کیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ فیصلے تو امریکہ بہادر کرے اور ان فیصلوں میں ہمارے مفادات محفوظ ہوں ۔آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہمیں پرانے قرض کا سود چکانے کے لئے نیا قرض لیناپڑ رہا ہے۔ اور حال ہی میں جو قرارداد رکن امریکی کانگریس کے ڈینا روہر کرنے امریکی ایوان نمائندگان میں پیش کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے عوام کو اپنے لئے آزاد ملک حاصل کرنے کا حق ہے ۔اس قرارداد کے بعد تو امریکہ کا بھیانک روپ کھل کر سامنے آچکا ہے ۔لیکن یہاں سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے جہاں پاکستان کو توڑنے کی باتیں ہو رہی ہیں اور ہمارے حکمران ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں ۔وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کا کہنا ہے کہ ہمیں بلوچوں کا احترام کرنا ہوگا بلوچ رہنماؤں کی مشاورت سے اے پی سی بلائینگے ۔لیکن قوم پوچھ رہی ہے کہ کب۔

احترام کریں گے ہم بلوچوں کا

احترام خدانخواستہ تب کرینگے ؟جب ملک ٹوٹ جائے گا۔ میرے خیال میں یہ صرف ناراض بلوچوں کو اعتماد میں لینے کا نہیں بلکہ پوری پاکستانی قوم کو اعتماد میں لینے کا وقت ہے، مگر حکمران ایسا کچھ نہیں کریں گے ۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر ہم اتنے ہی غلامی پسند تھے تو پھر ہمارے بڑوں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں کیوں قربان کرڈالیں ۔اگر ہم نے آزاد ہونے کے بعد بھی انگریزی طرز زندگی اپنانا تھا تو آزادی حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔اس طرح کے اور بھی بہت سے سوال اب میرے ذہن میں گھومتے رہتے ہیں۔ خیر بات کرتے ہیں آج کے موضوع پر وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے ناراض بلوچوں کے خلاف درج مقدمات واپس لینے کا علان کیا اور اس کے ساتھ ہی ناراض بلوچوں کو حکومت کی طرف سے کل جماعتی کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دے دی ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ رحمٰن ملک کا اعتبار کون کرے گا۔ رحمٰن ملک کو شاید میڈیا کے کیمرے بہت پسند ہیں۔ ہیں تو وہ وزیر داخلہ لیکن فرائض وزیر اطلات و نشریات کے ادا کرتے ہیں ،وزیر دخلہ نے ناراض بلوچوں کو ایک دلکش پیش کش کی ہے کہ اگر وہ وطن واپس آئیں تو وہ خود ان کا استقبال کریں گے لیکن سوچنے کی بات یہ کہ موجودہ حکمرانوں نے ماضی میں کتنے وعدے پورے کئے ہیں ۔گزشتہ عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے 2 وعدے اور وہی دو نعرے بھی تھے یعنی عدلیہ کی بحالی اور روٹی کپڑا اور مکان ۔ عدلیہ تو بحال ہو گئی لیکن اس بحالی کا سہرا سجا وکلاءبرادری ، مسلم لیگ ن اور میڈیا کے سر۔ جنرل مشرف کے دور آمریت میں جب

چیف جسٹس سمیت اعلیٰ عدلیہ کے بہت سے جج صاحبان کو ان کے عہدوں سے زبردستی برطرف کیا گیا تو اس وقت وکلاء برادری نے مشرف کے اس اقدام کی نہ صرف شدے د مذمت کی بلکہ ایک ایسی ملک گیر تحریک چلائی جو چیف جسٹس کی ان کے عہدے پر بحالی پر کامیابی کا جشن منا کر اختتام پزیر ہوئی ۔سب جانتے ہیں کہ اس تحریک میں پاکستان کی تمام سے اسی پارٹیوں نے بھی بھرپور حصہ لیا۔جب وکلاء تحریک شروع ہوئی تو اس وقت ملک میں پرویز مشرف کی آمریت تھی شاید اسی وجہ سے سب سے اسی جماعتوں نے وکلاء تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا تاکہ آنے والے الیکشن میں عوام سے است دانوں کو اعلیٰ عدلیہ کا حامی جان ووٹ دے دیں ۔اور ایسا ہی ہوا عوام نے ایک ایسے طاقتور آمر کو اپنے ووٹ کی طاقت سے زیر کر دیا جو نہ تو کبھی سیاست دانوں سے زیر ہوا تھا اور نہ ہی عدلیہ سے ۔یہاں اگر میڈیا کو کریڈٹ نہ دیا جائے تو ناانصافی ہو گی کیونکہ اگر میڈیا اس تحریک کو عوام کے سامنے نہ لاتا تو وکلاء تحریک کی کامیابی بہت ہی مشکل تھی ۔لیکن آج کا موضوع حکومتی وعدے اور اعلانات ہیں ۔قارئین ہم سب جانتے ہیں پاکستان کی سب سیاسی جماعتوں نے اس وعدے کے ساتھ الیکشن میں حصہ لیا تھا کہ وہ برسر اقتدار آتے ہی چیف جسٹس سمیت تمام معذول عدلیہ کو ان کے عہدوں پر بحال کر دے ں گی ۔اور پھر آخر کار عوام کے منتخب ایوان نے جب سید یوسف رضا گیلانی کو وزیر اعظم چنا تو وزیر اعظم کی حیثیت سے سید یوسف رضا گیلانی نے پہلا حکم جاری کرتے ہوئے کہا کہ فوری طور پر تمام معزول جج صاحبان کو رہا کیا جائے ۔وزیر اعظم

کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ پولیس نے فوری طور پر بغیر کسی تحریری حکم نامے کے ججز کو رہا کردیا۔اس وقت سب کو یوں محسوس ہوا جیسے پیپلز پارٹی نے اپنا وعدہ پورا کردیا لیکن ایسا نہ ہوسکا وزیراعظم کا حکم صرف ججز کی رہائی تک محدود رہا اور عدلیہ بحال نہ ہوسکی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیپلز پارٹی وکلاء تحریک سے آؤٹ ہوگئی ۔جس کے بعد وکلاء تحریک نے لانگ مارچ کی کال دی جس میں مسلم لیگ ن نے اہم کردار ادا کیااور لانگ مارچ ابھی لاہور سے نکلا ہی تھا کہ حکومت نے مجبور ہوکر چیف جسٹس کی ان کے عہدے پر بحالی کا اعلان کردیا۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ موجودہ حکومت نے آتے ہی بلوچ بھائیوں سے معافی مانگی تھی ۔یا توحکمران معافی کا مطلب نہیں سمجھتے ۔یا پھر توبہ توبہ کرتا چل خالی جام بھرتا چل والے قول پر عمل پیرا ہیں ۔اگر ہم بات کریں کل جماعتی کانفرنس کی تو ایسی کتنی ہی کانفرنسز ہم پچھلے پونے چار سال میں دیکھ چکے ہیں،کیا ایسی ہی ایک کل جماعتی کانفرنس امریکی ڈرون حملوں کے خلاف نہیں ہوئی تھی ۔کیا کل جماعتی کانفرنس کے بعد ڈرون حملے بند ہوچکے ہیں؟؟۔اگر بات کریں ناراض بلوچوں پر قائم مقدمات کو ختم کرنے کی تو یہ بات بھی نئی نہیں ہے ۔اگر یہ کہا جائے کہ حکومت ایک اور این آر او کی تیاری کر رہی ہے توزیادہ درست بات ہوگی ۔ قابل غور بات ہے کہ غریب آدمی تو بے گناہ ہونے کے باوجود کئی کئی سال جیل میں سڑتا رہتاہے لیکن کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اعلیٰ ایوان میں غریب عوام کے حق میں کوئی این آر او بل پیش کیاگیا ہو؟؟اب بھی

ایسا نہیں ہوگا عام معافی کا اعلان صرف خاص بلوچ سرداروں کے لیے ہی ہوگا۔ان سرداروں میں زیادہ تعداد ان سرداروں کی ہے جو پاکستان کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے ۔جن کا کہنا ہے کہ وہ امریکی غلامی کو تو قبول کر سکتے ہیں لیکن پاکستان کے ساتھ نہیں رہ سکتے ۔اگر ہم بلوچستان کو صرف اس کے وسائل کی وجہ سے اہمیت دیتے ہیں تو یہ بہت بڑی خود غرضی ہے ۔جہاں پیار محبت نہ ہو وسائل بھی مسائل بن جاتے ہیں ، ہمیں پورے پاکستان کو اپنا وجود تسلیم کرنا ہوگا۔ (پی ایل آئی)

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

مارچ میں ہندوؤں کا رسمی تہوار "ہولی" بھارت سمیت پاکستان اور دنیا بھر میں ہندوؤں نے جوش وجذبے سے منایا اور ایک دوسرے پر مختلف رنگوں کی برسات کی۔ ہندو برادری اور دیگر اقلیتیں پاکستان میں اپنے مذہبی تہوار آزادانہ طور پر مناتے ہیں اور آئین پاکستان کی پاسداری کرتے ہیں۔ پاکستان کے دورجدید کی نوجوان نسل جس نے فیس بک، گوگل، Yahoo اور دیگر سوشل میڈیا کے ذرائع سے تعلیم حاصل کی ہے وہ بھی بڑے جوش وخروش سے غیر اسلامی تہوار منانے کی کوشش کرتے ہیں ویلنٹائن ڈے ہو، بسنت ہو یا ہولی ہفتوں پہلے تیاریاں شروع ہو جاتی ہے۔ SMS، Facebook اور E-mail پر پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں۔

سوئی ہوئی قوم کا عجب اک تماشا دیکھا
مسلتے پھول دیکھے جوڑوں کو مسکراتے دیکھا
ایڑیاں رگڑ کر دم توڑ گیا انساں دو گھونٹ کیلئے
عیاش پرستوں کو شراب میں نہلاتے دیکھا
بھولے ہوئے ہیں جو اپنے تابناک ماضی کو ماجد
غیروں کی رسمیں اور ویلنٹائن ڈے مناتے دیکھا

چند عرصہ پہلے تک پاکستان میں بزرگوں کی بیشتر تعداد اپنی فیملی کی آسائش و سہولتوں کو
پورا کرنے کیلئے پورا دن محنت مزدوری کی فکر میں لگے رہتے ۔ سوشل نیٹ ورک ویب
سایٹ استعمال کرنے کی بجائے فیملی نیٹ ورک پر توجہ دیتے تھے لیکن موجودہ نام نہاد
ترقی یافتہ دور میں سورج کے ڈھلنے کے بعد دوکانداری و دیگر کاروبار کا آغاز ہوتا ہے
۔اس ترقی کے دور میں انسان اپنی فیملی سے اتنا دور ہوگیا ہے جتنا وہ پیسے کے نزدیک بھی
نہ ہوا ہوگا۔فیملی سے دوری کی بدولت بچوں کو پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کے
اغراض ومقاصد کے ساتھ ساتھ اسلامی اصولوں کا بھی علم نہیں ہوتا۔پرائیویٹ و
سرکاری سکولز وکالجز میں انتظامیہ تاریخ کی جگہ انگلش ،فزکس ،بیالوجی ،کیمسٹری اور
کمپیوٹر کی تعلیم کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں ۔کالج لائبریری میں تاریخ کی کتابوں کو کیڑے
کھاجاتے ہیں یا فروخت کردیا جاتا ہے کیونکہ طالب علموں کے پاس اتنا وقت ہی کب
ہوتا ہے جو فیس بک کے ساتھ ساتھ اسلامی وپاکستانی تاریخ کا مطالعہ کرسکے؟ نتیجہ
نوجوان نسل کا غیر اسلامی تہوار کا انعقاد اور دو قومی نظریہ سے انحراف ہے۔

آج سے 99ء سال پہلے پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی ممبر
شپ حاصل کی ۔ قائد نے سیاست کا آغاز کانگرس کے پلیٹ فارم سے کیا۔1920ء تک
قائد ہندو مسلم اتحاد کے سفیر رہے اور دونوں مذاہب کے لوگوں میں

جذبہ حب الوطنی واتحاد کی روح پیدا کرتے رہے۔لیکن جلد ہی آپ کو دوقومی نظریہ کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا اور ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے دسمبر 1920ء کو کانگرس کو خیر آباد کہتے ہوئے مسلم آزادی کے لئے دن رات ایک کردیا۔
دیگر مسلم لیڈروں کی طرح قائدا عظم محمد علی جناح نے دوقومی نظریہ کی تائید کی اور میں دوقومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔" ہندومتTIME AND TIDE اخبار اور اسلام دوممتاز اور مختلف تہذیبیں پیش کرتے ہیں اور مزید.برآں دونوں یورپ کی اقوام کی طرح اصلاًنسلاًرسم ورواج اور طرز زندگی میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ایک قوم اکثریت میں ہے اور دوسری اقلیت میں ۔
سر سید احمد خاں، قائدا عظم محمد علی جناح ،علامہ اقبال ،چوہدری رحمت علی ، و دیگر مسلمان لیڈر مختلف اجلاس ، سیمینار ، ورکشاپ اور کارنر میٹنگز میں دو قومی نظریہ کے حوالے سے مختلف دلائل ووضاحتیں پیش کرتے رہے۔تاکہ ہندوؤں کی لابی ہندو مسلم بھائی چارے کے چکر میں مسلمانوں کو نہ گھیر لے اورتا قیامت.برصغیر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنالے۔
قارئین آج سے 72 سال پہلے 22 مارچ کو مسلم لیگ کا27واں سالانہ تاریخ ساز

اجلاس قائدِاعظم محمد علی جناح کی قیادت میں شروع ہوا۔ قائد نے اپنی تقریر کے دوران نوجوان نسل و دیگر مسلمانوں کو دو قومی نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔" ہندو اور مسلمان دو مختلف اور جداگانہ مذہبی فلسفوں، سماجی روایات اور ادب سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں، نہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں
۔۔۔۔۔۔۔ان کی رزمیہ داستانیں۔ہیرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تاریخ الگ الگ ہیں
۔۔۔۔۔۔۔بالآخر وہ ڈھانچہ ہی تباہ ہو جائے گا جیسے ایک مملکت (ہندو اور مسلم) کی حکومت کے لئے معرض وجود میں لایا جائے گا۔
23 مارچ کے اجلاس میں بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے کے فضل الحق نے مسلمانوں کے مطالبات (وفاقی اسکیم، آزاد مملکتیں اور اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ) پر مبنی ایک تاریخی قرارداد پیش کی جسے 24 مارچ 1940ء کو اتفاق سے منظور کر لیا گیا جسے اب قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ 72 سال پہلے تاریخی قرارداد تو دور کی بات ہے اس کی اہمیت کا اندازہ بھی موجودہ نسل میں سے بیشتر کو نہیں پتہ؟ موبائیل فون، انٹرنیٹ فیس بُک اور بلیک بیری وغیرہ کے تمام پوائنٹ و اہمیت کا اندازہ تقریباً 80% پاکستانیوں کو ہو گا لیکن 20% کو دو قومی نظریہ و قرارداد پاکستان کا پتہ نہیں؟ یہ نوجوان نسل کے لئے المیہ اور ان کے بزرگوں کے لئے لمحہ فکریہ

ہے۔

موجودہ نفسا نفسی کے دور میں پاکستان و اسلامی تاریخ کی آگاہی کے لئے ڈسکہ میں امن ویلیفئیر فاؤنڈیشن پاکستان کا ڈسکہ یونٹ دن رات کام کرنے میں مصروف نظر آتا ہے ۔ڈسکہ کی عوام کو تاریخ کے مطالعہ کیلیئے لائبریری کا قیام کافی عرصہ سے موجود آگیا کی سہولت میسر ہے اور ساتھ Book Reading ہے۔جہاں پر تمام شہریوں کو فری ساتھ مستحق بچوں کو سالانہ بنیاد پر فری بُک کا انتظام بھی موجود ہے۔اس سال 23 مارچ کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کیلیئے "واک" کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ ڈسکہ کی عوام کے دلوں میں دو قومی نظریہ کے جذبہ وحب الوطنی کو روشن کیا جاسکے اور موجودہ نسل کو غیر اسلامی و شرعی تہوار کا انعقار کرنے سے محفوظ رکھا جاسکے۔

راقم حکومت پنجاب و پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ چھوٹے شہروں میں کام کرنے والے تمام NGO,s کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ عوامی مسائل کے حل میں حکومت کا ساتھ دے سکیں۔

لیڈی ہیلتھ ورکر مجبور یا غموں سے چور

تحریر۔ عقیل خان ۔آف جمبر

اسلام میں عورت کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ یہی ہمارا قرآن کہتا ہے۔ویسے تو ہمارے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے مگر ہم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنے سے قاصر ہیں۔جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو اعلیٰ مقام دیا ہے تو پھر ہمارے ناخدا انہیں کیوں ذلیل کراتے ہیں۔اس طرح کی حقیقت ان لوگوں کی نظر جو ان عورتوں کو رسوا کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔

لیڈی ہیلتھ ورکر سارا دن گھر گھر جا کر عوام کی خدمت کرتی ہیں۔جس وقت پولیو پلانے کا وقت آتا ہے تو پھر یہ بچاری لیڈی ہیلتھ ورکر کولر ہاتھ میں اٹھائے گھر گھر جاتی ہیں اور پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو قطرے پلاتی ہیں۔نہ گرمی دیکھتی ہیں اور نہ سردی ۔اپنا فرض بخوبی سرانجام دیتی ہیں۔ان کو نا اپنے گھر کا خیال ہے کہ ان بچے سکول سے آئیں ہیں یا نہیں ؟ بچوں نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں؟ اور نہ ہی اپنے کھانے کی فکر۔

یہ تو بس اپنے قائد کا فرمان پورا کرتی نظر آتی ہیں کہ " کام، کام اور بس کام" اگر ان کا ٹائم ٹیبل دیکھیں تو صبح سے شام تک ہسپتال میں ڈیوٹی پر موجود ہوتی ہے چاہے ایم بی بی ایس ڈاکٹر آئے یا نہ آئے، ڈسپنسر موجود ہو یا نہ ہو۔ آندھی ہے یا طوفان لیکن یہ اپنی ڈیوٹی باقاعدگی سے ادا کرتی ہیں۔ جب حکومت پاکستان نے لیڈی ہیلتھ ورکروں کی بھرتی کی تو اس وقت تعلیم کا خاص معیار بھی نہیں تھا چند جماعت پڑھی ہوئی عورت کو بھرتی کر لیا جاتا تھا اب میٹرک پاس کو بھرتی کیا جارہا ہے۔ بھرتی کرتے وقت تو حکومت دل کھول کر اشتہار دے دیتی ہے کہ فلاں ہسپتال میں اتنی سیٹ ہیں اور فلاں میں اتنی۔۔۔

مگر اس وقت کیوں نہیں سوچتی کہ ان کے اخراجات کون برداشت کرے گا۔ جب تو بھرتی کر لی جاتی ہے بعد میں ان بچاری لیڈی ہیلتھ ورکروں کو ذلیل کیا جاتا ہے۔ پچھلے چھ چھ ماہ سے ان کو اب تنخواہ نہیں دی جارہی ہیں۔ یہ پورا ماہ کام کرتی ہیں اور جب تنخواہ لینے کا وقت آتا ہے تو ان کو ٹال دیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں تو ان کو اپنے حق کے لیے چادر اور چار دیواری کی حد سے گزرنا پڑا اور اپنی تنخواہیں وصول کرنے کے لیے احتجاج کرتے ہوئے لاہور تک پہنچنا پڑا اور ان کے احتجاج کرنے پر بجائے اس کے کہ حکومت پاکستان یا صوبائی حکومت

ان کی تنخواہیں دیتی بلکہ ان پر سرعام ڈنڈے برسائے۔ اس وقت انتظامیہ یہ بھی بھول گئی کہ یہ عورت ذات ہے اور اسکا کیا مقام ہے۔ پولیس کو تو بس مظاہرے پر ڈنڈے اور آنسو گیس برسانے کا شوق ہے ان کے سامنے خواہ کوئی بھی ہو مرد یا عورت۔
اگر حکومت کے پاس مستقبل کی کوئی پلاننگ نہیں تھی تو پھر اتنی تعداد میں لیڈی ہیلتھ ورکر بھرتی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
لیڈی ہیلتھ ورکروں میں زیادہ تر وہ خواتین بھرتی ہوتی ہیں جو بیوہ ہیں یا پھر ان کا کوئی سہارا نہیں۔ جس وقت یہ سسٹم شروع کیا تھا اس وقت تو حکومت ان کو صرف چند سو روپے دیکر کام لے لیتی تھی لیکن اب اس مہنگائی کے دور میں جب ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے تو اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی تنخواہ میں بھی آٹے میں نمک کے برابر اضافہ کر دیا اور اب تقریباً سات ہزار کے لگ بھگ تنخواہ دی جا رہی ہے۔
سوال یہ ہے کہ تنخواہ بڑھا تو دی مگر اس کا بڑھانے کا فائدہ کیا ہوا کیونکہ جب کم تنخواہ تھی تو ہر ماہ مل رہی تھی اور جب اضافہ کر دیا تو اب کئی کئی ماہ سے تنخواہ نہیں دی جا رہی اور ان کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔

یہ غریب لیڈی ہیلتھ ورکر کدھر جائیں اور کس سے یہ اپنا حق مانگے ؟ اس ملک میں تو سب اپنے پیٹ کے۔۔۔ ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسی لیڈی ہیلتھ ورکروں کو جانتا ہوں جن کا سارے کا سارا دارومدار ان کی اس تنخواہ پر ہوتا ہے۔ اور یہ تو میں اپنے واقفیت والوں کی بات کر رہا ہوں اور پتا نہیں اس ملک میں کتنی ایسی لیڈی ہیلتھ ورکر ہونگی جو اس طرح کی زندگی گزار رہی ہونگی۔ ان کے حالات اس طرح کے ہوگئے جیسے انسان زندوں میں اور نہ مردوں میں۔ ان کے بچے سکول جانے سے مجبور، کھانا کھانے سے مجبور حتیٰ کہ اپنے رشتے داروں کی خوشی اور غمی سے بھی دور ہوگئے کیونکہ نہ ان کے پاس پیسے ہونگے اور نہ وہ کسی کے ساتھ خوشی اور غمی میں شریک ہوسکیں گی۔

اے ملک کے خیر خواہو اور محکمہ صحت کے ناخداؤ ! خدارا ان بے بس اور مجبور لیڈی ہیلتھ ورکروں کا کیا قصور ؟ ان کے ساتھ تو ایسا سلوک نہ کرو اور ان کا کچھ تو خیال کرو۔ غریب اور بے سہارا کی مدد کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور تم تو ان سے محنت کروا کر بھی ان کی محنت کی کمائی نہیں دے رہے۔ اگر اس دنیا میں نہیں ڈرتے تو کم از کم آخرت کا ہی خیال کرلو اور ان کو ان کا حق ادا کردو تاکہ یہ بھی سکون کی زندگی گزار سکیں۔ جس وقت ڈاکٹروں نے اپنی تنخواہیں بڑھانے کے لیے ہڑتال کی تو فوراً حکومت ایکشن میں آگئی اور تنخواہیں بڑھا کر ان خوش کردیا مگر ان بچاریوں کا کیا قصور ؟ یہ کم پڑھی

لکھی ہیں اس لیے یا ان کی حیثیت ڈاکٹر کے برابر نہیں اس لیے۔ لیکن یہ یاد رہے ان کا
کام ڈاکٹروں سے زیادہ بڑھ کر ہوتا ہے اور محنت طلب بھی۔

اے پاکستان کے امیروں ! غریبوں اور بے سہاروں کا بھی خیال کرو۔ صدا دن ایک
سے نہیں رہتے اور اوپر والے کی لاٹھی بھی بے آواز ہے کیونکہ غریب کی آہ تو عرش کو
بھی ہلا دیتی ہے۔ (پی ایل آئی)

کیا سربراہ مملکت کیلئے استثناء ہے؟

تحریر: حافظ امانت علی سعیدی

حضرت سیدنا عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ دریائے دجلہ کے کنارے اگر ایک کتا بھی پیاسہ مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے پوچھا جائے گا کہ کتا کیوں پیاسہ مر گیا اسی خوف کی وجہ سے امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروقؓ ایک تنکے کو اٹھا کر فرماتے ہیں کہ کاش عمر ایک تنکا ہوتا اور عمر سے قیامت کے دن کوئی سوال نہ کیا جاتا۔ایک مرتبہ ایک جنگ سے لوٹا ہوا مال غنیمت آیا اس مال میں یمنی حلے (یعنی یمنی چادریں) بھی تھیں جو تمام مجاہدین میں ایک ایک تقسیم ہوئیں لیکن امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروقؓ دو حلے زیب تن کئے ہوئے مسجد نبوی میں نماز جمعہ کی امامت فرمارہے ہیں صحابہ نے نماز سے فراغت کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین ہر مجاہد کو ہر صحابی کو ایک ایک چادر ملی ہے آپ کو دو کیسے ملی ہیں آپ نے فرمایا میرا بیٹا عبداللہ ہے عرض کیا کہ عبداللہ موجود ہے فرمایا انہیں بتاؤ کہ میں نے دو چادریں کیوں لی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ابا جان کے کپڑے دھونے کی وجہ سے گیلے تھے اور نماز جمعہ کا وقت ہو رہا تھا اس لئے انہوں نے دوسری میری چادر استعمال کی ہے اگر سیدنا عمر فاروقؓ دو چادریں استعمال کریں

اور سب کو ایک ایک ملے تو صحابہ سوال کرتے ہیں آپ صحابہ کا سوال سن کر نہ تو استثناء کا ذکر کرتے ہیں کہ میں تو امیر المومنین ہوں میں چاہے دو چادریں استعمال کروں یا تین کروں تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے مجھے تو امیر المومنین ہونے کی وجہ سے
استثناء حاصل ہے میں جو چاہوں کرسکتا ہوں مجھے کسی سے اجازت لینے کی حاجت نہیں میں تمہارا محتاج نہیں تم نے یہ جرات کیسے کی نہیں نہیں بلکہ اپنے بیٹے عبداللہ کو طلب فرمایا اور کہا کہ انہیں بتاؤ کہ میں نے دو چادریں کہاں سے لی ہیں۔لیکن آج ہمارے حکمران بھی ہیں جو اپنی موج مستیوں میں مصروف ہیں اور قومی دولت.بڑے زور وشعور سے لوٹ رہے ہیں کبھی بجلی مہنگی کرکے کبھی چینی عوام کی پہنچ سے دور ہو جاتی ہے اور کبھی ویسے ملکی دولت لوٹ کر سوئس بینکوں میں رکھوائی جاتی ہیں اگر چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان کہتے ہیں کہ ملک و قوم کی لوٹی ہوئی دولت کا حساب دو تو کہتے ہیں کہ ہمیں استثناء حاصل ہے جب حضرت سیدنا عمر فاروقؓ قوم کے سامنے جواب دہ ہیں اور وہ استثناء کا ذکر نہیں کرتے تو ہمارے حکمران کس باغ کی مولی ہیں کہ انہیں
استثناء حاصل ہے۔اگر استثناء حاصل ہوتا تو سب سے پہلے حضرت سیدنا امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہوتا۔اگر استثناء حاصل ہوتا تو سب سے پہلے حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروقؓ کو حاصل ہوتا۔اگر استثناء حاصل ہوتا تو سب سے پہلے حضرت سیدنا امیر المومنین سیدنا عثمان غنی ذوالنورینؓ کو حاصل ہوتا۔اگر استثناء حاصل ہوتا تو سب سے پہلے حضرت سید امیر المومنین علی

المرتضیٰؓ کو حاصل ہوتا کہ جنہیں میرے اور آپ کے ایمانوں کے والی حضور نبی ﷺ نے جنت کی بشارت ان کی زندگی میں ہی دے دی ان نفوس قدسیہ نے نہیں کیا کہ ہمیں تو جنت کی بشارت بھی مل چکی ہے ہم جو چاہیں کریں لیکن ان برگزیدہ ہستیوں نے استثناء کا ذکر نہیں کیا بلکہ دینی عافیت سنوارنے کیلئے دکھی انسانیت کی خدمت کرنے میں کمی نہیں آنے دی۔ حضرت سیدامیر المومنین ابوبکر صدیقؓ نے تو خدمت کی انتہا کردی آپ اپنے دورخلافت میں ایک بوڑھی عورت جو اکیلی تھی کے گھر میں خود جھاڑو دیتے گھر کی صفائی کرتے اور بوڑھی اماں کیلئے کھانا کھلاتے وقت پہلے خود نوالہ چباتے اور پھر بوڑھی اماں کی منہ میں ڈالتے اور وہ اس طرح آہستہ آہستہ کھانا کھالیتی جب آپ کا وصال باکمال ہوا اور حضرت سیدنا عمر فاروقؓ امیر المومنین بنے اور اس بوڑھی اماں کی خدمت کیلئے تشریف لے گئے جب کھانا کھلانے کیلئے نوالہ بوڑھی اماں کے منہ میں ڈالا تو اماں کی چیخیں نکل گئیں کیونکہ بوڑھی اماں کے منہ میں دانت نہیں تھے اور وہ نوالا چبایا نہیں جارہا تھا تو یہ منظر دیکھ کر حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا اے ابوبکر اپنے بعد میں آنے والے کو مشکل میں مبتلا کردیا جب آپ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ بنے تو اس سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے لیکن جب خلیفہ بنے تو گھر کے اخراجات کیلئے بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا اس سے گھر کے اخراجات اور کھانا وغیرہ بھی تیار ہوتا اور وہ کھانا آپ کے گھر سے تیار ہو کر آتا ایک دن حسب معمول جب کھانا آیا تو وہ کھانا میٹھا تھا آپ نے اپنے گھر والوں

سے سوال کیا کہ آج کھانا میٹھا کیسے بنایا گیا تو آپ کی بیوی نے جواب دیا کہ میں روزانہ تھوڑا بچا لیتی تھی اور یہ کھانا اس بچت سے بنایا گیا جب آپ نے یہ سنا فرمایا اس کا مطلب ہے کہ ہمارا گزارہ اس سے کم وظیفے میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آج سے اتنا کم وظیفہ لیا جائے گا۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس ایک چادر اور ایک پیالہ ہے ان دنوں چیزوں کو فروخت کرکے بیت المال میں جمع کرا دینا۔ عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں اپنے خاندان والوں سے چھینی ہوئی زمین واپس اصل مالکوں میں لوٹائی اور اپنے خاندان والوں کو کفایت شعاری کا درس دیا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروقؓ سے ایک مرتبہ روم کا قاصد ملنے کیلئے آیا تو پوچھا کہ آپ کے بادشاہ کا محل کہاں ہے تو لوگوں نے بتایا کہ ہمارے بادشاہ کا محل نہیں ہے وہ تو سادہ کچے مکان میں رہتے ہیں اور اس وقت وہ کسی کی مزدوری کر رہے ہیں جب وہ قاصد وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ وقفے کا ٹائم ہے اور امیر المومنین ایک درخت کے نیچے اینٹوں کا سرہانہ بنائے ریت پر سو رہے ہیں۔ جب وہ قاصد وہاں پہنچا تو دیکھ کر کہنے لگا انہیں قتل کرنا تو بہت آسان ہے کہ ہمارے حکمران ان کے نام سے ڈرتے ہیں جب اس نے تلوار میان سے نکالی تو سیدنا عمر فاروقؓ کی آنکھ کھل گئی اور جب آپ کی نظر اس اجنبی پر پڑی تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ کانپنے لگا اور کہنے لگا اے امیر المومنین تم نے اپنی قوم کو سکھ دیا ہے خود بھی سکھی سو رہے ہو ہمارے حکمرانوں نے قوم کو

دکھ دیا اور وہ خود بھی سکون کی نیند نہیں سو سکتے۔حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے قوم کی دولت کی حفاظت فرمائی بلکہ ایک مرتبہ ایک شخص ذاتی کام کیلئے رات کے وقت آپ کے در دولت پر آیا اور جب آپ سے ملاقات کرنے لگا تو آپ نے چراغ گل کر دیا اس اجنبی شخص نے کہا اے امیر المومنین میں آپ سے ملنے کیلئے آیا ہوں اور آپ نے چراغ گل کر دیا ہے امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا پہلے میں سرکاری کام سرانجام دے رہا تھا اب سرکاری کام نہیں ہے یہ میری اور تیری ذاتی ملاقات ہے اور میں نہیں چاہتا کہ بیت المال کا تیل ضائع ہو اس لئے میں نے چراغ کو گل کر دیا ہے۔آپ جسے گورنر بناتے ہیں اس پر چار شرائط لاگو ہوتیں

1: گورنر اپنے دروازے پر پردہ نہیں ڈالے گا۔

2: گورنر اونٹ کی سواری کریگا گھوڑے کی سواری نہیں کریگا۔

3: گورنر اپنے دروازے پر چوکیدار نہیں رکھے گا۔

4: گورنر اپنے دور گورنری میں کوئی نیا مکان تعمیر نہیں کرے گا۔

آج ہے کوئی ایسا حکمران جو سیدنا عمر فاروق کے نقش قدم پر چلے اور ان باتوں پر عمل کرے جو حکمران اتنا پرہیزگاری ہو وہ قومی دولت کو کیسے ضائع کریگا لوٹے گا۔کاش آج ہمارے حکمران بھی اسوہ فاروقی پر عمل کرتے آپ کے نقش قدم پر چلتے اور مثالی حکمران بنتے مگر آج ہمارے حکمران دولت اور اقتدار کے نشے میں مدہوش چکے ہیں جیسے یہ ملک ان کے باپ کی جاگیر ہے جس طرح چاہیں کریں

کوئی روکنے والا نہیں۔ ہمارے حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ حکمران بھی نہیں رہا جس نے کہا تھا کہ میں نہیں میری کرسی مضبوط ہے نہ وہ خود رہا اور نہ اس کی کرسی رہی بلکہ جو آیا جانے کیلئے آیا ہمیشہ یہاں کسی نے نہیں رہنا نہ کوئی رہا آج ہمیشہ یہاں کسی نے نہیں رہنا نہ کوئی رہا آج اگر آپ چاہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں تو آج اس غربت اور مہنگائی کے دن اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں تو آج اس غربت اور مہنگائی کے ہاتھوں مجبور قوم کے حال پر رحم کرو ترس کھاؤ ملک و قوم کی دولت لوٹنے کی بجائے ملک و قوم کی تقدیر کو سنوارو۔ اور یاد رکھو یہاں استثناء کا سہارا تلاش کرنے والے حکمرانوں اس وقت تو ملک و قوم کو دکھ دے سکتے ہو استثناء کا بہانہ کر سکتے ہو لیکن جب اس خالق مالک کی بارگاہ میں پیش ہوگے کیا وہاں بھی استثناء کا بہانہ کروگے خبردار وہاں کوئی استثناء نہیں چلے گا وہاں کام آئے گا نیک عمل جو اس دنیا میں کیا ہوگا وہاں کوئی استثناء نہیں چلے گا کوئی صدارتی آرڈیننس نہیں چلے گا کوئی شاہی فرمان کام نہیں آئے گا آج وقت ہے اپنے رب کو راضی کرلو ورنہ وہاں کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

سرمحشر جب انہوں نے پوچھ لیا بلا کر
کیا جواب جرم دوگے تم خدا کے سامنے جا کر

میری پاک زمین کرپشن کی زد میں

تحریر۔ حکیم اشرف شاقب

قرآن مجید فرقان حمید میں قوموں کے واقعات اللہ تبارک تعالیٰ نے بیان کیے مختلف
انبیاء کرام کی قوموں کے واقعات تفصیل سے درج کیے گئے ہیں اس وقت کے انبیاء کی
قوم کے لوگ شریعت سے ہٹ کر کوئی کام کرتے تو اللہ کے یہ برگزیدہ بندے
انبیاء کرام ان کو منع فرماتے کوئی مال تجارت میں ملاوٹ کرتا کوئی قوم سودی کام
کرتی اور کوئی رشوت ستانی کے موذی مرض میں مبتلا ہوتا اگر وقت کے نبی اپنی قوم کو
اپنے مال سے کچھ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تو وہ اس کے مخالف ہو جاتے اللہ کے نیک
بندوں پر ظلم و ستم اور بربریت کے پہاڑ گرا دیتے آج میرے دیس میری پاک
سرزمین میں وہ تمام کام ہو رہے ہیں جس سے اسلام نے منع کرتا ہے بد قسمتی سے ان
برے کاموں کو بڑی ڈھٹائی سے سرانجام دیا جاتا ہے اور پھر شرمندگی بھی نہیں ہوتی تو
اس میں محسن انسانیت تاجدار یثرب نے فرمایا کہ جو قوم کھلے عام اللہ کے احکام توڑے
گی تو انتظار کرو زمین پھٹ جائے گی اور اس قوم پر پتھروں کی بارش ہو گی ایسی قوم کی
روزی تنگ کر دی جائے گی قارئین محترم آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کی طرف بغور
توجہ دیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں آج ہم رشوت
کو اپنا حق سمجھتے ہیں

ذخیرہ اندوزی کو منافع کمانے کا بہترین طریقہ تصور کرتے ہیں جھوٹ اور قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتے ہیں کرپشن تو ہماری گھٹی میں شامل ہے حق دار کے حق کھا کر ہم خوشی محسوس کرتے ہیں چور ڈاکو ہمیں تحفظ دینے کے دعوے کرتے ہیں تو ایسے حالات میں کہاں زندگی گزارنا آسان ہے گذشتہ دنوں ایک اخبار تحریر پڑھی جس کو پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا پاکستان میں اس وقت کرپشن کی انتہا ہے کہتے ہیں کہ جب قانون کے رکھوالے اور پاسدار ہی چوری اور کرپشن میں شریک ہو جائیں اور وہ چوروں ڈاکوؤں کو جدید آلات جو انہیں گاڑیوں کی چوری کرنے کے لیے فراہم کیے گئے ہوں تو قارئین محترم آپ ہی بتائیں کیا قانون کے محافظ اور ڈاکوؤں میں فرق رہ جاتا ہے؟

محمد حسن ایک بین الاقوامی کار چوروں کا سرغنہ ہے اور اس وقت وہ پانچویں مرتبہ گرفتار ہوا ہے اور کئی انکشاف کیے محمد حسن کا تعلق ضلع صوابی سے ہے گاڑیوں کی چوری ملوث اس نے بتایا کہ تقریباً 700 ٹویوٹا لینڈ کروزر، پراڈو، پجیرو، جلسی لگژری گاڑیاں 10 اسلام آباد اور گرد ونواح سے چوری کر کے جمیرز کی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے انہیں پشاور اور مردان لے جاتا جہاں ان کی ایک منظم مارکیٹ ہے اور یہ گاڑیاں اثر ورسوخ رکھنے والے افراد قانونی طور پر اپنے نام رجسٹرڈ کروا لیتے ہیں محمد حسن نے بتایا کہ اس میں سیاستدان، بیورکریٹس، سینئر بینکرز اور دیگر اہم شخصیات شامل ہیں ملزم محمد حسن نے بتایا کہ جیمرز حاصل

کرنے کے لیے ہم کو 90ہزار سے ڈیڑھ لاکھ روپے ادا کرنے پڑتے ہیں جس سے
گاڑیوں میں لگے حرکات وسکنات بتانے اور انہیں جام کرنے والے تمام جدید آلات غیر
موثر ہوجاتے ہیں اور چوری کی گاڑیوں کو پاکستانی شہروں میں منتقل کیا جاتا ہے محمد حسن
نے راولپنڈی اسلام آباد پولیس کے کئی افسران اور اہلکاروں کے نام بھی بتائے ہیں جو
اس گروہ کی رشوت کے عوض مدد کرتے ہیں اس نے انکشاف کیا کہ چار ماہ قبل اس ایک
گروہ ایک ٹویوٹا کرولا اسلام آباد سے چوری کرکے ایبٹ آباد لے جارہا تھا کہ راستے میں
کے سب انسپکٹر نے روکا اور 7 روپے لیکر چوری کی گاڑی کو جانے دیا ملزم ACLC انہیں
نے بتایا کہ بعد میں اسلام آباد کی 50 فیصد چوری کی گاڑیاں پولیس والے دوسرے
شہروں میں منتقل کردیتے ہیں اور ہمارے معاون ثابت ہوتے ہیں حسن نے بتایا کہ اس
بھی شامل ہیں جنہیں (E.T.O) کے ساتھ پشاور میں ایکسائز اینڈ ٹیکنیشن افسران
ء میں تقریباً 700 سو چوری کی گاڑیوں کو ساڑھے تین لاکھ سے چار لاکھ روپے 2010
لے کر جعلی کاغذات بنائے جس کے لیے ان گاڑیوں کے انجن چیسز نمبر پشاور شوبا
مارکیٹ ان نہایت ہی مہارت ویلڈنگ کرکے تبدیل کردیا جاتا ہے جس کے بعد فوسینک
کے اہلکار انجن اورچیسز نمبر تبدیل کی ہوئی گاڑیوں کی 40 ہزار FCL سائنس لیبارٹری
سے ایک لاکھ روپے فی گاڑی رشوت لے کر لیبارٹری کلیئرنس رپورٹ جاری کردیتے
کے اہلکار گروہ کی رہنمائی بھی کرتے ہیں تاکہ ان گاڑیوں پر FSL ہیں اور اس کے علاوہ
چوری کا کوئی سعبہ نہ رہے جس کے بعد ان گاڑیوں

کو مارکیٹ قیمتوں پر فروخت کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ گاڑیاں جن کے انجن اور چیسز نمبر تبدیل نہیں کیے جاتے انہیں کھول کر اسپیئر پارٹس فروخت کر دیئے جاتے ہیں گروہ کے سرغنہ محمد حسن نے ایک اور دلچسپ انکشاف کیا کہ انہیں مارکیٹ ڈیمانڈ پر لگژری گاڑیوں کے چوری کے ایڈوانس رقم دے کر آرڈرز بھی دیئے جاتے ہیں ملزم نے بتایا کہ اسلام آباد کے بلیو ایریا کے بڑے خریدار نے اسے ایڈوانس رقم دے کر 100 گاڑیاں فراہم کرنے کا آرڈر دیا تھا ملزم حسن نے مزید بتایا کہ گاڑیوں کی چوری کے سلسلے میں رشوت کی رقم اینٹی کار لفٹنگ سیل ، فورسینک لیبارٹری اسلام آباد کے راستے میں پولیس چوکیوں کے اہلکاروں میں تقسیم کر کے سگنل ملنے کے بعد گاڑیاں اٹھائی جاتی ہیں اور یہ کاروبار بڑے دھڑلے سے جاری و ساری ہے۔

قارئین محترم آپ ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے سوچیں کہ میرے ملک میں یہ کیا ہو رہا ہے ملزم حسن کون ہے ؟اور کتنے عرصے سے کام کر رہا ہے پانچ مرتبہ گرفتار ہوا مگر پھر اس کو چھوڑ دیا گیا۔

قارئین محترم جناب کسی ملک کے تحفظ دینے والے چور اور ڈاکوؤں سے چند ٹکے لے کر اس کو راہ فرار کا موقع دے دیتے ہیں جب کسی ملک کے سیاستدان چور اور ڈاکوؤں سے چوری کا مال سستے داموں خرید کر عیاشی پر لگاتے ہیں تو اس ملک کا

خدا حافظ ہے۔

روایت فرنگی (اپریل فول

اپریل فول منانا غیر مسلموں کی اندھی تقلید ہے جو ہم مسلمانوں نے بھی اپنا لی ہے اور ہر سال اس کو نہایت ہی جوش وخروش سے مناتے ہیں اور پھر اپنی کامیابیوں پر بڑے فخر کرتے ہوئے اپنے شکار کی بے بسی کو یاد کرکے اپنی محفلوں میں سناتے ہیں۔

آج اپریل فول کا یہ فتنہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو تباہ کرنے کا سبب بن رہا ہے جسے وہ غیر مسلموں کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ بول کر اپنے عزیز واقارب کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اپریل فول کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ اسکا اندازہ درج ذیل چند حکایتوں سے ہوسکتا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان کہاں کھڑے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی حکایت مبنی بر حقیقت ہے یا حقیقت سے کسی قدر قریب بھی ہے تب بھی اپریل فول منانا گویا خود کو طمانچہ رسید کرنے کے مترادف ہے۔

قدیم تہذیبوں کے زمانے میں نئے سال کا آغاز یکم اپریل یا اسکے قرب وجوار کی تاریخوں میں منایا جاتا تھا۔ 1582ء میں پوپ جورج ہشتم نے پرانے جولین کیلنڈر

کی جگہ ایک نئے جورجین کیلنڈر کے بنانے کا حکم دیا جس کی رو سے نئے سال کا آغاز یکم اپریل کی بجائے یکم جنوری سے شروع ہونا قرار پایا۔ اس سال فرانس نے نیا جورجین کیلنڈر اختیار کرتے ہوئے نئے سال کا آغاز یکم جنوری سے کیا۔ متضاد روایات کے مطابق یا تو ایک کثیر تعداد میں عوام الناس نے اس نئے کیلنڈر کو مسترد کر دیا یا اس نئے کیلنڈر کی تبدیلی کی اطلاع بروقت دور دراز کے علاقے کے لوگوں تک نہ پہنچ سکی جس کی بناء پر وہ نیا سال پرانے کیلنڈر کے مطابق ہی یعنی یکم اپریل کو مناتے رہے۔ اس موقع پر جدت پسندوں نے قدامت پسندوں کا مذاق اڑانے کے لیے یکم اپریل کو انہیں بے وقوف بنانے اور جھوٹی باتوں پر انکا یقین پختہ کرنے کے لیے انہیں جھوٹے پیغامات اور نئے سال کی ایسی تقریبات کے دعوت نامے بھیجنا شروع کر دئے جنہیں سرے سے منعقد ہونا ہی نہیں تھا۔ اسطرح یہ رسم سارے یورپ میں یکم اپریل کو جھوٹ بول کر لوگوں کو بے وقوف بنانے کے حوالے سے پھیل گئی۔

اس سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ مسلمانوں کے دورِ اسپین سے متعلق ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اسپین میں تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی، اس دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دینے اور اسلام کی جڑوں کو اسپین سے اکھاڑ پھینکنے کی بہت کوششیں کیں مگر ان کو اپنی کسی بھی کوشش میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنی مسلسل ناکامیوں اور مسلمانوں کی طاقت

اور قوت کے اسباب جاننے کے لیے اسپین میں اپنے جاسوسوں کو بھیجنا شروع کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ناقابل شکست ہونے کا راز پا سکیں۔انھوں نے اپنے آقاؤں کو یہ رپورٹ دی کہ مسلمانوں میں تقویٰ موجود ہے اور وہ قرآن اور سنت کی مکمل اتباع کرتے ہیں اور حرام اور منکرات سے بچتے ہیں اس لیے وہ ناقابل شکست ہیں۔جب انھوں نے مسلمانوں کی طاقت کا راز پا لیا تو اپنی ساری ذہنی قوت اس بات پر خرچ کر دی کہ کسی طریقے سے مسلمانوں کو انکی اس روحانی طاقت سے محروم کر دیا جائے، اس کے لیے انھوں نے یہ حکمتِ عملی بنائی کی کہ شراب اور سگریٹ کی مفت ترسیل اسپین کو شروع کر دی، انکی یہ ترکیب کامیاب رہی اور ان کے استعمال کی وجہ سے مسلمانوں میں اخلاقی کمزوریاں نمایاں ہونے لگیں خصوصاً مسلمانوں کی نوجوان نسل اس سازش کا سب سے زیادہ شکار ہوئی۔ مسلمان اخلاقی تنزلی کا شکار ہو کر کمزور پڑ گئے اور عیسائیوں کو انکے دیرینہ خواب کی تعبیر مسلمانوں کی اسپین سے بے دخلی کی صورت میں مل گئی، اسپین میں مسلمانوں کی طاقت کے آخری سرچشمے یعنی غرناطہ کا عیسائی افواج کے ہاتھوں زوال یکم اپریل کو ہوا اس لیے وہ اس دن کو اسپین کو مسلمانوں سے آزادی کا دن قرار دیتے ہیں اور چونکہ انکے خیال میں مسلمانوں کو شکست انکی چالاکی اور دھوکہ دہی کے نتیجے میں ہوئی تھی اس لیے وہ یکم اپریل کو فول ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔

اور اپریل فول میں ہونے والے حادثات بہت ہیں۔ لوگوں میں سے کتنے ہیں جن کو ان کے لڑکے یا بیوی یا دوست کی وفات کے بارے میں خبر دی گئی تو تکلیف و صدمہ کی تاب نہ لا کر انتقال کر گئے، اور کتنے ہیں جن کو نوکری کے چھوٹنے یا آگ لگنے یا انکے اہل وعیال کا ایکسیڈنٹ ہونے کی خبر دی گئی تو وہ مختلف امراض سے دوچار ہو گئے. اور بعض لوگوں سے جھوٹے یہ کہا گیا کہ انکی بیوی فلاں آدمی کے ساتھ دیکھی گئی تو یہ چیز اس کے قتل یا طلاق کا سبب بن گئی. اسی طرح بہت سارے واقعات وحادثات ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں. اور سب کے سب جھوٹ کا پلندہ ہیں جنہیں عقل و نقل حرام ٹھراتی ہے اور مذاق کرنے والے ان سارے ناقابل تلافی نقصانات کا کسی طور پر بھی کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کے لیے ان غیر شرعی اور غیر اسلامی رسوم و رواج کو منانے کے حوالے سے یہ بات یقینا سخت تشویشناک ہونی چاہیے کہ یہ غیر اسلامی ہیں اور اسلام کی عظیم تعلیمات اور اخلاقی اقدار کے منافی ہیں۔

جھوٹ نفاق کی نشانی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ سچ بولے یا خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے اس شخص پر خصوصی طور پر لعنت فرمائی ہے جو جھوٹ بول کر لوگوں ہنساتا ہے۔ آج کل لوگ مزاح کے نام پر

انتہائی جھوٹ گھڑتے ہیں اور لوگوں کو جھوٹے لطائف سنا کر ہنساتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے ان اقوال مبارکہ کی روشنی میں اپریل فول جیسی جھوٹی رسوم وروایات کو اپنانے اور ان کا حصہ بن کر لمحاتی مسرت حاصل کرنے والے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ ایسا کرکے وہ غیر مسلم معاشرے کے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں جس کی رو سے لوگوں کو ہنسانے، گدگدانے اور انکی تفریح طبع کا سامان فراہم کرنے کے لیے جھوٹ بولنا انکے نزدیک جائز ہے۔

اسلام کے مطابق مسلمانوں کے لیے اپریل فول یا اس سے مشابہت رکھنے والے کسی بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی تہوار کا منانا ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی تعلیمات پر چلنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہود و نصاری کی اندھی تقلید سے محفوظ رکھے۔ آمین

غریبوں کی دنیا

تحریر: حکیم محمد اشرف شاقب

حقیقت وواقعات اور معاشرت اور معاشرے میں رہنے والے افراد معاشرے کی تعریف ہے۔ امیر غریب، سفید پوش کار کوٹھی ، جھونپڑی میں رہنے والے تمام طبقات معاشرے کا حصہ ہیں۔ نیکی بدی آگے بڑھنے والے یا تو اللہ سے دور ہو جاتے ہیں یا اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام افراد معاشرے کا حصہ ہیں شادی غمی خوشی زندگی کے شب و روز میں پیدا ہونے والے اُتارچڑھاؤ ظلم وستم انسانیت سوز سلوک نرم دل پتھر دل والے تمام معاشرے کا حصہ ہیں۔ مگر ان تمام اور موجودہ حالات میں میرے نزدیک اور میرے مشاہدے میں غریب آدمی اب بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر مطمئن ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔

سرائیکی میں ایک مقولہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اج وی اللہ ڈتائے ۔۔۔ کل دی روزی وی اللہ ڈیسی

امیر اور اونچے طبقہ سے تعلق رکھنے والے بے چارے ہر وقت جمع تفریق سٹینڈرڈ کار کوٹھی کے چکر میں فکر مندی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ گزشتہ روز میں اپنے گاؤ ں سے بھکر آ رہا تھا کہ جب گاڑی بھکر کے قریب پہنچی تو سڑک بلاک تھی

اور سڑک کے کنارے آدمیوں کا ایک ہجوم تھا ڈرائیور نے گاڑی روکی اور میں نے لوگوں کا ہجوم دیکھا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے سمجھا کہ کوئی نا خوشگوار واقعہ پیش آگیا ہے ایکسیڈنٹ یا لڑائی جھگڑا میں نے جب اپنی عمیق نظروں سے جائزہ لیا ایک ٹولہ ڈھول کی تاپ پر ڈانس کر رہا تھا اور ایک ٹولہ اپنی گدھا ریڑھی کے قریب نعرے بازی موتی زندہ باد۔۔۔۔ موتی زندہ باد۔۔۔ نواز زندہ باد۔۔۔۔کے نعرے لگ رہے تھے۔جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میرے دل کی دھڑکن آہستہ ہوئی خوشی کا اظہار ہونے لگا۔ کیونکہ آج کل حالات ایسے ہیں کہ معاشرتی پریشانیاں بے روزگاری ایکسیڈنٹ کیسز مہنگائی اور حکمرانوں کی غلط پالیسیاں لوڈ شیڈنگ بجلی بحران ان تمام عوامل نے لوگوں کو چڑچڑا پن اور ذہنی ڈپریشن میں مبتلا کر دیا ہے۔ایسے حالات معاشرے میں منفی رجحانات پیدا کر رہے ہیں۔اور اور چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں پر قتل کی نوبت پہنچ چکی ہے۔ مگر ایسے حالات ہیں۔ میں نے اپنے سٹاپ پر اُتر کر سب سے پہلے روڈ پر حالات کا جائزہ لیا اور لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ آج گدھا ریڑھی والو ں کے درمیان ایک ریس تھی۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ مشرقی سائیڈ خانسر چوک پر ایک بڑا جلوس اُنکی ترتیب اور ڈسپلن دیکھ کر مجھے ایسا لگا کوئی منسٹر آرہا ہے۔ سب سے آگے وہ گدھا ریڑھی اور اُس گدھے کی گردن میں نوٹوں اور مالہ کے ہار جیتنے والا اور اُنکے چند دوست نعرے بازی اور خوشی کے گیت گا رہے تھے۔ اُنکے پیچھے موٹر سائیکل

سوار رکشے والے اور ڈانسن پر بے شمار تماشائی ایک جلوس کی صورت میں اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

قارئین محترم۔ میرا کہنے کا مقصد اور جو میں اپنے اندر کی بات نوک قلم سے کینوس پر تصویر بنانا چاہتا ہوں۔ مجھ سے بن نہیں پا رہی میں اللہ سے لفظوں کا ذخیرہ مانگ رہا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج نفسا نفسی کا عالم ہے کوئی کسی کا نہیں، پیار محبت، اخوت و مساوات کے جذبات ختم ہو گئے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو آتے ہیں۔ محبت کی جگہ نفرتوں اور کدورتوں نے لے لی ہے۔

مگر اُس دن میں نے یہ منظر دیکھا۔ یہ بے زبانوں کی کھیل اور تفریح کی لذت محسوس کی اور جن غریب اور مزدور طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا بے زبان جانور ریس میں کامیاب ہونا کامیابی کے بعد وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہونا، اور ایک دوسرے کے ماتھے کے بوسے لے رہے تھے۔ خوشی کے نغمے جیت کے گیت اور نعرے بازی اُن کی زبان پر جاری و ساری تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں کائنات کی بہت بڑی خوشی ملی ہے۔

قارئین محترم دیکھئے میں جس کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں

کہ دنیا میں غریب ہونا کوئی جرم نہیں اگر آپ کسی غریب آدمی سے پوچھیں کہ بھائی کیسے گزارا چل رہا ہے تو 99 فیصد الحمد للہ اُس کی زبان سے اللہ کا شکر ادا ہوگا۔ اور اُس کا چہرہ ہشاش بشاس دکھائی دے گا کیونکہ رزق حلال میں برکت ہے۔ میرے نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین رزق ہاتھ سے کمایا ہوا رزق ہے۔

یہاں پر بس نہیں، قارئین محترم میرے آقا ﷺ کے پاس ایک صحابی آیا اور فرمایا۔ یارسول اللہ ﷺ گھر میں تنگی بھوک اور افلاس سے فاقوں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ آپ آقائے دوجہاں ہیں خوشحالی کی دعا فرمائیں آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی آہ بھری آپنے صحابی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ میرے پیارے ربِ ذوالجلال کی قسم جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے۔ اگر میں دعا کروں تو یہ اُحد کے پہاڑ سونا بن جائیں اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگیں مگر میں یہ نہیں چاہتا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کیا تاریخی الفاظ نکل رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی میں تو اللہ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ اللہ مجھے ایک وقت روٹی دے اور ایک وقت مجھے بھوکا رکھے۔ تاکہ میں شکر اور صبر کے جذبات کا اظہار کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ کو شکر اور صبر یہ دونوں خصلتیں بہت پسند ہیں۔ مگر آج بد قسمتی سے ایمان ویقین کی کمزوری اور اللہ کی ذات اقدس پر شکر اور صبر کی خصلت معاشرے میں ختم ہو گئی ہے۔ تو اللہ تبارک تعالیٰ تو وراالورا ہے یہ رب دوجہاں کا قانون ہے۔ شکر اور صبر کرنے والے انسان کو اللہ تعالیٰ زیادہ نوازتے ہیں۔

آج امت مسلمہ اپنے اعمال سے دور ہوئی۔ ہر گھر میں رزق کی تنگی کے طعنے دیئے جا رہے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اشرف صاحب۔۔۔۔۔ آج گھر میں دس کمانے والے ہو ں پھر بھی پورا نہیں ہوتا۔ الحمدللہ اللہ نے مجھے بہت رزق دیا ہے۔ میرے آٹھ بچے ہیں اور میں گھر کا ایک کفیل ہوں اچھے کپڑے پہنتا ہوں موبائل اور موٹر سائیکل اور گھر میں ساری ضروریات زندگی موجود ہے۔ تو پھر میں کیوں نہ اللہ کا شکر ادا کروں اور جو رزق میرے مقدر میں ہے وہ مجھ کو مل رہا ہے۔

آیئے قارئین محترم ہم بھی بطور امت مسلمہ اللہ کے بھیجے ہوئے سنہری اور زندگی گزارنے کے اصول اپنالیں تو آج بھی آپ کے گھر میں آپ کی زندگی میں طمانیت اور خوشحالی آسکتی ہے۔ شکر اور صبر کے اصولوں کو اپنا کر کامیاب زندگی گزاریں۔

نوجوانوں کمر باندھ لو

تحریر ۔۔ سجاد علی شاکر

یہ ملک جسے ہم نے دو قومی نظریہ کی آڑ میں حاصل کیا۔برصغیر پاک وہند میں جب انگریز اور ہندو ہم پر غالب تھے،تواس وقت مسلمان ہر طرح سے دبوچے جاچکے تھے دشمنوں نے ان کا جینا محال کر رکھا تھا معاشرے میں ان مسلمانوں کو جنھوں نے ہمیشہ حکمران بن کرزندگی بسر کی تھی اب وہ اپنا اصل مقام کھو چکے اور غلاموں کی طرح مشکلات سے دو چار تھے اس وقت ہمیں خدا نے فرشتوں کی اچھی سیرت کے مالک رہنماؤ ں سے نوازا جو کہ بے لوث خدمت گار اور باکردار شخصیت کے مالک تھے ان رہنماؤ ں میں سر سید احمد خان رحمتہ اللہ علیہ، علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ، اور قائدا عظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ سب سے آگے تھے ان رہنماؤ ں نے اپنے رفقاءکے ساتھ مل کر دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی اور پیوندکاری کی اور مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کی بنیاد ڈالی۔ان رہنماؤ ں کی بدولت آخرکار مسلمانوں نے زمین کا ایک ٹکڑا تو حاصل کرلیا مگر غلامی کی زندگی تو ہم بھی بسر کر رہے ہیں، اقبال اپنے دور کی بزرگ نسل سے بہت مایوس تھے یہ نسل ایک جانب تو مغربی تہذیب کی اندھی تقلید اور دوسری جانب مذہبی تقلید اور فرقہ واریت کا شکار ہو کر جمود کا شکار ہوچکی تھی اور

اپنے آپ میں تبدیلی لانے کے لیے تیار رہے ان حالات میں نوجوان ہی ان کی واحد امید تھے اقبال خود کو حال کی بجائے مستقبل کا شاعر سمجھتے تھے انہوں نے اپنی شاعری میں بوڑھے لوگوں کی بجائے نوجوانوں کو مخاطب کیا۔

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر
پرواز وہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

اقبال اپنے ایک کلام میں رب سے یہ دعا کرتے ہیں میں " جو پر ان کہن سے ناامید ہوں " آنے والے دور کی بات کہنا چاہتا ہوں جوانوں کے لیے میرا کلام سمجھنا آسان کردیجئے۔ان کے لیے سخن کی گہرائیاں آشکار کردیجیے۔

فلسفہ اقبال جغرافیائی دسعت ہے آج بھی یورپ میں اس بات کو تسلیم کیا جارہا ہے کہ ہندو مندروں میں رکھے بتوں کی پوجا کرتے ہےں گائے، بندر، ہاتھی اور سانپ جیسے جانوروں کی پوجا کرتے ہیں خوشی میں ناچتے اور غمی میں گاتے تھے بلکہ ہندو ناچ گانے کو تو اپنا دھرم سمجھتے تھے ذات پات کی تفریق ہندو دھرم

کا خاصہ ہے جبکہ مسلمانوں کا خاصہ توحید ہے اور ہندو دھرم کے.برعکس مسلمان کے ہاں ناچ گانا ایسی شیطانی خرافات ہیں جو بنی نوع انسان کو بدمست کرتے ں اور بہکاتی ہیں تمام جانور چرند پرند اللہ تبارک تعالیٰ کی مخلوق ہیں مسلمان کے ہاں.بڑائی کی بنیاد تقویٰ ہے ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا تاکہ ہم اپنے ملک میں اسلام کا بول بالا کر سکیں انصاف عام کر سکیں مگر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں صرف ایک زمین کا ٹکڑا حاصل ہوا اور کچھ نہیں کیونکہ غلام ہم پہلے بھی تھے اور آج بھی ! ہمارا وطن عزیز جیسے ہم نے بہت سی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہندو اور انگریزوں اور سب باہر والے دشمنوں سے مقابلہ کرکے حاصل کیا۔افسوس ہے کہ ہم نے باہر والے سب دشمنوں کا تو سامنا کرلیا مگر اب ہمارے اپنوں نے ان کی جگہ لے لی ہے ہمارے حکمران جو کہ روپ بدل بدل کر آتے ہیں عوام کو لوٹتے ہے ں ان کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں اور خود عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

1947ء سے لے کر آج تک وہی چہرے وہی لوگ ہمارے اوپر مسلط ہو رہے ہے ں کبھی نواز حکومت آجاتی ہے اور کبھی زرداری یہ سب وہ لوگ ہیں جن کو ہم بہت مرتبہ پرکھ اور جان چکے ہیں اب ہمیں اپنے پیارے وطن کو ترقی کی طرف گامزن کرنا ہے اور یہ ترقی ہمیں ان لوگوں سے حاصل نہیں ہوگی ہمیں ان سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئے،آج ملک کو نوجوان قیادت کی اشد ضرورت ہے، نوجوانوں اٹھو جاگو اور

خود میدان میں اترو یہ جو لوگ چہرے بدل بدل کر ہمارے پیارے وطن عزیز کو لوٹ رہیں ہے ان کو ان کے انجام تک پہنچاؤ ہمارے قائد نے ہمیں یہ وطن عزیز بہت قربانیوں کے بعد حاصل کرکے دیا تھا ہمیں اب اپنے اندر والے دشمنوں کا نام ونشان ختم کرنا ہے ان کا دانہ پانی اور ڈیرے جو یہ جما کر بیٹھے ہیں جڑ سے اکھاڑنے ہیں

نوجوانوں اس دور کا سب سے مشکل کام اس دور میں جینا ہی تو ہے اور جو انسان اس دور کے طور طریقے سیکھ گیا وہی کامیاب ٹھہرا ہر دور انسان خود بناتا ہے کیونکہ دور وہی رہتا ہے بس انسان تبدیل ہوجاتے ہیں پچھلے چند سالوں سے پاکستان کو پوری دنیا میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جارہا۔جس کی چند وجوہات ہیں جن میں کرپشن ناانصافی اور دہشت گردی شامل ہیں آج اگر کوئی شہری غلط کام کرے تو حکومت اس کے خلاف ایکشن لیتی ہے لیکن اگر حکمران خود غلط کام کرےں تو کوئی بھی ایکشن نہیں لیتا آخر ایسا کیوں ؟اور کب تک ہمیں ان سوالات کا جواب چاہئے جو کے ہمارے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا کیونکہ یہ ملک ہم سے ہے اگر ہم غلط ہوں گے تب ہی یہ ملک بھی غلط ہوگا آج ہماری عوام گونگی اور اندھی ہونے کا ثبوت دے رہی ہے آج سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں اور کان بند کیے ہوئے ہیں ہماری مثال اس دور میں کئی منزلہ بحری جہاز جیسی ہے جس کے نیچے کی منزل والے لوگ جہاز میں سوراخ کر رہے ہوں اور اوپر والے چپ چاپ بیٹھ کر تماشا دیکھیں اور اس جہاز کے ڈوبنے کا انتظار کریں۔کیا ہم ان سب کو روک نہیں سکتے ؟کیا ہمیں جینے کا حق نہیں ؟خدا ہم سب کو ہدایت عطا

فرمائے اور ہماری عوام کو جلد از جلد خواب غفلت سے بیداری عطا فرمائے۔آمین تاکہ
ہم اس جہاز کو صحیح سلامت اس طوفان سے نکال کرلے جائے۔

حضرت اقبال نے بھی سچ کہا ہے کہ

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورے بازو کا
(نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقریریں (پی ایل آئی

ہماری تعلیمی پستی، دورِ جدید کے تقاضے اور ہمارے حکمران

محمد اکرم اعوان ، سعودی عرب

جدید ٹیکنالوجی، معلومات کے سیلاب اور میڈیا کی چکا چوند ترقی نے دُنیا بھر میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اس تیزی سے بدلتی سائنسی اور ثقافتی یلغار نے جنگ، دفاع، امن، دوستی، صنعت و تجارت اور کھیل تک کے منظر کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہم گزشتہ 65 سالوں میں اپنے سماجی تانے بانے کو اتنا مضبوط نہیں کر سکے کہ ہم تیزی سے بدلتے حالات میں دنیا کا مقابلہ کر سکیں۔ بلکہ ہم اپنے لوگوں کو زندگی کی بنیادی سہولتیں تک فراہم نہیں کر سکے۔ اگر قبائلی علاقوں سمیت پورے ملک میں صرف شعبہ تعلیم پر توجہ دی جاتی، لوگوں کی پسماندگی کو معیاری تعلیم کے ذریعہ سے کم کرنے اور باعزت روزگار فراہم کرنیکی سنجیدگی سے کوشش کی جاتی توشاید آج حالات اتنے بدترین نہ ہوتے۔ آج ہمارے لئے دہشت گردی اور خود کش حملہ آور سب سے بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں جن کے حملوں سے مقبول ترین لیڈر، دفاعی اداروں کے ملازمین سمیت ہزاروں بے گناہ شہری اپنی قیمتی جانیں گنوا چکے ہیں۔ دہشت گرد کاروائیوں سے حفاظتی اور دفاعی ادارے بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ملک معاشی طور پر تباہ حال ہو چکا ہے۔ ایک وقت تو ایسا آگیا تھا کہ ہمارے دشمنوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا تھا کہ جو

مملکت اپنے شہریوں کے جان ومال کا تحفظ نہیں کر سکتی تو ایسی ناکام ریاست کے پاس موجود ایٹمی ہتھیار دہشت گردوں کی پہنچ سے کیسے بچ پائیں گے۔

دشمن کا تو کام ہی منفی پراپیگنڈہ کے ذریعہ سے نفسیاتی طور پر ہراساں کرنا ہے۔الحمد للہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ایٹمی اثاثے نہ صرف دہشت گردوں کی پہنچ اور سوچ سے بھی بہت دور ہیں بلکہ دنیا کی ہر طاقت کے ہر قسم کے شر سے محفوظ ہیں۔لیکن ہمیں صرف اسی بات کے فخر میں نہیں رہنا چاہیے ۔بلکہ ہمیں ملک میں امن وامان کی خراب صورتِ حال کو بہتر کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے تعلیمی اداروں کو تحقیقی اور پیشہ وارانہ خطوط پر استوار کرنا ہوگا۔تاکہ آنے والی نسل نئے دور کے جدید تقاضوں پر پورا اتر سکے۔کیونکہ اب دور خطرناک اور مہلک ہتھیاروں سے بہت آگے جا چکا ہے۔ دنیا اب ایٹمی ہتھیاروں سے بچاؤ ،ان ہتھیاروں کو لیزر کے ذریعہ سے فضاء ہی میں منجمد اور ناکارہ بنانے کی ٹیکنالوجی پر بڑی تیزی سے کام کر رہی ہے۔ لیکن حکومتی اداروں میں بیٹھے ہوئے لوگ زمینی حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک تعلیمی میدان میں کوئی انقلابی قدم نہ اُٹھا سکے۔ موجودہ دور میں ہمیں تعلیم کے شعبہ کو بہتر کرنے کے لئے تربیت یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افرادی قوت کے ساتھ ساتھ جدید دور کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جامع منصوبہ بندی کرنی ہوگی اور ایسا لائحہ عمل اپنانا ہوگا جس کو بروئے کار لا کر ہم وسائل کو مسائل کے

حل کیلئے خرچ کر سکیں۔ ہمیں تعلیم اور معیار تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوئے دیگر مسائل بے روزگاری، جمہوریت، سیاسی استحکام اور دہشت گردی جیسے مسائل کے برابر اہمیت دینی ہوگی۔تاکہ معاشرے کے سُدھار کی کوشش کے بہترین نتائج حاصل ہوسکیں۔ہماری پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تعلیم کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ تعلیم کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا رہا بلکہ ہم نے اس شعبہ کو کبھی قومی دھارے کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں کیا۔سابقہ حکومتوں کی طرح موجودہ حکومت بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ناکام رہی ہے۔حکومتی سرپرستی میں چلنے والے تعلیمی ادارے مقررہ اہداف سے بہت دور ہیں۔اساتذہ کی صورت حال بھی پسندیدہ نہیں۔ اساتذہ جن سے قوم کا مستقبل وابستہ ہے معاشرے کا وہ طبقہ ہیں جو عدم توجہی کا شکار ہیں۔اساتذہ کی کفالت اور ان کو تحفظ دینے کے مناسب اقدام نہیں ہوئے۔ معاشرے نے انہیں مناسب مقام دیا نہ ہی احترام۔ بلکہ اب تو ملک کے مختلف حصوں میں اساتذہ کو ٹارگٹ بنا کر قتل کیا جارہا ہے۔سال میں ایک دن ٹیچر ڈے منانے سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کردیا ہے۔ ہر پل بڑھتی مہنگائی کے مقابلے میں ان کی تنخواہیں بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ سے اساتذہ اپنے فرائض خوشدلی سے ادا کرنے میں قاصر نظر آتے ہیں۔ ریاست کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود، امن اور تحفظ کی ضمانت دینا ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ سیاسی ابتری، بے روزگاری، معاشرتی ناہمواریوں اور جہالت نے لاقانونیت کو جنم دیا ہے۔
ان حالات میں سربراہِ مملکت کی طرف

سے یہ مشورہ کہ اگر عوام اتنے ہی تنگ ہیں تو پاکستان چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ مملکتِ پاکستان جہاں ایک طرف آسمان سے ڈراؤن حملوں میں بے گناہ شہری مارے جارہے ہیں تو دوسری جانب پورے ملک میں خانہ جنگی کی صورتحال ہے۔ اپنے ہی ملک میں لوگ ایک دوسرے کی جانوں کے دُشمن ہیں۔ رہی سہی کسر حکمرانوں نے اداروں کے ساتھ ٹکراؤ جیسے مسائل پیدا کرکے پوری کردی ہے۔ جنھوں نے ملک کو اس قدر انتشار کا شکار کردیا ہے کہ ہر شخص قدم قدم پہ خوفِ رہزن ،زمین بھی دُشمن فلک بھی دُشمن جیسے حالات سے تنگ اور نااُمیدی کے دلدل میں دھنستا جارہا ہے۔آج عام شہری مستقبل سے مکمل طور پر مایوس، سخت پریشان حال، مشکلات اور عدم تحفظ کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنی پاک سرزمین چھوڑنے پرآپ کے مشورہ سے پہلے ہی مجبوراور تیار ہے ۔حکومت کو چاہیے کہ اپنی عوام کو ملک چھوڑنے کا مشورہ دینے کی بجائے معاشرے سے جہالت ختم کرنے کے لئے شعبہ تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوئے سیاسی عزم کے ساتھ قدم اٹھائے اور معاشرے کے پریشان حال اور محروم طبقے کے لئے کچھ کرے۔ہم نے گزشتہ سالوں میں حکومت سمیت تمام سیاسی جماعتوں اور راہنماؤں کو معاشرے میں بہتری لانے، اداروں کو مضبوط اوران کی کارکردگی بہتر بنانے کی بجائے، اداروں کے ساتھ ٹکراؤ اور مہم جوئی کرتے دیکھا ہے۔ ہمیں اس مہم جوئی کے ذریعہ اپنے ہی ملک اوراس کے اداروں کو فتح کرنے کی روایت کوترک کرنا ہوگا۔ تعلیمی شعبے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی بہتری کے لئے اقدامات کے ساتھ ساتھ اس کے انتظامی شعبوں کو درست کرنے کی

بھی اشد ضرورت ہے۔ تعلیم کے شعبہ سے غفلت اور لاپرواہی کی اس روش کو ترک
کرنے ہی سے ملک کو محفوظ، مستحکم ، خوشحال اور ایسا پاکستان بنانے کی ذمہ داری نبھانا
ممکن ہے جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔ جہاں نہ نظریاتی تصادم ہو اور نہ ہی
بدامنی ہو۔ بشکریہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ اللہ تعالیٰ علم (۱) کواس طرح نہ سمیٹے گا کہ بندوں سے اسے (علم) کھینچ لے (۲) بلکہ علماء کو وفات دینے کے سبب علم کو اٹھائے گا حتیٰ کہ جب کسی عالم (۳) کو باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے (۴) جن سے مسائل دریافت کئے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے چنانچہ (خود بھی) گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ دورحاضر میں بھی کچھ اسی طرح کے معاملات چل رہے ہیں۔آج علم دین کو سمجھنا' جاننا' سیکھنا صرف مولوی کے لیے ضروری ہے۔ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اپنے بچے کے کان میں اذان پڑھنے کے لیے ہمیں مولوی کی ضرورت پڑتی ہے۔جب مسلمانوں کی حالت یہ ہوگی تو مولوی بھی تواسی طرح کے ہوں گے۔جب کہ اسلام میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کم از کم اتنا دین ضرور سیکھے کہ اپنے بچوں کے کان میں اذان کہنے اور اپنے عزیز واقارب کے فوت ہونے پر ان کی نماز جنازہ پڑھ سکے۔بدقسمتی سے آج مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل ہی بے خبر ہیں ۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور پاکستان پر اپنی رحمت کرے۔میرا ایمان ہے کہ جب تک مسلمان اپنے دین کی طرف توجہ نہیں دیں گے۔اور جب تک پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں ہوتا تب تک ملک سے بدامنی' لاقانونیت'

ناانصافی٬ مہنگائی٬ لوڈشیڈنگ اور ظلم و جبر کی حکمرانی ختم نہیں ہو سکتی۔کیونکہ ہمارے حکمران بھی ہمیں میں سے ہی ہیں۔جب ہمارے گھروں میں چور٬ڈاکواور قاتل پیدا ہونگے تو پھر ہمیں نیک حکمران کہاں سے دستیاب ہوں گے۔عزیز ہم وطنوآج جو حکمران ہم پر مسلط ہیں وہ ہمارے ہی کردہ گناہوں کی سزا ہیں۔جو حکومت پاکستانی عوام پر کرتے ہیں اور خود غلام ہیں غیر ملکی آقاؤں کے۔اپنے آقاؤں کے حکم پر ہر روز ایک نیا بجٹ بناتے ہیں۔جیساکہ وفاقی کابینہ نے منی بجٹ کی منظوری دے دی ہے٬جوآنے والے چند مہینوں کے دوران پیش کیا جائے گا۔اس منی بجٹ کا مقصد حکومت کے لیے اضافی وسائل حاصل کرنا ہے۔حکومت کی طرف اس منی بجٹ کو صیغہ راز میں رکھا گیا ہے۔لیکن یہ

رازاس وقت راز نہ رہاجب انگریزی زبان میں شائع ہونے والے اخبار بزنس ریکارڈر کو ملنے والے سرکاری دستاویزات نے اس راز کو فاش کرکے رکھ دیاان دستاویزت کا عنوان کچھ یوں ہے جو بزنس ریکارڈر کو موصول ہوئیں۔2011ء اور 2012ء کے نظرثانی شدہ تخمینے اور2012ء اور2013ء کا بجٹ تخمینہ ۔اخبار لکھتا ہے کہ ان دستاویزات کو یکم جون سے قبل ہی وفاقی کابینہ کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے ۔سرکاری دستاویزات سے ہونے والے انکشاف کے مطابق اختتام کی طرف بڑھتے رواں مالی اور آئندہ مالی سال کے بجٹ کے تخمینوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامی امور اور قومی آمدنی میں اضافے کے لیے منی بجٹ پیش کیا جائیگا یکم جون یہاں سال 2012ء کے لیے پیش کردہ بجٹ میں ریونیو کاہدف جی ڈی پی کا 14.3 رکھا گیا ہے۔جس 13_ میں منی بجٹ

کے ذریعے اضافہ کرنے کی کوشش کی جائے گی 'وفاقی وزیر خزانہ نے کابینہ کو یقین دہانی کرائی ہے کہ ان اقدامات کے علاوہ منی بجٹ کے ذریعے بلحاظ جی ڈی پی ٹیکس کی گرتی شرح کو بہتر بنانے کی بھی کوشش کی جائے گی۔ محترم قارئین بجٹ منی ہو یا لارج ہو پاکستانی عوام کی قسمت میں روزانہ کا بجٹ لکھا جا چکا ہے۔ وہ اس لیے کہ بجٹ ہماری حکومت نہیں بناتی بلکہ حکمرانوں کے غیر ملکی آقا بناتے ہیں۔ گستاخی معاف یہ بات میں نہیں بلکہ پاکستان کے وزیر اعظم نے کہی ہے۔ کچھ روز قبل وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کوئٹہ میں کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قومی سلامتی حکومت کی اولین ترجیح ہے۔ سیکیورٹی کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے بھرپور اقدامات کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اربوں ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بہت قربانیاں دے کر دیگر ملکوں کو بچایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقتصادی ترقی اور قومی استحکام لازم و ملزوم ہیں۔ پیٹرولم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے پاکستان سمیت کئی ممالک متاثر ہوئے ہیں۔ تیل کی قیمت میں اضافے نے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کو متاثر کیا ہے۔ سنا ہے ترقی پذیر پاکستان کے ترقی یافتہ وزیر اعظم نے کچھ دن اپنے لیے لندن سے صرف 80 لاکھ کے تین کوٹ خریدے ہیں۔ خیر انہوں نے اپنے خطاب میں مزید کہا کہ غذائی اشیاء کی قیمتیں دنیا بھر میں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ ہمیں آئی ایم ایف سے قرضے اس شرط پر ملے کہ بجلی کے نرخ بڑھائیں گے۔ یعنی پاکستان جو کے پہلے سے

مقروض ہے اسے اور قرضوں کی ضرورت ہے اور پاکستان کے وزیراعظم 80 لاکھ جیسی
بڑی رقم کوتوں پر خرچ کر رہے ہیں۔پاکستانی عوام کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج تو آئی
ایم ایف سے قرضے حاصل کرنے کی شرط بجلی نرخ بڑھانے تک ہے جسے ہمارے
حکمرانوں نے آسانی سے مان لیا۔اگر کل آئی ایم ایف قرضے دینے کے لیے شرط رکھ
دے کہ عوام کو زندہ دفن کردیا جائے تو کیا ہمارے حکمران ایسا نہیں کریں گے؟؟لیکن یہ
بات میری سمجھ سے اگر آپ کی سمجھ میں آجائے تو مجھے بھی بتایئے گا۔اگر پاکستان ترقی
پذیر ملک ہے اور ہر روز ایک نئے قرض کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر پاکستانی عوام اس
قدر امیر حکمرانوں کو کس طرح پالتی ہے ؟؟؟؟شکریہ

آج کی صحافت

تحریر وسیم نذر

صحافت عربی زبان کے لفظ " صحف " سے ماخوز ہے جس کے معنی ہیں کتاب، صفحے یا رسالہ وغیرہ کے ہیں۔ انگریزی میں " جرنلزم " ہے جو کہ جرنل سے ماخوز ہے جس کا مطلب ہے روزانہ کا حساب یا روزنامچہ ہے۔ صحافت کسی بھی معاملے کے بارے میں تحقیق اور پھر اسے صوتی، بصری یا تحریری شکل میں بڑے پیمانے پر قارئین، ناظرین یا پھر سامعین تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے اور اس سارے کام میں ایمانداری اور اپنے کام کے ساتھ مخلص پن کا عنصر موجود ہونا چاہیے۔ صحافت نام ہے لوگوں کی رہنمائی کرنے کا۔ صحافت نام ہے لوگوں کو تبصروں کے ذریعے عوام الناس کو کھرے کھوٹے کی پہچان کرانے کا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم کہا کرتے تھے کہ کوئی صحافی اس وقت تک عزت کما سکتا جب تک وہ اپنے قلم کو آزاد رکھتا ہے اور خود کو ایوانوں سے باہر اور دور رکھتا ہے اور جب اپنے قلم کو بااثر طبقوں اور اہل اقتدار کے پاس رہن رکھ دیتا ہے اور اسی دن صحافتی زندگی کا آخری دن ہوتا ہے۔ مگر میں بات کروں گا صحافت ایک مقدس پیشہ ہے اس لفظ پر۔ میں بات کروں گا کہ پاکستان کی صحافت کا رخ کدھر ہے۔ پاکستان میں صحافی کیسے بنتا ہے اور کیوں بننا چاہتا ہے۔ کیا صحافی پیسہ کمانے کے لیے

اس میدان میں آتا ہے یا پھر شہرت کے لیے آتا ہے یا پھر کوئی مجبور کرتا ہے کہ صحافت کا رخ کیا جائے ۔ جی نہیں آجکل یہ معاملہ الٹ ہے۔ نہ ہی شہرت کی خاطر نہ ہی شوق کی خاطر اور نہ ہی کسی کے مجبور کرنے پر بندہ صحافت کو اپناتا ہے بلکہ آج کل الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کو دور ہے اور بندہ سمجھتا ہے کہ دنیا صحافت کے بنا ادھوری ہے اگر میں اس کو اپنا لوں تو عیش بھی ہے اور شہرت بھی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا آج کے دور میں کرپٹ انسان صحافت کے میدان میں اترتا ہے تاکہ وہ اپنی کرپشن کو بچا سکے اور لوگوں کو بلیک میل کر سکے۔ ایسے صحافی تو بد قسمتی سے صحافت کے مطلب سے روشناس ہی نہیں۔ اس میں زیادہ قصور ان کا بھی نہیں ہے زیادہ قصور میڈیا کا بھی ہے جو ان کو اپنے ادارے سے منسلک کرتے ہیں نا ہی ان کی تعلیمی قابلیت دیکھی جاتی ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ریکارڈ دیکھا جاتا ہے اگر دیکھا جاتا ہے تو پیسہ کے کتنا پیسہ دو گے، یہ رقم دس ہزار سے لیکر لاکھوں میں بھی ہو سکتی ہے اگر کوئی رقم ادا کر دے تو ادارہ اس کو صحافت کا ایک کارڈ دے دیتا ہے اور اب اس کو لائسنس مل گیا ہے کہ جو چاہے یہ کرے جس کو چاہے بلیک میل کرلے پولیس سے پھڈا ڈال لے یا کسی سرکاری آفسر سے اگر کوئی اس کو رشوت دے دے تو یہ ہی اس کی روزی ہے یہ ایک سادہ سا طریقہ ہے صحافی بننے کا۔ میں ایک اور بات بیان کرتا چلوں کہ پاکستان میں کوئی بھی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا اپنے کسی بھی نمائندے کو ایک روپے تک نہیں دیتا بلکہ اس سے پیسے لیتا ہے۔ اب آپ

خود سوچیں کہ یہ کیسا مقدس پیشہ ہے جس میں صحافی بننے کے لئے پہلے تو لاکھوں روپے دیے جاتے ہیں اور اس کے بعد اس کے پیشہ ور خدمات پر اس کو کچھ نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو مجبور کیا جاتا ہے کہ ہمیں اشتہارات کی مد میں لاکھوں روپے دو اگر نہیں دوگے تو آپ کو ادارے سے فارغ کر دیا جائے گا۔ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہر بندہ صحافت میں آنا چاہتا ہے وہ کسی نا کسی ادارے کے ساتھ منسلک ہونا چاہتا ہے چھوٹے ادارے ایک ہی علاقے میں ایک سے زیادہ نمائندے رکھ لیتے ہیں پیسوں کے لالچ میں اور بڑے ادارے ڈیلنگ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں بندے نے ہمیں اتنے پیسے دیے ہیں اگر تم اتنے دو گئے تو ہم اس کو فارغ کر دیں گے اگر وہ پیسے ادا کر دے تو پہلا بندہ فارغ اور اس کی رقم بھی گئی چاہے اس نے کتنے ہی لاکھ روپے دیے ہوں۔ اب آپ خود سوچیں کہ یہ کیسا مقدس پیشہ ہے ؟ اور یہ جنونی صحافی جو ان پڑھ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی کاروبار ہوتا ہے اگر ان کو روزگار ہوتا ہے تو وہ صحافت کا مقدس پیشہ اس پیشے میں روز ی تو دور دور تک نظر نہیں آتی۔اگر نظر آتی ہے بدمعاشی، جھوٹ فریب، دھوکہ بازی، لوٹ مار، بلیک میلنگ اور رشوت۔ اگر کوئی رشوت دے دے تو ٹھیک ہے نہیں تو میڈیا میں آواز بلند اور میڈیا ٹرائل شروع۔ یہ صحافی اپنی قلم کی طاقت سے دشمن پر وار کرتے ہیں اور یہ مسلسل کرتے جاتے ہیں اس جنگ میں ان کی روزی ہے اور ادارے کی بھی روزی ہے۔ کئی دشمن تو اتنے ڈر جاتے ہیں کہ کسی طرح ہم میڈیا سے بچ جائیں تو وہ ادارے اور صحافی کو لاکھوں روپے

چپ چاپ دے دیتے ہیں تو پھر دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر ان کو اقتدار کے ایوانوں، سیاسی پارٹیوں اور سرکاری تقریبات میں ان کو خاص جگہ دی جاتی ہے پھر ان کے تبصروں اور تحریروں کا رخ کسی مخالف سیاسی پارٹی کی طرف ہو گا۔ ان صحافیوں کے ضمیر خریدے جا چکے ہیں ان نام نہاد صحافیوں کی اکثریت کسی نہ کسی ایجنڈے پر کام کر رہی آج ظہرانوں اور عشائیوں میں صرف ان افراد کو ہی بلایا جاتا ہے جن کا کام سننا، سننا اور بس سنے ہوئے کو آگے تک پہنچانا۔ ہر سیاسی، سماجی اور مذہبی پارٹی نے اپنے اپنے صحافی میدان میں چھوڑے ہوئے ہیں جو ان کا ہر محاذ پر دفاع کرتے ہیں۔ پہلے صحافی کا نام سن کر اقتدار کے ایوانوں کے اعضا وجواح کانپ اٹھتے تھے قلم کی عزت کو ماں بہن کی عصمت سے زیادہ مقدس جاننے اور رکھنے والے صحافی مل جایا کرتے تھے مگر آج ان غیور افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہ گئی ہے اور کچھ چل بسے ہیں، کچھ گوشہ تنہائی میں زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ جنھوں نے اپنی زبان زیادہ کھولی اور اپنی قلم کو تیز چلایا ان کو مار دیا گیا۔ صحافت ایک مقدس پیشہ نہیں بلکہ ایک عجیب و غریب کھیل ہے اس کھیل میں وہ ہی کامیاب ہے جو زیادہ کرپٹ ہے جس کے لمبے ہاتھ ہیں۔اس کھیل میں سب سے اہم بات یہ ہے جس کو چاہیں یہ ہیرو بنا دیں جس کو چاہیں یہ زیرو بنا دیں، ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسے صحافیوں کو بھی جانتا ہوں جن کو اپنا نام تک لکھنا نہیں آتا کیا ایسے لوگ صحافت کے نام کو بدنام نہیں کر رہے۔ میری ان

صحافی برادری سے گزارش ہے کہ بدلیں اپنے آپ کو اور اپنی سوچ کو اگر آپ اپنی سوچ کو بدلو گے نہیں تو کیسے بدلے گا پاکستان۔ اپنی قلم کو چلاو ایمانداری سے کیوں کہ ہر قوم اپنے تمدن کو صحافت ہی کے ذریعے اجاگر کرتی ہے۔ تہذیب و تمدن کی بقا اور ترقی کا بڑی حد تک صحافت پر انحصار ہوتا ہے۔ ہر ملک کی صحافت وہاں کے باشندوں کے جذبات و احساس کا آئینہ ہوتی ہے اگر قوم ترقی یافتہ اور روشن خیال ہے تو صحافت بھی ترقی یافتہ اور روشن خیال ہو گی اور اگر قوم تباہ حال اور محکوم ہے تو صحافت بھی اسی طرح ہو گی لیکن اس کے باوجود صحافت غلامی اور محکومیت کی زنجیریں کاٹ سکتی ہے۔

جس قوم کا نصب العین آزادی ہو تو اس قوم کے عروج کا ستارہ بلند ہو کر رہتا ہے۔ بشکریہ

گزری سیاست اور آج کی سیاست

تحریر: مرزا عارف رشید

اگر آج ہم گزری ہوئی سیاست پر ایک نظر ڈالیں تو ایک نام آج بہت یاد آتا ہے جس نے سیاست میں اپنا سب کچھ گنوا دیا مگر سیاست کو سیاست سمجھ کر کیا.بڑے سیاست دان ان کو بابائے جمہوریت کہتے تھے اور کچھ بابائے سیاست بھی کہتے تھے بابائے جمہوریت کے پاس کون سا ایسا سیاست دان تھا جو انکے پاس نہیں جاتا تھا.بڑے بڑے سیاست دان بھی ان کے پاس چل کر جاتے اور مسئلے کا حل پوچھتے آج اگر ہم انکو سیاست کی یونیورسٹی کہیں تو بُرا نہ ہوگا بابائے جمہوریت کے نام حکومتوں کو ڈر لگا رہتا تھا کہ کب ہماری حکومت کا تختہ الٹ دیں آپ سب سیاست دانوں کو اکٹھا کرنے میں مہارت رکھتے تھے آپ کی ایک آواز پر سب کی سب جماعتیں ایک پلیٹ فارم اکٹھے ہو جاتیں بابائے جمہوریت سب کو ایک میز پر لے آتے اور جس حکومت کیخلاف بھی کچھ کرنا ہوتا تو وہ سب سے آگے آگے ہوتے.آپ کے اپنے زمانے میں جیلیں بھی کاٹیں اس وقت کی سیاست میں اور اب کی سیاست میں بہت فرق ہے نواب زادہ نصراللہ خان کو اس لیئے بابائے جمہوریت کہا جاتا تھا کہ انہوں نے جمہوریت کیلئے بہت قربانیاں دیں انہوں نے اپنی ایک پارٹی بھی بنائی جس کا نام جمہوری وطن پارٹی کے نام سے تھا اب کے سیاست دان

کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت کو مضبوط کر رہے ہیں لیکن ملکی حالات جو بتا رہے ہیں اس سے جمہوریت کمزور ہوتی جارہی ہے کبھی ہم عدلیہ کیخلاف اور کبھی موجودہ حکومت کیخلاف ایسی بیان بازی کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت نام کی کوئی چیز نہیں حالانکہ جمہوریت کا نام یہ ہے کہ سب سیاستدان ایک میز پر بیٹھ کر ملک کے بارے میں سوچیں اور اس کی بہتری کیلئے کام کریں اس ملک کی عوام کی بہتری کیلئے کیا ہے ؟ہم نے کبھی نہیں سوچا اس ملک میں نہ تو عوام کیلئے کوئی کام ہو رہا ہے اور نہ ہی سیاست کی جارہی ہے اب اگر ڈاکٹر ارسلان کے کیس کو دیکھا جائے تو ! اس بات میں کیا حقیقت ہے اس کے بارے میں ابھی کوئی نہیں جانتا لیکن کوئی کہتا ہے کہ اس نے کرپشن کی اور کوئی کہتا ہے کہ اس نے کرپشن نہیں کی لیکن ملک ریاض یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں کہ ڈاکٹر ارسلان مجھے بلیک میل کرتا تھا کوئی پوچھے ملک ریاض سے کہ آپ نے ڈاکٹر ارسلان پر اتنا خرچہ کیوں کیا ؟ہمارے ملک میں ٹھیکیدار کے پاس سب سیاستدان جاتے ہیں اور سب کے سب اس کے دستر خوان کو پسند کرتے ہیں تو اس میں کوئی خاص بات ہوگی کیونکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔سیاست پریشان ہوتے تھے تو دوسرے سیاستدان کیخلاف جا کر اس مسئلے کا حل پوچھتے تھے چاہیے وہ اسمبلی کے فورم پر ایک دوسرے کیخلاف بھی بات کرتے تھے مگر کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ ہمارے فیصلے کوئی اور کرے اگر ملک ریاض کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے تو وہ پیش کرے اگر نہیں ہے تو وہ کسی کو بدنام نہ کرے چیف جسٹس چوہدری افتخار

محمد چوہدری چیف جسٹس ہونے کیساتھ ساتھ ایک باپ بھی ہیں اور اس باپ پر یا اس کے گھر والوں پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی یہ جاننے کے بعد کہ جو ڈاکٹر ارسلان نے کیا وہ سچ ہے یا جھوٹ ! ہم نے جو پڑھا یا سُنا اس میں کہیں بھی چیف جسٹس کا نام تو نہیں آتا اگر کرپشن بیٹے نے کی ہے تو سزا بھی اس کو دی جائے کوئی باپ اپنی اولاد کو نہیں کہتا کہ تم کرپشن کرو جیسا کہ وزیراعظم کے دونوں بیٹوں کا نام عبدالقادر گیلانی اور موسیٰ گیلانی کا نام بھی کرپشن میں شامل کیا جارہا ہے ایسے ہی چوہدری پرویز الہیٰ کے بیٹے کا نام بھی کرپشن میں لیا جارہا ہے جو کہ چوہدری مونس الہیٰ نے کرپشن کی یا نہیں ؟ایسے ہی ڈاکٹر ارسلان بھی کرپشن کی لسٹ میں شامل ہوگئے ہم زخموں پر نمک تو لگاتے ہیں مگر مرہم نہیں رکھتے چیف جسٹس چوہدری افتخار انصاف ، عدل اور اصولوں کے نہایت ہی سخت گیر آدمی ہیں اگر چیف جسٹس چوہدری افتخار نے کرپشن کرنی ہوتی تو جنرل مشرف جیسے آدمی کے سامنے جھک جاتے اور اپنے ذاتی مفاد حاصل کرلیتے لیکن انہوں نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سے ملا تو نہیں مگر ایک بات میرے علم میں ہے اگر ڈاکٹر ارسلان اس کیس میں کہیں بھی مجرم ثابت ہوگئے تو چیف جسٹس بن کر کبھی بھی وہ اپنے بیٹے کو معاف نہیں کرینگے اور نہ ہی اپنے بیٹے کیلئے کسی دوسرے جج کو سفارش کریں گے اب دیکھنا یہ ہوگا کہ ہماری سیاسی جماعتیں اعلیٰ عدالت کے چیف جسٹس کو کن لفظوں میں یاد کرتی ہے اور چیف جسٹس چوہدری افتخار کا کتنا ساتھ

دیتی ہے جب سے ڈاکٹر ارسلان کا کیس سامنے آیا تو ایسا لگتا ہے پورے ملک میں خاموشی چھا گئی ہو اب تو کوئی کسی کے خلاف بیان بازی بھی نہیں کر رہا اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف کھلم کھلا بات کر رہا ہے اس وقت سب کے سب سیاستدان خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں کچھ سیاستدان اپنی اولاد سے یہ بھی پوچھ رہے ہیں کہ کہیں تمہار تعلق ملک ریاض سے تو نہیں کہیں تم اس کے دستر خوان پر تو نہیں گئے اب اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے "اس بات کا فیصلہ تو وقت کرے گا:

ماں کی گود پہلی درسگاہ - 1

مثالی معاشرے میں عورت کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ماں کی گود اولاد کی پہلی درسگاہ ہے۔ اس درسگاہ سے (بغیر کسی کتاب کے) بچے کو جو علم و ہنر ملتا ہے وہ دنیا کی کوئی طاقت اس سے جُدا نہیں کرسکتی۔ ہمارے معاشرے میں عورت (ماں) کی سوچ بہت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ محدود اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں عورت پڑھی لکھی ہونے کے باوجود باشعور کم ہی ہوتی ہے۔ جس کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ خیر میرا آج کا موضوع ماں کی گود پہلی درسگاہ ہے۔ اس میں ماں کا پڑھا لکھا یا اَن پڑھ ہونا کوئی شرط نہیں ہے صرف ماں ہونا ہی کافی ہے۔۔ ایک اَن پڑھ ماں اپنی اُولاد کو کوئی کتاب نہیں پڑھاتی پھر بھی اس کی گود اولاد کے لیے پہلی درسگاہ ہی ہوتی ہے۔

لیکن اگر یہی ماں پڑھی لکھی، باشعور اور حکیم ہو تو اولاد کے لیے ایسی مشعل روشن بن جاتی ہے۔ جو پوری زندگی کو روشن کردیتی ہے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ ماں سے جو علم اولاد تک پہنچتا ہے وہ کتابی نہیں قدرتی طریقے سے پہنچتا ہے۔ یا پھر ماں کی وہ عادات ہوتی ہیں جہیں وہ اکثر دہراتی رہتی ہے۔ خاص طور پر ایک مسلمان معاشرے میں

ماں کا اچھے اوصاف کا مالک ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کی اولاد بھی اچھے اوصاف اپنائے گی ۔اور خاص طور پر بیٹی کیونکہ ہمارے ہاں بیٹوں کو تو سکول و مدرسے کے بعد گھر سے باہر کی دنیا میں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہے لیکن بیٹی ماں کے پاس گھر میں ہی رہتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کے رشتے کرتے وقت بچیوں کے ساتھ ساتھ ماؤں کے کردار کا جائزہ بھی لیتے ہیں ۔

کیونکہ اگر ماں نمازی ہے تو لازم ہے کہ بیٹی بھی نمازی ہو گی ،اگر ماں نیک سیرت ہے تو لازم ہے کہ بیٹی بھی نیک سیرت ہو گی،اگر ماں اچھا کھانا پکاتی ہے تو لازم ہے کہ بیٹی بھی اچھا کھانا پکائے گی،اگر ماں کا اخلاق اچھاہے تو لازم ہے کہ بیٹی کا اخلاق بھی اچھا ہو گا۔ ماؤں سے بڑی ہی معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔کیونکہ ماں تو ماں ہوتی ہے ۔چاہے جیسی بھی ہو۔اگر یہی ماں ڈانسر ہو تو بیٹی کو بھی تھوڑے بہت سٹپ ضرور آتے ہونگے ۔اگر ماں شراب پیتی ہو گی تو بیٹی بھی کبھی کبھی پیتی ہو گی ۔ ممکن ہے نہ پیتی ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ماں سے بھی زیادہ پیتی ہو۔دیر تک عورت کی برائی بیان کرنا راقم کے بس کی بات نہیں ۔اس لیے بات پر مختصر کرتا ہوں۔ ماہرین کی رائے کے مطابق کہ ماں میں پائی جانے والی ہر خوبی اور خامی کا بیٹی کی عادات میں شامل ہونا یا اس بھی زیادہ فیصد تک ممکن ہوتا ہے۔ 98

آج دنیا میں عورت کی مظلومیت پر تو بہت زیادہ لکھا، پڑھا اور بولا، سنا جاتا ہے اور بہت زور و شور کے ساتھ بحث مباحثے اور تقریریں تو کی جاتی ہیں لیکن نتیجہ زیرو رہتا ہے ۔اس بات کو سمجھنا قدرے مشکل ہے کہ ایک مسئلے پر پوری دنیا کام کر رہی ہے ۔بہت سے قوانین بنتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں ۔صدیوں سے عالم انسان یہاں اس مسئلے پر غور و فکر کے ساتھ ساتھ بہت سے وسائل بھی استعمال ہو رہے ہیں ۔لیکن مسئلہ حل ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جارہا ہے آخر کیوں؟؟اس مسئلے پر مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہے۔ میرے خیال میں انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو قدرت سے بہتر قانون نہیں بنا سکتا۔آج عورت دنیادار انسانوں سے اپنے حقوق مانگ رہی ہے ۔جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف مجھ (اللہ) سے مانگو اور میرے (اللہ) کے لیے شریک مت بناؤ۔میں امتیاز علی شاکر نہیں مانتا کہ کائنات میں سوائے قانون قدرت کے کوئی قانون موجود ہے ۔نہ صرف عورت بلکہ پوری انسانیت کو کوئی قانون کوئی ضابطہ انصاف دے سکتا ہے تو وہ اسلام ہے ۔

کوئی مانے نہ مانے میری نظر میں دنیا میں سوائے اسلام کے کوئی ضابطہ حیات ہے ہی نہیں اور جب تک ہماری عورت کو اسلام کی سمجھ بوجھ نہیں ہوگی وہ کس طرح اپنی اولاد کو کچھ بتا پائے گی ۔جب ماں کو خود نماز نہیں آتی تو وہ بچے کو کس طرح نماز سکھائے گی جب ماں کو غسل اور وضو کا طریقہ نہیں آئے گا تو،

کس طرح بچے کو غسل اور وضو کرنا سکھائے گی اور پھر جب ایک ماں دو بیٹیوں کی پرورش اس حالت میں کرے گی تو اس طرح دنیا میں دو اور ایسی مائیں پیدا ہو جائیں گی جو کہنے کو تو مسلمان ہونگی لیکن علم و عمل سے میری طرح خالی رہیں گی۔ایسی درس گاہوں سے نکلے ہوئے لوگ کس طرح کا معاشرہ بنائیں گے اس تفصیل میں جانے کی مجھے ضرورت نہیں ہے کیوں وہ ہمارے سامنے ہے جس کا ہم خود بھی حصہ ہیں۔آپ کو نہیں لگتا کہ میری ماؤں نے دین اسلام سے دوری اختیار کرکے ہماری پہلی درس گاہ کو اسلام سے دور تر کردیا ہے۔

جس کی وجہ سے آج مسلمان دنیا میں رسوا ہو کر رہ گئے ہیں۔اور اسی وجہ سے آج دین کی ٹھکیداری صرف مولویوں کے پاس ہے۔بچہ پیدا ہوگیا کان میں اذان کہنی ہے لاؤ مولوی کو، کوئی فوت ہوگیا میت کو غسل دینا ہے لاؤ مولوی کو، جنازہ پڑھانا ہے لاؤ مولوی کو، کوئی جانور ذبح کرنا ہو لاؤ مولوی کو، گھر میں قرآن خوانی کرانی ہو لاؤ مولوی کو۔میرا یہ سوال اپنے مسلمان بہن بھائیوں سے ہے کہ اسلام صرف مولوی کو سیکھنا چاہیے یا ہر مسلمان کو؟؟؟دوستو اسے اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا کیا حق ہے جو اپنے بچے کے کان میں اذان تک نہیں پڑ سکتا؟؟؟مجھے یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی کہ ہماری اس حالت کی ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے۔

بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا سارا بیڑا غرق میرے جیسے نااہل علماء جاہل مولویوں نے کیا ہے، الغرض اسلام سے دوری اور غفلت نے تربیت انسان کے تنا آور درخت کی جڑیں کاٹ کر اسے بلکل کھوکھلا کر دیا ہے۔ میری رائے میں ایک مسلمان معاشرے کے لیے عورت (ماں) کا تعلیم یافتہ اور با شعور ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ انسان کو زندہ رہنے کے لیے سانس لینا جاری ہے۔

(خبر نامہ 1)

قدرت نے انسان کے اندر اچھائی اور برائی کو پہچاننے کے لئے آٹومیٹیک سسٹم لگا رکھا ہے۔انسان جب بھی کوئی برا کام (گناہ) کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ سسٹم خود بخود الارم بجانا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے ہم ضمیر کہتے وہ بھی بار بار ہمیں اطلاح دیتا ہے کہ یہ کام درست نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب ہم کوئی اچھا کام کرنے لگتے ہیں تو یہی سسٹم ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ کام درست ہے،اسی لئے جب کوئی اچھا کام کرنے لگتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھیں اور جو نہ دیکھ پائیں ان کو بھی بتایا جائے۔لیکن جب انسان کوئی غلط کام کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اسے کوئی نہ دیکھ پائے۔آپ نے زندگی میں کئی مرتبہ نوٹ کیا ہو گا کہ کئی بار ہم خود ایسا کام کرتے ہیں جو ہمیں غلط محسوس ہوتا ہے۔ایسی صورت میں ہم اپنے اِرد گرد، دائیں، بائیں دیکھتے ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا۔ میرے خیال میں یہ بھی ایک قدرتی عمل ہے۔جسے اگر انسان سمجھ جائے تو کبھی غلط کام نہ کرے۔مجھے لگتا ہے کہ قدرت ہمیں اس عمل کے ذریعے غلط کام کرنے سے روکتی ہے ۔لیکن جب ہم سمجھ نہیں پاتے تب ہم غلط کام کر گزرتے ہیں۔خالق کائنات ہمیں اس عمل کے ذریعے کیا سمجھانا چاہتا ہے ؟ یہ بہت اہم سوال ہے آپ بھی غور کریں۔ میرے پاس بھی ایک جواب ہے اس سوال

کا لیکن وہ میں آپ کو بتاؤں گا آج کے خبر نامے کے بعد۔آج میں نے اپنے قارئین کے لیے بیرون ملک سے شائع ہونے والے اخبارات سے خبریں اکھٹی کی ہیں ۔نمبر (1)ہر سال کی طرح پاکستان میں اس سال بھی سیلاب نے لاکھوں افراد کو متاثر کیا،بڑی تعداد میں لوگ بے گھر و بے آسرا ہو چکے ہیں س۔این ڈی ایم اے کے مطابق حالیہ سیلاب سے ملک بھر میں چار سو کے لگ بھگ افراد ہلاک جب کہ تقریباً45 لاکھ افراد متاثر ہوئے ہیں۔این ڈی ایم اے کے مطابق حالیہ سیلاب میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے صوبے سندھ ،پنجاب اور بلوچستان ہیں۔یاد رہے کہ (این ڈی ایم اے) پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے والا ادارہ ہے۔نمبر 2))انتہا پسندی ،دہشت گردی، قتل و غارت،لوٹ مار،پاکستانی معاشرہ مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار،یہ میں نہیں کہہ رہا یہ خبر شائع کی ہے،نیویارک سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار پاکستان پوسٹ نے۔اخبار لکھتا ہے کہ پہلے 11 ستمبر کے اور بعدازاں بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد سے ملک مسلسل بدامنی کا شکار،کراچی میں ٹارگیٹ کلنگ کسی وقفے کے بغیر جاری،بلوچستان میں اغوا اور قتل کی وارداتوں نے محرومی میں مزید اضافہ کیا ۔گلگت بلتستان ،ہزارہ اور کوئٹہ میں اہل تشیع کے قتل عام نے فرقہ واریت کو بڑھا وا دیا،عشق رسول کے نام پر نکالی جانیوالی ریلیاں اور جلوس بھی بدامنی کی نذر پاکستانیوں میں عدم برداشت کا عنصر سب سے زیادہ ہے 42 تنظیموں پر مشتمل نیٹ، ورک کی رپورٹ ۔اخبار مزید لکھتا ہے۔وقت آگیا ہے کہ اب سیاسی جماعتیں پاکستان کی

سلامتی، خود مختاری اور مذہبی رواداری کے لئے اتفاق رائے پیدا کریں، معاشرے میں انتہاء پسندی اور عسکریت پسندی کے خاتمے کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے دانشور؟ سنجیدہ حلقے۔اخبار لکھتا ہے کہ دنیا بھر میں لاکھوں نے گستاخانہ فلم کےخلاف، احتجاج کیا لیکن پر تشدد احتجاج صرف پاکستان میں دیکھنے کو ملا۔ چلئے قارئین نیویاک کے بعد چلتے ہیں کینڈا۔کینڈا سے شائع ہونے والا ہفت روزہ جنگ کینڈا لکھتا ہے کہ ''جیسا منہ ویسا تھپڑ: جیسی قوم ویسے حکمران۔پاکستانی حکمران، سیاسی کارکنوں، فوج اور قوم کی صرف بیان بازیاں، امریکی عدالت نے ڈرون حملوں کا نوٹس لے لیا، باقاعدہ سماعت شروع۔ قارئین ایک امریکی رپورٹ کے مطابق پاکستان کے قبائلی علاقوں میں امریکی ڈرون حملے عام شہریوں میں دہشت پھیلا رہے ہیں۔جس کی وجہ سے معصوم اور بے گناہ انسان بھی مسلسل خوف کے سائے میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔رپورٹ کے مطابق ڈرون حملوں میں زخمی ہونے والے افراد کی امداد کرنے والوں کو بھی اسی وقت دوسرا ڈرون حملہ کرکے نشانہ بنایا جاتا ہے۔یہ رپورٹ امریکہ میں نیویارک یونیورسٹی اور سٹینفورڈ یونیورسٹی کے محققین نے مرتب کی ہے۔اور اس میں مقامی افراد کے ساتھ تفصیلی انٹرویو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان حملوں نے مقامی لوگوں کے معمولات زندگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔متاثرہ علاقوں میں لوگ خوف کی وجہ سے جنازوں میں بھی شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں۔اسی حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ڈرون حملوں کے خوف سے بچوں کو سکولوں میں نہیں

بھیجا جاتا یا پھر ہلاکتوں کی وجہ سے کم ہو جانے والی آمدنی میں اضافے کے لئے بچوں کو

: سکولوں کی بجائے محنت مزدوری پر لگا دیا جاتا ہے

: جاری ہے

خود مختاری مانگنے سے نہیں ملتی

دنیا میں وہی قومیں باوقار ہوتی ہیں جو اپنی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔کامیاب وہی قومیں ہوتی ہیں جن کی اپنی اقدار ہوتی ہیں اور جو عزت نفس کا گہرا احساس رکھتی ہیں ۔کامیابی کے ساتھ آگے وہی قومیں بڑھتی ہیں جن کی کوئی سمت ہوتی ہے ۔جب متضاد خیالات کا طوفان قوموں کو اندھیری کھائی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے تو وہ دوسری قوموں کے وقتی فیشن کے سیلاب میں بہہ جاتی ہیں۔ایسے حالات میں وہی قومیں ڈٹی رہتی ہیں جن کے اپنے اصول اور آدرش ہوتے ہیں ،جو عزت نفس کی حامل ہوتیں ہیں ،اور جو اپنے فیصلے خود کرتیں ہیں ۔ لیکن ہم نے سدا سے عالمی جاگیردار یعنی امریکہ کے فیصلوں پر ہی لبیک کیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ فیصلے تو امریکہ بہادر کرے اور ان فیصلوں میں ہمارے مفادات محفوظ ہوں ۔آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہمیں پرانے قرض کا سود چکانے کے لئے نیا قرض لیناپڑ رہا ہے۔انسانی فطرت ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنا مفاد دیکھتا ہے اور باقی سب معاملات بعد میں۔ کچھ لوگ جن میں انسانیت باقی ہو وہ اپنا مفاد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا کیا بھی خیال رکھتے ہیں کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے لیکن کچھ ایسے مفاد پرست، لالچی اور خود غرض ہوتے ہیں جن کو اپنے مفاد کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔بد قسمتی سے آج اسی قسم کے لوگ دنیا پر

حکمرانی کر رہے ہیں ۔طاقت کے نشے میں اندھے لوگ بلا وجہ انسانوں کو روندتے ہوئے چلتے ہیں ۔یہی حکمران ریاستوں اور ملکوں کے مفادات کے فیصلے کرتے ہیں ۔امریکی حکمران بھی اسی قسم کے انسان ہیں ۔جنھوں نے لاکھوں ماؤں کے جوان بیٹوں کو جنگ لڑنے دوردراز بھیج رکھا ہے۔جن میں سے شائد ہی کوئی زندہ سلامت واپس گھر اپنے والدین، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں میں جائے ورنہ ابھی ایک جنگ ختم نہیں ہوتی اور دوچار جنگیں اور شروع کی جاچکی ہوتی ہیں ۔اور سننے میں آیا ہے کہ امریکی حکام ہلاک ہونے والے فوجیوں کی نعشیں بھی واپس امریکہ نہیں بھیجتے تاکہ وہاں کے عوام میں اشتعال نہ پھیلے ۔قارئین محترم غور کریں جو اپنی نسل کو صرف جنگی سامان کی طرح استعمال کرتے ہیں وہ دوسروں کے مفادات کو تحفظ کیسے فراہم کر سکتے ہیں؟جن کے نزدیک تباہ شدہ جنگی الات کی تو قیمت ہے لیکن زندہ یا مردہ انسانوں کی کوئی قیمت نہیں ہے وہ کس طرح کسی قوم کو تحفظ فراہم کر سکتے ہیں؟مجھے حیرانی ہوتی ہے جب پاکستانی حکومت کی طرف سے بیان جاری ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان کی خودمختاری کا خیال رکھے اور قربانیوں کی قدر کرے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ اور پاکستانی علاقوں میں جاری ڈورن حملوں پرڈالر تو امریکہ خرچ کرے اور پالیسیاں افغانستان یا پاکستان بنائے ؟جیب تو ان کی ہلکی ہو اور مفادات پاکستان یا افغانستان کے محفوظ رہیں ؟اگر کسی کی سوچ یہ ہے کہ امریکہ کی نظر میں پاکستان ،افغانستان ،بھارت یا کسی اور ملک کے مفادات اہم ہیں تو یہ اس

کی بہت بڑی بھول ہے کیونکہ امریکی حکمرانوں کی نظر میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں سوائے ذاتی مفادات کے۔امریکہ جیسے انتہائی لالچی اور مفاد پرست دوست سے کسی کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

اب بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنے حالات کے مطابق اپنے وسائل اور مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے فیصلے کریں ۔کیونکہ خود مختاری وسلامتی مانگنے سے نہیں ملتی چھیننی پڑتی ہیں۔ بھیک مانگنے والوں کی نہ تو کوئی خود مختاری ہوتی ہے اور نہ ہی سلامتی ،بلکہ ان کی تو خوداری اور غیرت بھی فوت ہو جاتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے لئے سود پر قرض لینے سے بہتر ہے بھوک سے مر جانا۔اس حقیقت سے ہم سب واقف ہیں کہ جب سرمایہ دار کسی غریب کو قرض دیتا ہے تو اپنی شرطیں منوانے کے بعد دیتا ہے ۔ قرض لینے والے کو قرض تو سود سمیت واپس کرنا ہی پڑتا ہے لیکن نہ صرف قرض ادا کرنے تک بلکہ اس کے بعد تک بھی سابق قرض دار پر سرمایادار کی شرطیں لاگو رہتی ہیں۔ سرمایادار غریب آدمی کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ اسے کسی وقت بھی دوبارہ قرض لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس لیے اسے اپنی اوقات میں رہنا چاہئے ۔اس طرح قرض لینے والے کی شخصیت دوسروں کی محتاج یعنی غلام بن جاتی ہے اور وہ اپنے چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور پھر ان پر ڈٹے رہتے ہیں ۔آج بحیثیت قوم ہمیں سخت

ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھ لیں کہ ہم کون ہیں، ہم کہاں ہیں اور ہماری منزل کہاں ہے۔ زندگی میں ہمیں ذاتی فلسفے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہم کون ہیں، ہم کہاں سے آئے ہیں، ہمیں کہاں جانا ہے، ہم کیا چاہتے ہیں، ہماری منزل کہاں ہے اور ہمیں اپنی منزل حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا اگر ہم ان سوالوں کے جواب تلاش نہ کریں تو پھر ہماری حالت شاخ سے ٹوٹے ہوئے اس پتے جیسی رہے گی جو ہوا کے رخ کے ساتھ چلنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا (جیسی کے آج ہماری ہے) اور ہم اپنے آپ کو چاروں طرف بھاگتا ہوا پائیں گے اور پھر نہ تو ہماری کوئی سمت رہے گی اور نہ ہی کوئی منزل ملے گی۔

کپتان کی مقبولیت میں کمی کی وجہ

شہر لاہور کے شاندار جلسے میں کپتان کی حمایت کی تھی عوام نے مگر کپتان کو لگا کہ عوام کو سیاسی فرشتوں نے جمع کیا تھا۔فرشتوں نے بھی یہ موقع غنیمت جانا اور دھڑا دھڑ کپتان کی ٹیم میں شامل ہونے لگے کپتان نے ہر فرشتے کو آگے بڑھ کر گلے لگایا لیکن یہ بات بھول گئے کہ یہ سیاسی ٹیم ہے کرکٹ نہیں ،چاہئے کسی کھلاڑی کو کپتان سے شکائت بھی ہو تو کرکٹ ٹیم کو کپتان کی نگرانی میں پورا میچ کھیلنا ہی پرتا ہے۔جب کہ سیاست میں کوئی بھی کھلاڑی دران میچ بھی ٹیم چھوڑنے کا علان کر سکتا ہے۔اور وہی ہوا ابھی میچ شروع بھی نہیں ہوااورفرشتے کھلاڑی اپنے آبائی گھروں کو لوٹنا شروع ہو چکے ہیں۔کپتان کی سیاسی ٹیم کا مستقبل کیا ہوگا یہ تو وقت بتائے گا لیکن ان کی عوامی مقبولیت میں کمی آنے سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ اچھی بری صحبت انسان کی پہچان بن جاتی ہے۔ صحبت یاراں زندگی کی بہت بڑی حقیقت ہے۔شائد اسی لئے ہی تعلقات کو زندگی کا جال کہتے ہیں۔ حلقہ احباب کی صحبت کے اثر سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔وہ ہماری سوچ اور رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ہمارے خیالات ،احساسات ،معاملات اور فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں۔اکثر کامیاب لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کو ایسے دوست اور تجربہ کار ناصح نصیب ہوئے جنہوں نے ہر مشکل وقت میں ایسی رہنمائی کی۔

جن کی رہنمائی نے نہ صرف انہیں مشکلات سے نکلنے میں مدد فراہم کی بلکہ آگے بڑھنے میں بھی مدد دی ہے۔اگر انسان کو اچھے صاف گو اور تجربہ رکھنے والے دوستوں کا ساتھ ملے تو انسان نہ صرف بڑے بڑے خواب دیکھنے لگتا ہے بلکہ بڑے بڑے فیصلے بھی کرنے لگتا ہے۔جاوید ہاشمی نے جب ن لیگ چھوڑ کر عمران خان کا ساتھ دینے کی حامی بھری تو عمران خان نے اپنے منشور کا اعلان بھی کر دیا اور قوم سے بہت بڑے بڑے وعدے بھی کر ڈالے جن میں سب سے اہم وعدہ 90 دن کے اندر کرپشن کے خاتمے کا ہے۔اگر ہم معاشرے میں پھیلی ہوئی کرپشن کی جڑوں کو دیکھیں تو لگتا تو نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔لیکن مایوسی گناہ ہے اس لیے اچھے وقت کی امید تو کرنی چاہیے۔امید کے ساتھ ساتھ ہمیں کرپشن کے خاتمے کے لیے بہت بڑے اور مشکل فیصلے کرنے پڑیں گے۔ہمیں اس بات کی سچائی پر کبھی شک نہیں کرنا چاہیے کہ آگے بڑھنے کی راہ ان فیصلوں سے ہموار یا دشوار بنتی ہے جو ہم زندگی میں کرتے ہیں۔چھوٹے موٹے فیصلے سبھی کرتے ہیں۔یہ کام بہت آسان ہوتا ہے، لیکن معمولی فیصلوں کے نتائج بھی معمولی ہی ہوا کرتے ہیں۔لیکن جو لوگ بڑے اور مشکل فیصلے کرتے ہیں۔وہی دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں۔لیکن اکثر لوگ جب مشکل وقت آتا، پیچیدگی بڑھتی ہے تو مشکل فیصلے کرنے اور چھلانگ لگا کر آگے بڑھنے کی بجائے حالات سے منہ موڑ لینے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔اس طرح ان کو عارضی طور پر تو عافیت مل جاتی ہے لیکن مشکل نہیں ٹلتی۔بلا شبہ اس وقت پاکستانی قوم بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہی ہے۔اور اس بات میں بھی

کسی کو شک نہیں ہونا چاہے کہ اس وقت ہمیں ان مشکلوں سے نکلنے کے لیے بہت سے مشکل فیصلے کرنے ہونگے ۔شائد عمران خان نے بھی انھیں میں سے ایک فیصلہ کیا تھا ۔جو وہ 90 دن میں کرپشن کا خاتمہ کرنے کی بات کر رہے تھے ۔ قوم کو سیاست دانوں پر ا عتبار تو نہیں لیکن پھر بھی رسک تو لینا پڑے گا۔ جس کے لیے قوم بظاہر تیار ہے لیکن عمران خان کے گرد پرانے اور آزمائے ہوئے سیاست دانوں کے جمع ہونے سے عمران خان کی شخصیت بھی کچھ قابل اعتبار نہیں لگتی۔ کل تک تو جو سیاست دان کپتان کی ٹیم میں شامل ہونے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے ۔اب پھر سے انہیں جماعتوں میں واپس جا رہے ۔ جنہیں وہ چھوڑ کر آئے تھے۔ان لوگوں کے مستقبل کا فیصلہ تو آئندہ عام انتخابات میں عوام کو ہی کرنا ہے ۔ لیکن میرے خیال میں تو ایسے لوگوں کو ہر گز ووٹ نہیں دینا چاہئے جو ذاتی مفادات کی وجہ سے جماعتیں تبدیل کرتے ہیں۔یقینا ایسے لوگوں کے مثبت نظریات نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ کچھ بھی نکلے اب کپتان کو یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ انہوں نے ایسے فصلی بٹیروں کو اپنے یاروں میں شامل کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی جو آنے اور جانے میں تحریک انصاف کی مقبولیت کو کم کر گئے۔شائد کپتان یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کو ملنے والی عوامی حمایت میں ان کی شخصیت کا بہت بڑا کردار ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کپتان و کو 15.16 برس کی سیاسی جد جہد کے بدلے ملنے والی عوامی حمایت کی وجہ ان کی شخصیت نہیں بلکہ وہ سیاسی خلا ہے جسے دوسرے سیاست دان پر نہیں کر سکے ۔ عوام اور سیاست دانوں کے درمیان ایک فاصلہ موجود

تھا جس نے کپتان کو آگے آنے کا موقع فراہم کیا اگر پرانے سیاست دانوں نے اپنے وعدے پورے کئے ہوتے اور عوام ان سے خوش ہوتی تو کبھی بھی کپتان کو آگے آنے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن کپتان نے عوامی حمایت حاصل ہوتے ہی انہی چلے ہوئے کارتوسوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا جن سے جان چھوڑانے کی غرض سے عوام نے کپتان کی حمایت کا فیصلہ کیا تھا۔ کپتان شاید بھول گئے تھے کہ صرف ایک غلطی ٹورنامنٹ سے بار کر دیتی ہے۔ چنانچہ اب عوام کپتان کی غلط صحبت کو دیکھ کر اپنی حمایت واپس لے رہی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی صحبت اچھی ہوتی ہے۔

کپتان کی مقبولیت میں کمی کی وجہ (2

سیاست میں آنے سے پہلے عمران کرکٹ اور شوکت خانم کی وجہ سے جانے جاتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں خاصہ مقام رکھتے تھے۔ 30 اکتوبر 2011 کے بعد عوام کے ساتھ ساتھ میں خود بہت امیدیں وابستہ کر بیٹھا تھا جن کا اپنی تحریر میں بھرپور اظہار بھی کیا تھا۔آج میں اپنی اسی تحریر کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نے لکھا تھا کہ۔"آخر کار پاکستان میں تبدیلی کے آثار نظر آنے شروع ہو ہی گئے اور اس تبدیلی کا سہرا پاکستانی میڈیا کے سر ہے جس نے بے بہا مشکلات کے باوجود عوام کو لمحہ بہ لمحہ باخبر رکھا اگر آج بھی پاکستان میں صرف سرکاری tv چینل ہی چل رہا ہوتا تو کبھی بھی عوام عمران خان کے جلسے کو براہ راست نہ دیکھ پاتے اور پریس میڈیا بھی اس موقع پر پیچھے نہیں رہا اخبارات نے بھی اس جلسے کو خصوصی اشاعت میں جگہ دے کر ثابت کر دیا کے پاکستان کے حکمران تو کسی کی غلامی کر سکتے ہیں لیکن صحافت کو کوئی بھی غلام نہیں بنا سکتا۔

اب کہنے والے جو مرضی کہتے رہیں لیکن سچ تو یہی ہے کہ 30 اکتوبر کو مینار پاکستان اور پھر کراچی میں مزار قائد کے بڑے میدان میں لاکھوں لوگ موجود تھے اب کوئی کہتا ہے ق لیگ اور پیپلز پارٹی نے عمران خان کے جلسے میں اپنے

کارکنوں کو شامل کیااور کوئی کہتا ہے ایجنسیوں نے عمران خان کا جلسہ کامیاب کرنے کے لیے مدد کی بہر حال عمران خان کا 30 اکتوبر کا مینار پاکستان میں ہونے والا سیاسی جلسہ کامیاب ہوا۔جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شامل ہوئے وہ چاہے لاہور سے نکلے یا کسی دوسرے شہر سے آئے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا عمران خان کی اس قدر مقبولیت سے اس وقت پاکستان کی سب سیاسی پارٹیاں اندرونی طور پر بہت پریشان ہیں ۔بظاہر تو حکمران جماعت یعنی پیپلز پارٹی بہت خوش نظر آتی ہے لیکن عمران خان کی عوامی مقبولیت نے پیپلز پارٹی کو اندرونی طور پر ہلا کر رکھ دیا ہے اور اب خاص طور پر پنجاب میں پیپلز پارٹی کو دو پارٹیوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو ن لیگ کو جمہوری انداز میں اپنی باری کا انتظار کرنے کا کہہ رہے تھے عوام کی بڑی تعداد نے عمران خاں کے جلسے میں شامل ہو کر ان کو آئینہ دیکھا دیا ہے اور اب عوام نے سیاسی میچ کو جیتنے کے لیے گیند عمران خاں کے ہاتھ میں تھما دی ہے اور اپنی ٹیم میں کس کو کھلانا ہے اس کا بھی پورا اختیار ان کے پاس ہے۔اب عمران خاں کو یہ میچ جیتنے کے لیے مخالف کھلاڑیوں کو جلد آوٹ کرنے اور اچھی بیٹنگ کے ساتھ ساتھ اپنی ٹیم یعنی تحریک انصاف میں شامل کرپٹ اور نا اہل کھلاڑیوں کو بھی رن آوٹ کرتے رہنا ہوگا کیونکہ جب اپنے ہی کھلاڑی کرپٹ اور نااہل ہونگے تو نہ صرف ٹیم میچ ہار جاتی ہے بلکہ جگ ہنسائی بھی بہت ہوتی ہے۔

پھر اس بار میچ بھی کچھ مختلف ہے یہ میچ آپ کو پاکستانی قوم کی قسمت بدلنے کیلئے کھیلنا ہے جو پچھلے 65 برس سے ہر میچ ہارتی آئی ہے اور سیاست دان ہر میچ جیتتے آئے ہیں ساری زندگی کی ہار نے پاکستانی قوم کو بہت کمزور کر دیا ہے مجھے امید نہ تھی کے اب عمران خاں کے جلسے میں اتنے لوگ آئیں گے لیکن شاید اللہ تعالی کو یہی منظور ہے جو پزیرائی اہل لاہور نے عمران کو دی ہے اس کی امید مجھے تو کیا شاید عمران کو خود بھی نہ تھی۔ عوام نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کے اب وہ کس طرح اپنا فرض ادا کرتے ہیں ۔اب ان کے کندھوں پر پاکستان کے 20 کروڑ عوام کی فلاح بہبود کی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے۔ یہ کام بہت مشکل تو ہے مگر ناممکن نہیں ۔پاکستان کے مسائل چو کو چھکو سے حل ہوتے نظر نہیں آتے ان کے حل کے لیے ایک لمبی باری کھیلانا ہو گی اب عمران خان دشمن کے بونسروں سے کس طرح بچتے ہیں یہ وقت ہی بتائے گا۔ عمران خاں نے جلسہ تو کامیاب کر لیا مگر اب ان کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں کیونکہ پہلے وہ سیاست میں ون مین شو چلا رہے تھے ۔جیسے کے کچھ دن پہلے فخر پاکستان جناب عزت مآب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی اپنے ایک بیان میں کہہ چکے ہیں کے عمران نواز ۔زرداری پہ تنقید کی بجائے ملک کو مشکلات سے نکالنے کے لیے اپنی پالیسی کا اعلان کریں ڈاکٹر عبدالقدیر نے یہ بھی کہا کے عمران خان کی سیاست ابھی تک ون مین شو ہے۔

میرے خیال میں اب عمران کا ون مین شو ختم ہو کر تحریک انصاف کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی عمران کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئ ہیں کیونکہ اب ان کو پورے پاکستان میں اپنے مضبوط امیدوار کھڑے کرنے ہوں گے جو بہت ہی مشکل کام ہو گا کیونکہ اگر عمران ان لوگوں کو سامنے لاہیں گے جن کو عوام پہلے کئ مرتبہ آزماء چکی ہے یا انھیں کے چاچے بابے لائیں گے جو کبھی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر ملک کو لوٹ چکے ہیں تو عوامی حلقوں میں تحریک انصاف کی مقبولیت عارضی ہو گی" اور آخر کار وہی ہوا جس کا ڈر تھا کپتان کی مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے فصلی بٹیرے چوری کھانے والے طوطے ، جن کو میں سیاسی فرشتے کہہ چکا ہوں ۔ کپتان کے گرد جمع، ہو گئے اور آج جبکہ میچ ابھی شروع نہیں ہوا وہی فرشتے جو اپنی اپنی جماعتوں اور قائدین بڑے بڑے کرپشن اور نااہلی کے الزامات لگا کر تحریک انصاف میں شامل ہوئے تھے ۔آج ان فرشتوں کی نظریں وہی جماعتیں اور قائدین دودھ دھلے ہو گئے ہیں اور وہ پھر سے واپسی کے لئے پر تول رہے ہیں ۔ کپتان اب کچھ بھی کہے تحریک انصاف نقصان تو بہت ہوا، ان لالچی اور کرپٹ لوگوں کے آنے جانے سے۔

(نظام تعلیم 2)

نظام تعلیم ایک ایسا موضوع ہے جس پہ میرے جیسا جاہل شخص کوئی خاص تبصرہ نہیں کرسکتا، لیکن پھر سوچتا ہوں کچھ نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کر گزرنا بہتر ہے، یہی سوچ مجھے لکھنے پر مجبور کردیتی ہے۔ میری نظر میں نظام تعلیم کو بہتر کرنے لئے میری رائے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے جو نظام ترتیب دے دیااور اس کی عملی مثال حضوراکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ ہے اس سے بہتر کوئی نظام ہو ہی نہیں سکتا۔اس لئے ہمیں چاہیۓ کہ ہر طرح کی راہنمائی کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف رجوع کریں۔اگر ہم مسلمان دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

تو پھر ہمیں اللہ کے نور سے اپنی زندگیوں میں روشنی کرنا ہو گی۔ انسان ساری کائنات کو چھوڑ صرف اپنے آپکو دیکھے توآسانی سے سمجھ سکتا ہےکے خالق کائنات نے انسان کو۔کون کون سی نعمتوں سے نوزا ہے سب سے.بڑھ کراللہ تعالٰی نے انسان کو عقل وشعور کی نعمت عطا کی اور اشرف لمخلوقات بناکرفرشتوں سے بھی افضل کردیا اور اس قدر نعمتوں کی برسات کی کہ انسان شمارتک نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ رحمٰن میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔تو

تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔میں سمجھتا ہوں کے اللہ تعالی نے انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کو قرآن مجید میں تمام کائنات کا علم عطا کردیا ہے۔
جس طرح ظاہر کی آنکھ اگر اندھی ہو تو انسان کچھ بھی دیکھ نہیں پاتا اسی طرح باطن کی آنکھ بند ہو تو کبھی بھی حق نظر نہیں آتا۔آج مسلمانوں کو ظاہری آنکھ کے ساتھ ساتھ باطنی آنکھ کھلی رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ باطنی آنکھوں کو روشن کرنے کا بہت آسان سیدھا اور واحد راستہ اسلام ہے لیکن صرف کہنے ، سننے ، لکھنے ،پڑھنے اور بحث کرنے سے، ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہم اللہ کے دین کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال نہیں لیتے تب تک ہمیں سیدھا راستہ نظر نہیں آئے گا۔آج دنیا بھر کے مسلمان اپنی اصل طاقت یعنی اللہ کے قرآن اور سرکاردوعالم حضرت محمد کی احدیث مبارکہ سے دور ہو کر بہت کمزور ہو چکے ہیں۔میرا ایمان ہے کے مسلمانوں کی طاقت کا راز بھی قرآن مجید میں چھپا ہے اور اگر ہم مسلمان طاقتور بنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کو اپنی زندگیوں شامل کرنا ہوگا۔
زبانی جمع خرچ بہت ہوچکا اب عملی اقدمات کرنے کی ضرورت ہے ورنہ ہماری آنے والی نسلیں جو آج اسلامی تعلیمات سے بہت دور نکل چکیں ہیں تباہ وبرباد ہو

جائیں گی ۔خدارا والدین، اساتذہ اکرام اور علماء کرام نوجوان نسل کو بے حودہ فلموں بے حودہ گانوں ڈانس اور جنسی عشق پیچے سے بچانے میں اپنا کردار ادا کریں ۔تاکہ آج کے نوجوان کو سچا مسلمان بنایا جاسکے تاکہ آنے والی نسلوں کو قرآن کریم کے نزدیک لانے میں مدد مل سکے۔ضرورت تو بہت سے اقدمات کی ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ سب سے پہلے نظام تعلیم کو بہتر کرتے ہوئے اسلامی تہذیب و تمدن کے دائرے میں لایا جانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

تمدن کسی بھی علاقے یا قوم کی طرز معاشرت کا نام ہے۔اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو ہماری معاشرت اور مادی زندگی کے متعلق ہوں ، اس ہیں رہن سہن اور رسم و رواج بھی شامل ہیں، سرکار دو عالم نے ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے تہذیب وتمدن کے اصول مقرر فرمائے ۔ایسی اصلاحات کیں کہ وہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بن گہیں آپ نے لوگوں میں تقویٰ ، خوف خُدا اور آخرت کی جواب دہی کا ایسا احساس پیدا کردیا کہ وہ کبھی بھی گناہ کے قریب نہ جاتے تھے۔ حضوراکرکی زندگی مبارکہ قیامت تک انسانیت کے تعلیم وتربیت کا عملی نمونہ ہے ۔خاص طور پر مسلمانوں کے لئے ،آج ہم اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں لیکن افسوس ہمارا رہن سہن ، رسم ورواج اور نظام تعلیم وتربیت اس بات کی گواہی نہیں دیتا۔

ہمارے ہاں جو نظام تعلیم رائج ہے بد قسمتی سے وہ سارا کاسارا مغربی تہذیب کے مطابق ہے۔ مغربی طرز تعلیم کے سبب اجنبی لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ طور سے بات چیت کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ بات آگے بڑھ جاتی ہے ایسے سکولوں،کالجوں ویونیورسٹیوں میں جہاں مسلم لڑکے اور لڑکیاں دونوں زیر تعلیم ہوتے ہیں، وہاں وہ ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے، یہاں تک کہ بہت سے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان عشق و معاشقہ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، جوآگے چل کر خطرناک رخ اختیار کرلیتی ہیں، بات من پسند شادی کے لیے کورٹ میرج اور ناکامی کی صورت میں خود کشی و قتل غارت تک بڑھ جاتی ہے۔

یہ نظام صرف جنسی بے راروی کو پھیلانے کی وجہ بنتا ہے۔ بچوں کو علم ہنر سے اس قدر دور کردیتا ہے کہ 20 سال تک تعلیم حاصل کرنے کے باوجود جاہل کے جاہل راہ جاتے ہیں۔اس طرح بچے عقل و شعور کا وہ خزانہ بھی گنوا بیٹھتے ہیں جو انسان کو پیدائشی طورپروراشت میں قدرت عطا کرتی ہے۔

جاری ہے۔

3) نظام تعلیم

انسان کے اندر علم حاصل کرنے کی طلب شروع سے ہی موجود ہے۔شائد یہی وہ خاصیت ہے جس کی بناپر اللہ تعالٰی نے انسان کو فرشتوں سے بھی افضل کردیااور انسان پر وہ راز عیاں کیے جن سے فرشتے بھی واقف نہیں۔خالق کائنات نے انسان کے اندرایک انوکھی جستجورکھ دی جو کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہ ہو سکی۔جانوروں اور پرندوں کو دیکھ لیں ہر روز ایک ہی کام دہراتے ہیں کھایا پیا اورآرام کرلیا لیکن انسان ہرروز کچھ نیا کرنے کی جستجو میں رہتا ہے۔اس جستجو نے انسان کو بہت سی کامیابیوں سے ہم کنار کروایا ہے۔لیکن ان کامیابیوں میں سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔صف اول میں وہی لوگ نظر آتے جن میں علم حاصل کرنے کی طلب زیادہ رہی ہے اور جن کو بہترین تعلیمی وتربیتی ماحول ملا،ایسا معاشرہ ملا جس نے اپنے نظام تعلیم کواپنی تہذیت کے مطابق رکھا اور طالب علموں کے لیے مشکلات کی بجائے آسانیاں پیدا کیں۔لیکن بد قسمتی سے میرے وطن کے حکمرانوں اور علماء کرام نے وطن عزیزکے معصوم طالب علموں کو بہتر نظام تعلیم دینے کی بجائے فرقوں کے چکر میں ڈال دیا ہے۔جس کا انجام ہم بھگت رہے ہیں۔انسان جس وقت دنیا میں آتا ہے اُس وقت بہت معصوم ،گناہوں سے پاک اورمذہب وفرقوں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔اچھائی اور برائی کی پہچان کرنے کی صلاحیت خالق کائنات ہرانسان کو پیدائش

طور پر عطا کرتا ہے۔اسی صلاحیت کو نکھارنے کے لئے انسان علم حاصل کرتا ہے۔انسان کی تعلیم وتربیت میں والدین اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔اگر کسی انسان کو باشعور والدین اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ صاف ستھرا معاشرہ دستیاب ہوجائے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ.برائی وگندگی کی طرف راغب ہو۔اپنے بچوں کو اچھا معاحول فراہم کرنا والدین کا فرض ہے۔شائد یہی فرض ہمارے.بڑوں نے پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے آج ہم گمراہی کی طرف تیزی سے.بڑھ رہے ہیں۔اگر ہم دنیا و آخرت میں سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس گمراہی و غفلت کی دلدل سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دلدل سے کیسے نکلا جائے ؟میرے خیال میں ہمیں اس دلدل سے نکلنے کے لیے ایسے ضابطے کی ضرورت ہے جس پر کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہ ہواور وہ ضابطہ انسانیت کی فلاح و بقاء کا پاسدار ہو،جو امیر و غریب کو ایک نظر سے دیکھے ،جو سب کو انصاف فراہم کرے اور حق پر مبنی ہو۔مجھے نہیں لگتا کہ انسان کوئی ایسا ضابطہ بنا سکتا ہے جو سب کو انصاف فراہم کرسکے۔
ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں اتنا جانتا ہوں کہ انصاف صرف اللہ تعالٰی ہی کرسکتا ہے اور اس مقصد کے لیے اللہ تعالٰی نے ہمیں اسلام کی صورت میں ایک ایسا ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات کی تمام مخلوقات کو انصاف فراہم کرتا ہے: جاری ہے

برداشت

ٹک ٹک دروازے پہ دستک ہوئی میں نے اپنے بھتیجے سمیر اشفاق سے کہا بیٹا دیکھو باہر کون ہے۔وہ گیا اور قدرے دیر سے واپس آیا اور کہنے لگا چاچو باہر ایک آدمی آیا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا آدمی کا کیا مطلب اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ جب کوئی ملنے آئے تو اس کا نام پوچھا کرو پتا نہیں کب عقل آئے گی تجھے۔ سمیر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا جاؤ اپنا کام کرو میں خود دیکھ لوں گا اب ۔وہ منہ لٹکائے اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور میں غصے کے عالم میں گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ گیٹ کے باہر کا منظر دیکھ کر میرا غصہ جاتا رہا۔ باہر سفید کپڑوں میں ملبوس انتہائی خوبصورت شخص کھڑا مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا، وہ میرے لیے اجنبی تھا میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا، اس کی رنگت گلابی اور جسم شفاف شیشے کی مانند تھا، اس کے بات کرنے کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ میرے ساتھ اردو میں بات کر رہا تھا۔ وہ مجھے سلام کہہ رہا تھا لیکن میں اس کے حسن کے سحر میں ڈوبا حیرت وحسرت کا مجسمہ بنا اسے دیکھ رہا تھا، اس کے حسن کو لفظوں میں بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں ، وہ جب بولتا تو اس کے گلے کے اندر سے گزرتی ہوئی سانس تک نظر آ رہی تھی بالکل ایسے

جیسے پانی میں لہریں بنتی ہیں ۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ اس جہان کی مخلوق نہیں ہو سکتا ضرور کسی اور دنیا سے آیا ہوگا۔ میں اپنی سوچوں میں ایسا گم ہوا کہ اس کے سلام کا جواب تک نہ دے پایا۔جانے کب تک یوں حیرت و حسرت کی تصویر بنا رہتا اگر وہ مجھے کندھے سے پکڑ کر نہ ہلاتا۔

مجھے ہوش میں آتے ہی شرمندگی کا احساس ہوا اور میں نے ادھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا خوش قسمتی سے گلی میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا ہم دونوں کے سوا ۔میں نے اپنا احساس شرمندگی چھپاتے ہوئے اسے کہا آپ اندر آئیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں ۔اس نے کہا نہیں میں بیٹھنے نہیں آیا مجھے آپ کے ساتھ کچھ باتیں کرنی تھی ۔لیکن پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ جس بچے کو آپ نے میرا نام نہ پوچھنے کی وجہ سے ڈانٹا اس نے مجھ سے نام پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے اسے اپنا نام نہیں بتایا اور آپ سے ملنے کی ضد کی کرتے ہوئے اسے آپ کو باہر بھیجنے کو کہا تھا اس لیے اس کی کوئی غلطی نہیں ،بچہ یہ بات آپ کو بتانا چاہتا تھا لیکن آپ نے اس کی ایک نہیں سنی ۔اس شخص کی بات سن کر میں پھر سے حیرت کی تصویر بن گیا۔ میں سوچنے لگا گیٹ اور بالکونی کے درمیان خاصا فاصلہ بنتا ہے اس شخص نے اتنی دور سے میری باتیں بھی سن لیں اور اس کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ سمیر مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا حالانکہ سمیر تو بولا بھی نہیں تھا۔اس سے پہلے کہ میں اپنے ہوش کھو بیٹھتا، میں نے فوراً

اسے پوچھا جناب آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا کام ہے آپکو؟ وہ کہنے لگا میں اکثر آپ کی تحریریں پڑھتا ہوں۔

مجھے لگا آپ وہی بات لکھتے ہیں جو آپ کا دل کہتا ہے۔اس لیے میں آپ سے ملنے چلا آیا سوچا اپنے دل کی باتیں آپ کو سنوادوں شائد کسی پر اثر ہوجائے۔لیکن آپ کی بچے کے ساتھ سخت گفتگو سن کر پتا چلا کہ آپ بھی دوسروں کی طرح کسی کو بولنے کا موقع نہیں دیتے اس لیے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، میرا نام انصاف ہے اور میں قبرستان میں رہتا ہوں۔میں نے سوال کیا آپ مر چکے ہیں؟اس نے جواب دیا نہیں میں مر نہیں سکتا لیکن جس معاشرے میں مجھے صرف امیروں کے نام کر دیا جائے اس میں رہنا میرے لیے ممکن نہیں رہتا، میں اس معاشرے میں رہنا پسند کرتا ہوں جس میں میرا استعمال بلاامتیاز کیا جائے۔آپ اپنی تحریروں میں اکثر میرا (یعنی انصاف کا) ذکر اچھے الفاظ میں کرتے ہیں۔ویسے تو اور بھی لوگ مجھے بڑے اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں لیکن ملاقات کا ٹائم کوئی نہیں دیتا، یہاں تک کہ آپ کی طرح دروازے پر آ کر بھی کوئی وقت نہیں دیتا۔میں نے کہا آپ انصاف ہو آپ کو معاشرے میں عام ہونا چاہئے لیکن آپ قبرستان میں رہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ (انصاف) نے جواب دیا میں اس وقت عام نہیں رہتا جب مجھے خاص طبقے کا غلام بنانے کی کوشش کی۔جب جرائم اس حد تک بڑھ جائیں کہ معاشرے میں غریب آدمی کا جینا مشکل ہوجاے اور اس تک میری (انصاف

کی)فراہمی ممکن نہ رہے، جس معاشرے میں عادل جانبدارانہ فیصلے کریں اور میری خرید وفروخت ہونے لگے ۔ایسے معاشرے میں میرے لیے اپنا وجود قائم رکھنا مشکل ہوجاتا۔اورجب میں (انصاف) لاکھ کوشش کرنے پر بھی مظلوم تک نہیں پہنچ پاتاتواس سے پہلے کہ مجھے قید کرکے کال کوٹھڑی میں ڈال دیاجائے میں ایسے معاشرے کو خیرباد کہہ کر قبرستان ییں ڈیرے ڈال لیتا ہوں۔

میں نے ایک اور سوال کیا آپ کوواپس لانے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟اس نے جواب دیا،بڑی سادا سی بات ہے میرا وجود مالک کائنات ہر خاص وعام کے لیے بنایا ہے۔اس لیے اگر کوئی مجھے واپس لانا چاہتا ہے تو غریبوں اور مظلوموں تک میری فراہمی آسان کرئے ۔اس سے پہلے کہ میں کوئی اور سوال کرتا اس (انصاف) نے قدرے دکھ بھرے لہجے میں کہاجس معاشرے میں برداشت کا مادہ ختم ہوجائے اس میں میری واپسی ناممکن ہے ۔وہ کہنے لگا آپ اور آپکے علاوہ بھی بہت سے لکھنے والے اپنی تحریروں کے ذریعے ہزاروں لوگوں سے بات کرتے ہیں، جن میں میرا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کرتے ہیں لیکن سب فضول ہے۔ میں نے حیرانگی سے اس کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا،اس کی آنکھوں میں نمی تھی اور وہ مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، میں ابھی سوچ رہاتھا کہ اسے دلاسادینے کے لیے کن لفظوں کا استعمال کروں کہ اس نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے میرا ہاتھ تھامااور کہنے لگا اگر آپ لوگ واقع ہی مجھے پسند کرتے ہوتواپنے اندر برداشت کرنے کی صلاحیت

پیدا کریں۔ وہ بول رہا تھا اور اس کا جسم کانپ رہا تھا، میں نے اسے کھینچ کر گلے لگانے کی کوشش کی لیکن وہ ایک جھٹکے سے اپنا دامن چھڑا کر بولا ابھی اس کا وقت نہیں آیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں اُسے زور، زور سے پکار رہا تھا، انصاف صاحب بات سنیں ،انصاف بھائی رکیں تو، میں اس کے پیچھے جانے ہی والا تھا کہ ماں جی نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر زور سے ہلایا اور پوچھا امتیاز کس کو پکار رہے ہو ؟کیا ہوا بیٹا؟ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا ماں جی میرے پاس تھی اور میں گلی کی بجائے اپنے بستر پر تھا۔

میری حالت غیر تھی اور میں بری طرح ہانپ رہا تھا، مجھے لگا جیسے میں صدیوں سے بھاگ رہا ہوں ۔ خیر خواب ٹوٹ چکا تھا اور وہ (انصاف) جا چکا تھا۔ انصاف سے میری ملاقات تھی تو ایک خواب لیکن میں آج بھی سوچتا ہوں کہ اگر میں ذرہ سی بات پر سمیر کو نہ ڈانٹتا تو میری انصاف سے ملاقات طویل ہو سکتی تھی ،شائد وہ اندر بھی آ جاتا، شائد میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لیتا۔ سوچتا ہوں اگر میں نے چھوٹی سی بات برداشت کر لی ہوتی اور سمیر کو نہ ڈانٹا ہوتا تو انصاف میرے ساتھ اپنے دل کی تمام باتیں کرتا اور مجھے اس کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا۔ انصاف سے ہونی والی ملاقات مجھے ادھوری لگتی ہے اس لیے اب میں ہر روز ہر بات کو برداشت کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور دل میں ملاقات کی تمنا لیے

سوجاتا ہوں کہ شائد ناراض ہو کر جانے والا لوٹ آئے۔

خبرنامہ 3

راقم نے کچھ دن پہلے خبرنامہ کے عنوان سے 2 مضمون لکھے تھے جن کو قارئین نے پسند کیا اور رائے دی کہ مجھے ایسا لکھتے رہنا چاہیے کیونکہ اس طرح قارئین کو مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی اہم خبریں ایک ہی جگہ مل جاتی ہیں۔لہٰذا آج میں نے قارئین کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس سلسلے کو آگے.بڑھانے کی کوشش کی ہے ۔ قارئین محترم آج کی خبریں بھی ہمیشہ کی طرح پریشان کردینے والی ہیں۔میں نے بڑی کوشش کی کہ کوئی ایسی خبر اپنے پڑھنے والوں کو سناؤں جو خوشی کا باعث بنے لیکن بدقسمتی سے ایسی کوئی خبر تلاش کرنے میں ناکام رہا۔

اس دعا کے ساتھ آج کا خبرنامہ شروع کرتے ہیں کہ اللہ کرے میری اور آپ کی زندگی میں ہی خوشی کی خبریں بھی آنا شروع ہوجائیں (1) یوایس اے سے شائع ہونے والا مقبول ترین جریدہ (پاکستان پوسٹ) لکھتا ہے"نیا احتساب بل سیاستدانوں کی لاٹری نکل آئی ۔1999 میں بنائے جانے والے احتساب بل کے مقابلے میں اب پیش ہونے والا اینٹی کرپشن لاء سرکاری عہدہ رکھنے والوں اور پبلک آفس ہولڈر کے لیے بہت زیادہ لچک دار اور موزوں ہے جس میں سزائیں نا اہل کرنے کی مدت ، قید کی مدت کم کی گئی ہے اور ایسے افرد کودوبارہ پبلک آفس

ہولڈ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
جس پر الزام ثابت ہو چکا ہو، چاہے اس کو کرپشن اور غیر قانونی طریقے سے دولت کمانے کی وجہ سے سزا ہو چکی ہو، تاہم قومی احتساب کمیشن سختی کے ساتھ ان افراد کو ڈیل کریگا جو سروس آف پاکستان کے ملازم ہوں یا کسی آزاد ادارے میں کام کرتے ہوں جن کو صوبائی یا وفاقی حکومت سپروائز کرے گی ایسے سزا یافتہ لوگوں جن پر مالی کرپشن ثابت ہو چکی ہو ان کو 5 سال کی سزا ہو سکے گی اور سزا بھی اس وقت شروع ہو گی جب ن کو ان کے عہدے سے فارغ کر دیا جائے گا، جب کہ جان بوجھ کر کرپشن کرنے والوں کی تحقیقات ایف آئی اے کے سپرد کرنے کی تجویز بھی نئے بل یں دی گئی ہے۔
تاہم نیب میں زیر التواء حل طلب اور توجہ طلب مقدمات خود بخود ختم ہو جائیں گے اگر نیب ان کو دوبارہ کھولنے کی اپیل نہیں کرتا تو، نیا احتساب بل کہتا ہے کہ زیر التواء کیسز کی تحقیقات ایف آئی اے کے سپرد کی جائے گی جو کہ تمام توجہ طلب مقدمات کو ڈیل کرے گی ، نئے احتساب بل میں سرکاری افسر یا پبلک ہولڈر جس پر کرپشن ثابت ہو جائے تو اس کی زیادہ سے زیادہ سزا سات سال یا جرمانہ یا پھر جرمانہ اور سزا دونوں ہوں گی، وہ بھی اُس صورت میں جب مجرم پر جتنی مالی بد دیانتی اور کرپشن ثابت ہوتی ہے ، اور اتنی رقم قومی ہ خزانے میں جمع نہیں کرواتا اور اگر وہ کرپشن شدہ رقم پوری واپس کر دیتا ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ سزا 3 سال

دی جائے گی اور اگر مناسب ہوا تو جرمانہ بھی کیا جائے گا" قارئین محترم میرے خیال میں تو احتساب بل کرپٹ لوگوں یعنی حکمران ٹولے کو تحفظ فراہم کرنے کی غرض سے پیش کیا گیا ہے۔

جس سے فائدہ صرف کرپٹ ٹولے کو ہوگا اور وہ زیادہ دلیری کے ساتھ لوٹ مار کرے گا۔ مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ بل پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی پہلے کون سی کمی ہے سرعام رشوت لی اور دی جاتی ہے، سفارش عام ہے۔ کرپشن پہلے ہی ہر ادارے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ کرپشن کی روک تھام کے لئے سخت سے سخت قانون سازی کی جاتی جس میں کرپٹ لوگوں کو جرم ثابت ہونے پر سزائے موت رکھی جاتی جیسا کہ چائنہ میں ہے۔افسوس کہ کرپشن کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہونے کے باوجود ہمیں عقل نہیں آئی اور احتساب بل کی صورت کرپٹ لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جارہا ہے۔

خبر نمبر 2 .برطانیہ کے معروف جریدے اُکنامسٹ نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ 14 سالہ ملالہ یوسفزئی نے تین سال قبل اس وقت اپنی سرگزشت میں طالبان کے مظالم سے لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کیا جب اکثر پاکستانی نہیں جانتے تھے کہ سوات میں کیا ہورہا ہے۔طالبان ملالہ یوسفزئی پر حملے کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے ہیں لیکن ان کا واضح ایجنڈا پاکستان پر قبضہ کرنا اور اپنی مرضی

کااسلام نافذ کرنا ہے، ان کے
نظریات القائدہ سے ملتے ہیں، طالبان بیشتر مسلمانوں کو مرتد سمجھتے ہیں اور اسی کو ان کے قتل کا جواز پیش کرتے ہیں۔
جریدہ لکھتا ہے کہ صدر آصف زرداری کی حکومت، نواز شریف کی قیادت میں اہم اپوزیشن جماعت مسلم لیگ اور مسلح افواج کی طرف سے پاکستانی طالبان کے متعلق عام پاکستانیوں کو آگہی دینے کے لئے زیادہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔اکنامسٹ نے مختلف تھنک ٹینک کے اعداد شمار کے حوالے سے کہا کہ 2004 سے ڈرون حملوں میں 3200 افراد جاں بحق ہوئے جن میں غیر عسکریت پسندوں کی ہلاکتیں صرف 15 فیصد ہیں جبکہ 2003 سے طالبان اور ان کے اتحادیوں نے 14427 بے گناہ پاکستانی، 4670 پاک فوج کے جوان اور پولیس اہلکاروں کو شہید کیا۔ سوات میں بھاری فوج کی موجودگی کے باوجود ملالہ پر حملہ ہوگیا: جاری ہے

وات میں بھاری فوج کی موجودگی میں کے باوجود ملالہ پر حملہ ہوگیا۔ قارئین محترم سوچنے کی بات یہ ہے کہ ملالہ یوسف زئی پر حملہ کس نے کیا ؟ ابھی تک تو جو بات سامنے آئی ہے اس کے مطابق یہ کمینی حرکت طالبان نے کی ہے لیکن میرے نزدیک ملالہ یوسف زئی پر حملہ کرنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے کیونکہ مسلم جہادی کبھی بچوں ، عورتوں اور بوڑھوں پر حملہ نہیں کرتے اور ملالہ کوئی جنگ جو نہیں بلکہ ایک معصوم بچی ہے۔ خیر یہ تو میری ذاتی رائے ہے سچ کیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ خبر نامے کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کو لیے چلتا ہوں امریکہ جہاں الیکشن کا دور دورہ ہے ۔ الیکشن اگلے ماہ 6 تاریخ کو ہونے والے ہیں لیکن امریکی عوام میں پائی جانے والی بے چینی ابھی سے سامنے آنا شروع ہو چکی ہے ۔ سروے ادارے پیو ریسرچ اور انفو واٹر ڈاٹ کام نامی ویب سائٹ نے امریکہ میں آئندہ ماہ 6 تاریخ کو ہونے والے انتخابات کے موقع پر سنگین صورت حال پیدا ہونے کا خدشہ ظاہر کر دیا۔ انفو روارز ڈاٹ کام کے مطابق انتخابی نتائج امریکہ بھر میں ہنگاموں کا سبب بن سکتے ہیں کیونکہ دونوں طرف صرف ایک خواہش ہے اور وہ ہے جیت کی ۔ دونوں جماعتوں کے حامی اپنے اپنے امیدوار کو ابھی سے فتح یاب دیکھ رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ انتخابی نتائج ایک جماعت کے حامیوں کو اگر خوشی دیں

گے تو دوسری طرف کے حامیوں میں سخت مایوسی اور بددلی پھیل سکتی ہے جس کے نتیجہ میں توڑ پھوڑ اور ہنگاموں کی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ جبکہ سنجیدہ حلقوں اور دانشوروں کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہنگامے پھوٹ پڑنے کے امکانات موجود ہیں

۔پیو ریسرچ سنٹر کے پول سروے کے مطابق امریکہ کے 86 فیصد عوام وفاقی حکومت سے سخت نالہ اور مایوس ہیں۔ کیونکہ بیروزگاری اور بدحالی کم ہی نہیں ہو رہی۔ری پبلکن ووٹرز ہر صورت میں وائٹ ہاؤس سے اوبامہ کا انخلاء چاہتے ہیں۔اس لیے ان کی تمام امیدیں اور توقعات میٹ رومینی سے وابستہ ہیں۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ 6 نومبر کے الیکشن میں 2000ء جیسی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے،جب زیادہ پاپولر ووٹ لینے کے باوجود ڈیموکریٹ امیدوار کاری پبلکن حریف جاج بش سے الیکٹورل ووٹوں کے معاملے میں مقابلہ ٹائی پڑ گیا، بات عدلیہ تک جا پہنچی۔ یہاں ایل کو رنے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر شکست تسلیم کر لی،تاہم اگر صدر اوبامہ اور میٹ رومینی کے درمیان ایسی صورت حال پیدا ہو گئی توایل کو رکے برعکس اوبامہ عدالتی جنگ لڑیں گے اور ایسی صورت حال میں امریکی عوام پر تشدد ہنگاموں کی طرف راغب ہو سکتی ہے (4) پاکستان پوسٹ لکھتا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقے کراچی سے کوئٹہ اور شمالی علاقے بدستور قتل و غارت ،دہشتگرد و خودکش حملوں کی زد میں ہیں۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ جاری ہے،جہاں سیاسی ومذہبی جماعتوں کے اراکین اور مختلف شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیات کا قتل جاری ہے۔ جبکہ ٹارگٹ کلنگ کی آڑ میں آپس کی دشمنیوں میں بھی

قتل وغارت جاری ہے۔ شمالی و قبائلی علاقوں میں گزشتہ ہفتے بھی متعدد خود کش اور دہشت گرد حملوں میں درجنوں افراد مارے گئے۔ جن میں سب سے بڑا واقعہ درہ آدم خیل میں پیش آیا جہاں 20 کے لگ بھگ افراد مارے گئے، ایک طرف پاکستانی دہشت گردی، خود کش حملوں اور ٹارگٹ کلنگز کا نشانہ بن رہے ہیں دوسری طرف معاشی بدحالی کی وجہ سے خودکشی کا سلسلہ بھی دراز ہوتا جا رہا ہے۔ اس سال اب تک 30 ستمبر تک 2 ہزار کے لگ بھگ افراد خودکشی کر چکے ہیں صرف ایک ماہ میں 250 افراد نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا (4) کینیڈا سے شائع ہونے والا ہفت روزہ جنگ اپنی اشاعت میں لکھتا ہے کہ ''اندھیر نگری چوپٹ راج کراچی میں رواں سال 1890 افراد قتل 20 بینک ڈکیتاں سکیورٹی کمپنیوں کے لائسنس کی معاد ختم دودھ کی رکھوالی بلی۔ حکمران جماعتوں کی عدم توجہ اور اجلاس پر اجلاس منعقد ہونے کے باوجود شہر کراچی میں آگ لگی ہوئی ہے، کہیں بینک ڈکیتاں تو کہیں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ جاری ہے، پولیس میڈیا سے منہ چھپائے پھر رہی ہے، حکومت اور اتحادی سیاسی دکانداری چمکانے میں مصروف ٹارگٹ کلرز اور دیگر کالعدم تنظیموں نے انتظامیہ کی ناک میں بھی دم کر رکھا ہے، کہیں فرقہ وارانہ جنگ تو کہیں سیاسی جماعتوں کے درمیان خونی کھیل کا سلسلہ جاری۔ کراچی میں قتل وغارت گری جاری رہی اور پیپلز پارٹی حیدرآباد میں جلسہ کرتی رہی جس میں صرف بلدیاتی نظام کی بات اور قوم پرستوں پر تنقید کے علاوہ کچھ نہ کیا گیا، حکومت سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش (4) جنگ کینیڈا پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ کاری

کی صورت حال انتہائی مخدوش ہو گئی ۔ملک میں زر مبادلہ کا انخلاایک بار پھر شروع 12 کروڑ ڈالر نکال لیے گئے ۔غیر ملکی سرمایہ کاری ملک کی اقتصادی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے، غیر ملکی سرمایہ کاری میں مسلسل کمی تو تشویشناک ہو گئی ہے لیکن اب اس کے رجحان میں مزید تبدیلی آئے گی ۔اسٹیٹ بینک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق غیر ملکی سرمایہ کاروں نے 129/ ملین ڈالر سے زائد کا زر مبادلہ پاکستان سے نکال لیا، غیر ملکی سرمایہ کاروں نے پاکستان میں صرف 120.6 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے (6)

لندن سے شائع ہونے والا ہفت روزہ یوکے ٹائم .برطانیہ لکھتا ہے" .برطانیہ نے افغانستان سے اپنے فوجی واپس بلانے کا فیصلہ کر لیا، رواں .برس 500 اگلے سال 4500 فوجی وطن لوٹ جائیں گے افغان جنگ میں اب تک 433 .برطانوی فوجی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں ۔برطانوی وزارت دفاع نے تسلیم کیا ہے کہ فوجی بجٹ میں کٹوتیوں کے باعث افغانستان میں .برطانوی افواج کے مشن کو کم کیا جا رہا ہے ۔واضح رہے کہ 2014 ء میں نیٹو فورسز کے عمومی انخلاء کا اعلان کیا گیا تھا لیکن ابھی سے ہزاروں .برطانوی فوجیوں کو افغانستان سے نکالنے کا عمل شروع کرنے کا اعلان سامنے آگیا ہے ۔جس کے مطابق میں بیشتر .برطانوی افواج کو افغانستان سے بحفاظت نکال لیا جائے گا۔ قارئین 2013 محترم خبریں تو کبھی ختم نہیں ہو سکتی اس لیے آج کا خبر نامہ اس امید پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ کرے آئندہ کچھ اچھی اور خوشی والی خبریں بھی آپ کو سنا پاؤں۔

رہنمائی

دنیا میں سب انسان ایک جیسے نہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو مختلف بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کوزیادہ رزق دے کرنوازتا ہے اور کسی کو کم دے کرآزماتا ہے۔ کسی کو اچھی اور خوبصورت اولاد دے کرآزماتا ہے تو کسی کو نہ دے کر۔اگر بات مختصر کی جائے تو اس دنیا ییں انسان کی ہر سانس آزمائش ہے۔ علم و عمل ، عقل وشعور کے خزانے بھی سب کوسرا سر نہیں ملتے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو خاص علم عطا کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں۔اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کو ہم اللہ کے ولی کہتے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کے اللہ کے ولی ہمیشہ سے انسانیت کی خدمت کرتے آئے ہیں اور ولیوں کے ڈیرے سدا سے آباد ہیں ان ڈیروں پر لاکھوں مرید رزانہ حاضری دیتے اور اپنی مرادیں پاتے نظر آتے ہیں مرید اپنے پیر کو ملنے کی غرض سے سینکڑوں میل کا سفر طے کرتے ہیں اور پھر ڈیرے پر پہنچ کر بھی گھنٹوں اپنی باری کا انتظار خوشی سے کرتے ہیں غیر مذہب لوگ آج تک حیران ہیں کہ جب سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ انسان چاند تک پہنچ گیا ہے سمندروں کی گہرائیوں میں اترچکا اور میڈکل میں اتنی زیادہ ترقی کی کہ آج ڈاکٹر انسان کا مصنوعی دل تک لگا دیتے ہیں اس کے مقابلے میں پیروں کے پاس نا تو جدید مشینیں ہیں اور نا ہی کسی میڈیکل کالج کی ڈگری ہر باشعور انسان یہ

سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ پھر کیوں یہ لوگ پیر خانوں پہ علاج کی غرض سے جمع رہتے ہیں۔ اور پیر کس طرح روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے علاج کرتے ہیں میں یہی بات سمجھنے کی غرض سے میں اپنے گھر کے پاس موجود پیر مجاہد شاہ کے ڈیرے پر چلا گیا۔

زیادہ لوگوں کی موجودگی میں میں ان سے کوئی بات نا کر سکا رات گئے جب پیر صاحب کے سارے مرید چلے گئے تو میں نے ہمت کرکے پیر صاحب سے پوچھا کہ وہ کس طرح لوگوں کا علاج کرتے ہیں وہ مسکراتے ہوئے بولے ہم کچھ بھی نہیں کرتے ہر بیماری کی شفا صرف اور صرف خدا کے پاس ہے جب چاہے جسے چاہے عطا کرتا ہے ہم تو بس سب کی بات سنتے ہیں انسان جب اپنے رب سے دور ہو جاتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے اور پریشانی سب سے بڑی بیماری ہے اس حالت میں جب انسان خدا کو نہیں پکارتا تو کسی غیر سے بھی اپنے دل کی بات نہیں کر پاتا وہ بات جو اپنے والدین بہن بھائیوں اور دوستوں سے نہیں کرپاتا یہاں تک کے خود سے بھی نہیں تو بے بس ہو کر ہمارے پاس آجاتا ہے اور ساری بات کہہ دیتا ہے ہم اس کی ساری بات سن کے اس کے دکھ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑی محبت سے تسلی دیتے ہیں ہم کہتے ہیں اللہ خیر کرے گا ہم بھی دعا کریں گے اور تم بھی نماز پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔ وہی دکھ درد۔ دور کرنے اور شفا دینے والا ہے پیر صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کے پاس کچھ لوگ آئے انھوں نے حال ہی میں

اپنے بیٹے کی شادی کی تھی اور بہو کی وجہ سے بڑے پریشان تھے ان کی بہو سب کو گالیاں دیتی اور جو بھی چیز ہاتھ میں آتی کسی کو بھی مار دیتی سارے گھر والے زخمی ہو چکے تھے ان کا خیال تھا کہ لڑکی میں کوئی سایہ ہے۔

ہم نے انھیں یہ کہہ کر گھر بھیج دیا کہ ہم خود ان کے گھر آکر دیکھیں گے کچھ دن بعد ہم ان گھر گئے اور دیکھا وہ لوگ انتہائی گندگی میں رہ رہے تھے مگر ان کی بہو کسی صاف ستھرے خاندان کی لگتی تھی سو ہم نے سب کو کچھ فاصلے پر رہنے کو کہا اور لڑکی سے اکیلے یں پوچھا کہ بیٹی آپکا مسئلہ کیا ہے تو اس نے بتایا یہ لوگ مجھے گوبر اٹھانے کو کہتے ہیں جس سے میرے ہاتھوں میں خارش پڑ جاتی ہے اور مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے سو اس بات سے بچنے کے لیے میں ایسا کرتی ہوں اور کوئی بات نہیں ہے لڑکی کی یہ بات سن کر ساری بات ہماری سمجھ میں آگئی ہم نے اس کی ساس کو بتایا کہ تو بڑی مقدر والی ہے تیری بہو اللہ کی نیک روح ہے اس کا خیال کیا کر اور اسے گندگی سے دور رکھا کر خیر ہو جائے گی یہ کہہ کہ ہم واپس آگئے دو دن بعد وہ لوگ بڑے بڑے برتنوں میں دودھ اور ڈھیر ساری مٹھائی لے کر ڈیرے پر آئے اور بتایا کہ سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے آج اس بات کو پندرہ سال ہو گئے آج تک سارا معاملا ٹھیک ہے پیر مرید کی بات سنتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا بس، پیر مجاہد شاہ کی یہ باتیں سن کر میں پوری طرح مطمئین نا ہو سکا اور میں نے فیصلہ کیا کچھ اور ڈیرے دیکھنے کا اور

نکل پڑا مگر میں حیران رہ گیا یہ دیکھ کر کہ جعلی پیروں نے دنیا کو پاگل بنا رکھا ہے۔
دنیاوی شہرت اور دولت کمانے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں یہ لوگ سادہ دل مرید ان کے پاس اپنے دکھ درد سنانے جاتے ہیں اور پیر صاحب کا دھیان مریدوں کی جیب پر ہوتا پیر کو کوئی غرض نہیں کے مرید حلال کماتا یا حرام مرید چاہے اپنی بیٹی کا جہیز بیچ کر پیر صاحب کو نظرانہ دے وہ قبول کرتے ہیں اور جلال میں آ کر مرید سے کہتے ہیں تیرے اپنے ہی تیرے دشمن ہیں پر تو فکر نہ کر اور ایک کالے بکرے کا انتظام کر باقی ہم خود سنبھال لیں گے اب مرید بیچارہ اپنی پریشانی کم کرنے آیا تھا ساری جمع پونجی بھی گئی اور ایک نئی پریشانی بھی مل گئی کے اپنے ہی دشمن نکلے . ان جعلی پیروں نے اصل پیر خانوں کو اس قدر بدنام کر دیا ہے کے آج سچے رہنماؤں کی پہچان ہی گم ہوتی جا رہی ہے۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلی پیر کی پہچان کیسے کی جائے میرے خیال میں آج ضرورت اس امر کی ہے کے ہم خدا کے ولیوں کو ان کے کردار سے پہچان لیں بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ تو دنیاوی شہرت کی کوئی ضرورت ہے اور نہ مریدوں کے نظرانوں کی اور اللہ کے ولیوں کی زندگی کا ہر ایک پہلو شریعت کے عین مطابق ہوتا ہے وہ نہ صرف دوسروں کو ایسے کاموں سے روکتے ہیں بلکہ خود بھی ایسا کوئی کام نہیں کرتے جو شریعت کے منافی ہو۔ اللہ کے ولی آج بھی انسانیت کی

خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

جاگتی آنکھوں کا خواب

اقتدار کی بھوک ہمارے معاشرے کی رگوں میں اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنے آپکو راتوں رات بغیر محنت کئے بڑھا آدمی بننا چاہتا ہے ہماری چھوٹی سی ننھی سی تمنا یہ ہوتی ہے کہ ہم کم از کم ملک کا، صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، یا پھر کم از کم کوئی نا کوئی وزیر بن سکیں۔ اور یہ سارے عہدے ہم ملک و قوم کی خدمت کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کا قد بڑا کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس قوم کا ہر فرد صرف اپنے لیے ہی سوچتا ہو اس کے حکمران کس طرح ملک و قوم سے مخلص ہو سکتے ہیں ایسی قوم کے خواب کیسے بھی ہوں حقیقت صرف ہوس اور لالچ ہوتی ہے۔ اقتدار کی بھوکی قومیوں کے خواب بھی ہوس اور لالچ سے بھرے ہی ہو سکتے ہیں۔ جس ریاست ہیں آفیسر شاہی چلتی ہو وہاں کبھی بھی تعلیم کا معیار ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ جس ملک میں وڈیرا راج ہو اس ملک میں غریب کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتا کیونکہ اندھوں کے شہر میں آئینہ فروخت کرنے والا بھوکا ہی مرتا ہے اندھوں کی جانے بلا آئینہ کیا چیز ہوتی ہے۔ جس ریاست میں جمہوریت صرف جاگیر داروں۔ وڈیروں۔ سرمایاداروں کے گھر کی لونڈی ہو۔ جہاں ووٹر اپنے ووٹ کا استعمال صرف ذاتی تعلق اور ذات برادری کے مفاد کے لیے کرے تو پھر وہاں اچھے حکمران کہاں سے آئیں گے۔

کسی ریاست کی ساری عوام پڑھی لکھی ۔ باشعور۔اعلیٰ اوصاف کی مالک ہو مگر ان پر حکمرانی جاہل۔ان پڑھ ۔نالائق اور نااہل لوگ کریں تو وہ قوم دنیا کو کیسے ثابت کر سکتی ہے کہ با حیثیت قوم وہ بہت پڑے لکھے ۔ قابل ۔ باشعور ۔اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں ۔ کیونکہ ہر ریاست کے حکمران ہی دنیامیں پوری قوم کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ جمہوریت میں جو پارٹی سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرتی اسی کی حکومت بنتی ہے اور ووٹ حاصل کرنے کے لیے ہر پارٹی ہر حلقے میں مضبوط امیدوار کی ضرورت ہوتی تاکہ الیکشن میں کامیابی یقینی ہو بد قسمتی سے وطن عزیز میں آج تک سب سیاسی پارٹیوں کو مضبوط امیدوار صرف وڈیروں اور سرمایہ دار خاندانوں نے ہی فراہم کئے ہیں ان حالات میں محب وطن لوگ تو بس اچھے وقت کی امید ہی کر سکتے ہیں یہ امید ایسے ہی ہے جیسے جاگتی آنکھوں کا خواب ہو کچھ ایسے خواب کا ذکر جناب جنرل (ر) عبدالقیوم نے اپنے کالم میں بھی کیا جنرل صاحب نے محب وطنوں کے خواب کو جو شکل دی ہے اسے دیکھ کر میری تو آنکھیں نم ہو گئی ۔جناب جنرل (ر) عبدالقیوم نے بہت ہی سادگی سے ہر محب وطن پاکستانی کے دل کی بات ایک خواب کی صورت بیان کردی جنرل صاحب نے لکھاکے) ہر محب وطن پاکستانی کا یہ خواب ہے کہ پاکستان اس کی زندگی میں ہی ایک خوشحال ملک بن کر ابھرے ۔ایسا ملک جہاں بچوں اور جوان نسل کے لیے تعلیم سستی ،جامع اور متوزن ہو،یعنی پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے والے ہر بچے کے لیے ایک ہی نصاب ہو جو دنیاوی اور دینی

تعلیمات کا بہترین آمیزہ ہو۔سب طلبا کی، یونیفارم ایک ہو اور غریب گھرانوں کے خصوصا ذہین بچوں کے لیے بنیادی اور اعلیٰ تعلیم مفت ہو کوئی بچہ بھی سکول سے باہر نہ رہے طبّی سہولیات کا اتنا عمدہ نظام ہو کہ ہر شہری کو مناسب علاج اور سستی ادویایات میسر ہوں ہر پاکستانی مسلمان اسلامی جذبے سے سرشار ہو کر غربت اور افلاس کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرے زکواۃ کے علاوہ بھی مستحقین کی ہر لحاظ سے مالی اور اخلاقی امداد کی جائے۔

پاکستان کے اندر دس کروڑ نوجوانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو پاکستان کی قسمت بدلنے کے لیے استعمال کیا جائے جو صرف اس وقت ممکن ہو گا جب ہم سب نوجوانوں کو تعلیم یافتہ اور ہنر مند بنا دیں گے قانون کی حکمرانی ہو عدالتیں آزاد ہوں اور احتساب کا نظام سخت ترین ہو)اس کے علاوہ جنرل صاحب نے کچھ ہم خیال سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی بات بھی کی جنرل صاحب کی رائے معتبر ہے مگر پاکستانی عوام تحریک انصاف سے بھی بے زار ہیں کیونکہ عمران خان بھی اپنی پارٹی میں ان سب لوگوں کو شامل کر رہے ہیں جو کبھی پیپلز پارٹی میں جاتے ہیں تو کبھی مسلم لیگ ن اور مسلم لیگ ق کی حکمتوں میں شامل رہ چکے ہیں یہ لوگ سیاسی ہوا کا رخ اچھی طرح سمجھتے ان لوگوں کو جس طرف اقتدار کی رت نظر آتی یہ اسی طرف کی ہوا کے ہو لیتے ہیں ان اقتدار کے بھوکوں کو اگر چلے ہوئے کاتوس کہا جاے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ یہ سارے چلے ہوئے کارتوس یعنی وہی پرانے

سیاسی لوٹے جاگیر دار اور وڈیرے ہی ہیں ان کا مقصد صرف حکومت میں شامل ہو کر اپنے آپکو اور زیادہ طاقت ور بنانا ہے یہ کبھی بھی ملک و قوم کی خدمت نہیں کر سکتے اور آج کل یہ سارے بدلتے ہوے سیاسی موسم کو دیکھ کر تحریک انصاف میں شامل ہو رہے ہیں۔

عمران خان بھی اگر ان پرانے سیاست دانوں جن میں سرمایادار۔ وڈیرے۔ جاگیر دار ۔ کرپٹ کو اپنی پارٹی میں شامل کریں گے جو روز کسی نہ کسی ٹی وی ٹاک شو میں ایک دوسرے کی کرپشن کے ثبوت. بڑی بڑی فائلوں پہ لیے کر آتے ہیں اور ایک دوسرے چیلنج کرتے ہیں اخبارات میں ان سب کے دوسرے کے خلاف کچھ ایسے بیانات چھپتے ہیں کہ ثبوت ہیں تو عدالت میں جائو اور عدالت میں ثابت کرو مگر ان میں سے کوئی بھی نہ تو عدالت جاتا ہے اور نہ وہ ثبوت میڈیا اور عوام کو دیتا ہے۔ پاکستانی میڈیا توان لوگوں کا اصلی چہرہ عوام کے سامنے لا کر اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ سیاست دانوں کا یہ عمل صاف ضاہر کرتا ہے کہ وہ سب کرپٹ ہیں سب کے سب چور ہیں یا ایسے لوگ کبھی بھی ایک دوسرے کا احتساب نہیں کر سکتے کیونکہ نہ صرف یہ سارے کرپٹ ہیں بلکہ ایک دوسرے کے رشتے دار بھی ہیں ۔اور اگر یہ سارے چور تحریک انصاف میں شامل ہو گئے تو پھر عمران خان بھی کوئی تبدیلی نہیں کر پائیں گے ۔ان پرانے چہروں کی بجائے اگر عمران خان نئے اور ایماندار لوگوں کو جن کا ماضی صاف ستھرا ہو تحریک انصاف میں شامل کریں تو بہت بہتر ہوگا۔

کیونکہ عوام عمران خان کو ہی تبدیلی کے روپ میں دیکھ رہے ہیں۔ خیر یہ باتیں تو اب ساری دنیا جانتی میں آج اس موضوع پر زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جہاں تک بات ہے ہم خیال سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی تو میرے خیال میں سیاسی جماتوں کا اتحاد تو صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے اور وہ یہ کے ہر پارٹی کے ہر چھوٹے بڑے ورکر کو صدر۔ وزیراعظم ۔ وزیراعلیٰ یا کم از کم وزارت ضرور ملنی چاہیے اور اگر ایسا ہو تو ملک میں ہر دوسرا شخص وزیر ہوگا اس کے علاوہ اقتدار کے بھوکوں کا کوئی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے اللہ کرے ایسا نہ ہو اور عمران خان اور میاں نواز شریف میں اتحاد ہو جائے کیونکہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے ۔ میاں صاحب کے پاس سیاسی سوجھ بوجھ بھی ہے اور ایک ماہر ٹیم بھی ہے اور سب سے بڑھ کر میاں شہباز شریف بھی مسلم لیگ ن کے پاس ہیں جن کو نہ صرف پنجاب بلکہ سارے پاکستان کے عوام اچھا لیڈر مانتے ہیں کیا ہی اچھا ہو اگر میاں نواز شریف اور عمران خان جن کو عوام سچا اور ایمان دار مانتے ہیں ایک دوسرے سے ہاتھ ملا لیں ۔اس وقت جب پاکستان تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا۔ پاکستان مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف ایک دوسرے پر حملے کرنے کی بجائے ملکی وقومی کے وسیع تر مفاد میں ایک دوسرے کے قریب آئیں اور اپنے ساتھ ان لوگوں کو شامل کریں جو محب وطن ہیں سب مل کر پاکستان کو مشکلات سے نکالیں۔ تاکہ جو خواب جنرل (ر) عبدالقیوم صاحب نے محب

وطن لوگوں کی آنکھ سے دیکھا وہ پورا ہو سکے۔

امن و انصاف

اسلام نے حکمرانوں کے گرد جو دائرہ کھینچا ہے اس کے مطابق حکمران کو باکردار و نیک سیرت ہونا چاہیے ،دین و دنیا کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو اور علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر ہو۔ مسلم ریاست کے حکمران کو بھی ہر قسم کے حقوق میں عام عوام کے ساتھ برابر ہونا چاہیے یعنی حکمران ریاست کے کسی قانون سے بالاتر نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے ضرورت زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اس کی کمان حیثیت نمایاں و منفرد ہو، اس کے اختیارات محدود ہوں اور ہر شخص کو حکمران پر نکتہ چینی اور تنقید و محاسبہ کا حق حاصل ہو۔ میرے خیال میں اگر حکمران ملک میں امن و امان قائم نہ کرسکتا ہو اور عوام کو انصاف و روزگار فراہم کرنا اس کے بس میں نہ رہے تو اسے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ وہ اپنے آپ کو حکومتی عہدے کا اہل نہیں سمجھتا عہدہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اس کی جگہ دوسرا اہل شخص کمان سنبھال کر ملک قوم کے مسائل کو حل کرے۔ لیکن افسوس کہ میرے وطن میں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ میں نہیں کہنا چاہتا لیکن حالات وواقعات بتاتے ہیں کہ وطن عزیز میں سب کے سب نااہل لوگ حکومتی امور چلارہے ہیں۔ آپ صرف کراچی ہی کی بات کرلیں اس بات سے کون واقف نہیں کہ کراچی میں بسنے والے ہر شہری خاص طور پر کاروباری طبقے کا بھتہ خوری، اغوابرائے تاوان، بدامنی اور لاقانونیت نے

جینا حرام کر رکھا ہے۔ مایوسی نے ہر گھر میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ ہر روز سر عام لوگ لٹتے ہیں، کٹتے ہیں لیکن حکمران سوائے سیاست کے کچھ نہیں کرتے۔ عام شہری تو اتنا جانتے ہیں اگر حکمران عوام کو امن و انصاف فراہم نہیں کر سکتے تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ انھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ عوام کی خون پسینے کی کمائی پر عیاشی کریں۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکمرانوں کا فرض نہیں بنتا کہ عوام کو امن و انصاف فراہم کریں؟ کتنی حیرت کی بات ہے کہ لٹنے اور کٹنے والوں میں حکمرانوں (خواہ سیاسی ہوں یا فوجی) کے بھائی بیٹے شامل نہیں ہوتے صرف عام عوام ہی لٹتی اور کٹتی ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی حکمران نے کراچی کے امن کو بحال کرنے کی کوشش نہیں کی اگر لٹنے اور کٹنے والوں میں حکمران طبقے کا کوئی فرد شامل ہوتا تو شائد آج حالات بہتر ہوتے اور حکمران اتنے سکون و اطمنان سے زندگی بسر کرنے کی بجائے ٹارگٹ کلنگ اور دہشتگردی کے خاتمے کے لیے دن رات اپنی نیندیں حرام کر رہے ہوتے۔ کراچی میں دن ہو یا رات قتل غارت جاری رہتی ہے اور حکمران ایک بیان ارشاد فرما کر سرخرو ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک بیان گزشتہ دنوں وزیر اعلیٰ سندھ نے ارشاد فرمایا کہ کراچی کے لوگ جرائم کی رپورٹ درج نہیں کراتے۔ قتل کا ہر واقعہ ٹارگٹ کلنگ نہیں ہوتا، دہشگردی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ کراچی کی آبادی تقریباً2 کروڑ ہے پولیس کی نفری کم ہے۔ ان کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ لوگ خوف زدہ ہیں اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف رپورٹ درج نہیں کراتے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا رپورٹ درج کرانے والوں کو انصاف ملتا ہے ؟اگر نہیں ملتا تو لوگ اچھا کرتے ہیں جو رپورٹ درج نہیں کراتے ۔ لٹنے اور کٹنے کے بعد پولیس کے ہاتھوں زخموں پر نمک پاشی کروانے سے بہتر ہے کہ گھر جائیں اور نیند کی گولی کھا کر آرام سے سوجائیں۔دوسری بات یہ کہ قتل کا ہر واقعہ ٹارگٹ کلنگ نہیں ہوتا یہ بھی سچ ہے لیکن مقتول کو اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اسے ٹارگٹ کلر نے قتل کیا یا کسی اور نے وہ تو مر ہی جاتا ہے ۔اس کے گھر میں صف ماتم تو بچھ ہی جاتی ،اس کے بچے تو یتیم ہو ہی جاتے ہیں ،اس کے والدین کا سہارا تو چھن ہی جاتا ہے ۔ کوئی اس کے قتل کو ٹارگٹ کلنگ کہے یا کچھ اور نام دے وہ دوبارہ زندہ تو نہیں ہو سکتا۔ کراچی شہر کی آبادی 2 کروڑ کے قریب ہے یہ بات بھی سچ ہے ۔پولیس کی نفری آبادی کے لحاظ سے کم ہے یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن کیا جرائم کو روکنے کا واحد طریقہ پولیس کی نفری بڑھانا ہے ؟کیا حکومت ہر فرد کے ساتھ ایک پولیس والا رکھ سکتی ہے ؟ اگر ایسا کرنے کے بعد بھی جرائم پر قابو نہ پایا جاسکا تو حکومت کیا کرے گی؟شاہ جی اگر میری مانیں تو عوام کو سستا انصاف اور اچھا روزگار فراہم کردیں اور بیرونی مداخلت کو ہر گز قبول نہ کریں امن قائم ہوجائے گا۔شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ دہشتگردی کا مقابلہ کرنا ہوگا ،بہت اچھی بات ہے لیکن لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر کب ہوگا مقابلہ ؟ حکمران دہشتگردی کے خلاف عملی جنگ لڑیں گے بھی یا دہشتگردوں کے ساتھ دوستی ہی جاری رکھیں گے ؟سوالات تو بہت ہیں لیکن میرے پاس

جواب ایک ہی ہے۔وہ یہ ہے کہ جب تک حکمران جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتے رہیں گے تب تک قتل وغارت اور لوٹ مار کو نہیں روکا جاسکتا چاہے ایک شہری کے ساتھ ایک کی جگہ دو پولیس والے کیوں نہ لگا دیے جائیں۔رحمٰن ملک یہ بات تسلیم کرچکے ہیں کہ پیپلزپارٹی کے کچھ لوگ بھتہ خوری میں ملوث ہیں۔کراچی شہر کی کنگ پارٹی ایم کیوایم ہے جس کے بارے میں ہر دوسرے فرد کا یہ کہنا ہے کہ وہ سب سے زیادہ بھتہ لیتے ہیں۔یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی سیاسی جماعت کا منشور بھتہ خوری ہوسکتا ہے۔لیکن ہر جماعت میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوسکتے ہیں جو خود بھی جرائم کرتے ہوں اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنے کی غرض سے کسی جماعت کا نام استعمال کرتے ہوں۔اب جس جماعت کا نام جرائم پیشہ لوگ استعمال کریں اس کی قیادت کے لیے یہ بات باعث شرم اور قابل فکر ہونی چاہیے لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں نہ تو کسی کو فکر ہے اور نہ ہی شرم آتی ہے بس لوٹ مار کی دولت آتی جسے بے شرم لوگ اپنی اولاد کی خاطر جمع کرتے ہیں تاکہ ان کے مرنے کے بعد کوئی ان کا نام لیوا باقی رہے۔اگر اولاد اور دولت ہی سے انسان کا نام باقی رہنا ہوتا تو آج قائداعظم محمد علی جناحؒ کا نام باقی نہ ہوتا کیونکہ نہ تو ان کی اولاد نے ان کے بعد کوئی اہم کارنامہ سرانجام دیا اور نہ ہی انھوں نے کوئی دولت پیچھے چھوڑی صرف ان کا اعلیٰ کردار ہی تھا جس کی وجہ سے آج تک ان کا نام لینے والے باقی ہیں جو انشااللہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔ایسی اور بھی بے شمار مثالیں ہمارے

سامنے ہیں۔ جن میں سے ایک سلطان صلاح الدین ایوبی بھی ہیں جن کی قیادت میں مسلمانوں نے بیت المقدس ، فلسطین، اردن، لبنان اور مصر پر فتح پائی ۔ لیکن جب آپ فوت ہوئے تو غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے کفن دفن کا انتظام ادھار کی رقم سے کیا گیا۔ سنا ہے وہ حج کی بڑی تمنا رکھتے تھے جو دولت کی کمی کی وجہ پوری نہ ہو سکی ۔ کوئی آج کے حکمرانوں سے پوچھے کہ یہ اتنے دولت مند کیسے بن جاتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک پاکستانی قوم کو پھر سے محمد علی جناح اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے قائدین عطا کرے۔

1) جیسی عوام ویسے حکمران

یہ بات درست ہے کہ ہمارے حکمران بہت اچھے نہیں ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکمران عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرتے ہیں یا نہیں؟جب ہم کسی امیدرار کوصرف اس لیے ووٹ دیتے ہیں کہ وہ ممبر اسمبلی بن کر ہمارے جائز ناجائز کاموں کو سپورٹ کرے گا اور قانون کی گرفت سے بچائے گا تو پھر اگر وہ حلقے کے ترقیاتی کام نہیں کرواتا یا ملک کی تراقی میں کوئی کردار ادا نہیں کرتا توہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کے ہم اسے برا بھلا کہیں۔کیونکہ ان کاموں کی اہلیت تو ہم نے اس میں ووٹ دینے سے پہلے دیکھی ہی نہیں تھی ۔جب ہم نااہل لوگوں کو منتخب کرکے اسمبلی بھیجتے ہیں توپھر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ صرف حکمران ہی نااہل نہیں بلکہ عوام بھی (ڈیش ڈیش ہے) حکمران کسی اور دنیا کی مخلوق نہیں بلکہ وہ بھی ہم میں سے ہی ہیں۔اس لیے صرف حکمرانوں کو بدعنوان اور کرپٹ کہنے یا ثابت کرنے سے عوام کی ذمہ داریاں کم نہیں ہوتی بلکہ ایسے حالات میں عوام کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں لیکن بد قسمتی سے پچھلے 65 سال سے پاکستانی عوام نے ہر حکمران کو غلط کہنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔کتنی حیرت کی بات ہے کہ جن حکمرانوں کو پاکستانی عوام غلط کہتے ہیں وہی لوگ بار بار الیکشن جیت کر پاکستان پر حکومت کرتے ہیں ۔عوام جن کو غلط کہتے ہیں ووٹ بھی انھیں کو ہی

دیتے ہیں۔جب منتخب کرنے والوں کے قول وفعل میں تضاد ہوگا تو پھر کیسے ان کے منتخب کیے ہوئے لوگ سچے اور ایماندار ہو سکتے ہیں۔اور پھر کسی ملک یا کسی ریاست کو چلانے کے لیے صرف حکمران ہی توکاقی نہیں ہوتے بلکہ عوام پر بھی حکمرانوں سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتیں ہیں کرڑوں لوگوں پر چند حکمران تب ہی کامیابی سے حکومت کر سکتے ہیں جب وہ عوام کے صحیح ترجمان ہوں اور جہاں جمہوریت ہو وہاں صحیح ترجمان تلاش کرنا عوام ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔پاکستان کے عوام اگرچہ اپنے ہی منتخب کئے حکمرانوں کو.برا سمجھتے ہیں لیکن برا سمجھنے کے باوجود میری قوم کا حال یہ ہے کہ اپنی جیب میں انھیں.برے حکمرانوں کے وزٹینگ کارڈ رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور خاص طور پر سیاسی ورکران کا تعلق چاہے کسی بھی پارٹی سے ہو وہ اپنے آپکو خدا کی اعلیٰ مخلوق سمجھتا ہے اور اس mpa کارڈ ہو وہ اپنے آپکو ہی mpa سمجھتے ہیں۔جس کے پاس کسی سمجھتا ہے۔میرے mna کا کارڈ ہو تو وہ بھی خود کو ہی mna حساب سے اگر کسی کے پاس ہم وطن جن حکمرانوں کو ان کے دور حکومت میں بہت.برا سمجھتے ہیں الیکشن کے دنوں میں انھیں کے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں جن کو، کرپٹ ،چور لٹیرے اور غدار کہا ہوتا ہے الیکشن کے دنوں میں انہی لوگوں کے ساتھ تصویریں بنوا کر اپنی بیٹھک کی دیواروں پر.بڑے.بڑے فریموں میں بڑے ہی فخر سے آوزاں کرتے ہیں۔پاکستان میں اس شخص کو.بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے جو چوروں ،ڈاکوں ،منشیات فروشوں ،کی پشت پناہی کرے اور جو رشوت خوروں کو اچھی طرح ڈیل کرسکے اور جس کی.برادری.بڑی ہو

۔اس طرح بڑی برادریوں سے تعلق رکھنے والے کرپٹ سیاست دان الیکشن میں
بن جاتا وہ ساری برادری mna یا mpa کامیاب ہوتے ہیں۔جس برادری کا ایک فرد
لکھی نمبر پلیٹ لگا کر اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ان mna اور mpa اپنی گاڑیوں پر
حالات میں ہر خاص وعام کی دلی خواہش ہے کے وہ کسی نہ کسی طرح سرکاری عہدے پر
فائز ہوجاے تاکہ وہ اپنے آپ میں سرکار ہوجاے۔اقتدار کی بھوک ہمارے معاشرے
کی رگوں میں اس قدر سرایت کر گئ ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنے آپکو راتوں رات بغیر
محنت کئے بڑھا آدمی بننا چاہتا ہے ہماری چھوٹی سی ننھی سی تمنا یہ ہوتی ہے کہ ہم کم از کم
ملک کا، صدر، وزیراعظم، وزیراعلیٰ، یا پھر کم از کم کوئی نا کوئی وزیر بن سکیں۔اور یہ
سارے عہدے ہم ملک و قوم کی خدمت کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کا قد بڑا
کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔جس قوم کا ہر فرد صرف اپنے لیے ہی سوچتا ہو
اس کے حکمران کس طرح ملک و قوم سے مخلص ہو سکتے ہیں: جاری ہے

جیسی عوام ویسے حکمران (2

جس ملک کی عوام کے نزدیک سرکاری آفیسر بننے کا مقصد ملک و قوم کی ترقی کی بجائے اپنی عیاشیوں کے لیے خوب دولت کمانا ہو اس ملک میں صرف آفیسر شاہی ہی ترقی کرتی ہے۔اس ملک کے حکمران عوام کو سستی روٹی ، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی صورت بھیک اور اس سے ملتی جلتی کئی اور سہولتیں تو دے سکتے ہیں لیکن باعزت روزگار ، مفت انصاف اور صحت و تعلیم کی سہولیات فراہم نہیں کر سکتے ۔ میرے نزدیک زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ وطن عزیز میں بسے والے لوگ ان بنیادی سہولتوں کی بجائے ووٹ بیچ کر چند روپوں کے عوض اپنے ضمیر کے ساتھ ساتھ اپنی آنے والی نسلوں کا بھی سودا سستے داموں کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ عوام اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ پہلے اپنی مرضی سے خوشی خوشی اپنے آپ کو سستے داموں فروخت کرتے ہیں ۔ بعد میں خریدار کو برا کہنے لگتے ہیں ۔ جو لوگ ووٹ نہیں بیچتے وہ ان لوگوں کو اپنے ووٹ کا حق دار سمجھتے ہیں جن کا تعلق وڈیرا , سرمایہ دار، جاگیر دار یا ٹاؤٹ قسم کے خاندان سے ہو اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ سیاست شریف آدمی کا کام نہیں ، سیاست تو بس بدماش قسم کے لوگوں کا کام ہے وہ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے پاس دولت و جاگیر زیادہ ہوتی ہے ۔ دس ، بیس گاڑیاں ہر وقت ان کے گھر کے باہر کھڑی رہتی ہیں اور شریف آدمی کے پاس ایک بھی گاڑی نہیں ہوتی ، شریف

آدمی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیا سیاست کرے گا اس کو تو کبھی تھانے نہیں دیکھا، اس کا تو خاندان بہت چھوٹا ہے، وہ تو کسی سے لڑائی میں بھی نہیں جیت سکتا تو الیکشن کیا جیتے گا، اسے دے کر تو ووٹ ہی ضائع کرنے والی بات ہوگی۔ اس کے مقابلے میں کھڑا امیدوار زیادہ مضبوط ہے اس کے پاس سرمایہ بھی ہے اور برادری بھی بڑی ہے۔ تھانے، کچہری کے معاملات بھی اچھی طرح سمجھتا ہے اور بجلی و گیس کے کام بھی کروا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ عوام کو تمام تر خوبیوں کا مالک جاگیر دار قسم کا امیدوار ہی نظر آتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی جاگیر سے متاثر ہو کر اور کچھ پیسے لے کر اسے ووٹ دے دیتے ہیں۔ جس کے بعد ہوتا کیا ہے۔ وہ الیکشن جیت جاتا ہے۔ اب غور کریں جس نے الیکشن جیتنے کے لیے دو، چار کروڑ یا اس بھی زیادہ خرچ کیا ہوگا وہ پانچ سال اپنے پیسے پورے کرے گا یا ملک و قوم کی خدمت؟ پھر جب عوام کا منتخب نمائندہ اپنے پیسے پورے کرنے کے لیے لوٹ مار کرتا ہے تو عوام اسے برا کہتے ہیں۔ بے شک لوٹ مار کرنے والا ملک و قوم کا دشمن ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے لوٹ مار کی اجازت کس نے دی؟ کس نے اسے اتنا طاقتور بنایا کے وہ سرعام کرپشن کرے؟ سب سے اہم سوال کہ وہ طاقت ہے کون سی؟ میرے نزدیک وہ طاقت ہے عوام کے ووٹ کی اور اس حساب سے اسے لوٹ مار اور کرپشن کی اجازت عوام ہی نے دی ہوتی ہے۔ سیاست دان ایسے ہی تو نہیں کہتے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہے۔ قارئین محترم ہم کتنے نادان ہیں اپنی طاقت کا استعمال اپنے ہی خلاف کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا ہوش ہی نہیں کہ جس شخص

کو ہم ووٹ دے رہے ہیں وہ اس کا اہل ہی نہیں ،اسے تو لوٹ مار اور کرپشن کے سوا کچھ
آتا ہی نہیں ،وہ کس طرح غریب عوام کے مسائل حل کرے گا جب اس نے کبھی غربت
دیکھی ہی نہیں ، کبھی غریبوں کے پاس بیٹھا ہی نہیں۔ جو لوگ منہ میں سونے چمچ لے
کر پیدا ہوتے ہیں وہ کیا جانے کہ دو سیر آٹے کی قیمت کیا ہے ،جس کی ماں کو جہیز میں
دو چار کلو سونا ملا ہو اسے کیا پتہ کہ غریب کی بیٹی صرف اس لیے گھر بیٹھی بوڑھی
ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے پاس جہیز دینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے : جاری ہے

ہاں میں مجرم ہوں

انسان اپنی وکالت بڑے اچھے انداز میں کرتا ہے۔ جیسا کہ میں اکثر یہ بات سوچتا رہتا ہوں کہ اس دور میں شریف آدمی کا جینا بھی کیا جینا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں بہت بڑا مجرم ہوں، جبکہ کبھی کوئی جرم نہیں کیا، آج تک نہ تو دنیا کے کسی پولیس اسٹیشن میں میرے خلاف کوئی رپورٹ درج ہوئی اور نہ ہی میں نے کسی کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے۔ پھر بھی ہر جگہ میرے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ سوچتا ہوں کیسا وقت آگیا ہے، اپنے ہی شہر میں گومتے ہوئے ایک ہی دن میں کئی کئی مرتبہ پولیس ناکوں پر تلاشی دینی پڑتی ہے، پولیس تو خیر ایسا شہر اور شہریوں کو دہشتگردوں سے بچانے کی غرض سے ایسا کرتی ہے، لیکن ایک شریف آدمی کو ہر جگہ ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کسی بیکری سے کوئی چیز خریدنی ہو تو تلاشی دینی پڑتی ہے، بینک میں داخل ہونا ہو، کسی بڑے ہوٹل میں داخل ہونا ہو، عدالت میں داخل ہونا ہو، کسی سرکاری محکمے کے دفتر میں داخل ہونا ہو، مختصر کہ مسلمان کو مسجد اور درگاہ میں داخل ہونے کے لیے بھی تلاشی دینی پڑتی ہے۔ خود پر حیران ہوں کہ ان حالات میں بھی خود کو شریف آدمی سمجھتا ہوں جب کہ مسجد اور درگاہ تک میں شک کی نظر سے دیکھا

جاتا ہوں ،بیکری والے بھی مجھے چور سمجھتے ہیں ،اپنے ہی ملک میں دہشتگرد سمجھا جاتا ہوں ، بجلی چوری کوئی اور کرتا ہے لیکن بل میں ادا کرتا ہوں ،اس چور کی شکایت کروں تو اس کی بجائے میرا ہی میٹر کاٹ دیا جاتا ہے پھر سوچتا ہوں میں شریف آدمی ہوں کہ مجرم ،اپنا گھر لٹنے کی رپورٹ درج کروانے کے لیے پولیس کو رشوت دینا پڑتی ہے پہلے ڈاکو لوٹتے ہیں پھر اپنے محافظ ۔اول تو چور ڈاکو پکڑے نہیں جاتے اور اگر ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا سامان برآمد ہو بھی جائے تو مجھے ملنے کی بجائے پولیس اہلکار آپس میں بانٹ لیتے ہیں ۔

مقدمہ اتنا کمزور درج کیا جاتا ہے کہ عدالت ڈاکوؤں کو باعزت بری کر دیتی ہے،آ جا کہ میرے ہاتھ کیا آتا ہے، دھکے ،ذلالت اور خوف ،خوار ہونے کے بعد سوچتا ہوں جرم کسی کو لوٹنا ہے یا خود لٹنا؟حالات و واقعات سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس کا گھر لٹ جائے وہی سب سے بڑا مجرم ہے ۔کتنا احمق ہوں سب سے بڑا مجرم ہو کر بھی خود کو شریف آدمی سمجھتا ہوں ۔سیاست دان مجھ سے ووٹ مانگنے آتے تو میں ان کی بڑی عزت کرتا ہوں ،ووٹ قوم کی امانت سمجھ کر بے لوث ہو کر سب سے بہتر اُمیدوار کو ڈالتا ہوں ، لیکن الیکشن جیتنے والا مجھے بھی بکاؤ مال کہتا ہے ، جبکہ میں نے کبھی بھی اپنے ووت اور ضمیر کا سودا نہیں کیا ، پھر سوچتا ہوں کہ میرے ہی منتخب کیے ہوئے نمائیدے نے کیوں مجھے بکاؤ مال سمجھا ،بہت سوچنے کے بعد ایک بار پھر اپنے آپ کو احمق پاتا

ہوں۔

اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں نے ووٹ کی قیمت نہیں لی جیتنے والے سیاست دان نے تو الیکشن جیتنے کے لیے کڑوں روپے خرچ کردیے تھے،اسے کیا یاد کہ کس نے ووٹ کی قیمت لی اور کس نے بغیر قیمت کے ووٹ دیا،پھر جب اکثریت بکتی ہو تو اقلیت کو کون جانے۔یہ سب باتیں انسان اپنی وکالت کرتے ہوئے سوچتا ہے،ان باتوں میں بھی حقیقت ہے لیکن ساری نہیں۔کچھ ایسے پہلو بھی ہیں جن کو سوچوں تو میں مجرم ہوں ۔جیساکہ ہر روز میری آنکھوں کے سامنے میرے ملک کے قانون کو پاؤں تلے روندا جاتا ہے لیکن میں خاموش رہتا ہوں ، میرے سامنے میرے ہی ہم وطنوں کو دن دیہاڑے قتل کردیا جاتا ہے، تڑپتے ہوئے انسانوں کی مدد کرنے کی بجائے میں اپنے گھر کا راستہ لیتا ہوں ، قاتلوں کو پہچاننے کے باوجود گواہی نہیں دیتا،کیا سب یہ جرم نہیں ہیں ۔اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے سارا دن حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دولت کے پیچھے بھاگتا ہوں ، کم تولتا ہوں،ملاوٹ کرتا ہوں ، حد سے زیادہ ناجائز منافع کماتا ہوں ، نجانے کتنے لوگوں سے دھوکا کرتا ہوں ، میرے جرموں کی لسٹ اتنی لمبی ہے کہ بیان کرنا ممکن نہیں پھر بھی خود کو شریف آدمی کہتا ہوں۔ ساری زندگی اپنے آپ کو شریف کہتا رہا لیکن آج میں قبول کرتا ہوں ہاں میں مجرم ہوں۔

ضمیر فروش اینکرز سے بہتر ویتا ملک

تحریر، مرزا عارف رشید

اس ملک جہاں سب کی بولی لگتی ہے اور اس بولی ہر کوئی اپنی قسمت وصول کرتا ہے تو پھر کچھ ٹی وی چینلز کے اینکرز کیوں پیچھے رہ جائیں' جہاں ہمارے ملک کے سیاستدانوں کی بولی لگتی ہو' جہاں سرکاری افسران خود بکنے کیلئے تیار ہوں جس ملک کے قانون کو خریدا جاسکتا ہے جہاں نائب قاصد سے لیکر سب کی بولی لگتی ہو وہاں کچھ ٹی وی چینلز کے اینکرز کی بھی بولی لگی تو کچھ نے اپنے آپکو سستا اور کچھ نے مہنگا بیچا' کسی نے لاکھوں میں کسی نے کروڑوں میں اور کسی نے گاڑیاں یا پلاٹ لیکر۔ 18 نومبر کی صبح جب میری نظر خبروں پر پڑھی تو حیرانگی ہوئی جس میں کچھ ٹی وی چینلز کے اینکرز کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ اس ملک کے سب سے بڑے بلڈرز ملک ریاض نے کس کس اینکر کو نوٹوں سے خریدہ اور کن کن اینکرز نے اپنے ضمیر کا سودا کیا تھوڑے سے نوٹوں کی خاطر ملک ریاض کے سامنے نوٹوں کی تھاپ پر رقص کرنے لگے' کچھ نے نوٹوں کیلئے' کچھ نے پلاٹس اور کچھ نے لمبی لمبی گاڑیاں لیکر اپنے ضمیر کو بیچ ڈالا' ان اینکرز کے بنک اکاؤنٹس میں بڑی بڑی رقوم کہاں سے آئیں۔ جہاں ملک میں پریس کو چوتھا ستون کہا جاتا ہے' پریس والوں کے سامنے بڑے بڑے سیاستدانوں کے سر

جھک جاتے ہیں وہاں ان کرپٹ اینکرز کی وجہ سے عامل و جید حقیقی صحافیوں کے سر شرم سے جھک گئے ہیں کیا ان لوگوں کو کردار یہی ہے ؟ان خوبصورت چہروں کے پیچھے ایسے بھیانک چہرے چھپے ہوئے ہیں ' ان مبینہ بد کرداروں کی وجہ سے پورے ملک کے صحافی شرم سے ڈوب گئے ہیں ' اگر ملک میں سیاستدان کرپشن کرتے ہیں تو ہم انکو ایسے اچھالتے ہیں اور اگر کوئی سرکاری ملازم کرپشن کرے تو ہم اسکے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں ' اس وقت ہم اپنا گریبان نہیں دیکھتے ' ایسا لگتا ہے جیسے ہم مسجد امام ہوں اور ہم نے کبھی کرپشن نہ کی ہو۔آج معلوم ہوا کہ انکا کردار کیا ہے ' ملک ریاض نے بڑے بڑے اینکرز کو نوٹوں کی تھاپ پر اپنی مرضی کا رقص کروایا ' ملک ریاض کا جب دل چاہتا تھا ' تھوڑے سے نوٹ ڈال کر انکی زبان خرید لیتا تھا اور پھر یہ لوگ ملک ریاض کی زبان بولتے تھے ' ہمارے ٹی وی اینکرز جب ٹی وی سکرین پر آتے ہیں اور مختلف لوگوں سے سوال جواب کرتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے یہ سچ بول رہے ہوں یا ابھی نماز پڑھ کر آئیں ہوں اور باوضو بیٹھے ہیں ' ایسا لگتا ہے کہ انکی وجہ سے ہمارے ملک میں تبدیلی ضرور آئی گی لیکن انکا اصلی چہرہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا ' جب یہ لوگ ضمیر فروش ہیں تو ملک میں کیا تبدیلی آ سکتی ہے ' اگر کوٹھے پر نچانے والی منہ مانگے دام لیکر کسی کے سامنے ناچتی ہے تو ہم اسے کیوں برا کہتے ہیں ' پھر اس میں اور ٹی وی اینکرز میں کیا فرق رہ گیا ہے لکھنے والے نے کیا خوب لکھا کہ " مینوں نوٹ وکھا میرا موڈ بنے " جس ڈون کی وجہ سے اپنے

ضمیر کا سودا کیا تھا اسی نے آج انکے چہرے بے نقاب کرکے اصلی چہرہ دکھا دیا' ڈاکٹر شاہد مسعود (المعروف قیامت کی نشانیاں بتانے والے) کیا انہیں ایسی حرکت کرتے ہوئے قیامت نظر نہیں آئی' حامد میر (المعروف وڈے صحافی) مبشر لقمان (المعروف جھوٹ کو سچ بنانے والے) ' کامران خان (المعروف مرد بحران) ' حسن نثار المعروف عقل کل) ' جاوید چوہدری (المعروف سمجھ داروں کی نانی) ' مہر بخاری) ' المعروف ساری دُنیا کا درد رکھنے والی) مظہر عباس (المعروف بابائے صحافت) ') مشتاق مہناس (باباجی پڑھے لکھے) 'ماروی سرمد (گلیمرلیس کوئین) ' ارشد شریف' نصرت جاوید (المعروف پہنچے ہوئے صحافی) ' منیب فاروق (المعروف تاریخ سے نابلد) ' آفتاب اقبال (المعروف اُردو کے تلفظ درست کرانے والے) ' سہیل وڑائچ المعروف ہم گھر گئے) ' عاصمہ شیرزای (المعروف پردہ دار خاتون) اور سیمی ابراہیم) المعروف نئی نئی آمد) یہ سب چلے ہوئے کارتوس ہیں ۔ ملک ریاض نے دیکھ لیا کہ یہ مبینہ ضمیر فروش اب میرے کام کے نہیں رہے اور اب یہ میری شطرنج کے مہرے نہیں رہے جب تک یہ ملک ریاض کے کام کے تھے تو بڑے مزے سے جسکا دل کرتا تھا اسکے کپڑے اتار لیتے تھے ان لوگوں کی وجہ سے حقیقی صحافیوں کے قلم کو زوال آیا' جہاں بڑے بڑے لیڈر قلم سے ڈرتے تھے تم جیسے نام نہاد صحافیوں نے ایسے حقیقی صحافیوں کو آگے آنے ہی نہیں دیا اور تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کیوں نہیں کرتا کہ تم ٹی وی سکرین پر بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں تو کرتے ہو' آج تم

لوگوں کی وجہ سے حقیقی میڈیا بدنام ہوگیا ہے اور چھوٹی چھوٹی خبروں کو ایسے پیش کرتے ہو جیسے خدانخواستہ ملک ٹوٹ رہا ہو' کوئی شریف آدمی اگر تم جیسوں کو ہتھ چڑھ جائے تو تم لوگ اسکی بے عزتی کرتے رہتے ہو آخر کار اسکی لاٹھی بے آواز ہے اور ایک نہ ایک دن تم جیسوں کو کرپشن بے نقاب ہونی تھی' اتنے عرصہ سے تم مسجد امام بن کر عوام کے جذبات سے کھیلتے پھر ہو آخر تمہارا راز فاش ہوگیا تم جیسے گندے انڈوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہئے تھا کل تک ٹی وی سکرین پر تھانیدار بن کر بیٹھنے والے کب جیل جائیں گے' ہمارا ملک کا کوئی ایسا قانون نہیں جو تم جیسے کرپٹ صحافیوں کو پکڑ سکے' تم وہ کرپٹ صحافی ہو جن کی وجہ سے حقیقی عمل و جید صحافی پریشان ہو گئے ہیں' اتنی بڑی بڑی تنخواہیں لیکر بھی اپنے ضمیر سود ضمیر کر دیا' کیا پاکستان دُنیا میں پہلے کم بدنام تھا کہ تم جیسے نے اسے اور بدنامی کے اندھیروں میں ڈوبا دیا' تم جیسوں سے تو وینا ملک اچھی جسکے کم از کم قول و فعل میں تضاد تو نہیں ہے اور وہ جو کہتی ہے وہ کرتی ہے۔

(ہاں میں مجرم ہوں (حصہ دوم

میں نے اپنی گزشتہ تحریر میں یہ اقرار کیا تھا کہ میں مجرم ہوں ،آج میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں جرم شوق سے نہیں کر بلکہ جرم کرنا میری مجبوری ہے۔مجھے پیدائشی ماحول ہی ایسا ملا ہے جو جرم کرنے پر مجبور کرتا ہے، میرے حصے میں ایسا معاشرہ آیا جس میں جرم کیے بغیر زندہ رہنا ممکن ہی نہیں تھا، میرے جرائم کی لسٹ میں سب بڑاجرم یہ ہیں کہ میں ظلم سہتا ہوں ۔میں جانتا ہوں کہ اپنے مجرم ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود جرم کرتا رہوں گا، کیونکہ مجھے کسی قاتل کے خلاف گواہی دے کر خود کو خطرے میں ڈالنا منظور نہیں لیکن سرعام قتل ہونا منظور ہے، جانتا ہوں کہ میری سچی گواہی کے باجود مظلوم کو انصاف نہیں ملے گا، وہ اس لیے کہ جہاں ظلم کی حکومت ہو وہاں عدل و قانون طاقتور کے گھر کی لونڈی ہوا کرتے ہیں اور کمزور کے پاس ظلم برادشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ظلم کی حکمرانی میں حرام عام اور حلال نایاب ہوجاتا ہے، میرے نزدیک ظالم حکمران کی بڑی نشانی یہ ہے کہ عوام کی حکمران تک رسائی ممکن نہ ہو، جس کے دور اقتدار میں عوام حالات سے تنگ آکر خود کشی اور اپنے بچوں تک کو فروخت کرنے پر مجبور ہو اور حکمران کے گھر میں دنیا جہان کی تمام نعمتیں میسر ہوں ،حاکم اپنی آنے والی 100 نسلوں کے لیے رزق اپنے گھر میں ذخیرہ کرلے اور محکوم کے گھر میں

فاکے رہیں، محکوم دن رات محنت مزدوری کرے اور حاکم اپنے محل میں آرام وسکون کی زندگی بسر کرے، محکوم سفر کرنے نکلے تو شدید سردی، گرمی کے باوجود گھنٹوں بس کا انتظار کرنا پڑے۔ اور جب حاکم گھر سے نکلے تو شہر کی تمام سڑکیں بند کرکے قیمتی گاڑیوں کا قافلہ ساتھ چلے۔ ان حالات میں حاکم محکوموں کے مسائل کس طرح سمجھ سکتا ہے اور اگر سمجھ ہی نہ پایا تو حل کیسے کرے گا؟ جبکہ حکمران کا فرض بنتا ہے کہ اپنی ریاست کے ہر مظلوم اور کمزور کی اس کے گھر جاکر داد رسی کرے اور جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوجائے امداد جاری رکھے۔ مظلوم کے گھر پہنچنا تو درکنار، داد رسی تو دور کی بات اگر کوئی مظلوم آج کے حکمرانوں کے گھر یا دفتر جاکر فریاد سنانا چاہے تو اس کی فریاد تک نہیں سنتے۔ پہلے تو ان کے محافظ اندر نہیں گھسنے دیتے اور اگر کسی طرح کوئی غریب اندر داخل ہو بھی جائے تو دھکے دے کر باہر نکال دیا جاتا۔ افسوس کہ جب الیکشن ہوتے ہیں تو یہی ظلم سہتی ہوئی عام عوام ماضی اور مستقبل کے حکمرانوں کو اپنے گھروں سے باہر نکل کر خوش آمدید کہتی ہے، اُن کے گلے میں پھولوں کے ہار پہناتی ہے اور پھر انھی کو ووٹ دیتی ہے۔ نااہل لوگوں کو اپنا حکمران منتخب کرنا بھی تو بڑا جرم ہے جو میں بار بار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، وجہ آپ بھی جانتے ہیں، میرے خیال میں وجہ یہ ہے کہ اہل لوگ الیکشن میں حصہ ہی نہیں لیتے ان کو گندی سیاست سے نفرت ہے۔ گندی مطلب جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہے۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی ہو اس کا ورکر اپنے پارٹی لیڈر کو

بھگوان سمجھتا ہے اور ہر موقع پر اپنے لیڈر کو محب وطن، قابل، سچا، مخلص ایماندار، انصاف پسند، غریب پرور، امن پسند، مختصر کہ ساری دنیا سے بہتر اور کرشماتی، صفات کا مالک ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے پارٹی لیڈر میں ان میں سے کوئی ایک خوبی بھی موجود نہیں ہے۔ افسوس کہ سیاسی کارکن عوام کو باشعور کرنے کی بجائے چھوٹے موٹے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش میں نااہل لوگوں کو بھگوان بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جو ایون اقتدار پہنچ کر سچ مچ بھگوان بن جاتے ہیں، یعنی پتھر کے بت نہ تو ان کو عوام الناس کے گرتے ہوئے لاشے نظر آتے ہیں اور نہ ہی مظلوموں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں، وہ اپنے اقتدار کے نشے میں ایسا گم ہوتے کہ سوائے لوٹ مار کے کچھ یاد نہیں رہتا۔ بات گھوم پھر کے پھر وہیں آ پہنچی ہے کہ لوٹ مار کرنے والوں کو لوٹ مار کا موقع کون فراہم کرتا ہے؟ عوام (یعنی میں) تو ایک بار پھر ثابت ہوا کہ میں مجرم ہوں (

ڈیپریشن سے بچیں (حصہ سوئم

بندہ ناچیز نے کچھ روز قبل ڈیپریشن کے حوالے سے ایک مضمون لکھا تھا۔ خاکسار کی اس تحریر کو پڑھ کر بہت سارے بہن بھائیوں نے پاکستان بھر سے فون کال' ای میل اور ایس ایم ایس کے ذریعے رابطہ کرکے اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ آج میں ان سب بہن بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے آج کے مصروف دور میں اپنا قیمتی وقت میرے لیے نکالا۔ آج میں اپنے بہن بھائیوں کوڈیپریشن کے بارے میں کچھ مزید معلومات فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔ زیادہ ترماہرین کا خیال ہے کہ ڈیپریشن کے پیچھے کسی صدمے یا کسی حادثے کا ہونالازم ہے۔ لیکن کچھ ماہرین کے مطابق ڈیپریشن کسی حادثے یا صدمے کے بغیر بھی ہوجاتاہے۔

یہ بات سچ ہے کہ ابھی تک نفسیات دان اور تمام ماہرین ڈیپریشن کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرسکے۔ لیکن ماہرین نفسایات کا کہنا ہے کہ ڈیپریشن کا باقاعدہ علاج اور احتیاتی تدابیر اپنانے سے کافی حدتک اس مرض سے بچا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں ڈیپریشن ایسی کیفیت کانام ہے جس میں انسان سستی اور کاہلی کا شکار ہو کر اپنے آپ کو کائنات ناکام ترین شخص تصور کرنے لگتا ہے۔زیادہ ترایسا تب ہوتاہے جب انسان کسی مشکل کاسامنا نہیں کرتااوراس مشکل سے بچنے

کی کوشش میں اپنے آپ کو روز مرہ کے معاملات سے دور کرکے خود کو تنہائی کا شکار بنا دیتا ہے۔

ایسی حالت میں مریض کو سب اپنے دشمن لگنے لگتے ہیں، کوئی بھی دوست نظر نہیں آتا۔ مریض کو لگتا ہے وہ دنیا میں تنہا رہ گیا ہو، ایسی کیفیت میں انسان امید کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (لیکن اسلام میں مایوسی کو گناہ قرار دیا گیا ہے) اور انسان کا کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے ہی یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ اسے اس کام میں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا انتہائی غلط سوچ ہے۔ ویسے تو ہم سب ہی ناکامی سے ڈرتے ہیں لیکن اگر کسی ناکامی کو مثبت انداز سے دیکھا جائے تو یقینا ایک ناکامی دوسری کامیابی کا راستہ بتاتی ہے۔

جب ہم ناکامی کو مثبت طریقے سے استعمال نہیں کرتے تو پھر ہم ناکامی سے حد سے زیادہ ڈرنے لگتے ہیں ۔ ناکامی کو دنیا کی سب سے بری بات سمجھنے لگتے ہیں ۔ ایسی بات جس سے شرم آنی چاہیے اور جس سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے ۔ لیکن اس حقیقت سے ہم منہ نہیں موڑ سکتے کہ ناکامی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی ۔ زندگی کے کسی موڑ پر ہمیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ ناکامی سے گھبرا کر جو لوگ اپنے آپ کو کوسنے لگتے ' اپنی صلاحیتوں پر شک کرنے لگتے ہیں ' یا دوسروں کو برا بھلا کہہ کر اپنی ناکامی کی وجہ قرار دیتے ہیں ۔ وہ لوگ

انجانے میں ڈیپریشن کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔جاری ہے

(ڈپریشن سے بچیں (حصہ چہارم

ناکامی سے گھبرا کر جو لوگ اپنے آپ کو کوسنے لگتے ٗاپنی صلاحیتوں پر شک کرنے لگتے ہیں ٗیا دوسروں کو برا بھلا کہہ کر اپنی ناکامی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ انجانے میں ڈیپریشن کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ماہرین نفسات کے مطابق ناکامی اس قدر خوفناک چیز نہیں ہے۔ بلکہ ماہرین کا خیال ہے کہ ناکامی کامیابی کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ جو لوگ اپنی مرضی سے ناکامی کا خطرہ مول لیتے ہیں اور پھر اس ناکامی سے سبق سیکھتے ہیں ٗان لوگوں کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چارلس گارفیلڈ نے اپنی ایک کتاب میں کامیابیاں حاصل کرنے کے بہت سے طریقے تحریر کیے ہیں ۔انھوں نے اپنی کتاب میں ناکامی سے بچنے کے لیے ایک بہت ہی اہم نکتہ بیان کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ میں جو لوگ کامیاب گزرے ہیں ان کو ”ناکامی کے لفظ سے بہت سخت چڑ تھی ۔ شاذ ونادر ہی یہ لفظ ان کی زبان پر آتا تھا۔ کیوں ؟اس لیے کہ یہ لفظ منفی احساس پیدا کرتا ہے۔ خوف اور فرار کا اشارہ دیتا ہے۔ محترم قارئین آپ نے بھی کسی نہ کسی کامیاب شخص کے منہ سے بات ضرور سنی ہوگی کہ ناکامی کے لفظ کے لیے میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہے ۔ میرے ایک دوست ہیں

محمد رضا ایڈووکیٹ پر وقار اور کامیاب شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے پاس ناکامیوں سے دور رہنے کا بہت ہی اچھا طریقہ موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں کبھی کوئی منزل آخری منزل نہیں ہوتی۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹاپ ہمیشہ خالی ہے۔ محمد رضا کہتے ہیں کہ جو لوگ دل لگا کر محنت کرتے ہیں کامیابیاں ایسے لوگوں کے قدم چومتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے اگر آپکے دل میں تمنا ہے کہ پاکستان کے صدر بنیں تو یہ مت سوچیں کہ آپکا صدر بننا ممکن نہیں، اس دنیا میں ہر چیز ممکن ہے آپ اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کریں جو صدر بننے کے لیے لازم ہیں اور اپنی تمنا کو منفی سوچ میں ڈبونے کی بجائے مثبت طریقے سے اپنی جدوجہد جاری رکھیں تو آپکو فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔

ضروری نہیں کہ آپ صدر پاکستان بن پاؤ لیکن بن بھی سکتے ہو اور اگر نہ بھی بن پائے تو بھی بہت کچھ سیکھ جاؤگے جو زندگی میں کام آئے گا۔ اور اگر یہ سوچ لیا کہ کچھ نہیں کر سکتے تو تمنا کی موت کے ساتھ ساتھ آپ احساس کمتری کا شکار ہو سکتے ہیں جو میرے نزدیک زندگی کی سب سے بڑی ناکامی ہوتی ہے۔ جو لوگ ناکامی کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، ناکامی ایسے لوگوں کے آنگن میں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ میرے خیال ڈیپریشن کے پیچھے کوئی نہ کوئی ناکامی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن میرا خیال حتمی نہیں ہے اور نہ ہی میری رائے اس مرض کے راستے میں بند باندھ سکتی ہے۔ ماہرین نفسیات کے کچھ مفید مشورے ہیں جن پر عمل کرکے ہم ڈیپرشن سے

بچنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ ڈیپریشن دور قدیم میں بھی موجود تھا لیکن بہت کم۔جو دورجدید کی عام پھیل جانے والی بیماریوں میں سے ایک ہے۔

اس کی علامتوں میں طبعت بیزاری بے چینی' بھوک کی کمی 'چڑچڑا پن' گھبراہٹ' بے خوابی ذہنی انتشار' اور تھکاوٹ وغیرہ کے احساس سے لے کر جذباتی بے چینی اور خودسوزی' کے خیالات تک شامل ہیں۔پہلے پہلے ڈیپریشن کو عمر کے درمیانے اور آخری حصے برسوں کی بیماری سمجھا جاتا رہا ہے لیکن اب ڈیپریشن کی بیماری نوجوانوں اور چھوٹی عمر کے بچوں میں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ڈیپریشن کے مریضوں کی تعداد اتنی تیزی سے کیوں بڑھ رہی ہے؟نوجوان اور بچے اس کی زد میں کیوں آنے لگے ہیں؟ یوں تو ان سوالات کے بہت سے جوابات ہیں لیکن ان میں سے کوئی حتمی نہیں ہے۔امریکی صحت کے قومی ادارے کے ڈاکٹر رابرٹ فلیڈ بدلتے دور میں ہونے والی معاشرتی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔گزشتہ پچاس برسوں میں عورتوں اور مردوں کے روایتی رول بدل گئے ہیں۔بڑی تعداد میں عورتیں محنت مزدوری اور ملازمتیں کرنے لگی ہیں۔لاکھوں افراد روزگار اورکاروبار کے مواقع کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگے ہیں۔اس طرح وہ اپنے خاندانوں اور دوستوں کی قربت اور تاون سے محروم ہورہے ہیں۔

ڈاکٹر رابرٹ فلیڈ ڈیپریشن کو دو بڑی قسموں میں کچھ اس طرح تقسیم کرتے ہیں۔ایک تو سادہ ڈیپریشن ہے' جو وقتی طور پر طاری ہوتا ہے اور پھر کچھ عرصے بعد فوری ختم ہو جاتا ہے۔دوسری قسم کلینیکل ڈیپریشن ہے یہ شدید قسم کا ڈیپریشن ہے۔ ماہرین اس سے محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔کیونکہ یہ کلینیکل ڈیپریشن خاصا اذیت ناک ہوتا ہے۔اس کے علاج کے لیے تربیت یافتہ ماہرین کی خصوصی توجہ درکار ہوتی ہے۔راقم کے خیال میں اگر ہم دوسروں کو کم تر سمجھنے کی بجائے اپنے جیسا انسان تصور کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ دکھ درد شئیر کرتے رہیں،فارغ وقت کو قیدیوں کی طرح اپنے اپنے کمروں میں بند ہونے کی بجائے دوسروں کے ساتھ مل بیٹھ کر گزاریں تو نہ صرف ہم خود کو بلکہ دوسروں کو بھی ڈیپریشن جیسے خطرناک مرض سے بچا سکتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ تنہائی کا دوسرا نام ڈیپریشن ہے،اس لیے میں اپنے قارئین کو مشورہ دوں گا کہ اگر آپ ڈیپریشن سے بچنا چاہتے ہیں تو تنہائی سے بچیں۔ جہاں تک بات ہے شفا کی تو وہ صرف اللہ تعالی ہی عطا کرتا ہے۔زندگی رہی تو آپ کی خدمت میں ڈیپریشن سے بچنے کے کچھ اور طریقے پیش کروں گا۔آج اس دعا کے ساتھ آپ سے اجازت چاہوں گا کہ اللہ تعالی ہم سب پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے اور ہر بیماری و مصیبت سے محفوظ رکھے۔اپنی دعاؤں میں خاکسار کو بھی

یاد رکھیے گا۔

رائے

دنیا میں ہر شخص اپنی رائے رکھتا ہے اور اپنے طریقے سے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔
میں اپنی رائے کا اظہار اپنی تحریروں سے کرتا ہوں۔ میں نے بڑی مرتبہ اپنی تحریروں
میں موجودہ حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لیکن ذاتی طور پر صدر آصف زرداری
اورسابق وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی سمیت پیپلزپارٹی کے کسی فرد یا پیپلز پارٹی
سے کوئی رنجش نہیں ہے۔ایک پاکستانی ہونے کے ناطے جو دیکھا ' سنا ' پڑھا ' جانا اور
جاننے کے بعد جو محسوس کیا لکھ دیا۔ایک بات اور کہنا چاہوں گا جو لکھا وہ خالصتا میری
ذاتی رائے تھی اور میری رائے ناقص اور کمزور ہو سکتی ہے۔

لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ دنیا میں ہر
شخص کی اپنی رائے ہے۔یعنی سب کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ
مختلف لوگ ایک ہی موضوع پر مختلف رائے رکھتے ہیں ، میرے نزدیک اس کی وجہ یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک جیسا عقل و شعور عطا نہیں کیا اس لیے ہر کوئی اپنے
شعور کے مطابق کسی چیز کا جائزہ لیتا ہے اور ہر کوئی مختلف پہلوئوں پر غور و فکر کرتا ہے
جس کا نتیجہ مختلف آراء کی صورت میں نکلتا ہے۔اس لیے ہمیں کسی کی رائے کو صرف
اس لیے غلط نہیں کہنا چاہیے

کیونکہ اس کی رائے ہماری رائے سے مختلف ہے۔اب میں آپ کے سامنے ایک مثال رکھتا ہوں جس میں دو کالم نویسوں نے موجودہ جمہوریت کے بارے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

دونوں کالم نویسوں نے جمہوریت کی بات کی ہے لیکن دونوں کی رائے مختلف ہے۔ایک ہی صفحے پر اوپر نیچے چھپے دو کالمز کے کچھ حصے حاضر خدمت ہیں۔(1) "پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے بڑے داؤ پیچ اور حربے استعمال کئے گئے۔لیکن صدر پاکستان آصف علی زرداری کی ہمت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے کسی نہ کسی طرح بچاؤ کی راہیں ڈھونڈ کر جمہوری نظام کو پٹری سے اترنے سے بچائے رکھا۔ کبھی میموگیٹ کا ہوا کھڑا کیا گیا' کبھی ایبٹ آباد کمیشن کی کارروائی سے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوششیں کی گیئں اور کبھی نیٹو سپلائی لائن کو احتجاجی سیاست کا روپ دیا گیا تاکہ حکومت دباؤ میں آکر نئے انتخابات کا اعلان کر دے لیکن اپوزیشن کسی بھی ایشو پر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ کر سکی۔ پی پی پی کی حکومت کے خلاف تحریک چلانے کے اعلانات اور گو زرداری گو کے نعرے بھی اسی تناظر میں تھے لیکن آصف علی زرداری کی بہتر حکمت عملی کے سامنے مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے اور مخالفین صدر آصف علی زرداری کو ایوان صدر سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

سابق وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کے بیٹے موسیٰ گیلانی کو ادویات کے ایک مقدمے میں پھانسنے کی کوششیں کی گیئں اور میڈیا نے اس خفیہ ایجنڈے پر جس طرح اسٹیبلشمنٹ کی آواز میں آواز ملائی وہ بھی سب کے سامنے ہے" راقم کی رائے اس سے مختلف ہے۔ مجھے بھی سب کی طرح اختلاف رائے کا حق ہے لیکن اگر میں کسی کی رائے کو بے کار قرار دُوں تو یہ احمکانہ عمل ہوگا، جمہوریت اور ختلاف رائے کی آزادی دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، یہی دو چیزیں قوموں کو کامیابیوں کے قریب تر کرتی ہیں لیکن تب جب یہ دونوں آزاد اور طاقتور ہوں۔ میرے نزدیک اختلاف رائے اور الزام تراشی میں بہت زیادہ فرق ہے۔ میرے دوست نے میڈیا پر اسٹیبلشمٹ کی آواز میں آزواز ملانے کا الزام تو لگادیا لیکن یہ نہیں سوچا کہ میڈیا کسی ایک فرد یا طبقے کا ترجمان نہیں بلکہ میڈیا تو قوم کے فرد کی ترجمانی کرتا ہے۔

میری اس بات کا ثبوت آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے آپ اس وقت میری جو تحریر پڑھ رہے ہیں یہ میری آواز ہے جسے آپ تک پہنچایا میڈیا نے، اگر کل کسی کو میری بات سے اختلاف ہو اور میڈیا اس کی رائے آپ تک پہنچادے تو کیا میڈیا نے برا کیا؟ میرے خیال میں اچھا کیا اسی کا نام تو آزادی رائے ہے۔

اپنے دوست کو کہنا چاہوں گا کہ چند لفظ کہوں گا کہ ان کو میڈیا پر اسٹیبلشمٹ

کی آواز میں آواز ملانے کا الزام لگانے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے تھا کہ میڈیا تو آپ کی اور میری آواز میں بھی آواز ملاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپکی یہ تحریر کبھی بھی اخبارات میں شائع نہ ہوتی۔ حق آزادی رائے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسروں پر الزام تراشیاں کریں۔ جس پہلو پر صاحب رائے نے غور کیا اس کے مطابق پی پی پی کی موجودہ حکومت کا ہر قدم جمہوریت ہے۔ میری رائے میں صدر آصف علی زرداری کو ایوان صدر سے نکالنے کی کوشش کسی نے نہیں کی ہاں گو زرداری گو کا نعرہ ضرور لگایا گیا لیکن وہ صرف ایک نعرہ تھا۔ پی پی پی کی موجودہ حکومت وہ پہلی جمہوری حکومت ہے جو چار سال سے زیادہ مدت پوری کر چکی ہے اور بظاہر یہی نظر آ رہا ہے کہ یہ حکومت اپنے پانچ سال پورے کرے گی اگر یہ حکومت اپنے پانچ سال پورے کرتی ہے تو اس بات کا کریڈٹ صرف پی پی پی کو ہی نہیں جاتا بلکہ پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ ان تمام سیاسی پارٹیوں کو بھی جاتا ہے۔

جو ایوان میں موجود ہیں وہ چاہے حکومت میں رہیں یا اپوزیشن میں۔ کالم نمبر 2" بدترین لوڈشیڈنگ 'تیل و گیس کی قیمتوں میں بدترین اضافہ 'بے روزگاری 'سرکاری اداروں کی تباہی کے عوامی گفٹ کے بعد ایک طرف عوام کو اپنے بچوں کے خالی پیٹ بھرنے کے لیے خوراک مہیا نہیں آ رہی تو دوسری طرف سیاست دان ٹاک شوز اور جلسوں میں جمہوریت کا راگ بجاتے دیکھائی دیتے ہیں۔ سیاست دانوں کا

خیال ہے کہ جب نادان اور بھوک سے مارے بچے ٹی وی پر سیاست دانوں کو میک اپ لگا کر جمہوریت کی حفاظت پر گھنٹوں بحث کرتے سنتے ہیں تو وہ بچے اپنے والدین سے یہ سوال کرتے ہیں ۔یہ جمہوریت کس جن 'بھوت یا پری کا نام ہے جو اگر ناراض ہو تو ہمیں کھانا نہیں ملتا اور اگر خوش ہو تو پیٹ میں جگہ نہیں رہتی کھانے کے لیے ؟" قارئین محترم راقم بچہ تو نہیں لیکن آج اپنے آپ کو نادان محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ میرے ملک میں جمہوریت واقع ہی کسی جن بھوت یا پری کی مانند ہی ہے ۔جسے سنا جا سکتا ہے ۔

پڑھا جاسکتا ہے ، لکھا جاسکتا ہے لیکن اس کا استعمال منع ہے ۔ بالکل ایسے ہی جیسے سگریٹ کے ہر پیکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ خبر دار تمباکو نوشی مضر صحت ہے ۔ (حکومت فلاں) لیکن حکومت کی جانب سے ممنوعہ قرار دیے جانے کے باوجود سگریٹ ہر گلی ہر محلے میں عام دستیاب ہے۔ ٹھیک اسی طرح جمہوریت بھی ایسی مقدس گائے ہے جسے صرف دور سے سنا اور دیکھا جاسکتا ہے لیکن عام آدمی کے لیے چھونا منع ہے۔ کسی کی رائے کچھ بھی ہو فیصلہ تو 18 کروڑ عوام ہی کرے گی اور آئندہ عام انتخابات میں پتا چل جائے گا کہ موجودہ حکومت کتنی عوام دوست گزری۔

اگر عوام کی اکثریت دوبارہ پیپلز پارٹی کو ووٹ دیتی ہے تو پھر ثابت ہوجاے گا

کہ پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت عوام دوست گزری۔ سوال یہ نہیں کہ آنے والے عام انتخابات میں کون سی پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ بلکہ سوال تو یہ ہے کہ عوام دوست پالیساں کون بنائے گا؟ آخر میں اتنا کہوں گا کہ ہمیں اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت کسی پر الزام تراشی نہیں بلکہ اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

کیا ہم سب معذور ہیں؟

معذوری محتاجی کا دوسرا نام ہے۔ اللہ کسی دشمن کو بھی اپنی ذات کے سوا کسی کا محتاج نہ کرے، ہر حالت میں صبر وشکر کی توفیق وطاقت عطا کرکے اپنے ہی در کا سوالی بنائے رکھے (آمین) دسمبر معذورافراد کا عالمی دن، اس دن کو منانے کا آغاز دوسری جنگ عظیم کے بعد دوران جنگ معذور ہونے والوں کے ساتھ ہمدردی، دلجوئی اور ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر کیا گیا۔ بعدازاں اس دن کو معذوروں کی بجائے خصوصی افرادکے عالمی دن کا نام دے دیاگیا۔ ہمیشہ کی طرح مجھے اس سال بھی اس دن کو خصوصی طور پر منانے میں کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ میں کسی بھی انسانی رشتے کو صرف ایک دن میں قید کرنے کا حامی نہیں ہوں۔ راقم کا خیال ہے کہ کسی انسانی رشتے کوایک دن میں قید کرنے کا مطلب ہمدردی، دلجوئی اور اظہار یکجہتی تو ہوسکتا ہے لیکن برابری اور محبت ہرگزنہیں اور جب تک دوسروں کو اپنے برابر کا انسان نہ سمجھا جائے توکسی بھی دن کو منانے کا کوئی فائدہ نہیں، سوائے سستی شہرت کے۔ لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے اس لیے میرے حامی نہ ہونے کا ہرگزیہ مطلب نہیں کہ یہ دن منایا نہ جائے جس کادل کرتا ہے وہ ضرور منائے، میں نے اس دن کے حوالے سے کسی رائے کا اظہار نہ کرنے کا سوچ رکھا تھا لیکن 3 دسمبر صبح سویرے میں ٹیلی ویژن آن کرنے کی غلطی کربیٹھا دیکھتا کیا ہوں ایک

شخص بڑے خوبصورت انداز میں معذور افراد کی طرف داری کر رہا تھا۔

معذوروں کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ ساتھ وہ فیروزپور روڈ پر بننے والے میٹرو بس سروس منصوبے کو تنقید کا نشانہ بنا رہا تھا، جناب فرما رہے تھے کہ اس منصوبے میں معذوروں کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، کیونکہ پل بہت اُونچے ہیں اس لیے معذور افراد اس منصوبے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جناب اعلیٰ اسی بات کو مثبت انداز سے بھی کیا جا سکتا ہے، جو شخص ٹیلی ویژن سکرین پر بیٹھ کر بات کرتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ہزاروں لوگ دیکھ اور سن رہے ہیں، اس لیے اگر وہ مایوسی پھیلانے کے بجائے امید پیدا کرنے کی کوشش کرے تو زیادہ بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اگر یوں کہا جائے اگر ہمیں راہ چلتے کوئی معذور یا مجبور نظر آئے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے اگر اس کو پل اونچا ہونے کی وجہ سے گاڑی تک پہنچنے میں مشکل پیش آرہی ہو تو ہمیں اس کو سہارا دے کر اپنے ساتھ بس تک لے جانا چاہیے، تو زیادہ بہتر ہوتا لیکن اگر ہم معذوروں کی مدد صرف سال میں ایک دن یعنی 3 دسمبر کو کریں گے تو یہ مدد بہت کم ہوگی کیونکہ معذور تو سارا سال ہی معذور رہتا ہے۔

قارئین غور کریں اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق 10 فیصد افراد معذور ہیں اور ان میں سے ان افراد کو اونچے پل پر چڑھنے میں مشکل پیش آئے گی جو پاؤں یا

ٹانگ سے محروم ہیں کیا 90 ٹھیک ٹھاک صحت مند افراد کسی ایک معذور فرد کو سہارا دے کر پل پار نہیں کروا سکتے ؟ ہم اپنی سوچ کب بدلیں گے ؟ کب ہم ہر پہلو کو منفی کی بجائے مثبت انداز میں دیکھیں گے ؟ کہیں ہمارے منفی اندازِ فکر نے ہماری 100 فیصد آبادی کو ذہنی طور پر معذور تو نہیں کر دیا ؟ سوال تو بہت سارے ہیں لیکن میں یہاں اقوام متحدہ کے سروے کا ذکر کرتا چلوں جس کو بنیاد بنا کر پچھلے چند دنوں میں بہت سے تجزیہ نگاروں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک سروے کے مطابق معذور افراد کی تعداد ہماری کل آبادی کا 10 فیصد بنتی ہے۔ اقوام متحدہ نے ان افراد کی بات کی ہے جو جسمانی معذور ہیں، یعنی وہ لوگ جن کو قدرت نے پیدائشی طور پر جسم کے کسی حصے کو کمزور یا محروم رکھا یا کسی حادثے کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ یعنی ، ہاتھ ، پاؤں ، ٹانگ ، بازو ، آنکھ ، کان یا جسم کا کوئی اور حصہ ضائع ہو گیا ہو۔ اقوام متحدہ نے اپنی رپورٹ میں کل آبادی کے 10 فیصد افراد کو معذور قرار دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سروے کے مطابق 100 افراد میں سے 10 افراد معذور ہیں۔ اقوام متحدہ کے اس سروے کی حقیقت تو میں نہیں جانتا لیکن جس علاقے میں، میں رہتا ہوں وہاں ایسا نہیں ہے۔ میرے ذاتی سروے کے مطابق جسمانی معذور افراد کی تعداد ہماری کل آبادی کا 3 سے 4 فیصد حصہ ہے۔

خیر معذور افراد کی تعداد 10 فیصد ہو یا 4 فیصد اس بات سے کوئی فرق نہیں

پڑتا۔ سمجھنا تو اس بات کو ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں صحت مند افراد کی تعداد کتنی ہے صرف جسمانی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی صحت مندی کی بھی بات کر رہا ہوں میں ۔آپ کا کیا خیال ہے کہ بدھ کی صبح کراچی گورنر ہاؤس کے قریب اسٹیٹ لائف بلڈنگ میں ہونے والے ہولناک حادثے میں جو نوجوان جان بحق ہوا اس کو بچانا صرف اور صرف ریسکیو ٹیموں کا کام تھا؟کیا وہاں موجود لوگوں کا فرض نہیں بنتا تھا کہ آگ سے جان بچانے کے لیے نویں منزل کی کھڑکی سے لٹکے انسان کی جان بچانے کی کوشش کرتے ؟کیا وہ نوجوان کھڑکی سے اس لیے باہر لٹک گیا تھا کہ اس کی ویڈیو فلم بنائی جائے ؟یا اس نے یہ سوچا ہوگا کہ اندر رہا تو کوئی مدد کو نہ آپائے گا اور اگر نویں منزل سے لٹک گیا تو بہت سارے لوگ اسے دیکھ لیں اور کوئی نہ کوئی ضرور مدد کے لیے آئے گا؟ کیا وہاں موجود درجنوں جسمانی معذور تھے جو مدد کے لیے پکارتے انسان کی مدد نہ کرسکے ؟جب درجنوں صحت مند لوگوں کے سامنے ایک انسان مدد کو پکارتا ہوا سسک سسک کر جان دے دے تو ایسے لوگوں کو تندرست کیسے کہا جاسکتا ہے۔

اگر وہاں موجود لوگ میرے طرح ذہنی معذور نہ ہوتے تو گنجان آباد علاقے میں دو چار فوم کے گدھے تلاش کرنے میں دو سے چار منٹ کافی تھے لیکن ایسا نہ ہوسکا اور ایک صحت مند انسان بہت سے صحت مند انسانوں کی موجودگی میں مدد کے لیے پکارتا رہا اور انجام آپ جانتے ہیں:اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے ساتھ ساتھ

پوری قوم کو مکمل صحت یابی عطا فرمائے۔

(ہاں میں مجرم ہوں (حصہ سوئم

جرم چھوٹا یا بڑا جرم تو جرم ہی ہوتا ہے۔اگر میں کہوں کہ میں نے کبھی کسی قسم کی کرپشن نہیں کی تو یہ بات سچ ہے لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ میں شریک جرم نہیں ہوں،اور اگر میں کہوں کہ حکمرانوں کی کرپشن میں میرا کوئی کردار نہیں ہے تو یہ بات بھی غلط ہے ۔آج اگر کرپٹ حکمرانوں کی لوٹ مار اور کرپشن نے میرے ہی گھر کو تباہ وبرباد کردیا ہے تو حکمرانوں کے جرم میں ، میں بھی برابر کا شریک ہوں کیونکہ ان کرپٹ لوگوں کو میں ہی منتخب کرتا ہوں۔افسوس تو اس بات کا ہے سب کچھ سمجھنے کے باوجود میں ہر الیکشن میں بے وقوفوں کی طرح اپنا قیمتی ووٹ کرپٹ لوگوں کے حوالے کردیتا ہوں،جو صرف الیکشن کے دنوں میں نہیں بلکہ ہر روز عوام کو یعنی مجھے بے وقوف بناتے ہیں۔مثال کے طور پر کچھ اہم سیاست دانوں کے اہم ترین بیانات حاضر خدمت ہیں" ہم نے نہیں چھوڑا نواز شریف ہمیں چھوڑ کر جدہ گئے: چوہدری شجاعت۔اسمبلیاں اپنی مدد پوری کریں گی،الیکشن میں تاخیر کی بات وہ لوگ کر رہے ہیں جنہیں الیکشن ہارنے کا خوف ہے،الیکشن کے قریب پہنچ کر آخری دنوں میں بہت کچھ الٹ پلٹ ہوسکتا ہے،ہماری جماعت کے پاس تجربہ کار لوگ ہیں ۔کئی لوگ پارٹیاں تبدیل کرسکتے ہیں۔

پرویز مشرف نے ہمارے ساتھ دوستی نہیں نبھائی ،ان خیالات کا اظہار مسلم لیگ ق کے مرکزی صدر اور سینئر چوہدری شجاعت نے بروز اتوار ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔اسی روز مسلم لیگ ق کے مرکزی جنرل سیکرٹری مشاہد حسین سید نے بھی ایک پریس کانفرنس کی انہوں نے اس پریس کانفرنس میں کن خیالات کا اظہار کیا یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا پہلے چوہدری شجاعت کے بیان سے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات وخدشات سے آپ کو آگاہ کرتا چلوں۔ پہلی بات چوہدری صاحب نے کہا کہ انہوں نے نواز شریف کو نہیں چھوڑا بلکہ نواز شریف ان کو چھوڑ کر جدہ چلے گئے تھے۔ پہلے تو یہ کلئیر کرنا ضروری ہے کہ نواز شریف جدہ گئے تھے یا بھیجے گئے تھے ؟ویسے تو نواز شریف جن حالات میں جدہ گئے اس حقیقت سے سبھی پاکستانی اچھی طرح واقف ہیں لیکن پھر بھی نجانے کیوں چوہدری صاحب نے اس بیان میں نواز شریف کی ملک بدری کی وجوہات سے ناواقفیت کا اظہار کیوں کیا؟ یاانہوں نے صرف اپنی سیاسی ساکھ بچانے کے لیے حقیقت سے نظریں چرانے کی کوشش کی ؟۔پھر اگر چوہدری برادران پرویز مشرف کا ساتھ نہ دیتے تو کیاان کو بھی جیل یا ملک بدر ہونا نہ پڑتا؟۔چوہدری صاحب کی دوسری بات کہ " پرویز مشرف نے چوہدری صاحب کے ساتھ دوستی نہیں نبھائی" یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ چوہدری صاحب نے ایسا کیوں کہا،جب کہ پرویز مشرف کے دور حکومت میں 9 سال تک چوہدری صاحب اوران کی

پارٹی نے خوب مزے کئے اور 3 ماہ کے لیے خود نگران وزیر اعظم بھی بنے۔ پھر بھی ناراض شائد اس لیے ہیں کہ پرویز مشرف کی نگرانی میں ہونے والے 2008 کے عام انتخابات میں مسلم لیگ ق کو اکثریت نہیں مل پائی؟ چوہدری صاحب کا یہ کہنا کہ الیکشن کے قریب لوگ پارٹیاں تبدیل کر سکتے ہیں بالکل درست ہے۔ جیسا کہ وہ خود کر چکے ہیں، جب نواز شریف کو ملک بدر کر دیا گیا تو اقتدار سے لطف اندوز ہونے کے لیے مسلم لیگ ق میں شامل ہو گئے۔اس لیے قوم کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں سیاستدان ہمیشہ سے مفاد پرست ہیں۔ اور مفاد پرست لوگوں کا پارٹی تبدیل کرنا تو کیا مذہب تبدیل کرنا بھی حیران کن بات نہیں۔لیکن چوہدری صاحب نے ایک بات ایسی بھی کہی جو مشاہد حسین سید کا بیان پڑھنے کے بعد بہت زیادہ حیران کر دینے والی بھی ہے اور پاکستانی قوم کے لیے قابل فکر بھی" چوہدری شجاعت نے کہا کہ حکومت اپنی مدت پوری کرئے گی ،الیکشن میں تاخیر کی بات وہ لوگ کر رہے ہیں جنھیں الیکشن میں ہارنے کا خوف ہے "اس پہلے کہ ان کی اس بات پر میں اپنی رائے کا اظہار کروں آپ کی نظر مسلم لیگ ق کے مرکزی جنرل سیکرٹری مشاہد حسین سید کا بیان کرتا چلوں جس میں انہوں نے اسی دن ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کراچی کی بدامنی اور مسلسل ٹارگٹ کلنگ ملک میں الیکشن کے التوا کا سبب بن سکتی ہے "اگر مسلم لیگ کے مرکزی صدر چوہدری شجاعت صاحب کی بات سچ مانیں تو پھر مسلم لیگ کے مرکزی جنرل سیکرٹری مشاہد حسین سید کو الیکشن میں اپنی پارٹی کی ہار واضح نظر آ رہی ہے۔

الیکشن التوا کا شکار ہوتے ہیں یا نہیں یہ تو وقت ہی بتائے گا، لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ چوہدری صاحب جس کے ساتھ بھی دوستی کرتے ہیں اسے ملک چھوڑنا پڑتا ہے جس طرح پہلے نواز شریف اور پھر پرویز مشرف کو ملک بدر ہونا پڑا، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ موجودہ حکومت پیپلز پارٹی اور ق لیگ کے اتحاد اور مثالی دوستی کے دم سے قائم ہے، اگر ماضی کو دیکھا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صدر آصف علی زرداری بھی ملک بدر ہو جائیں گے؟ اگرچہ اس بات کا فیصلہ بھی وقت ہی کو کرنا ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ صدر آصف علی زرداری ایسا دھوکہ کھائیں گے، ہو سکتا ہے کہ اس بار ملک بدر ہونے کی باری چوہدری برادران کی ہو؟ ابھی میرے دماغ سے ق لیگ کی سیاست نکلی نہیں اور عمران خان صاحب کا بیان سامنے آگیا ہے، وہ فرمارہے ہیں کہ " الیکشن جیت کر امریکہ کی غلامی چھوڑ دیں گے "یعنی وہ امریکی غلام ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ خان صاحب اگر آپ علم بغاوت بلند کرنا ہی چاہتے ہیں تو پھر الیکشن جیتنے کا انتظار کیوں؟ اور اگر جناب کا خیال ہے کہ امریکی غلامی میں رہتے ہوئے الیکشن جیتنا آسان ہو گا تو سن لیں الیکشن جیت کر تو آپ ساری زندگی غلامی نہیں چھوڑ سکتے ہاں اگر امریکہ کی غلامی چھوڑ کسی اور کی غلامی کرنے کا منصوبہ ہے تو صاف صاف بتا کیوں نہیں دیتے؟ نہلے پہ دہلہ میاں نواز شریف بھی کچھ ایسا فرمارہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ "پاکستان کے تمام ادارے کرپشن کی آماجگاہ بن چکے ہیں،اسمبلیوں کی آئینی مدت کی تکمیل میں ہمارا بھی کردار ہے"میاں صاحب اگر اسمبلیوں کے آئینی مدت پوری کرنے میں آپ کا کردار ہے تو پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس دوران ہونے والی کرپشن میں آپ کا کوئی کردار نہیں ہے؟کہتے ہیں کہ دوسروں پر تنقید کرنا آسان ہے لیکن میرے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ اپنی ذات پر تنقید کرنا زیادہ آسان ہے۔اس بات کا اقرار میں پہلے بھی کرچکا ہوں کہ میں مجرم ہوں،آج میں جن لوگوں پر تنقید کی بوچھاڑ کررہا ہوں وہ سارے کہ سارے کوئی آمر نہیں بلکہ عوام کے یعنی میرے ہی منتخب نمائندے ہیں۔اس لیے میں آج پھر اقرار کرتا ہوں کہ ہاں میں مجرم ہوں۔ہر بار میں نے خود ہی اپنے گھر کی حفاظت کے لیے چوروں اور ڈاکوئوں کا چنا ہے۔لوٹنے والا کوئی بھی ہو میرے گھر کے لٹنے میں میرا بھی کردار ہے۔ہاں میں پاکستانی عوام ہوں،ہاں میں مجرم ہوں۔

اسلم رئیسانی کا چیلنج

وزیراعلیٰ بلوچستان اسلم رئیسانی نے گزشتہ روز بھی حسب معمول ایک اور جارحانہ بیان داغ، فرماتے ہیں جنہیں دعویٰ ہے کہ میری کرسی پر بیٹھ جائیں، میں چیلنج کرتا ہوں کہ بلوچستان کے حالات کوئی ٹھیک نہیں کر سکتا" پہلے تو میں جاننا چاہوں گا کہ جناب کس کرسی کی بات کر رہے ہیں ؟ اگر اشارہ وزارت اعلیٰ کی طرف ہے تو یہ کرسی جناب کی نہیں عوام کی ہے جس پر جناب نے عوامی مینڈیٹ کا قتل کرتے ہوئے قبضہ کر رکھا ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ قبضہ تاحیات نہیں ہے بلکہ صرف پانچ سال کا ہے۔ جس کے بعد اگر آپ اس کرسی کو نہ بھی چھوڑنا چاہیں تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ کرسی خود آپکو چھوڑ دے گی۔

اگر آپ پھر بھی راضی نہیں تو پھر اس کرسی کو گھر لے جایئے گا جہاں اربوں کھربوں گئے وہاں دو چار ہزار کی کرسی چلی جائے تو کیا۔ میری تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کرسی کو زبان ملے اور وہ خود بولے کہ میں کسی اور کے بیٹھنے کے قابل نہیں رہی اس لیے مجھے اسلم رئیسانی کے ساتھ جانے دیا جائے میں ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں اور سچے چاہنے والے مقدر سے ملتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے نصیب میں سچا چاہنے

والا لکھ ہی دیا ہے تو خدارا اسے مجھ سے جُدا نہ کیا جائے ورنہ میں اپنی پوشیش پھاڑ دوں گی، اپنے کیل باہر نکال لوں گی جو میرے اُوپر بیٹھے گا اس کی پینٹ، شلوار تو پھاڑ ہی دوں گی۔ قارئین محترم محبت کرنے والے کسی بھی حد سے گزر سکتے ہیں۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ محبت کرنے والوں کے درمیان دیوار نہ کھڑی کی جائے، مجھے لگتا ہے کہ میں بھی کباب میں ہڈی بنتا جا رہا ہوں اس لیے آئیں ہم بات کرتے ہیں ریئسانی صاحب کے دور اقتدار کی۔ جناب کو پانچواں سال ہے قتدار کے مزے لیتے ہوئے اور اب جناب اپنی کارکردگی بتانے کی بجائے یہ خبر دے رہے ہیں کہ بلوچستان کے حالات کوئی ٹھیک نہیں کر سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بندے کو اپنی بات کرنی چاہیے۔ ضروری نہیں کہ اگر رئیسانی صاحب بلوچستان کے مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہے تو کوئی اور بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ عوام کو غیب کی خبریں دینے کی بجائے رئیسانی صاحب یہ بتائیں کہ بحیثیت وزیر اعلیٰ بلوچستان جناب نے اپنے فرائض کتنی حد تک پورے کیے۔ ان کا فرض تھا کہ صوبے میں امن وامان قائم کرتے، عوام کو ان کی دہلیز پر انصاف فراہم کرتے لیکن بد قسمتی سے وہ اور ان کی کابینہ صوبے کے مسائل کو حل کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ جانتے تھے کہ ان سے بلوچستان کے حالات ٹھیک نہیں ہوں گے تو پھر انھوں نے وزارت اعلیٰ چھوڑ کیوں نہ دی ؟ اب جب کہ ان کی حکومت کی معیاد ختم ہونے کو ہے تو اپنی ناکامی کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا یہ کہنا کہ بلوچستان کے حالات کوئی بھی ٹھیک نہیں کر سکتا کہیں یہ ثابت کرنے کی کوشش تو نہیں کہ بلوچستان کو ان سے بہتر کوئی اور وزیراعلیٰ نہیں مل سکتا ؟ راقم کی اسلم رئیسانی کی خدمت میں ہاتھ باندھ کر اپیل ہے کہ اگر وہ اور کچھ نہیں سکتے تو کم از کم عوامی حلقوں میں مایوسی نہ پھیلائیں کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام میں مایوسی گناہ ہے۔

فجر سے فجر تک

فجر کے وقت مسجد میں اعلان ہوا کہ مسجد میں بجلی بند ہونے کی وجہ سے پانی ختم ہو چکا ہے لہٰذا نمازی گھر سے وضو کرکے آئیں،جب گھر میں پانی کی ٹوٹی کو ہاتھ لگایا تو اس نے بھی اپنی زبان میں یہی اعلان کیا،ایسا لگا جیسے ٹوٹی بھی سوالیہ انداز میں مذاق کر رہی ہو کہ جب مسلمانوں کی مسجد میں پانی نہیں ہے تو گھر میں کوئی خاص بجلی آتی ہے ،جو یہں آپ کو پانی فراہم کروں؟ خیر وضو کے لیے کسی نہ کسی طرح پانی کا انتظام ہو گیا اور نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا موقع بھی مل گیا۔ نماز کے بعد امام صاحب نے ملک و قوم کے ساتھ ساتھ بجلی کی صحت یابی کی دعا بھی کی ۔میں نے بھی آمین کہا اور اللہ تعالی کا شکرادا کیا جس نے بجلی نہ ہونے کے باوجود میرے لیے پانی کا انتظام کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹا تو پتا چلا کہ گیس نہیں آرہی اور بچوں نے اسکول بھی جانا ہے ،بچے کہہ رہے تھے اگر ہمیں ناشتہ نہ ملاتو ہم اسکول نہیں جائیں گے ،آس پاس کے گھروں سے پتا کیا کہ اگر کسی گھر میں آگ جلانے کا کوئی انتظام ہے تو بچوں کے لیے ناشتہ تیار کرکے انھیں اسکول جانے کے لیے تیار کیا جائے لیکن دور دور تک ایسا کوئی انتظام نہ تھاہر کوئی اسی مشکل سے گزر رہا تھا

کسی نے بچوں کا ناشتہ تیار کرنا تھا، کسی کو کام سے دیر ہو رہی تھی اور بجلی بند ہونے کی وجہ سے کوئی غسل کے لیے پانی تلاش کر رہا تھا۔ میں نے موٹر سائیکل نکالی اور بازار سے بچوں کے لیے ناشتہ لے آیا تاکہ بچے وقت پر اسکول جا سکیں لیکن ایسا بھی نہ ہو سکا کیونکہ بچوں کی اسکول وین لیٹ تھی میں نے وین والے بھائی کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ سی این جی نہ ہونے کی وجہ سے لیٹ ہیں اگر ان کو سی این جی مل گئی تو وین آ جائے گی ورنہ سوری، میں نے ایک بار پھر موٹر سائیکل نکالی اور بچوں کو اسکول چھوڑ آیا، پریشانی کے عالم میں یہ بات بھول ہی گیا کہ مجھے بھی کام پر جانا ہے۔

میں نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور بغیر کچھ کھائے پیئے کام کے لیے نکل پڑا، بس سٹاپ پر پہنچا تو وہاں بہت رش تھا معلوم ہوا کہ سی این جی نہیں مل رہی اس لیے کافی دیر سے بس نہیں آئی، کوئی ایک گھنٹے بعد بس آئی میں بھی دوسروں کی طرح دھکے دیتا لیتا کسی نہ کسی طرح بس میں سوار ہونے میں کامیاب ہوگیا، میرے ساتھ ہی ایک بزرگ بھی بس میں سوار ہوئے، ان کو پریشان دیکھ کر میں نے ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کی جیب کٹ گئی ہے، میں نے ان سے پوچھا زیادہ نقصان تو نہیں ہوا وہ کہنے لگے زیادہ یا کم کی بات نہیں ہے میرا بیٹا بیمار ہے۔ بزرگ کی یہ بات سن کر مجھے لگا یہ مانگنے کا طریقہ ہے لیکن بزرگ کی پوری بات سننے کے بعد میری سوچ غلط نکلی، بزرگ نے بتایا کہ بچہ

بیماری کی وجہ سے کچھ کھا،پی نہیں رہا اور اس نے ڈوسے بیکری کا بن کھانے کی حامی بھری تھی ،وہی بن میری جیب میں تھا جو کٹ گئی اب پریشانی اس بات کی ہے کہ گھنٹہ بھر بس سٹاپ پر کھڑے رہنے کے بعد بس ملی ہے اور ہمارے گاؤں میں ڈوسے بیکری بھی نہیں ہے اس لیے مجھے بن لینے کے لیے بس سے اترنا پڑے گا۔

میں اندر ہی اندر بزرگ کو غلط سمجھنے پر بہت شرمندہ تھا،خیر میں نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر آپ کے پاس پیسے کم ہیں تو میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں ۔وہ بولے نہیں بیٹا میرے پاس پیسے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔اتنے میں میرے باس کا فون آ گیا انھوں نے میری خیریت دریافت کرنے کے بعد میرے لیٹ ہونے کی وجہ پوچھی تو میں نے ان سے کہا جناب لمبی داستان ہے۔ پہنچ کر سناتا ہوں راستے میں ہوں ۔ دفتر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا اور سوچا پہلے اپنا کام دیکھ لوں داستان سفر بعد میں سنا لوں گا،یہ سوچ کر میں نے اپنا کمپیوٹر آن کیا ابھی کمپیوٹر پوری طرح سٹارٹ نہ ہوا تھا کہ بجلی بند ہو گئی،ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد مجھے یاد آیا ابھی تک ناشتہ نہیں کیا لہٰذا آفس بوائے کو چائے کے ساتھ اخبار لانے کو کہہ دیا۔

تھوڑی دیر میں چائے اور اخبار میرے سامنے تھے ،کیونکہ چائے ابھی گرم تھی اس لیے پہلے اخبار پڑھنے کا موقع مل گیا،سب سے پہلے جس خبر پر نظر پڑی اس میں

لکھا تھا "صدر آصف علی زرداری نے اورسیز انویسٹرز اور چیمبر آف کامرس کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں توانائی کا بحران اتنا سنگین نہیں جتنا بتایا جا رہا ہے۔ بعض لوگ اس مسئلے سے سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ خبر پڑھ کر لگا جیسے میں ابھی نیند سے بیدار ہوا ہوں اور بیان کردہ معاملہ خواب کہانی ہے، لیکن جب میں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا تو پتا چلا کہ میں بیڈ روم کی بجائے دفتر میں ہی موجود تھا، زندگی تیزی سے رواں دواں تھی اور شام ہونے کو تھی، اب مجھے یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ صبح پھر گیس بند ہوئی تو بچوں کا ناشتہ کیسے بنے گا؟ اسی فکر نے مجھے کوئی کام نہ کرنے دیا اور میں دفتر سے چھٹی لے کر صبح گھر میں آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کی تلاش میں نکل پڑا کافی تلاش کے بعد ناکام ہو کر گھر پہنچا تو ذہنی و جسمانی تھکاوٹ کی وجہ سے حالت غیر تھی۔

بجلی کی موجودگی کو غنیمت جانا اور جلدی سے پانی کی موٹر چلا کر صبح کے لیے پانی جمع کیا، گھر والی سے کہا کہ کھانے سے پہلے میرے اور بچوں کے کپڑے استری کر دیں تاکہ صبح بجلی بند ہونے کی صورت میں مشکل نہ ہو، کپڑے استری کرنے کے بعد گھر والی کھانا لے آئی ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ بجلی چلی گئی، موبائل فون کی ٹارچ لائٹ آن کر کے کھانا کھایا اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن دیر تک اس سوچ نے سونے نہ دیا کہ صدر صاحب تو کہہ رہے تھے کہ ملک

میں توانائی کا بحران اتنا شدید نہیں ہے جتنا بتایا جا رہا ہے۔ مجھے لگا جیسے میرا علاقہ ملک سے باہر ہے یا پھر پاکستان کے صدر پاکستان کی بجائے شائد کسی دوسرے ملک کی بات کر رہے ہوں یہی سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی مگر دل دماغ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی کشمکش میں دو گھنٹے گزر گئے اور بجلی صاحبہ بھی ایک بار پھر تشریف لے آئیں، جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے قلم اٹھا کر کاغذ سے باتیں کرنے لگا اور رات بیت گئی۔

حرمت قلم کے پاسبان

قلم اور تلوار کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ہر دور میں ان دو چیزوں نے ہمیشہ معاشرے میں سدھار و بگاڑ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جب یہ دو چیزیں اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہوں تو معاشرے میں ظلم و جبر اور ناانصافی کا خاتمہ لازم ہو جاتا ہے اور اگر یہی دو چیزیں غلط لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں تو پھر معاشرے کو ظلم و جبر اور ناانصافی سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اس بات کا اختیار صاحب تلوار کے پاس ہے کہ وہ اسے کس طرح استعمال کرتا ہے۔

تلوار اگر ظلم کے خلاف اٹھے تو تلوار اٹھانے والا جہاد کرتا ہے اور اگر یہی تلوار ظالم اٹھائے تو وہ قاتل کہلاتا ہے۔ تلوار اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ جو گلا کاٹ رہی ہے وہ کسی ظالم کا ہے یا کسی مظلوم کا۔ تلوار تو بے جان ہے وہ نہیں جانتی کہ وہ جس کی میان میں ہے وہ ظالم ہے یا مظلوم لیکن یہ بات طے ہے کہ تلوار جب بھی اٹھی یا اٹھے گی کسی نہ کسی کی جان جائے گی۔

کیسی زبردست حقیقت ہے کہ جیسے تلوار خود بے جان ہے جب کسی جاندار پر چلتی ہے تو اُسے بھی بے جان کر دیتی ہے۔ اسی طرح قلم بھی جس کے پاس ہے تو کسی کی

جان لینا یا بخش دینا صاحب قلم کے اختیار میں ہوتا ہے اور قلم اس بات سے بے خبر رہتی ہے۔صدیوں سے قلم کو صاحب شعور ودانش.بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔بے شک قلم بہت طاقتور چیز ہے۔محترم قارئین تلوار ہو یا قلم دونوں کا صحیح ہاتھوں میں رہنا معاشرے کے ،کامیاب اور روشن حال و مستقبل کے لیے لازم وملزوم ہے۔خاص طور پر قلم کا صاف ستھرے ہاتھوں میں رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ جس معاشرے میں قلم غلط اور ناپاک لوگوں کے ہاتھ چلی جائے اس معاشرے کو دنیا وآخرت میں ذلیل رسوا ہونے سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ایسے معاشرے میں انصاف اور بھلائی کا پھلنا پھولنا ناممکن ہے۔

ایسے معاشرے یں انسان کی کوئی قدروقیمت نہیں رہتی جس میں صاحب قلم حوس حرس اور لالچ کے پجاری ہوں۔قلم ہر جگہ اتنی طاقت نہیں رکھتی کے وہ کسی کی جان، لے لے لیکن جب قلم ایک عادل کے ہاتھ میں ہوتو وہ کسی مجرم کی زندگی وموت کا فیصلہ لکھتی ہے۔یہی قلم جب اعلیٰ ایوانوں میں بیٹھے عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں ہو تو وہ ملک وقوم کے لیے آئین لکھتی ہے۔اگر یہی قلم ایک باضمیر صحافی کے ہاتھ میں ہو تو وہ حق لکھتی ہے اور صاحب قلم ملک و قوم کے لیے بہتر سے بہتر اقدامات کے راستے ہموار کرتا ہے لیکن اگر یہی قلم کسی ضمیرفروش نام نہاد صحافی کے ہاتھ میں ہوتو ملک وقوم کا بیڑا غرق ہوجاتا ہے۔

آج ایسے ہی چند حرس ولالچ کے پجاری، ٹاؤوٹ قسم کے نام نہاد صحافیوں کی وجہ سے قلم کی حرمت پر داغ لگ چکا ہے۔یہ سو فیصد اٹل حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں صحافت کو وہ مقدس و محترم مقام حاصل نہیں رہا جو ماضی میں حاصل تھا۔لیکن اس کے باوجود آج بھی ہر شعبہ ہائے زندگی میں صحافت کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بلیک میلنگ اور مفادات کی تیز آندھی نے صحافت کے پیرہن کو تار تار کرکے اس کا تقدس چھین لیا ہے۔اور معاشرے میں صحافت کی عزت وتکریم کو کم کردیا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آج بھی صحافت نے معاشرے کو گندگی سے پاک کرنے کے لیے جو کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔مفادات کے چند غلاموں اور حرص ولالچ کے پیکروں نے جہاں صحافت کے تقدس کی سفید چادر کو داغدار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی وہیں صحافت کے تقدس واحترام کو اپنا سب کچھ سمجھنے والوں اور باضمیر صحافیوں نے اپنی جدجہد کو مسلسل جاری رکھتے ہوئے ضمیر فروشوں زرد صحافت کے اہل کاروں کی ناک میں دم کر رکھا ہے ان زرد صحافت کے علم برداروں کو اگر صحافتی ناسور کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔میں داد دیتا ہوں ان باضمیر قلم کاروں کو جو آج کے مشکل ترین دور میں قلم کی حرمت کو بچائے ہوئے ہیں۔

جس میں سچ لکھنے والوں کو اپنی جان تک کی قربانی دینا پڑتی ہے۔یہی وہ لوگ

ہیں جن کو قلم کی حرمت کے پاسبان کہا جا سکتا ہے۔یہ انہی صاحب ضمیر اور محترم صحافیوں کی محنت کا نتیجہ اور ثمر ہے کہ آج بھی حق لکھنے اور سچ بولنے والے ڈر اور خوف کی دہکتی آگ میں سے نکل کر صحافت کا بول بالا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔صحافت میں کالم نگاری ایک ایسا شعبہ ہے کہ جس میں کالم نگار جہاں اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا ہے وہیں وہ اپنے اندر کے چھپے خیر وشر کی بھی واضح نشاندہی کرتا رہتا ہے اور وہ انسانوں کے لیے اپنے اندر درد کو بھی ظاہر کردیتا ہے۔ایک کالم نگار اپنی تحریر کے ذریعے معاشرے کی اچھائی کی داد دینے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں پھیلی برائوں پر تنقید اور ان سے بچائو کے صاف ستھرے نسخہ جات بھی اعلیٰ اقتداروں سے لے کر عوام الناس تک پہنچتا رہتا ہے۔

قارئین آج میں آپکوایسے ہی کالم نگاروں کی ایک کونسل کے بارے آگاہ کرنے جا رہا ہوں جن کا مشن ہے قلم کی اہمیت وحرمت کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچا کر معاشرے میں پھیلی برائیوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ تمام اچھے اقدام کی تعریف کرکے ایسے افراد کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو اپنی محنت سے ملک و قوم کے لیے ترقی کا باعث ہیں۔(کالمسٹ کونسل آف پاکستان)کے سب ممبران کا یہ فیصلہ ہے کونسل نہ تو کسی سیاسی جماعت کی ترجمانی کرے گی اور نہ ہی کسی خاص فرقے کی ہاں

انفرادی طور پر کسی ممبر کو حق حاصل رہے گا کہ وہ کسی سیاسی جماعت یا کسی بھی فرقے سے اپنے تعلقات رکھے۔ گزشتہ دنوں صدر کالمسٹ کونسل آف پاکستان عزت مآب جناب ایم اے تبسم صاحب نے کونسل کے تمام ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کالم نگار معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشاندہی اپنے قلم کے ذریعے کریں، تاکہ معاشرہ برائیوں سے پاک ہوسکے۔

انہوں نے کہا کہ معاشرہ میں دن بدن بے راہ روی، کرپشن، بے روزگاری اپنے پنجے گاڑ رہی ہے جس سے نوجوان نسل خود کو ان برائیوں کی بھینٹ چڑھا رہی ہے۔ جس کی نشاندہی کرنا کالم نگاروں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اصلاحی، تعمیری، تربیتی تجاویز اور خیالات کو اپنے قلم کے ذریعے عوام الناس تک پہنچائیں اور کوشش کریں کہ کسی پر ذاتی تنقید کی بوچھاڑ کرنے کی بجائے اپنے خیالات کو اصلاحی طرز تحریر کی صورت اجاگر کریں۔ تاکہ معاشرے میں پھیلی برائیوں پر تنقید بھی ہوسکے اور آپ کی تحریر سے عوام میں شعور بھی بیدار ہوسکے۔

ایم اے تبسم صاحب نے مزید کہا کہ آج کل کچھ کالم نگار ذاتی انا پر مبنی تحریروں کو لکھ رہے ہیں جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ اور اس سے اصلاحی پہلو دفن ہوتا نظر آتا ہے۔ لہذا کالم نگار اپنے مفادات اور ذاتی انا کو پس پشت ڈال کر صرف عوام کو اصلاحی، تعمیری، تربیتی تحریروں کے ذریعے اصل

مسائل سے روشناس کرائیں۔یقیناً اس طرح بڑی حد تک معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔بحر صورت میں تو اللہ کے حضور دست بستہ گزارش کرتا ہوں کہ جو کالم نگار قلم کی حرمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اللہ انکی توفیعقات میں مذید اضافہ فرمائیں اور دیگر کو اپنی نظرِ خاص میں رکھتے ہوئے ہدایت نصیب فرمائیں۔

ترقی کا واحد راستہ

دنیا کی کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک قوم کا ہر فرد اپنے فرائض پوری ایمانداری سے سرانجام نہ دے ،جو قومیں ایمانداری کے راستے سے بھٹک جاتی ہیں ۔کرپشن ،بدامنی ،دہشتگری ،لوٹ مار، قتل وغارت ، غربت، بھوک ،ناانصافی ،بداخلاقی ،بے حسی، خودغرضی ،لالچ ،حوس ،دھوکہ دہی مختصر کہ دنیا کی تمام برائیاں اور ناکامیاں ان قوموں کا مقدر بن جاتی ہیں ۔بڑے ہی دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے ۔ایسا نہیں ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر ہیں کہ ہماری تباہی کی وجہ بے ایمانی ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کوئی بے ایمانی کی اس دلدل سے نکلنے کی کوشش نہیں کررہااور اگر کبھی کوئی آواز اُٹھاتا بھی ہے تو اسے کوئی مثبت رائے اور مخلوص ساتھی نہیں ملتے ۔ایسی ہی آواز آج کل چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری نے بلند کر رکھی ہے،وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا ہر شہری ایمان دار بن جائے کرپشن ختم کیئے بغیر ملک ترقی نہیں کر سکتا۔اس لیے ہر شہری کو اپنے فرائض ادا کرنا ہوں گے جو صرف اور صرف ایمانداری پر مبنی ہوں ،وہ گزشتہ روز بہال پور بار ایسوسی ایشن کے وفد سے اسلام آباد میں ملاقات کر رہے تھے ،اس موقع پر وکلاء نے انہیں جوڈیشل پالیسی ،بے روزگاری ،مہنگائی ،اور قتل و غارت جیسے مسائل سے آگاہ کیا۔قارئین محترم میرے نزدیک یہ صرف افتخار چوہدری کا فرض

نہیں کہ وہ اکیلے ہی ایمانداری کا ڈھول اپنے گلے ڈالے اعلان کرتے پھریں کہ ایمانداری بہت اچھی چیز ہے۔

اگر ہم سب ایمانداری سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیں تو ملک و قوم ترقی کر سکتے ہیں ۔بلکہ یہ ہم سب کا فرض ہے اپنا کام ایمانداری سے کریں اس طرح ہم نہ صرف دوسروں کو ایمانداری کی دعوت دے سکتے بلکہ دوسروں کے لیے ایمانداری کی زندہ مثال قائم کر سکتے ہیں اور جب تک نصیحت کرنے والا خود با عمل نہ ہو مجھے نہیں لگتا کہ کوئی دوسرا اس کی نصیحت سے کچھ اثر لے گا۔ لیکن ایمانداری کا لفظ بولنے ، سننے اور لکھنے ،پڑھنے میں جس قدر آسان لگتا ہے اس پر عمل درآمد اُس قدر ہی مشکل ہے۔ (مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں) آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہر قسم کے بحث مباحثے اور تنقید برائے تنقید سے کنارہ کشی اختیار کریں اور صرف اس موضوع پر غور فکر کریں کہ ہم کس طرح معاشرے کو ایمانداری کے راستے پر لا سکتے ہیں۔

میں نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی تحریر کا آغاز صرف تنقیدی نقطہ نظر سے کیا تھا لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ آج میں خود کو تنقیدی بحث سے دور رکھتے ہوئے اپنے نواجون دوستوں کو ایک اچھا پیغام دینے کی کوشش کروں خاص طور ان دوستوں کو جوانٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ فیس بک کیونکہ وہ سارادن کسی نہ کسی

بحث میں مصروف رہتے ہیں جن میں زیادہ تر موضوع منفی ہوتے ہیں جو تقریباً بے نتیجہ رہتے ہیں۔آج میں اپنے تمام دوستوں کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ ہمیں خود کوایماندار ثابت کرتے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے ؟میرے خیال میں کسی ایک شخص کی رائے ناکافی ہوگی اس لیے ہمیں ملکی سطح پر اس بحث کا آغاز کرنا ہے۔ میرے خیال یں ایمانداری اپنانا اتنا بھی مشکل نہیں جتنا کہ ہم نے سوچ رکھا ہے۔

صرف ایک مشکل ہے وہ یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ایماندار ہوجائے تو پھر ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں جب معاشرے کا ہر فرد یہی سوچے گا تو ایسا کبھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ ہم ایمان دار بن سکیں،لیکن اگر ہم سب یہ طے کرلیں کہ صبح سے ہم اپنا کام پوری ایمان داری سے کریں گے اور ہمیشہ ایمانداری سے ہی کرتے رہیں گے تو بہت جلد معاشرے میں چاروں طرف خوشحالی اور ترقی نظر آئے گی،ضروری نہیں کہ ہم پہلی کوشش میں کامیاب ہوجائیں لیکن اگر ہم مل کر خلوص دل سے کوشش کرتے رہیں گے تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب کامیابی ہمارا مقدر بنے گی۔میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ بندہ تنقیدی ذہن رکھتا ہے،آج کا موضوع ذرہ ہٹ کے ہے اس لیے لفظوں کی شدید کمی محسوس ہورہی ہے لہٰذا اس سوال کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ ہمیں اپنی اور معاشرے کی اصلاح کس طریقے اور کس انداز سے کرنی چاہیے ؟آپ مجھے اپنی رائے سے ضرور

آگاہ کیجیے گا۔

" میرے سرتے امبر ڈگیا "

مسلمان کا اچھی، بری تقدیر پر یقین رکھنا اور ہر اچھے اور برے وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے اپنی پیشانی خالق کائنات کے سامنے سجدوں میں جھکائے رکھنے کواس کے سچے مسلمان ہونے کی دلیل کہا جا سکتا ہے۔صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنھ جب تقدیر کے معاملے ییں جھگڑتے تو سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت خفا ہوجاتے۔حدیث شریف میں آتا ہے۔حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسئلہ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے "تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلال میں تشریف لے آئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑدئے گیے ہوں" پھر ارشاد فرمایا کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے "یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں "تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلے میں جھگڑے کیے تو ہلاک ہی ہو گئے "میں تم پر لازم کرتا ہوں'میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلے میں جھگڑامت کرو تقدیر جیسی بھی ہو تقدیر بنانے اور بدلنے کی قدرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اس لیے ہمیں تقدیر کو دوش دینے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے چاہیے ۔ موجودہ دور میں جب ہم ایک ہی وقت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ جن میں سب سے بڑی مشکل ملک میں پھیلی ہوئی دہشتگردی ہے۔ بے شک دہشتگردی کا یہ تحفہ ہمیں امریکی جنگ میں حصہ دار بننے کی وجہ سے ملا ہے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ پاکستان کو اس جنگ میں حصہ لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ لیکن اب اور وقت ضائع کیے بغیر اس جنگ سے باہر نکل آنا چاہیے۔ وہ اس لیے کہ تاریخ گواہ ہے جنگیں کبھی بھی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں بنیں، بلکہ جنگوں میں اور زیادہ مسائل جنم لیتے ہیں۔ جس کی جیتی جاگتی مثال اس وقت آج ہمارے آنگن میں پھیلی دہشتگردی ہے اور اس قدر بجائے ان کی جیبوں سے ان کے پرس "کلائیوں سے ان گھڑیاں، چوڑیاں اور دیگر قیمتی چیزیں چوری کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

میرے نزدیک جو لوگ دہشتگردی کی واردات کرتے ہیں اور جو لوگ زخمی انسانوں کی مدد کرنے کی بجائے چوریاں کرتے ہیں۔ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ میرے خیال میں دونوں طرف کے لوگ کسی دوسرے سے نہیں اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہیں۔ حضرت واصف علی واصف صاحب کا پنجابی شعر پیش خدمت ہے۔

میرے سر تے امبر ڈگیا، میں تارے چن دی جاں

میں اپنے آپ نوں ڈنگیا، میں سیاں دی وی ماں" جاری ہے

اہل قلم کا مقام

نوجوان نسل اکثر یہ گلہ کرتی ہے کہ ہمیں اس ملک نے کیا دیا ؟ ہمارے لیے اس معاشرے نے کیا کیا ہے ؟ ہمارے بڑوں نے ہمارے لیے کیا کیا؟ یہ سارے سوالات ہیں تو بڑے ہی اہم لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ان سوالات کا کوئی مثبت اور تسلی بخش جواب مل پائے گا۔اس لیے میں اپنے آپکو ان منفی سوالات سے دور رکھنے کے لیے اکثر خود سے یہ سوال کرتا رہتا ہوں ۔کیا میں نے اپنے وطن کے لیے آج تک کچھ کیا ہے؟ میرے بڑوں نے تو اپنا سب کچھ قربان کرکے میرے لیے ایک آزاد خود مختار ریاست کا انتظام کیا تھا کیا میں نے اس ریاست کی ترقی و خوشحالی میں اپنا کردار ادا کیا؟جواب ملتا ہے نہیں آج تک ایسا کچھ نہیں کرپایا۔جس کے بعد قلم اُٹھا کر لکھنے بیٹھ جاتا ہوں کہ شائد میرے قلم سے نکلا کوئی جملہ ملکو قوم کے کام آجائے۔ لیکن میرے دوست اکثر پوچھتے ہیں کہ میں کالم کیوں لکھتا ہوں ؟ مجھے کالم لکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے ؟ میرے کالم کوئی پڑھتا بھی ہے کہ نہیں ؟ وغیرہ وغیرہ۔ایسے منفی سوالات مجھے شدید پریشان کردیتے ہیں مجھے لگتا ہے کہ اس معاشرے میں اہل قلم کا کوئی مقام نہیں رہا ور اس وقت میرے پاس دوستوں کو دینے کے لیے کوئی تسلی بخش جواب موجود نہیں ہوتا اس لیے خاموشی سے وقت گزارنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ دوست ضد کرلیتے ہیں تو مجھے کوئی نہ کوئی

جواب دیناپڑتا ہے ،کالم لکھنے کی جو وجوہات میں دوستوں کو بتاتا ہوں سوچا آج آپ کے سامنے بھی رکھتا چلوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری تحریروں کو پڑھنے اور چھاپنے والے ہی سب سے قریبی دوست ہیں،ان میں سے اکثر دوست فون کالز،ای میلز،اور ایس ایم ایس کے ذریعے میری حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اپنی قیمتی اصلاحی و تنقیدی آراء سے نوازتے رہتے ہیں ، کسی نے کیا خوب کہی ہے کہ حوصلہ افزائی کرنے والے چند سچے تعریفی الفاظ انسان کے لیے اتنے ہی مفید ثابت ہوتے ہیں جتنا کہ سانس لینے کے لیے آکسیجن کام کرتی ہے ، میں سمجھتا ہوں کہ یہی آکسیجن میری تحریر میں جان ڈالتی ہے اور مجھے لگاتار لکھتے رہنے پر مجبور کرتی ہے ،آج میں اپنے پڑھنے والوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ پہلی بار میری رہنمائی اور افزائی کس شخصیت نے کی ، میں نے لکھنا بھی اسی شخصیت سے متاثر ہونے کے بعد شروع کیااور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ آج تک میری رہنمائی و حوصلہ افزائی کررہی ہے۔وہ شخصیت ہے میرے استاد محترم جناب ایم اے تبسم صاحب کی ،یوں تو ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے لیکن پھر بھی مختصر سا تعارف کرواتا چلوں جناب ایم اے تبسم سینئر صحافی و کالم نویس اور نوجوان کالم نویسوں کی ابھرتی ہوئی تنظیم کالمسٹ کونسل آف پاکستان کے مرکزی صدر ہیں اور بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی شخصیت کو بے پناہ خلوص وشفقت اور عقل وشعور کی دولت سے نوازرکھا ہے ، میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے ان کی قربت نصیب ہوئی ،آج کے حسد بھرے دور میں ایم اے تبسم جیسے لوگ

بہت کم ملتے ہیں ،دوسروں کے کندھوں کا استعمال کرکے اپنا قد بڑا کرنے والے تو بہت ہیں لیکن ایسے لوگ آج نایاب ہو چکے ہیں جو دوسروں کا قد بڑا کرنے میں اپنے کندھوں کا استعمال کرتے وقت خوشی محسوس کرتے ہیں،آج گرتے کو سہارا دینے والے کم اور ٹانگ کھینچ کر گرانے والے بہت ہیں ، اپنے استاد محترم کی تعریف کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ۔بس اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لگاتار میری شخصیت کو نکھارنے میں مدد کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ ہے میرے لکھنے کی اور یہی جواب ہے اس سوال کا کہ میں کالم کیوں لکھتا ہوں، دوسرا سوال تھا کہ مجھے لکھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے ؟جس کا جواب یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اہل قلم نے ہر دور میں مثبت کردار ادا کیا ہے لیکن آج دور جدید میں لوگوں کا کتاب و قلم سے رشتہ بہت کمزور ہوگیا، اس رشتے کو مضبوط کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اگر یہ رشتہ مزید کمزور ہوا تو علم و شعور ہم سے روٹھ جائیں گے اور اگر ایسا ہوا تو جہالت ہماری آنے والی نسلوں کا مقدر بن جائے گی ۔لہٰذا اپنے بچوں کو جہالت سے بچانے کے لیے اہل قلم کو جدوجہد کرنا ہوگی اور کسی بھی جدوجہد کو شروع کرنے سے پہلے ذاتی فوائد کو مدنظر رکھنا ناکامی کی پہلی وجہ بن سکتی ہے اس لیے میں نے آج تک یہ سوچا ہی نہیں کہ میری ذات کو لکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے، میں تو ابھی اہل قلم کی دنیا میں کچی جماعت کا طالب علم ہوں ،اگر ابھی سے فوائد کا حساب کرنے لگوں گا تو امتحان میں فیل ہو جاؤں گا، میرے خیال میں فیل ہونے والا طالب

علم اپنے اساتذہ کی خصوصی توجہ سے محروم ہوجاتا ہے جو مجھے کسی صورت منظور نہیں۔
تیسرا سوال یہ تھا کہ کوئی پڑھتا بھی ہے کہ نہیں؟اس سوال کا جواب بہت مختصر ہے کہ شائد ابھی کوئی نہیں پڑھتا اور جس دن لوگوں نے پڑھنا شروع کردیا اس دن دوستوں کو اس سوال کاجواب بھی خود ہی مل جائے گا کہ مجھے لکھنے کا کیا فائدہ ہے کیونکہ اسی دن فائدے اور نقصانات سامنے آنا شروع ہوجائیں گے۔ضروری نہیں کہ وہ دن میری زندگی میں ہی آئے لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ دن ضرور آئے گا جب لکھنے والوں یعنی اہل قلم کو ان کی زندگی میں ان کا اصل مقام حاصل ہوگا۔اگر میری زندگی میں ایسا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنا فرض ادا کردیا کیونکہ جس دن اہل قلم کو ان کا اصل مقام حاصل ہوگیا اس دن معاشرے سے ظلم و ناانصافی کا صفایا ہوجائے گا اور جو معاشرے ظلم و ناانصافی سے پاک ہوں ان کو ترقی و خوشحالی سے دنیا کی کوئی طاقت دور نہیں رکھ سکتی۔میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ کرے ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے ظلم وناانصافی سے پاک ایک خوشحال معاشرہ وارثت میں چھوڑیں تاکہ ان کو یہ گلے کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ ان کے بڑوں نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا۔

(نوجوانوں کمر باندھ لو (چھٹا حصہ

سجاد علی شاکر

کچھ روز پہلے مجھے کچھ کام سے لاہور کی بوسٹر جیل جانا پڑا جہاں پر میری میرے دوست انسپکٹر تیمور میو سے ملاقات ہوئی اور پھر انہوں نے مجھے بوسٹر جیل میں بند کچھ لوگوں سے ملوایا۔ تمام جیل میں 70 فیصد ایسے لوگ تھے جو کہ نوجوان اور کم عمر تھے۔ پھر میں نے اس بارے میں مزید جاننے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ پاکستان کی جیلوں میں 70 فیصد کے لگ بھگ ایسے نوجوان بند ہیں جو کہ چھوٹے چھوٹے جرموں کی بنا پر سزا یافتہ ہوئے ہیں اور مستقبل تحریک میں کئے بیٹھے ہیں ان لوگوں کے ذہن ابھی کچے ہیں ان کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے کیونکہ ہمیں اپنے ملک کی عوام کو سدھارنا ہے نہ کہ بگاڑنا ہے۔ جیلوں میں انہیں ایک اچھا انسان بھی بنایا جا سکتا ہے ان کو تعلیم کی طرف راغب کرکے ان کو ہنر مند کیا جا سکتا ہے ان کی پڑھائی کی طرف اچھی توجہ دینی چاہیے تاکہ جب یہ جیل سے نکلیں تو یہ ایک اچھے انسان بن کر نکلے ان کو احساس ہو کہ انہوں نے جرم کیا تھا اور اس کی سزا ان کو ملی اور یہ خود کو تعلیم یافتہ تسلیم کریں نہ کہ یہ باہر نکل کر بوسٹر جیل سے سنٹرل جیل جانے کا ارادہ رکھیں۔ اور جیل کے حالات بہت خستہ حال ہیں ہمارے ملک کو اپنے ان قیمتی

نوجوانوں کی اشد ضرورت ہے انہیں اپنے جرائم ختم کرکے ایک اچھی شخصیت بننا ہوگا ہماری نوجوان نسل تو بڑھکانے اور غلط جزبہ ابھارنے میں ہمارے ہمسایہ ملک کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آج ہمارے نوجوان لڑکے لڑکیاں کلبوں میں بیٹھ کر شیشہ پیتے ہیں جو ہیروئن سے بھی زیادہ مضر صحت ہیں آج ہمارے ملک کے نوجوان سڑکوں پر ناچ گانا انڈین گانے گاتے ہوئے نظر آتے ہیں، انڈیا نے سب سے پہلے ہمارے ساتھ میدانی جنگ کی اور جس میں وہ ناکام ہوا۔

تو اس نے اپنے ملک کے ٹی وی چینل کو ہمارے ملک میں بھیج کر ہماری نوجوان نسل لڑکے لڑکیوں کو بیکار کر رکھا ہے وہ فلمیں دیکھر فلمی رول ادا کرتے نظر آرہے ہیں اور انہیں فلمی رول کی بنا پر ہماری جیلیں ان کم سن نوجوانوں سے بھری پڑی ہیں آج ہمارے ملک کے نوجوانوں کو انڈیا کے چینل اور گانے پسند ہیں فلمیں پسند ہیں اور وہ انڈین ڈائیلاگ پسند کرتے ہیں جب کہ یہ ہمارے لئے باعث شرم کی بات ہے ہم اپنا کلچر بھول چکے ہیں آج مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیاں پسند کی شادیاں کرواتے ہیں اور اپنے والدین کو صاف صاف جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی پسند کی شادی ہی کرنی ہے آج انڈین کلچر ہمارے نوجوانوں کے سر چڑھ کر بول رہا ہے لیکن ہمارے سیاستدان اپنی مستی میں مست نظر آتے ہیں۔ ہمیں تعلیم عام کرنی ہوگی اگر ہمیں نوجوان نسل کو سیدھے راستے پر لانا ہے تو ہمیں سب سے پہلے اپنے ملک میں تعلیمی نظام اور تعلیم پر توجہ

دینی ہوگی ہم نے اگر ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے تو اپنے ملک میں پڑھا لکھا
نوجوان آگے لے کر آنا ہوگا۔

میرے سر تے امبر ڈگیا، قسط 2

ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔ شعور و عقل کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانا ہوں گیں ۔سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکتے ہوئے اپنی اصلاح کرنا ہوگی کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت انسان اپنے آپ کو زیادہ قریب سے جانتا ہے اس لیے اگر ہم خود اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تو کامیابی کے امکان بہت زیادہ ہونگے ۔زاویہ نگاہ بدلنے سے منظر بدل جایا کرتے ہیں۔اسی طرح طرز فکر میں تبدیلی سے زندگیاں بدل جایا کرتیں ہیں ۔شعور انسانی جیسے جیسے بیداری کی منازل طے کرتا ہے "زندگی کی راہیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں ۔مثبت طرز فکر ہمیشہ امن و ترقی کی راہیں کھولتا ہے۔جو لوگ مسائل میں الجھے بغیر دستیاب وسائل کا بہتر طریقے سے استعمال سیکھ لیتے ہیں زندگی کی راہیں ان کے لیے آسان ہو جایا کرتی ہیں ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہر شے کچھ بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے ۔انسان چاہے کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو۔کوئی سی بھی زبان بولتا ہو۔وہ معاشرے کا اہم حصہ ہوتا ہے ۔انسانی اکائیوں کے مجموعہ کو معاشرہ کہتے ہیں ۔انسانی معاشرہ کو بھی کچھ ایسے اجزاء کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے ۔جس میں اگر تمام اجزاء اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو معاشرے کی گاڑی بڑی

کامیابی سے بہتری کے سفر میں رواں دواں رہتی اور کامیابی کی بہت سی منزلیں بآسانی طے کرتی ہے۔آج پاکستان میں بے پناہ قدرتی وسائل دستیاب ہونے کے باوجود پاکستانی عوام فاقہ کشی پر مجبور ہے۔وسائل سے مالامال پاکستان میں 80 فیصد سے زیادہ لوگ انتہائی غربت کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔

ایسا کیوں ہے ؟کیا ہم نے آزادی کے 65برس گزار کر بھی اپنے وسائل کو صحیح طرح سے استعمال کرنا نہیں سیکھا؟کیا پاکستانی عوام آج بھی باشعور نہیں ہے؟کیا ہمیں آج اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت طرز فکر اپنانے کی ضرورت نہیں ہے ؟کیا ہم دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کی بجائے اپنا اپنا کام بہتر طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتے ؟میرے عزیز ہم وطنوں ایسے اور بھی بہت سوالات ہیں۔جو ہمیں خود سے کرنے ہیں نہ کہ کسی دوسرے سے۔مثال کے طور پر ملک میں غربت میں کمی کیسے ہوگی؟اس سوال سے ہماری قومی ترقی جڑی ہوئی ہے۔اس لیے یہ سوال بڑی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔قوموں کے خوش حال مستقبل کا بچت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ سمجھدار لوگ اپنا پیٹ کاٹ کرکچھ نہ کچھ وسائل زندگی میں آنے والے برے وقتوں کے لیے جمع رکھتے ہیں۔تاکہ مشکل وقت میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔غریبوں کے لیے مکان خریدنا" کسی بیماری کی صورت میں علاج معالج یا بچوں کی شادیاں کرنا دنیاکے مشکل ترین کام ہیں۔اس لیے غریب لوگ بچوں کے پیدا ہوتے ہی

بچوں کے بہتر مستقبل " تعلیم و تربیت کے لیے بچت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔
اگر دیکھا جائے تو یہ بھی ایک مثبت طرزِ فکر ہے۔ اگر ہم بحیثیت قوم بچت کو اپنا شعار بناتے اور مثبت طرزِ فکر اپناتے تو یقیناً آج ہمیں کمر توڑ مہنگائی " بدترین کرپشن " آسمان کو چھوتی ہوئی بدامنی معاشرے میں بڑھتی ہوئی ناانصافی، اقرباپروری، 'تیز رفتاری سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور لوڈشیڈنگ کے دردناک عذاب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اگر پاکستانی معاشرے کے تمام اجزاء اپنا اپنا کام صحیح طریقے سے کرتے تو آج ہم بھی دنیا میں ایک مہذب اور باوقار قوم کی حیثیت سے سر اٹھا کر زندگی گزار رہے ہوتے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا اور آج ملک میں فیکٹریاں اور کارخانوں کا پہیہ جام ہو چکا ہے۔ بے روزگاری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ غریب کا چولہا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ بے بسی کے عالم میں بے روزگاری اور تنگ دستی سے مجبور لوگ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اپنے ہی معصوم بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو موت کے سپرد کر رہے ہیں۔ جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

میرے سرتے امبر ڈگیا - قسط 3

موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ جیسے ہمارے سروں پر مصیبتوں کا بہت بڑا پہاڑ کھڑا لگاتار پتھر برسا رہا ہے اور کسی بھی وقت سارے کا سارا بھی گر سکتا ہے۔ لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز کرکے ان گرتے ہوئے پتھروں سے جان بچانے کی بجائے ان میں سے قیمتی پتھر تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت واصف علی واصف نے کچھ اسی طرح کے حالات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ صرف ایک شعر میں بیان کرتے ہوئے کہا

میرے سرتے امبر ڈگیا، میں تارے چن دی جاں
میں اپنے آپ نوں ڈنگیا، میں سپاں دی وی ماں

حالات اس قدر خراب ہونے کے باوجود بھی ہم درپیش مسائل کے حل میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ایک دوسرے پر الزامات کی چھریاں چلانے کے سوا ہمیں کوئی کام نہیں آتا۔

حکمران عوام کو اور عوام حکمرانوں کو برا بھلا کہہ کر وقت گزار رہے ہیں۔ کسی معاشرے میں حکمران طبقہ اگر ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دے تو عوام کو مجبوراً اپنے معاملات ٹھیک کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن اگر حکمران ہی

جھوٹ اور ٹال مٹول کی پالیسی پر عمل پیرا ہوجائیں اور عوام کو روٹی کے لالے پڑے ہوں تو پھر مثبت طرز فکر تو دور کی بات ہے مثبت سوچ بھی انسانی ذہن کے قریب سے نہیں گزرتی ۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم کائنات کی بہترین قوم یعنی مسلمان اور آزاد پاکستان کے باسی ہو کر بھی ذلت و روسوائی کی دلدل میں روز بہ روز دھنستے چلے جارہے ہیں ۔آج ہمیں یعنی عوام کو حکمرانواں کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے کی اشد ضرورت ہے۔جب تک عوام خود کرپشن کرنا نہیں چھوڑتی تب تک ممکن ہی نہیں کہ حکمران کرپشن نہ کریں ۔

میرے عزیز ہم وطنوں،اگرچہ آج ہم نیک اور پرہیزگاروں کو بھی اپنا حکمران چن لیں،لیکن خود کو تبدیل نہ کریں تو نیک اور پرہیزگار لوگ بھی حکومت میں آنے کے بعد بے ایمان اور کرپٹ ہوجائیں گے ۔بالکل اس مسلمان ریاست کی طرح جس کے حکمران جب عوام پر ظلم کرتے تو عوام اللہ تعالی سے دعا کرتی کہ یا اللہ حکمران ظالم بن گیا ہے ۔یااللہ اس ظالم حکمران کو بدل کر ہمیں نیک اور عوام کا درد رکھنے والا حکمران عطا فرما ۔قوم جب بھی اللہ تعالی سے دعا کرتی وہ قبول ہوتی اور ان کا بادشاہ اگلا دن آنے سے پہلے ہی مرجاتا اوراس طرح عوام کو نیا حکمران مل جاتا۔ایک موقع ایسا آیا جب حکمران خاندان کے سب ولی عہد اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے ۔اب قوم کو ریاست کے معاملات چلانے کے لیے ایک صاحب علم شخص کی ضرورت محسوس ہوئی اور عوام نے ریاست کے سب سے بڑے عالم دین

کو ریاست کا بادشاہ مقرر کر دیا۔
عالم دین یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس نے عوام پر ظلم کیا تو وہ اللہ تعالی سے دعا کرے گی جس کے نتیجے میں اس کی موت لازم ہو جائے گی۔اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حکومت کے نشے میں حکمران کا مست ہونا فطری بات ہے۔اس نے ہمسایہ ریاست جو کہ غیر مسلم تھی سور کی کھال کے مشکیزے بنوائے اور اپنی ریاست کے سب پانی بھرنے والوں کو بلا کر ان سے پرانے مشکیزے واپس لے کر ان کو سور کی کھال کے بنے ہوئے نئے مشکیزے دے دیے اور کچھ عرصہ تک بڑی ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا۔اور پھر جب اس نے محسوس کیا کہ عوام کے رگوں میں حرام سرایت کر چکا ہے تو ان عوام پر ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔جب بادشاہ کے ظلم حد سے بڑے تو عوام نے اللہ تعالی سے دعائیں کرنا شروع کر دیں لیکن قوم انجانے میں ایک عرصے سے سور کی کھال کی بنے مشکیزے کے ذریعے بھرا پانی پی رہی تھی جو کہ اسلام میں حرام ہے۔اس لیے اس بار قوم کی دعائیں نہ قبول ہوئیں۔
اس ساری کہانی کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان قوم انجانے میں حرام کھاتی ہے جسکا اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے تو اس کی دعائیں بارگاہ الہیٰ میں رد ہو جاتیں ہیں۔تو پھر جان بوجھ کر حرام کھانے والوں کی دعائیں کس

طرح قبول ہو سکتی ہیں۔آج ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے نہ کہ دوسروں کے۔ خود سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم حرام تو نہیں کھا رہے ۔اور اگر خود سے یہ جواب ملے کہ ہاں ہم حرام کھا رہے ہیں تو پھر مزید وقت ضایع کیے بغیر ہمیں اللہ تعالی سے مافی مانگنے اور سچے دل سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہلال و حرام کی تمیز کرنے کے ساتھ ساتھ آج ہمیں دوسروں کو برا کہنا چھوڑ کر مثبت طرز فکر اپناتے ہوئے اپنی اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے ۔تاکہ ہم بھی خوشحال اور ترقی یافتہ پاکستان اور خوبصورت مسلمان معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کر سکیں ۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی راہ حق پر چلنے کی ہمت عطا کرے ۔آمین

پرندوں پر ظلم کیوں؟

ویسے تو اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بے کار اور بد صورت نہیں بنائی۔قدرت کے حسین کارخانے میں ہر شے اپنا مقام رکھتی ہے اور کسی بھی مخلوق کی اہمیت کو کم کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔قدرت کے اس خوبصورت کارخانے میں پرندے اللہ تعالیٰ کی بہت ہی خوبصورت اور معصوم مخلوق ہیں ۔اللہ تعالیٰ کی یہ خوبصورت تخلیق دنیا بھر میں پائی جاتی ہے۔پرندے جنگلوں میں رہیں یا شہروں میں ان کی خوبصورتی انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

پرندوں کے رہنے کا اصل مقام تو جنگل ہی ہے لیکن آج بہت سے پرندے شہروں میں بسیرا کرچکے ہیں جن میں جنگلی کبوتر سرفہرست ہیں۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جو ان کو جنگل چھوڑ کر شہروں میں رہنے پر مجبور کرتیں ہیں ،ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیاآج انسانوں کے لیے شہر چھوڑ کر جنگلوں میں رہنا ممکن ہے؟اگر جواب نہیں ہے تو پھر پرندوں نے جنگل چھوڑ کر شہروں کا رخ کیوں کیا؟ جنگلی پرندوں کا جنگل چھوڑ کر شہروں میں ڈیرے ڈالنا اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ شہری لوگ بھی مہمان نواز ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ شہروں میں بسنے والوں نے کبھی اپنے ہمسائیوں کا حال نہیں پوچھا مگر آپ جانتے ہیں کہ

شہر میں جگہ جگہ جنگلی پرندوں کے کھانے اور پینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شہر میں کچھ لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر پرندوں کے لیے پانی اور دانے کا اہتمام کرتے ہیں اور باقاعدگی سے شہر کے چوراہوں میں رکھے ہوئے برتنوں میں گندم، چاول، باجرہ اور مختلف قسم کے اناج ڈالتے جاتے ہیں۔

شہر کے ان چوراہوں میں نہ تو کوئی ان پرندوں کا شکار کرتا ہے اور نہ ہی پکڑ کر قید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ حکومت نے ان پرندوں کے شکار پر پابندی لگا رکھی ہے لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ اتنی زیادہ مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ان پرندوں پر ظلم بھی وہی لوگ کرتے ہیں جو ان کے لیے کھانے پینے کا اہتمام بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ شہروں کے اندر جنگلی پرندوں پر ظلم کرنے والے لوگ فطری ظالم نہیں ہیں لیکن بے خبری میں ان سے اکثر ظلم ہوتا رہتا ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب وہ لوگ ظالم نہیں تو پھر ظلم کیوں کرتے ہیں اور اگر ظلم کرتے ہیں تو پھر وہ لوگ ظالم کیوں نہیں ہیں؟ بات کچھ یوں ہے کہ جب پرندوں کو پنجروں میں قید دیکھتے ہیں تو ان کی قیمت ادا کرکے ان کو قید سے رہائی دلاتے وقت لوگ اپنی طرف سے ان پرندوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں لیکن میری نظر میں وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں دراصل انجانے میں ظلم کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ جو لوگ پرندوں کو قید کرتے ہیں وہ اس بات سے باخوبی واقف ہیں کے لوگ پرندوں کی قیمت ادا کریں گے اگر ہم لوگ پرندوں کو خریدنا بند

کر دیں تو کوئی اُن کو پکڑ کر قید نہیں کرے گا۔اس طرح پرندوں کو قید کرنے والا اور خرید کر آزاد کروانے والا دونوں ہی ظالم بن جاتے ہیں ۔پرندوں کو رہائی دلانے والوں کو میں معصوم ظالم کہتا ہوں ۔لیکن ظالموں کی اور نسل بھی انہی شہروں میں پائی جاتی ہے۔ جس نے ان جنگلی پرندوں کو اپنا ماحول چھوڑ کر شہروں میں بسنے پر مجبور کیا۔اس ظالم نسل میں وہ لوگ شامل ہیں جو شہروں سے آئے پرندوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں لیکن جنگلوں میں بندوقیں لیے شکار کا شوق پورا کرتے ہیں ان لوگوں کو شکار کھانے میں کم اور مارنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔

شائد یہی وجہ ہے جس نے پرندوں کو جنگل چھوڑ کر شہروں میں بسیرا کرنے پر مجبور کردیا ہے۔کیا اچھا ہو اگر ہم لوگ ان جنگلی پرندوں کی خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ ان کا شکار کرنا بھی ترک کر دیں ۔جب میں انسان کو جنگل میں پرندوں کا شکار کرتے اور شہروں میں مہمان نوازی کرتے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ کیسی مہمان نوازی ہے ؟جو کسی کو اس کے گھر سے بے دخل کرنے کے بعد کی جاتی ہے؟ یہ کیسی محبت ہے جو محبوب کو گولی کی نوک پہ رکھتی ہے؟کیا اچھا ہو اگر ہم جنگل میں خولی بند کرکے معصوم پرندوں کو ان کے قدرتی ماحول میں جینے دیں ۔کیا ہی اچھا ہو اگر ہم جنگلوں کو برباد کرنے کی بجائے آباد کریں۔

درخت بلاوجہ نہ کاٹیں اور اگر بوقت ضرورت ایسا کرنا پڑے تو کٹنے والے درخت کی جگہ ایک نیا درخت لگا کر پرندوں کو آشیانے بنانے میں مدد کریں اور پھر یہ کیسی انسانیت ہے کہ انسان تو کمزوری اور بے بسی کی حالت میں فٹ پاتھ پر پڑے رہتے ہیں لیکن ہم ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے اور پرندوں کو زبردستی مہمان بنا کر ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں؟اگر ہم پرندوں کی خدمت اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں تو ہمیں اس پہلو پر بھی غور و فکر کر لینا چاہیے کہ کہیں یہ کاوش رائیگاں تو نہیں چلی جائے گی۔

آہ، شہر قائد

صدر پاکستان آصف علی زرداری نے کراچی میں پھیلی بدامنی کا سخت نوٹس لیتے ہوئے حکومت سندھ کو ہدایت کی ہے کہ کراچی میں جرائم پیشہ عناصر کے خلاف ٹارگٹ آپریشن کا دائرہ وسیع کیا جائے۔انھوں نے مزید کہا کہ کسی کو بھی کراچی کا امن تباہ کرنے نہیں دیں گے،دہشت گردوں کا خاتمہ کیا جائے گا۔قیام امن کے لیے سیاسی قوتوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔جبکہ آئی جی سندھ کا کہنا ہے کہ 16 تھانوں کی حدود ہمارے کنٹرول میں نہیں،پولیس پیچھے ہٹی تو شہر کو کوئی نہیں بچاسکے گا۔اور جہاں تک بات ہے شہر قائد میں امن وامان کی صورتحال کی تو اُس کا اندازہ اس قسم کی خبروں سے لگایا جاسکتا ہے جن سے روزانہ اخبارات بھرے رہتے ہیں۔اورنگی،بفرزون،پاک کالونی اور کھوکھراپار میں 4 تاجروں سمیت 8 افراد قتل۔صبح سویرے اورنگی میں فائرنگ سے 25 سالہ رضا ہلاک،مشتعل افراد قطر اسپتال کے باہر جمع فائرنگ سے 2 راہگیر بھی زخمی ہوئے۔جہان آباد سے 25 سالہ مغوی نوجوان کی نعش ملی،احسن آباد سہراب گوٹھ میں علینا فیکٹری کے مالک رحیم الدین کی کار پر فائرنگ،موقع پر ہلاک،بنارس کے قریب مسلم خان فائرنگ سے ہلاک،ارم شاپنگ سینٹر میں کراچی کارپٹ کی دکان کا مالک عرفان ہلاک بھائی زخمی 2 ماہ قبل ان کے بھائی جبار کو بھی فائرنگ کرکے ہلاک کردیا گیا تھا،کھوکھراپار میں

اچھو بیکری کے قریب موبائل فون شاپ کے مالک شاہد طیب کو فائرنگ کرکے ہلاک کردیا گیا، نارتھ کراچی سے نامعلوم شخص کی نعش ملی، سہراب گوٹھ میں منصف قتل۔اور نجانے کتنے لوگ ہیں جن کے قتل یا اغواہونے کی خبر میڈیا تک نہیں پہنچ پاتی، چوری اور ڈکیتی تو ایسی وارداتیں ہیں جن کی لوگ ایف آئی آر تک درج نہیں کرواتے۔شہر قائد خون میں نہا رہا لیکن ہم صرف بیانات کی حد تک امن و امان قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔جب سے ہوش سنبھالا حکمرانوں کو یہی کہتے سنا ہے جو حکومت وقت کہہ رہی ہے کہ کراچی کا امن بحال کیا جائے گا۔دہشتگرد عناصر کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔کسی کو کراچی کا امن تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔تاریخ اٹھا کر دیکھا جائے تو ہزاروں بار صدر اور وزیر اعظم کراچی کے تشویش اور دردناک حالات کا نوٹس لے چکے ہیں۔لیکن حالات بد سے بدتر ہی ہوتے چلے جارہے ہیں۔مجھے نہیں لگتا کہ آج کوئی ایک پاکستانی بھی شہر قائد میں پھیلی قتل و غارت اور لوٹ مار سے بے خبر ہو۔میرے نزدیک شہر قائد میں ہونے والی دہشتگردی کو روکنا صرف حکمرانوں ہی کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری میرے سمیت پاکستان کے ہر شہری و دیہاتی پر عائد ہوتی ہے۔اگر چند لوگوں کے باہر نکلنے سے عدلیہ بحال ہوسکتی ہے تو پھر 18 سے 20 کروڑ لوگ کیا صرف ایک کراچی شہر کے لیے کچھ نہیں کرسکتے؟پاکستان کے عوام پچھلے 65 سالوں سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے اسی انتظار میں ہیں کہ کب کوئی مسیحاء قوم کی تقدیر بدلنے آتا ہے۔قارئین محترم بے حس اور ہڈ درم قوموں کی تقدیر

بدلنے کبھی مسیحاء نہیں آیا کرتے۔اس لیے اب وقت نہیں رہا کہ ہم مزید کسی مسیحاء کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔اور جن حکمرانوں کو ہم مسیحاء سمجھ رہے ہیں وہ.بری طرح ناکام ہو چکے ہیں عوام کے جان ومال اور آبرو کی حفاظت کرنا ان لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے میرا مقصد کسی سیاست دان پر تنقید کرنا نہیں ہے کیونکہ ان کی بھی سو مجبوریا ں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے قاتل اور دہشتگرد ان کے قریبی رشتہ دار ہوں ؟ہو سکتا ہے کہ شہر قائد کا امن وامان تباہ کرنے والے دہشتگرد عناصر حکمرانوں کی بات مانتے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری قوم کے ان مسیحوں کے گھر کچھ تحفے تحائف بھی پہنچادیتے ہوں یہ قاتل لوگ۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُوپر سے حکم نہ ہوان لوگوں کو قتل وغارت سے روکنے کا۔خیر مجبوری کوئی بھی ہو کراچی کے حالات کو بہتر کرنا حکومت وقت کے بس کی بات نہیں لگتی۔پانچ سالہ کارکردگی عوام کے سامنے ہے اور آئی جی سندھ کے اس بیان سے حکومت وقت کی کارکردگی صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ 16 تھانوں کی حدود ہمارے کنٹرول میں نہیں ،پولیس پیچھے ہٹی تو شہر کو کوئی نہیں بچاسکے گا۔کیا آپ کوایسا نہیں لگتا کہ آئی جی سندھ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ کراچی کے حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ اب ان کو ٹھیک کرنا پولیس کے بس کی بات نہیں رہی؟آخر میں اتنا کہوں گا کہ اگر حکومت واقع ہی کراچی سمیت ملک بھر میں امن وامان کی صورت حال کو بہتر بنانا چاہتی ہے تو سب سے پہلے حکومت اور سکیورٹی ادارے عوام کو اعتماد میں لیں۔صرف منتخب نمائندوں کو نہیں بلکہ

کروڑ عوام کو اعتماد میں لیا جائے تاکہ ان خون خوار دہشتگردوں کو ملک میں کہیں 18
پناہ نہ ملے اور جس طرح آج عوام اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں اگر ٹھیک
اسی طرح دہشتگرد عناصر غیر محفوظ ہو جائیں تو نہ صرف کراچی بلکہ ملک بھر میں امن
وامان کی صورتحال خود بخود بحال ہو جائے گی۔

کیا عورت انسان نہیں؟

میں آج یہ سوال اس لیے اُٹھا رہا ہوں کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ موجودہ دور میں عورت کو انسان سمجھا جا رہا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر طرف مردوں کی اجارہ داری قائم ہے ۔عوت تو بس ایک جسم بن کر رہ گئی ہے۔ عورت کی اس حالت کی ذمہ داری کہیں نہ کہیں عورت پر بھی عائد ہوتی ہے لیکن مرد کا یہ سوچنا کہ وہ عورت کو اپنے پاس سے کچھ دے رہا ہے انتہائی غلط ہے۔ وہ مرد جو پیدا ہوتے ہی عورت کے سامنے رونے لگتا ہے وہ مرد عورت کو کیا حقوق دے گا۔ جسے اس دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔وہ مرد جسے اپنی نسل آگے چلانے کے لیے کبھی کبھی ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

مرد کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ جس نے اسے نو ماہ تک اپنے پیٹ میں پالا اور پھر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اسے جنم دیا۔ وہ عورت ہی ہے جو اپنی تمام تر خواہشات کو زندہ دفن کرکے رات دن مرد کی بے لوث خدمت کرتی ہے۔ جب اللہ تعالٰی نے عورت کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی فطرت میں شرم وحیاء پیدا فرما کر عورت کو ماں ، بیٹی ، بہن اور بیوی کے رشتے میں مرد کو ایسا تحفہ دیا ہے جس کا کوئی متبادل نہیں اور نہ ہی مرد کا وجود عورت کے وجود کے

بغیر باقی رہ سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ دور قدیم سے دور جدید تک عورت مظلوم ہی رہی ۔یہ بات سچ ہے کہ عورت میں بھی کچھ خامیاں ہیں ۔کیونکہ عورت میری ماں بھی ہے میری بہن بھی ہے اور بیوی بھی ہے اس لیے عورت کی کردار کشی نہیں کروں گا اور نہ ہی عورت کی خامیاں گنوائوں گا۔ میں عورت کی ان خامیوں کا ذمہ دار بھی مرد کو ہی سمجھتا ہوں ۔

کیونکہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے اس لیے معاشرے میں پیدا ہونے والے اچھے یا برے کرداروں کی ذمہ داری بھی مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ لیکن دور جدید میں سب سے بڑا لمحہ فکریہ، یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی عورت اچھا اور قابل فخر کارنامہ سرانجام دیتی ہے تو اس کا سہرا بھی مرد کے سر ہوتا ہے کیونکہ مرد نے اسے اس کا موقعہ فراہم کیا ہوتا ہے۔ جبکہ ہر ناکامی اور برائی کی ذمہ داری عورت پر ڈال دی جاتی ہے ۔جو معاشرے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں غرق ہو جاتے وہ بے گناہوں کو ایسی سزائیں دیتے ہیں جو اگر گناہ گاروں کو بھی دی جائیں زیادہ ہوں ۔وہ معصوم کیا جانے کہ اسے کتنی بڑی سزا ملنے والی ہے جسے ابھی اس دنیا میں آنا ہے ۔اور ابھی تو اس معصوم نے اپنی ماں کے وجود سے باہر کی دنیا میں چند سانسیں ہی لی تھیں۔ وہ بالکل تندرست اور توانا تھی ۔ابھی اسے مذہب ،ذات پات ،رنگ و نسل، خاندانوں اور فرقوں کی تقسیم کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔

ابھی تو اس نے ہنسنا بھی نہیں سیکھا تھا ابھی تو اسے بس رونا آتا تھا اور نہ ہی اسے اپنی جنس کا کچھ علم تھا لیکن اس کی قسمت میں زندہ دفن ہونا لکھا تھا کیونکہ وہ جس دور میں پیدا ہوئی تھی وہ دور جہالت تھا جب بیٹی کو ایک گالی سمجھا جاتا تھا اور اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا ایسے میں اگر اسے علم ہوتا کہ اس کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جائے گا اور علم کے ساتھ اگر اسے اختیار بھی ہوتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی جنس منتخب کر لے تو شاید وہ کبھی بھی عورت ہونا پسند نہ کرتی اسے کیا پتہ تھا کہ وہ کس زمانے میں پیدا ہو رہی ہے۔جی قارئین یہ حالات تھے اسلام سے پہلے کے جب عربوں میں بیٹی کو زندہ ہی دفن کر دیا جاتا تھا لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین میں عورت کو وہ مقام دیا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقدار تھی۔

اسلام نے عورت کو نہ صرف جینے کا حق دیا بلکہ دنیا میں پہلی مرتبہ بیٹی کو وراثت کا حقدار بنا کر اسے معاشرے میں با عزت فرد ہونے کا مقام عطا کیا۔ مگر یاد رہے یہ حق صرف اسلام نے دیا اور انسانوں پر اللہ کا احسان ہے۔ عورت مغرب میں پیدا ہو یا مشرق میں کسی بھی معاشرے نے سوائے اسلام کے عورت کو انسان ہونے کا درجہ نہیں دیا۔ عورت کے وجود سے کائنات کا حسن باقی ہے۔ عورت ماں بھی ہے۔ عورت بہن بھی ہے۔ عورت بیوی بھی ہے اور عورت بیٹی بھی ہے خواتین کے موضع پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ قلم اٹھاتے ہوئے محسوس ہوتا ہے

شاید اب کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن وینا ملک کا سکینڈل سامنے آنے کے بعد جو انڈیا کے ایک رسالے میں وینا کی عریاں تصاویر کی اشاعت کے بعد منظر عام پر آیا۔ میں اپنے آپکو اس موضع پر لکھنے سے نہیں روک سکا۔

اس موضع پر مزید بات کرنے سے پہلے میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے نزدیک مرد اور عورت دونوں ہی انسان ہیں اور انسان اللہ تعالی کی سب سے پیاری مخلوق ہیں۔ آج ہم مردوں کو خود سے یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا عورت انسان نہیں؟۔۔۔۔جاری ہے

بوڑھے والدین اللہ تعالٰی کی رحمت

قرآن کریم میں ارشاد ہوا "اور تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجزو نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پرودگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی ان پر رحمت فرما (سورئہ بنی اسرائیل) والدین کو جب اُمید ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالٰی ان کو اولاد جیسی نعمت سے نوازنے والا ہے تو وہ اپنی جائز و ناجائز خواہشات کو ترک کرکے اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنی اولاد کی بہتر پرورش کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ خالق کائنات کے بعد انسان پر والدین کا احسان سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

والدین اولاد کی پیدائش سے پرورش تک بڑی مشکلات سے گزرتے ہیں۔ایسی مشکلات جن کا اس وقت اولاد تصور بھی نہیں کر سکتی ۔اس لیے اللہ تعالٰی نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے کہ "میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی" والدین جنتی

مشکلات اپنی اولاد کے لیے اُٹھاتے ہیں۔ اس کے صلے میں انسان کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت کرے اس طرح انسان صرف والدین کی خدمت ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) اور اس کے رسول سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات پر عمل بھی کرتا ہے جو یقیناً انسان کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔

ارشاد نبوی ہے کہ "وہ شخص ذلیل ہوا، ذلیل ہوا جس نے والدین کا بڑھاپا پایا اور دونوں (یا ان میں سے ایک جو بھی زندہ ہو) کی خدمت کرکے جنت میں نہ پہنچ جائے ۔کتنا خوبصورت فرمان ہے میرے اور آپ کے حقیقی رہنماء کا اور کس قدر افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے والدین کی خدمت کرنا۔ اگر دیکھا جائے تو انسان اپنے والدین کے بے پناہ احسانات کا بدلہ ہی نہیں چکا سکتا چاہے ساری زندگی ان کی خدمت میں گزار دے اور اس پر جنت کے انعام کا وعدہ، کیا یہ ایک اور احسان نہیں میرے اور آپ کے خالق کا؟ کتنے بدقسمت ہیں ہم لوگ جو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے کی بجائے ان کو گھر سے نکالنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔جی ہاں قارئین محترم ہمارے منتخب نمائیدے پاکستان میں مغربی طرز تہذیب کے مطابق بوڑھے افراد کے رہنے کے لیے علیحدہ انتظامات کرنے کی قانون سازی کرنے جارہے ہیں۔یعنی ہمیں جنت سے بے دخل کرنے کا منصوبہ تیار کیا جارہا ہے۔

سینیٹ میں بزرگ شہریوں کے لیے ملک بھر میں اولڈ ہومز قائم کرنے کے لیے ضروری قانون سازی اور بزرگوں کے کے احترام اوران کی دیکھ بھال کے لیے آگاہی مہم کے لیے خصوصی اقدامات کرنے کے حوالے سے قرارداد کو متفقہ طورپر منظور کر لیاگیا ہے جبکہ حکومت واپوزیشن جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سینیٹرز نے مطالبہ کیا ہے کہ بزرگ شہریوں کو ماہانہ بنیادوں پر وظائف دیۓ جائیں اور پاکستان کو سیکورٹی کی بجائۓ فلاحی ریاست بنایا جائے ،ابتدائی طورپر ملک کے تمام بڑے شہروں میں اولد ہومز تعمیر کئے جائیں ،آئین کے تحت بزرگ شہریوں کی فلاح وبہبوداور شیلٹر ہاوسز کا قیام ریاست کی ذمہ داری ہے ،بزرگوں کی خدمت ہمارا دینی ،اخلاقی اور قانونی فریضہ ہے اس سلسلے میں پبلک پرائیویٹ پارٹنر شپ کے تحت فاونڈیشن بنا کر بھی کام کاآغاز کیا جاسکتا ہے۔

17 دسمبر 2012 کو پیپلزپارٹی کے رکن سینیٹر کریم خواجہ نے قراداد پیش کی کہ حکومت بزرگ شہریوں کے لیے شیلٹر ہائوسز قائم کرے ۔اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے تمام سینٹر نے اس مسئلے کو اہم قرار دیااور ضروری قانون سازی کرنے پر زور دیا۔ایوان میں موجود تمام ارکین نے بزرگوں کی بات کی لیکن اللہ بھلا کرۓ سینیٹر الیاس بلور کا جنھوں نے بزرگوں کی بجائۓ والدین کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ یورپ کے کلچر سے پاکستان کا موازنہ نہ کیا جائے،انہوں نے

والدین کی خدمت نہ کرنے والوں کو لعنتی قرار دیا۔ راقم کو بھی یہی کہنا ہے میرے وطن میں مغربی تہذیت رائج نہ کی جائے۔ قارئین محترم ایک لمحے کے لیے آپ بھی سوچیں والدین اپنے بچوں کے لیے کیا نہیں کرتے ؟ اولاد کے پیدا ہونے پر والدین اپنے سارے خواب توڑ کر اپنے بچے کی بہتر پرورش، بہتر تعلیم وتربیت، بہتر مستقبل کے بارے میں فکر مند رہنے لگتے ہیں۔ کیا بزرگ شہری پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں ؟کیا بزرگ شہری دہشتگرد ہیں جو ان کی وجہ سے پاکستان فلاحی ریاست نہیں بن پا رہا؟ اور سب سے اہم سوال کہ کیا والدین بوڑھے ہو جائیں تو ان کو گھر سے نکال دینا چاہے؟ ایسی قانون سازی ہرگز نہ کی جائے جس کو جواز بنا کر لوگ بوڑھے والدین کو گھر سے نکال دیں۔

اگر وقت ملے تو میرے پیارے حکمران عوام کو درپیش مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ کیا بڑھتی ہوئی قتل غارت کو روکنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے ؟کیا عوام کو تعلیم اور صحت و صفائی کی سہولیات کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے ؟کیا بجلی کی لوڈشیڈنگ کو ختم کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا سی این جی کی فراہمی کو آسان بنانا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا عوام کو باعزت روزگار فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے۔

(کیا عورت انسان نہیں ؟ (2

کیا عورت انسان نہیں ؟ اس سوال کا جواب مرد کو تلاش کرنا ہے۔ لیکن ایک سوال آج میں عورت سے بھی کروں گا وہ یہ کہ کیا عورت صرف جسم کا نام ہے؟ میرے نزدیک عورت صرف جسم کا نام نہیں ہے ورنہ جسم تو جانور اور پرندے بھی رکھتے ہیں لیکن وہ انسان نہیں ہیں ۔ آج ہمیں یہ سوچنا ہے کہ عورت صرف جسم بن کر کیوں رہ گئی ہے ؟ ایک وجہ تو سستی شہرت اور فوری بغیر محنت کئے دولت کمانے کی کوشش ہے۔ جو اس بے حس معاشرے میں عورت کو اپنے جسم کے کپڑے کم کرنے پر حاصل ہو جاتیں ہیں ۔ یہاں پھر ایک اور سوال جنم لیتا ہے کہ ننگے جسم کی قیمت کون ادا کرتا ہے ؟ کیا ایک برہنہ عورت کو دیکھ کر دوسری عورت کی حوس پوری ہوتی ہے ؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ مرد ہی ہے جو عورت کو عریاں دیکھ کر خوش ہوتا اور اسے شہرت اور دولت کا لالچ دے کر ایسی غلیظ حرکت کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔
یہ معاشرے کی بے حسی نہیں تو اور کیا ہے کہ اتنی گندی فطرت کا مالک ہونے کے باوجود مرد باعزت ہی رہتا ہے لیکن عورت اپنا سب کچھ کھو دیتی ہے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس ساری بے حیائی میں عورت بے گناہ ہے عورت اپنی جگہ غلط ہے کیونکہ اگر عورت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شاکر رہے اور

ہوس لالچ سے دور رہ کر اپنے ایمان اور عزت و عصمت کی حفاظت کرے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے بے حیائی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ خواتین کے موضوع پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ قلم اٹھاتے ہوئے محسوس ہوتا ہے شاید اب کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن آئے روز وینا ملک کے سکینڈل سامنے آنے کے بعد جو انڈیا کے ایک رسالے میں وینا کی عریاں تصاویر کی اشاعت کے بعد منظر عام پر آنے شروع ہوئے۔

میں اپنے آپکو اس موضوع پر لکھنے سے نہیں روک سکا۔ اس موضوع پر مزید بات کرنے سے پہلے میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے نزدیک مرد اور عورت دونوں ہی انسان ہیں ۔ اس لیے دونوں کا فرض بنتا ہے کہ بے حیائی کے کاموں سے خود کو دور رکھیں تا کہ عورت اور مرد دونوں کو وہ حقوق حاصل ہو سکیں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں ۔ خواتین کی حالت زار کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ خواتین کے حقوق کی پامالی تو اسلام سے پہلے بھی ہوتی تھی لیکن جب اسلام نے عورت کے حقوق کو تسلیم کیا تو دنیا کا وہ پہلا معاشرہ وجود میں آیا جس نے عورت کو عزت اور وقار دیا جو کہ اس کا حق تھا۔ آپکو نہیں لگتا کہ جدت پسندی اور آزاد خیالی کے اس دور میں ہم انسانیت کے اصول بھول چکے ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب بھی انسانیت کی تذلیل نہیں کرتا جس معاشرے میں ماں بیٹی اور بہن کی عزت محفوظ نہ رہے وہاں ایک وینا ملک ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ

وہاں ہر قدم پر ایسے کردار ملتے ہیں۔

وینا ملک ایک عورت ہے میں اسے آج کسی بھی مذہب کی نظر سے نہیں دیکھتا صرف انسانیت کی نظر سے دیکھتا ہوں کیونکہ وینا بھی اسی حوا کی بیٹی ہے جو میری بھی ماں ہے۔ ایسی ہی حوا کی ایک بیٹی نے نو ماہ تک مجھے اپنے وجود میں پالا۔ پھر جب میں دنیا میں آیا تو مجھے رونے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا اسی حوا کی بیٹی کو اللہ تعالی نے میرے زندہ رہنے کا سامان کیا اللہ تعالی نے جس جسم سے مجھے رزق عطا کیا کیوں میں اسی وجود کو تماشا بناتا ہوں۔ مجھے کیوں شرم نہیں حالانکہ اسلام نے ہمیں حیا کا درس دیا ہے ہمیں اپنی نظروں کو نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عذاب سے ڈرایا کہ جو اپنی آنکھوں کو حرام (بدنگاہی) سے پُر کرے گا. بروز قیامت اس کے آنکھو ں میں آگ کی سلائیاں ڈالی جائیں گی۔

اگر ہم سب اپنا محاسبہ کریں کہ ہم اس حدیث مبارکہ پر کتنا عمل کرتے ہیں

فلمیں ڈرامے اور بے پردہ عورت کو دیکھنا ہماری عادت بن چکی ہے عورت بچاری مرد کی خواہش پوری نہ کرے تو کیا کرے حیاء تو ہمارے مردوں کی ختم ہو چکی ہے اگر ہم سوچیں کہ ہر کام میں ہم عورت کو ہی استعمال کیوں کرتے ہیں تو یقینا ہمارے سامنے ہماری بہت ساری خامیاں آئیں گی مثلا ٹیلی ویژن کی ہر

میں عورت ہی کیوں آتی ہے وہ بھی کم کپڑوں اور ننگے جملوں Advertisement کے ساتھ ؟۔ ہم اپنے کاروبار کا آغاز عورت کی بے پردگی سے کرتے ہیں جب ہم عورت سے ایسی ہی توقعات رکھیں گے انکے پردے کی پاسداری نہیں کریں گے اگر عورت کوئی بے حیائی کا کام کرتی ہے تو سارا معاشرہ اسے تنقید کا نشانہ بناتا ہے لیکن مرد کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

میں شرمندہ ہوں میرے عظیم قائد

آج سب اپنے اپنے طریقے سے قائدِ اعظم محمد علی جناح کا یوم ولادت منا رہے ہیں اور میں پریشان ہوں کہ اپنے عظیم قائد کو کیا تحفہ دوں مجھے تو میرے قائد نے ایک آزاد، خود مختار اور دنیا کی تمام نعمتوں سے مالامال ریاست تحفے میں دی تھی اور یہ ذمہ داری لگائی تھی کہ اب اپنے وطن کی ترقی، خوشحالی، آزادی اور خود مختاری کے لیے جدوجہد کرنا تیرا کام ہے۔ میں شرمندہ ہوں اپنے قائد سے کہ میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرپارہا۔ میرے عظیم قائد آج میری حالت ایسی ہے کہ میں سر اُٹھا کر تجھے سلام بھی پیش کرنے کے قابل نہیں ہوں ۔ پھر بھی سلام پیش کرتا ہوں اس اُمید کے ساتھ کہ کل بروز قیامت میرے عظیم قائد مجھے معاف کردیں گے۔ قارئین محترم میرے اور آپ کے عظیم قائد کا فرمان ہے 'کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حسین سرزمین اب آپ کی ہے، اس میں ہر وہ نعمت ہے جس کا آپ تصور کو سکتے ہیں۔ قائدِ اعظمؒ کی زندگی میں ہی پاکستان کی قومی زبان کے لیے اُردو کا انتخاب کیا گیا تھا، لیکن آج کسی بھی قومی ادارے میں اُردو زبان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ ہمارے حکمران عوام سے خطاب تک اُردو کی بجائے انگریزی زبان میں کرتے ہیں ۔ آج حال یہ ہے کہ ہماری قومی زبان اُردو، سرکاری زبان انگلش اور مذہبی زبان عربی ہے جب کہ میری مادری زبان پنجابی ہے۔ وطن میں معیار تعلیم ایسا

ناقص کہ آدھی سے زیادہ عوام کو اُردو پڑھنا۔لکھنا نہیں آتا جب کہ ہر قسم کے سرکاری دستاویزات انگریزی میں لکھے ہوتی ہیں جن میں بجلی و گیس کے بلوں سے لے کر میڈیکل اور عدالتوں کے معاملات شامل ہیں۔زبانوں کے اس کچر مچر میں عوام تو آج تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ اسے بجلی وگیس کے بلوں میں شامل کون کون سا ٹیکس دینا پڑتا ہے تو اپنے حقوق و فرائض کیسے سمجھے گی؟کہنے کو ہم جمہوریت پسند قوم ہیں اور ہر آنے والا حکمران جمہوریت کا نعرہ لگاتا ہے۔ ہر پارٹی کا لیڈر نظام بدلنے کی بات کرتا ہے۔ مگر 67 سال سے نہ چہرے بدلے اور نہ ہی نظام بدلا موجودہ جمہوریت تعفن زدہ اور کرپشن زدہ دکھائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں تو ایسی جمہوریت کو جمہوریت کہنا بھی حقیقی جمہوریت کو غلیظ گالی ہے۔کل بھی مجرم وزیراعظم تھا اور آج بھی رینٹل پاور کرپشن کے مقدمہ میں ملوث وزیراعظم اس قوم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ موجودہ حکومت نے اپنے 5 سالہ دور حکومت میں ملک کو کیا کچھ دیا ہے بحرانوں کے سوا؟ حکمران لوٹ کھسوٹ سب کچھ کھاؤ اور ہڑپ کر جاؤ کی پالیسی پر گامزن ہیں اب پھر الیکشن قریب ہیں اور یہی چہرے دوبارہ اقتدار میں آنے کیلئے پر تول رہے ہیں اور آج تمام سیاستدان اپنے اپنے حلقوں میں دکھائی دے رہے ہیں۔ 6 ماہ پہلے فوت ہوئے عوامی دادا جان کی فاتحہ خوانی پڑھتے نظر آرہے ہیں۔ بے چاری عوام پھر بھی ان کے جال میں آکر اپنی غربت اور تباہی کیلئے تیار نظر آتی ہے۔اور عوام پھر سے انہیں لوگوں کو ووٹ دینے جا رہی ہے جو پچھلے

سالوں سے پاکستان پر حکمرانی کرتے آئے ہیں۔کیا یہ بھی ہمارے جاہل پن کی 66.67 نشانی نہیں ہے کہ ہم چوروں کو اپنے گھر کا پتہ خود بتاتے ہیں ؟نہ صرف پتہ بتاتے ہیں بلکہ لوٹنے آئے چوروں ڈاکوؤں کو چائے پانی بھی پلاتے ہیں۔گھر سے مراد پاکستان ہے ۔میں جس چار دیواری میں رہتا ہوں کیا وہی میرا گھر ہے؟کیا پاکستان میرا گھر نہیں ؟اپنی چاردیواری کی حفاظت کرتے وقت توہم جان پر کھیل جاتے ہیں لیکن جواصل گھر ہے یعنی پیارا پاکستان اسے خود اپنے ہاتھوں سے چوروں ،ڈاکوؤں کے حوالے کردیتے ہیں۔کیایہ ہماری جہالت نہیں ؟ظالم حکمرانوں کو منتخب کرنے کا مطلب ہے کہ ہم اپنے آپ پراور اپنی آنے والی نسلوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔توپھر کیاہم آنے والی نسلوں کے مجرم نہیں ؟کوئی مانے نہ مانے میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہاں میں مجرم ہوں۔میرے منتخب کئے ہوئے لوگ پاکستان کو لوٹتے ہیں ،دل کھول کر کرپشن کرتے ہیں توکیا صرف وہی مجرم ہیں نہیں میں بھی مجرم ہوں اپنی قوم کا اپنے وطن کا۔میرا قائد تومرگیا لیکن بھٹوزندہ۔بی بی زندہ ہے ،میرے قائدکے افکار تواس کے ساتھ ہی دفن ہوچکے لیکن بھٹواور بی بی شہید کا ادھورا مشن پورا ہوگا۔زندہ ہے بھٹوزندہ ،اور زندہ ہے بی بی زندہ کا نعرہ تومیں لگاتا ہوں لیکن میں نے کبھی زندہ ہے محمد علی جناح زندہ کا نعرہ نہیں لگایا ۔مجرم ہوں میں اپنے اعظم قائد کا۔میں نے کبھی نہیں کہاکے عوام کا پیسہ کھانے والوں پر اللہ کا قہرنازل ہوگالیکن راجہ پرویزاشرف یہ بات کہہ کر سرخروہوچکے ہیں لہٰذا میں مجرم ہوں

اور شرمندہ ہوں اپنے قائدؒ سے کہ میں نے بار بار پاکستان پر حکمرانی کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو دونوں ہاتھوں سے میرے وطن کو لوٹتے ہیں۔ جبکہ میری ذمہ داری تھی کہ ایسے ہاتھوں کو تن سے جدا کرتا جو میرے وطن میں لوٹ مار کرنے کی کوشش کرتے

چندو لال بوٹی

وہ گاؤں کے سرکاری سکول میں پہلی جماعت کا طالب علم تھا۔ اس وقت پہلی جماعت میں طالبعلموں کی کل تعداد 100 تھی اور ان کو پڑھانے کے لیے صرف ایک ٹیچر میسر تھا۔ وہ انتہائی ذہین لیکن راقم کی طرح کام چور تھا اور پڑھنے ،لکھنے میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی ،وہ بس والدین کی ضد اور پھینٹی کے ڈر سے سکول جاتا تھا۔ روزانہ سکول میں حاضر ہونے کے باوجود اسے 8 برس تک الف ب کی ٹھیک طرح سے پہچان نہ ہو پائی لیکن اپنی چالاکی اور مکاری سے وہ 8 جماعتیں پاس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان 8 سالوں میں اس نے ایک دن بھی ہوم ورک نہیں لکھا لیکن استاد کو روزانہ ہوم ورک چیک کروایا کرتا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ جب وہ ہوم ورک لکھتا ہی نہیں تھا تو پھر استاد کو چیک کیا کرواتا تھا ؟آپ حیران نہ ہوں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کرتا کیا تھا ۔وہ بازار سے نئی کی بجائے پرانی کاپیاں خریدتا جن کے صفات پہلے سے تحریر سے پُر ہوتے اور ان کو بدل بدل کر اور کبھی کبھی کسی ہم جماعت کی کاپی چوری کر کے اساتذہ کو چیک کروا دیتا، طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے اساتذہ کے پاس اتنا ٹائم نہ تھا کہ وہ بچوں کی کاپیاں غور سے دیکھ سکیں۔ اب بھی آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہو گی کہ پھر ہر مرتبہ وہ امتحان کس طرح پاس کر لیتا تھا۔ جناب عالی یہ بات بھی زیادہ حیران کن نہیں ہے

کیونکہ امتحانات کی نگرانی بھی وہی اساتذہ کیا کرتے تھے جو اس کو سال بھر پڑھایا کرتے تھے۔ میں آپکو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ انتہائی ذہین تھا اپنی ذہانت کو وہ پڑھنے کی بجائے بوٹی کرنے میں استعمال کیا کرتا تھا۔ سکول میں طلبہ اسے بوٹی ماسٹر کہا کرتے تھے۔ 8 سال تک وہ اپنی تیز ترین بوٹی کی وجہ سے پاس ہوتا رہا لیکن اسے پڑھنا لکھنا بالکل نہ آیا تو اس نے سوچا اس طرح تو وقت ضائع کرنے والی بات ہے ،جب پڑھنا لکھنا ہی نہیں ہے تو سکول جانے کا کیا فائدہ بس اس نے سکول چھوڑ دیا اور گھر والوں سے کہنے لگا کہ میں مزید نہیں پڑھ سکتا مجھے کام پر ڈال دیں میں کام سیکھوں گا۔ اس کے والدین کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ اس کو پڑھا لکھا کر کسی سرکاری نوکری پر لگوانا چاہتے تھے ۔ للہذا اس کے والدین نے آپسی مشورے کے بعد اسے چائے کے ہوٹل پہ یہ سوچ کر لگا دیا کہ شائد تنگ آ کر خود ہی سکول جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ لیکن ایسا نہ ہوا کچھ دن چائے کے ہوٹل پر کام کرنے کے بعد وہ کسی ٹرک ڈرائیور کے ساتھ شہر چلا گیا۔ کیونکہ وہ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں سے باہر نکلا تھا اس لیے شہر کا ماحول اس کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ تین دن بھوکا رہنے کے بعد اس نے مزدوروں کے ساتھ دہاڑی لگا کر شام کو کھانا کھانے کا اہتمام کیا جو خاصا مشکل لگا، اس نے سوچا کسی دفتر میں کوئی کام مل جائے تو آسانی ہو سکتی اگلے دن وہ سارا دن دفتروں میں کام تلاش کرتا رہا، اسے کسی کام میں مہارت نہ تھی، اور کچھ پڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا تھا، اُس پر شہر کے لوگ اس سے ناواقف تھے

لیکن انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود خوش قسمتی سے اسے ایک اخبار کے دفتر میں صفائی اور چائے پانی پلانے کی نوکری مل گئی ساتھ ہی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کیونکہ اخبار کے مالک نے اسے اس شرط پر نوکری دی کہ وہ رات کو دفتر میں ہی سویا کرے گا۔کچھ دن شہر میں گزارنے کے بعد اسے اپنے والدین تو یاد نہ آئے لیکن ہم جماعت بڑی شدت سے یاد آنے لگے خاص طور پر ان کا اسے بوٹی ماسٹر کہہ کرپکارنا بہت یاد آیا۔وہ واپس گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے اس نے سوچا کچھ ایسا کیا جائے کہ شہر کے لوگ بھی اسے بوٹی ماسٹر کہنا شروع کردیں۔بہت غور و فکر کے بعد اس نے فیصلہ کیا وہ اپنے نام کے بوٹی ماسٹر لگالے لیکن اس طرح اس کا نام بہت لمبا ہوجاتا تھا ۔قارئین محترم اس نام تھامیاں چندولال تولی، لہٰذا اس نے اپنا نام چھوٹا کرتے ہوئے میاں چندولال بوٹی کرلیا،اس طرح دفتر میں آنے جانے والے لوگ اسے چند ولال بوٹی کی بجائے بوٹی بوٹی کہہ کر پکارنے لگے ۔اس طرح اسے ایک سال اخبار کے دفتر کام کرتے گزر گیا،یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اخبارات کے دفاتر میں مشہور شخصیات کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔جن میں شوبزاور سیاست دانوں کثرت ہوتی ہے، مشہور لوگوں کو چائے پلا پلا کر اسے بھی مشہور ہونے کا شوق ہوگیا۔اس نے کوشش کی کہ اداکار بن جائے لیکن کامیاب نہ ہوسکا پھر اس نے سوچا سیاست دان بن کر مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں ، کوئی 6 ماہ بعد شہر میں بلدیاتی الیکشن ہونے والے تھے لہٰذا اس نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔بدقسمتی سے الیکشن قریب آئے تو کونسلر

کے اُمید وار کے لیے میٹرک کی شرط عائد کردی گئی۔اسے شدید مایوسی ہوئی اور اس نے آئندہ الیکشن سے پہلے میٹرک پاس کرنے کا ارادہ کرلیا۔4 سال تک وہ میٹرک کی کتابوں کے ساتھ ہاتھا پائی کرتا رہا لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آیا،پھر بھی آس نہ چھوڑی اور پرائیوٹ سکول میں میٹرک کی تیاری کرنے لگا۔اب الیکشن میں جو ایک سال باقی تھا وہ بھی فوراہی گزر گیا لیکن میٹرک کا نصاب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔خیر اس نے میٹرک کا امتحان دینے کے لے داخلہ جمع کروادیا،اب ہونا کیا تھا،عادت سے مجبور چندولال بوٹی نے ہمیشہ کی طرح میٹرک کے امتحان میں بھی بوٹی کرنے کی کوشش کی اور پکڑا گیا،میٹرک پاس نہ ہونے کی وجہ سے سیاست دان بننے کی تمناء بھی دم توڑ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا اخبار نکالے گا اور اس میں اپنی خبریں اور تصویریں چھاپ چھاپ کر مشہور شخصیات میں شامل ہوجائے گا۔اس طرح اس نے باقائدہ صحافتی میدان چھلانگ لگا دی اور چند ماہ بعد اپنے ایک دوست سے مل کرچلتا چلاتا اخبار خرید لیا،ماڑی قسمت معاملہ وہیں کا وہیں رہا کیونکہ اب اس کے پاس کوئی ایسی خبر نہ تھی جس میں روزانہ اپنا نام اور تصویر شائع کرسکے،کچھ دن پریشان رہنے کے بعد اس نے کالم لکھنے کا فیصلہ کیا اور لکھنے بیٹھ گیا،مہینہ بھر کالم لکھنے کی سرتوڑ کوشش کے بعد ناکام رہنے پر اسے بوٹی لگا کر کالم اپنے نام سے شائع کرنے کی سوجی تو اس نے پیج میکر سے کہا کہ روزانہ ایک کالم ڈھونڈ کر میری تصویر کے ساتھ شائع کیا کرو۔بس اس دن سے وہ مشہور ہونا شروع ہوگیا اور اب اس

کے اخبار کے قاری کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ چندولال بوٹی کا لکھا کالم نہ پڑھ لے۔ چندولال بوٹی تو مشہور آدمی بن کر بہت خوش ہے لیکن جن کالم نویسوں کے کالم وہ چوری کرتا ہے۔وہ چندولال بوٹی کو جن الفاظ میں یاد کرتے ہیں وہ بیان کرنا ممکن نہیں۔بد قسمتی سے راقم بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کالم چندولال چوری کرتا ہے۔کیا آپکو نہیں لگتا کہ آج صحافی.برادری میں بہت سے چندولال پیدا ہو چکے ہیں ؟جن کی وجہ سے آج صحافی.برادری بدنام ہوکے رہ گئی ہے۔اور اپنے آپ کو صحافی کہلوانے میں شرم محسوس کرتی ہے۔میں کالم نویسی کی دنیا کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے حکومت وقت سے مانگ کرتا ہوں کہ ان بدکردار لوگوں کے خلاف سخت سے سخت قانون سازی کرے جو قوم کو غلط اور بے بنیاد خبریں سناتے اور کالم چوری کرتے ہیں ۔مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد صحافی.برادری متحد ہو کر ان ناپاک لوگوں کو اپنی صفوں سے باہر نکال پھینکے گی۔اللہ تعالی ہمیں حق لکھنے ،پڑھنے ،کہنے ، سننے اور اس پر چلنے کی توفیق وطاقت عطا فرمائے (آمین)

انتخابات کا انعقاد مقررہ وقت پر ہی ہونا چاہیے

عین اس وقت جب عام انتخابات سر پر ہیں ڈاکٹر طاہر القادری کا کینیڈا سے واپس آ کر فوج اور عدلیہ کو انتخابی نظام کو آئین اور قانون کے مطابق بنانے کے لیے مشاورت میں شمولیت کی دعوت دنیا اور عام انتخابات ے تاخیر کی بات کرنا میری سمجھ سے باہر ہے۔اب ڈاکٹر طاہر القادری کے مطالبات کس حد تک پورے ہونے کے لائق ہیں اور پاکستان کے حکمران کس حد تک کرتے ہیں یہ تو وقت ہی بتائے گا لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ان کا کوئی ایک مطالبہ بھی پورا ہوسکے۔

ڈاکٹر صاحب نے حکومت کو تین ہفتوں کی مہلت دیتے ہوئے 10 جنوری تک انتخابی نظام کو عدلیہ، فوج اور تمام سیاسی جماعتوں کی مشاورت سے آئین و قانون کے مطابق تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا ہے جو کسی صورت ممکن نہیں جو حکومت سالوں مردم شماری نہیں کرواسکی وہ کس طرح تین ہفتوں میں پورا نظام تبدیل کرلے گی اور اس پر سوال یہ کہ ایسا کیوں کرے گی؟راقم کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے،اللہ کرے کہ تین ہفتوں میں انتخابی نظام آئین و قانون کے مطابق بنا دیا جائے تاکہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ 40لاکھ بھوکے ،ننگے ،ذہنی و جسمانی بیماراور بے روزگاروں کو اپنے گھر کا باقی ماندہ سامان فروخت کرکے پیدل اسلام آباد نہ

جانا پڑے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ان 40 لاکھ میں سے شائد چند ہزار ہی زندہ گھر واپس لوٹیں، شدید سردی کا موسم ہے اور اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ اگر اسلام آباد جانے کے لیے تن کے کپڑے بیچنے پڑتے ہیں تو بیچ دو، اب اگر کوئی شخص اپنے تن کے کپڑے بیچ کر اس سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے پاس چائے یا کافی بچے بغیر خود کو گرم رکھنے کے لیے کوئی مناسب بندوبست ہوگا۔ اور رہی بات جیب خرچ کی تو اس کے پاس تو جیب بھی نہیں ہوگی، خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عوام کے پاس بچے بھی تن کے کپڑے ہی ہیں اور وہ بھی زیادہ لنڈے سے خریدے ہوئے، جہاں تک بات ہے زیور اور برتنوں کی تو وہ عوام پہلے ہی شوکت خانم ہسپتال اور قرض اُتارو مہم کے وقت بیچ چکے اگر میری بات کا یقین نہیں تو عمران خان اور میاں نواز شریف سے پوچھ لیں ایسا ہوا تھا کہ نہیں؟ یا پھر اگر وہ دو پارٹیاں جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مک مکا کی بات کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو بھی مک مکا کرتے وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا موقع دے دیں اور مک مکا کا حصہ بنا لیں (جو کہ عین ممکن ہے) تو بھی ان 40 لاکھ افراد کی جانیں بچ سکتی ہے جو ان کے ساتھ اسلام آباد تک کا سفر کرنے جارہے ہیں۔ 14 جنوری بہت دور نہیں اگر زندگی رہی تو ہم دیکھیں گے کہ ڈاکٹر صاحب واقعی ہی قوم کو کسی انقلاب کی طرف لے جانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

اگر وفاقی وزیر اطلات قمر زمان کائرہ کے بیان کو دیکھیں تو ڈاکٹر طاہر القادری کو اسلام آباد کی تیاری کرنی چاہیے کیونکہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی باتوں کو دھمکی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ الیکشن وقت پر ہی ہوں گے ،ملک کے فیصلے سیاستدان کریں گے، عدلیہ اور فوج نہیں ،آئین و قانون کے خلاف کچھ قبول کیا ہے اور نہ ہوگا" وفاقی وزیراطلاعات تو کہہ رہے ہیں کہ آئین و قانون کے خلاف کبھی کچھ قبول ہی نہیں تو پھر ڈاکٹر صاحب انتخابی نظام کس آئین و قانون کے مطابق کروانا چاہتے ہیں؟اور اگر انتخابی نظام ہی آئین و قانون کے مطابق نہیں ہے تو پھر صرف 40 لاکھ افراد کو نہیں بلکہ 18 کروڑ عوام کو ڈاکٹر طاہر القادری کے ساتھ اسلام آباد کی طرف مارچ کرنا چاہیے کیونکہ اگر انتخابات ہی آئین و قانون کے مطابق نہ ہوئے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ منتخب ہونے والے لوگ آئین و قانون کی پاسداری کریں گے؟ یہ سچ ہے کہ پاکستان کے عوام کو اس وقت ایک نڈر، ایمان دار اور بااُصول رہنماء کی ضرورت ہے اگر ڈاکٹر طاہر القادری اپنی غیر ملکی شہریت کے تمام کاغذات جلا کر پاکستان کے عوام کے درمیان جینے مرنے کا وعدہ اور بغیر سیکیورٹی عوام کے ساتھ لاہور سے پیدل اسلام آباد تک مارچ کا اعلان کریں تو مجھے یقین ہے کہ 40 لاکھ کی بجائے کروڑوں لوگ ان کے ساتھ چلیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت زیادہ نظریاتی اختلافات کے باوجود میں بھی ان کے ساتھ مارچ میں حصہ لوں گا لیکن اگر عوام اپنے تن کے کپڑے بیچ کر سخت سردی میں پیدل سفر کریں۔

ڈاکٹر صاحب اپنی بلٹ پروف گاڑی میں سیکیورٹی کے ساتھ ملین مارچ کی قیادت کریں تو پھر مجھے نہیں لگتا کہ 40 لاکھ افراد اس مارچ میں حصہ یں لگے۔ جہاں تک بات ہے فوج اور عدلیہ کو نگران سیٹ اپ میں شامل کرنے کی تو میرے مطالعہ کے مطابق آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ فوج کسی بھی طرح حکومت کا حصہ بنے۔ جہاں تک بات ہے عام انتخابات میں تاخیر کی تو میری رائے میں انتخابات کا انعقاد مقررہ وقت پر ہی ہونا چاہیے۔ اگر خُدانا خواستہ عام انتخابات میں تاخیر ہوئی تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ملک میں جمہوری حکومت تھی نہ آئندہ آسکتی ہے۔ ایسے وقت میں جب دہشتگردی، مہنگائی اور بے روزگاری کی چکی میں پسے عوام ساری اُمیدیں آنے والے، عام انتخابات سے وابستہ کئے بیٹھے ہیں، انتخابات میں تاخیر عوامی حلقوں میں مزید مایوسی کا سبب بنے گی۔ مزید مایوسی کا مطلب خطرے کی گھنٹی، آخر میں ڈاکٹر القادری سے عوامی امنگوں کے عین مطابق ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگران کے جلسے پر کروڑوں خرچ ہو سکتے ہیں تو عوام کو اپنے تن کے کپڑے بیچنے کا مشورہ کیوں۔

فحاشی، قابل شرم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھہ نے فرمایا "جب لوگ زنااور شراب نوشی بے باکی سے کرتے ہیں اور گانے بجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو آسمان پر غیرت آتی ہے اور زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلاڈال یعنی زلزلہ آتاہے (ابن ماجہ)" اگر اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زنا، شراب نوشی اور گانا بجانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ناپسندیدہ اعمال ہیں اور اگر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ تینوں خرابیاں کثرت سے پائی جاتیں ہیں ۔ نتیجتاً زلزلے اور طوفان بھی آتے رہتے ہیں۔

لیکن مجھے قوی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر بھی اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے اور جتنے گناہ ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اُس قدر عذاب نازل نہیں ہوتے۔ جس کا اندازہ آپ بھی آسانی سے لگا سکتے ہیں کیونکہ آج بے حیائی و بے غیرتی کا دائرہ صرف شہروں تک محدود نہیں رہا بلکہ دور دراز کے دیہاتوں اور قصبوں تک پھیل چکا ہے۔گاؤں کے لوگ جو پہلے پہل کیبل اور ناچ گانے کے خلاف تھے آج ان کے گھروں میں صرف کیبل ہی نہیں بلکہ موبائل، mp4 ,mp3 پلئیرز کے ذریعے فحش گانے اور فلمیں تقریباً گھر کے ہر فرد کی جیب میں موجود ہیں۔آج سے 4 سال پہلے

کی بات ہے کہ میرے ایک عزیز نے مجھے فون کرکے فوراً اپنے گاؤں اس لیے بلایا کہ وہاں کچھ لوگ کیبل نیٹ ورک چلانا چاہتے تھے۔

جبکہ گاؤں والوں کی اکثریت کیبل کے خلاف تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے گاؤں میں کیبل نیٹ ورک نہ چلے جس کے لیے انہیں میری مدد درکار تھی۔ میں ان کے گاؤں پہنچا تو وہاں تمام گاؤں والے ایک بڑی حویلی میں جمع تھے اور ان لوگوں کے ساتھ مذاکرات جاری تھے جو گاؤں میں کیبل نیٹ ورک چلانے کے لیے حکومت سے باقاعدہ لائسنس لے چکے تھے۔ کوئی 10 گھنٹے تک مذاکرات جاری رہنے کے بعد بھی جھگڑا ختم ہوا اور بات تھانے کچہری تک پہنچ گی۔ قصہ مختصر کہ آخرکار گاؤں والوں نے اس شرط پر کیبل نیٹ ورک چلانے کی اجازت دے دی کہ اس پر انڈین، انگلش فلمیں، سٹار پلس سمیت تمام انڈین چینل اور سٹیج ڈانس جسے آج کل مجرے کے نام سے جانا جاتا ہے نہیں چلیں گے اور زیادہ سے زیادہ اسلامی چینل چلائے جائیں گے مزید شرط یہ عائد کی گئی کہ جب تک کسی گھر کا بڑا اجازت نہ دے دے تب تک کسی چھوٹے کے کہنے پر کیبل کنکشن نہیں دیا جائے گا۔ کیبل نیٹ ورک والوں نے یہ ساری شرائط قبول کرلیں اور چند دنوں میں کیبل نیٹ ورک چلا کر کنکشن دینا شروع کردیے۔ کوئی 4 سال بعد میں اس عزیز کے گھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے چار بیٹوں کے چاروں کمروں میں علیحدہ، علیحدہ ٹیلی ویژن ہیں اور اس کے کمرے میں علیحدہ سے چل رہا ہے۔

جبکہ ان میں سے کسی ایک پر بھی اسلامی چینل نہیں چل رہا تھا۔ کسی نے سٹار پلس چلا رکھا تھا، کسی نے انڈین فلم اور زیادہ میں سٹیج ڈانس یعنی مجرے چل رہے تھے۔ جب میں نے حیران ہو کر اسے یہ پوچھا کہ بھائی آپ تو ان ساری چیزوں کے خلاف تھے تو کہنے لگے یار اب تو ہر طرف چل رہا ہے یہ سب کچھ ۔ قارئین محترم یہ حالت تو ایک گائوں کی ہے لیکن شہروں کی حالت اس سے بدتر ہے۔ ہماری نوجوان نسل میوزک کی اس قدر دلدادہ ہو چکی ہے کہ دن ہو یا رات ، سوتے جاگتے ، دورانِ سفر، گھر میں سکول و کالج میں کام ہو یا فرصت ہر وقت میوزک چلتا رہنا چاہئے یہاں تک کہ نوجوان، نسل کو باتھ روم کے اندر بھی میوزک کی ضرورت پڑتی ہے ، سنا ہے کہ پرانے وقتوں میں ڈانس یعنی مجرہ کرنے والی عورتوں کو طوائف کہا جاتا تھا اور وہ اپنے گھروں یعنی خاص مقامات پر ہی مجرہ کیا کرتی تھیں اور جو لوگ ان کا مجرہ دیکھنے سننے کی خواہش رکھتے وہ اپنے گھر والوں سے چوری اور جھوٹ بول کر ایسے مقامات پر جایا کرتے اور آتے جاتے راستے میں کسی کپڑے سے اپنا منہ چھپائے رکھتے کہ کوئی انہیں پہچان نہ پائے۔ مطلب کہ بے حیائی کا کام کرتے وقت لوگ شرم محسوس کیا کرتے تھے ۔ لیکن بدقسمتی سے آج مجرہ کرنے والی عورتوں کو اداکار کہا جاتا ہے اور وہ کسی بھی مقام پر مجرہ کرنے چلی جاتیں ہیں۔ معاشرے میں شرم وحیا کا حال یہ ہے کہ لوگ

اپنے گھروں میں شادی بیاہ، سالگرہ اور دیگر تقریبات کے موقعوں پر خصوصی طور پر ناچ گانے یعنی ناچنے والے مرد و عورتوں کو بلوا کر مجرے کا اہتمام کرتے ہیں۔اور ماؤں بہنوں کی موجودگی میں مجرہ کرواتے ہیں۔اس طرح ہماری نئی نسل کو اس بات کا علم ہی نہیں رہا کہ بے حیائی کرنے والے تمام اعمال قابل فخر نہیں بلکہ قابل شرم ہیں۔ کتنے بے قوف ہیں ہم جو اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت اور تہذیب و تمدن سکھا کر شرم و حیا کا پیکر بنانے کی بجائے بے شرمی و بے حیائی اور شراب نوشی پر فخر کرنے کا عادی بنا رہے ہیں۔ یہی ماحول ہے جو نہ صرف ہماری دنیاوی زندگیوں میں تباہی و بربادی کا سبب بن رہا ہے بلکہ ہمارے لیے روز آخرت بھی قابل شرم و سزا ثابت ہوگا۔ قارئین محترم آپ کو نہیں لگتا کہ ہم اپنے بچوں کو بے حیائی والا ماحول اور ساز و سامان فراہم کرکے اُن کو زلزلوں اور طوفانوں کی وراثت دے رہے۔

نیا سال، پرانے عہد

راقم کی طرف سے پوری دنیا کے انسانوں خاص طور اہل پاکستان کو نیا سال مبارک ہو۔ بہت سی نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ آپ کی خدمت پیش ہیں معلومات سے خالی لیکن اُمید بھرے خیالات۔ سال 2012 اپنی آخری سانسیں لے کر دم توڑ چکا ہے۔ جہاں سال 2012 ہمارے لیے بہت سی تلخ یادیں چھوڑ گیا جن میں بے انتہا مہنگائی، دہشتگردی، بدامنی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری وغیرہ وغیرہ ہیں وہیں 2013 کے شروع ہوتے ہی تاریخ کی پہلی جمہوری حکومت اپنی آئینی مدت پوری کرکے آنے والے زمانوں کے لیے مثال بن جائے گی۔ بیشک اس جمہوری حکومت نے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا اور بہت سے نشیبو فراز دیکھے، بے شک جمہوریت کے ان پانچ سالوں میں عوام کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔

پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور حکومت میں بہت زیادہ کرپشن اور عوام بد حال سے بد حال ہوئی لیکن ایک بہت بڑا فائدہ بھی ہوا وہ یہ کہ اب عوام اب یہ حق رکھتی ہے کہ وہ جسے چاہے منتخب کریں، موجودہ جمہوری حکومت نے پانچ سالہ آئینی مدت پوری کر کے اس بات کی بنیاد رکھ دی ہے کہ اب عوام کے منتخب نمائیدوں کو کام کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اب گیم عوام کے ہاتھوں میں ہے

کہ وہ اپنے لیے کس قدر بہتر حکمران منتخب کرتی ہے۔ لیکن اگر اس بار پھر عوام نے بغیر سوچے سمجھے غلط لوگوں کو ووٹ دے دیا تو پھر شائد یہ وقت دوبارہ نہ آئے۔ ہم پہلے غلط لوگوں کو ووٹ دے کر خود منتخب کرتے ہیں اور پھر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ظالم حکمران کہاں سے آتے ہیں۔ ظالم حکمران کہاں سے آتے ہیں، اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت کسی بھی مسلمان کو نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا کہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران مسلط ہوں گے۔

کیا ہم صرف نام کے مسلمان ہیں، آج ہمارے بہت سے اعمال ایسے ہیں جو ہمیں مسلمان ثابت کرتے ہیں لیکن ہم ان کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی کرتے ہیں جن کے کرنے سے ہمارے وہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جو ہمیں وباؤں یعنی بیماریوں، قحط و مصیبت، ظالم حکمرانوں، غیر مسلم دشمنوں اور آپسی لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں بیٹھ کر حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنے یا یہ سوچنے سے کہ ظالم حکمران کہاں سے آتے مصیبتوں سے جان نہیں چھوٹتی۔

کیونکہ ظالم حکمران نہ تو آسمان سے گرتے ہیں، نہ زمین کھود کر نکالے جاتے ہیں، نہ سمندروں کی گہرائیوں سے دریافت ہوتے ہیں، نہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتے ہیں اور نہ ہی کوئی خلائی مخلوق ہیں۔ یہ ظالم حکمران بھی ہمارے طرح

ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں اور یہ پیدائشی ظالم بھی نہیں ہوتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ ظالم کس طرح بن جاتے ہیں؟ کیا کوئی سکول، کالج یا یونیورسٹی ہے جو ظلم و جبر کی تربیت دیتی ہے ان کو؟ اگر انسان اپنی ناقص عقل سے ان سوالات کے جوابات مانگیں گے تو ان سوالات کے جوابات ملنے کی بجائے بہت سے اور سوالات جنم لیں گے جو ہمیں گمراہی کی طرف بھی مائل کر سکتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے مسلمان اپنے دین اسلام سے ان سوالات کے جوابات مانگ لیں اور اگر غیر مسلم بھی اسلام سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو اسے بھی کھلی چھٹی ہے۔

وہ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور محبوب نبی حضرت محمد کو دو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اسلام نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کے حقوق کا نگہبان ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں اور وہ تمام اعمال بھی باقائدگی کے ساتھ دہراتے رہیں جن سے میرے اور آپ کے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پناہ مانگی تو پھر ہم صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں پانچ چیزوں سے کہ تم ان کو پاؤ۔ جب کسی قوم میں فحاشی (یعنی شراب نوشی بدکاری ناچ گانا وغیرہ) اعلانیہ ہوں گے تو وہ طاعون یعنی

وباؤں اور ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو گی جو ان سے پہلے لوگوں میں کبھی نہ ہوئی تھیں۔
جب کوئی قوم ناپ تول یں کمی (یعنی تجارتی بدعنوانیاں، چوربازای وغیرہ) کرے گی تو ان میں قحط مصیبت اور ظلم ہوگا۔ جو کوئی قوم زکواۃ نہیں دیتی تو اللہ تعالیٰ ان پر بارانِ رحمت روک دیتا ہے، اگر جانور نہ ہوں تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی۔
جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیر قوم سے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیتا ہے جو ان کے مال (یعنی دولت، تجارت اور زرعت وغیرہ) کو زبردستی چھین لیتا ہے۔ جب مسلمان حاکم اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم) پر عمل نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں) کرتے (شریعت نافذ نہیں کرتے) تو اللہ تعالیٰ ان میں لڑائی کرا دیتا ہے (یہاں تک کہ خانہ جنگی ہو جائے) قارئین محترم اگر ہم غور کریں تو یہ تمام برائیاں آج ہمارے معاشرے موجود ہیں اور وہ تمام مشکلات بھی موجود ہیں جن کے بارے میں اللہ اور اُس کے رسول نے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ اگر ہم ان مشکلات (یعنی عذاب الٰہی) سے بچنا چاہتے ہیں تو پھر نئے سال کو غیر اسلامی طریقوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر خوش آمدید کہنا چاہیے۔

کم از کم مسلمانوں کو ہیپی نیو ایئر نائٹ زنا، ناچ گانا، شراب نوشی ، ہوائی فائرنگ اور نشے کی حالت میں اپنے ہی قومی اثاثوں کی توڑ پھوڑ کرکے نہیں منانی چاہے اور یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عہد شکنی نہیں کریں گے۔ سال نیا ہے ہمارے عہد پرانے ہیں جو ہمیں روز قیامت تک نبھانے ہیں لین دین میں ایمان داری سے کام لیں گے ،ناپ تول پورا کریں گے ، زکواۃ دیں گے، شراب نوشی،زنا کاری اور ناچ گانے سے دور رہیں گے ،اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق وطاقت اور حقیقی مسلمان قیادت عطا ہو (آمین

زندگی ہمیں گزاتی ہے

مجھے بچپن سے ہی سردہ کا موسم بہت پسند ہے۔ لیکن اس بار سردی کا موسم بھی کچھ اُداس اُداس ہے۔ملک کے حالات کس کروٹ بیٹھتے ہیں کوئی سجمھ نہیں آرہی ۔ قوم نے پانچ سال شدید مشکلات میں صرف اس لیے کاٹے کہ جمہوریت بحال ہوسکے۔لیکن عین انتخابات کے وقت انتخابات کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والے پتا نہیں کہاں سے آگئے ہیں؟آج میرا موڈ کچھ غیر سیاسی ہے اس لیے اپنی موضوع کی طرف واپس آتا ہوں بات چلی تھی موسم سے تو موسم چاہے کوئی بھی ہو سردی یا گرمی اچھا یا.برا لگنے کا انحصار صرف زندگی پر منحصر ہے اگر دل ودماغ اور جسم تندرست و توانا ہیں تو سبھی موسم اچھے ہیں وگرنہ سردی اچھی نہ گرمی اور نہ موسم بہار اچھا لگتا ہے۔زندگی ایک حقیقت ہے۔انسان زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔انسان اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت کے ذریعے اچھا اور کامیاب انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی محنت سے زندگی کو کامیاب طریقے سے گزار سکتے ہیں۔اس بات کی سچائی میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ محنت کرتے ہیں وہ معاشرے میں باعزت اور باوقار طریقے سے جیتے ہیں ۔لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ انسان جیسا جیسا سوچتا ہے اور کرنا چاہتا ہے زندگی میں سب ویسا ویسا نہیں ہوتا ہم رات کو یہ سوچ کر سوتے ہیں کہ صبح سویرے سیر

کرنے پارک جائیں گے لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی کسی دوست کسی عزیز کا فون آ جاتا ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس لیے ہسپتال جانا ہے فوراً ہی چلے آؤ۔اب رات کو سوتے وقت ہم نے یہ سوچا تھا کہ صبح سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن قدرت کو ہسپتال جانا منظور تھا۔مجھے لگتا ہے جیسے انسان زندگی نہیں بلکہ زندگی انسان کو گزارتی ہے ۔اگر ایسا نہ ہوتوانسان اور زیادہ خود سر ہوجائے ۔انسان جو کچھ سوچتا ہے اگر سب ویسا ہونے لگے توپھر انسان کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو تسلیم نہ کرے ۔انسان کی فطرت ایسی ہے جب دنیاوی مشکلات میں گر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتا ہے لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مشکلات کم ہونے لگتی ہیں انسان کے رابطے اللہ تعالیٰ سے کم ہونے لگتے ہیں ۔یہی انسان کے نا بالغ ہونے کی دلیل ہے۔ جس معاشرے میں صبر کرنے کی صلاحیت نہیں اس معاشرے میں حقیقی بلوغت نہیں ہے ۔جس معاشرے میں حقیقی بلوغت ناپید ہوجائے اس معاشرے میں انسانی اقدار کی پامالی معمول بن جاتی ہے ایسے معاشرے میں انسان کی قدروقیمت کم اور نفسانی خواہشات کی زیادہ قدر ہوتی ہے ۔بلوغت دو قسم کی ہے ۔جسمانی اور باطنی و حقیقی ۔جسمانی بلوغت سولہ سال کی عمر پر ہوتی ہے ۔جسمانی بلوغت سے تو سب ہی واقف ہیں ۔لیکن بد قسمتی سے حقیقی بلوغت کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں ۔بمشکل دو فیصد لوگ ہی حقیقی بلوغت کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں ۔میرے خیال میں ذہنی و حقیقی بلوغت سے واقفیت اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنی

مخلوق کے لیے آسانیاں فرماتا ہے۔ خوش قسمتی سے ذہنی فکری بلوغت کے لیے عمر کی کوئی بھی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ ذہنی و فکری بلوغت خالصتاً اسلامی ذہن کی تشکیل سے ہوتی ہے۔ (یہ کالم امتیاز علی شاکر نے لکھا ہے اگر آپ کسی اور کے نام سے پڑھ رہے ہیں تو یہ صاحب کالم چور ہیں) یاسلام میں جسمانی بلوغت کافی نہیں بلکہ روحانی بلوغت بھی ضروری ہے۔ بے صبری اور بے قراری تو بچپنے کی نشانیاں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ذہنی اور فکری طور پر نا بالغ ہے۔ ذہنی طور پر نا بالغ انسان بچوں اور حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ اس میں ذہنی اور فکری صفات مفقود ہوتی ہیں۔ کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ اس چیز کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہ ہو۔ ایسے انسان میں نفسانی خواہشات کے سوا کوئی اور تقاضا نہیں ہوتا حالانکہ خواہشات کی پیروی کا انجام عارضی مسرت اور بعد ازاں بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خوشی تو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن گناہوں کا غم طویل مدت تک باقی رہتا ہے غربت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی بہت یاد آتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمدؐ نے غربت کو پسند فرمایا ہے۔ دنیا کا مال دولت انسان کو حق سے دور کر دیتا ہے۔ دولت کے نشے میں انسان اپنے ارد گرد بسنے والے غریب لوگوں کو کم تر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ خاص طور پر سود کو اسلام میں بہت زیادہ نا پسند کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں) سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے)

کسی کو جن نے لیپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا) ہے اور سود کو حرام (قرار دیا ہے)۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے) سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے ۔ سورۃ البقرہ: ۲۷۵ اس طرح انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت نہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری کائنات کی مخلوقات سے بہتر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اس کی اصلاح کی خاطر اپنے پیغمبر بھیجے اور آخر میں سب پیغمبروں کے سردار حضرت محمدؐ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر ہماری اصلاح کے لیے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ علم عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبیؐ نے اپنی ساری زندگی عمل کر کے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک سانس لینا بھی غفلت میں شامل ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم خود کو سرکار دو عالمؐ کا امتی کہتے ہیں لیکن قدم قدم پر جھوٹ بولتے ہیں۔ مسلمان اہل ایمان کی بجائے کفار کو اپنا عزیز رکھتے ہیں۔ بیگناہوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ سود کا کاربار کھلے عام کرتے ہیں۔ حق کی گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔ حرام مال کماتے ہیں۔ خود اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ الغرض کہ ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے اللہ

تعالی اور اللہ تعالی کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اُہ خدایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ تعلیم ہے؟

یہ آواز میرے دِل کے پردوں کو چیرتی ہوئی نکلی جب میں نے ایک اخبار میں شائع ہونے والی خبر اور تصویر کو دیکھا۔ کہ ایک اچھی یونیفارم میں ملبوس طالب علم گویا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بہت ہی اچھے ادارے کا طالب علم ہے اور وہ بس کے انتظار میں بس سٹاپ پر اپنا بیگ زمین پر رکھ کر بڑے ہی اطمینان سے اس بیگ پر بیٹھا ہوا تھا گویا کہ یہ کتابوں کا بیگ نہیں اس کی آرام دہ کرسی ہو۔ میں بحثیت استاد اپنے اندر ہی اندر شرم کے سمندر ریں ڈوب گیا اور میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا آج کا نوجوان ایسی تعلیم حاصل کر رہا ہے؟ جسے اس کی قدر و منزلت کا ہی نہیں پتہ ، میں نے خود سے کہا اس طالب علم سے اچھا شخص تو وہ دوکاندار ہی ہے جو کہ اپنے سامنے رکھے ہوئے میز پر نہ خود بیٹھتا ہے نہ کسی کو بیٹھنے دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا یقین ہوتا ہے یہ میری روزی کا اڈا ہے اور یہ ایک پاک جگہ ہے جس کے ذریعے اللہ پاک مجھے روزی دیتا ہے۔ پر آج کا طالب علم بیگ کو کیا عزت دیتا ہے۔ یہ شعر آج اس قوم کی تعلیم کی عکاسی کرتا ہے۔

حیرت ہے کہ تعلیم وترقی میں ہیں پیچھے
آغاز جس قوم کا اقراء سے ہوا تھا

یہ تو ہمارا پاکستانی طالب علم ہے اور اب میں آپکو انڈونیشیاء کے ان بچوں کا حال بتاتا ہوں جو روزانہ بلاناغہ دریا عبور کرکے اپنے اسکول پہنچتے ہیں۔ تو کچھ کے والدین انہیں گاڑی پر اسکول چھوڑنے آتے ہیں لیکن انڈونیشیاء کے جزیرے ساترا کے ان ننھے بچوں کا کیا کہیے ،جو اپنے اسکول تک آنے کیلیے دریائی راستہ عبور کرتے ہیں۔ دریا (Suranth) کے کمر تک آتے پانی کے درمیان یہ بچے روزانہ اپنا اسکول یونیفارم اور بستہ سر سے اونچا کرکے 25 میٹر طویل راستہ طے کرتے ہیں۔ دریا کنارے پہنچنے کے بعد یہ بچے اپنا یونیفارم تبدیل کرکے اسکول کیلیے رواں درواں ہوجاتے ہیں کہتے ہیں ارادہ پختہ ہو تو بڑی سے بڑی مشکل بھی آسان وجاتی ہے۔ اور شاید یہ بچے بھی اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جب ہی تو انہوں نے بہتے دریا کو کبھی اپنی تعلیم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

انڈونیشیاء کے ایسے بچوں کیلیے ہی تو ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا

ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے

انڈونیشیاء کے ان بچوں کو کسی مشکل کی پرواہ نہیں ہے تب ہی تو وہ روزانہ

بلاناغہ دریا عبور کرکے تعلیم حاصل کرنے کیلئے جاتے ہیں۔ میری بات تو اپنے ملک سے دوسرے ملک تک جا پہنچی میں واپس اپنے ملک ہی آتا ہوں۔ اس تصویر کے نیچے شائع ہونے والی تحریر کچھ اس طرح تھی۔انسان کو جہالت اور حیوانی رویوں سے نجات دلا کر علم اور شعور میں لانے والی کتابوں کا احترام بھی ضروری ہے کتابوں سے بھرے بستے پر بیٹھا طالب علم والدین اور اساتذہ کی تعلیم وتربیت پر سوالیہ نشان ہے۔۔۔۔؟ لیکن یہ آج کا کونسا نوجوان ہے؟؟؟ یہ نوجوان تو وہ طالب علم ہوا کرتے تھے کہ جو استاد کی جوتیاں اٹھانے میں بھی آپس میں جھگڑتے تھے یہ تو وہ طالب علم ہوا کرتا تھا جو استاد کے ہاتھ پکڑ کر چلنے سے اپنے پاؤں میں جوتے پہننے بھول جایا کرتا تھا یہ تو وہ طالب علم تھا جو میلوں دور اپنے گھوڑے سے اتر کر اپنے استاد صاحب سے پڑھنے جایا کرتا تھا تاکہ استاد کی شان میں گستاخی نہ ہوجائے دراصل بات یہ ہے کہ ان نوجوانوں کو تعلیم کے اصل مطلب کا پتہ تھا لیکن آج کا طالب علم کیا صرف ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے؟؟؟ یہ تصویر دیکھ کر ہم سب کو جو شرمندگی اٹھانی پڑی ہے اس سے بچنے کیلئے ہم سب کو بچوں کی تعلیم سے بھی پہلے دو چیزوں پر گہری توجہ دینی پڑے گی ''نشوونما''اور ماحول''اگر ہم بچوں کی نشوونما اور ماحول پر سبقت حاصل کرلیں تو ہم بچوں کو تعلیم'' کے اصل معانی سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ نشوونما اور ماحول ہی تو بچوں کو بگاڑتا اور سنوارتا ہے نہ کہ تعلیم............. میں انہیں دُعایاں کلمات سے اپنی

بات کا اختتام کرتا ہوں۔

لُب پہ آتی ہے دُعا بن کر تمنا میری
عِلم کی شمع سے ہو مُجھ کو محبت یا رب

تحریر محمد نعمان نعیم کاہنہ نو لاہور کینٹ

عورت کا مقام

آج خواتین کے حقوق کی جنگ تو بہت سے خواتین و مرد لڑ رہے ہیں لیکن اصل بات کم ہی لوگ کرتے ہیں خاص طور پر خواتین۔ جدت اور فیشن پسندی نے آج کی عورت کی آنکھوں پر فحاشی و جہالت کی پٹی باندھ دی ہے۔ جس کی وجہ سے آزاد خیالی نے جنم لیا اور عورت بڑی تیزی اپنے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کو دور جہالت کی طرف لے جارہی ہے۔ میرے نزدیک بننا سنورنا، صاف ستھرا اور خوبصورت لباس پہننا فحاشی یا بے حیائی نہیں لیکن عوت ہو یا مرد انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ بنتا سنورتا ہے تو اس کا دل کرتا ہے کہ دوسرے اس پر گہری نظر ڈال کر دیکھیں خاص طور پر مخالف جنس بس یہی چیز بے حیائی اور فحاشی کا سبب بنتی ہے۔

عورت کو بننے سنورنے کا حق ہے لیکن نمائش کا نہیں اگر عورت گھر میں رہتی جہاں غیر محرم مردوں کا آنا جانا نہیں ہے تو خوب بنے سنورے اور جب کسی مقام پر غیر محرم لوگوں کی موجودگی پائے تو نہ صرف اپنے جسم کا بلکہ نیت، آنکھوں، کانوں اور زبان کا ٹھیک اس طرح پردہ کرے جس طرح اسلام نے اسے درس دیا ہے۔ جہاں تک بات ہے خواتین کے حقوق کی تو انہیں حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دین کے بعد اہم ترین کردار عورت کو ہی ادا کرنا ہوگا، کیونکہ زیادہ تر

عورت ہی عورت پر ظلم کرتی ہے۔

شائد میری بہنوں کو میری کوئی بات ناگوار گزرے اس لیے یہاں اپنی ایک بہن کے لکھے الفاظ رقم کرتا چلوں "کراچی سے شائع ہونے والے ایک روزنامے میں بہن شیبا شیخ لکھتی ہیں کہ عورت ایک بہت ہی پیارا نام ہے جو کہیں ماں توجنت، بیوی تو عزت، بہن، بیٹی تو بہت نازک اور محبت بھرے رشتے، اگر کزن، خالہ، پھوپھی تو دوستی اور محبت کرنے والی دوستوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عورت پر بہت ظلم ڈھائے جاتے ہیں کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ ظلم کرنے والے ہوتے کون ہیں؟ ان میں زیادہ تر ظلم کرنے والی خود عورتیں ہی ہیں۔

تو یہ عورت بیک وقت دو کردار کیوں رکھتی ہے؟ ایک طرف تو وہ نہایت نرم دل شفیق ماں ہوتی ہے تو دوسری طرف ایک انتہائی سخت مزاج ساس ہوتی ہے۔ بہن شیبا شیخ مزید لکھتی ہیں کہ اگر خدانخواستہ کوئی عورت جلتی ہے تو اسے جلانے والی بھی تو ایک عورت انتہائی سخت مزاج ساس ہوتی ہے۔

مختصر کہ شیبا شیخ لکھتی ہیں کہ گھر کو جنت بھی عورت بناتی ہے اور دوزخ بھی عورت ہی بناتی ہے۔ عورت اگر اپنے بچوں کی اچھی پرورش کرے تو بچے اچھے اور کامیاب انسان بنتے ہیں اور معاشرے میں باوقار اور مثبت انداز میں زندگی

بسر کرتے ہیں جبکہ اگر عورت اپنے بچوں کی پرورش اچھے انداز میں نہ کرے تو وہ چرسی، شرابی، جواری، چور اور ڈاکو ہی بنتے ہیں جو نہ اپنے والدین اور معاشرے کے لیے شرمندگی کا باعث بنتے ہیں بلکہ ملک و قوم کے لیے بھی کوئی مثبت رول پلے نہیں کرپاتے شیبا بہن نے عورت کے ماں، بیوی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے محبت بھرے رشتوں کی" تعریف بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔

میں تو فقط یہی جانتا ہوں کہ اگر میں ساری زندگی بھی ان محبت بھرے رشتوں کی تعریف کرتا رہوں تو یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا، میرے الفاظ تو ختم ہو سکتے ہیں لیکن ان رشتوں کی تعریف مکمل نہیں ہوسکتی۔ انسانی خاص طور پر مسلم معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہے؟ ہر باشعور انسان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ بڑی قابل عزت ہستی ہے۔ اسلام نے عورت کو کس قدر عزت دی ہے اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عورت (ماں) کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام کلی مساوات اور عدل وانصاف کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد و عورت 'مذکر، مونث اور نر ومادہ میں تفریق نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر عمل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا کہ عدل کرو یہی بات

تقویٰ سے نزدیک ہے "لڑکی کو لڑکے سے کمتر سمجھنے کی غلط ذہنیت کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس آدمی کے گھر دو لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ جوان ہو جائیں تو ان کا نکاح کرے تو ایسا آدمی بالکل اسی طرح میرے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں (ترمذی) راقم جیسے گناہ گار شخص کو جنت کی تو خاص طلب نہیں لیکن اگر سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ ملے اور وہ بھی اس قدر سستے داموں تو کون کم بخت ہے جو ایسی جنت نہ خریدے ؟ اسلام سے پہلے اہل عرب بیٹی کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔

اول تو بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے یا پھر جب بیٹیاں چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں تو باپ انھیں کسی بہانے سے جنگل میں لے جاتے اور کسی گڑھے میں پھینک کر مٹی میں دفن کر دیتے۔ اہل عرب کا یہ ظالمانہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا ناگوار گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اور جب اس لڑکی جو زندہ دفن کر دی گئی ہو پوچھا جائے گا

کہ وہ کس جرم میں ماری گئی ۸۔۹" یہاں پوچھنے کا مقصد اس بچی کی گواہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔

یقیناً بچی گواہی دے کہ وہ تو معصوم تھی اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ جرم کیا ہے۔ اہل یونان کی طرح اہل عرب معاشرہ میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔ لونڈیاں اور غلام بازار میں عام جانوروں کی طرح بیچے جاتے تھے۔غلام کی قیمت ادا کرنے والے آقا اپنے غلاموں سے طرح طرح کے کام لیتے اور ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ایسے جاہل معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہو سکتا تھا۔ اہل شعور یہ بات.بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ میں اس دور میں موجود نہ تھا اس لیے اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔

میرے خیال کے مطابق دور جہالت میں عورت صرف ایک جسم تھی جس کی کوئی قیمت بھی نہ تھی اور اسے اپنی ہی زندگی پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔جیسے کوئی بھیڑ یا بکری پالنے والا جب چاہے جہاں چاہے باندھ دے،جب چاہے جسے چاہے بیچ دے اور جب چاہے ذبح کر دے۔

عورت دور جہالت میں عرب اور یونانی معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔جاہل لوگ بیٹیوں کو عار سمجھ کر پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے۔ایک مرد جتنی عورتوں سے

چاہے شادی کرلیتا۔ باپ کی بیوہ ورثے میں بڑے بیٹے کی داشتہ بن جاتی، عورت کے لیے اس معاشرے میں کوئی عزت واحترام نہ تھا۔ عورت کا مقام پالتوں جانور سے بھی کمتر تھا۔ جاری ہے۔

صحافتی اداروں پر پابندیاں کیوں ؟

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو زرد صحافت تو نظر آتی ہے لیکن پیلی اور کالی کینسر زدہ سیاست نظر نہیں آتی۔ صحافی تو سوتے جاگتے پریشان رہتے ہیں کہ اپنی صفوں میں شامل کالی بھیڑوں یعنی زرد صحافت کے علمداروں کا صفایا کس طرح کیا جائے۔ جن کی وجہ سے آج ہم اپنے آپ کو صحافی کہلانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ راقم نے ابھی چند دن قبل ہی چندولال بوٹی کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں زرد صحافت کی پرزور مذمت کی تھی۔ مطلب کہ صحافی برادری کو اس بات کا احساس ہے کہ کچھ لوگ صحافت کے نام پر اپنی دکان داری چمکاتے ہیں، یہ صحافی نما دکان دار صرف صحافت کے نام پر ہی نہیں بلکہ پوری قوم کے نام پر بدنما دھبہ ہیں۔
لیکن مجھے یہ بات کہنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں کہ زرد صحاف کو فروغ دینے میں بھی کرپٹ سیاست دانوں اور جرائم پیشہ عناصر کا ہی ہاتھ ہے۔ آپ جس جگہ بھی رہتے ہیں اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں آپ کو راقم کی بات کا ثبوت مل جائے گا۔ جہاں بھی کوئی زرد صحاف کا علمدار موجود ہے اسے کسی نہ کسی بڑی سیاست دان یا جرائم پیشہ افراد کی پشت پنائی حاصل ہو گی یا رشتہ داری ہو گی، یہ صحافت کے خلاف سیاستدانوں کی سوچی سمجھی سازش ہے کہ حق اور سچ بیان

کرنے والے صحافیوں کو کمزور سے کمزور تر کیا جائے اور نام نہاد بکاؤ زرد صحافت کو فروغ دینے کے لیے ٹاؤٹ قسم کے لوگوں کی شعبہ صحافت میں زیادہ سے زیادہ شمولیت کروا کر ان کی مالی ماونت کی جائے تا کہ حکمران طبقے کی کرپشن، جھوٹ اور ہٹ درمی کا پردہ فاش کرنے والے کم اور ان کی جھوٹی تعریف اور کرپشن چھپانے والے ٹاؤٹ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔ میں ایسے لوگوں کو صحافی نہیں مانتا جو چند ٹکوں کی خاطر حق چھپاتے ہیں ایسے لوگ جسم بیچنے والی طوائف سے بھی برے ہیں۔ کیونکہ وہ تو صرف اپنا جسم بیچتی ہے وہ بھی مہنگے داموں، لیکن یہ بدبخت لوگ صرف دو سیر آٹے اور چائے کے کپ کے لیے قلم کا غلط استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اپنا بلکہ ملک قوم کا وقار بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔ نہ صرف حکومت بلکہ صحافی برادری کا بھی فرض بنتا ہے کہ زرد صحافت کرنے والے نام نہاد صحافیوں کی پیداوار کو روکتے ہوئے صحافت کو پاک صاف، حق و سچ پر مبنی بنانے کے لے اپنا کردار ادا کریں۔ زرد صحافت کو اگر صحافت کا کینسر یعنی جان لیوا بیماری کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کسی بھی بیماری کا اعلاج تب تک ممکن نہیں ہوتا جب تک سہی طریقے سے اس کی تشخیص نہ کی جائے، یعنی اس کی بنیادی وجوحات کا پتہ نہ چلایا جائے۔ میری نظر میں زرد صحافت کی بنیادی وجوحات میں سیاست دانوں کا اپنی کرپشن چھپانے اور سستی تشہیر کا شوق پورا کرنے کی

غرض سے نااہل لوگوں کو صحافتی حلقوں میں شامل کرنا ہیں ،آج جبکہ زرد صحافت بہت ترقی کرچکی ہے پھر بھی حق اور سچ پر مبنی صحافت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

جس کا ثبوت آپ کو آئے روز اخبارات اور نیوز چینلز پر حکمرانوں کی کرپشن اُوپن ہونے کی صورت میں ملتا رہتا ہے۔ عوام کسی بھی صحافی یا اینکر پرسن کو جلدی سے بکاؤ کہنے والوں کی بات مان لیتے ہیں یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ صحافیوں کی بھی سو مجبوریاں ہو سکتی ہیں ،ایک صحافی کو ایسا سچ بولنے پر جس میں کسی حکمران یا طاقتور سیاستدان یا پھر جرائم پیشہ عناصر کی کرپشن ، دھوکہ دہی یا جھوٹ کا پردہ فاش ہوتا ہو جان تک سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ قارئین محترم صحافی طبقہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دور جہالت کی طرح معتبر ہونے کے باوجود مظلوم ترین طبقہ ہے۔ اس طبقے کو زیر اثر رکھنے کے لیے حکمران مختلف طریقے اپناتے ہیں جن میں سے ایک کا ذکر میں اُوپر کرچکا ہوں۔ ایک طریقہ صحافتی اداروں کو معاشی طور پر کمزور کرنا ہے حکمران اشتہارات روک کر مختلف پابندیاں لگا کر صحافتی اداروں کو کمزور کرنے کی اکثر کوشش کرتے ہیں جس میں انہیں کافی حد تک کامیابی ملتی ہے۔جس طرح کہ کچھ عرصے سے کوثرک نیوز کے اشتہارات بند ہیں۔

راقم بلوچستان کی حکومت کے اس اقدام کی پرزور مذمت کرتا ہے۔ گزشتہ روز میں نے کوئٹہ اور چمن شہر سے شائع ہونے والے روزنامہ کوژک نیوز کے چیف ایڈیٹر محمد اسلم اچکزئی کو ان کے ساتھ اظہار یکجہتی اور اشتہارات کی بندش کی وجہ دریافت کرنے کے لیے فون کیا تو انہوں نے مجھے بڑی تفصیل سے بتایا کہ روزنامہ کوژک نیوز کے اشتہارات کی تاحال بندش صوبائی حکومت کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کوژک نیوز پینل۔ ادارہ جب سے اشتہارات بند ہیں تب سے اپنے خرچے پر چل رہا ہے۔ کوژک نیوز پر لگنے والی قدغن اور تمام صورتحال سے علاقائی وزراء سمیت تمام پارٹیوں کے رہنماء بھی آگاہ ہیں۔ نااہل صوبائی حکومت کی جانب سے روزنامہ کوژک نیوز کے اشتہارات کی بندش کی صورت میں ادارہ کو بے باک صحافتی خدمات کی سزا دی جا رہی ہے۔

صوبے کے دوسرے بڑے شہر اور 12 لاکھ آبادی رکھنے والے شہر چمن سے شائع ہونے والا واحد مقبول روزنامہ کوژک نیوز پر صوبائی محکمہ تعلقات عامہ نے اشتہارات کو گزشتہ کچھ عرصے سے بلا وجواز بند کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ادارہ کو ماہانہ لاکھوں روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑھ رہا ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس حوالے سے گزشتہ روز چمن میں روزنامہ کوژک نیوز پینل نے ایک عوامی سروے کیا جس میں چمن کے ممتاز قبائلی، سیاسی رہنماؤں سمیت تاجر برادری سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے صوبائی حکومت کے اس اقدام کی شدید

مذمت کی ہے۔ مذمت کرنے والوں میں کلیم اللہ ، داد اللہ، حاجی علاوالدین.بریال ، حسام الدین سنگر ، حبیب اللہ ، عبدالظاہر اچکزئی ، قدوس آزاد ، وارث خان ، گوردن داس، وارث شامل ہیں۔

شہریوں نے کہا کہ روزنامہ کوژک نیوز صوبے کا واحد علاقائی اخبار ہے جس نے اپنی چار سالہ مدت میں علاقائی مسائل کو اجاگر کرنے ،جرائم کی نشاندہی ، فورسیز کی زیادتیوں سمیت ہر مسئلے کو انتہائی ایمان اور سنجیدگی کے ساتھ اُجاگر کیا ہے اور عوامی مسائل حکام ، بالاتک پہنچانے میں کوئی غفلت اور دیر نہیں کی ہے اور اسی طرح تمام علاقائی سیاسی مذہبی ، سماجی تنظیموں کی بھرپور اور.بروقت کوریج بھی کی ہے اور اب بھی انتہائی، گمگھیر صورتحال میں روزنامہ کوژک نیوز اخبار کی صحافتی خدمات قابل ستائش ہیں لیکن افسوس کیساتھ کہناپڑ رہاہے کہ نااہل صوبائی حکومت نے اشتہارات کوصرف اور صرف انتقامی کاروائی کرتے ہوئے بند کر رکھا ہے کہ آئندہ روزنامہ کوژک نیوز اخبار عوامی مسائل کی نشاندہی نہ کرسکے۔ سروے میں شامل ہونے لوگوں نے کہاکہ روزنامہ کوژک نیوزکے اشتہارات کی تاحال بندش صوبائی حکومت کی نااہلی کامنہ بولتا ثبوت ہے لیکن ہم روزنامہ کوژک نیوز کی بے باک صحافتی ٹیم کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ وہ انتہائی مشکل حالات وماہانہ لاکھوں روپے خسارے کے باوجود اپنی بے باک صحافتی خدمات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس کیساتھ کہنا

پڑ رہا ہے کہ روزنامہ کوژک نیوز اشتہارات کی بندش سے علاقے کی تمام وزراء سمیت، تمام حکومتی سیاسی، مذہبی، قوم پرست جماعتوں کے رہنماء بھی بخوبی آگاہ ہیں لیکن اس کے باوجود بھی روزنامہ کوژک نیوز کے اشتہارات کی بندش کے حوالے سے خاموشی کا روزہ رکھے ہوئے ہیں۔

جو کہ باعث تشویش اور قابل افسوس ہے اسلم صاحب نے بتایا کہ روزنامہ کوژک نیوز اخبار اشتہارات کی بندش کے حوالے سے شہری ایکشن کمیٹی چمن کے زیر اہتمام 2 بار احتجاجی مظاہرہ بھی چمن شہر میں ہوا، اور ایک بار چمن پریس کلب اور شہری ایکشن کمیٹی نے ملکر بھی احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ہم نے متعدد بار مختلف پارٹیوں کے رہنماؤں و قائدین کو زبانی، تحریری طور پر بھی درپیش مسائل سے آگاہ کیا ہے۔ اس وقت روزنامہ کوژک نیوزادارہ کو ماہانہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے خسارے کا سامنا ہے اور صوبائی محکمہ تعلقات عامہ کے ڈی جی اسد کامران نے کمیشن کی بناپر ہمارے اشتہارات کو بند کر رکھا ہے۔

قارئین محترم میں نے شروع میں سیاست کو پیلی ،کالی اور کینسر زدہ کہا تھا اس حقیقت سے آپ بھی اچھی طرح واقف ہیں سیاست میں مخالفین پر کس قدر کیچڑ اچھالا جاتا ہے اور جب وہی مخالفین سیاسی رفیق بنتے ہیں تو پھر دودھ دھلے ہو جاتے۔ راقم کو اس بات کا قوی یقین ہے کہ اگر سیاست کو گندے لوگوں سے پاک کر

دیا جائے تو زرد صحافت اپنی موت آپ مر جائے گی۔ خیر یہ موضوع بہت وسیع ہے زندگی رہی تو اس موضوع پر بات ہوتی رہے گی ۔آج میں صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری سے اس اُمید کے ساتھ کہ جس طرح وہ پچھلے پانچ سال سے ہماری جائز ناجائز تنقید بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے آرہے ہیں اسی طرح میری اپیل بھی رد نہیں کریں گے ۔ اپیل کرتا ہوں کہ صدر پاکستان کوثر نیوز کے اشتہارات کی بندش کا فوری نوٹس لیں اور صوبائی حکومت کو حکم صادر کریں کہ کوثر نیوز کے اشتہارات فوری طور پر بحال کیے جائیں۔

بچے وقت مانگتے ہیں

بچے والدین سے وقت مانگتے ہیں جو والدین کے لیے دینا آج کے جدید دور میں مشکل ترین کام ہے، خاص کر والد کے لیے ہمارے ہاں مرد حضرات کام کے سلسلہ میں صبح سویرے ہی گھر سے نکل جاتے ہیں اور رات کو دیر سے گھر لوٹتے ہیں، والد کی کئی کئی دن بچوں کے ساتھ جاگتے میں ملاقات ہی نہیں ہو پاتی صبح سویرے بچے سو رہے ہوتے ہیں اور رات واپسی پر بھی سو چکے ہوتے ہیں۔ فکر روزگار نے ہمیں اپنے بچوں سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ ہم ان کی پرورش کے لیے انہیں اتنا وقت نہیں دے پاتے جتنا کہ ان کو درکار ہوتا ہے۔ پانچ سے چھ سال کی عمر کے بچوں کے لیے گھر ہی پہلا مدرسہ ہوتا ہے جہاں بچے والدین سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ چلنا، بولنا، اٹھنے، بیٹھنے کا طریقہ اور ہر طرح کا رویہ اختیار کرنا بچے اپنے والدین سے سیکھتے ہیں۔ والدین کی تو یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے ذمہ دار رؤیہ اختیار کریں گھر کے پر سکون ماحول میں پرورش پائیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک ہی چھت کے نیچے پرورش پانے والے تمام بچے ایک جیسا مزاج اختیار کریں، والدین کے لیے ایسی صورتحال یقینا باعث اطمینان ہوتی ہے کہ اگر ان کے بچے رقابت کی بجائے مل جل کر رہنا پسند کریں۔تاہم یہاں والدین کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے کیونکہ بچوں میں اعتماد کا رشتہ قائم رکھنا یقینا مشکل ہے لیکن ابتدائی عمر

یعنی پانچ سے چھ سال کی عمر سے ہی بچوں کی اخلاقی ذہنی اور تعلیمی تربیت کے ساتھ ساتھ ذمہ دار رویہ اختیار کرنے کی تربیت بھی دی جائے تو کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ بہترین اور نہایت اہم وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ پانچ چھ سال کی عمر کے بچے زیادہ تر گھر میں والدین کے پاس ہی رہتے ہیں اس لیے اس عرصے میں بچوں کی تربیت کی ذمہ داری بھی ساری کی ساری والدین پر ہی ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے والدین جب بچوں کے سامنے مثبت اور یکساں رویہ نہیں رکھتے تب بچوں کو مثبت اور یکساں رویہ قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یکساں رویہ اختیار کرنا شائد ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک جیسا عقل و شعور عطا نہیں کیا ہوتا، تاہم مثبت رویہ اختیار کرنا ممکن ہے، ہم لوگ جھوٹ کی وکالت کرنا اپنی عادت بنا چکے ہیں، ہم بچوں کے سامنے سارا دن جھوٹ بولتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایک اور بیاری بہت عام ہے کہ ہم چھوٹی عمر کے بچوں کے بارے میں سوچتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ سکول و مدرسے شروع ہوتا ہے۔ یہ بڑی بیاری بھی ہماری ہاں کثرت سے پائی جاتی ہے وہ یہ کہ ہم بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ یعنی بچہ کسی وجہ رو پڑے تو اسے چپ کروانے کے لیے مائیں کہتی ہیں، وہ دیکھوں بلی آئی، وہ دیکھو چھپکلی آئی وغیرہ وغیرہ جب کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ دیہاتوں میں زیادہ مائیں یہ بھی کہتی ہیں چپ کر جاؤ نہیں تو باؤ آجائے گا، یعنی ایسی انجانی چیز کا نام جسے وہ خود بھی نہیں جانتی، جس کا کہیں کوئی وجود تک نہیں ہوتا، مائیں اس بات سے بے خبر

ہوتی ہیں کہ یہ ساری چیزیں بچوں کے شعور میں بیٹھ ان کے وجود کا حصہ بن جاتی ہیں اورسکول و مدرسے میں پڑھانے والے اساتذہ بھی بہت کم بچوں کے شعور سے ان چیزوں کوجدا کرپاتے ہیں۔راقم کے خیال میں پانچ سے چھ سال کی عمرکے بچوں کی تربیت اگر سچ اور مثبت حکمت عملی کے ذریعے کی جائے تواساتذہ بھی بچوں کو بہتر انداز میں تعلیم دے سکتے ہیں۔ چھوٹی عمرکے بچے کو والدین کہتے ہیں چپ کرجاؤ نہیں تو جن یا باؤ آ جائے گا تواکثر بچے اس بات سے خوفزدہ رہنے لگتے اور اپنے ہی گھر میں ڈرتے رہتے ہیں ،اگر رات کے وقت بجلی بند ہونے کی وجہ سے اندھرا ہوجائے تو بچے بری طرح ڈر کرزور زور سے رونے لگتے ہیں ،اس ڈر کو ہم لاکھ کوشش کے باوجود بھی بچوں کے دل سے نہیں نکال سکتے۔ غور کریں ہماری چھوٹی سی غلطی ہمارے بچوں کو ساری زندگی کے لیے خوفزدہ کردیتی ہے۔ایسا جھوٹ بول کر روتے ہوئے بچوں کو چپ کروانے سے بہتر نہیں کہ انہیں تھوڑی دیر کے لیے روتا چھوڑ دیا جائے ؟

وہ جواب لے گا وہ حساب لے گا

بہت سے مخلص دوست مجھے مشورہ دیتے رہتے ہیں کہ سیاست سے ہٹ کر لکھا کریں ۔اور بھی بہت موضوعات ہیں جن پر بات کرنے کی ضرورت ۔ میرا اپنا بھی دل کرتا ہے کہ سیاست سے پرے کی بات کی جائے ۔میں کوشش بھی کرتا ہوں کہ سیاست کے علاوہ موضوعات پر لکھوں جیسا کہ میں اکثر خواتین ،بچوں اور پرندوں کی بات کرتا ہوں ۔لیکن جب کوئی دردناک خبر دیکھتا سنتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ جیسا کہ پچھلے تین دن کے اخبارات میں خبریں آ رہی ہیں کہ کوئٹہ میں بم دھماکوں کے نتیجے میں جاں بحق افراد کی تعداد 118 ہو گئی ،واقعات کے بعد فضا سوگوار رہی ،خوفناک بم دھماکوں کے خلاف شہر بھر میں ہڑتال کی گئی تجارتی مراکز بند رہے۔ورثا نے شدید سردی کے باوجود 86۔ شہداء کی لاشوں کے ہمراہ علمدار چوک پر دھرنا دیا جن میں بچے خواتین اور بزرگ افراد بھی شامل ہیں۔دھرنے کے شرکاء نے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی پر ملک کی سیکورٹی کی صورتحال کے حوالے سے کڑی تنقید کی اور سوالات اٹھائے کے انہوں نے اپنے عہدے کی میعاد میں تین سالہ توسیع کے دوران سیکورٹی کے لیے کیا،کیا؟ عوام کو لاشوں کے سوا کیا دیا ؟احتجاج کرنے والوں نے کہا کہ لاشیں سڑک پر ابھی بھی بکھری پڑی ہیں انہیں اس وقت تک دفن نہیں کیا جائے گا جب تک کوئٹہ میں فوج نہیں آ جاتی۔ قارئین محترم میں سمجھتا ہوں

کوئٹہ بم دھماکوں میں جاں بحق ہونے والوں کے ورثا کے سوالات کے جوابات صرف آرمی چیف یا حکمرانوں کو ہی نہیں بلکہ مجھے اور آپ کو بھی دینے پڑیں گے۔ میں بچپن سے ہی سمجھتا آیا ہوں کہ پاکستان میرا ہے اور میں پاکستان ہوں یعنی (تو بھی پاکستان ہے میں بھی پاکستان ہوں) جب اپنے بدن کو زخموں سے چور پاتا ہوں تو اپنے آپ کو سیاست سے دور رکھنا ممکن نہیں رہتا اور مجبور ہو کر حکمرانوں پر تنقید کرنی پڑتی ہے۔ اپنے ہی اندر سے آواز آتی ہے کہ اگر ظلم کے خلاف قلم خاموش رہا تو کل روز قیامت تجھ سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کون سی وجہ تھی جس نے تجھے ظالموں کے خلاف آواز بلند کرنے روکے رکھا۔ تجھے قلم عطا کیا تھا تو نے کیا حق ادا کیا؟ آج صرف میں ہی نہیں میرا قلم بھی رو رہا ہے اور رو، رو کر عالمی حکمرانوں سے سوال کر رہا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں ؟ میرے ملک میں ایک سیاسی جماعت کی لیڈر بم دھماکے میں جاں بحق ہوئی تو منٹوں میں پورا ملک آگ کی لپیٹ میں تھا۔ پاکستان نہ کھپے اور کھپے کی نعرے لگے اور اپنی لیڈر کے جاں بحق ہونے کا صلہ ان کے ورثا کو یہ ملا (یعنی عوام نے دیا) کہ پچھلے پانچ سال سے وہ ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں اور ان کی لیڈر کو ہم آج تک شہید کہتے ہیں جاں بحق نہیں ۔اور 118 افراد کی جان جانے پر اسی ملک میں کوئی کہرام نہیں مچا کیا سیاست دان اللہ کی خاص مخلوق ہیں ؟ کیا عوامی جانوں کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ کیا حق ہے ایسے لوگوں کو حکمرانی کرنے کا جو اپنی جان بچانے کے لیے عوام کی کمائی ہوئی دولت تو پانی کی طرح بہاتے ہیں لیکن شدید سرد موسم میں اپنے

پیاروں کی لاشیں لیے حکمرانوں کے چند ہمدردانہ الفاظ کے منتظر سڑک پر بیٹھے عوام کے لیے کوئی وقت نہیں ہے ان کے پاس۔ہزاروں لوگوں کو اپنی سیکورٹی پر لگا کرکے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں جو لوگ ان کے پاس کون سی گارنٹی ہے کہ وہ نہیں مریں گے ؟کس قسم کے حکمران ہیں جو اپنی نااہلی کو تسلیم کرنے کے باوجود کرسی اقتدار نہیں چھوڑتے ؟ قارئین ذرہ غور کریں گورنر بلوچستان نے بلوچستان حکومت کی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ بم دھماکوں کے بعد ہم حکمرانی کا حق کھو چکے ہیں ملک میں الیکشن ناگزیر ہوگئے ہیں ،الیکشن ہونگے تو اچھے لوگ سامنے آئیں گے۔آئینی طور پر صوبے کا سربراہ ہوں لیکن میرے پاس اختیارات نہیں ہیں۔میں جناب سے سوال کرتا ہوں کہ جب آپ کے پاس اختیارات نہیں ہیں تو پھر آپ کس آئین کے تحت صوبے کے سربراہ ہیں ؟اگر آپ حکمرانی کا حق کھو چکے ہیں تو آخر وہ کون سی مجبوری ہے جس کی وجہ سے آپ اب تک کرسی اقتدار سے چپکے ہوئے ہیں ؟آج صرف بلوچستان ہی نہیں پورا پاکستان زخموں سے چور ہے اور اگر میں بھی پاکستان ہوں تو بھی پاکستان ہے تو پھر کس طرح میں اور آپ اپنے بہن بھائیوں ،بچوں اور بزرگوں کو سخت سردی میں اپنی ہی لاشوں کا سڑک پرماتم کرتے چھوڑ کر اپنے نرم و نازک بستر پر سوگئے ؟کیوں مجھے اور آپ کو اپنے ہی جسم پر لگنے والے زخموں میں اٹھنے والا درد محسوس نہیں ہوتا؟میں پاکستان ہوں اور میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں سے لہو نہ رِس رہاہو، کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں زخم نہ لگاہو، کوئی حصہ نہیں جو دہشتگردی سے

محفوظ ہو۔چند لوگوں کے سوا کوئی پاکستانی ایسا نہیں جس کی جان مال اور عزت محفوظ ہوں، کوئی کہتا ہے مجھے قائداعظم کا پاکستان چاہیے ، کوئی کہتا ہے مجھے اقبال کا پاکستان چاہیے ، میں کہتا ہوں مجھے میرا پاکستان چاہیے ۔کوئی کسی کا مشن پورا کرنے کی بات کرتا ہے کوئی کسی کا۔کوئی بذریعہ جمہورت انقلاب لانے کی بات کرتا ہے تو کوئی لانگ مارچ کے ذریعے ۔جمہوریت والے ہوں یا لانگ مارچ والے سب کہ سب آئین و قانون کی حکمرانی کی بات کرتے ہیں۔میرا پوری پاکستانی قوم سے سوال ہے کہ کس قانون کی بات کرتے ہو؟کس آئین کی بات کرتے ہو؟اُس قانون کی جو چور کے ہاتھ نہیں کاٹتا جو قاتل کو سزادے کر مظلوم کو انصاف نہیں دیتا،جو بہنوں ، بیٹیوں کی عزت کو تحفظ، نہیں دیتا،جو گرتے ہوئے لاشوں کو دیکھ کر خاموش رہتا ہے ، مختصر کہ جو امیر کے گھر کی لونڈی ہے اور غیریب کا گلا کاٹنے کی مشین ہے،جو امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کرتا ہے ،اور جس کی سرعام بولی لگتی ہے جو ہر وقت بکنے کے لیے تیار رہتا ہے،جو حکمران کو 18 کروڑ عوام کا خون معاف کرتا اور محکوم کو بے گناہ ہونے کے باوجود جیل میں قید بھی رکھتا ہے اور سولی بھی چڑھاتا ہے۔یہ کون سا آئین ہے یہ کون سا قانون ہے جو امیر کو تو انسان سمجھتا ہے لیکن غریب کو انسان ہونے کا حق نہیں دیتا؟یہ کیسا آئین ہے ؟یہ کیسا قانون جس میں عادل بکتا ہے،جس میں وکیل بکتا ہے،جس میں انصاف بکتا ہے۔جس میں ماؤں بہنوں کی عزت نیلام ہوتی ہے ۔اس آئین نے پاکستان کو کیسے حکمران دیئے ہیں آج تک جو اپنا اقتدار بچانے کے لیے کروڑوں

انسانوں کی جانوں کی پروانہیں کرتے جب چاہے جتنے چاہے لوگوں کواپنی ہوس اقتدار پر قربان کردیتے ہیں۔آج نہ سہی ایک دن جواب دیناہوگامجھے بھی اور آپ کو خالق کائنات کو اپنی مخلوق سے بڑی محبت ہے وہ جواب لے گاوہ حساب لے گا۔حکمرانوں تمہیں جواب دیناپڑے گاجب اللہ پوچھے گاکیوں کاٹا میرے بندوں کو؟کیوں خودکشی کرنے پر مجبور کیا میرے بندوں کو؟اللہ تعالٰی پوچھے گامیں (اللہ) نے تمہیں عادل بنایاتھاکس حد تک عدل کیا ؟آج تین دن گزر چکے ہیں اور کوئٹہ میں بم دھماکوں میں جاں بحق ہونے والوں کے ورثا اپنے جگر کے ٹکڑوں کی لاشیں سڑک پر رکھے بیٹھے اس امید پر احتجاج کررہے ہیں کہ شاید کوئی انسان دنیا میں باقی ہے جو ان کی فریاد سنے گا۔کہاں ہیں جمہوری حکمران ؟کہاں ہیں بلوچستان میں خراب حالات اور موسم کے باوجود بہت بڑا سیاسی شودکھانے والے ؟کہاں ہیں انسانی حقوق کی آوازاُٹھانے والی تنظیمیں ؟اعلٰی عدلیہ کیوں خاموش ہے کیوں ابھی تک ازخودنوٹس نہیں لیاگیااس مسئلے کا؟قارئین محترم نرم اور گرم بستر میں اپنے بچوں کو سینے سے لگا کر سونا بہت سکون بخش ہے لیکن انھیں بچوں کی لاشوں کو سڑک پر رکھ کر تین دن سے شدید سردی میں احتجاج کرناکس قدر تکلیف دے ہے اس بات کا اندازہ لگاناکچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اگرہم ایک لمحے کے لیے جاں بحق ہونے والوں کی جگہ پر اپنے بچوں کو تصور کریں تو ہمیں اپنے ان بہن بھائیوں کی تکلیف کااندازہ ہوسکتا ہے۔بم دھماکوں میں جاں بحق ہونے والوں کے قتل کاحساب تو وہ ہی دیں گے جو کسی نہ کسی طرح اس دہشتگردی کی

کارروائی میں حصہ دار ہیں لیکن جاں بحق ہونے والوں کے ورثاء جس تکلیف سے گزر رہے ہیں اُس کا حساب پوری قوم کو دینا پڑیگا اور وہ دن دور نہیں جب اصل حاکم و عادل کا دربار لگے گا۔ اُس دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ راقم اس دکھ کی گھڑی میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل اور انصاف عطا فرمائے۔ بے شک وہ انصاف کرنے والا ہے (آمین)

(عورت کا مقام (حصہ دوم

عورت ماں ، بہن، بیٹی ، بیوی ساس اور بہو بھی ہے ۔ان رشتوں میں بدنام ترین رشتہ ہے ساس اور بہو کا۔آخر ایک عورت دوسری عورت پر ظلم کیوں کرتی ہے ؟وجہ کیا ہے سارے فساد کی ؟میری نظر میں ساس بہو کے رشتے میں تناؤ دورجہالت ہی سے چلا آرہا ہے۔اپنی بہو پر ظلم وہی ساس کرتی ہے جو اپنی بیٹی کی پیدائش پر ناخوش ہوتی ہے اور بیٹے کی پیدائش پر بہت خوش ہوتی ہے۔جو بیٹی کو کو قابل شرم اور بیٹے کو قابل فخر سمجھتی ہے۔جو بیٹی اور بیٹے کی پرورش کرتے وقت بیٹے کو اعلیٰ اور بیٹی کو کم تر سمجھتی ہے۔اور جو ماں اپنی بیٹی اور بیٹے کو ایک جیسا انسان سمجھتی ہے اور بیٹی سے بھی اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی کہ بیٹے سے وہ ماں کبھی بھی اپنی بہو پر ظلم نہیں کرتی۔باقی رہی مقام کی بات تو وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کسی کو نہیں دے سکتا۔اسلام سے پہلے جائیداد میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا۔شعر وشاعری میں محبوبہ (عورت) کانام ننگے الفاظ میں لیا جاتا اور اس گندی حرکت پر فخر کیا جاتا۔بے حیائی اور فسق وفجور کا بازار گرم تھا۔پھر جب اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اہل عرب کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔اس وقت اہل عرب جو جانوروں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے اللہ کے نبیؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انسانیت کے تقاضے بتائے جس

میں عورت کی عزت واحترام لازم کرکے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت میں ایسا مقام عطا فرمایا جسے قائم رکھنے اور دشمنوں سے بچاتے ہوئے باپ، بھائی اور خاوند اپنی جان تک قربان کرنے لگے۔اسلام نے وراثت میں عورت کو حصہ دے کر اسے دنیا میں جینے کا حق اور اصل مقام دیا۔وراثت میں حصہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عورت کو معاشرتی برائی بننے سے روکا جاسکے ،تاکہ عورت بے حیائی، فحاشی، بدکاری اور جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے۔آج دور جدید میں صرف عورت ہی نہیں پوری انسانیت مشکل میں ہے لیکن میرا آج کا موضوع عورت ہے۔بے شک عورت اس کائنات کا حسن ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا عورت پر ظلم صرف مرد کرتا ؟ میرا جواب ہے نہیں عورت پر ظلم عورت بھی کرتی ہے۔آج بھی کئی مسلمان خاندانوں میں دور جہالت کی یہ روایت قائم ہے کہ بچی کی پیدائش پر باپ 40 دن تک سوگ میں رہتا ہے،اور باپ کی والدہ اور بہن یعنی پیدا ہونے والی بچی کی دادی اور پھوپھی بچی کی ماں کو سالہا سال بلکہ ساری زندگی دل کو چیر دینے والے طعنے دے کر سوگ مناتی ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کو تیسری عورت کی پیدائش پر طعنے کیوں دیتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ مال و دولت کی محبت اور خصوصا دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی فکر دادی اور پھوپھی کو عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی پوتی اور بھتیجی کا دشمن بنا دیتی ہے۔بچی کے پیدا ہوتے ہی والدین کو یہ فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ اب بیٹی کی شادی پر اسے ڈھیر سارا جہیز دینا پڑے گا اور اس کی ساس

اور نند کے ناز و نخرے برداشت کرنا پڑیں گے۔پہلی بات یہ کہ جہیز کو اسلام میں لعنت قرار دیا گیا ہے ۔دوسری بات یہ کہ ساس اور نند بھی مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔ قارائین محترم دور جہالت کی بات تو ہم سب ہی کرتے ہیں کہ دور جہالت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ میں آج اس بات کا ذکر کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج دورجدید میں ہم دور جہالت سے بھی زیادہ ظلم کررہے ہیں ۔جی ہاں دور جہالت میں لوگ بچی کو پیدا ہونے پر زندہ دفن کردیا کرتے تھے لیکن آج ہم بچی کو پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں ۔آج ڈاکٹر بذریعہ ultrasound دوران حمل ہی بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچی ہے یا بچہ ۔اس طرح جب گھر والوں یعنی دادی اور پھوپھی کو اس بات کا پتا چلتا ہے تو دورجدید کے جاہل لوگ ڈاکٹر کو اس ماں کا حمل ضائع کرنے کا کہتے ہیں جس کے پیٹ میں بیٹی پل رہی ہوتی ہے اور ڈاکٹر بھی چند روپوں کی خاطر اتنا بڑا گناہ کرتے وقت ذرا نہیں گھبراتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو بچالیا۔ جس معاشرے میں عورت کا مقام صرف ایک جسم ہوگا وہاں عورت ماں ، بہن ، بیٹی اور بیوی کا مقام کس طرح حاصل کرسکتی ہے؟

(عورت کا مقام (حصہ سوئم

آج سینکڑوں تنظیمیں خواتین کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ عورت کو بااختیار بنانے کی باتیں ہورہی ہیں۔ خواتین کے حق میں بہت سارے قوانین پاس ہوچکے ہیں۔ لیکن سب بے کار عورت آج بھی دور جہالت کی طرح ایک کھلونا بن کے رہ گئی ہے اور جب تک عورت اپنے مقام کو نہیں سمجھے گی تب تک دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کا کھویا مقام واپس نہیں دلا سکتی۔ عورت کا عزت واحترام والا مقام ایک ماں کی حیثیت میں ہے ایک بہن کی حیثیت میں ایک بیٹی کی حیثیت اور ایک نیک سیرت بیوی کی حیثیت میں ہے۔ جب جب عورت ان رشتوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گی تب تب ذلیل و رسوا رہے گی۔ عورت کا اصل مقام سٹیج ڈانس، سائن بورڈ، کمرشل ،ڈانس پارٹیاں، طوائفی مقامات، یا نائٹ کلب نہیں بلکہ اُس کا گھر اور گھر والوں کی باحیا نگاہوں میں ہے۔ کہنے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت گھر سے باہر کے کام نہ کرے آج دور جدید میں ہمیں بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے اور وقت کا تقاضا یہی ہے کہ عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم اچھے مسلمان بن جائیں کیونکہ مسلمان مرد و عورت ایک دوسرے کو حیا کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لیے معاشرے کا بلنس قائم رکھنا آسان ہوجاتا۔ بات ہورہی تھی عورت کے مقام کی توعورت کواس کا مقام کوئی مرد نہیں دیتا بلکہ مرد کوکامیاب مقام تک پہنچانے میں بھی

عورت ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ بیوقوف عورت اپنے شوہر کو غلام بناتی ہے اور خود غلام کی بیوی بنتی ہے ۔جب کہ عقلمند عورت اپنے شوہر کو بادشاہ بناتی ہے اس طرح وہ خود ملکہ بنتی ہے۔ایک اور کہاوت عام ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی نہ کسی کامیاب عورت کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ گویا مرد کی کامیابی ہی عورت کی کامیابی ہے ۔ایک ماں ایک معاشرے کو جنم دیتی ہے مانا کہ مرد بھی عورت پر ظلم کرتا ہے پر غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ اس مرد کی ماں جو خود بھی ایک عورت ہے نے پرورش ہی ایسی کی ہے کہ وہ مرد عورت خاص طور پر بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھتا ہے ۔اگر مائیں اپنے بیٹوں کو بتائیں کے عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ عزت واحترام کے قابل ہے ۔اور مرد بھی اس بات کو سمجھے کہ اسے دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت پڑھی تھی اور اسے اپنے خاندان کو آگے چلانے کے لیے بھی ایک یا ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت ہے ۔تو پھر یقینا مرد کبھی بھی عورت پر ظلم نہ کرے ۔ میرے خیال میں عورتوں کے لیے علیحدہ قوانین بنانے کی بجائے عورت کو بھی مرد کی طرح بلاامتیاز انسان تصور کیا جائے تاکہ عورت کو حقیر سمجھنے کی روایت ختم ہو اور عورت کو مرد کے برابر حقوق ملیں ۔ قارائین محترم بیٹی اللہ تعالی کی عظیم رحمت ہے ۔بیٹی کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور بہت کچھ باقی ہے ۔ میرے دل میں بھی ابھی بہت سی باتیں ہیں ۔اگر زندگی نے وقت دیا تو پھر کبھی آپ کے سامنے رکھوں گا۔

مذہب کے نام پر قتل و غارت کیوں؟

جب خالق کائنات ،کائنات کی تمام مخلوقات کو بے حساب نوازتا اور جینے کا حق دیتا ہے تو پھر انسان کیوں قتل و غارت گری کرتا ہے ؟اگر کوئی مذہب یا فرقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا اعلیٰ و افضل ہوتا کہ صرف اُسی کو حق حکمرانی اور جینے کا حق حاصل ہوتا تو پھر اُسے (اللہ تعالیٰ کو) کیا مشکل تھی کہ کائنات کی باقی مخلوقات کو اس مذہب یا فرقے کے تابع کر دیتا ؟مسلمان کا ایمان ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت کائنات میں موجود ایک ذرے پر بھی قدرت نہیں رکھتی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری اور محبوب نبی حضرت محمد کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا یعنی صرف مسلمانوں یا صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ ساری و پوری کائنات اور تمام زمانوں کی تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنایا۔جب مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق و رازق ہے یعنی کوئی اُس (اللہ) کا کلمہ پڑھے یا نہ پڑھے ،اُس کی وحدانیت کو مانے یا نہ مانے ، کوئی اُس صاحب قدرت ہستی کا نام لے یا نہ لے وہ سب کو بے حساب عطا کرتااور جینے کا حق دیتا ہے۔ یعنی ساری قدرت اور طاقت کا مالک ہونے کے باوجود اپنے منکروں پر بھی نرمی کرتا ہے ۔اگر ایسا نہ ہوتا تو کائنات میں صرف وہی لوگ زندہ رہتے جو اُس (اللہ) کا نام لیتے ،کلمہ پڑھتے ،احکامات مانتے اور عبادت گزار ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے اُسے (اللہ تعالیٰ)

اپنی ساری مخلوقات سے بے پناہ محبت ہے، سب سے زیادہ انسان سے محبت ہے اور میرا ایمان ہے کہ انسانوں ہیں،اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب مسلمان ہیں۔افسوس کہ آج مسلمان فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور صد افسوس کہ ایک دوسرے کو ناحق قتل کر رہے ہیں۔سُنی، شیعہ ،وہابی ،دیوبندی سب فرقوں کے سب علماء اور اہل علم افراد،اللہ کے رسول اور قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں کوئی انکار نہیں کرتا تو پھر اتنی شدت پسندی کہاں سے آئی ؟ہم ایک دوسرے کو صرف اس لیے قتل کر دیتے ہیں کہ وہ ہمارے فرقے کے نظریات وعقائد کو پوری طرح تسلیم نہیں کرتا ؟میں عالم دین نہیں لیکن ایک مسلمان ضرور ہوں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر کیوں مسلمان مسلمان کو قتل کرتے ہیں؟ حالات و واقعات توثابت کرتے ہیں کہ ہم مذہب یا فرقے، کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرتے بلکہ اپنے ذاتی ایجنڈے اور مفادات کو محفوظ کرنے کی غرض یعنی حوس دنیامیں قتل وغارت گری کرتے ہیں،جس میں بہت زیادہ حدتک غیروں کے مفادات شامل ہیں۔اور اگرہمیں اپنے عقائد و نظریات اتنے ہی عزیز ہیں کہ ہم ساری دنےاکواُن کے تابع کرنا چاہتے ہیں توپھر قتل و غارت گری کی بجائے کیوں ہم اپنے عقیدے کو سچا اور اچھاثابت کرنے کے لیے اچھے اعمال نہیں کرتے ؟افسوس کہ ہم دین کے نام پر مسجد و مدرسے اور گلیاں تو سجاتے ہیں لیکن اپنی زندگیاں نہیں سجاتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے دین توزندگی سجانے کے لیے عطا کیا ہے۔جس نبی کریم کی ولادت کے موقع پر مسلمان خوشیاں مناتے ہوئے گلیاں سجانے میں

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں کڑی محنت اور لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں انہیں ہی کے حکم اور سنت مبارکہ کو اپناتے ہوئے اپنے آپ کو پورا، پورا اسلام میں کیوں داخل نہیں کرتے؟ایک دوسرے سے محبت کیوں نہیں کرتے؟ مسلمان غور کریں ہم جس گلی کو سجانے پر لاکھ دو لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں،اگر اُسی گلی میں کسی بیوہ غریب، یا مسکین کے بچے بھوکے، ننگے راہ گئے تو کیا روز آخر اللہ کے رسول ہم سے خوش ہوجائیں گے؟ میرے کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہمیں سرکار دو عالم حضرت محمد کی ولادت کی خوشی نہیں منانی چاہیے۔ہمیں ضرور خوشی منانی چاہیے لیکن اُسی طرح سے جس طرح اللہ اور اللہ کا رسول ہم سے راضی ہوجائے۔خیر میرا آج کا موضوع ہے کہ مذہب کے نام پر قتل و غارت گری کیوں کی جاتی ہے؟جب نبی کریم نے اپنے اُوپر پتھر برسانے والوں کے حق میں بدعا کی بجائے دعا فرمائی ہے تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی کو صرف اس لیے قتل کردیں کہ وہ دین کو ہمارے عقیدے کے مطابق نہیں مانتا؟جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں وہاں تک تو دین میری اور آپ کی مرضی یا عقیدے کا نام نہیں ہے۔دین احکام الٰہی ہے۔دین اسلام تو میرے اور آپ کے خالق و رازق نے اپنے بندوں کی زندگی کو آسان اور آخرت میں انعامات سے نوازنے کے لیے عطا کیا ہے ناکہ دین کے نام پر قتل و غارت گری کرنے کے لیے،دین تو ایک دوسرے کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا درس دیتا ہے۔دین تو انسانی رشتوں کی قدریں اُجاگر کرتا ہے۔دین مساوات اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔دین تو انسانوں کو ایک

دوسرے سے جوڑتا ہے۔دین تو امن و سلامتی اور صلح جوئی کا بہترین نمونہ پیش کرتا
ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ دین وہ واحد ضابطہ حیات ہے جو انسان کو صحیح
معنوں میں انسان بناتا ہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔دین تو بدلہ لینے پر معاف کردینے کو پسند
کرتا ہے تاکہ فساد نہ پھیلے۔جب دین اسلام قتل و غارت گری کو پسند نہیں کرتا تو پھر
اسلام کے پیروکار کس طرح کسی کو ناحق قتل کر سکتے ہیں؟

رحم دل بادشاہ اور عقل مند مشیر

پیارے بچوں ہمیں ظالم حکمرانوں اور غلط مشیروں سے بچنا، رحم دلی اور عقل مندی سے کالینا چاہیے۔آج میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں جس میں ایک شخص کی رحم دلی اور دوسرے کی عقل مندی پوری ریاست کو ایک بڑی مشکل سے باآسانی بچالیتی ہے۔ کسی ریاست میں تین صدیوں تک ظالم حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آ کر عوام نے بغاوت کردی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام نے حکمران خاندانوں کے ایک ایک فرد کو چن چن کر مار ڈالااور فیصلہ کیا کہ اب حکمران اس کو بنایا جائے جو ریاست کا سب زیادہ نرم دل شخص ہواور اُس کے خاندان میں بھی کبھی کسی نے ظلم نہ کیا ہو۔بڑی تلاش کے بعد آخرکار اُس ریاست کے عوام کو ایسا حکمران مل گیا جس کی پچھلی سات نسلوں میں کوئی ظالم پیدا نہیں ہوا تھا۔اُس کی رحم دلی کے چرچے دور دور تک پھیلے تھے ،پورا خاندان عدل انصاف کا پیکر تھا سواُس شخص کو رحم دل کا خطاب دے بادشاہ بنادیاگیا۔جلد ہی آس پاس کی ریاستوں میں بھی رحم دل بادشاہ کی رحم دلی مشہور ہونے لگی اور ریاست تیزی سے ترقی کرنے لگی ،چاروں طرف بہار ہی بہار نظرآنے لگی عوام بہت خوش تھے کہ اُن کی ظالم حکمرانوں سے جان چھوٹ گئی ۔لیکن بدقسمتی سے چند برسوں میں ہی ریاست میں جرائم کا تناسب بڑھنے لگااور امن وامان کی صورت حال خراب ہونے لگی اور حالات رحم دل بادشاہ کے قابو میں نہ

رہے۔وہ پریشان تھا کیونکہ اگر وہ سخت سزاؤں کا اعلان کرتا تو اُس کی رحم دلی پر حرف آتا تھا اور اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو جرائم کی روک تھام ممکن نہیں رہتی۔رحم دل بادشاہ نے اپنے وزیروں اور سفیروں کو مشورے کے لیے بلا لیا۔تمام وزیروں اور سفیروں نے سخت سزاؤں کی حمایت کردی،صرف ایک بزرگ مشیر چپ تھا،رحم دل بادشاہ نے اُس بزرگ مشیر کے علاوہ سب کو جانے کا کہا جب سب چلے گئے تو بادشاہ نے مشیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا میاں جی اگر میں کسی مجرم کو سزائے موت دوں تو میری رحم دلی کا بھرم قائم نہیں رہتا اور اگر سزا نہ دی جائے تو جرم نہیں رکتا آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟کیا مجھے حکومت چھوڑ دینی چاہیے؟مشیر نے خاموشی توڑی اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ سخت سزاؤں کا اعلان کردیں گے تو کافی حد تک جرائم کم ہوجائیں گے۔اور جو باقی بچیں گے وہ بھی کسی مجرم کو سزائے موت دیے ختم ہوجائیں گے۔اس طرح آپ کی رحم دلی کا بھرم بھی قائم رہے گا اور ریاست بھی جرائم سے پاک ہوجائے گی۔بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور اس نے حیران ہوکر مشیر سے پوچھا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ سخت ترین سزاؤں کا اعلان کرنے کے بعد ان پر عمل کئے بغیر جرائم ختم ہوجائیں؟مشیر نے کہا بادشاہ سلامت میرا اعتبار کریں اور سخت ترین سزاؤں کا اعلان کردیں میرا آپ سے وعدہ ہے کہ ایک بھی شخص کو مارے بغیر موت کی سزا پر عمل ہوجائے گا۔رحم دل بادشاہ نے اگلے ہی دن ریاست میں ہر چھوٹے بڑے جرم کی سزا موت کا اعلان کردیا اور مشیر کے مشورے کے مطابق اگلے ہی دن 10 مجروں

کا سر عام سر قلم کرنے کے بعد ان کی لاشیں جلا دیں۔اس دن کے بعد ہر مجرم نے جرم سے توبہ کر لی اور اس طرح ریاست میں ہر چھوٹا بڑا جرم ختم ہو گیا۔امن و امان کی صورت حال بحال ہو گئی اور ریاست پہلے کی طرح تیزی سے ترقی کرنے لگی عوام پھر سے خوشحال ہو گئے۔اب آپ حیران ہوں گے کہ 10 لوگوں کا سر قلم کرنے پر بھی سزائے موت پر عمل نہیں کیا گیا آخر یہ کیسے ممکن ہوا؟ بچو مشیر بہت سمجھدار تھا اُس نے کے 10 مجرم خود بنائے تھے جی ہاں وہ 10 انسان نہیں پتلے بنائے گئے اور ان کو 10 انسانی روپ اور جانوروں کا خون لگا کر مجرموں کو سبق سکھانے اور جرم سے دور رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔10 لوگوں کو سزا موت دی گئی لیکن ریاست میں کسی ایک گھر کا فرد بھی کم نہ ہوا،اتنی بڑی ریاست میں عوام اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ رحم دل بادشاہ نے اپنے عقل مند مشیر کے مشورے سے بغیر کسی کی جان لیے ریاست کو تمام جرائم سے پاک کر دیا۔پیارے بچو دیکھا آپ نے اگر ہم رحم دلی اور عقل مندی سے کام لیں تو مشکل سے مشکل مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو سکتا ہے:

سردی اچھی نہ گرمی

موسم چاہے کوئی بھی ہو سردی یا گرمی اچھا یا برا لگنے کا انحصار صرف زندگی پر منحصر ہے اگر دل ودماغ اور جسم تندرست وتوانا ہیں تو سبھی موسم اچھے ہیں وگرنہ سردی اچھی نہ گرمی اور نہ موسم بہار اچھا لگتا ہے۔زندگی ایک حقیقت ہے۔انسان زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔انسان اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعے اچھا اور کامیاب انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی محنت سے زندگی کو کامیاب طریقے سے گزار سکتے ہیں۔اس بات کی سچائی میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ محنت کرتے ہیں وہ معاشرے میں باعزت اور باوقار طریقے سے جیتے ہیں۔لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسان جیسا جیسا سوچتا ہے اور کرنا چاہتا ہے زندگی میں سب ویسا ویسا نہیں ہوتا ہم رات کو یہ سوچ کر سوتے ہیں کہ صبح سویرے سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی کسی دوست کسی عزیز کا فون آجاتا ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس لیے ہسپتال جانا ہے فوراہی چلے آئو۔اب رات کو سوتے وقت ہم نے یہ سوچا تھا کہ صبح سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن قدرت کو ہسپتال جانا منظور تھا۔مجھے لگتا ہے جیسے انسان زندگی نہیں بلکہ زندگی انسان کو گزارتی ہے۔اگر ایسا نہ ہوتوانسان اور زیادہ خود سر ہوجائے۔انسان جو کچھ سوچتا ہے اگر سب ویسا ہونے لگے توپھر

انسان کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو تسلیم نہ کرے۔انسان کی فطرت ایسی ہے جب دنیاوی مشکلات میں گر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتا ہے لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مشکلات کم ہونے لگتی ہیں انسان کے رابطے اللہ تعالیٰ سے کم ہونے لگتے ہیں۔یہی انسان کے نابالغ ہونے کی دلیل ہے۔جس معاشرے میں صبر کرنے کی صلاحیت نہیں اس معاشرے میں حقیقی بلوغت نہیں ہے۔جس معاشرے میں حقیقی بلوغت ناپید ہو جائے اس معاشرے میں انسانی اقدار کی پامالی معمول بن جاتی ہے ایسے معاشرے میں انسان کی قدر و قیمت کم اور نفسانی خواہشات کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔بلوغت دو قسم کی ہے۔جسمانی اور باطنی و حقیقی۔جسمانی بلوغت سولہ سال کی عمر پر ہوتی ہے۔جسمانی بلوغت سے تو سب ہی واقف ہیں۔لیکن بد قسمتی سے حقیقی بلوغت کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔بمشکل دو فیصد لوگ ہی حقیقی بلوغت کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں۔میرے خیال میں ذہنی و حقیقی بلوغت سے واقفیت اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے آسانیاں فرماتا ہے۔ خوش قسمتی سے ذہنی فکری بلوغت کے لیے عمر کی کوئی بھی حد مقرر نہیں ہے۔بلکہ ذہنی و فکری بلوغت خالصتاً اسلامی ذہن کی تشکیل سے ہوتی ہے۔اسلام میں جسمانی بلوغت کافی نہیں بلکہ روحانی بلوغت بھی ضروری ہے۔بے صبری اور بے قراری تو بچپنے کی نشانیاں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ذہنی اور فکری طور پر نابالغ ہے۔ذہنی طور پر نابالغ انسان بچوں اور حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات

کا غلام ہوتا ہے ۔اس میں ذہنی اور فکری صفات مفقود ہوتی ہیں ۔ کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ اس چیز کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہ ہو۔ایسے انسان میں نفسانی خواہشات کے سوا کوئی اور تقاضا نہیں ہوتا حالانکہ خواہشات کی پیروی کا انجام عارضی مسرت اور بعدازاں بربادی کے سوا کچھ نہیں ۔ یہ خوشی تو جلد ہی ختم ہوجاتی ہے لیکن گناہوں کا غم طویل مدت تک باقی رہتا ہے غربت میں انسان کو اللہ تعالی کی بہت یاد آتی ہے ۔اسی لیے اللہ تعالی کے پیارے رسول حضرت محمد (ص) نے غربت کو پسند فرمایا ہے ۔دنیا کا مال دولت انسان کو حق سے دور کردیتا ہے۔

---جاری ہے

انسانیت کی تذلیل

میری نظر میں انسانیت کی تذلیل کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ ناحق قتل کر دینا۔آج ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے معاملات چل رہے ہیں جو انسانیت کی تذلیل کرتے ہیں ۔خاص طور پر سود خوری۔ سود کو اسلام میں بہت زیادہ نا پسند کرکے حرام قرار دیا گیا ہے۔قرآن کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے۔جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں) سے اس طرح (حواس باختہ)اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام (قرار دیا ہے)۔تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں)اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ۔اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے ۔ سورۃ البقرہ:۲۷۵ '' سود کمانے والا دنیا کی دولت کمانے میں اس قدر مصروف رہتا ہے کہ اُسے خود اپنی خبر نہیں رہتی ۔مجھے تو لگتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو بھی انسان نہیں سمجھتے اور اگر اپنے آپ کو نہیں سمجھتے تو پھر دوسروں کو کس طرح انسان مانیں گے ؟سود پر رقم لینے والے کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اُسے ساری زندگی سود ادا کرنے میں گزارنی پڑتی ہے لیکن نہ تو سود ادا ہوتا ہے

اور نہ ہی قرض، سود خور اُس کے گھر جا کر نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے ماں ، باپ ، بہن بھائیوں اور بیوی ، بچوں کی بھی تذلیل کرتا ہے۔ اس طرح انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سخت نہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری کائنات کی مخلوقات سے بہتر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اس کی اصلاح کی خاطر اپنے پیغمبر بھیجے اور آخر میں سب پیغمبروں کے سردار حضرت محمدؐ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر ہماری اصلاح کے لیے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ علم عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبیؐ نے اپنی ساری زندگی عمل کرکے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک سانس لینا بھی غفلت میں شامل ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم خود کو سرکار دو عالمؐ کے اُمتی کہتے ہیں لیکن قدم قدم پر جھوٹ بولتے ہیں۔ مسلمان اہل ایمان کی بجائے کفار کو اپنا عزیز رکھتے ہیں۔ بے گناہوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ سود کا، کاربار کھلے عام کرتے ہیں۔ حق کی گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔ حرام مال کماتے ہیں۔ خود اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ الغرض کہ ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اور اُس انسان کی تذلیل کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے سجدہ کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا اور سرکشی کی وہ مردود، ابلیس اور شیطان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مان کر

انسان کی تذلیل کی ہو گی جو اللہ پاک کو پسند نہ آئی اور وہ بارگاہ الٰہی سے دھتکارا گیا
؟اگر ایسا ہے تو پھر ہم دوسروں کو حقیر جان کر اور انسانیت کی تذلیل کرکے اپنے آپ
کو مسلمان یا کم از کم انسان کیوں سمجھتے ہیں؟

زرد صحافت مردہ باد

ہوش سنبھالا تو علاقے کے سینئر صحافیوں کی محفل ملی جس کی وجہ سے بچپن ہی سے مجھے اخبار پڑھنے کا شوق ہوگیا آج سے 20,15 سال قبل اخبار بابے یعنی بزرگ ہی پڑھا کرتے تھے نوجوان نسل کم ہی اخبار کے نزدیک جایا کرتی تھی۔ میری عمر اُس وقت 14.12 سال ہوگی جب مجھے کالم پڑھنے کا شوق ہوگیا اُن دنوں خبریں اخبار میں جناب حسن نثار صاحب کے کالم شائع ہوا کرتے تھے جو مجھے بہت پسند تھے۔ میں اپنے جیب خرچ سے روزانہ اخبار خریدتا اور خبروں کے ساتھ ساتھ کالم بھی پڑھا کرتا تھا۔ کالم پڑھنے کا شوق بدستور جاری تھا کہ 2 سال قبل میری ملاقات سینئر صحافی و کالم نویس جناب ایم اے تبسم صاحب سے ہوگئی۔ اُن کی محفل میں رہ کر مجھے کالم پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا شوق بھی ہوگیا۔ اُستاد محترم جناب ایم اے تبسم صاحب نے میری بہت زیادہ حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی جس کی وجہ سے آج میں بڑے فخر سے اپنے آپ کو صحافتی دنیا کا طالب علم سمجھتا ہوں۔ میں بات کر رہا تھا 15..20 سال پہلے کی تو ان دنوں زرد صحافت کی باتیں بہت کم تھیں یا پھر میری سمجھ سے باہر تھیں یہ باتیں۔ لیکن پچھلے 10,8 سال میں زرد صحافت نے جو عروج پایا ہے وہ خطرے کی گھنٹی ہے نہ صرف صحافتی برادری کے لیے بلکہ پوری قوم کے لیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زرد صحافت کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل قلم کا

اتحاد ناگزیر ہے۔اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اپنے علاقے کے نامور اور صاف ستھری صحافت کرنے والے صحافیوں کا اتحاد کرانا چاہتا تھا۔ عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ کاہنہ کے سینئر اور صاف ستھرے صحافی ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے ہو کر علاقے اور صحافت کی پوری طرح خدمت کریں ۔اس مقصد کے لیے کچھ دوستوں جن میں سرفہرست محمد رضا ایڈووکیٹ (چیرمین پاور گروپ آف لائرز) کے ساتھ مل کر ایک دو مرتبہ کوشش بھی کی لیکن سینئر صحافیوں کی عدم دلچپسی کی وجہ سے کامیابی نہ ملی ۔ایسا نہیں تھا کہ کسی نے اکٹھے ہونے سے انکار کیا ہو لیکن پڑھے لکھے اور اچھے کردار کے مالک صحافی سارے کہ سارے اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کے لیے اپنے اپنے روزگار میں اس قدر مصروف تھے کہ وقت نکالنا مشکل تھا۔ پچھلے دو سال تک میری مقامی صحافت میں کوئی خاص دلچپسی نہ رہی جس کی وجہ سے اس عرصے کے دوران نئے آنے والے صحافیوں اور پریس کلب کاہنہ کے پلیٹ فورم سے بے خبر رہا۔2013-01-10کے دن اُس وقت میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب مجھے کاہنہ کے سینئر صحافی سید زاہد حسین شاہ صاحب کا فون آیا اور انھوں نے بتایا کہ بیٹا امتیاز اتوار کے دن پریس کلب کے دوستوں کا اجلاس ہے جس میں کاہنہ کے تمام صاف ستھرے صحافیوں کو مدعو کیا گیا ہے اور آپ نے ضرور آنا ہے ۔میں نے فوراً اجلاس میں شامل ہونے کی حامی بھر لی اور بہت سے سوالات سوچنے لگا جو میں اجلاس میں کرنا چاہتا تھا۔اتوار کا دن آیا اور میں مقررہ وقت پر پریس کلب پہنچ گیا۔تلاوت قرآن کریم اور نعت رسول مقبولؐ سے اجلاس کا

آغاز ہوا جس کے بعد سید زاہد حسین شاہ صاحب نے اجلاس کی کارروائی شروع کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے علاقے میں زرد صحافت کرنے والے ٹاؤٹ قسم کے صحافیوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ہمیں اپنا دامن بچانے کے لیے اکٹھے ہونا پڑے گا۔ جس پر سب نے اتفاق کیا۔ جس کے بعد پریس کلب کاہنہ کی باڈی بنانے کا مرحلہ شروع کیا گیا تو اتفاق رائے کے ساتھ سید زاہد حسین شاہ کو صدر، محمد اشفاق بھٹی کو سینئر نائب صدر، مرزا ابرار بیگ کو نائب صدر، احمد حفیظ کو چیرمین، عمر شفیق ملک کو سینئر وائس چیرمین، فدا حسین جٹ کو جنرل سیکرٹری، امتیاز علی شاکر یعنی راقم کو ایڈیشنل جنرل سیکرٹری، اشفاق رانجا کو فناس سیکرٹری، جبکہ سرپرست اعلیٰ یوسف نجمی اور مرید حسین سیال کو منتخب کرلیا گیا۔ ایگزیکٹو باڈی میں ڈاکٹر محمد اکرام، حاجی افتخار نورانی، ظفر اقبال رحمت علی اختر، ذیشان احمد بھٹی، ڈاکٹر ظفر اقبال، سجاد علی شاکر، حاجی اسلم، ملک، ارشد، ایم سکینڈر، تجمل حسین، کو منتخب کیا گیا۔ نو منتخب عہدیداران اور ممبرز سے خطاب کرتے ہوئے نو منتخب صدر پریس کلب کاہنہ جناب سید زاہد حسین شاہ نے کہا کہ صحافت ریاست کا چوتھا ستون ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کی طرح صحافت بھی ملک وقوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کسی ریاست کے صحافی اپنے فرائض موثر طریقے سے سرانجام نہ دیں تو ریاست کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ صحافی کے قلم سے لکھا ہوا ایک جملہ ملک وقوم کے لیے بہترین یا بدترثابت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے صحافی اپنے نظریے اور تجزیے کو بڑے ہی محتاط

انداز اور حقائق کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔یوں تو انسان کسی مذہب یا فرقے کا قیدی نہیں بلکہ فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے۔اس لیے آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔جسے دنیا میں قانونی حیثیت بھی حاصل ہو چکی ہے۔اسی طرح آزادی صحافت بھی آئینی اور قانونی حق ہے۔جہاں حقوق ہوں وہاں فرائض کا ہونا لازم ہے۔آزادی صحافت کا آئینی حق ہے،اسی لیے صحافت کے ہر ادارے کو چاہیے کہ وہ حقائق کی ترسیل میں بغیر کسی خوف وخطر اور دباؤ کے اپنے حق کو استعمال کرے۔کیونکہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا بھی جہاد ہے'لہٰذا صحافیوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنی آزادی اظہار رائے پر پابندی نہ لگنے دیں۔سچے اور کھرے صحافی کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں جبکہ زرد صحافت وہ بدنماء داغ ہے جسے دھونے کے لیے ہمیں اپنا خون بھی دینا پڑا تو ہم گریز نہیں کریں گے۔صحافت ہمارا اُوڑھنا،بچھونا ہے جس کی حفاظت ہمارا اولین فرض ہے،زرد صحافت کے خلاف جہاد جاری رہے گا:میں نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ ہم زرد صحافت کا راستہ کیسے روک سکتے ہیں؟انھوں نے جواب دیا کہ جب ہم اپنے علاقے میں پیدا شدہ مسائل سے بروقت اور پوری طرح آگاہی رکھتے ہوئے سرکاری وغیر سرکاری محکموں میں ہونیوالی بدعنوانیوں،کرپشن اور دیگر خرابیوں کا پردہ بذریعہ خبر فاش کرتے رہیں گے اور مظلوم کی آواز اہل اقتدار تک پہنچانے کی فیس نہیں مانگیں گے اور زرد صحافت کرنے والوں کو ٹف ٹائم دیں گے تو وہ دن دور نہیں جب ہمارا علاقہ زرد صحافت سے پاک ہو جائے گا،سینئر وائس چیرمین عمر شفیق ملک نے کہا کہ ہمیں

کسی پر الزام تراشی کرنے یا مخالفت برائے مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی صحافی برادری کے لیے بدنامی کا باعث بنتا ہے تو ہم اُس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جس کی اجازت ہمیں ہمارا پروفیشن دیتا ہے یعنی ہم مہذب طریقے سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔ لوگ خود ہی کھوٹے کھرے کی پہچان کر لیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ زرد صحافت کے خاتمے کے لیے کڑی محنت کرنا پڑے گی۔ اس موقع پر سینئر نائب صدر محمد اشفاق بھٹی نے کہا کہ صحافت ہماری پہچان ہے اور پہچان پر ہم کوئی حرف نہیں آنے دیں، انہوں نے صحافت کو زرد کرنے والوں کو پیغام دیتے ہوئے کہا ابھی صحافت کے وارث زندہ ہیں اور ہم جلد حساب لیں گے'' سرپرست اعلیٰ یوسف شجمی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پریس کلب کا کوئی ممبر یا عہدیدار بڑا چھوٹا نہیں ہوگا ہم سب برابری کی سطح پر بھائی ہیں اور اگر کسی موقع پر ایک ممبر بھی موجود ہوگا تو اُس کو پریس کلب یعنی سب کی شمولیت تصور کیا جائے گا تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ ہم سب ایک ہیں'' سینئر صحافی مرید حسین سیال جن کو ہم کاہنہ کے صحافیوں کی ماں کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں چوبیس گھنٹے اپنے صحافی بھائیوں اور عوام کے لیے حاضر ہوں، انہوں نے کہا کہ ہم مل کر زرد صحافت اور بدعنوان عناصر کا مقابلہ کریں گے اور دنیا میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے مل جل کر حل نہ کیا جا سکے'' کیونکہ میں اپنے علاقے کے سینئر صحافیوں کو بچپن سے جانتا ہوں اس لیے مجھے اُمید ہے کہ اب کاہنہ میں زرد صحافت کے علمبرداروں کو ٹف ٹائم ملے گا۔ کاہنہ میں زرد صحافت

جس قدر پھیل چکی ہے اُس کا خاتمہ تو جلدی سے ہوتا نظر نہیں آتا لیکن پریس کلب کاہنہ کے قیام کے بعد زرد صحافت کا دائرہ ضرور تنگ ہوگا۔ پاکستان زندہ باد۔ صحافت پائندہ باد۔ زرد صحافت مردہ باد

جمہوریت رہے نہ رہے

مانا کہ جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے لیکن انسانیت سے زیادہ اچھی نہیں ،انسانیت دوسروں کو جینے کا حق دیتی ہے اور جمہوریت انسانیت کے اُصولوں پر عمل کرنے کو کہتے ہیں ۔ اگر دنیا میں انسانیت ختم ہوجائے تو جمہوریت کس طرح زندہ رہ سکتی ہے۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے مقام فکر ہے کہ آج انسانیت کم یاب نہیں نایاب ہونے کو ہے ۔ حقوق نسواں ، بچوں کے حقوق ، بزرگوں کے حقوق ، معذوروں کے حقوق اور کئی قسم کے حقوق کی بات تو کی جاتی ہے لیکن آج انسانیت کے حقوق و بقاء کی بات کوئی نہیں کرتا۔ کسی کو کوئی حق ملے نہ ملے میری طرف سے پاکستانی قوم کو (نام نہاد) جمہوریت مبارک جو اپنی آئینی مدت یعنی پانچ سال پورے کرنے کو ہے۔ پاکستانی سیاسی قیادت اس فخر کے ساتھ عام انتخابات کی تیاری میں ہے کہ انہوں نے پانچ سال تک جمہوریت کے تسلسل کو قائم رکھ کر قوم پر احسان کیا ہے۔ حکمران کہتے ہیں کہ انہوں نے جمہوری حکومت کے پانچ سال پورے کرکے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے بظاہر لگتا بھی کچھ ایسا ہی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کارنامے کا ثمر کس کے حصے میں آئے گا؟ میں تو فقط اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جو زندہ بچے گا اُس کو جمہوری نظام کے تسلسل سے فوائد حاصل ہوں گے۔ یہ بات تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملک کس کے جینے کا سامان باقی ہے اور کس طبقے

کو جینے کا حق حاصل ہے جی ہاں حکمران طبقے کی بات کر رہا ہوں۔ عوام کے حصے میں ابھی تک تو صرف جمہوریت ہی آئی ہے۔ حکمران ہر سوال کے جواب میں جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں۔ عوام مایوس نہ ہوں کیا ہوا اگر بجلی نہیں، کیا ہوا اگر گیس نہیں۔ کیا ہوا اگر موبائل سروس نہیں، کیا ہوا اگر پانی نہیں، کیا ہوا اگر روزگار نہیں، کیا ہوا اگر امن و امان نہیں، کیا ہوا اگر انصاف زندہ نہیں، کیا ہوا اگر قانون کی حکمرانی نہیں، کیا ہوا جو انڈسٹری تباہ و برباد ہو گئی ہے، کیا ہوا اگر غریب عوام کے تن پر کپڑا نہیں، کیا ہوا اگر کھانے کو روٹی نہیں، کیا ہوا جو غریب کا بچہ پڑھ لکھ نہیں سکتا، کیا ہوا جو غریب اپنی بیماری کا علاج نہیں کروا سکتا، کیا ہوا جو غریب عوام بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کر لے، کیا ہوا جو ملک میں زندہ رہنے کا حق صرف امیر کو ہے۔ عوام پریشان نہ ہوں حکمران اور باقی سیاسی قیادت اچھی طرح جانتی ہے کہ عوام کے پاس زندہ رہنے کا کوئی سامان باقی نہیں رہا، اسی لیے تو پیارے حکمرانوں نے جمہوریت کا مرکب تیار کیا ہے قوم کے ہر دکھ اور درد کی دوا ہے جمہوریت۔ جسے بھوک لگے وہ کاغذ پر جمہوریت لکھ کر، کھا لے اور اگر پیاس لگے تو اپنے ہی آنسو پی لے، جس کے پاس کپڑے خریدنے کے لیے پیسے نہیں وہ اپنے جسم پر جمہوریت لکھ لے، مختصر یہ کہ جمہوریت کھاؤ، جمہوریت پیو، جمہوریت پہنو، جمہوریت سنو، بولو، پڑھو، لکھو، اور اس کے علاوہ بھی اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ہر دھوکے کے بعد سو مرتبہ جمہوریت پڑھ کر دم کر لو مکمل آرام آ جائے گا اگر پھر بھی افاقہ

نہ ہو تو قریبی کرپٹ ترین سیاست دان سے رجوع کریں (نوٹ خبردار، کیونکہ جمہوریت ابھی نایاب ہے اس لیے جمہوریت پر عمل کرنا سخت منع ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو حوالہ جمہوریت کیا جائے گا) قارئین محترم اس طرح کے خیالات ہر پاکستانی کے دل و دماغ میں گردش کرتے رہتے ہیں جو ملک میں موجود ہر مسئلے اور مشکل کی ذمہ داری صرف حکومت پر ڈالتے ہیں۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکمران انسانیت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔لیکن اصل سوال یہ ہے کہ ایسے حکمران ہمارے حصے میں کیوں آئے ؟اگر ہم مسلمان کی حیثیت سے سوچیں تو یہ بات بڑی واضح ہے کہ جیسی قوم ویسے حکمران۔بہت سے دوسرے عذابوں کی طرح برُے حکمران بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل کردہ عذاب ہیں۔مطلب کہ ہمیں اگر اچھے حکمرانوں کی طلب ہے تو پھر ہمیں اپنے اعمال درست کرنے پڑیں گے کیونکہ درست سمت میں سفر کیے بغیر منزل نہیں ملا کرتی۔ایک دوست نے بذریعہ ای میل بہت ہی خوبصورت بات کہی کہ بیمار قوم یا کسی بھی بیمار شخص کی بیماری کا علاج اس وقت تک ممکن نہیں جب تک صحیح تشخیص نہیں ہوجاتی۔آج کے حالات کو دیکھتے ہوئے تو لگتا ہے کہ قوم کے گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہورہے ہیں۔یعنی ہمارے گناہ ہی سب سے بڑی بیماری ہیں۔معاشرے میں برائیاں یعنی گناہوں کے پھیلنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے احکام الٰہی پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔پاکستان کی بنیاد لاالہ اللہ تھی لیکن بدقسمتی سے ہم نے اللہ تعالٰی کی پاک ذات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے مال و دولت پر توکل کرلیا جس نے ہمیں

فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کردیا ہے۔جہاں تک بات ہے پاکستان کے حالات کی تو ملک خُداداد میں.برائیوں کی اصل ذمہ دار صرف حکومت نہیں بلکہ خود پاکستانی قوم بھی ہے۔ہر شخص ہر مسئلے اور ہر گناہ کی ذمہ داری حکومت پر ڈال کر خود مطمئن ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو پاک دامن تصور کرتا ہے۔کیا ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کافی نہیں کیوں ہم اپنی ہر مشکل ہر مسئلے کا حل غیر مذہب قوانین میں تلاش کرتے ہیں ؟اگر ہم اپنے آپ کو زندہ قوم سمجھتے ہیں تو دن رات.بری حکومت کا رونا رونے کی بجائے اپنی اُن.برائیوں کی نشاندہی کریں۔جن کی وجہ سے اللہ تعالٰی ہم سے ناراض ہے اور اُن.برایوں کو اللہ تعالٰی کی عطا کردہ صلاحیت کے مطابق دور کرنے کی کوشش کریں۔اگر یہ کام نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم زندہ نہیں مردہ قوم ہیں۔رہی بات جمہوریت کی تو جمہوریت رہے نہ رہے انسانیت باقی رہنی چاہیے۔اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ہمیں سچے دل سے توبہ کرنے اور توبہ پر قائم رہنے کی (توفیق و طاقت عطا فرمائے (آمین

ویلنٹائن ۔ نفسانی ڈے

ویلنٹائن ڈے منانے والوں کو چاہیے کہ ہوش کے ناخن لیں کیونکہ جس قوم نے اس دن کو منانے کا آغاز کیا تھا اُس کے نزدیک پہلے دن سے ہی محبت کی کوئی قیمت نہیں تھی وہ تو جسمانی حوس کے پجاری لوگ ہیں ۔اُن کا مذہب اور قانون اُن کو کھلے عام مرد و عورت کے جائز، ناجائز تعلقات کی اجازت دیتا ہے۔یعنی اُن کے نزدیک جسم ، جسم کی ضرورت ہے ایک نہیں تو دوسرا سہی ۔ویلنٹائن ڈے منانے والوذرہ سوچو بھلا جسمانی حوس کو محبت کا نام دینا مناسب بات ہے؟اور کیا سال میں صرف ایک دن محبت کے لیے ہونا چاہیے ؟اور جو آج کل چل پڑی ہے رسم (نام نہاد) محبت یعنی حوس کی وہ تو ایک لمحہ نہیں رکتی یا تو سال بھر صبر کرواور پھر ایک دن محبت کے نام سے منا لواور اگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا تو بند کردو یہ ڈرامہ بازی ۔سال میں ایک دن کو محبت کا خطاب دے کر خوب جوش وخروش کے ساتھ منانا اور باقی سارا سال انسان کوانسان نہ سمجھنا یہ کیسی محبت ہے؟اگر یہ ڈرامہ بازی نہیں تو پھر اور کیا ہے ؟ اور ایک سوال اُن لوگوں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ویلنٹائن ڈے ضرور منانا چاہیے لیکن محرم رشتوں یعنی ماں، باپ، بہن ، بھائی، میاں ، بیوی وغیرہ سے محبت کا ظہار کرتے ہوئے۔میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارے رشتے اسی قابل ہیں کہ ان کے ساتھ سال میں صرف ایک دن اظہار محبت کیا جائے ؟کیا ان رشتوں

میں ایسے بناوٹی اظہار محبت کی ضرورت ہے ؟میں تو یہی کہوں گا کہ ہوش کرو مسلمانوں نہ دو اپنے آپ کو دھوکہ لوٹ آؤ اپنے رب کے دین کی طرف کہ اسی میں بقاء ہے ۔محبت کرو اُس سے جو محبتوں کے صلے دیتا ہے۔جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا ،جو ہماری غفلتوں اور گناہوں کے باوجود رحمتیں نازل فرماتا ہے۔بے شک وہی پیدا فرماتا ہے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبتیں۔یہاں تک کہ اگر وہ (اللہ تعالٰی) والدین کے دلوں میں اُولاد کے لیے محبت پیدا نہ فرماتا تو وہ اپنے ہی بچوں سے محبت نہ کرتے۔اگر یوں کہوں کہ اُس (اللہ تعالٰی)کے سوا کوئی محبت کے قابل نہیں اور نہ ہی کوئی محبتوں کا صلہ دے سکتا ہے تو جھوٹ نہ ہوگا۔کیونکہ اللہ تعالٰی کی مخلوق سے محبت کرنا بھی انسانی فطرت میں شامل ہے اس لیے انسان کو محبتیں بانٹتے رہنا چاہیے لیکن حلال و حرام کی تمیز کرتے ہوئے۔انسان کو دنیاوی محبت میں اس قدر نہیں بہکنا چاہیے کہ اُسے محبت اور نفسانی خواہشات کی پہچان بھول جائے۔اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ میں فرمایا۔ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرو جو پہلے ہی بھٹک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں ۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب نبی حضرت محمدؐ سے کہلوایا کہ کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی، میرا جینا ،اور میرا مرنا سب اللہ تعالٰی کے لیے ہی ہے۔ایک اور جگہ فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں ۔قرآن مجید صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے

لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ لیکن اگر ہم بات کریں مسلمانوں کی تو مسلمانوں کی زندگی قرآنی تعلیمات کے مطابق ہونی چاہیے نشانیاں یا شعار وہ علامتیں ہوتی ہیں جن سے قومیں پہچانی جاتی ہیں۔ وہ تہوار وہ عبادات جن کی اسلام اجازت دیتا ہے وہ ہم مسلمانوں کی پہچان ہیں۔ اور کچھ ایسے تہوار بھی دنیا میں منائے جاتے ہیں جن کا نہ صرف ہمارے دین میں دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ملتا بلکہ وہ جس طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ ہمارا دین ہمیں منع فرماتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہماری نوجوان نسل ایسے واہیات تہوار جوش وخروش سے مناتی ہے۔ اور اس طرح ہم اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کررہے ہیں۔ اور اگر ہم غیر مذہب لوگوں کی پیروی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کی پیروی کرلیں تو ہمارا دین بھی بچ سکتا ہے اور دنیا بھی۔ اور جو تھوڑا سا وقت ہمیں ملا ہے اس دنیا میں گزارنے کے لیے اگر ہم اس کی قدر وقیمت سمجھ جائیں تو ہم کبھی ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ دنیا میں بہت سے لوگ وقت کی حقیقی قدر وقیمت کا احساس کئے بغیر ماہ سال گزارتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وقت قدرت کا سب سے گراں قدر تحفہ ہے۔ دنیا میں کسی کے پاس بھی لامحدود وقت نہیں۔ اور کوئی بھی اس دنیا میں سدا نہیں رہنے والا۔ ہم اس دنیا میں مختصر وقت کے لیے آئے ہیں اور ہمیں جلد اس دنیا سے جانا ہوگا۔ اور جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت بھی ان کو بھول جاتا۔ جو لوگ زندگی کے قیمتی وقت کی قدر کرتے ہیں اور احتیاط، شعور، اور اچھی عادتوں کے

ذریعے وقت کو اچھے اور کامیاب طریقے سے گزارتے ہیں۔وقت بھی ایسے لوگوں کو
ان کے جانے کے بعد تک یاد رکھتا ہے اور وہ لوگ مر کر بھی نہیں مرتے۔وہ اپنے
کارناموں میں زندہ رہتے ہیں۔اچھائی اور برائی ہر جگہ موجود ہے کوئی بھی انسان برا
نہیں ہوتا ہر انسان اپنے عملوں کی وجہ سے اچھا یا برا بنتا ہے۔جس کے (عمل) اچھے وہ
اچھا ہوتا ہے اور جو کوئی برے عمل کرے تو وہ برا۔دور حاضر میں ہمیں شدید ضرورت
ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔میں نے بھی اس
موضوع پر بہت سوچا میری سمجھ میں ایک ہی بات آتی ہے کہ ہم ساری دنیا کے مسلمان
اللہ کے دین سے دور ہونے کی وجہ سے مشکلات میں گھر چکے ہیں اور ہمارے معاشرے
میں دنیا کی وہ تمام برائیاں بھی موجود ہیں اسلام جن سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔جس طرح
ہم ہر سال بڑے شوق سے ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں۔جب کہ مسلمانوں کا اس دن سے
دور دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا۔ویلنٹائن خالصتا غیر مذہب لوگوں کا تہوار ہے۔اپنے
مطالعے کے مطابق میں ویلنٹائن کا ذکر کرتا چلوں کے یہ کب سے اور کیوں منایا جاتا ہے
۔پہلی دفعہ یہ دن 14 فروری 269ء کو ایک سائن ویلنٹائن نامی شخص کی نسبت سے
منایا گیا۔سان ویلنٹائن کو عیسائیت پر ایمان کے جرم میں پھانسی دے دی گئی تھی۔وہ
عیسائیت کی مقررہ حدود سے بالاتر ہو خدمات انجام دیا کرتا تھا اور سنا ہے پسند کی
شادیاں کرواتے وقت اپنے مذہب کی حدود سے تجاوز کرتا تھا۔پھانسی کے بعد اس کے
حامی یہ دن تعزیت کے طور پر منایا کرتے تھے۔بعدازاں یہ دن یوم محبت کی

شکل اختیار کرگیا کیونکہ پھانسی سے پہلے جب ویلنٹائن جیل میں تھا تو جیل میں اسے جیلر کی بیٹی سے عشق ہوگیا اور وہ جیلر کی لڑکی کو عشقیہ خطوط لکھا کرتا تھا۔اور جیلر کی لڑکی سائن کے لیے گلاب کے پھول لایا کرتی تھی۔سائن ویلنٹائن کے وہ خطوط اس کی پھانسی کے بعد منظر عام پر آئے تو برطانیہ میں ان خطوط کو بہت پذیرائی ملی جس کے بعد برطانیہ میں یہ دن تہوار کی شکل اختیار کرگیا۔شروع کے دنوں میں یہ تہوار صرف برطانیہ میں منایا جاتا تھا اور پھر پھیلتا ہوا ہم تک بھی آ پہنچا۔برطانیہ کے نوجوان اس دن محبت کے گیت گاتے ہیں (غیر محرم عورت و مرد کی محبت میں ایک دوسرے کو پھول،کارڈ اور عشقیہ خطوط لکھتے ہیں۔قصہ مختصر کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ جاننے، سمجھنے کے باوجود کے یہ تہوار ہمارا نہیں ہے پھر بھی ہماری نوجوان نسل اس دن کو ویلنٹائن ڈے کے طور پر بھرپور طریقے سے مناتی ہے۔کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات بھی نہیں مانتے۔ ویلنٹائن ڈے مناکر لوگ اپنی نفسانی خواہشات کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔جس کی وجہ سے آج ہم بحیثیت مسلم قوم دنیا میں ذلیل و رسوا ہورہے ہیں۔ویلنٹائن ڈے جیسے واہیات تہوار مناکر ہم صرف قیمتی وقت کاریاں ہی نہیں کررہے بلکہ اس طرح ہماری نوجوان نسل تیزی سے جنسی بے راروی کا شکار ہو رہی ہے۔یہ ہمارے لیے مقام فکر ہے کہ ہم ہیں تو مسلمان لیکن غیر مذہبوں کے تہوار بڑے جوش وخروش کے ساتھ مناتے ہیں۔قارئین یہ ویلنٹائن ڈے ہر

سال 14 فروری کو منایا جاتا ہے۔ میری والدین سے اپیل ہے کہ اپنے بچوں کو اس بد بخت تہوار سے دور رکھنے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کو اپنے مذہب یعنی اسلام کے قریب لانے کی کوشش کریں تاکہ نوجوان اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے میں خرچ کریں تاکہ ہمارا مستقبل روشن ہو۔جب تک نوجوان نسل قرآنی تعلیمات سے واقف نہیں ہوگی تب تک معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیاں ختم نہیں ہونگی ۔ اللہ کا دین ہی واحد راستہ ہے سب مشکلوں سے نکلنے کا۔ اگر ہم اللہ تعالی کے دین پر عمل پیرا ہوجائیں تو دنیا میں ہر طرح کی ناانصافی ناپید ہوجائے گی کیونکہ اسلام میں کسی انسان کی تذلیل کرنے کو بہت ہی برا کہا گیا ہے ۔انسان کی عظمت کو اللہ تعالی نے روز ابد سے ہی اپنے فرشتوں سے سجدہ کرواکے ثابت کردیا ہے ۔اللہ تعالی نے انسان کو تمام مخلوقات سے اعلیٰ وافضل بنا کر اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ہے ۔ایک ایسا ضابطہ حیات قرآن کریم کی صورت عطا کیا جس کی پوری کائنات میں کوئی دوسری مثال نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ آج ہم مسلمان اسلام کی حکمرانی کی بات کرتے ہیں ۔ہم اللہ تعالی کے دین کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں ۔مگر بلند و بالا نعروں کے با وجود ہم اسلام سے بہت دور ہیں ۔ سوال یہ پیدہ ہوتا ہے کہ ہم دین کے ساتھ اتنی زیادہ محبت کرنے کے باوجود دین سے دور کیوں ہیں ۔مجھے لگتا ہے کہ ہم حقیقت سے دور نکل آئے ہیں اور دن بدن دور ہی ہوتے جارہے ہیں ۔اور صرف دیکھاوے کی محبت کرتے ہیں ۔ کیونکہ اللہ کا دین خالی نعروں کا نہیں بلکہ

عمل کا درس دیتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہم نے عمل کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اگر ہم آج بھی وقت کی قدر کریں اور وقت کو ضائع کیے بغیر اپنے دین کی طرف پلٹ جائیں تو بہتر ہوگا۔

بچے وقت مانگتے ہیں (2

راقم نے چند روز قبل بچوں کے حوالے سے ایک مضمون لکھا تھا جسے قارئین نے بہت پسند کیا اور بہت سی قیمتی آراء سے نوازا۔ میں دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے آج کے مصروف ترین دور میں میرے لیے وقت نکالا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ دوستوں کی حوصلہ افزائی نے مجھے اس موضوع پر پھر سے لکھنے پر مجبور کر دیا ہے ۔میں نے لکھا تھا کہ بچے وقت مانگتے ہیں آج اسی بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کروں گا،کچھ مزید حقائق آپ کے گوش گزاروں گا اور کوشش کروں گا کہ بچوں کی اچھی پرورش کرنے کی خواہش رکھنے والے والدین کے لیے کچھ آسانیاں پیدا کر سکوں جو کہ دور حاضر میں بہت مشکل کام ہے۔دور حاضر میں معاشی حالات نے والدین کو اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ بچوں کو وقت دینا تو دور کی بات ہے بچوں کے متعلق سوچنے کے لیے بھی وقت نہیں ملتا کیونکہ بچوں کی صحت و تعلیم، کھانے پینے اور پہنے کے علاوہ بھی بہت سے اخراجات کو پورا کرنے کی ذمہ داری والدین پر ہوتی ہے۔جب دن رات محنت مزدوری کرنے پر بھی اخراجات پورے نہ ہوں تو والدین بچوں کو وقت کس طرح دے سکتے ہیں۔جب غریب آدمی کی کل آمدنی سے صرف گھر کا راشن پانی پورا نہ ہو تو پھر وہ بچوں کی صحت و تعلیم پر کہاں سے خرچ کرے گا۔ایسے حالات میں انسان کا ذہنی مریض بننا ضروری ہو جاتا ہے اور ایک ذہنی مریض بچوں کو وقت دے کر بھی

مثبت طریقے سے پرورش نہیں کر سکتا۔ لیکن مایوسی گناہ ہے اس لیے بچوں کو وقت دے کر ان کی مشکلات کو آسان کرنے کی کوشش کرنا والدین کی اولین ذمہ داری ہے۔آج کے بچے ہمارا آنے والا کل ہیں اگر ہم انہیں وقت نہیں دیں گے تو ان کی مشکلات کون دور کرے گا؟ بچے معصوم ہوتے ہیں اس لیے اُن کی ذاتی مشکلات نہیں ہوتیں۔ ہمارے دہرے رویئے ہی ہمارے بچوں کی زندگی میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ہم خود جھوٹ بولتے ہیں اور بچوں کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ خود نماز نہیں پڑتے اور بچوں کو نماز پڑنے پر مجبور کرتے ہیں، بچوں کے سامنے اپنے بہن بھائیوں کا حق نہیں دیتے اور بچوں کو عدل و انصاف کے تقاضے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ہم خود اپنے والدین کی عزت نہیں کرتے، بچوں کے سامنے اُن کے ساتھ بدتمیزی کے ساتھ پیش آتے ہیں، ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے اور اپنے بچوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہماری یعنی بچے اپنے والدین کی عزت کریں اور ان کے حقوق کا خیال کریں۔خود دانت صاف نہیں کرتے اور بچوں کو برش کرنے کا حکم دیتے ہیں، خود دیر تک سوتے ہیں اور بچوں کو صبح سویرے اُٹھ کر نماز کا حکم دیتے ہیں، خود ہاتھ دھوئے بغیر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور بچوں کو کھانا کھانے سے پہلے اچھی طرح ہاتھ دھونے کا حکم دیتے ہیں، مختصر کہ ہم خود تمام اچھے اعمال کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو اپنانے کا درس دیتے ہیں۔ جبکہ بچے ہمارے رویوں اور اعمال کو کاپی کرتے ہیں وہ نہیں سمجھتے ہمارے درس اور احکامات کو بچے وہی کچھ اپناتے ہیں جو والدین کرتے ہیں۔ چنانچہ

اگر ہم اپنے بچوں کی اچھی پرورش کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ہمیں اپنے آپ میں وہ خوبیاں پیدا کرنا ہوں گی جو ہم اپنے بچوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔بچے معصوم ہوتے ہیں وہ صحیح اور غلط کے فرق کو تب تک نہیں سمجھ پاتے جب تک کہ ان کو گہرائی میں جاکر سمجھایا نہ جائے۔ہمارے ہاں مائیں بچوں کو کسی غلط بات سے روکنے کے لیے بول دیتیں ہیں کہ تیرا باپ ،پاپا، آنے والا ہے اُس نے دیکھ لیا تو تمھیں مار پڑ جائے گی۔یا آ لینے دو تیرے باپ، پاپا کو اُن کو بتا کر تجھے سیدھا کرواؤں گی۔ماں کی اس طرح کی گفتگو سے بچا سمجھتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے وہ کام تو ٹھیک ہے لیکن باپ ،پاپا کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔اس طرح بچے صحیح اور غلط کی تمیز نہیں کرپاتے اور ہر بات باپ ،پاپا سے چھپانے لگتے ہیں ۔باتیں چھپانے کی یہ عادت آہستہ آہستہ چوری کی عادت میں تبدیل ہوجاتی ۔جیسے جیسے بچوں کی عمر بڑتی جاتی ہے چوری کی عادت بچوں کی فطرت میں شامل ہوجاتی ہیں۔ والدین تو اپنے بچوں کی خامیوں کو برداشت کرلیتے ہیں لیکن ساری دنیا نہیں کرتی۔

جمہوریت لے لو

اب گلی میں سبزی بیچنے والا اگر آواز لگائے کہ آلو، گوبی، بینگن، گاجر، پالک لے لو تو یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ بھی حکمرانوں کی آواز بول رہا ہے اور سبزی کی بجائے جمہوریت فروخت کر رہا ہے، لیکن بدقسمتی سے جمہوریت فروخت کرنے والوں کے بچے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور سبزی فروخت کرنے والوں کے بچے کسی ہوٹل یا ورکشاپ پر مزدوری کرتے ہیں۔ آج میرے وطن کے کسی ایک ادارے میں بھی جمہوریت کا وجود محسوس نہیں ہوتا لیکن جمہوریت کا بازار گرم ہے، ہر طرف جمہوریت کی ریل پیل ہے۔ آخر یہ نام نہاد جمہوریت ہے کس مرض کی دوا؟ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے جن اہم چیزوں کی ضرورت ہے ان میں جمہوریت کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے جمہوریت ہو یا آمریت انسان کو اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالنے کے لیے با عزت روزگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ باعزت روزگار یعنی بھیک مانگے بغیر اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو کو محفوظ رکھتے ہوئے۔ ایسی مزدوری جو مزدور اور اس کے خاندان کا پیٹ پال سکے۔ لیکن جس دور میں انسان کی کوئی قیمت نہ ہو وہ دور جمہوری ہو یا آمرانہ ہو کچھ فرق نہیں۔ کچھ ایسی جمہوریت اس وقت وطن عزیز میں بھی رائج ہے۔ مسائل گننے کا وقت بھی اب ختم ہو چکا اب تو اگر کوئی بہتری باقی ہے تو اس کی بات ہونی چاہیے۔ غریب عوام تو پچھلے 65 برس سے

مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔آج کل عام آدمی کی مشکلات میں کمی کی بجائے ان میں اور بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔عام عوام کی مشکلات کیا ہیں۔روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی،بد امنی،بے روزگاری،وسائل کم ہونے کی وجہ سے صحت وتعلیم کے حصول سے دوری،بجلی وگیس اور سی این جی کی لوڈشیڈنگ جس کی وجہ سے بے روزگاری میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔مہنگائی کی اس وادی میں 2 ہی چیزیں عام اور مفت کی حدتک سستی ہیں۔آپ جاننا چاہیں گے کہ کون کون سی ہیں وہ 2 چیزیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ہیں جمہوریت اور غریب کی جان ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں باقی تو دورجدید میں سانس لینے کے لیے آکسیجن بھی مفت نہیں ملتی۔عام آدمی کی زندگی میں اس کے علاوہ بھی بہت سی مشکلات ہیں۔افسوس کہ جن کو عوام کی مشکلات کا حل نکالنا تھا وہ سب مل کر جمہوریت بچانے کی جنگ لڑرہے ہیں۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سیاست دان پچھلے 65 سال سے جمہوریت کا رونا رو رہے ہیں لیکن عوام نہیں جانتے کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے۔قارئین آپ ابھی اپنے قریبی بازار چلے جائیں اورلوگوں سے سوال کریں کے جمہوریت کیا چیز ہے۔جمہوریت کا کیا مطلب ہے۔توآپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ سو میں سے دو یا چار لوگ ہی جمہوریت کو تھوڑا بہت سمجھتے ہیں باقی کو جمہوریت کے بارے میں کچھ علم نہیں یہ بات اتنی حیران کن بھی نہیں جب لوگوں کو دن رات محنت مزدوری کرنے کے بعد بھی اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے دو وقت کا کھانا دستیاب نہ ہو۔جب مائیں اپنے بچوں کو اسکول کی بجائے صرف اس

لیے کسی ہوٹل یا ورکشاپ میں ڈال دیں کہ ان کے بچوں کو وہاں دو وقت کا کھانا مل جائے گا اور ان کے بچے بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرنے سے بچ جائیں گے ۔تب لوگوں کا دماغی توازن درست نہیں رہتا لوگ پاگل ہو جاتے ہیں ۔اور پاگلوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ان کے ملک میں آمریت ہو یا جمہوریت ان کو تو اچھے معالج کی ضرورت ہوتی ہے اور اچھے سے اچھا معالج بھی تب تک کسی مریض کا علاج نہیں کر سکتا جب تک مریض کے پیٹ میں اچھی غذا نہ جائے ۔آج کی سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ جب انسان کے جسم کو پوری غذایت دستیاب نہ ہو تو انسان کا جسم اپنے آپ کو کھانا شروع کر دیتا ہے ۔بڑے ہی دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج میری قوم کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے ۔ایسے میں قوم کو کسی نئے حکمران کی نہیں بلکہ کسی مسیحا کی ضرورت ہے۔اس کا تعلق چاہے کسی جمہوری پارٹی سے ہو یا نہ ہو۔حکمران کہتے ہیں عالمی ماحول کچھ سازگار نہیں ہیں ۔جمہوریت کو پٹڑی سے کسی صورت نہیں اترنے دیں

گے ۔جمہوریت ہی بہترین انتقام ہے۔عام آدمی کو حکمرانوں کی کسی بات سے کچھ لینا دینا نہیں اسے تو روٹی ،کپڑا اور سر چھپانے کے لیے چھت چاہیے۔اُسے تو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور بہتر مستقبل کے لیے بہتر روزگار کی ضرورت ہے ۔جو بے روزگار ہے ،جو بھوکا ہے،جس کے تن پر کپڑے نہیں ۔جس کے بچے صحت و تعلیم کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں ،جس کے بوڑھے والدین کی آنکھیں خراب ہیں اور وہ دس سالوں سے 20۔25 ہزار روپے جمع کر کے ان کا آپریشن نہیں کروا سکا،جس کی جوان بیٹیاں غربت کی وجہ سے گھر

بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہوں، جس کے پاس اپنی بیٹیوں کو جہیز دینے کے لیے کچھ نہ ہوں جس نے اپنے بچوں کو اپنا خون بیچ کر پڑھایا ہو اور وہ نوکری کی تلاش میں دھکے کھاتے، پھر رہے ہوں، وہ جو سارا دن مزدوروں کے اڈے پر بیٹھ کر رات کو کھالی ہاتھ گھر لوٹتا ہو، وہ جو مزدوری مانگنے جائے تو لوگ اُسے بیکاری سمجھ کر کہیں معاف کرو بابا، جس کی قوت خرید سے سبزی، دال، آٹا، دودھ، پھل، گھی، مرچ، نمک اور دیگر روز مرہ کی ضروریات زندگی باہر ہوں، مختصر کہ ہر طرح کی محرومیاں اُس کے دامن میں ہوں اور وہ پاکستان جیسے قدرتی وسائل سے مالامال ملک کا شہری ہو، حکمرانوں وہ کیا کرے تمہاری جمہوریت کا؟ جمہوریت عام آدمی کے درد کی دوا نہیں عام آدمی کی ضروریات میں سے کوئی ایک بھی پوری نہیں کرتی یہ جمہوریت ۔آج ہر پاکستانی کہہ رہا ہے۔ حکمرانوں خُدارا اپنی جمہوریت لے لو باعزت روزگار دے دو، جمہوریت لے لو بجلی دے دو، جمہوریت لے لو گیس دے دو، جمہوریت لے لو جینے کا حق دے دو، جمہوریت لے لو امن واماں دے دو، جمہوریت لے لو انصاف دے دو، اپنی جمہوریت لے لو یا پھر ہماری سانسیں بھی لے لو۔ جبکہ سیاست دان آواز لگا رہے ہیں کہ عزت دے دو جمہوریت لے لو، غیرت دے دو جمہوریت لے لو، رہی سہی سانسیں دے دو جمہوریت لے لو۔ ہر سیاست دان کے پاس اپنی علیحدہ رنگ برنگی جمہوریت ہے ۔آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ جمہوریت تو بہت اچھی ہوتی ہے لیکن ہم وطنوں آؤ مل کر ایسی جمہوریت کو وطن سے نکال دیں

جس جمہوریت میں جمہوریت نہیں

خادم اعلیٰ پنجاب کا تحفہ بحال کیا جائے

کسی ملک کی ترقی کی رفتار کا اندازہ اُس کے ٹرانسپورٹ کے نظام سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ سڑکیں جس قدر کشادہ اور صاف ستھری ہوں گی اُن پر چلنے والی ٹرانسپورٹ بھی اُسی قدر تیزی سے رواں دواں رہے گی۔ جو قومیں اپنے ذرائع آمد رفت کی طرف توجہ نہیں دیتی اُن کے ترقی کرنے کے چانسز بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے صرف اچھی سڑکوں یاگاڑیوں کی وجہ سے ترقی کرنا ممکن نہیں ترقی کرنے کے لیے کچھ اور چیزیں بھی بہت ضروری ہیں جن میں توانائی کے بہتر سے بہتر ذرائع، روزگار کی فراہمی، عدل وانصاف کا عام آدمی کی پہنچ میں ہونا، رشوت و سفارش کا خاتمہ، صحت و تعلیم کی سہولیات کا غریب سے غریب فرد کی پہنچ میں ہونااور سب سے بڑھ کر عوام اور حکمرانوں کے درمیان قریبی رابطے رہناتاکہ حکمران عوامی مسائل سے آگاہ رہ سکیں ۔افسوس کہ اِن میں سے کوئی سہولت بھی عوام کے پاس نہیں ہے ایسے میں ایک خوبصور سڑک اور اُس پر چلتی ہوئیں خوبصورت اور قیمتی گاڑیاں کسی خواب یا ترقی یافتہ ممالک میں شوٹ ہوئی فلم جیسامحسوس ہوتاہے۔ بہر حال کچھ نہ ہونے بہتر ہے کچھ نہ کچھ ہوناہی سوچ کر میں آج خادم اعلیٰ پنجاب کے میٹرو بس منصوبے کو اچھا کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میاں شہباز شریف کے دوراقتدار سے پہلے بدقسمتی سے ہمارے ہاں بھی ذرائع آمدورفت یعنی ٹرانسپوٹ

کے نظام کو بہت کم توجہ دی جاتی رہی ہے۔اس بات سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا واقف ہے کہ میاں شہباز شریف نے ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر بنانے پر نہ صرف بہت زیادہ توجہ دی ہے بلکہ دن رات انتھک محنت بھی کی ہے ۔جس کے نتیجہ میں وہ منصوبے جو کبھی سالوں میں مکمل ہوا کرتے تھے وہ دنوں اور مہینوں میں مکمل ہونے لگے ہیں ۔وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کواگراُن کی کارکردگی پر کریڈٹ نہ دیا جائے تو زیادتی ہوگی ۔میں دیکھ رہاہوں کہ میٹرو بس سروس کے افتتاح کے بعد بہت سے لکھنے والے وزیراعلیٰ پنجاب کو ویل ڈن کہہ رہے ہیں اور بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرنے والے الفاظ میں وزیراعلیٰ پنجاب کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں ۔جو کہ اُن کا حق بنتا ہے ۔لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اُن لکھنے والوں میں شائد ہی کوئی ایسا ہو جس نے کبھی پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کیا ہو۔شاید اسی لیے شہریوں کے کچھ مسائل اُن کی نظر سے نہیں گزرے ۔آج میں وہی مسائل اپنی عقل کے مطابق آپ کی اور جناب وزیراعلیٰ پنجاب کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔پہلے تو میں وزیراعلیٰ پنجاب کو میٹرو بس سروس منصوبے کو وقت سے پہلے اور کامیابی کے ساتھ مکمل کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُن کی محنت کو سلوٹ کرتا ہوں ۔اب بات کرتے ہیں اُس مسئلے کی جس نے کاہنہ سے اسٹیشن تک آنے جانے والے ہزاروں شہریوں کو شدید پریشان کرر کھا ہے ۔بکو سٹی بس سروس کی 9 نمبر بس جو کاہنہ سے مزنگ چونگی ہوتی مال روڈ سے گزر کر اسٹیشن تک جاتی تھی اُسے تقریبا پچھلے .2 ماہ سے بند کردیا گیا ہے

۔بند ہونے سے پہلے بھی 9 نمبر بسوں کی تعداد بہت کم تھی جس کی وجہ سے مسافروں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔بس دیر سے آنے پر جب مسافروں کا رش زیادہ ہوتا تھا تو اکثر جیب تراش مسافروں کی جیبیں کاٹ لیتے تھے ۔اگر انتظامیہ کو مسافروں کی مشکلات کا احساس ہوتا تو بسوں کی تعداد بڑھا کر شہریوں کو سہولت دینے کی کوشش کرتی لیکن بد قسمتی سے جو تھوڑی بہت سہولت تھی اُسے بھی بند کرکے شہریوں کے لیے مزید مشکلات پیدا کر دی گئیں ہیں ۔آج کل کوئی بھی گاڑی کاہنہ سے اسٹیشن نہیں جاتی ،کاہنہ سے اسٹیشن جانے کے لیے دو سے تین گاڑیاں تبدیل کرنی پڑتی ہیں اور غریب آدمی جو محنت مزدوری کرنے کی غرض سے یہ سفر کرتا ہے وہ اتنا کماتا نہیں جتنا بسیں بدلنے میں خرچ ہو جاتا ہیں اور پھر سارا دن سفر میں گزر جاتا ہے کام کرنے کے لیے وقت ہی نہیں بچتا ۔چھوٹے بچوں اور خواتین کے ساتھ سفر کرتے وقت دو سے تین گاڑیاں تبدیل کرنا کس قدر مشکل کام ہے اس بات کا اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب عملی طور پر ایسا سفر کیا جائے ۔9 نمبر بس سروس بہت ہی اچھا منصوبہ تھا جو وقت کی ضرورت ہے ۔جب سے 9 نمبر بس سروس بند ہے اسٹیشن سے کاہنہ اور کاہنہ سے اسٹیشن آنے جانے والے مسافر شدید مشکلات سے دوچار ہیں ۔کیونکہ بکو بس سروس بھی وزیراعلیٰ پنجاب جناب میں محمد شہباز شریف کا شہریوں کو خوبصورت تحفہ تھا اس لیے وزیراعلیٰ پنجاب سے اُمید بھری گزارش ہے کہ میٹرو بس سروس اچھا منصوبہ ہے لیکن میٹرو بس ہر مسافر کو منزل پر نہیں پہنچا سکتی اس لیے.برائے مہربانی فوری

طور پر 9 نمبر بس کی سروس بحال کر کے شہریوں کے سفر کو آسان بنائیں اور اس طرح خادم اعلیٰ پنجاب کا تحفہ بحال کیا جائے-

ماں

ماں جیسے رشتے کی قدر و قیمت لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ماں تو بس ماں ہوتی ہے دنیا کا کوئی بھی رشتہ ماں کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ماں ایسی ہستی ہے جس کی شان میں کچھ بھی کہنے یا لکھنے کی میری اوقات نہیں۔ماں کی تعریف کرنے کے لیے علم کا سمندر بھی کم پڑ جاتا ہے۔اگر میں یوں کہوں تو بہتر ہوگا۔کہ ماں وہ واحد رشتہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے محبت کی مثال دی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو 70 ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔اس فرمان سے یہ بات بہت واضح ہو گئی کہ اللہ کے بعد ماں اپنے بچوں سے دنیا میں سب زیادہ محبت کرتی ہے۔ایک مسلمان معاشرے میں ماں کی گود کو انسان کی پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ماں جس کے وجود کو خالق کائنات نے نئی زندگی کو تخلیق کرنے کے لیے چنا۔انسانی ماں نو ماہ تک بچے کو اپنے وجود میں پالنے کے بعد ایک جان لیوا مرحلے سے گزر کر خالق کائنات کی تخلیق کو پورا کرتی ہے۔جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اپنے لیے کچھ بھی کرنے کے کابل نہیں ہوتا۔نہ کھانے پینے کا ہوش۔نہ سردی گرمی کی پہچان۔یہاں تک کہ بچے کا باتھ روم بھی ماں کی گود ہی ہوتا ہے۔انسان سوچتا تو ہوگا کہ یہ کیسی درس گاہ ہے جو باتھ روم کا کام بھی دیتی ہے ورنہ آج کل تو ہم اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے صاف ستھرے مدرسے و اسکول کا

انتخاب کرتے ہیں۔سب کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کا بچہ جس مدرسے یا اسکول میں پڑھے اُس کی بلڈنگ اور ماحول صاف ستھرا ہو۔اسکول یا مدرسے کی انتظامی بھی بچے کو اُس وقت قبول کرتی ہے جب وہ خود اپنی مدد آپ باتھ روم جاسکے۔انسان تھوڑا غوروفکر کرے تو اُسے ماں کی محبت اور پہلی درس گاہ کا مقام سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ ماں ہی ہے جو بغیر کسی لالچ کے بے لوث جذبے کے تحت ساری، ساری رات جاگ کر اپنی صحت کا خیال کئے بغیر بچے کی صحت کا خیال رکھتی ہے اور خوشی محسوس کرتی ہے۔اسی لیے مسلمان معاشرے میں ماں کو بڑا مقام حاصل ہے۔ہمارے ہاں اکثر گاڑیوں کے شیشوں اور عمارتوں پہ تحریریں لکھی ہوتی ہیں۔یہ سب میری ماں کی دعا ہے،ماں کی دعا جنت کی ہوا،وغیرہ ،وغیرہ۔ہم یہ جملے بڑے فخر سے لکھتے ہیں اس میں نہ تو کوئی دباؤ ہوتا اور نہ ہی کوئی سیاسی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ماں اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی ہے ۔اور بے پناہ محبت میں یہ بھول جاتی ہے کے اولاد کو دنیا میں سب جگہ ماں نہیں ملے گی ۔ماں اپنے بچے کو جتنی شفقت سے دیکھتی دنیا میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جس میں اتنی شفقت ہو : جاری ہے

خادم اعلیٰ کبھی ہماری گلی آؤ نا

جناب عالی راقم کاہنہ نو شہزادہ رورڈ لاہور کا رہائشی ہے۔ جس راستے سے گزر کر ہم گھر پہنچتے ہیں اُس کا نام تو شہزادہ رورڈ ہے لیکن حالت کسی کی یا مزارے سے بھی بدتر۔ کھیتوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی پگڈنڈیاں بھی شہزادے روڈ سے صاف ہوتی ہیں۔ کاہنہ نو گنجان آباد اور میٹرو بس کے آخری سٹاپ (یعنی گجومتہ) کا قریبی علاقہ ہے۔ خادم اعلیٰ پنجاب ہر دوسرے، تیسرے دن میٹرو بس منصوبے کی نگرانی کرتے ہوئے گجومتہ میں دیکھے جاتے ہیں۔ شہزادہ روڈ گجومتہ سے پانچ منٹ کی مسافت پر واقع ہے لیکن خادم اعلیٰ کی کبھی نظر نہیں پڑی مجھے قوی یقین ہے کہ اگر نظر پڑی ہوتی تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتے۔ خادم اعلیٰ کے مخالفین کہتے ہیں کہ خادم اعلیٰ پنجاب کے بے تاج بادشاہ ہیں اور لاہور اُن کا شہزادہ۔ لیکن اُن کی اس بات میں کوئی حقیقت نہیں کیونکہ خادم اعلیٰ پنجاب کبھی شہزادے روڈ پر تشریف نہیں لائے۔ اور لا بھی نہیں سکتے کیونکہ شہزادے روڈ پر اکیلا چلنا مشکل ہے تو ساتھ تشریف کیسے لائی جائے؟ اتنے گندے راستے کو دیکھ کر میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ خادم اعلیٰ کبھی ہماری گلی آؤ نا لیکن ایک گزارش ضرور کروں گا کہ جناب اعلیٰ آپ کی تھوڑی سی توجہ ہماری زندگی آسان بنا سکتی ہے۔ شہزادہ رورڈ کے رہائشیوں نے آدھی سڑک تو غیر قانونی طور قبضہ کرکے اپنے گھروں کے

اندر ڈال لی ہے اور باقی پر تھڑے بنا کر اُن کے ساتھ کچی مٹی ڈال رکھی ہے اگر تھوڑی سی بارش ہو جائے تو سڑک کا درمیانی حصہ زیر آب آ جاتا ہے اور کنارے سلائیڈ (پسلن سیڑی) کا منظر پیش کرتے ہیں جس پر چلنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے اور اکثر گھر پہنچتے پہنچتے ہم دو سے تین مرتبہ کیچڑ میں گر جاتے ہیں خصوصارات کے وقت۔ کچی مٹی بارش کے پانی میں مل کر سیورج کو بند کر دیتی ہے اور پھر مہینہ ، مہینہ کیچڑ خشک نہیں ہوتا۔ کیچڑ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ بچوں کی اسکول وین بچوں کو لینے نہیں آتی اس طرح بچوں کی تعلیم کا ہرج ہوتا ہے۔ نمازی نماز پڑھنے مسجد نہیں جا پاتے ، ہم لوگ گھر سے نکلتے وقت دھلے کپڑے اور صاف جوتے شاپر بیگ میں ڈال کر شہزادے روڈ پر سفر کرتے ہیں کیونکہ جو کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں وہ باہر آتے آتے انتہائی گندے ہو جاتے ہیں۔ مسلسل کیچڑ کھڑا رہنے سے مختلف قسم کے امراض بھی پھوٹ پڑتے ہیں جن میں جلدی الرجی یعنی خارش، ٹائی فیڈ بخار، ہیپاٹائٹس اور پیٹ کے مختلف امراض عام ہیں۔ ایک ایسی مشکل جو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن بتانا ضروری ہے۔ جناب عالی ہمارے علاقے میں لوگ اپنے بچوں کے رشتے صرف اس لیے نہیں کرتے کہ راستہ بہت گندہ ہے۔ جب کوئی مہمان پہلی مرتبہ آتا ہے تو وہ یہ بات ضرور کہتا کہ یہ تو واقع ہی شہزادہ روڈ ہے ۔ میری خادم اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف سے اپیل ہے کہ یا تو میری باتوں کا یقین کر کے ہمارے راستے یعنی شہزادے روڈ کی حالت سنوار دیں یا پھر کبھی ہماری گلی آئیں تاکہ انہیں خود اندازہ ہو جائے کہ ہم کتنی

بڑی مشکل میں گرفتار ہیں۔

حکمران مسائل پر توجہ دیں

حکمران ایک دوسرے پر الزام تراشی کی بجائے مسائل پر توجہ دیتے تو آج ملک کے حالات بہتر ہوتے۔ گزشتہ روز وزیر داخلہ جناب رحمان ملک کا بیان پڑھ کر انتہائی دکھ ہوا جس میں انھوں کہا کہ اگر وزیر اعلیٰ پنجاب نے بد تمیزی بند نہ کی تو میں اُن سے بھی زیادہ بد تمیزی کے ساتھ پیش آؤں گا۔بڑے دکھ کی بات ہے کہ عوام مہنگائی ،دہشتگردی ،بدامنی، بے روزگاری، بدانتظامی، بجلی وگیس کی لوڈشیڈنگ، ناانصافی اور دیگر مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں اور حکمران ایک دوسرے کے ساتھ بد تمیزی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ ن دونوں جماعتیں ہمیشہ سے رونا روتے رہی ہیں کہ جمہوریت کو پورا وقت نہیں ملا، ہمیں عوام کی خدمت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، اگر ہمیں پانچ سال پورے ملے ہوتے تو ہم یہ کر دیتے ہم وہ کر دیتے۔آج جب حکومت اپنی آئینی مدت یعنی پانچ سال پورے کر رہی ہے تب بھی حکمران عوام کے لیے کچھ نہیں کرپائے بلکہ آج عوام آمروں کو یاد کرکے کہتے ہیں کہ سیاست دانوں سے تو فوجی ہی اچھے تھے۔ کم از کم روزگار تو ملتا تھا اور مہنگائی بھی بہت کم تھی۔اب اگر کوئی کہے کہ اُسے اپنی مدت پوری نہیں کرنے دی گئی تو یہ بالکل بے معنی بات ہو گی کیونکہ کوئی سیاسی جماعت نہیں جس نے الیکشن لڑا ہو اور وہ کسی نہ کسی طرح حکومت میں شامل نہ رہی ہو یا شامل نہ ہو۔اب جب کہ

عام انتخابات سر پر ہیں پھر بھی سیاست دان سنجیدہ نہیں ہیں ایسی بیان بازی کرتے ہیں جس کا مقصد سوائے ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے کے اور کچھ نہیں۔ عوام شدید پریشانی کے عالم میں یہ سوچ رہے ہیں کہ اب ووٹ کس کو دیں یہاں تو سارے کے سارے ہی ایک جیسے ہیں۔ ہر باشعور شہری ملک میں جمہوریت کے مستقبل کو سوچ کر پریشان ہے کیونکہ اگر سیاست دانوں نے اپنے آپ کو نہ بدلا تو کون کہہ سکتا ہے کہ جمہوریت کا تسلسل برقرار رہ پائے گا؟ حکمرانوں نے جو گزشتہ پانچ سالوں میں کیا ہے اگر اسی کو عوام کی خدمت کہتے ہیں تو پھر معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ خُدارا ایسی خدمت بند کردیں جس میں حکمران صرف ایک دوسرے پر الزامات کی بارش کرتے ہیں اور کچھ نہیں۔ ایسی خدمت کا عوام کو کیا فائدہ جس میں عوام روٹی کے لیے ترس رہے ہیں۔ بے روزگاری کی وجہ سے پریشان ہو کر خودکشیاں کر رہے ہیں۔

تعلیمی نظام میں بہتری کی ضرورت ہے

دور حاضر میں کم آمدنی والے والدین کے لئے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا جارہا ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ مہنگائی کا پہاڑ کے۔ ٹو پہاڑ سے بھی بلند ہو چکا ہے۔ سرکاری وغیر سرکاری چھوٹے ملازمین کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ہزار ہے۔یوں تو غریب آدمی کے لئے آٹھ دس ہزار بھی بہت بڑی رقم ہے لیکن جب اشیاء خوردونوش کی قیمتوں کے مطابق ضروریات زندگی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس رقم کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ روز مرہ کی ضرورتوں کے لئے آٹھ دس ہزار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ پانچ سے چھ ہزار بجلی اور گیس کے بل آجاتے ہیں۔ باقی بچے پانچ سے چار ہزار۔اب جس گھر میں دو بڑے اور دو بچے ہوں تو اس گھر کو کم از کم ایک کلو دودھ کی ضرورت تو ضرور ہوتی ہے۔لاہور میں ایک کلو دودھ کی قیمت 60 روپے ہے اس حساب سے 1800 روپے ماہانہ بنتے ہیں ۔اب آٹھ سے دس ہزار کمانے والے کے پاس بچیں گے باقی 28 سے 18 سو روپے ۔اتنے کم پیسوں میں مہنے بھر کے لئے آٹا، دال، سبزی، گھی، نمک، مرچ، تیل وغیرہ وغیرہ ہی پورے نہیں ہوتے ان حالات میں جب کہ بیچارہ غریب آدمی اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال پاتا تو پھر اس کے بچے کو تعلیم کی سہولت کہاں سے میسر آئے گی۔ اس سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں معیاری تعلیم تو عام آدمی کی پہنچ

سے باہر ہے ہی لیکن عام آدمی کے عام بچوں کو تعلیم سے دور رکھنے کے لئے عام تعلیم کو بھی کاروبار بنا دیا گیا ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا اور دیکھنے کے بعد جتنا میں سمجھ پایا ہوں اس کے مطابق مجھے لگتا ہے ہم نے علم پھیلانے کے مشن کو ترک کر دیا ہے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ آج کل شعبہ تعلیم سے وابستہ ادارے اور شخصیات کا مشن صرف دولت کمانا ہے۔ لیکن ابھی بھی دنیا میں کچھ ایسے ادارے اور کچھ ایسی شخصیات باقی ہیں جن کی نظر میں تعلیم کی اہمیت دولت سے زیادہ ہے۔ قارئین آج میں آپ کے ساتھ ایسے ہی ایک ادارے کا پیغام شیئر کرنے جا رہا ہوں۔ اس پیغام ہے کہ (ٹی سی (the citizens foundation) (ادارے کا نام ہے (ٹی سی ایف ایف) اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں علم و ہنر کے ساتھ ساتھ بچوں کی کردار سازی پر بھی زور دیا جاتا ہے کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ تعلیم اور تربیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تعلیمی معیار کو تمام اسکولوں میں یکساں بنیادوں پر جانچنے کے لئے مرکزی امتحانات کا نظام رائج کیا گیا ہے۔ چونکہ کسی بھی اسکول کی اچھی کارکردگی کا انحصار اس اسکول کے بچوں کی امتحان میں کارکردگی پر ہوتا ہے اس اسکول کی کارکردگی کو جانچنے کے لئے ایک اہم پیمانہ (APR) لئے بچوں کی اوسط فیصد نتیجہ کو پرنسپل کی کارکردگی کے ساتھ صرف اس لئے منسلک APR کے طور پر رکھا گیا ہے۔ کیا گیا ہے تاکہ بچوں کی پڑھائی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے، ان کی کمزوریوں کی شناخت کی جائے اور ان کو دور کرنے کے لئے

بروقت اور موثر اقدامات کئے جائیں اس لئے ہم اس بات پر زیادہ زور دینا چاہتے ہیں کہ بچوں کو سال کے شروع ہی سے صاف اور شفاف امتحان دینے کی عادت ڈالی جائے اور امتحانات کے دوران ان کا بھرپور طریقے سے معائنہ کرکے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ان کی کارکردگی حقیقت پر مبنی ہے تاکہ ان کی مسلسل ترقی کے لئے موثر حکمت عملی وضع کی جاسکے۔ مسلسل بہتری ہماری اقدار میں سے ہے اور ہمیں اپنی اقدار کو فروغ دینا ہے۔ ٹی سی ایف کا کہنا ہے کہ معیاری تعلیم کے پانچ ستون ہیں۔ نمبر ایک۔ بنیادی مفہوم۔ نمبر دو رابطے کا فن۔ نمبر تین۔ تخلیقی اور تنقیدی سوچ۔ نمبر چار۔ خود اعتمادی۔ نمبر پانچ۔ بنیادی اقدار۔ ان پانچ ستونوں اور ٹی سی ایف کا مکمل تعارف زندگی رہی تو پھر کبھی ضرور لکھوں گا۔ لیکن آج میں قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں اس حوس اور لالچ کے دور میں ٹی سی ایف فیس نہیں والدین کی توجہ مانگتا ہے۔ میرا بیٹا پچھلے دو سال سے ٹی سی ایف اسکول جھلکے سے وابستہ ہے۔ میں نے دو سال پہلے بہت سے مہنگے ترین اسکولوں کے تعلیمی معیار جانچنے کے بعد ٹی سی ایف کا انتخاب کیا تھا اور مجھے اپنے انتخاب پر فخر ہے۔ ٹی سی ایف اسکول جھلکے کی پرنسپل میڈیم فردوس اور باقی تمام ٹیچر اس قدر مخلص اور محنتی ہیں کہ میرے جیسا کم ظرف اور کم علم شخص ان کی تعریف میں کچھ نہیں کہہ سکتا صرف اتنا کہوں گا کہ جس کو شک ہو وہ اسکول کا وزٹ ضرور کرے۔ مجھے یقین ہے کہ جن بچوں کو ٹی سی ایف اسکول جھلکے جیسے اساتذہ میسر ہوں اور والدین بھی بچوں

کو توجہ دیں تو پھر ان بچوں کی تعلیم وتربیت میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ٹی سی ایف تو اپنا فرض پورا کررہا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قوم کے بچوں کی تعلیم وتربیت میں بہتری لانا ہم سب کا فرض نہیں ہے؟

والدین بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیں

علم دنیا کی سب سے بڑی اور خوبصورت دولت ہے۔ علم کے حصول کے لیے جتنی بھی محنت کی جائے کم ہے اور میری نظر میں انسان جتنا بھی علم حاصل کر لے کم ہے۔ بچوں کے لیے علم کے حصول میں آسانیاں پیدا کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور اہم ترین ضرورت بھی۔ یہ بات تو میں پہلے دو مضمونوں میں بھی کہہ چکا ہوں کہ بچے وقت مانگتے۔ آج میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ بچے توجہ بھی مانگتے ہیں۔آج بات کروں گا بچوں کی تعلیم وتربیت کے موضوع پر تو اگر والدین اور اساتذہ اکرام دوران تعلیم وتربیت بچوں کو توجہ دیں تو بچوں کے لئے تعلیمی مشکلات میں نمایاں کمی لائی جا سکتی ہے۔ سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ کہ کیا گھر کا ماحول تو ایسا نہیں جس کی وجہ سے بچے پریشان رہتے ہیں ۔کیا بچے والدین کے آپس میں غلط رویوں کی بھینٹ تو نہیں چڑھ رہے والدین کی بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ ،مار پیٹ یا ضرورت سے زیادہ سختی کی وجہ سے بچے خوف میں مبتلا تو نہیں ہو رہے۔اس طرح کے حالات میں بچوں کی سیکھنے کی صلاحیت بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔اس طرح کے مسائل اکثر اساتذہ اور والدین کی سمجھ میں نہیں آتے اور اُلجھن اور زیادہ بڑھتی جاتی ہے ایسے میں والدین اور اُساتذہ کو آپس میں رابطہ رکھنا چاہئے تاکہ مل جل کر بچوں کی مشکلات کو سمجھا اور دور کیا جاسکے ورنہ غلط ماحول

اور خوف بچوں کی فطری صلاحیتوں کو تباہ وبرباد کرکے خوداعتمادی کا فقدان پیدا کردیتے ہیں۔اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچہ کھیلتے وقت خوش وخرم (فریش) رہتا ہے لیکن جب پڑھنے کا وقت ہوتا تو وہ سر درد اور تھکاوٹ کی شکایات کرتا ہے۔اگر ایسا ہو تو اساتذہ اور والدین کو بچے کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کا بغور جائزہ لینا چاہئے اور بچے کی مشکلات کو پیار سے حل کرنا چاہئے۔ ناکہ بچے کی نیت پر شک کرکے مار پیٹ کرنی چاہیے۔یہ بات تہہ ہے کہ ہر گھر میں ایک جیسی سہولتیں موجود نہیں ہوتیں ٹھیک اسی طرح ہر گھر کی مشکلات بھی مختلف ہوتیں ہیں۔ غریب کے گھر میں دور جدید میں ایجاد ہونے والی مہنگی ترین چیزیں کم ہی ہوتی ہیں لیکن امیر آدمی کے گھر میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہوتی ہیں جنہیں اگر بچے حد سے زیادہ استعمال کریں تو بھی ان کی تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہو سکتیں ہیں۔ دور حاضر میں بچوں کو جدید ترین سہولتیں میسر ہیں جس کی وجہ سے اساتذہ اور والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے باعث بچوں کی توجہ تعلیم کی طرف سے ہٹ گئی ہے۔ ٹیلیوژن پروگرام، ویڈیو گیم اور کمپیوٹر نے بچوں کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کرلی ہے، یہ بات بڑی حد تک درست ہے لیکن سوفیصد درست نہیں ہے کیونکہ ویڈیو گیم اور کمپیوٹر کی ایجادات سے پہلے بھی والدین کو بچوں کی تعلیم میں عدم دلچپی کی شکایات رہتی تھی ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے والدین اور بچے مختلف انداز میں اپنی شکایات کا اظہار کرتے ہیں۔ بچوں اور والدین کی عمر میں کم از کم بیں سے پچیس سال کا فرق ضرور ہوتا ہے

جس کی وجہ سے بچوں اور والدین کی دلچسپی اور توجہ کے مراکز بھی مختلف ہوتے ہیں ۔بچوں کے ساتھ ان کے والدین کا برتاؤ، لاڈ، پیار یا مار پیٹ اور سمجھانے کے انداز بھی مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر بچہ کوئی سوال کرے تو ہم عام طور پر جلدی سے اُسے جواب دے دیتے ہیں کہ آپ کو ابھی اس بات کا نہیں پتا۔ اگر اہم بچوں کے سوالات کے جوابات نہیں دیں گے تو انہیں ساری زندگی کسی بات کا پتا نہیں چلے گا۔ ہم نے کبھی یہ بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ سوال اُسی وقت کیا کیا جاتا جب کسی بات علم نہ ہو۔ اب دیکھنے کی بات یہ کہ بچوں کے ساتھ والدین کا برتاؤ تعلیمی معاملات میں آسانیاں پیدا کر رہا ہے یا مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کا طریقہ تدریس اور دوسرے عوامل بھی اس ضمن میں قابل غور ہیں ۔ ہمیں یہ بھی ضرور دیکھنا لینا چاہئے کہ کیا بچوں کا رویہ کلاس روم میں اساتذہ کے لئے پریشان کن تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو پھر ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سا رویہ یا مضمون ہے جس میں بچے کو مشکلات پیش آ رہی ہیں ۔ اور یہ بات بھی بہت زیادہ قابل غور ہے کہ مشکلات کی اصل وجوہات کیا ہیں ۔ اگر بچہ کلاس روم میں خاموشی اختیار کئے رکھتا ہے اور کبھی کوئی سوال نہیں کرتا تو بچہ کلاس روم کے ماحول ناخوش اور تعلیمی سرگرمیوں میں بہت کمزور ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھنا چاہئے کیونکہ بچے دنیا کا قیمتی ترین سرمایہ اور ہمارا آنے والا کل ہیں ۔

علم، ترقی کی ضمانت

یہ سچ ہے کہ آج ترقی پذیر ممالک کے مشکل ترین حالات میں انسان جس طرح معاشی بدحالی کا شکار ہے اُس میں تعلیمی اخراجات پورے ہوتے ہیں نہ ہی وقت بچتا ہے۔ غریب کے بچے کو بچپن ہی سے محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے ۔کام کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے اور پھر سوچوں میں گم ذہن بھی کسی چیز کو جلدی سے قبول نہیں کرتا لیکن تعلیم کا حصول خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو جائے ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے ۔جو قومیں علم حاصل نہیں کرتیں وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرتیں مطلب یہ کہ اُن کے ترقی پذیر ہونے کی وجہ علم سے دوری ہے۔ یعنی علم ترقی کی ضمانت ہے۔ جن قوموں نے علم کے حصول میں آسانیاں پیدا کیں اور اپنی نسلوں کی تعلیم تربیت کی خاطر اپنے وقت اور وسائل کی قربانی دی آج وہی قومیں ترقی یافتہ کہلاتی ہیں علم دنیا کی واحد دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ علم انسان کو کائنات کی سب مخلوقات سے افضل کرتا ہے ۔آج انسان نے اپنے علم وشعور کی بدولت دنیا میں کامیابیوں کی بہت سی منزلیں طے کرلی ہیں ۔آج انسان اپنے علم کی بدولت پانیوں کی گہرائیوں میں اتر کر سمندروں کے بہت سے خزانے اپنے نام کرچکا ہے۔آج انسان اپنے علم کی بدولت آسمان کی بلندیوں پر ،پرندوں سے بھی اونچی پرواز کرتا ہے۔ چاند اور مریخ تک کا سفر انسان نے کامیابی کے

ساتھ طے کر لیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اتنی زیادہ کامیابیاں حاصل کیں کہ ان کامیابیوں کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس سچ سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ بغیر تعلیم و تربیت حاصل کیے دنیا کی کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس حقیقت سے انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ وہ علم ہی ہے جس نے انسان کو فرشتوں سے افضل کیا۔ علم ہی کی بدولت انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اگر اللہ تعالی نے انسان کو اضافی علم عطا نہ کیا ہوتا تو دنیا میں صرف حیوان ہی ہوتے انسان کا کہیں وجود تک نہ ہوتا۔ اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کی اس حدیث مبارکہ سے باآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ سرکار دوعالمؐ نے فرمایا ''علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے'' اور اسلام میں علم سیکھنے والے پر فرض کر دیا گیا وہ اپنے علم کی روشنی دوسروں تک لازمی پہنچائے تاکہ علم کہیں ایک جگہ ساکت نا ہو جائے۔ آج ہمیں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم علمی میدان میں دنیا سے پیچھے کیوں ہیں؟ کیا وجہ ہے جو ہم تمام تر کوششوں کے باوجود ترقی نہیں کر سکے؟ آج پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے۔ قدرت نے پاک سرزمین کو ہر طرح کے وسائل سے مالامال کیا ہے پھر بھی ہم بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ بیرونی قرضوں نے ہماری آنے والی نسلوں کو بھی اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے علم و ہنر کی قدر نہیں کی؟

اہل نمائندے

وطن عزیز میں آج کل انتخابات کا موسم چل رہا اور سدا کی طرح سیاسی جوڑ توڑ عروج پر ہیں ۔روزانہ کی بنیاد پر لوگ ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں شمولیت اختیار کر رہے اور سیاسی جماعتیں ایک دوسری کے ساتھ انتخابی اتحاد بنانے میں مصروف عمل ہیں ۔اب دیکھتے ہیں کہ کون سی پارٹی اہل نمائندوں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرتی ہے۔ لیکن افسوس کہ سیاست دانوں نے کبھی بھی عوام کے ساتھ کوئی اتحاد نہیں کیا جبکہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں ۔سیاست دانوں کی نظر میں عوام کی کوئی اوقات نہیں اس لیے وہ سیاسی موسم بدلنیں کے ساتھ ہی چڑھتے سورج کو سلام کرنے اور اپنے ذاتی مفادات باآسانی حاصل کرنے کے لیے ایک سے دوسری پارٹی میں شمولیت اختیار کرتے ہیں اور بے وقوف عوام پھر بھی ذات.برادری اور امیر آدمی کو ووٹ دیتے ہیں ۔ عوام ووٹ دینے سے پہلے نمائندے کی اہلیت نہیں بلکہ تعلق دیکھتے ہیں ۔اکثر لوگ کہتے ہیں اُس اُمیدوار نے گاڑی روک کر مجھے سلام کیا تھا یا وہ میرے کزن کا واقف ہے اس لیے میں ووٹ دوں گا۔ عوام کو اس بات کااندازہ ہی نہیں کہ ان کے ووٹ سے منتخب ہو کر جو شخص حکومتی مشین کاپرزہ بننے جارہا ہے اُس میں ایسی کوئی قابلیت نہیں جو اُسے ووٹ جیسی قیمتی دولت سے نوازا جائے اور ملک و قوم کا حال و مستقبل اُس کے حوالے کرکے پانچ سال کے لیے پاک سرزمین اور اُس پہ

بسنے والے 18 سے 20 کروڑ معصوم انسانوں کو ایسے نااہل لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ گزشتہ کچھ ہفتوں یا مہینوں سے پاکستان مسلم لیگ ن عوامی حلقوں میں باقی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کافی زیادہ مقبول ہو رہی لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اس میں مسلم لیگ ن کے رہنماؤں کا کوئی کمال ہے۔ میری نظر میں عوام کے پاس اور کوئی بہتر چوائس نہیں ہے۔ میاں نواز شریف اس بار بھی ماضی کی طرح عوام کی بجائے چھوٹی سیاسی جماعتوں، سرمایہ داروں، وڈیروں اور جاگیرداروں کو اپنے ساتھ ملا رہے۔ شاید اس لیے کہ انھیں عام انتخابات میں اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے مضبوط اُمیدواروں کی ضرورت ہے۔ ایسے مضبوط اُمیدوار جو الیکشن جیتنے کے لیے کثیر رقم خرچ کر سکیں۔ ماضی میں ہونے والے عام انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ عوام نے اُسے ووٹ دیا جس نے زیادہ خرچ کیا یا سیدھے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس نے اپنی الیکشن کمپین کے دوران اچھا کھانا کھلایا اور چائے پلائی۔ دیہی علاقوں میں اکثر لوگ ذکر کرتے ہیں کہ فلاں ایم این اے یا ایم پی اے نے چوبیس گھنٹے اپنے انتخابی دفتروں میں کھانے پینے کی کمی نہیں ہونے دی اور فلاں نے تو پانی بھی نہیں پلایا اسی لیے تو لوگوں نے اُسے ووٹ نہیں دیا اور وہ بری طرح الیکشن ہار گیا تھا۔ ووٹر کو کون بتائے کہ جو تجھے کھلایا، پلایا گیا وہ تمہارا ہی تھا گھر سے کسی نے کچھ نہیں کھلایا۔ یہ بات سمجھنا ذرہ بھی مشکل نہیں تھوڑا سا غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ الیکشن میں زیادہ خرچہ کرنے والے

اُمیدوار کا سارا خاندان قبضہ گروپ نکلے گا اور جو لوگ کھانا کھا کر ووٹ دیتے ہیں اُن میں سے اکثر کے گھر، کھیت پر اُسی کے خاندان کے کسی فرد کا قبضہ بدستور جاری ہوگا ۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوام کو اس بات کا شعور نہیں کہ کون ان کے قیمتی ووٹ کا اہل ہے کون نہیں اور اُس بھی زیادہ افسوس کہ ہمارے قائدین باشعور ہونے کے باوجود اپنی جیت کو یقینی بنانے کے لیے ایسے ہی لوگوں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ پارٹی فنڈ میں حصہ ڈالیں ،الیکشن کمپین پر زیادہ سے زیادہ خرچ کر سکیں اور اپنے لیڈر کے ہر فیصلے کو بغیر سوچے سمجھے نہ صرف تسلیم کرے بلکہ اپنے حلقے کے عوام کا تحفظ بھی فراہم کرے۔ سرمائے کے اس الیکشن کھیل میں ایسے لوگ منتخب ہو کر اعلیٰ ایوانوں ہیں پہنچ جاتے ہیں جو چار لوگوں کے خاندان کو لے کر چلنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور پھر جو حال ملک و قوم کا ہوتا ہے آپ کے سامنے ہے۔کاش کہ میرے وطن کے عوام کو یہ علم ہو جائے کہ اُن کا ووٹ کس قدر قیمتی ہے اور وہ اپنے مستقبل کو گندھے گٹر میں ڈالنے کی بجائے ایسے لوگوں کو دیں جو اُس کے اہل ہیں۔اللہ کرے کہ ہمارے لیڈر ایسے لوگوں کو پارٹی ٹکٹ دیں جو ملک قوم کے ساتھ مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بھی ہوں۔ میرا پاکستانی عوام اور سیاسی قائدین سے سوال ہے کہ کیا ہم نے اپنے شرم ناک سیاسی ماضی سے کچھ نہیں سیکھا جو آج پھر اُنہیں سیاسی چوروں بھگوڑوں ،لوٹوں اور لفافوں کو منتخب کرنے جارہے ہیں؟اور میاں نواز شریف جو، نوجوانوں کو آگے لانے کی بات کر رہے

میرا اُن سے سوال ہے کہ کیا اُن نوجوانوں کا تعلق پرانے سیاسی، جاگیر دار، وڈیرہ یا سرمایہ دار خاندانوں سے تو نہیں ہوگا؟ اگر میاں محمد نواز شریف ایسے نوجوانوں کو آگے لانے کی بات کر رہے ہیں جن کے خاندان کا ماضی میں کرپشن اور لوٹ مار سے پاک ہے تو پھر میں سب سے پہلے میاں محمد نواز شریف اور پاکستانی قوم کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

مشرقی تہذیب

تانیہ مذہبی خاندان میں پیدا ہو کر گاؤں کے ماحول میں پلی ،نیک سیرت اور بہت خوبصورت لڑکی تھی ،اُس نے پرائمری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں ہی کے مدرسے میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے کر قرآن کریم ابھی حفظ کیا ہی تھا کہ اُس کے والد نے اُس کا رشتہ اپنے بھائی کے بیٹے فیصل کے ساتھ طے کر دیا جو حال ہی میں مغرب کے ترقی یافتہ شہر سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن لوٹا تھا۔ سیمی اور فیصل بہت خوش تھے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بچپن سے ہی بہت پسند کرتے تھے۔فیصل مغرب میں وقت گزارنے کے باوجود نیک سیرت اور باحیاء لڑکا تھا۔ 2 مہینے بعد اُن کی شادی ہو گئی سارا خاندان شادی میں خوشی خوشی شامل ہوا اور سارا دن ہنسی خوشی شادی کی تقریب چلتی رہی ،رات گئے تک دلہن کے کمرے میں بہن بھائیوں کا رش رہا،ہنسی مذاق میں وقت اس طرح گزرا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا،آخر میں وہی ہوا جو ہونا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور تانیہ جو زندگی میں پہلی مرتبہ خوب سج سنور کر دلہن بنی اور بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی،تانیہ اور فیصل کمرے میں اکیلے رہ گئے۔ صحن میں رات کی رانی کی مسحور کن مہک نے بھنورے کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ بھنورا سوچ رہا تھا کہ رات کی رانی کو بھی اُس کے ساتھ شدید محبت ہے اور اُس نے بھنورے کی

موجودگی بھانپ کر اپنی مہک میں شدت پیدا کر دی ہے۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ابھی رات کی رانی آگے بڑھ کر اُسے اپنی آغوش میں لے لے گی، اور وہ رات کی رانی کے پھولوں کا خوب رس چوس کر اپنی محبت کی پیاس بجھائے گا۔ رات کی رانی بھی دل میں یہ تمنا لیے اپنی مہک کو لگاتار تیز کرتی جا رہی تھی کہ بھنورا آگے بڑھ کر اظہار محبت کرے اور اپنی بانہوں میں لے کر محبت کے سادہ جذبوں یں اپنی محبت کا رنگ بھرے ۔لیکن بھنورہ دیوانے پن میں یہ بات بھول گیا کہ رات کی رانی اپنی جگہ پر ہی رہے گی اُسے خود ہی آگے بڑھ کر اپنی دیوانگی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بچپن میں تانیہ اور فیصل دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہا کرتے اور خوب چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے شادی سے پہلے دونوں نے اپنے ذہنوں میں سوچ رکھا تھا کہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو، لیکن بہن بھائیوں کے کمرے سے جانے کے بعد دیر تک کمرے میں ایسی خاموشی رہی جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو، جیسے دو اجنبی مسافر ٹرین کے ڈبے میں سفر کر رہے ہوں اور ایک دوسرے سے نظریں چرانے کے لیے خاموشی سے باہر کے منظر سے نظریں نہ ہٹائیں۔ تانیہ مشرقی تہذیب کے مطابق اس انتظار میں تھی کہ فیصل بات کرنے میں پہل کرے اور فیصل مغربی تہذیب میں وقت گزار کر یہ محسوس کر چکا تھا کہ عورت بھی مرد کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھا سکتی ہے اور تانیہ تو پھر اب اُس کی بیوی بن چکی تھی ،ایک سچ یہ بھی تھا کہ فیصل کی رگوں میں بھی مشرقی خون دوڑ رہا تھا اور وہ بھی کچھ شرما سا گیا تھا اب کہاں سے بات شروع کرے۔ فیصل

نے کھڑکی سے صحن میں جھانکا تو چاند کی مدھم چاندنی میں بھنورا رات کی رانی کے گرد د یوانہ وار گھوم رہا تھا کبھی دور چلا جاتا اور کبھی انتہائی قریب چلا آتا۔ بھنورے کی بے تابی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ وہ رات کی رانی کے دامن مے ں سمٹ جانا چاہتا تھا اور رات کی رانی بھی بھنورے کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بے تاب سی لگ رہی تھی رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی ۔فیصل دیر تک بھنورے کو رات کی رانی کے گرد گھومتے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا وہی سیمی جو بچپن میں اُس کے ساتھ انتہائی بے تکلف تھی آج وہی کوئی بات نہیں کر رہی تھی اور وہ خود بھی ابھی تک کوئی بات نہیں کر پایا تھا۔فیصل نے کافی دیر کے بعد دیکھا تو بھنورا رات کی رانی کے آس پاس نظر نہیں آ رہا تھا اور رات بالکل خاموش ہو چکی تھی اُس نے حوصلہ کیا اور تانیہ سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے تانیہ کی طرف بڑھا لیکن وہ انتظار کرتے کرتے نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔ فیصل دیر تک تانیہ کے چہرے کو دیکھ کر سوچتا رہا کہ کتنا فرق ہے مشرقی اور مغربی تہذیب میں ۔ مشرقی تہذیب یں پرورش پانے والے مرد و عورت میاں بیوی ہونے کے باوجود حیاء کے دائرے میں قید رہتے ہیں اور مغرب میں نا محرم مرد و عورت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح چپکے پھرتے ہیں جیسے عزت وآبرو کی کوئی قیمت ہی نہ ہو۔ یہاں تک کہ 4/2 بچوں کی پیدائش کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انہیں شادی کرنی چاہیے یا نہیں ۔ فیصل اپنی سوچوں میں گم تھا کہ موذن نے اذان دی ۔اُس نے فجر کی نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اُسے

خوبصورت، باحیاء اور نیک سیرت شریک حیات ملی۔

کس بات کا ماتم کروں؟

سانحہ بادامی باغ میں مسلمانوں کے بھڑکے ہوئے جذبات اور لوگوں کے جلتے ہوئے گھر دیکھتا ہوں تو سمجھ نہیں آتی کس بات کا ماتم کروں؟اپنی بے عملی پر ماتم
کروں؟اپنے نبی کریمکی شان میں گستاخیاں دیکھ سن کر بھی زندہ اور کچھ نہیں کرسکتا کیا اپنی بے بسی کا ماتم کروں ؟یا جلتے ہوئے آشیانوں کا ماتم کروں ؟جن گھروں کو جلا دیا گیا یقیناًاُن میں بسنے والوں ییں بوڑھے ،بچے اور خواتین بھی ہیں ،میں کوئی عالم دین نہیں لیکن ایک عاجز سا مسلمان ضرور ہوں ،میں سوال کرتا ہوں اُن مسلمانوں سے کہ بتاؤ وہ بچے ابھی جن کی عمریں چار۔پانچ سال ہیں اور انہوں مسلمانوں کو اپنے گھر جلاتے دیکھا وہ کس عمر میں اسلام قبول کریں ؟وہ کب ہمارے نبی کریم سے محبت کریں گے ؟جب کہ وہ چھوٹی سی عمر محبت کادم بھرنے والوں کا عظیم کارنامہ دیکھ چکے ہیں جس نے اُن کے سر کی چھت چھین لی ۔جب ہم کہیں گے کہ ہمارے نبی کریم نے ہمیں در گزر ،برداشت اور معاف کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اپنی ساری زندگی اِن تمام اعمال کی پابندی کی ہے تو کیا کوئی ہماری باتوں کااعتبار کرئے گا؟کون اعتبار کرے گا کہ ہم عاشق رسول ہیں ؟جب ہم عشق رسول کا دم بھرتے ہیں ،جب ہم اپنے آپ کوغلام رسول کہتے ہیں تو پھر ہم جلدی سے عدم برداشت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں ؟ایک شخص
رسول اللہ کی شان میں

گستاخی کرتا ہے اور ہم پوری پوری بستیاں کیوں جلا دیتے ہیں؟صرف اس لیے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں ؟صرف اس لیے کہ وہ رسول اللہ کی شان پاک میں گستاخی کی جرات کرنے والے بدبخت شخص کے رشتہ دار یا ہم مذہب ہیں؟ اگر ایسا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد کو رحمت العلمین کیوں بنایا ؟جبکہ تمام کائنات میں مسلمان کوئی بھی نہ تھا تمام کی تمام مخلوقات غیر مذہب تھیں ،اسلام تو میرے نبی کریم نے متعارف کروایا۔ مسلمان تو لوگ میرے اور آپ کے پیارے نبی کریم حضرت محمد کے حسن کردار اور حسن سلوک کی وجہ سے ہوئے۔اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو تمام انسانوں کو اسلام میں داخل کردیتا مگر ایسا نہیں اور ان باتوں میں کیا حکمت ہے یہ بھی وہی جانتا ہے۔ کیا سرکار دوعالم کی عملی زندگی مسلمانوں کے لیے کوئی سبق پیش نہیں کرتی؟اور پھر جس سے محبت ہو جائے لوگ نہ صرف اُس کے اعمال بلکہ رنگ ڈھنگ اور چال چلن بھی اپناتے ہیں اور اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس کی وجہ اُن کا محب ناراض ہو جائے۔ میں علماء اکرام اور مذہبی سکالرز کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ یہ سوال رکھتا ہوں کہ کیا ہوا جو آج مسلمان اپنے نبی کریم سے شدید محبت کرنے کے باجود اُن کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں شامل نہیں کرتے ؟کیوں مسلمان سرکار دوعالم کا چال چلن نہیں اپناتے ؟ میرے پاس تو ایک ہی جواب ہے سب سوالوں کا وہ یہ کہ ہمارے علماء اکرام نے ہمیں اچھی طرح گائیڈ ہی نہیں کیا، ہماری رہنمائی ہی نہیں ہوئی

ورنہ اتنا خوبصورت اندازِ زندگی کون نہ اپنانا چاہے ؟آپ اکثر دیکھتے ہیں جب کوئی انڈین فلم نوجوانوں کو زیادہ پسند آ جاتی ہے یعنی چند دن کے لیے مقبول ہوتی ہے تو ہمارے نوجوان یہ جانتے ہوئے کہ فلم دولت اور شہرت کمانے کے لیے فرضی کرداروں کی مدد سے بنائی گئی ایک من گھڑت کہانی کے سوا کچھ نہیں ، پھر بھی نوجوان مہینوں تک اُس فلم کے اچھے عمل کرنے والے کرداروں کی طرح گفتگو کرتے ہیں ،اُن کی طرح بال کٹواتے ہیں،اُن کی طرح چلتے پھرتے ہیں ، حتیٰ کہ اُس کردار کا ہر عمل اپناتے ہیں اور سالوں تک ان چیزوں کے اثرات قائم رہتے ہیں ۔آخرایسا کیوں ہوتاہے ؟مجھے لگتا ہے کہ فلم بنانے والے اپنے ہیرو میں ایسی خوبیاں دیکھاتے ہیں جن یںوہ کسی مخلوق کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ تکلیف پہچانے والوں سے لڑائی کرکے اُن کے حقوق کا خیال رکھتا ہے ۔فلمی کردار جھوٹ نہیں بولتا،وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتا،وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا،وہ کسی کے گھر،کھیت پر ناجائز قبضہ نہیں کرتا، یہی باتیں لوگوں کے دل یںاتر جاتی اور لوگ انکے اعمال کو اپنی زندگی میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔میرے خیال میں مسلمان کے گھرپیدا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ میں اسلام کاعلم حاصل کئے بغیر ہی ساری زندگی گزار دوں۔اگر سچا مسلمان اور عاشق رسول اللہ ہونے کے لیے صرف مسلمان کے گھرپیدا ہونا کافی ہے تو پھر ٹیچر کے گھرپیدا ہونے والے بچے کوپڑھنے کی کیا ضرورت ہے جو وہ سالوں تک سکولوں، کالجوں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے؟ پھر ڈاکٹر کے گھرپیدا ہونے والے بچے کو تو

پیدائشی ڈاکٹر ہونا چاہیے اگر ایسا نہیں تو پھر مسلمان کے گھر پیدا ہونے والا صرف اپنی پیدائش کے دم پر عاشق رسول بن کر لوگوں کے گھر کیوں جلاتا ہے ؟ کیوں بغیر تحقیق کئے قانون کو اپنے ہاتھ لیتا ہے ؟ایک شخص کے گناہ کی سزا سینکڑوں بے گناہوں کو دیتا ہے ؟میں حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ گستاخی رسول ثابت ہونے پر مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے اور نہ صرف سانحہ بادامی باغ کے متاثرین کی زیادہ سے زیادہ مالی و اخلاقی مدد کی جائے بلکہ گھر جلانے والوں کو بھی سخت سزائیں دے کر عبرت کا نشان بنادیا جائے تاکہ آئندہ کوئی بھی قانوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جرات نہ کرے۔

بے چارے لوٹے

پاکستانی تاریخ بتاتی ہے کہ جوں جوں انتخابات قریب آتے ہیں لوگ پارٹیاں تبدیل کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔دو چار سال حکومتی پارٹی میں رہ کر خوب ملکی خزانے کو لوٹا جاتا ہے اور جب حکومتی جماعت عوامی مقبولیت کھو دیتی ہے تو اس وقت کی مقبول ترین جماعت میں شامل ہو کر اگلی حکومت کا حصہ بن کر لوٹ مار کرنے میں اگر انہیں کوئی لوٹا بھی کہے تو ذرا غصہ نہیں کرتے۔رسم زمانہ ہے کہ بار بار پارٹیاں تبدیل کرنے والے سیاست دانوں کو لوٹا کہا جاتا ہے۔ایسے سیاست دان جن کی اپنی کوئی پہچان نہیں ہوتی وہ کسی مقبول جماعت کا حصہ بننے کی کوشش کرتے ہیں ، عوامی بدقسمتی سے ان کی ہر کوشش کامیاب ہو جاتی ہے۔وطن عزیز کی ہر سیاسی جماعت یا یوں کہہ لیں کہ پارٹی قیادت ایسے لوگوں کو اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لئے نہ صرف ہر وقت تیار رہتی ہے بلکہ اکثر دعوت بھی دیتی ہے۔جو بھی ہو، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ لوٹے کی کردار کشی نہیں ؟کیا یہ لوٹے کی وفاداری پر جھوٹا الزام نہیں؟آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوٹا جس باتھ روم میں رکھ دیا جائے اُس نے کبھی کوشش نہیں کی کہ وہ دوسرے باتھ میں چلا جائے ،اکثر ٹوٹنے کے بعد ہی جان چھوٹتی ہے لوٹے کی اور پھر بے چارہ لوٹا تو اپنی ایک منفرد پہچان رکھتا ہے اُسے کسی بھی ایسی چیز کے ساتھ نتھی کرنا بہت بڑی

ناانصافی ہے جس کی اپنی کوئی پہچان نہیں،اب اس بات کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ کیا اس طرح لوٹے کو بدنام کرنا مناسب ہے ؟ کون ہے جو لوٹے کو نہیں جانتا ؟ساری دنیا میں شائد لوٹا ہی ہے جو اپنی بدنامی اور بے حرمتی پر احتجاج نہیں کرتا،اگر لوٹوں نے ہڑتال کر دی تو 90 فیصد عوام پریشان ہو جائیں گے کیونکہ 10% لوگ ہی بغیر لوٹے کے کام چلاتے ہیں باقی 90 فیصد کو دن میں 5 سے 4 مرتبہ لوٹے کی ضرورت ضرور پےش آتی ہے ۔لوٹا ہمارے ایسے ایسے راز جانتا ہے جو ہم خود بھی نہیں جانتے ۔لوٹا اُس جگہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔صدیوں سے لوٹا.برادری اپنے فرائض.بڑی ہمت اور خوش اسلوبی سے نبھا رہی ہے کبھی احتجاج نہیں کیا، کبھی ہڑتال نہیں کی ۔ کبھی کسی قسم کی شرط نہیں رکھی ، کبھی کسی چیز کی ڈیمانڈ نہیں کی ۔سچ تو یہ ہے کہ لوٹا بغیر کسی لالچ کے انسان کی خدمت کرتا ہے لیکن افسوس کہ انسان نے کبھی لوٹے کی عزت نہیں کی ۔آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ لوٹا کریسی ختم کی جائے ۔جس شخص کو سب سے زیادہ.براتصور کیا جاتا ہے اُسے لوٹا کہہ دیا جاتا ہے سوشل میڈیا پر بھی لوٹوں کو بہت بدنام کیا جاتا ہے ۔یہاں تک بہت سارے لوٹوں کی.برہنہ تصویریں پوسٹ کر دی جاتی ہیں وہ بھی کرپٹ ترین سیاست دانوں کے ساتھ ۔سنا ہے لوٹا .برادری نے احتجاج کی کال دینے کے لیے مشاورتی اجلاس طلب کر لیا ہے کیونکہ اُنھیں کبھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں پڑی اس لیے انہوں نے آج تک تنظیم سازی ہی نہیں کی اس لیے وہ پہلے تنظیم سازی کریں گے

جس میں عہدے داروں کا چناؤ کرکے اُن کو ذمہ داریاں سونپ دی جائیں گی۔وہی عہدے دار آئندہ احتجاج کا لائحہ عمل طے کریں گے کہ.برادری کی عزت کو بحال کرنے کے لیے ہڑتال کی جائے گی یا حکومت کے ساتھ مزاکرات کے ذریعے اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔قوی اُمید ہے کہ لوٹوں کے اس عمل سے اصلی لوٹوں کو خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو اور اس طرح سیاسی لوٹوں کی عزت بھی بحال ہوجائے۔اگر حکومت وقت لوٹوں کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے اُن کی عزت کرنے کے احکامات جاری کرتی ہے تو پھر سیاسی پارٹیاں تبدیل کرنے والے سیاست دانوں کو کوئی لوٹا نہیں کہہ سکے گا اس طرح نہ صرف لوٹا.برادری کی عزت محفوظ ہوجائے گی بلکہ سیاست دان بھی لوٹے کا خطاب حاصل کیے بغیر ایک سے دوسری پارٹی تک اُڑان بھر سکیں گے۔لیکن اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ لوٹا برادری سیاسی لوٹوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لیے سپریم کورٹ سے مدد مانگ لے۔اگر ایسا ہوا تو لوٹا برادری.بڑی آسانی سے یہ مقدمہ جیت جائے گی اور ہوسکتا ہے سیاسی لوٹوں کو جیل جانا پڑے۔سیاسی لوٹے اگر اپنے آپ کو سزا سے بچانا چاہتے ہیں تو اب بھی وقت ہے یا تو پارٹیاں تبدیل کرنے سے توبہ کرلیں یا پھر نام تبدیلی کا اشتہار اخبارات میں چھپوا کر اپنے آپ کو لوٹے کی بجائے کسی دوسرے خطاب سے متعارف کروالیں۔ملکی حالات اس بات کے متحمل نہیں ہوسکتے ایک احتجاج شروع کیا جائے وہ بھی اتنی.بڑی.برادری کا ملک میں اس وقت لوٹوں کی تعداد کل ملا کے تقریبا 15 سے 16 کروڑ کے درمیان ہے جس میں سیاسی

لوٹوں کی تعداد 2 سے 4 سو کے لگ بھگ ہے۔ کڑوں کی آبادی رکھنے والے اگر اپنی بے عزتی پر آج تک خاموش ہیں اُس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کمزور ہیں۔ اگر لوٹوں نے ہڑتال کر دی تو اُن کی طاقت کا اندازہ ہمیں چند گھنٹوں میں ہی ہو جائے گا۔ ایسے حالات میں پے پسی، ٹیم اور سپرائٹ وغیرہ کی خالی بوتلوں کی منت سماجت کرنی پڑے گی، للذا بہتر یہی ہے کہ ہم لوٹوں کو بدنام کرنا چھوڑ دیں اور لوٹوں سے معافی کی قرادا متفقہ طور پر منظور کر کے اُن کو اُن کا کھویا ہو مقام اواپس کیا جائے تاکہ وہ سکون و عافیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں اور ہمیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قانون کہاں ہے؟

جہاں قانون کی حکمرانی قائم ہو وہاں قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں، چاہے کوئی امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم۔ قانون کی حکمرانی میں سب کو عدل وانصاف میسر آتا ہے اور کسی پر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ لیکن جب قانون کی نظر میں سب برابر ہونے کی بجائے قانون سب کی نظر میں برابر ہو جائے تو پھر چاروں طرف ظلم کی فضا ہوتی ہے، امیر ہو یا غریب کسی کے ساتھ بھی انصاف نہیں ہوتا، حاکم و محکوم دونوں کے جان ومال محفوظ نہیں رہتے دونوں کی عزت وآبرو کا تحفظ ممکن نہیں رہتا۔ جیسا کہ آج نصف سے زیادہ دنیا میں ہو رہا ہے لوگوں نے قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اگر کوئی قانون لوگوں کو جرم کرنے سے روکتا ہے تو اُسے نہ صرف توڑا جاتا ہے بلکہ اُسے ہمیشہ کے لیے ختم کرکے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو طاقتور کو تحفظ فراہم کریں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب تک عدل وانصاف اور قانون کی حکمرانی قائم نہ ہو کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا، جہاں ناانصافی ہوتی ہے وہاں انتقام عام ہوتا ہے اور انتقام لینے والا ظالم سے بھی زیادہ ظالم بن جاتا ہے۔ وطن عزیز میں پھیلی ناانصافی وبدامنی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ یہاں قانون سب کی نظر میں برابر ہے یعنی کوئی بھی قانون پر عمل نہیں کرتا چاہے کوئی حاکم ہو یا محکوم سب کے سب قانون کو پاؤں تلے روند کر آگے گزر جاتے ہیں

۔ قانون بڑے کام کی چیز ہے اگر قانون کی نظر میں سب ایک ہوں ،اگر سب کی نظر
یں قانون اپنا اپنا ہو تو بے کار چیز ہے ۔ قانون قوم کو متحد اور مضبوط رکھ کر پورے
معاشرے کو انصاف فراہم کرسکتا ہے لیکن قانون اپنا اپنا کسی ایک شخص کو بھی انصاف
فراہم نہیں کرسکتا۔ جس قوم کا ہر فرد قانون کو اپنا کھلونا تصور کرے اور ہر ادارے کو
اپنے تابع کرنے کا خواہش مند ہو اُس قوم کا خُدا ہی حافظ۔ آپ سمجھ تو گئے ہوں گے میں
کیا کہنا چاہتا ہوں اگر نہیں سمجھے تو میں پاکستانی قوم کی بات کر رہا ہوں ۔ خیرات اور
قرضہ ہم عالمی بینک اور امریکہ سے لیتے ہیں ، گیس ہم ایران سے لے رہے ہیں ، بجلی گھر
ہم کرائے پر لیتے ہیں ، بسیں اور سڑکیں ہم ترکی سے لیتے ہیں ،اسی طرح کئی اور چیزیں
ہمیں مختلف ممالک سے لینی پڑتی ہیں تو کیا ہم کہیں سے قانون پر عمل درآمد کرنے اور
کروانے کی عادت قرض یا اُدھار نہیں لے سکتے ؟ یا پھر کسی بیرون ملک کمپنی کو
20.10 سال کا ٹھیکہ کیوں نہیں دے دیتے ؟ اگر ہم کوڑا کرکٹ اُٹھانے کا کام تُرکی کی
کمپنی البراق کو دے سکتے ہیں تو پھر قانون پر عمل درآمد کروانے والی کسی کمپنی کی تلاش
کیوں نہیں کرتے ؟ اِس وقت قانون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ یہ سوال میں نے مسلم
لیگ ن اور لاہور کے ممتاز تاجر رہنماء راؤ ناصر علی خان میو کے سامنے رکھا تو انہوں
جواب دیا کہ اگر سچ پوچھتے ہیں تو قانون بہت بیمار ہے اور پچھلے 66 سالوں سے سیاسی
اور اسٹیبلشمنٹی ہسپتالوں میں زیر علاج ہے ، جہاں ڈاکٹر دن ، رات قانون کی خدمت
کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ

قانون زندہ رہے لیکن مکمل صحت یاب نہ ہونے پائے۔انہوں نے کہا کہ آج کل رحمٰن ملک اُن ڈاکٹروں کا سربراہ ہے جو قانون کا علاج کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا قانون سے ملنے اور تے مارداری ہر خاص و عام کر سکتا ہے ؟وہ مسکراتے ہوئے بولے ارے بابا قانون صرف صاف ستھرے افراد سے مل سکتا ہے یعنی امیروں سے غریب آدمی تو قانون سے 4.2 سو کلومیٹر دور سے بھی گزرے تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے اور اگر ڈاکٹر توجہ نہ دیں تو مر بھی سکتا ہے اس لیے میرے بھائی جہاں تک بات ہے خاص کی، تو وہ ضرور مل سکتا ہے رہی بات عام آدمی کی تو اُسے قانون سے ملنا تو دور کی بات ہے اُس کے بارے میں سوچنا بھی سختی سے منع ہے (س) جناب آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قانون بیمار ہے ؟(ج) آپ نے کبھی دیکھا یا سنا تو ہوگا کہ بغیر نمبر پلیٹ یا بغیر لائسنس گاڑی چلانے کی وجہ سے ٹریفک پولیس شہری کا چالان کر دیتی ہے۔ اور شہری چار پانچ سو روپے جرمانہ ادا کرکے پھر اُسی طرح گاڑی چلاتا پھرتا ہے۔ قانون کا استعمال صرف جرمانے کرنے کے لیے کیا جاتا ہے نا کہ جرائم کو ختم کرنے کے لیے، (س) کہیں ایسا تو نہیں ٹریفک پولیس صرف اپنی تنخوائیں پوری کرنے کے لیے چالان کرتی ہے ؟(ج) لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے لیکن یہ سارا سچ نہیں کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ ٹریفک پولیس وزیروں، سفیروں،اور اعلیٰ آفیسروں کو گزارنے کے لیے عام شہروں کو کئی کئی گھنٹے سڑک پر روکے رکھنے کا کام بھی سرانجام دیتی ہے، (س) اس کا مطلب ےہ ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے نوکری شاہی خاندانوں کی کرتے ہیں اور تنخواہ عام

شہریوں سے اکٹھی کرتے ہیں؟ (ج) نہیں یہ بھی درست نہیں کہ ادارے کسی خاندان کی نوکری کرتے ہیں ادارے تو صرف اور صرف ریاست کے ہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ادارے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں یا غلامی کرتے ہیں، ہم پاکستان کے قومی اداروں کو بے کار نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر ادارے بے کار ہو جائیں تو نظام نہیں چلا کرتے۔آپ پولیس ہی کی مثال لے لیں ہماری پولیس بہت بدنام ہے لیکن اگر محکمہ پولیس نہ ہوتا تو جرائم اس قدر بڑھ جاتے کہ ملک میں صرف جرائم پیشہ افراد ہی زندہ رہتے۔ (س) آپ کیا سمجھتے ہیں کہ قانون کی حکمرانی قائم کرنا صرف حکومت کی ذمہ داری یا عوام کے حصے میں بھی کوئی ذمہ داری آتی ہے؟ (س) بالکل حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قانون کی حکمرانی قائم کرے اور سب سے پہلے حکمران خود قانون کا احترام اور پاسداری کریں۔اُس کے بعد عوام بھی قانون کا احترام کریں گے حاکم ہو یا محکوم جو بھی قانون کی خلاف ورزی کرے اُسے اُس کے جرم کی سزا دی جائے، تو قانون کی حکمرانی قائم ہو سکتی ہے۔ (س) آپ کے خیال میں ہمیں پاکستان میں قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کسی دوست ملک سے مدد مانگنی چاہیے؟ (ج) ہرگز نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بھوکے مر جاؤ لیکن قرض اور مدد کے نام پر کسی دوست یا دشمن ملک سے کچھ نہ مانگو جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اُسی سے کام چلاؤ، جس قوم کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے کھانا اور تن ڈھکنے کے لیے کپڑا ہو اُسے ترقی کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی، پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے تمام

تر نعمتوں سے نوازر کھا ہے اور پھر مسلمان تو خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلاتا ہے ہم
کیونکر بھیک مانگتے پھریں؟

الیکشن اِن ایکشن

اللہ تعالٰی نے مسلمانوں سے چھوٹی سی چھوٹی تکلیف پر ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ایک مرتبہ چراغ گل ہوگیا تو آپ ﷺ نے اِنا للہِ پڑھا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا یہ مصیبت ہے اس پر بھی صبر کرنے کا اجر و ثواب ملتا ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جو چیز مسلمان کو نا گوار گزرے وہ مصیبت ہے یہاں تک کہ کانٹا لگ جائے یا کوئی چیز رکھ کر بھول جائے،اس پر صبر کرنے سے اَجر ملتا ہے۔لیکن افسوس کہ نہ ہم صبر کرتے ہیں اور نہ ہی مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش۔پاکستانی قوم کا حال دو سے چھ ماہ کے بچے کی طرح ہے جو اگر رو پڑے تو چپ ہونے کا نام نہیں لیتا اور اگر خوش ہو تو بات بے بات مسکرائے جاتا ہے۔اسی طرح پاکستانی عوام بھی سالوں تک حکمرانوں کو خوب بُرا بھلا کہتے ہیں اور چکن سیل سنیٹر پر پڑے ڈرم میں تڑپتی ہوئی مرغی کی طرح پھڑ پھڑاتے ہوئے وقت گزارتے ہیں،اپنے تمام تر مسائل ،تمام تر مشکلات کی ذمہ داری حکمرانوں پر ڈالتے ہیں۔جو لوگ عوام کو ایک آنکھ نہیں بھاتے الیکشن کے دنوں میں انہیں لوگوں کی ایک جھلک دیکھ کر تمام تر پریشانیاں،تمام تر مسائل ،تمام تر مشکلات اور تمام تر محرومیاں بھول کر بڑے فخر کے ساتھ نہ صرف اُن کی انتخابی مہم چلاتے ہیں بلکہ اُن کی خوبیاں گنواتے وقت یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے گزشتہ چار پانچ سال عوام کا جینا مرنا مشکل

کئے رکھا تھا اور اُن کے ظلم کا شکار ہونے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو خوبیاں گنوائی جا رہی ہیں وہ ہرگز اُس سیاست دان کی شخصیت میں موجود نہیں ہیں۔جو اُن کے حلقے میں پھر سے اُمیدوار بن کر آگیا ہے اور مزے کی بات سن لیں پچھلے الیکشن میں اُس نے تیر کے انتخابی نشان پر الیکشن لڑا تھا اور اِس الیکشن میں وہ شیر کو لے کر میدان میں اُترا ہے۔کیا اُس کی وفاداری کا یہی ثبوت کافی نہیں کہ جس پارٹی نے اُسے پانچ سال تک خوب عزت دی وہ اُسی پارٹی کو مشکل میں دیکھ اپنے مستقبل کے سنہری خواب سجائے دوسری پارٹی سے جا ملا؟ قارئین محترم آپ جانتے ہیں کہ وطن عزیز میں سیاسی اکھاڑہ سجنے کو ہے۔

بہار کے موسم کے ساتھ ساتھ الیکشن کا سیزن بھی شروع ہوا چاہتا ہے۔سیاست دانوں کے رشتہ دار جو بیرون ملک مقیم ہیں وہ پاکستان آکر الیکشن کا مزہ لینے کی تیاری کر رہے ہیں۔سابق صدر پرویز مشرف بھی الیکشن میں حصہ لینے کے لیے آرہے ہیں، کل تک ن لیگی قیادت پرویز مشرف کی وطن واپسی کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی تھی لیکن سنا ہے بیرونی طاقتوں کے کہنے پر وہی پرویز مشرف کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو چکی ہے۔اگر جمہوریت کی روح سے دیکھا جائے تو پرویز مشرف کا وطن آکر الیکشن میں حصہ لینا اچھی بات ہے۔ایک دو،دنوں میں موجودہ حکومت کی آئینی مدت پوری ہونے پر نگران حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور حکومتی اور اپوزیشن ارکان پانچ سالوں بعد اپنے اپنے انتخابی

حلقوں میں لوٹ کر عوامی رابطہ مہم چلائیں گے۔یعنی الیکشن کے دنوں یہ اِن ایکشن رہیں گے۔وہ لوگ عوام جن کے چہرے تک بھول چکے ہیں ایک بار پھر عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے بڑے انتخابی جلسے رچا کر نہ صرف اپنی خوبیاں گنوائیں گے بلکہ ساتھ ساتھ مخالف اُمیدوار پر کیچڑ اچھالتے وقت سب اخلاقی حدیں توڑ دیں گے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی ماؤں بہنوں کی کردار کشی کریں گے اور عوام جو پچھلے پانچ سال اپنی قسمت پر روتی رہی ہے آئندہ پانچ سال تک رونے کی تیاری اس طرح کریں گے کہ ہر سیاسی جلسے میں شامل ہو کر خوب نعرے بازی کرے نگے،ڈھول کی تھاپ پر خوب رقص کریں گے اور اُمیدواروں کے انتخابی دفاتر میں شربت چائے پی کر یا کھانا کھا کر یہ سمجھیں گے کہ وہ سیاست دانوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ذات،برادری پارٹی نسبت یا پھر چند روپوں کے عوض کسی کرپٹ اور نااہل اُمیدار کو اپنا قیمتی ووٹ، دے کر آئندہ پانچ سال اپنی قسمت کو روتے رہیں گے۔اس بار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو دن انتخابات سے پہلے عوام ہنسی خوشی گزارا کرتے تھے وہ بھی ان کی قسمت25.20 میں نہ آئیں کیونکہ ملک میں امن وامان کی صوت حال کچھ بہتر نہیں ہے۔ہو سکتا ہے نگران حکومت اور الیکشن کمیشن جلسے جلوسوں پر سخت پابندی لگا کر موبائل فون سروس بھی بند کردے۔کچھ حلقے تو الیکشن کو خونی بھی کہہ رہے ہیں۔اس وقت ملک جن سازشوں کا شکار ہے ممکن ہے کہ دشمن الیکشن کے دوران بھی قتل وغارت اور فتنہ گری سے باز نہ آئے۔جب لاہور جیسے شہر میں وزیراعلیٰ میاں محمد شہباز شریف کے دور

حکومت میں جو انتہائی سخت مزاج پائے گئے ہیں پولیس اور دیگر محکموں کی کوتائی
.برداشت نہیں کرتے پھر بھی پولیس کو توہین رسالت کے مقدمہ کا علم ہو جانے کے باوجود
اتنا بڑا سانحہ رونپذیر ہو گیا جس میں نہ صرف مسیح برادری کی بستی کو آگ لگا دی گئی بلکہ
مذہبی فسادات کو ہوا دینے کی کوشش بھی کی گئی ۔ سچ تو یہ ہے کہ سانحہ بادامی باغ نے
ایک بار تو پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تو پھر تین ماہ کی نگران حکومت تو بہت کمزور
ہوا کرتی ہے سب کو پتا ہوتا ہے کہ حکومت صرف 90 دن کی مہمان ہے۔ مہمان حکومت
کس طرح حکومتی رٹ قائم کرے گی ؟ اور کون اُس پر عمل کرے گا؟ جبکہ پچھلے پانچ
سالوں میں منتخب عوامی حکومت امن و امان قائم نہیں کر سکی تو نگران حکومت الیکشن
میں امن و امان کس طرح قائم کر پائے گی؟ منتخب عوامی حکومت کا مطلب شائد یہ ہونا
چاہئے تھا کہ حکومت کے رابطے عوام کے ساتھ اس قدر مضبوط رہیں کہ کوئی دشمن ملک
و قوم کو نقصان نہ پہنچا سکے لیکن یہاں تو اُلٹا رواج ہے نہ صرف سیاست دان بلکہ عوام بھی
سیاست دانوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں ۔ اس بار انتخابی نعرے
بھی کچھ اور ہی ہوں گے جیسا کہ اُمیدوار کہیں گے کہ ہم اقتدار میں آ کر ظلم کے خلاف
آواز اٹھانے والوں کی گردنیں کاٹ دیں گے ، ہماری حکومت میں

سفارش، رشوت، اقرباء پروری، بدامنی ، دہشتگردی ، ناانصافی، غنڈہ گردی، فحاشی، بے
روزگاری، جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر، قتل وغارت ، بم دھماکے، بھوک ننگ، خودکشیاں
لاقانونیت، ٹارگٹ کلنگ اور دیگر خون خرابے عام ہوں گے ، اگر عوام امن پسند ہیں تو،
بھی ہمیں

ووٹ دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اقتدار میں آکر ہم آئندہ پانچ سال ملک میں امن امان نام کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دیں گے۔

جعلساز قانون سازی نہیں جعلسازی کیا کرتے ہیں

محترم جناب غلام اکبر صاحب نے بہت ہی خوبصورت بات کہی کہ اگر یہی جمہوریت ہے اِسے منوں مٹی کے تلے دفن کردیا جائے۔غلام اکبر میری پسندیدہ ترین شخصیات میں سے ایک ہیں ، میری اُن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن اُن کی تحریروں میں اُن کی شخصیت کا حسن جھلکتا ہے۔ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں انہیں اپنا سینئر اور اُستاد مانتا ہوں۔اُن کی یہ رائے کہ اگر یہی جمہوریت ہے تو اسے منوں مٹی تلے دفن کردیا جائے"حقیقت کے بہت زیادہ قریب ہے۔اُن کا پورا مضمون دیکھوں تو مجھے کوئی شکایت نہیں لیکن ایک جملہ ہضم نہیں ہورہا۔انہوں نے لکھا کہ" تعلیم یافتہ نہ ہونا کوئی جرم نہیں۔ڈگری نہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اپنے آپ کو گریجویٹ ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے جعل سازی کا مرتکب ہونا ایک گھٹیا فعل ہے "غلام اکبر صاحب آپ کی بات میں کوئی شک نہیں کہ الیکشن کمیشن بدعنوان عناصر کو منتخب ہونے سے روکنے کا پابند ہے۔یہ بات بھی زندہ حقیقت ہے کہ 2008ء کے عام انتخابات میں فراڈیئے امیدوار الیکشن کمیشن کی نا اہلی اور بے ایمانی کی وجہ سے کامیاب ہوئے ،اگر اُس وقت کا الیکشن کمیشن اچھی طرح چھان بین کرتا تو ایسا ناممکن تھا کہ جعلی ڈگری والے عام انتخابات میں حصہ لے پاتے۔غلام اکبر صاحب کہیں ایسا تو نہیں کہ الیکشن کمیشن میں بھی ایسے جعل ساز بیٹھے

تھے اُس وقت ؟" تعلیم یافتہ نہ ہونا کوئی جرم نہیں ،ڈگری نہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں میری نظر میں تعلیم یافتہ نہ ہونا ہی سب سے بڑا جرم ہے اگر یہی لوگ پڑھے لکھے " ڈگری ہولڈر ہوتے تو انہیں کبھی جعلسازی کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہم دنےاکے لیے تماشہ بھی نہ بنتے۔ تعلیم یافتہ ہونے پر ہی ہم جعلسازی کرتے وقت شرمائیں گے۔ تعلیم ہی ہمیں شعور دے سکتی ہے کہ ہم جعلسازی اور دھوکہ دہی جیسے شرم ناک فعل سے باز رہیں ورنہ یہی ہوتا رہے گا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان عام سی نوکری حاصل کرنے کے لیے جعلسازوں کے دروازے کھٹکھٹاتے رہیں گے۔ اعلیٰ ایوانوں میں بیٹھے ان پڑھ اُن کی تعلیم و ڈگری کی قدر نہیں کر سکتے ،قدر کیا وہ ڈگری پر لکھی قابلیت پڑھ نہیں سکتے۔ ایسے لوگوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ ایوان اقتدار میں جابیٹھیں ،پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان آلو چھولے اور گنڈیریاں فروخت کریں اور ان پڑھ جاہل قانون ساز اسمبلی میں بیٹھ کر ملک و قوم کو اندھیروں میں دھکیلتے رہیں اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہم پچھلے 66 سالوں سے اس کہاوت پر عمل کر رہے ہیں کہ" جندے کار دانے اوندے کملے وی سیانے "۔ آج تک مملکت خُداداد پر مسلط ہونے والے تمام حکمرانوں کا تعلق سرمایہ دار، جاگیردار خاندانوں سے ہے۔یا پھر مسلط ہونے کے بعد سرمایہ دار بن گئے۔ جناب عالی اگر ملک کی قانون ساز اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے تعلیم یافتہ یاڈگری ہولڈر ہونا ضروری نہیں تو پھر چپڑاسی بھرتی ہونے کے تعلیم یافتہ ہونااورڈگری رکھنا کیوں لازم ہے ؟ قومی

زبان اُردو اور میری مادری زبان پنجابی، پشتو، سرائیکی، پشتون، سندھی ہے تو پھر مجھے بجلی وگیس کے بل کیوں انگریزی میں آتے ہیں ؟غلام اکبر صاحب سے معافی کے ساتھ نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ جب تک ممبر اسمبلی بننے کے لیے تعلیم یافتہ اور ڈگری ہولڈر ہونا ضروری نہ ہوگا اُس وقت تک میرے اور آپ کے پیارے پاکستان کی نہ صرف اسمبلیاں بلکہ ہر ادارہ ایسے جعل سازوں کے قبضے میں رہیں گے۔آپ نے پنجابی کہاوت تو سنی ہوگی کہ بھینیں، بھیسوں کی بہنیں ہوتی ہیں، جناب عالی ٹھیک اسی طرح جاہل، جاہل کا بھائی ہوتا ہے، مجرم، مجرم کا بھائی ہوتا ہے، جعل ساز، جعل ساز کا بھائی ہوتا ہے چاہے وہ اسمبلی میں بیٹھے یا الیکشن کمیشن میں بیٹھے۔سوچنے کی بات ہے کہ الیکشن کمیشن میں بیٹھا جعلساز اگر دوسرے جعلساز کو اسمبلی میں داخل ہونے سے روکے گا تو ظاہر سی بات ہے اسمبلی میں کوئی ایماندار شخص پہنچ جائے گا اور اس طرح ملک کی قانون ساز اسمبلی جو سب سے بڑا سپریم ادارہ ہے وہ ایماندار لوگوں سے بھر جائے گا تو آپ بتائیں الیکشن کمیشن میں بیٹھے جعل ساز کا کیا بنے گا؟میں سمجھتا ہوں کہ قوم کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔غلام اکبر صاحب نے لکھا کہ جو لوگ انکم ٹیکس کے گوشوارے ہی داخل نہیں کرتے، جن کے پاس این ٹی این نمبر ہی نہیں ہے، جن اصحاب کو ملک کے قوانین کا علم ہی نہیں ان کے سپرد ملک کے لیے قانون سازی کرنے کی عظیم ذمہ داری کیسے کی جاسکتی ہے۔جناب عالی انتخابات کے ذریعے منتخب ہونے والے جعلساز قانون سازی نہیں کیا کرتے جعلسازی ہی کیا کرتے

ہیں۔یا پھر آپ بتائیں کہ آج تک جتنے قانون بنے اُن میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جس نے سرمایہ دار، جاگیردار اور وڈیرے کو تختہ دار تک پہنچایا ہو؟امیر آدمی چوری کرتا ہے،ڈکیتی کرتا ہے، غریبوں کو بے آبرو کرتا ہے یہاں تک کہ قتل کرتا ہے لیکن اس ملک کا قانون اسے سزانہیں دے سکتا جبکہ غریب آدمی بغیر کسی جرم یا معمولی سے جرم کی وجہ سے کئی سالوں تک جیل میں سڑتا رہتا ہے۔میں تو ایسے قانون کو جعلسازی ہی کہوں گا۔

تبدیلی آچکی

امتیاز صاحب تبدیلی آچکی ہے پارٹی ٹکٹ عمران خان نہیں ہم جاری کریں گے ، تحریک انصاف عمران خان کا nick name نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو بنائے گی نیا پاکستان ۔اس ملک میں اب بھٹو،زرداری ، میاں ، سومرو،چوہدری اور دیگر باریاں باندھ کر حکومت نہیں کر سکتے۔اب راج کرے گی خلق خُدا جو تم بھی ہو اور میں بھی ۔ قارئین محترم یہ گفتگو ہے تحریک انصاف کے ایک نوجوان ممبر مرزا عمر بیگ کی۔عمر بیگ پڑھا، لکھا فکر مند نوجوان ہے ۔عمر بیگ کا کہنا ہے کہ تبدیلی آچکی ہم 23 مارچ کو مینار پاکستان لاہور کے میدان میں ایک نئی تاریخ رقم کرنے جا رہے ہیں ،23 مارچ کا جلسہ نہ صرف پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جلسہ ہوگا بلکہ پورے ایشےاء کی تاریخ میں کبھی اتنا بڑا جلسہ کبھی کسی سیاسی جماعت نہیں کیا ہوگا جتنا بڑا جلسہ تحریک انصاف کا ہوگا۔ مرزا عمر بیگ نے بڑے اعزاز کے ساتھ کہا کہ تحریک انصاف پاکستان کی پہلی سیاسی جماعت ہے جس کے قائد (عمران خان) نے یہ اعلان کیا ہے کہ جس دن میرا بیٹا تحریک انصاف کا لیڈر بنا میں پارٹی چھوڑ دوں گا آج تک کسی نے اتنی ہمت کی ہے بتائے ،اور پھر عمران خان نے یہ اختیار عوام کو دے دیا ہے وہ جسے چاہے پاکستان تحریک انصاف کا سربراہ منتخب کرلے ۔بڑے بڑے ترم خاں آج تک پارٹی الیکشن نہیں کرواسکے لیکن عمران خان نے

پارٹی الیکشن کروا کر ثابت کر دیا ہے کہ تحریک انصاف پاکستانی عوام کی جماعت ہے ۔ مرزا عمر بیگ نے بڑے ہی پر عزم لہجے میں بتایا کہ اُمیدواروں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرنے کا فیصلہ پارٹی قیادت حلقہ میں موجود پارٹی ورکرز کی مرضی کے بغیر نہیں کرے گی۔ میں نے عمر سے سوال کیا کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ عمران خان برسر اقتدار آ کر ملک کو درپیش مسائل حل کر سکے گا؟ عمر بڑے جوشیلے انداز میں بولا امتیاز صاحب میں personality lover نہیں بلکہ policy lover ہوں ، عمران خان کی تمام polices کو آج تمام روائتی سیاست دان بھی قابل عمل تسلیم کر رہے ہیں یہ الگ بات کہ وہ اپنے منہ سے کہہ نہیں سکتے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عمران خان ملک و قوم کے مسائل کو حل کر سکیں گے لیکن تحریک انصاف برسر اقتدار آ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لٹیروں کا ایسا احتساب کرے گی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملے گی ۔ باقی رہی مسائل کی بات تو پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے ۔ نہ کھانے پینے کی کمی ہے اور نہ ہی عقل و شعور کی کمی ہے ۔ کمی ہے تو بس ایماندار حکمرانوں کی جو عوام دوست ہوں ، جو خوف خُدا رکھتے ہوں ، جو پڑھے لکھے ہوں اور جن کے گریبان کرپشن اور لوٹ مار سے پاک ہوں ، جن کے ضمیر زندہ ہوں ، جن کی غیرت اور خدداری انہیں بے غیرتی کرنے سے روکے ۔ عمر کو اِس قدر پُر اُمید اور پُرجوش دیکھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور فکر بھی ۔ اس موقع پر سینئر صحافی و کالم نویس جناب ایم اے تبسم بڑی خاموشی سے ساتھ موجود رہے۔ والہانہ انداز میں بولے امتیاز بھائی

میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ تبدیلی آچکی ہے۔انہوں کہا میں عمران خان کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ مخلص اور ایماندار شخص ہے اور باقی سیاست دانوں کی طرح ہر عہدہ یاوزارت اپنے خاندان میں تقسیم نہیں کرے گا،ایم اے تبسم صاحب نے کہا آج آپ نے عمر بیگ کی باتیں سن کر کیا محسوس کیا آپ کو لگتا ہے عمر ایم این اے یا ایم این اے کا اُمیدوار ہے ؟میں نے کہا نہیں ۔توپھر یاد رکھو امتیاز تبدیلی اسی کا نام ہے جس کی شروعات عمران خان نے کردی ہے۔بذریعہ الیکشن تبدیلی آنی ہوتی تو کب کی آچکی ہوتی حقیقت یہ ہے کہ تبدیلی کے بعد ہونے والے الیکشن کے ذریعہ ملک وقوم کی حالت سنور، سکتی ہے۔انہوں نے کہا میں آج پاکستانی قوم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اب پریشان ہونے کا وقت گزرچکا،اب نوجوان اپنے وطن کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہیں بلکہ بیتاب بھی ہیں اور نوجوانوں میں اس بات کا شعور اجاگر کرنے کا سہرا عمران خان کے سر ہے۔آپ دیکھنا امتیاز عمران خان جیتے نہ جیتے تحریک انصاف ضرور کامیاب ہوگی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اگر ملک کے نوجوان عمر کی طرح اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں میں لینے کا فیصلہ کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ترقی سے نہیں روک سکتی اور آج جن مسائل کی وجہ سے ہرپاکستانی پریشان ہے وہ سارے مسائل نوجوانوں کے جوش کے سامنے شائد کچھ پل ہی ٹھہرپائیں۔فکر اس بات کی ہے کہ اگر عمران خان نے کل کرسی اقتدار پہ بیٹھ کر عمر اور عمر جیسے لاکھوں نوجوانوں کے جذبات کی قدر نہ کی تو پھر

نارمل تبدیلی کا وقت گزر جائے گا۔ خیر میں بھی پوری قوم کی طرح دعا گو ہوں کہ اللہ تعالٰی آئندہ عام انتخابات میں ہمیں اہل، محب وطن اور عوام کے دکھ درد سمجھنے والے نمائندے عطا فرمائیں۔ میں یہاں یہ بات کلیئر کرتا چلوں کہ میں تحریک کا انصاف ممبر یا عہدے دار نہیں ہوں اگر آپ کو ایسا لگے کہ راقم تحریک انصاف یا عمران خان کا بہت بڑا حامی ہے تو ایسی کوئی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے میں اپنا ووٹ کسی اور جماعت کو دُوں۔ تحریک انصاف کی کارکردگی کیا ہو گی یہ تو آنے والا وقت بتائے گا لیکن عمر کی پُرجوش اور پُراُمید بھری گفتگو سننے کے بعد مجھے اُمید سی ہو چلی ہے کہ اب پاکستان کی نوجوان نسل اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے تیار ہو چکی ہے، اور کسی صورت برداشت نہیں کرے گی کہ اب کوئی اس ملک میں لوٹ مار کرے۔

بچوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا بھی خیال کیا جائے

چھوٹے بچوں کو جسمانی سزاؤں سے بچانے کا بل پیش کرنے پر میں ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ کو سلام پیش کرتا ہوں، مبارک باد دیتا ہوں اور اُس بل کو متفقہ طور پر منظور کرنے پر قومی اسمبلی کے تمام ممبران کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ میری نظر میں جسمانی سزائیں دے کر کبھی بچوں کو لائق و فائق نہیں بنایا جا سکتا۔ بچوں کو جسمانی سزائیں دینا بُری بات ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کو جسمانی سزائیں دینے والے اساتذہ کی اصلیت کیا ہے،کیا وہ اس لائق ہیں کہ اتنی بڑی ذمہ داری نبھا سکیں ؟وہ شخص جو رات بھر اپنے کھیتوں کو پانی دے کر صبح سکول" سونے " آتا ہے کیا ایسا شخص اس بات کا اہل ہے کہ اُسے ٹیچر کی ملازمت دی جائے ؟ایک سچ یہ بھی ہے کہ ہمارے سرکاری سکولوں میں بہت سے نفسیاتی مریض بطور ٹیچر کام کر رہے ہیں ،اس بات پر کبھی کسی نے توجہ نہیں دی کہ اساتذہ کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے کرکٹ ٹیم کے لیے تو نفسیاتی ڈاکٹر مہیا کیا جاتا ہے۔ لیکن کیا کبھی ٹیچرز کو یہ سہولت دی گئی ہے؟ کبھی کسی نے سنا ہے؟ کبھی خبر نشر ہوئی ہو اس مہینے
وزیروں، سفیروں کو تنخوائیں نہیں ملیں؟ کبھی وزیروں اور سفیروں پر، عوام پر تشدد کے خلاف کوئی بل پاس یا پیش ہی کیا گیا ہے؟کیا ہوٹل یا ورکشاپ پر کام کرنے والے بچوں کو کبھی جسمانی سزا

ملتی ہے؟ بچوں کو جسمانی سزا دینے پر اساتذہ کو جیل بھیجنے سے پہلے اس بات پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا پاکستان میں تمام بچوں کو سکول اور ٹیچرز دستیاب ہیں؟ کیا پاکستان کا ہر بچہ سکول میں پڑھتا ہے؟ قسم پیدا کرنے والے اُس عظیم خالق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری اور آپ کی جان ہے یہ بات کرتے ہوئے رونا آتا ہے کہ پاکستان میں پڑھنے لکھنے کا حق صرف امیر کے بچے کو ہے، غریب کا بچہ تو پیدا ہی مزدور ہوتا ہے چاہے ایم اے کرلے یا ایم ایس سی یا پھر کوئی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرلے پھر بھی مزدور ہی رہتا ہے۔اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اگر غریب کا بچہ چھوٹی عمر سے ہی کسی ہوٹل، ورکشاپ یا پھر کسی سائے کل پنکچر کی دکان پر کام کرنے لگ جائے تو بالغ ہونے تک وہ باروزگار ہو جاتا ہے لیکن اگر پڑھنے لکھنے میں 25.20 سال لگا کر بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرلے تو اُسے تب تک مزدوری نہیں ملتی جب تک رشوت یا" بڑے "سے اَن پڑھ کی سفارش نہ حاصل کرلے۔ خیر یہ رونا تو بہت وسیع ہے آج ہم بات کر رہے تھے بچوں کو اساتذہ کی طرف سے دی جانے والی جسمانی سزاؤں کے خلاف پاس ہونے والے بل کے بارے میں۔ والدین کے لاڈلے بچے اساتذہ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں کبھی کسی نے سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے ٹیچرز کو بگڑے بچوں کے ہاتھوں تنگ آکر روتے دیکھا ہے۔کیا ہم اپنے بچوں کو گھر میں کبھی نہیں ڈانٹتے جو اساتذہ کو عدالتوں اور جیلوں میں قید کروائیں گے؟ ٹھیک ہے کہ بچے مار سے نہیں پیار سے پڑھتے ہیں لیکن اِس کا یہ مطلب

ہرگز نہیں کہ اُساتذہ کی عزت نہ کی جائے۔ایک چھوٹی سی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں میرا بیٹا ٹی سی ایف سکول جھلکے میں زیر تعلیم ہے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شروع میں اُس کی ٹیچر ہاتھ پکڑ کر لکھواتی ، کھانا کھلاتی ،ہاتھ منہ دھوتی اور اگر رونے لگتا تو اُسے چُپ کروانے کے لیے بسکٹ اور ٹافیاں دیتی ،اگر ٹیچر میرے بچے کو اتنا پیار اور دیکھ بھال کر سکتے ہیں تو کیا اُنہیں کوئی حق نہیں کہ وہ ضرورت پڑھنے پر بچے کو ڈانٹ سکیں؟جو قومیں اساتذہ کی عزت نہیں کرتیں وہ کبھی بھی تعلیمی میدان میں آگے نہیں نکل سکتیں۔میں بچوں کو جسمانی سزائیں دینے کے حق میں نہیں۔لیکن اساتذہ کی عزت کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ تعلیم کا مقصد انسان کی قدرتی صلاحیتوں کو نکھار کر مزید بہتر طریقے سے کارآمد بنانا ہے۔تراشنے سے پہلے ہیرا بھی ایک پتھر ہوتا ہے لیکن قیمتی ،اگر تراشنے والے ہاتھ نا تجربہ کار ہوں تو وہی قیمتی پتھر جسے ہیرا بنانا ہوتا ہے وہی ٹوٹ کر بے کار پتھر بن جاتا ہے اور اگر تراشنے والے ہاتھ تجربہ کار ،کاریگر کے ہوں تو وہی پتھر بیش قیمت ہیرا بن جاتا ہے۔یعنی پتھر کے اندر ہیرا بننے کی صلاحیت موجود بھی ہو تو وہ خود بخود ہیرا نہیں بن سکتا اُسے اچھے تراشنے والے کی ضرورت پڑتی ہے ٹھیک اسی طرح انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیت سے مالا مال پیدا ہوتا ہے۔سکول ومدرسے کے اساتذہ انہیں صلاحیتوں کو نکھارنے کا اہتمام کرتے ہیں لیکن جب نا تجربہ کار اساتذہ بچوں کو جسمانی سزائیں دینا شروع کر دیتے ہیں تو وہی پتھر جنہیں ہیرا بننا ہوتا ہے

ٹوٹ کر بے کار ہو جاتے ہیں۔ پچھلے 66برس سے ہم ایسے ہی لاتعداد ہیرے توڑ کر مٹی میں ملا چکے ہیں، بچوں کو جسمانی سزاؤں کے خلاف بل پاس ہو جانے سے بھی فوری طور پر بہتری آتی نظر نہیں آتی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر قانون بنانے کے ساتھ ساتھ اُس پر عمل بھی کیا جائے تو وہ دن دور نہیں جب پاکستان یں کوئی استاد بھی بچوں کو جسمانی سزائیں نہیں دے سکے گا۔ پاکستان میں شرح خواندگی شرم ناک حد تک کم ہے ایسے میں ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کئے جانے والا بل اندھیرے میں چراغ روشن کرنے کی مانند ہے۔ قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منظور امتناع جسمانی سزا بل 2013ء میں 18سال سے کم عمر بچوں کو کلاس رومز میں جسمانی سزا دینے پر پابندی عائد ہو گی اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے اساتذہ کو ایک سال قید یا 50ہزار روپے جرمانے کی سزا دی جاسکے گی۔ یہ قانون سرکاری ونجی یعنی تمام تعلیمی اداروں پر لاگو ہوگا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اساتذہ کو جیل یا جرمانے کی سزائیں دے کر ہم تعلیمی میدان میں آگے نہیں نکل سکتے۔ اگر زیادہ نہیں تو ایک اُستاد کو وزیر کے برابر تنخواہ، مراعات اور سہولتیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ وہ عزت واحترام جو باشعور قومیں اپنے اساتذہ کو دیتی ہیں ہمیں بھی دینا پڑے گا۔ دیگر اداروں کا بجٹ کم کرکے تعلیم پر خرچ کیا جائے اور ملک کے کونے کونے میں معیاری سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کا جال بچھا دیا جائے اور کسی بچے کو ہوٹل یا ورکشاپ پر نہ جانے دیا جائے اور سب سے اہم بات کہ ہم اپنے بچوں کو ایسی،

تعلیم دیں جو عالمی معیار کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و تمدن کو بھی اُجاگر کرے اور طالب علم کو کنویں کا مینڈک بنانے کی بجائے پوری کائنات کو سمجھنے کا موقع دیا جائے تو شائد ہمیں اساتذہ کو جیل نہ بھیجنا پڑے۔

مرن لئی تیار ہو جاوے

مسلمان کا ایمان ہے کہ ہم اس دنیا میں مسافر کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی بھی وقت ہمیں یہ مسافر خانہ خالی کرنا ہے۔اگر مسلمان غور کرے تو اصل میں انسانی جسم بھی ایک مسافر خانہ ہے جس میں ٹھہرنے والے مسافر کو روح کہا جاتا ہے۔ جسم تو اسی دنیا میں رہ جاتا ہے لیکن روح کو سفر ختم ہونے پر جسم کے مسافر خانے کو چھوڑ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے۔یعنی اس دنیا کی زندگی میں جسم روح کا ساتھی ہے اور موت کے بعد اکیلی روح کو ہی سفر کرنا ہے۔افسوس کہ ہم نے اپنی روح کو کبھی توجہ نہیں دی صرف جسم کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے چلے جا رہے ہیں۔یعنی مسافر خانے کو اس قدر مضبوط کرنا چاہتے ہیں کہ مسافر کو قید کر سکیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس مسافر کو کبھی کوئی قید کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔مسافر کی اس فانی زندگی کا مقصد سوائے آزمائش کے اور کچھ نہیں۔یعنی کہ زندہ رہتے ہوئے مرنے کی تیاری کرنا ہے،نا کہ موت سے بھاگنا،سچا مسلمان سدا مرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔لیکن اس تیاری کا اظہار کبھی کوئی نہیں کرتا اور نہ اُسے اللہ تعالی یا اُس کے فرشتے قریب المرگ یہ بات کہتے ہیں کہ " مرن لئی تیار ہو جاوے" ہاں علماء حضرات اکثر موت کی تیاری کا درس دیتے اور سمجھاتے ہیں کہ ہمیں گناہوں سے توبہ اور نیکی کے کام کرنے چاہیے اور اللہ تعالی کی عبادت

کے ساتھ ساتھ اُس کی مخلوق کے ساتھ بھی محبت کا سلوک رکھتے ہوئے اس انداز سے زندگی گزارنی چاہیے کہ ہمارے دنیا سے رخصت ہونے پر لوگ گواہی دیں کہ فلاں شخص بہت اچھا تھا یا کم از کم اچھا تھا۔یعنی مسلمان مرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔" مرن لئی تیار ہو جا اوے" ۔سلطان راہی اور مصطفیٰ قریشی کے دور کی پنجابی فلموں میں یہ ڈائیلاگ بہت زیادہ استعمال ہوا کرتا تھا' یہ جملہ سن کر اکثر میں اس سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ جب مرنا ہی ہے تو تیاری کس بات کی؟اس بات کی مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ کس قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے قاتل، مقتول کو قتل کرنے سے پہلے ؟اور پھر تیار ہونے کا وقت بھی نہیں دیتا کہ وہ گھر جا کر اچھی طرح نہا کر نئے کپڑے اور جوتے پہن سکے یا پھر دودھ بادام استعمال کر کے مرنے کی تیاری کر لے۔شائد مرنے سے پہلے اپنے رب کو یاد کرنے کی طرف اشارہ ہے یہ ڈائیلاگ ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ڈائیلاگ فلموں کی دنیا سے سفر کرتا ہوا آج کل سیاست کے ایوانوں میں پہنچ چکا ہے ۔باہر دیکھیں آپ کے دروازے پر کھڑا سیاست دان یہی کہنے آیا ہے کہ مرن لئی تیار ہو جا سوہنیا مگر الفاظ مختلف ہوں گے۔ سیاست دان ٹھہرے سمجھدار لوگ وہ اس ڈائیلاگ کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بولتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ مرن لئی تیار ہو جا اوے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے مسائل کو سمجھ سکتا ہوں، میں آپ کی گلی میں گیس لائن ڈلوا دوں گا، میں آپ کی گلی میں سیوریج اور پی سی ڈلوا دوں گا، میں آپ کے دکھ درد میں آپ کا ساتھ دوں گا، میرے دروازے آپ کے لیے دن رات کھلے رہیں

گے۔ میں اپنے حلقے کے لوگوں کو نوکریاں دلواؤں گا، یہاں تک اگر آپ مجھے ووٹ دے کر کامیاب کروائیں گے تو میں آپ کا پانی بھروں گا، یہ وعدے اور دعوے کس حد تک پورے ہوتے ہیں اس بات سے کوئی بے خبر نہیں ۔سچ تو یہ ہے کہ جب سیاست دان اکٹھے ہوتے ہیں تو حیران ہو کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ یار عوام اب بھی زندہ ہیں ہم نے پانچ سال ڈٹ کر جمہوریت کے نام پر لوٹ مار کی اور انہیں مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی یہ کس مٹی کے بنے ہیں جو مرتے ہی نہیں ۔چلو پھر سے عوام کو مارنے کی تیاری کرتے ہیں ۔اگر ان کا بس چلے تو الیکشن میں خود ہی اپنے آپ کو ووٹ ڈال کر کامیاب ہو جائیں لیکن ایسا ممکن نہیں اس لیے بے چارے مجبور ہو کر عوام سے رابطے کرتے ہیں ۔اگر ہم فلمی ڈائیلاگ مرن لئی تیار ہو جاوے اور سیاست دانوں کے وعدوں کا موازنہ کریں تو نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے۔یعنی دونوں ہی نہ صرف بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرتے ہیں بلکہ قتل کرنے کے بعد دیر تک نشے کی حالت میں نعش کے ارد گرد بھنگڑا ڈالتے اور خوشی مناتے ہیں ۔آج کل عام انتخابات کا دور دورہ ہے اور جو سیاست دان پچھلے پانچ سالوں سے عوام کو دیکھائی نہیں پڑے آج کل برساتی مینڈکوں کی طرح گلی محلوں میں نظر آ رہے ہیں اور مے نڈکوں کی طرح چھاتی پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کر رہے ہیں ۔ایسے ایسے فریب زدہ وعدے کرکے عوام کو اپنے چنگل میں پھانسنے میں مصروف ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہ ماضی میں تھا نہ آج ہے اور نہ ہی کل ہوگا۔اگر ان سیاسی مولا جٹوں کے چہروں سے انتخابی نقاب اُتار

کردیکھیں اور ان کی فریب زدہ گفتگو کو سمجھیں تو ایک ہی بات سمجھ میں آئے گی کہ مرن لئی تیار ہوجاؤ اوئے۔میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ بجلی، پانی، گیس، روزگار، امن وامان، عدل وانصاف، پی آئی اے، ریلوے اور دیگر قومی اثاثے تو پہلے ہی یہ "بڑے ٹیڈوں" والے ہضم کرچکے ہیں لیکن ان کی بھوک ختم ہونے کی بجائے اور بھی بڑھ چکی ہے۔مجھے ڈر ہے کہ اب کی بار یہ لوگ عوام کے جسم پہ بچاکھچا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے اور ہر بار حملہ کرتے وقت کہیں گے" مرن لئی تیار ہوجا اوے"اگر عوام اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی زندگی بچانا چاہتے ہیں تو اس بار ووٹ شریف ،ایمان دار اور اہل لوگوں کو دیں ورنہ مرن لئی تیار ہوجاؤ ۔

شریف شہری اور پولیس کا رشتہ

گزشتہ روز 10 بجے سے لے کر 3 بجے تک کاہنہ کے ارد گرد کی مسجدوں میں 7.6 سال عمر کی بچی کے ورثاء کی تلاش کے لیے اعلانات ہوتے ۔لیکن شام تک کوئی پتا نہ چل سکا کہ وہ بچی کس کی ہے 4 بجے کے قریب کسی دوست نے اُس رکشہ ڈرائیور کو میرے پاس بھیج دیا تاکہ میں اُس بچی کے ورثاء کی تلاش کے لیے میڈیا میں خبر بھیج کر کچھ مدد کردوں ۔رکشہ ڈرائیور نے بتایا کہ سر بچی مجھے صبح 10 بجے کے قریب مین فیروز پور روڈ پر اکیلی سفر کرتی ہوئی ملی ،جب میں نے بچی سے پوچھا کہ بیٹا آپ کہاں جارہی ہو اور آپ کے ساتھ کون ہے؟جس پر بچی کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے پائی تو مجھے شک گزرا کہ بچی گھر کا راستہ بھول گئی اور اُس کے ساتھ کوئی بڑا نہ ہے۔ بچی نے بامشکل اپنا نام نمرہ بتایا اور کچھ نہ بتا سکی ۔رکشہ ڈرائیور کہنے لگا سر میں صبح 10 سے اب تک بہت سی مسجدوں میں اعلان کروا چکا ہوں لیکن ابھی تک نمرہ کے گھر والوں کا کہیں کوئی نشان نہ ہے۔ نمرہ اُس کے ساتھ ہی تھی میں نے اسے غور سے دیکھنے کے بعد کہا بھائی میں تو بچی کو نہیں پہچانتا۔ وہ کہنے لگا سر مجھے آپ کے پاس جس نے بھیجا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کسی ٹی وی چینل پر خبر چلوا سکتے ہیں ۔برائے مہربانی کچھ مدد کردیں ۔میں نے اُسے کہا آپ ساتھ والے فوٹو سٹوڈیو سے بچی کی ایک تصویر بنوالاؤ میں خبر چلادیتا ہوں لیکن تم ایسے

بچی کو لیے نہ پھروں تم فوراکاہنہ تھانہ رپورٹ دوکہ یہ بچی اس طرح مجھے ملی ہے اور میں نے کافی کوشش کی کہ اس کے ورثاء کی تلاش کرسکوں لیکن ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا۔میں نے رکشہ ڈرائیور کو.برادرانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا بھائی آج کل حالات اچھے نہیں ہیں،اس لیے زیادہ دیرتک بچی کواپنے پاس نہ رکھو۔رکشہ ڈرائیور میری بات سن کرپسینے پسینے ہوگیااور کہنے لگاسرجی میں غریب آدمی ہوں رکشہ میرااپنانہیں ہے میں ٹھیکے پر چلاتا ہوں۔تین سو روپے شام تک مالک کوادا کرنے ہوتے ہیں۔آج ساارادن گزرگیا ہے ابھی تک صرف 20 روپے کاکام کیاہے اور پھر میں ساری زندگی کبھی تھانے نہیں گیااس لیے مجھے تو بہت ڈرلگتا ہے تھانے جانے سے اُس پر میری جیب میں تو پولیس والوں کودینے کے لیے پیسے بھی نہیں ہیں۔میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہاارے بھائی پولیس بھلاتم سے کیوں پیسے لے گی تم کوئی مجرم ہوں جو پولیس سے ڈر رہے ہو۔یہ تو بھلے کاکام ہے اور پھراس طرح تم پولیس کی مدد کررہے ہو،ہوسکتا ہے کہ اس بچی کے والدین نے بچی کے گم ہونے کی اطلاح پولیس کودے دی ہو،بس میرایہ کہنا ہی تھا کہ والدین نے بچی کے گم ہونے کی اطلاح پولیس کودے دی ہو۔رکشہ ڈرائیوربچی کو وہی چھوڑ بھاگ کھڑا ہوااور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اُوجھل ہوگیا۔کچھ دیر بعد بچی کے والدین کو پتاچل گیاکہ اُن کی بچی پرانا کاہنہ میں موجود ہے۔بچی کے والدین اُسے ڈھونڈتے ہوئے میرے پاس آپہنچے۔اتفاق سے میں بچی کے والدین کوجانتا تھا جس کی وجہ سے میں نے بچی اُن کے حوالے کردی۔ابھی دماغ

سے یہ بات نکلی نہ تھی کہ عوام اور محکمہ پولیس کے درمیان فاصلے کس قدر بڑھ گئے ہیں کہ کراچی سے شائع ہونے والے اخبار روزنامہ قومی اخبار کی بڑی خبر پر نظر پڑ گئی جس میں لکھا تھا کہ انسپکٹر جنرل پولیس آف سندھ غلام شبیر شیخ نے کہا ہے کہ پولیس اہلکار ڈیوٹی کے دوران غافل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے دہشت گرد اُن پر حملہ کر رہے ہیں اہلکار سب سے پہلے اپنی حفاظت پر توجہ دیں پھر عوام کی حفاظت کریں۔انہوں نے کہا کہ، پولیس اہلکار خود محفوظ نہیں ہوں گے تو عوام کی حفاظت کیسے کریں گے ؟لہٰذا پولیس پہلے اپنی حفاظت پر توجہ دے بعد میں عوام کی حفاظت کرے۔آئی جی سندھ نے کہا کہ ہمارا قانون عام شہری کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر کوئی جرائم پیشہ فرد اس کو جان سے مارنے کی نیت سے اسلحہ تان لے تو وہ اپنے بچاؤ میں اسے گولی مار دے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا" قارئین محترم غور کریں آئی جی سندھ نے کہا کہ پولیس اہلکار پہلے اپنی حفاظت کریں بعد میں عوام کی۔جبکہ جہاں تک میری معلومات ہیں پولیس اہلکاروں سے اس بات کا حلف لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے جان پر کھیل کر عوام کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کریں گے۔دوسری بات آئی جی صاحب نے کہی کہ ہمارا قانون عام شہری کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کرے تو جرائم پیشہ فرد کو گولی مار دے اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔اس بات کا مطلب یہ کہ ہر عام وخاص شہری اپنی حفاظت کی غرض سے اپنے ساتھ اسلحہ رکھ سکتا ہے۔اگر ایسا ہے تو پھر اسلحہ لائنس کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی ؟اگر عام شہری نے اپنی

حفاظت خود کرنی ہے تو پھر محکمہ پولیس کی قیام کا مقصد کیا ہے؟میں قانون نہیں سمجھتا لیکن اگر عام شہری کو عام اجازت دے دی جائے کہ وہ جرائم پیشہ افراد کو گولی مار سکتا ہے تو اس بات کا فرق کون کرے گا کہ مرنے والا جرائم پیشہ ہی تھا ؟اور اگر یہ کام عام شہری ہی کو کرنا ہے تو ریاستی قانون اور اُس کے رکھوالوں کی کیا ضرورت ہے ؟ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عوام کی حفاظت پر مامور پولیس اہلکاروں عوام کی حفاظت کرنے کی بجائے اس فکر میں گم ہیں کہ اُن کی حفاظت کون کرے گا۔لیکن یہ بات تو ثابت ہوئی کہ پولیس اہلکار دوران ڈیوٹی غافل ہو جاتے ہیں ۔جس کا اقرار خود آئی جی سندھ نے کیا ہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پولیس اہلکاروں کی غفلت کی وجہ سے اُن پر دہشتگرد حملہ کر دیتے ہیں تو پھر عوام پر ہونے والے دہشتگردی کے حملوں کی وجہ بھی پولیس اہلکاروں اور آفیسروں کی غفلت ہی ہے اور کچھ نہیں ۔جب ایک شریف شہری بے گناہ ہو کر بغیر کسی جرائم پیشہ فرد کو گولی مارے تھانے جانے سے اس قدر ڈرتا ہے کہ تھانے کا نام سن کر اسے پسینہ آ جائے اور وہ اپنا جوتا چھوڑ بھاگ جائے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ کسی جرائم پیشہ فرد کو گولی مارنے والے شہری کو پولیس کچھ نہ کہے گی ؟ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ پولیس کا فرض تو شریف شہریوں کے جان ومال کو تحفظ فراہم کرنا ہے جبکہ شریف شہری تھانے جاتا ہی نہیں تو پھر پولیس تھانوں میں رش ڈالنے والے کون ہیں ؟جب تک شریف شہری اور محکمہ پولیس کا آپسی رشتہ اس قدر کمزور رہے گا تب تک امن وامان قائم کرنا

ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی دیوانے کا خواب۔ان حالات میں نہ تو پولیس اہلکار اپنی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ ہی عوام کی۔پولیس اہلکاروں اور عوام کی حفاظت آپسی اتحاد اور اعتماد کے بغیر ممکن نہیں ،جب تک شریف شہری کے دل سے پولیس کا خوف نکال کر جرائم پیشہ عناصر کے دل و دماغ میں نہیں ڈالا جاتا تب تک امن و امان قائم کرنا مشکل ہی ناممکن ہے :

کپتان کا سونامی، آندھی اور بارش ساتھ ساتھ

ایک بار پھر تحریک انصاف کے جلسے میں شدید آندھی اور بارش۔آپ جانتے ہیں کہ جب سونامی آتا ہے تو آندھی اور بارش ساتھ لاتا ہے۔ 23 مارچ لاہور مینار پاکستان میں عمران خان کی آمد کے موقع پر خالق کائنات نے تیز ہواؤں کے ساتھ بارش برسا کرایک بار پھر تحریک انصاف کے سونامی کی گواہی دے دی ہے۔اس سے پہلے بھی تحریک انصاف کے جلسوں کے موقع پر آندھی اور بارش حملہ کرچکی ہے۔اب تحریک انصاف کا سونامی یعنی بڑھا طوفان تو ثابت ہوچکا لیکن یہ سونامی کن بستیوں میں تباہی و بربادی پھیلائے گا اور کن بستیوں کے لیے ابر رحمت بن کر برسے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ عمران خان مینار پاکستان لاہور میں دوسرا بڑھا سیاسی جلسہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں لیکن میں جلسوں اور جلوسوں کی سیاست پر یقین نہیں رکھتا اور نہ اُن جلسوں میں کی جانے والی تقریروں اور وعدوں کو سچ مانتا ہوں۔ کیونکہ جب سیاست دان ہزاروں عوام کے سامنے تقریر کرتے ہیں وہ کبھی بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ عوام سے جھوٹ بولیں گے یا اُن کا جینا مرنا ملک و قوم کے ساتھ نہیں ہوگا۔ووٹ لیتے وقت کوئی سیاست دان یہ نہیں کہتا کہ وہ اقتدار میں آکر اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرے گا، یہاں مجھے ایک سٹیج ڈرامے میں بولا ہوا سہیل احمد کا ایک جملہ یاد آرہا ہے۔جس میں اُن کا اشارہ حکمرانوں کی

طرف تھا "پہلے سب یہی کہتے ہیں مزدوری کریں گے لیکن جب مزدوری مل جائے تو راج کرنے لگتے ہیں"" یہ ایک جملہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ جب عام انتخابت کا وقت ہوتا ہے تو سیاست دان عوام کے ساتھ بہت خوبصورت وعدے اور دعوے کرتے ہیں۔بڑوں کو باپ اور چھوٹوں کو بیٹا کہتے ہیں ، بیٹیوں کے سروں پر ہاتھ بھی رکھتے ہےں، اس انداز میں اداکاری کرتے ہیں جیسے وہ صدیوں سے عوام کے ساتھ ہیں ، لیکن یہ بھی سچ ہے جو شائد عوام نہیں جانتے کہ جب یہ لوگ غریب عوام سے ہاتھ ملا کر یا کسی غریب کی بیٹی کے سرپر ہاتھ رکھتے ہیں تو فوراگاڑی میں رکھے ڈیٹول اور قیمتی صابن سے ہاتھ دھوتے ہیں تاکہ جراثیم کی وجہ سے کوئی بیماری نہ لگ جائے، جتنی دیر سیاست دان عوام کے درمےان موجود رہتا ہے اُس کے گھر والے اور وہ خود بارگاہ الٰہی میں دعا گو رہتے ہیں کہ یااللہ رحم کر اور غریبوں کے جراثیموں سے حفاظت فرما۔شائد یہ لوگ غربت ہی کو سب سے بڑی بیماری سمجھتے ہیں جو امیر بننے کے لیے اپنے والدین ، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں تک کی لاشوں پر بھی سیاست کرنے سے باز نہیں آتے۔لیکن قدرت خُدا کی دیکھو اِن تمام تندرست سیاست دانوں کو غریب اور بیمار عوام کے پاس لازمی آنا پڑتا ہے۔

2013ءکے عام انتخابات میں ایک بات خاص اور نئی ہے کہ نوجوان نسل سیاست میں دلچسپی لے رہی ہے۔ماضی میں عوام اور اُن کے ووٹ علاقے کے بڑوں یعنی جاگیرداروں،اور وڈیروں کے ٹوکرے تلے ہوا کرتے تھے لیکن اس بار صورتحال کچھ مختلف نظر آرہی ہے۔مجھے لگتا ہے کہ 2013ءکے عام انتخابات میں ووٹ دیتے وقت

بچوں اور والدین ہیں اختلافات سامنے آئیں گے۔آج نئی نسل تحریک انصاف کے پلیٹ فارم پر جمع ہوچکی ہے اور کسی صورت کسی دوسری جماعت کو ووٹ دینے کے لیے تیار نظر نہیں آتی ،اُس پر عمران خان کا یہ وعدہ کہ ظلم کے خلاف جہاد کروں گا،ایک پیسہ بھی ملک سے باہر نہیں ہوگا، قوم کے ساتھ ہمیشہ سچ بولوں گا بالکل نئے سیاسی وعدے ہیں۔ جہاں تک بات ہے ٹیکس کے پیسوں کی حفاظت کرنے کی تو وہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ پاکستان میں امیروں یعنی حکمرانوں اور اُن کے رشتہ داروں نے کبھی ٹیکس دیا ہی نہیں اس لیے پہلے کرنے کا کام تو"وڈے ٹیڈ" والوں کے پیٹ پھاڑ کر پچھلے 65 سالوں کا ٹیکس نکالا جائے یہ بات آپ سب جانتے ہیں کہ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا کہ کسی سیاسی جلسے میں تقریر کرنا اور پھر عمران خان کے ارد گرد بھی وہی لوگ موجود ہیں جو پچھلے 65 سالوں سے دیمک کی طرح عوامی ہڈیوں کو چاٹ رہے ہیں۔مجھے نہیں لگتا کہ عوامی حمایت حاصل ہونے کے باجود موجودہ ٹیم کے ساتھ کپتان کوئی بڑا میچ جیت پائے گا، لیکن اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ نوجوان نسل سیاسی میدان میں اتر چکی ہے، عمران خان کو چاہئے کہ ان نوجوانوں میں سیاسی شعور اجاگر کرے اور ایک نئی ٹیم تیار رکھے تاکہ وقت پڑنے پر کسی پرانے کھلاڑی کی جگہ نیا،پرجوش کھلاڑی شامل کیا جاسکے ۔یہ ٹیم پرانے کھلاڑیوں کو اشارے کا کام بھی دے گی کہ اپنا کام ایمانداری سے نہیں کریں گے تو اُن کی جگہ کام کرنے کے لیے کپتان کے پاس اہل متبادل کھلاڑی موجود ہیں۔اب تک تحریک انصاف کی ٹیم میں تمام سینئر کھلاڑی

وہ ہیں جن کی تربیت دوسری سیاسی اکیڈمیوں مےں ہوئی ہے۔جب تک کپتان اپنے کھلاڑی خود تیار نہیں کرے گا اُس وقت تک تحریک انصاف کو ناقابل شکست قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہ پرانے کھلاڑی کسی بھی وقت اُڑان بھرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پھر ملک کی تمام سیاسی چھتریوں سے اچھی طرح واقف بھی ہیں اگر کپتان ان کو ان کی مرضی کے خلاف بیٹنگ یا بولنگ کروائے گا تو قوی امکان ہے کہ بہت سے کھلاڑی کبوتروں کی طرح ایک سے دوسری چھت کا انتخاب کرنے میں دیر نہ لگائیں۔بے شک سیاسی میدان کے ماہر کھلاڑیوں کے تحریک انصاف میں شامل ہونے سے تحریک انصاف مضبوط ہوئی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا جو کپتان اپنے لیے نئے اور اہل کھلاڑی تیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اُن کی ٹیم زیادہ دیر تک اچھا کھیل پیش نہیں کر سکتی۔کوئی ایک میچ جیت کر پاکستان کے مسائل کو حل کرنے کا خیال ایک خواب کی مانند ہے۔اس لیے کپتان کو چاہیے کہ اپنی نئی ٹیم کو ہر وقت تیار رکھے اور ایک کھلاڑی کے ان فٹ ہونے پر فوری طور مکمل فٹ کھلاڑی میدان میں اُتارنے میں دیر نہ لگائے:

ملک بچانے آیا ہوں

پاکستان بچانے آیا ہوں یہ بات وہی شخص کہہ رہا جس نے کہا تھا پاکستانی عوام 100 روپے کلو آٹا خرید سکتے ہیں ۔اگر پاکستانی عوام 100 روپے کلو آٹا خرید کر بھی پاکستان سے بھاگتے نہیں تو کیا وہ پاکستان بچا نہیں سکتے ؟عوام بھوکے پیاسے ہونے کے باوجود کہتے ہیں پاکستان میری جان ،پاکستان میری آن ،شان اور مان اور حکمران عوام کا گوشت کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد بیرون ملک مزے کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں ملک بچانے آیا ہوں ،کیا ملک صرف الیکشن کے دنوں بچایا جا سکتا ہے جو الیکشن کا اعلان ہوتے ہی اقتدار حاصل کرنے آیا ہوں کہنے کی بجائے ملک بچانے آیا ہوں کہہ رہے ہو؟ اپنے جسم پر ہر وقت بلٹ پروف جیکٹ پہننے والا پاکستان بچائے گا؟ قارئین محترم کوئی کہتا ہے نیا پاکستان بنائیں گے، کوئی کہتا ہے پاکستان بنایا تھا اب پاکستان بچائیں گے ،کوئی کہتا ہے پاکستان بچانے آیا ہوں ،اگر کسی کے پاس میرے سوال کا جواب ہو تو ضرور دے ۔کیا پاکستان کاغذ کی کشتی ہے ؟جو کوئی نئی بنانے کی بات کر رہا ہے، کوئی بچانے کی بات کر رہا ہے ۔وہی لوگ جو پچھلے 65 سالوں سے پاکستان کے وجود کو نوچ رہے ہیں ،جو پاکستان کو مشکلات میں ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔الیکشن آتے ہی وہی عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے پاکستان بچانے کی بات کرتے ہیں۔جب سے ہوش سنبھالہ حکمرانوں و سیاست دانوں کے منہ سے

ایک بات سنی ہے پاکستان شدید مشکل میں ہے۔آج مشکل زدہ کو کوئی ایک روپیہ اُدھار دینے کو تیار نہیں۔ دینے والا پہلے یہ دیکھتا ہے کیا مانگنے والے کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جواُس کی رقم کا متبادل ہوسکے گی۔اگر پاکستان اتنی ہی غربت میں ہوتا تو عالمی بینک پیسے لیے آگے پیچھے نہ پھرتا۔عالمی طاقتیں حکمرانوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے اور پاکستان کے وسائل ہڑپنے کے لیے لگاتار حکمرانوں کو کبھی دھمکا کر کبھی لالچ دے کر قرض کی لعنت میں جکڑتا جارہاہے اور کوئی سیاسی قائد قرضے سے جان چھوڑانے کی بات نہیں کرتا لیکن پاکستان بچانے کی بات سب کرتے ہیں۔راقم کی نظر میں قرض اور بیرونی خیرات وصدقات ہی پاکستان کی سب سے بڑی مشکل ہے۔سابق فوجی صدر پرویز مشرف بیرونی حمایت حاصل ہونے پر بڑی مشکل سے پاکستان تشریف لانے میں کامیاب ہوئے اور آتے ہی نعرہ لگایا کہ پاکستان بچانے آیا ہوں۔اوروں کی طرح پرویز مشرف کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی اپنے حصے کا پاکستان بچائے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کل جب اپنے ہمسایہ ملک افغانستان کو جنگ کی آگ میں جھونکتے وقت امریکہ کی مکمل حمایت اور اتحادی کا کردار ادا کرتے وقت جناب کو ذرہ خیال نہ آیا کہ جب ہمسائے کا گھر جلے گا تو ہمارا گھر کیسے محفوظ راہ سکتا ہے؟میری نظر میں پرویز مشرف کا پاکستان آنا اور سیاست میں حصہ لینا کوئی بُری بات نہیں،عوام کے جسموں کو زخموں و زخم کرکے جانے والا چارسال بیرون ملک خوب مزے کرکے آج واپس پاکستان آکر کہتا ہے میں پاکستان بچانے آیا ہوں،ارے بھائی آپ سے کوئی پوچھے کہ جب

تیرے پاس وردی اور صدارت کی طاقت تھی تب تو تُو پاکستان بچا نہیں سکا آج کیا ہے تیرے پاس جو پاکستان بچانے آئے ہو؟ کیا پاکستان صرف زمین کے ٹکڑے کا نام ہے ؟ کیا پاکستان میں بسنے والی مخلوق کا پاکستان پر کوئی حق نہیں ؟ اپنے دور اقتدار میں درجنوں پاکستانیوں کو فروخت کرنے والا کہتا ہے پاکستان بچانے آیا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پرویز مشرف پاکستانی عوام سے پاکستان بچانا چاہتا ہے؟ آج پاکستان کو جن مشکلات کا سامنا ہے اُن میں سب سی بڑی مشکل معاشی بدحالی ہے۔ شکر ہے کسی سیاست دان نے معاشی دھماکہ کرنے کی بات بھی کی میں میاں محمد نواز شریف کے بیان کا خیر مقدم کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ پاکستان کے تمام سیاست دان میاں محمد نواز شریف کی طرح سوچنے لگ جائیں تاکہ پاکستان کو جلد سے جلد معاشی بدحالی سے نکال کر خوشحالی کی طرف لیجایا جاسکے ۔

شیر، کھلاڑی اور شکاری

الیکشن 2013ء شیر، کھلاڑی آمنے سامنے اور شکاری موقعے کی تلاش میں ۔شیر کو کافی حدتک عوامی مقبولیت حاصل ہے ۔مقبولیت کے لحاظ سے ابھی تک کھلاڑی دوسرے نمبر ہے۔ابھی تک کے حالات واقعات کے مطابق شکاری تیسرے یا چوتھے نمبر پر بھی نظر نہیں آتا، ہوسکتا ہے کہ تیسرا،چوتھا نمبر سائیکل یا گڈا لے جائیں۔لیکن یہ عام رائے ہے۔اگر شکاری کا پانچ سالہ دوراقتدار دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ شکاری عین وقت پر وار کرتا ہے اور اگر تیر نشانے پر نہ بیٹھے تو پریشان ہو کر میدان چھوڑنے کی بجائے یوں محسوس کرتا اور کرواتا ہے کہ جیسے ابھی شکار کا موڈ ہی نہیں، تیر تو یوں ہی وقت پاس کرنے کے لیے چلایا تھا۔اگر شکار تگڑا ہو تو بھی کوئی بات نہیں سمجھدار شکاری کی طرح شکار کی طاقت جانچنے کے بعد شکار کو مہمان بنا کر اُس کی خوب خدمت کرتا ہے اور وقت آنے پر شکار کرلیتا ہے ۔شکاری کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ شیر اور مداری کی طرح بار بار اپنے تیر (پتے) شو نہیں کرواتا اس لیے کوئی نہیں جانتا کہ شکاری کے پاس کتنے تیر ہیں اور وہ کس شکار پر کون سا تیر استعال کرنے والا ہے ۔ہوسکتا ہے کہ الیکشن 2013ء میں بھی شکاری،شیر اور مداری کو آپس میں الجھا کر دونوں کا شکار کرنے ہیں کامیاب ہوجائے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شکاری کے ہاتھ اس بار کچھ نہ آئے

کیونکہ گزشتہ شیر اور آج کے شیر میں بہت فرق ہے ،الیکشن 2008ء میں شیر کے لیے علاقہ بھی نیا تھا اور قید و جلاوطنی کاٹ کر کچھ کمزور بھی ہوچکا تھا لیکن اس بار شیر نے بھی شکاری کے ساتھ مل کر خوب شکار کیااور حکومتی ذمہ داریوں سے آزاد رہ کرعلاقے کا چپہ چپہ دیکھ لیا ہے اور بہت سے طاقتوراور خون خوار جانوروں کو بھی ساتھ ملانے میں کامیاب ہوچکا ہے ۔مداری جو کل تک اناڑی تھا آج کھلاڑی بن کر سامنے آچکا ہے ۔ہوسکتا ہے کہ مداری بن کر شیر کو قابو کرلے اور کھلاڑی بن کرچالاک شکاری کا بھی مقابلہ کرلے ،جہاں تک بات ہے شیر کی تو شیر مداری کو پنجھا مار کر زخمی کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور شکاری کے داؤ پیچ بھی سمجھتا ہے ۔اس لحاظ سے شیر کا پلڑا بھاری ہے لیکن شیر کی ایک فطری کمزوری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے ۔اپنی برادری کے علاوہ کسی کو شکار میں حصہ نہیں دیتا ،جب پیٹ بھر جائے تو باقی بچا ہوا شکار مٹی میں دبا دیتا ہے لیکن شیر اپنی نسل کے علاوہ کسی دوسرے جانور کو کھانے کی اجازت نہیں دیتا ، جنگل میں تو اس عادت کا شائد کوئی نقصان نہ ہو لیکن الیکشن میں ہوسکتا ہے۔دوسرے جانور شیر کے دربار سے بھوکے اور بے عزت ہو کر جائیں گے تو شیر کے حامیوں کی حمایت کبھی نہیں کریں گے۔اگر شیر اپنی یہ عادت چھوڑ کر سائیکل کو بھی اپنے درجے کامان کر اتحاد کرلے اور دونوں مل کر مداری، کھلاڑی اور شکاری کا مقابلہ کریں تو 100 فیصد کامیابی مل سکتی ہے ۔سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والا شاہین بھی امریکہ اور عرب کی فضاؤ ں سے

لطف اندوز ہوتا ہوا انتخابی اکھاڑے پر عقابی نگاہیں گھاڑے ہوئے خبر دار کر رہا ہے کہ حکمرانوں کا احتساب ہوگا، جیسا پاکستان چھوڑ کر گیا تھا آج ویسا نہیں ہے۔ایٹمی بم کا علاج کرنے والے عظیم ڈاکٹر جناب اے کیو خان بھی اپنے میزائل کے ساتھ کرپٹ اور نااہل سیاست دانوں کے ٹھکانے تباہ کرنے کے لیے مکمل تیار ہیں۔حکومتی ٹرالی کو ہاتھ ڈال کر سائیکل پر تیز رفتار سفر کرنے والے بھی مٹی پاؤ سیاست پالیسی کے ساتھ قوم کو سرپرائز دینے جا رہے ہیں ،اُن کا کہنا ہے کہ 2013ء کے عام انتخابات کی سائیکل ریس میں مضبوط اور ناقابل شکست سائیکل ڈرائیوراُتاریں گے جو اس قدر گرد اڑاتے ہوئے گزریں گے کہ سب کی آنکھوں میں مٹی ڈال کر کامیابی اپنے نام کرلیں گے۔انہیں پوری پوری اُمید ہے کہ اس بار عوام شیر اور شکاری کے ساتھ ساتھ مداری اور کھلاڑی کو بھی مسترد کردیں گے اور صرف سائیکل کی سواری پسند کریں گے ۔ کسی حد تک بات درست بھی ہے شیر کا اعتماد اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خون خوار جانور ہے کسی بھی وقت حملہ کرسکتا ہے۔تیر بھی کمان سے نکل جائے تو واپس نہیں آتا اور کھلاڑی کے پاس صرف بلا ہے گیند تو ہے ہی نہیں اور وہ ابھی مداری اور اناڑی کی کشمکش سے نہیں نکلا،جب کہ پیٹرول کی قیمت زیادہ ہونے اور سی این جی نہ ملنے کی وجہ سے سائیکل کا دور ایک بار پھر لوٹ آیا ہے۔اس بار ووٹر یہ بات بھی سمجھ چکا ہے کہ ٹرک یا ٹرالی کو ہاتھ ڈال کر سائیکل کے سفر کو تیز کرنے کے شوق میں حادثہ بھی پیش آسکتا ہے جس کے متحمل ہم نہیں ہو سکتے ۔اب انتخابی اکھاڑے میں خون

خوار پہلوانوں کو دیکھ کر عوام کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کون سی اور کس کے ہاتھوں ہونی والی موت قبول کرنی ہے۔اقتدار کے پجاری اس بار بھی ہمیشہ کی طرح عوام کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں اور ان کی طاقت کا راز ہے عوامی بے شعوری،یعنی عوام خود ہی گراتے نشیمن پہ بجلیاں، حکمرانوں نے تو بس جلتی پہ تیل کا انتظام کیا ہے :

ووٹ قومی امانت

ووٹ آپ کا حق اور قوم کی امانت ہے، ووٹ کا استعمال سوچ سمجھ کر آپ کے ووٹ کی طاقت سے منتخب ہونے والے نمائندے آئندہ پانچ سال ملک پر حکومت کریں گے جو ملک وقوم کی نمائندگی دنیا بھر میں کریں گے اور ملک کے لیے قوانین بنائیں گے۔ ووٹ کا استعمال اس قدر سوچ سمجھ کر کریں کہ کل آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہ کرے۔ لیکن کچھ بھی سوچنے اور فیصلہ کرنے سے پہلے چیرمین نیب ایڈمرل (ر) سید فصیح بخاری کی بات ضرور سن لیں ہوسکتا ہے ووٹ کا فیصلہ کرنے میں کوئی مدد مل جائے" چیرمین نیب کہتے ہیں کہ مال بنانے کے لیے سیاست دانوں، بیوروکریسی اور بزنس کمیونٹی نے گٹھ جوڑ بنا رکھا ہے، (یعنی کُتی چوراں نال رلی پئیی اے، چوکیدار ہی چور ہے) یہ گروا تنا طاقتور ہوچکا ہے کہ ملک میں کرپشن پالیسی رائج ہوچکی، چیرمین نیب نے کہا ہے کہ بیوروکریسی سیاست زدہ ہو گئی، حکومت کی (سرکاری) زمین پٹورای کھا گئے، آبپاشی کا نظام چوروں کے ہتھے چڑھ گیا، سرکاری اثاثے لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو گئے۔ گھوسٹ اسکولوں اور ڈسپنسریوں کو ملا کر ملک کو ہر روز 7 سے 12 ارب روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ محترم ووٹر ووٹ ڈالنے سے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کرنا بہت ضروری ہے کہ ملک کو نقصان پہنچانے والے کون لوگ ہیں؟ کیونکہ اگر ہم نے انجانے میں اس بار بھی انہیں لوگوں کو ووٹ دے دیا جو ملک میں لوٹ مار کرتے

ہیں تو ملک کو پہنچے والے نقصان کے ذمہ دار ہم یعنی ووٹر ہوں گے۔ ہر روز جو لوگ 7 سے 12 ارب روپے کی کرپشن کرتے ہیں میں اُن کو چور، ڈاکو سمجھتا ہوں۔ چوروں ڈاکوؤں کو ووٹ دینے کا مطلب کہ اپنے گھر کو لٹوانے کا انتظام ہم خود ہی کرتے ہیں۔۔ ووٹ دینے سے پہلے اقوام متحدہ کے ترقیاتی ادارے کی تازہ ترین رپورٹ بھی پڑھ لیں عوام کی زندگی بہتر بنانے والے 186 ممالک کی فہرست میں پاکستان 146 ویں نمبر پر' ہے، تعلیم اور صحت پر کانگو سے بھی کم خرچ ہوتا ہے۔ بھارت، بنگلہ دیش، سرلنکا بھی آگے، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے امیر اور غریب کا فرق تیزی سے بڑھ رہا ہے نوجوان نسل کے لیے کوئی طویل المدانی پروگرام نہیں" سیاست یعنی حکمرانی صرف خاندانوں کی میراث ہے" جب جاہل،ان پڑھ، اَن پھاڑ قسم کے لوگ ملک پر 100 حکومت کریں گے تو تعلیم وصحت پر خرچ کون کرے گا؟ لواور سن لو جمہوریت کے علم بردار سابق وزراء اور مشر جاتے جاتے ہاتھ کی صفائی دکھا گئے۔ اسلام آباد کی منسٹر کالونی سے مہنگے جنریٹر ایل سی ڈیز اور قیمتی اشیاء غائب۔ سابق خاتون وزیر ڈونگے، دیگچے اور ٹشو بھی ساتھ لے گئیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ خاتون وزیر ٹشو ساتھ کیوں لے گئیں؟ اس لیے کہ اس بار الیکشن کمپین کے دوران ووٹر کی طرف سے مشکل ترین سوالات آنے کا اندیشہ ہے، ایسے سوالات جو اُمیدوار کے پسینے چھوڑوا سکتے ہیں۔ ایسے میں ٹشو پیپر کی ضرورت تو پڑے گی نا۔ وزیر اپنی جیب سے خریدے ہوئے ٹشو عوامی سوالات کے نتیجہ میں آئے پسینے پر ضائع نہیں کر سکتے اس لیے وہ سرکاری ٹشو اُٹھا لے

گئیں۔خیر یہ کوئی نئی بات نہیں ایسا سدا سے ہوتا آ رہا ہے۔اصل مسئلہ ہے کے ووٹ کس کو دیں ؟ووٹر یہ بات سوچ سوچ کر پریشان ہے کہ آخر ووٹ کس کو دیا جائے ؟سب کی سب سیاسی پارٹیوں کے پاس اُمیدوار انہیں 100 خاندانوں میں سے ہیں جو گزشتہ 66.65 سالوں سے اقتدار پر قابض ہیں ۔ووٹ قومی امانت ہے ،امانت غلط اُمیدوار کے ہاتھ دے دینا بھی بے ایمانی ہوگی اور ووٹ کا حق استعمال نہ کرنے کا مطلب کہ چوروں کو کھلا چھوڑ دیا جائے ؟یا پھر ہمیشہ کی طرح جو اُمیدوار اچھا کھانا کھلائے چائے ،شربت یا پھر دودھ جلیبی کا اہتمام کرے یا کچھ نقد دے ووٹ اُسی کا حق ہے۔

؟کتنی حیران کن بات ہے الیکشن کی تاریخ کا اعلان ہوچکا ،کاغذات نامزدگی حاصل کئے جا رہے ہیں ،اُمیدوار اپنے اپنے حلقوں میں ہونے کی بجائے ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے پارٹی قیادت کی منت سماجت کر رہے ہیں ۔لیڈروں کی جان بھی شکنجے اندر پھنس چکی ہے ۔حقیقت تو یہ ہے کہ کسی پارٹی کے پاس اہل اُمیدوار موجود ہی نہیں یا یوں کہہ لیں کہ جن لوگوں کو پارٹی قیادت ٹکٹ جاری کرنا چاہتی ہے وہ الیکشن کمیشن کی نظر میں نااہل ہیں اور جو ورکر الیکشن کمیشن کی نظر میں اہل ہیں وہ پارٹی قیادت کی نظر میں نااہل ہیں ۔اگر الیکشن کمیشن نے نااہل لوگوں کو الیکشن لڑنے سے روک لیا تو یقیناًاس بار الیکشن مختلف ہوں گے اور قوی امکان ہے کہ اہل نمائندے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جائیں ۔آج کا سوال یہ تھا کہ ووٹ کس کو دیں ؟ذات ،برادری اور ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ووٹ ہر گز نہ دیں ۔ووٹ صرف اہل اُمیدوار کو دیں

جو پڑھا لکھا ہو، جس کا تعلق قبضہ مافیا سے نہ ہو، سب سے اہم بات کہ شریف آدمی،
ہو، آپ سمجھ تو گئے ہوں؟

خوش آمدید میاں صاحب

کچھ ہفتے پہلے جب میاں محمد شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب تھے راقم نے انہیں اپنے گلی آنے کی دعوت دی تھی اور اپنے علاقے کی حالت زار کی تصویر بھی دیکھانے کی کوشش کی تھی۔میں نے کہا تھا کہ خادم اعلیٰ کبھی ہماری گلی آؤ نا''لیکن اُس وقت اُن کی مصروفیات و ذمہ داریاں بہت زیادہ تھیں شائداس لیے چھوٹی موٹی دعوت کو قبول کرنا تو دور کی بات دعوت نامہ دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔لیکن اب عام انتخابات کے موقع پر وہ ہمارے حلقہ NA129 سے اُمیدوار کی حیثیت سے انتخابی مہم کی غرض سے ہماری گلی تشریف لا رہے ہیں، تو یقیناً اُنھیں ہماری محرومیوں کا اندازہ ہو جائے گا۔اپنی محرومیوں کا مزید ذکر کرنے سے پہلے حلقہ NA129 کا مختصر تعارف کرواتا چلوں۔حلقہ این اے129 سے ہمیشہ رانا، سندھو، گھرکی اور سردار خاندان کبھی مسلم لیگ اور کبھی پیپلز پارٹی سے منتخب ہوتے رہے ہیں۔لاہور کا حلقہ NA-129 جس میں زیادہ تر دیہات کا علاقہ شامل ہے۔ یہاں سالوں سے مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی میں مقابلہ ہوتا آ رہا ہے، اب نئے الیکشن کے بگل بجنے کی آوازیں سنائی دیتے ہی، سندھو، سردار گروپ نے اس حلقہ میں جوڑ توڑ اور صف بندی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔
سندھو گروپ جس کی قیادت چوہدری محمد منشاء سندھو کرتے ہیں ان کا تعلق پہلے مسلم لیگ (ن)، (ق) سے تھا اب

تحریک انصاف سے ہے۔ حلقہ این اے 129 کے دیہاتی علاقہ میں زیادہ تر پیپلز پارٹی کا ووٹ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر مذہبی ووٹ کے ساتھ ساتھ .برادریوں کے ووٹ کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ حلقے میں رحمانی ،انصاری ،جٹ ، بھٹی ،آرائیں اور میو.برادریاں اور کرسچن کمیونٹی بھی.بڑی تعداد میں آباد ہیں ۔اس حلقے سے الیکشن 2008ء میں پیپلز پارٹی کے امیدوار طارق شبیر میو نے ق لیگ کے حبیب اللہ وڑائچ اور ن لیگ کے سردار عادل عمر کو شکست سے دوچار کیا تھا۔اس حلقے میں عیسائی، .برادری اور میو.برادری کا ووٹ بینک متاثرکن حالات پیدا کرتا ہے۔اور جس امیدوار کو عیسائی.برادری اور میو، رحمانی ، ملک ، مہراورانصاری.برادری اپنا ووٹ کاسٹ کرتی ہے۔اس امیدوار کے جیتنے کے امکانات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ حلقے میں اس مرتبہ الیکشن 2013ء میں NA129کے لیے پیپلز پارٹی کے طارق شبیر میو اور تحریک انصاف PP159.160کے لیے پیپلز پارٹی کے محمد منشاء سندھو، ملک اصغر اعوان نے اور چوہدری ارشد گھرکی ، مسلم لیگ ن کے سید کھوکھر اور تحریک انصاف کے علی امتیاز وڑائچ اور دیگر کاغذات نامزدگی داخل کروا چکے ہیں ،طارق شبیر کو اس بار میو.برادری کا ووٹ ملتا نظر نہیں آتا جبکہ ارشد گھرکی کا پارٹی کے ساتھ ساتھ ذاتی ووٹ بینک موجود ہے۔ کرسچن کمیونٹی اس بار نہ تو پیپلز پارٹی کو ووٹ دے رہی ہے اور نہ مسلم لیگ ن کو۔ تحریک انصاف کے محمد منشاء سندھو کل تک مضبوط اُمیدوار تھے لیکن آج میاں محمد شہباز شریف کے مقابلے میں آنے پر حلقہ کا ہر فرد میاں شہباز شریف کو فیورٹ

قرار دے رہا ہے۔ میاں محمد شہباز شریف کے اُمیدوار ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کرسچن کمیونٹی بھی انھیں ووٹ دے دے۔ جیسا کہ پچھلے دو، تین دن سے یہ خبر گردش کر رہی ہے کہ میاں محمد شہباز شریف نے حلقہ NA 129 کے لیے کاغذات نامزدگی داخل کروا دیئے ہیں، گزشتہ روز اس خوشی میں مسلم لیگی ورکرز نے مٹھائی بھی تقسیم کی۔ یہ پہلا موقع ہو گا جب ہمارے حلقے سے کوئی اہم شخصیت اُمیدوار بن کر آئے گی ۔ماضی میں اس علاقے کے ساتھ ہمیشہ سوتیلا سلوک کیا گیا الیکشن جیتنے کے بعد کبھی کسی اُمیدوار نے مڑ کر نہیں دیکھا، یہی وجہ ہے کبھی ایک بار مسلم لیگ کا اُمیدوار کامیاب ہوتا ہے تو دوسری بار عوام مایوس ہو کر پیپلز پارٹی کو آزماتے ہیں ۔اس بار تو مایوسی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ عوام شائد دونوں جماعتوں کے اُمیدواروں کو رد کرکے کسی تیسری جماعت کے اُمیدوار کی حمائت کرتے، لیکن میاں شہباز شریف کے آنے سے عوام کو اُمید ہونے لگی ہے کہ اس بار علاقے کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ میری نظر میں کسی بھی پارٹی کے پاس ایسا اُمیدوار نہیں جو میاں شہباز شریف کا مقابلہ کر سکے۔ میں نے خود یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس بار میں اپنا ووٹ کسی جماعت کو نہیں بلکہ کسی اہل اُمیدوار کو دوں گا لیکن میاں محمد شہباز شریف کے اعلان سے پہلے تک کوئی اُمیدوار میری نظر میں اہل نہ تھا جس کی وجہ سے میں ووٹ کی اہمیت کو سمجھنے کے باوجود نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اگر میاں محمد شہباز شریف حلقہ NA 129 سے الیکشن لڑتے ہیں تو میں انھیں ووٹ ضرور دوں گا اس لیے نہیں کہ وہ مسلم لیگ ن

کی ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے ہیں بلکہ اس لیئے کہ وہ کئی اختلافات کے باوجود میرے پسندیدہ
سیاست دان ہیں۔آج میں میاں صاحب کو دوبارہ دعوت دیتا ہوں کہ میاں صاحب
اب تو ہماری گلی آ ؤنا۔میں مسلم لیگ ن کا ورکر نہیں ایک ووٹر کی حیثیت سے میاں
صاحب کو NA 129 سے الیکشن جیتنے کی پیشگی مبارکباد دیتا
ہوں۔
خوش آمدید کہتا ہوں اور

خودکشیاں نہ کریں تو کیا کریں؟

ترقی یافتہ دور میں انسان کی زندگی کا مقصد صرف جسمانی لذت اور سکون و آرام بن گئے ہیں ۔انسان کسی مذہب یا فرقے کا پابند نہیں رہا اُسے طاقت چاہیے ،حکومت چاہیے ،دولت چاہیے ،آرام چاہیے ان چیزوں کو حاصل کرنے کی راہ کوئی بھی رکاوٹ انسان برداشت نہیں کرتا ۔اپنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے مذہب،فرقہ سمیت ہر چیز کا جائز،ناجائز استعمال کرنا آج انسان کی عادت بن چکی ہے ۔آج دنیا میں پتھر کے بتوں کی پرستش و پوجا پاٹ کا دور گزر چکا،آج انسان کو پتھر کے بتوں کی پوجا کرنے میں کوئی دلچسپی نہ ہے اب تو انسان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹکنے کے بعد دنیا،دولت ،حکومت ،طاقت،خواہشات اور شہوات یعنی نفسانی خواہشات کو پوجتا ہے۔ دنیا کا مال متاع اکٹھا کرنے کی ہوس ولالچ نے انسان کو اندھا کردیا ہے ۔لیکن سچا مسلمان آج بھی خواہشات کا غلام ہے نہ ہی دولت و دنیا اور حکومت کی حرس اُسے اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے سے بھٹکا سکتے ہیں۔مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حاکم اپنے محکوموں میں دھن دولت بانٹ کر خوشی محسوس کیا کرتے اور ہمیشہ اس کام کے لیے بہانے تلاش کیا کرتے تھے ۔افسوس کہ آج ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے ایسے ظالم حکمران نازل ہوچکے ہیں جو ہمیں ہمارا حق دینے کی بجائے ہمارے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کی کوشش میں مصروف

رہتے ہیں۔ حکمران گدوں کی طرح عوام کے مردہ جسموں کو نوچ رہے ہیں جبکہ عوام اب صرف ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے ہیں گوشت نام کی کوئی چیز عوامی جسموں پر باقی نہ ہے اور اگر کہیں کسی کے جسم پر تھوڑا بہت ماس باقی ہے بھی تو اُس میں خون نام کی کوئی شے باقی نہ ہے۔ لیکن حکمران پھر بھی عوامی جسموں سے خون نچوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ کاہنہ تھانہ میں بھرتی قومی رضاکاروں کے ساتھ ہو رہا ہے

۔ رضاکار جاوید احمد نے بتایا کہ ہم 35 لڑکے تھانہ کاہنہ نو میں 03-10-2010 کو بطور رضاکار بھرتی ہوئے۔ کمپنی کمانڈر جناب سجاد بابر نے ہمیں بھرتی ہوتے وقت بتایا کہ آپ کو ہر مہینے سیلری ملے گی۔ جب 3 ماہ تک ڈیوٹی کرنے کے بعد ہمیں کچھ نہ ملا تو ہم تمام رضاکاروں نے ڈیوٹی کرنا چھوڑ دی۔ کمپنی کمانڈر سجاد بابر صاحب نے پھر رابطہ کیا اور بتایا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے رضاکاروں کے ڈیلی الاؤنس میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اکتوبر 2012ء کے اخبارات میں بھی رضاکاروں کے الاؤنس میں اضافے کے 12 حوالے سے خبر شائع ہوئی۔ جس میں لکھا تھا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے رضاکاروں کے الاؤنس میں اضافے کی سمری منظور کر لی ہے، جس کے بعد گزشتہ روز سیکرٹری خزانہ کو سمری بھجوا دی گئی، آئندہ چند روز میں باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کر دیا جائے گا۔ قومی رضاکاروں کو تنخواہ کے علاوہ روزانہ کی بنیاد پر سپیشل الاؤنس ملتا ہے۔ کمانڈر پنجاب کا ڈیلی الاؤنس 200 روپے سے بڑھ کر 600 روپے، سینئر کمانڈر کا 150 سے بڑھ کر روپے، ڈسٹرکٹ کمانڈر کا 100 سے بڑھ کر 325 روپے، کمپنی کمانڈر 500

کا 75 سے بڑھ کر 300 روپے ، پلاٹون کمانڈر کا 75 روپے 275 روپے جبکہ رضاکار کا روزانہ الاؤنس 50 روپے سے بڑھ کر 200 روپے ہو جائے گا۔ کمپنی کمانڈر نے بتایا کہ اب رضاکاروں کی سیلری ہر مہینے اپنے اپنے بینک اکاؤنٹ میں آجایا کرے گی۔آپ کامسئلہ حل ہوگیا ہے اب آپ لوگ ڈیوٹی پر آجائیں اور اپنے بینک اکاؤنٹ کھلوالیں تاکہ آپکو بروقت سیلری مل سکے ۔ہم نے فورا بینک اکاؤنٹ کھلوا کر اکاؤنٹ نمبر کمپنی کمانڈر کو دے دیئے اور ڈیوٹی پر حاضر ہو گئے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج تک ہمیں ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔جس کی وجہ سے ہمارے گھروں میں فاقے چل رہے ہیں ۔یہ داستان مجھے گزشتہ روز تھانہ کے رضاکاروں نے سنائی جن میں جاوید احمد، محمد پرویز، محمد عرفان ، عادل علی، محمد عرفان میو؛ انور علی، محمد طارق، امجد علی، محمد عمران، نعیم اسلم، تنویر اقبال قمر، سرفراز احمد، عرفان علی اور دیگر شامل تھے۔ان سب کا کہنا ہے کہ رضاکار بھرتی ہوتے وقت کمپنی کمانڈر سجاد بابر نے انہیں 9200 روپے سیلری اور الاؤنس ملنے کا کہا تھا۔9200 روپے اس مہنگائی کے دور میں بہت کم ہیں لیکن بے روزگاری کے عالم میں ہم نے قبول کر لی اور ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ لئے ڈیوٹی شروع کر دی ۔ رضاکاروں کا کہنا ہے کہ ہم نہیں جانتے ہماری تنخواہ کہاں گئی لیکن ہمیں 3-10-2010 سے آج تک ایک پیسہ نہیں ملا جس کی وجہ سے ہم قرض اُٹھا کر کھانے پر مجبور ہیں اور اب تو یہ حال ہے کہ کوئی قرض بھی نہیں دیتا۔ ہم حکومت وقت سے سوال کرتے ہیں کہ خودکشیاں نہ کریں توکیا

کریں؟اگر کوئی غیر سرکاری محکمہ ہماری مزدوری نہ دیتا تو ہم سرکار سے مدد مانگتے ،ہمیں تو سرکار ہی ہمارا حق نہیں دے رہی تو ہم کس سے انصاف مانگیں ؟رضاکار جاوید احمد روتے ہوئے کہنے لگا امتیاز صاحب خُدارا ہماری مدد کریں۔میں نے اُسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا بھائی اللہ تعالیٰ کوئی بہتر حل نکالے گا۔آپ بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟وہ کہنے لگا جناب اگر کسی طرح آپ ہماری فریاد حکام بالا تک پہنچادیں تو ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔میں نے اُن کی یہ مدد کرنے کی حامی بھر لی اور آج کی تحریر

رضاکاروں کے نام کردی ہے۔رضاکاروں کی نگران وزیراعلیٰ پنجاب اور دیگراعلیٰ حکام سے اپیل ہے کہ ہمیں فوری طور پر ہمارا حق دیا جائے تاکہ ہمارے بجھے ہوئے چولہے جل سکیں۔

بسنت اور خالی خانہ

نگران حکومت کی طرف سے لاہور میں بسنت منائے جانے کے اعلان کے بعد بسنت مخالفین کا ردعمل شدت کے ساتھ سامنے آچکا۔بسنت مخالفین پتنگ بازی کی بُرائیاں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں ۔بسنت تفریح نہیں تخریب کاری ہے ،پتنگ بازی کی وجہ سے دنیا کا امن تباہ وبرباد ہے،پتنگ بازی ہی کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کی ذمہ دار ہے،پتنگ بازی نے سیاست دانوں کو جعلی ڈگریاں بنا کر قوم کو دھوکہ دینے کا مشورہ دیا تھا،پتنگ بازی نہ ہوتی تو امریکہ افغانستان پر حملہ کرتا اور نہ ہی پاکستانی علاقوں میں ڈرون حملوں سمیت کوئی کارروائی کرتا ،پتنگ بازی کے شوق نے اُسامہ بن لادن کو امریکہ کے خلاف دہشتگردانا کارروائیاں کرنے پر مجبور کیا،پتنگ بازی نے نامعلوم افراد کے ساتھ مل کر پاکستان میں کرپشن،دہشتگردی ، قتل وغارت ،رشوت ،سفارش،عریانی،فحاشی،بدامنی اور دیگر جرائم کو فروغ دیا،پتنگ بازی اسلام کے خلاف غیر مذہب طاقتوں کی گہری سازش ہے،پتنگ بازی کی وجہ سے آج مسلمانوں کی مسجدیں آبادی کے لحاظ سے بہت کم اور چھوٹی ہونے کے باجود نمازیوں سے خالی ہیں ،پتنگ بازی نے مسلمانوں کے دلوں سے اللہ اور رسولکی محبت نکال کر لالچ،ہوس،بے حیائی ،بے غیرتی،بے ایمانی،بھتہ خوری،چوری ،ڈکیتی،منشیات فروشی ، جسم فروشی اور دنیاجہان کی تمام بُرائیاں ڈال دیں ہیں ،مجھے تو لگتا

ہے پتنگ بازی ہی کی وجہ سے پاکستان میں جمہوریت پھل پھول نہیں پائی ۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ پتنگ بازی پر پابندی لگا کر گزشتہ جمہوری حکومت اپنی آئینی مدت یعنی پانچ سال پورے کر چکی ہے ۔شاید پتنگ بازی ہی جمہوریت کی سب سے بڑی دشمن ہے ۔پتنگ ہمارے حکمرانوں کی اُستاد ہے جی ہاں دوسروں کی مرضی سے اُڑھنا یا تو بے جان پتنگ جانتی ہے یا پھر ہمارے حکمران جانتے ہیں ۔الیکشن کمیشن اور سپریم کورٹ کو کے 100 دھاری بلیڈ ڈور کے ساتھ باندھ کر خالی خانے کی بلند ترین چھت پر 63.62 چڑھ کر جعلی ڈگری والوں سمیت تمام اُمیدواروں کی گڈی کا بو کاٹا دیکھ کر نگران حکومت نے 17 اپریل کو لاہور میں بسنت منانے کا اعلان کیا کر دیا پتنگ بازی کے مخالفین ڈنڈا جھنڈا لئے میدان میں اُتر آئے ۔خالی خانہ اُن لوگوں کے لئے خوشخبری تھی جو موجودہ سیاسی پارٹیوں یا اُمیدواروں کو پسند نہیں کرتے ۔اگر خالی خانے کا فیصلہ موخر نہ ہوتا تو وہ خالی خانے پر مہر لگاتے اور اپنی قیمتی رائے کا اظہار کرتے۔ بمعہ راقم اکثر لوگوں کی شکایت ہے کہ ہمیں تمام سیاسی جماعتوں یا سیاست دانوں میں کوئی اس قابل نہیں لگتا کہ اُسے ووٹ دیا جائے ۔ماضی میں ایسے لوگوں کی اکثریت ووٹ کاسٹ ہی نہیں کیا کرتی تھی ۔کچھ لوگ یہ سوچ کر ووٹ کاسٹ کرتے تھے کہ ہمارے ووٹ نہ کاسٹ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیتنا تو انھیں ہی ہے ایک نے ہے جو امیدوار میدان ہیں میں چلوان میں سے جو تھوڑا بہتر ہے اُسے ووٹ ڈالتے ہیں شاید کچھ بہتری آ جائے ۔ لیکن، اگر بیلٹ پیپر میں خالی کانہ شامل کر دیا جاتا

تو ووٹر کی یہ مجبوری ختم ہوجاتی۔ لیکن الیکشن کمیشن نے اپنے اس فیصلے کو واپس لیتے ہوئے فی الحال مؤخر کردے ا ہے، یہ فیصلہ موخر نہ ہوتا تواگر ووٹر کسی بھی اُمیدوار کو اپنے ووٹ کا اہل نہیں سمجھتا تو خالی خانے پر مہر لگا کر اپنے رائے کا اظہار کرسکتا تھا،اگر کسی حلقے میں 51 فیصد ووٹر خالی خانے کو منتخب کرتے تو اُس حلقے کے تمام اُمیدوار الیکشن ہار جاتے اور وہاں دوبارہ الیکشن ہوتے۔2013ء کے عام انتخابات عوام کے لئے آسان سے آسان اور اُمیدواروں کے لئے مشکل تر ہوتے جارہے ہیں۔ماضی میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی جب الیکشن کمیشن یا اعلیٰ عدلیہ نے کسی بڑے سیاست دان کو الیکشن لڑنے سے روکا ہو لیکن اس بار آزاد عدلیہ اور خود مختار الیکشن کمیشن کرپٹ اور دھوکے باز سیاست دانوں کو نہ صرف الیکشن سے باہر کررہے ہیں بلکہ جرمانے اور سزائیں بھی سنارہے ہیں۔جو لوگ سالوں اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز رہے اور ملک وقوم کے سیاہ وسفید کے مالک رہے آج وہ اپنی ہی تعلیمی اسناد کو درست ثابت نہیں کرپارہے جوان کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہے،ہم بات کررہے تھے بسنت کے موضوع پر،بسنت کی مخالفت کرنے والوں میں بہت سارے لوگ میری طرح پتنگ بازی کے مخالف نہیں ہیں صرف اس لئے بیان داغ رہے ہیں کرنٹ ایشو پر بیان جاری کریں گے تو اخبار میں اُن کا نام یا تصویر شائع ہوجائے گی۔راقم کو پتنگ بازی کے ساتھ کوئی خاص دلچپسی ہے اور نہ ہی 17 اپریل کو منائی جانے والی سیاسی بسنت سے لگاؤ ہے لیکن ایک گزارش ہے کہ خُدارا پاکستانی قوم کو تفریح کے مواقع

فراہم کیے جائیں۔پاکستانی قوم کے پاس اس وقت کوئی ایسا موسم نہیں جس میں وہ نفسیاتی مرض کو کم کرنے کی کوشش کر سکے۔24 گھنٹے نیوز چینل عام سی خبر کو سنسنی خیز مواد کا تڑکا لگا کر عوام کے دل دہلاتے رہتے ہیں اخبارات کے صفحات بھی اسی قسم کی خبروں سے پُر ہوتے ہیں۔گھروں،کارخانوں میں بجلی و گیس نہیں ہے،گاڑی کو سی این جی دستیاب نہیں ہے، صحت و تعلیم عام عوام کی پہنچ سے دور تر ہو چکے ہیں، سیاحتی علاقے جو صرف اپنے لئے نہیں بلکہ پورے پاکستان کے لئے وسائل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں عرصہ سے بدامنی کا شکار ہیں، اتنے مسائل ہیں کہ گنواتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس تھکا دینے والے دور میں اہل قلم کا فرض بنتا ہے کہ خوشبو بھرے الفاظ میں نہ صرف عوام کے زخموں پر مرہم رکھیں بلکہ درست سمت کی طرف راغب بھی کریں اور خاص طور پر مذہب کا استعمال کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ ہمارے الفاظ لوگوں کو مذہب سے کچھ اور دور نہ کر دیں۔ کرکٹ میچ کے دوران بجلی کی لوڈشیڈنگ نہیں کی جاتی جبکہ نمازوں کے اوقات کے وقتوں میں بجلی آتی ہی نہیں لیکن کہیں کوئی احتجاج نہیں ہوتا۔دن رات ٹی وی چینل اور کیبل پر عریاں جسم ناچتے ہیں لیکن کہیں کوئی مذہب کا ذمہ دار زبان نہیں کھولتا جبکہ سکولوں اور طالب علموں پر حملہ کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ بھرے بازاروں میں روزانہ گولیاں چلتی ہیں ،درجنوں بے گناہ معصوم انسان قتل ہوتے ہیں لیکن کبھی اسلحے پر پابندی نہیں لگی اور اگر کہیں لگی بھی تو اس پر عمل

نہیں کروایا گیا، کیا پتنگ بازی بندوق سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ میرے جیسے بزدل
لوگ بے گناہوں کے قتل عام کا تماشہ تو خاموشی سے دیکھتے ہیں لیکن پتنگ بازی کو
تخریب کاری ڈکلیئر کرتے ہیں۔ خُدارا اہل قلم ہوش کے ناخن لیں۔ جہاں تک بات ہے
بسنت کے خونی ہونے کی تو میں سمجھتا ہوں کہ مناسب انتظامات کے ذریعے بسنت کو
محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ پتنگ بازی کا شوق رکھنے والے اندرون شہر کی بجائے کسی
کھلے علاقے میں چلے جائیں۔

قوم بھٹو کی نہیں بنی، مشرف کی کیسے بنے گی

آج پوری قوم بھٹو کی دیوانی ہے کوئی ایسافرد نہیں جو بھٹو کی تعریف نہ کرے ۔ بھٹو انقلابی لیڈر تھا۔ بھٹو جیسا لیڈر صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے، بھٹو غریب عوام کے دلوں کی دھڑکن تھا، بھٹو نے مزدور کو مالک بنادیا، سب سے بڑھ کر کہ بھٹو کل بھی زندہ تھا بھٹو آج بھی زندہ ہے ،جب تک سورج چاند رہے گا بھٹو تیرانام رہے گا۔ میں حیران ہوتا ہوں جب اُن لوگوں کو بھٹو کی زندگی پر بات کرتے دیکھتا سنتا ہوں جو بھٹو کے دنیاکے رخصت ہونے کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔ایسے بات کرتے ہیں جیسے بھٹو کے ساتھ کھیلتے رہے ہوں ۔تاریخ بتاتی ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو میں انقلابی لیڈروں والی خوبیاں موجود تھیں ۔لوگوں سے سنا ہے کہ جس وقت بھٹو کو پھانسی دی گئی وہ عوام کے دلوں کا راجا تھا اور عوام اُس کی دیوانی تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ اتنا مقبول لیڈر جس کانام ملک کا بچہ بچہ جانتا تھا اُسے پھانسی چڑھادیا گیا اور کوئی قیامت نہیں آئی ؟آخر کیوں؟ جو لوگ آج یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ بھٹو کل بھی زندہ تھا، بھٹوآج بھی زندہ ہے ۔جب اُن کے پیارے لیڈر کو پھانسی چڑھایا گیا وہ اُس وقت کیوں چُپ رہے ؟کیا یہی سلوک کیا کرتے ہیں اپنے پیاروں کے ساتھ ؟کیا صلہ ملا قوم سے بھٹو کو آج بھٹو کا ایک بچہ بھی زندہ نہیں اس قوم نے سب کو چن چن کر مار ڈالا اور پھر کہتے ہیں کل بھی

بھٹو زندہ تھا اور بھٹو آج بھی زندہ ہے۔اس قوم کو اب کہاں سے مخلص لیڈر ملیں گے جو اپنی کھیتی خود جلا دیتی ہے ۔ جس قوم نے بھٹو جیسا لیڈر پھانسی چڑھا دیا وہ پرویز مشرف کو کیا سمجھتی ہے۔پرویز مشرف کو کسی نے غلط بتایا ہے کہ پاکستانی عوام اُس کے حق میں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے مشرف کو کوئی نہیں جانتا لوگ تو وردی سے واقف تھے جواب اُس کے پاس نہیں ہے ۔ اگر پرویز مشرف کا خیال ہے کہ عوام اُس کے حق میں کوئی احتجاج کرے گی تو میرا مشورہ ہے کہ ایسے سب خیالات دل ودماغ سے نکال دے کیونکہ یہ قوم بھٹو کی نہیں بنی تو پرویز مشرف کی کیسے بن سکتی ہے؟ جس نے عوام کی منتخب حکومت پر شب خون مارا، جس نے عدلیہ اور میڈیا کے لوگوں کو ذلیل و رسواء کیا۔ بے شک عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کل جن کو مشرف مکے دیکھایا کرتا تھا آج انھیں کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے ۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ کل جس شخص کو ایوان صدر سے گارڈ آف آنر دے کر رخصت کیا گیا تھا آج وہی غدار ٹھہرا سابق صدر پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ چلنے کے بعد بہت سے سوالات سر اُٹھائیں گے ۔ جیسا کہ اگر پرویز مشرف غدار تھا تو غدار کو گارڈ آف آنر دے کر رخصت کرنے والوں کا کیا ہونا چاہیئے ؟

اُن لوگوں کو شریک جرم کیوں نہیں کیا جا رہا جو آئین توڑتے وقت مشرف کے ساتھ تھے ؟ جن لوگوں نے مشرف دور میں اقتدار کے مزے لوٹے اور خوب مال بنایا آج وہ

کس طرح دودھ دھلے ہوگئے؟ جن سیاست دانوں نے پرویز مشرف کو باوردی صدر منتخب کیا اور 10 مرتبہ منتخب کرنے کا اعلان کیا تھا وہ کس طرح پارسا ٹھہرے؟ پرویز مشرف کے سارے ساتھی آج جمہوریت کے دعویداروں کے رفیق ہیں اگر پرویز مشرف مجرم ہے تو پھر وہ لوگ جو شریک جرم تھے آج کس طرح پاک صاف، ہوگئے؟ جہاں تک مجھے یاد ہے پرویز مشرف نے کرسی صدارت چھوڑنے کے بعد کوئی ایسا جرم نہیں کیا جو اُسے غدار ثابت کرے، کل جس شخص کو حکومت نے خود گارڈ آف آنر دے کر رخصت کیا تھا آج اُسی کے خلاف عدالت میں غداری کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس کے جرموں کی لسٹ اس قدر لمبی اور سنجیدہ ہے کہ الیکشن لڑنے کا اہل نہیں، جس کے کاغذات نامزدگی لاہور، اسلام آباد اور کراچی سے مسترد کئے جاچکے وہ گارڈ آف آنر کا حق دار کس طرح ٹھہرا؟ جس شخص نے آئین توڑا اُسے کس قانون کے تحت گارڈ آف آنر دیا گیا تھا؟ کیا NA 32 چترال کا علاقہ پاکستان میں نہیں جو وہاں سے پرویز مشرف کو الیکشن لڑنے کی اجازت مل گئی ہے؟ اگر چترال بھی پاکستانی علاقہ ہے تو پھر پرویز مشرف کو لاہور، کراچی اور اسلام آباد سے الیکشن لڑنے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ کیا چترال میں کوئی دوسرا قانون لاگو ہے جو آئین توڑ کر غداری کرنے والے کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت مل گئی؟ حقیقت یہ ہے چترال بھی کراچی، لاہور اور اسلام آباد کی طرح پاکستانی علاقہ ہے اگر پرویز مشرف چترال سے الیکشن لڑنے کا اہل ہے تو پھر اُسے پاکستان کے کسی بھی حلقے سے الیکشن لڑنے کی اجازت ہونی چاہیئے

تھی۔ لیکن کمیشن کے دوہرے معیار نے میرے جیسے عام ووٹر کے دماغ میں بہت سے شکوک وشبہات ڈال دیئے ہیں۔ انجام بھٹو دیکھ کر میں تو پرویز مشرف کو یہی مشورہ دوں گا کہ جتنی جلدی ہوسکے اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان سے نکل جائے وہ اس لئے کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ مشکل وقت میں کوئی فرد بھی مشرف کا ساتھ دے گا سب مطلب کے یار ہیں ۔شاعر نے سچ ہی کہا ہے کہ " کسے دا نیئں کوئی اچھے یار سارے چھوٹے نیں۔ چھوٹیاں محبتاں تے پیار سارے چھوٹے نیں" ۔جو کل تک پرویز مشرف کو 10 مرتبہ باوردی صدر منتخب کرنے کی باتیں کرتے تھے آج وہ خاموش ہیں۔ میں چاہتے ہوئے بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ آج بھی پرویز مشرف کے چاہنے والے موجود ہیں لیکن اس حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جاسکتیں کہ بھٹو کے چاہنے والے مشرف سے کہیں زیادہ تھے اور ہیں۔ بھٹو اور بھٹو کے خاندان کے ساتھ جو ہوا اُسے دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پرویز مشرف کے ساتھ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ میری تو اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ پاک دھرتی کبھی خون آلودہ نہ ہو۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ میرے وطن میں امن وامان بحال ہو اور ظلم کا کہیں کوئی نشان باقی نہ رہے (آمین

لا، لا لا ۔۔۔ لعنت

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے ؟ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ شہادت دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا۔سب سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (ان ظالموں پر) جو اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے ہیں،اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت سے انکار کرتے ہیں "یعنی لعنت کا استعمال اللہ تعالیٰ نے انتہائی بھٹکے ہوئے لوگوں پر کیا۔اس لحاظ سے میرے جیسا سیاہ کار بندہ بھی لعنت سے محفوظ ہے وہ اس لئے کہ چاہے میرے گناہوں کی لسٹ کتنی بھی طویل کیوں نا ہوجائے اُن میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہرگز شامل نہیں ہے ۔علماء حضرات کی رائے ہے کہ کسی پر لعنت بھیجتے وقت پوری طرح تصدیق کرلیا کرو کہ جس پر لعنت بھیج رہے ہو وہ اِس لائق ہے کہ اُس پر لعنت بھیجی جائے ۔عموما لوگ یہ کہتے ہیں کہ جھوٹوں ،منافقوں اور غیبت کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔کچھ لوگ تو اس حد سے بھی گزر جاتے ہیں اور کہتے ہیں جو میری رائے سے اتفاق نہ کرے اُس پر لعنت،اگر یہ کلمات بغیر تحقیق کے کسی کو کہے بھی گئے اور اگر اللہ کے نزدیک وہ جھوٹا ،منافق اور غیبت کرنے والا نہ ہوا تو یہ اللہ کی لعنت کہنے والے پر واپس آجاتی ہے۔لعنت لفظ اتنا آسان اور عام نہیں کہ ہر وقت اور

ہر کسی کو تحفہ تن ہدیہ تن پیش کیا جائے۔ مسلمان یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے سو مرتبہ سوچتا ہے اور کچھ لوگ تو لعنت کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک شخص آج کل 20.18 کروڑ پاکستانیوں پر دن رات لعنت بھیج رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سو لوگ اگر اس لائق ہیں کہ اُن پر لعنت بھیجی جائے تو کیا اُن کی وجہ سے پوری 4,2 پاکستانی قوم پر لعنت بھیج دی جائے؟ جناب جھوم جھوم کر لعنت بھیجتے ہیں اور بڑا فخر کرتے ہیں۔ اگر وہ گنگناہ کر لعنت بھیجیں تو کچھ اسطرح بھیج سکتے ہیں۔ میرے لبوں پہ چھائی اِک لعنت اجتمائی سی، بے شرم سی، نشے کی عادی سی، رہتی ہے ہر وقت زباں پہ میری، پتہ ٹھکانہ جہنم اُس کا۔ لا، لا لا ۔۔۔ لعنت، لا، لا لا ۔۔۔ لعنت۔ کوئی بھی باشعور شخص اپنی زبان سے لعنت لفظ نکالتے وقت سو مرتبہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ بھیجنے والے کی طرف تو نہیں پلٹ آئے گی۔ میرے جیسا اِن پڑھ شخص ایسی حرکت کرے تو شاید کسی کو کوئی فرق نا پڑے لیکن اگر لعنت کا راگ چوبیس گھنٹے کوئی پڑھا لکھا دانشور الاپے تو یقینا معاشرہ اثر لیتا ہے۔ قارئین محترم اہل قلم کی دنیا کا ادنٰی سا طالب ہونے کی حیثیت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ دنیا کے ہر خاص و عام فرد کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ہم کسی پر زبردستی اپنی رائے یا خیالات تھوپنے کی کوشش کریں اور کوئی قبول نا کرے تو اُس پر لعنت بھیج دیں۔ افسوس کہ آج کل عمران خان کا ایک متوالا دانشور ہر کرپٹ سیاست دانوں سمیت پاکستان کے 18.20 کروڑ عوام پر بھی

فراغ دلی سے دن رات لعنت بھیج رہا ہے۔نہ تو اُسے اپنے نام کا خیال ہے اور نہ اپنی برادری کا وہ بس ایک بات جانتا ہے جو اُس کے خیالات تسلیم نہ کرے وہ لعنتی ہے۔اللہ جانے لعنت کا اتنا بڑا خزانہ کہاں سے مل گیا جناب کو جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔میں لاکھ چاہنے کے باوجود اُس شخص کا نام نہیں لکھ سکتا کیونکہ کبھی وہ میرا پسندیدہ کالم نگار ہوا کرتا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی اُس کا احترام کرنا میرے اُوپر واجب ہے۔لیکن اُس کی خدمت میں ایک گزارش ضرور کروں گا کہ خُدارا لعنت کا لفظ استعمال نہ کیا کرو۔اگر کوئی عمران خان کو اپنے ووٹ یا سپورٹ کا حق دار نہیں سمجھتا تو اُسے بھی ویسا ہی حق حاصل ہے جیسا کہ مجھے اور جناب کو۔جمہوریت تو نام ہی اسی چیز کا ہے کہ جو جسے چاہے ووٹ دے اور سپورٹ کرے۔جناب دل کھول کر عمران خان کی سپورٹ کریں ،دن رات عمران خان کے حق میں قصیدے پڑھیں لیکن خُدارا کسی کو لعنتی ڈکلیئر نہ کریں۔جناب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر میں کہوں کہ عمران ،نواز ،زرداری یا کوئی اور سیاست دان اچھا اور جو میری بات نہ مانے وہ لعنتی ہے ؟جتنی بار جناب لعنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اگر اتنی مرتبہ عمران کی خوبیاں بیان کریں تو ہوسکتا ہے کہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے۔میں نہیں سمجھتا کہ اب ٹی وی پر کسی دانشور کی بات سن کر یا اخبار میں کالم پڑھ کر لوگ ووٹ یا سپورٹ کا فیصلہ کریں گے ہر شخص اپنے آپ میں دانشور ہے اور پھر ہر کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے ووٹ دے اور جسے چاہے نہ دے۔صرف

اخبار میں لکھنے یا ٹی وی پر بیٹھ کر گفتگو کرنے والے ہی دانشور نہیں ہوتے ،پڑھنے اور ٹی وی شو دیکھنے والوں میں بھی بہت بڑے بڑے دانشور ہوتے ہیں۔جس طرح میں اپنی رائے کو معتبر سمجھتا ہوں ٹھیک اُسی طرح یا اس سے زیادہ معتبر رائے میری رائے کو پڑھنے یا سننے والے کی ہوتی ہے اور اگر میں شروع سے آخر تک لعنت کو معتبر کرڈوں تو پھر نہ تو میری رائے معتبر رہے گی اور نہ ہی پڑھنے یا سننے والوں کی۔ضروری نہیں کہ ہر فرد کی رائے وہی ہو جو میری ہے۔بمشکل 100 میں سے ایک فرد کی رائے میری رائے کے قریب تر ہو سکتی ہے ۔اگر میں اُن لوگوں پر لعنت بھیجنا شروع کردوں جو میری رائے سے اتفاق نہیں کرتے تو مجھ سے بڑا لعنتی کون ہو سکتا ہے ؟

الیکشن 2013ء اور دانشور

گزشتہ پانچ سال تک وفاق اور تین صوبوں پر حکومت کرنے والی جماعت پیپلزپارٹی کے اعلیٰ عہدیداروں کا کہنا ہے کہ اپنی کارکردگی کی بنیاد پر عوام کے پاس جائیں گے اور عوام کی حمایت سے دوبارہ حکومت بنائیں گے۔ لیکن حقیقت کچھ مختلف ہے عوام اس بات کو ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ پیپلزپارٹی کے پانچ سالہ دور اقتدار میں کوئی بہتری آئی ہے۔ اگر پیپلزپارٹی نے اپنے دور حکومت میں کچھ اچھے کام کئے بھی ہیں تو اُن کا تعلق براہ راست عام آدمی سے نہیں ہے اور نہ ہی عام آدمی کو گزشتہ پانچ سالوں میں کسی طرح کا کوئی ریلیف ملا ہے۔ ملک میں پھیلی بدامنی، ناانصافی، مہنگائی ، کرپشن، بے یقینی کی فضا، بجلی وگیس کی طویل لوڈشیڈنگ، روزگار کا تباہ ہونا۔ پاکستانی انڈسٹری کا پاکستان سے بیرون ملک منتقل ہونا اور دیگر مسائل وہ جن ہیں جو عام انتخابات میں پیپلزپارٹی کو شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔ بے نظیر انکم سپورٹ اور اپنا وسیلہ روزگار کے نام سے چلنے والے پروگرام وہ منصوبے ہیں جو الیکشن 2013ء میں پیپلزپارٹی کے حق میں جائیں گے۔ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے، صوبہ پنجاب پر پانچ سال حکمرانی کرنے والی جماعت کے سربراہ میاں محمد نواز شریف کا فرمان عالی شان ہے کہ عوام نے ساتھ دیا تو ملک و قوم کی تقدیر بدل دیں گے۔ میاں نوز شریف اس بات

کا بارہا اعتراف کرچکے ہیں کہ زرداری حکومت کے پانچ سال پورے کرنے میں مسلم لیگ ن کا ہاتھ ہے۔بدامنی، مہنگائی ، ناانصافی اور بے روزگاری کی چکی میں پسا عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اگر میاں نواز شریف عوام کی بہتری، ملک و قوم کا حال و مستقبل روشن کرنا چاہتے ہیں توجب زرداری حکومت نے عوام کے لئے کچھ نہیں کیا تو پھر انہوں نے پیپلزپارٹی کی حکومت کیوں پانچ سال تک چلائی؟ جبکہ پنجاب میں ہونے والے ترقیاتی کام ملک بھر سے مسلم لیگ ن کے حق میں جاسکتے ہیں جن میں سڑکوں کے جال میٹرو بس منصوبہ ، پاکستان میں انٹر نیشنل سٹینڈر کی ڈرگ ٹیسٹنگ لیبارٹری کا قیام جس، کی ضرورت اُس وقت شدت سے محسوس کی گئی جب کارڈیالوجی انسٹیٹیوٹ میں غلط ادویات کا مسئلہ سامنے آیا اُس وقت پاکستان میں کوئی ایسی ٹیسٹنگ لیب موجود نہ تھی جوادویات کی تسلی بخش رپورٹ پیش کرتی اس لئے سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے اُن ادویات کے ٹیسٹ لندن اور پیرس وغیرہ سے کروائے تھے ، لیپ ٹاپ ، سولر سسٹم کی تقسیم ،پنجاب میں باقی صوبوں سے بہتر امن امان کی صورتحال اور دیگر شامل ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ پنجاب حکومت نے پھر بھی کچھ نہ کچھ کام کئے ہیں۔ مسلم لیگ ن کی قیادت کے پاس ہر غلطی کو پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت پرڈال کرووٹ مانگنے کی بہت بڑی گنجائش موجود ہے۔باقی سیاسی جماعتوں سے کچھ ملتا جلتا نعرہ عمران خان بھی لگا رہا ہے۔دونوں بڑی سیاسی جماعتوں نے عوام کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا جس کی وجہ سے عمران خان کو آگے آنے کا موقع مل رہا ہے ورنہ میں نہیں

سمجھتا کہ عمران خان کوئی بڑا سیاسی اور انقلابی لیڈر ہے۔کچھ بھی ہو نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد عمران خان کے ساتھ ہے ،بہت سے جاگیردار، سرمایہ دار اور وڈیرے بھی اُس کے ساتھ مل چکے ہیں اور پھر نیاپاکستان بنانے کے لئے لوگ پیسے بھی دے رہے ہیں ۔الیکشن 2013ء میں عمران خان کو اگر بڑی کامیابی نہیں بھی ملتی تو پھر بھی اتنی عوامی حماعت حاصل ہو سکتی ہے کہ کم از کم تحریک انصاف سیاسی جماعتوں میں شامل ضرور ہو جائے گی ۔یہ تو میری ذاتی رائے ہے ہوگا کیا یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا اور آنے والا وقت ہی بتائے گا۔افسوس اس بات کا ہے کہ کچھ دانشوروں نے اپنے آپ کو سیاستدانوں کی لونڈی بنا دیاہے۔کچھ دانشور تو سونامی خان کے قصیدے اس انداز میں پڑھ رہے ہیں جیسے اُسے بھگوان ثابت کرنا چاہتے ہوں ۔مجھے سمجھ نہیں آتی آخر یہ لوگ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں ؟کیا قوم نہیں جانتی کہ عمران خان کی کپتانی میں پاکستانی ٹیم نے کرکٹ ورلڈکپ جیتا، قوم کے پیسوں سے شوکت خانم ہسپتال بنایا ،لوگوں سے پیسے مانگ کر یونیوسٹی بنائی ، عوام سے خیرات مانگ کر مصیبت زدہ کسانوں کو کھاد اور بیج فراہم کیا اور آج الیکشن لڑنے کے لئے بھی عوام سے فنڈ مانگ رہاہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے کام اُس نے نیک نیتی اور انسانیت کی فلاح کو مد نظر رکھتے ہوئے کئے ہیں تو ان کاموں کے عوض قوم سے وزارت اعظمیٰ کیوں مانگ رہاہے ؟سونامی خان کا سب سے بڑا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان سے موروثی سیاست کو ختم کردیں گے ۔یہ بات سچ ہے کہ پاکستان میں موروثی سیاست

کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اور پارٹی قیادت باپ کے بعد بیٹا، بیٹی اور پوتے ،پوتیاں سنبھالتے ہیں اور انہیں میں سے وزیر اور سفیر بنتے ہیں۔ یہ بات بھی درست ہے، کہ اس مروثیت نے کرپشن ،ناانصافی اور اقرباء پروری کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے خطرناک امراض کو جنم دیا ہے ۔لیکن جس طرح سونامی خان نے اپنی پارٹی میں ہر اُس سیاست دان کو بھرتی کرلیا ہے جو تین تین ،چارچار مرتبہ خود اور اُن سے پہلے اُن کے باپ دادا ممبر اسمبلی اور وزیر، سفیر رہ چکے ہیں ،کیااس طرح ماروثی سیاست ختم ہوجائے گی ؟کیا یہ لوگ اُس مروثیت کا حصہ نہ ہیں جس کو ختم کرنے کی بات سونامی خان کرتا ہے ؟اب کہتے ہیں جی تھانے کے ایس ایچ او بھی علاقے کے لوگ منتخب کیا کریں گے ،ارے بھائی کوئی شریف آدمی تھانے کانام سننا پسند نہیں کرتا، تھانوں میں بھی وہی ماروثی سیاست دان ہی اثر رکھتے ہیں جن کو ہر سیاسی جماعت میں باآسانی جگہ مل جاتی ہے ۔ایس ایچ او کو علاقے کے لوگ منتخب کریں گے یعنی وڈیرے، سرمایہ دار، جرائم پیشہ لوگ اور ٹاؤٹ ۔جناب عالی عام عوام تو پچھلے 65.66 سالوں سے صحیح حکمران منتخب نہیں کرسکے تو تھانے دار کہاں سے کرلیں گے ؟پھر جو لوگ تھانے دار کی مخالفت میں ووٹ کریں گے اُن کا کون والی وارث بنے گا؟خیر سونامی خان ٹھہرا سیاست دان اور سیاست دانوں کو تو سو تھانے دار معاف ہیں آج کے زمانے میں۔پریشانی اس بات کی ہے کہ اہل قلم سیاست دانوں کے قصیدے کیوں پڑھتے ہیں ؟آئین کے مطابق ہر منتخب حکومت کو پانچ سال تک حق حکمرانی ہے جس کے بعد پھر سے عوام اپنے لئے نئے

حکمران کا انتخاب کریں گے لیکن اہل قلم کا مقام نہ صرف عمر بھر بلکہ مرنے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حکمران بدلتے رہتے ہیں لیکن اہل قلم اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔اہل قلم کا یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے قلم کی طاقت سے عوام کو باشعور کرنے کی کوشش کرتا رہے اور جس رہنماء کو بھی بہتر سمجھے اُس کی اچھائی بیان کرے لیکن اس حد تک نہیں کہ قصیدہ بن جائے ۔ اہل قلم کا کام ہے کہ وہ تمام سیاسی پارٹیوں اور قیادتوں کی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ بُرائیاں بھی سچ کی روشنی میں پوری ایمانداری کے ساتھ عوام کے سامنے رکھ دیں اور اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار عوام کے پاس رہنے دیں کہ وہ کس کو پسند کرتے ہیں اور کس کو ناپسند۔یہ کیا کہ ایک سیاست دان کی برائیوں کو بھی اچھائیاں بنا کر پیش کرنا اور دوسرے کی اچھائیوں کو بھی بُرائیوں میں بدل کر پیش کرنا اب ایسی حرکتوں سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا کیونکہ اب عوام یہ بات جان چکے ہیں کہ کچھ لوگ کرائے کے قلم سے لکھتے ہیں۔ عوام بھی پاکستانی ہیں اور سیاست دان بھی ہو سکتا ہے کہ جس سیاست دان کے قصیدے پڑھے جا رہے ہوں لوگ اُس دانشور سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہوں ۔ گزرا ماضی مستقبل کا آئینہ ہوا کرتا ہے ۔یہاں مجھے اپنے دوست عمر شفیق ملک کے منہ سے سنا ہوا ایک جملہ یاد آگیا وہ کہا کرتے ہیں کہ کھنڈرات بتاتے ہیں کہ عمارت کیسی تھی ،یعنی حال بتاتا ہے کہ ماضی کیسا تھا اور ماضی بتاتا ہے کہ مستقبل کیسا ہو سکتا ہے۔مثال کے طور پر مشہور سٹیج ڈانسر اور اداکارہ نرگس نے

پچھلے دنوں شوبز چھوڑنے کے اعلان کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اب دینی تعلیم حاصل کریں گی۔مجھے اس بات پہ ہر گز کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا اور معاف فرماتا ہے لیکن اب نرگس باقی زندگی میں چاہے کبھی ڈانس نہ بھی کرے پھر بھی دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں اُس کا ڈانس دیکھنے کو ملے گا۔آنے والے زمانوں میں چاہے کوئی کسی کو کتنا بھی یقین دلائے کہ نرگس ہمیشہ سے باپردہ عورت ہے اُس کا ریکارڈ ڈانس دیکھنے والے کبھی تسلیم نہیں کریں گے ۔اور اگر یہی بات کوئی دانشور لوگوں پر زبردستی تھوپنے کی کوشش کرے کہ سونامی خان نے کبھی کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا، کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی اور اُس کے اِرد گرد موجود سیاست دانوں کا موروثی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے،اُس کے تمام منصوبے قابل عمل ہیں، وہ جو کہتا ہے زمانے کا سب سے بڑا سچ ہے تو کیا عوام یہ سب باتیں آنکھیں بند کرکے مان لیں گے ؟ہر گز نہیں۔اگر ایک دانشور کا قلم صرف سیاست دان کے قصیدے لکھنے اور زبان قصیدے پڑھتی رہے تو پھر اُس دانشور کی اپنی پہچان کہاں جائے گی ؟اپنی تعریف تو سیاست دان خود بھی کرنا جانتے ہیں دانشور کا کام نہیں کہ ہر وقت تصویر کا ایک ہی رخ عوام کے سامنے پیش کرے اور بھی بہت سے موضوعات ہیں جن پر بات کرنے کی آج شدید ضرورت ہے حکمران کوئی بھی ہو،انتخابات کوئی بھی جیتے دانشور کا کام ہے کہ وہ معاشرے میں پھیلی خرابیوں کی نشان دہی کرے اور حکومت کے ساتھ ساتھ ہراُس شخص کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کرے جو کوئی

اچھا کام کرتا نظر آئے۔ کسی ایک شہر میں بیٹھ کر پورے پاکستان کی صورتحال پر ضد کی حد تک بحث کرنا کسی بھی دانشور کو زیب نہیں دیتا کیونکہ ہر حلقے، ہر شہر، ہر قصبے ہر گاؤں اور اب تو ہر گھر کی صورت حال سمجھ سے باہر ہے بیٹا کوئی بات کرتا ہے، بیٹی، کوئی بات کرتی ہے، بیوی کوئی بات کرتی ہے اور شوہر کوئی اور بات کرتا ہے، حتیٰ کہ گھر کے ہر فرد کی رائے دوسرے سے مختلف اور اپنی جگہ معتبر ہے اس لئے ایسے دانشوروں کی خدمت میں گزارش ہے، جو آج کل قصیدے لکھ اور پڑھ رہے ہیں کہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ سیاست دان کی شخصیت کو بھی مشکوک نہ بنائیں۔

NA129کی دلچسپ صورتحال

NA129میو، ملک ،رحمانی ، بھٹی ، گجر،جٹ اور مہر برادریوں کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں کرسچن آبادی پر مشتمل ہے۔یہاں الیکشن نظریات کی بجائے ذات برادری کی بدولت جیتے جاتے ہیں۔یہ حلقہ کسی بھی سیاست دان کی گرفت میں زیادہ دیر تک نہیں آیا، کبھی مسلم لیگ کا اُمیدوار کامیاب ہوتا ہے تو کبھی پیپلزپارٹی کا۔ماضی میں میؤ، رحمانی، ملک ،جٹ اور گجر برادریاں جس اُمیدوار کی حمایت کرتیں رہی ہیں اُس کے الیکشن جیتنے کے چانسز بہت زیادہ ہوجایا کرتے تھے لیکن اس بار تمام برادریاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔میؤ، رحمانی برادری ن لیگ ،منشاء سندھو،اور پیپلزپارٹی میں تقسیم ہوچکی ہے، جبکہ جٹ ، مہراور گجر برادری بھی ابھی تک کسی ایک اُمیدوار کے حق میں فیصلہ نہیں کرسکیں۔انصاری برادری بھی اس حلقے یں کافی زیادہ تعداد میں بستی ہے جو تقریباسابق 2 مرتبہ UC146کے ناظم منتخب ہونے والے رمضان مستانہ کی قیادت میں متحد ہوکرمیاں شہباز شریف کو ووٹ دینے کافیصلہ کرچکی ہے۔میؤ برادری کا بھی ایک بڑا حصہ ن لیگ کواِس اُمید پر ووٹ دینے جارہا ہے کہ ضمنی الیکشن میں ن لیگ پارٹی ٹکٹ میؤ برادری کے کسی فرد کو دے گی۔رحمانی برادری کے چند لوگ یعقوب کماہاں کی قیادت میں تحریک انصاف کو ووٹ دیں گے جبکہ زیادہ

تعداد میاں شہباز شریف کے حق میں ووٹ دیتی نظر آتی ہے۔اگر یعقوب کماہاں رحمانی .برادری سے قرآن پر حلف نہ مانگتا تو شاید ساری.برادری تحریک انصاف کو ووٹ کرتی لیکن اب رحمانی.برادری کی قدآور شخصیات نے میاں شہباز شریف کو ووٹ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔میؤ .برادری کا ایک.ٹرا دھڑا بھی راؤ ناصر علی خان میؤ کی قیادت میں ن لیگ کو ووٹ دے گا۔گجر.برادری کی اکثریت بھی ن لیگ کو ووٹ دے سکتی۔جٹ .برادری کا ووٹ میاں شہباز شریف اور منشاء سندھو میں تقسیم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ووٹنگ ٹرن آوٹ بھی گہرے اثرات مرتب کرے گاٹرن آوٹ جتنا زیادہ ہوگان لیگ کے حق میں جائے گا ور جتنا کم ہوگا اتنا ہی منشاء سندھو کو فائدہ ہونے کی توقع کی جارہی ہے۔ قومی اسمبلی کا حلقہ NA129 لاہور آنے والے چند دنوں میں غیر معمولی اہمیت حاصل کرسکتا ہے۔پاکستان کی مقبول ترین جماعت مسلم لیگ ن کی طرف سے اس حلقے میں سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف حلقہ NA129PP159اور دونوں سے اُمیدوار ہیں،پاکستان پیپلزپارٹی کی طرف سے سابق ایم این اے چوہدری طارق شبیر،اور تحریک انصاف جوکہ نوجوانوں کی مقبول ترین جماعت سمجھی جارہی ہے کی طرف سے گزشتہ ادوار میں تین مرتبہ لگاتار ایم پی اے منتخب ہونے والے محمد منشا سندھو ایم این اے اور حلقہ PP159 سے علی امتیاز وڑائچ اور دیگر اُمیدوار میدان میں ہیں۔گزشتہ الیکشن میں یہاں سے پیپلزپارٹی کے چوہدری طارق شبیر ایم این اے پیپلزپارٹی کے فاروق یوسف گھرکی ایم پی اے کامیاب ہوئے تھے۔لیکن اس بار، پیپلزپارٹی کی

مقبولیت میں خاصی کمی دیکھنے میں آ رہی ہے جس کی وجہ سے پیپلزپارٹی کے اُمیدواروں کو بظاہر تو بہت مشکل کا سامنا کرنا ہوگا۔لیکن پیپلزپارٹی کا نظریاتی ووٹ طارق شبیر کو میؤ برادری کے ساتھ ساتھ ملک برادری کا ووٹ مل سکتا ہے۔میؤ برادری اس حلقے کی بڑی برادریوں میں سے ایک ہے اگر مسلم لیگ ن یا تحریک انصاف کا ٹکٹ میؤ برادری کے کسی اُمیدوار کو مل جاتا تو چوہدری طارق شبیر کے کامیاب ہونے کے چانسز بہت کم تھے لیکن میؤ برادری کا ووٹ اختلافات ہونے کے باوجود طارق شبیر کے حق میں جاسکتا ہے۔اب تک کی صورتحال یہ ہے کہ سیاسی محفلوں میں مسلم لیگ ن کے میاں شہباز شریف اور تحریک انصاف کے محمد منشاسندھو کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہونے پر گرماگرم بحث و مباحثے جاری ہیں ۔ تحریک انصاف کا ووٹ بینک نہ ہونے کے برابر ہے لیکن محمد منشاء سندھو کا ذاتی ووٹ بینک موجود ہے۔اُس پر یہ افواہ آج کل زوروشور کے ساتھ گردش میں ہے کہ میاں شہباز شریف تو اپنے ایم پی اے حضرات سے نہیں ملا کرتے تو عام ووٹر کو کب ٹائم دیں گے ، جبکہ منشاء سندھو تو ہر وقت حلقے کے لوگوں سے ملتا ہے ۔اب اس افواہ میں کس قدر سچائی ہے کہ میاں شہباز شریف کسی کو ٹائم نہیں دیتے اللہ تعالیٰ کے بعد خود میاں شہباز شریف اور اُن کے سابق ایم پی اے ہی جانتے ہیں ۔دوسری بات جو زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ میاں شہباز شریف قومی اسمبلی کے حلقہ NA 159 اور صوبائی اسمبلی کے حلقہ PP 129 دونوں سے اُمیدوار ہیں جبکہ اس کے علاوہ بھی دو تین جگہ سے الیکشن لڑ رہے ہیں ، ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں سیٹوں سے

جیت کر دونوں ہی چھوڑ دیں۔اگر مسلم ن کی بات کی جائے تو اس وقت خاصی مضبوط پوزیشن میں ہے اور اُس پر میاں شہباز شریف کا خود حلقہ NA 129 اور PP 159 سے اُمیدوار ہونا کامیابی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اگر ورکرز کی بات کی جائے تو مسلم لیگ ن کے ورکر باقی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں سے کہیں زیادہ ہیں جو میاں شہباز شریف کے اُمیدوار بننے پر بہت خوش ہیں۔ہر ورکر کی خواہش ہے کہ میاں شہباز شریف سے ملاقات ہو وہ اس کے پاس آئیں اور زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کریں۔ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تمام اُمیدوار بڑی برادریوں کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں لیکن فیصلہ کن کردار آزاد ووٹر کا ہو گا جو ذات برادری اور ذاتی تعلقات سے ہٹ کر ووٹ کا فیصلہ کرتا ہے۔اب تک کے حالات بتاتے ہیں کہ 95 فیصد آزاد ووٹ مسلم لیگ ن اور باقی 5 فیصد تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی کے حق میں جانے کی توقع ہے۔جس سے مسلم لیگ ن کی کامیابی کے امکانات روشن دکھائی دیتے ہیں، لیکن اگر ق لیگ ،جماعت اسلامی یا جے یو آئی ف تحریک انصاف کے اُمیدوار محمد منشاء سندھو کی حمایت کر دیں تو مقابلہ سخت اور دلچسپ ہو سکتا ہے ،اگر ایسا ہوا تو یہ حلقہ بڑی اہمیت اختیار کر سکتا ہے۔مسلم لیگ ن یہ سیٹ کسی صورت ہارنا نہیں چاہتی اسی لئے میاں شہباز شریف نے خود اس حلقے میں الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔لاہور مسلم لیگ ن کا گڑھ سمجھا جاتا ہے لیکن حلقہ NA 129 اور اس کے ساتھ پنجاب اسمبلی کے دو حلقے PP 159.160 میں ماضی میں کئی مرتبہ پیپلز پارٹی بھی کامیاب ہوتی رہی ہے۔گھر کی خاندان میں

سے اگر کوئی فرد پیپلز پارٹی کی طرف سے الیکشن لڑتا تو صورتحال کچھ مختلف ہوتی کیونکہ گھرکی خاندان علاقے میں کافی اثرورسوخ رکھتا ہے، مہر برادری حلقے کے الیکشن میں اہم کردار ادا کرتی ہے جو ساری کی ساری گھرکی خاندان کی ووٹر ہے۔ لیکن اس وقت گھرکی خاندان کا کوئی بھی فرد اُمیدوار نہیں ہے۔ موجودہ حالات میں میاں شہباز شریف کے مقابلے اگر کوئی اُمیدوار مزاحمت کرتا دکھائی دیتا ہے تو وہ تحریک انصاف کا منشاء سندھو ہے جو پوری تیاری کے ساتھ میدان میں ہے۔ن لیگی ورکرز کی یہ خواہش کہ میاں شہباز شریف اُن سے ملیں جائزاور وقت کی ضرورت ہے اگر میاں شہباز شریف ورکرز کی اکثریت کو وقت دے پائے تو ن لیگ دونوں سیٹیں جیت جائے گی لیکن اگر میاں شہباز شریف نے ورکرز کی خواہشات کو نظر انداز کر دیا تو ہو سکتا ہے کچھ ورکرز ن لیگ کی انتخابی مہم چلانا چھوڑ دیں، کچھ اپنا ووٹ کاسٹ ہی نہ کریں اور کچھ کا ووٹ منشاء سندھو کو بھی مل سکتا ہے۔ن لیگ کے اُمیدوار میاں شہباز شریف ہر لحاظ سے مضبوط اُمیدوار ہیں لیکن منشاء سندھو بھی بھرپور مزاحمت کے لئے تیار نظر آتا ہے اس لئے اگر ن لیگ مد مقابل اُمیدواروں کو کمزور سمجھنے کی غلطی کرتی ہے تو پھر الیکشن کے نتائج بُرج اُلٹانے والے بھی ہو سکتے ہیں۔

اگر غلام غلامی نہ کرے گا تو آقا کس پر آقائی کرے گا؟

لکھنے والے کس عذاب سے گزر کر اپنے پڑھنے والوں کے لئے بہتر رائے اور صاف ستھرے الفاظ جمع کرتے ہیں یہ بتانا بہت مشکل ہے۔اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اہل قلم لکھنے بیں بتمام تر محنت،توجہ کے ساتھ ساتھ اپنا وہ وقت صرف کرتے ہیں جسے اگر وہ اللہ کی یاد میں گزاریں تو کم از کم اُن کی بخشش ضرور ہو جائے اور اگر اپنے روزگار پر صَرف کریں تو اُس میں خاصی بہتری آجائے۔دماغ میں تو کچھ اور ہی گھوم رہا تھا لیکن لکھنے بیٹھا تو واصف علی واصف صاحب کا ایک قول یاد آگیا سو چاپڑھنے والوں کی نظر کرتا چلوں "غلام کو اگر غلامی پسند نہ ہو،تو کوئی آقا پیدا نہیں ہو سکتا" واصف صاحب کی بات میں اتنا وزن ہے کہ اُسے تولنے کے لیے بہت بڑی عقل و دانش والے ترازو (تکڑی) کی ضرورت نہیں،عام سے عام اور سادہ سے سادہ لو انسان یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر غلام غلامی نہ کرے گا تو آقا کس پر آقائی کرے گا؟اگر واصف صاحب کی بات کے تناظر میں دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم نسل در نسل غلامی پسند ہے ۔چلو بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ہم اگر غلامی کرنا چھوڑ ہی نہیں سکتے تو پھر اپنے لیے آقا ہی اچھی نسل کے کیوں ڈھونڈ نہیں لیتے؟ ہم غلام ہی سہی لیکن آقا تو ایسے ہونے چاہئے جن پر شرم کی بجائے فخر سے کہا جاسکے کہ یہ ہمارے آقا ہیں۔آخر ہماری

عقل و دانش اور خودداری کو کیا بیماری ہے جو غلیظ ترین آقاؤں کی غلامی کرتے ہیں
؟واصف علی واصف صاحب نے فرمایا کہ "غلام کو اگر غلامی پسند نہ ہو' تو کوئی آقا پیدا
نہیں ہو سکتا" میں کہتا ہوں غلام اگر غلیظ آقاؤں کی غلامی نہ کریں تو' اچھے آقاؤں کی کمی
نہیں ہے زمانے میں "لیکن سب سے پہلے ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ہم واقع
ہی غلام ہیں ؟اپنے حکمرانوں کی اصلیت اور آقائی کو دیکھیں تو صاف صاف اندازہ لگایا
جاسکتا ہے۔ان پڑھ ، جاہل لوگ میرے وطن ہیں حکمران تو بن سکتے ہیں لیکن کم پڑھے
لکھے لوگ چپڑاسی کی نوکری کے اہل نہیں ہیں ۔جس ملک میں قانون ساز اسمبلی کے ممبر
بننے کے لئے تعلیم شرط نہ ہو وہاں تعلیمی ایمرجنسی لگانے کی بات کرنا کتنا بڑا مذاق
اور پھر وزیر، سفیر اور وزیر اعظم MNA.MPA لگتا ہے۔ویسے بھی اگر بندہ پڑھے لکھے بغیر
تک بن سکتا ہے تو پھر پڑھ لکھ کر 12.10 ہزار کی نوکری کے لئے دھکے کھانے سے بہتر
ہے کہ بندہ سیاست دان بننے کی کوشش کرے ۔یہ سوچنا بھی بہت بڑا گناہ ہے کہ ان پڑھ
لوگ اسمبلیوں میں بیٹھ کر تعلیمی بجٹ میں اضافہ کریں گے یا پھر تعلیمی نظام میں بہتری
کی کوشش کرنے کے قابل ہیں۔ پچھلے دنوں ایک دوست نے کہا ہمارے پرائیوٹ
سکول میں ایک چوکیدار کی ضرورت ہے اگر کوئی بندہ چوکیدار کی نوکری کرنا چاہتا
ہو تو بتانا ۔میں نے اگلے دن ایک تیس سالہ شخص کو اُن کے سکول میں بھیج دیا ،وہ
جاتے ہوئے مجھ سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ سر مجھے نوکری مل جائے گی نا، میں نے اُسے
بتایا کہ سکول والوں نے مجھے خود کہا ہے کہ چوکیدار

کی ضرورت ہے تم جاؤ اللہ تعالی نے چاہا تو تمہیں نوکری مل جائے گی ۔وہ چلا گیا اور کوئی تین گھنٹے بعد افسردہ ،لٹکا ہوا چہرہ لئے واپس آگیا کہنے لگا سر آپ نے مجھے وہاں بھیج کر اور بھی دکھی کر دیا ہے ۔آپ اُن سے پوچھ تو لیتے کہ اُنہیں کتنا پڑھا لکھا چوکیدار چاہیے اور اُسے کتنی تنخواہ دیں گے ۔سکول والے کہتے ہیں کہ تنخواہ 7 ہزار دیں گے اور انہیں کم از کم 12 جماعت (الیف اے) پاس چوکیدار چاہیے جو کسی ٹیچر کی غیر حاضری کی صورت میں بچوں کو پڑھا بھی سکے ۔سکول کی بلڈنگ کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرنا چائے پانی کے ساتھ ساتھ سکول کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا بھی اُس کی ذمہ داری، ہوگی اور اس کے علاوہ بھی اگر سکول میں کوئی اور کام بھی کرنا پڑے تو انکار نہ کرے ۔ہاں 24 گھنٹے سکول میں رہنا ہوگا چاہے اپنے بیوی بچوں سمیت سکول میں شفٹ ہو جائے سکول میں رہنے کا کرایہ اور بجلی و گیس کا بل نہیں لیا جائے گا۔امتیاز صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ میں پرائمری پاس ہوں اور پھر مہنگائی کے دور میں 10 ہزار تنخواہ میں گزارا نہیں چلتا تو 7 ہزار میں کیسے گھر چلے گا؟ میرے پاس اُسے دینے کے لئے کوئی جواب نہ تھا صرف اتنا کہہ پایا کہ چلو کوئی بات نہیں ہم کوئی اور کام ڈھونڈتے ہیں تم پریشان مت ہونا اللہ تعالی بہتر کرے گا۔بولا شکر ہے مالک کا جو غریب کا نظام چلاتا ہے ورنہ 12.10 ہزار میں تو گھر نہیں چلتے ۔وہ چہرہ لٹکائے آنکھوں سے درد کے آنسو ٹپکاتا ہوا اپنی نشست سے ایسے اُٹھا کہ میرا جسم اور روح دونوں کانپ اُٹھے۔میں اپنی ہی سوچوں میں غرق

ہوگیا، وہ کب چلا گیا مجھے کچھ علم نہ ہوا، چند لمحوں میں ،یہ لفظ اپنے سے لاکھوں سوالات کئے لیکن جواب کسی کا بھی نہ دے پایا۔ قارئین محترم کتنے بے حس ہیں ہم لوگ اِن پڑھ لوگوں کو ممبر قانون ساز اسمبلی بننے کی اجازت تو دیتے ہیں لیکن پرائمری پاس بندے کو 7 ہزار کی نوکری نہیں دیتے ؟ اہل شعور کہتے ہیں کے بغیر علم کے ترقی کرنا ممکن ہی نہیں۔کیا میرے وطن یں کوئی باشعور باقی نہیں رہا؟ اگر بستے ہیں تو پھر خاموش کیوں ہیں ؟آمر پرویز مشرف کے دور میں اِن پڑھ لوگوں کو الیکشن لڑنے سے منع کر دیا گیا تو یہی اِن پڑھ ، جاہل لوگ جعلی ڈگریاں لے آئے ۔ جمہوری حکومت نے بڑی ایمانداری سے وہ قانون ہی ختم کر دیا جو جاہلوں کو الیکشن لڑنے سے روکتا تھا۔ خود مختار الیکشن کمیشن نے جعلی ڈگری والوں کو نااہل کر دیا تو عدالت نے پھر سے اہل قرار دے کر الیکشن لڑنے کی اجازت دے دی ۔ جمہوریت کے دعویدار حاجی نمازی لیڈروں نے بھی دھوکے بازوں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرکے ثابت کر دیا کہ اس ملک میں تعلیم کی کوئی قدر ہے نہ ہی پڑھے لکھے افراد کی کوئی ضرورت ہے ۔اِن پڑھ جاہلوں کو ملک و قوم کے مستقبل سے کھلواڑ کرنے سے روکنے والا آمر آج مجرم ٹھہرا اور قانون ساز اسمبلی میں گدھوں کو بھرتی کرنے والے حاجی ۔ اگر ملک کو چلانے والی قانون ساز اسمبلی کا ممبر بننے کے لئے تعلیم شرط نہیں پھر بینک ، پولیس ، ریلوے ، پی آئی اے ، فوج ، ہسپتال اور دیگر سرکاری محکموں میں بھرتی ہونے کے لئے تعلیم شرط کیوں ہے ؟ پارلیمنٹ پاکستان کا سب سے بڑا سپریم ادارہ ہے جب اُس سپریم ادارے

میں بھرتی ہونے والوں پر پڑا لکھا ہونا لازم نہ ہے تو بند کر دو سارے سکول،کالج یونیورسٹیاں اور مدرسے ،کیا ضرورت پڑھنے لکھنے کی بن جائے ساری قوم گدوں کی ٹیم، ۔پھر کیوں میرے وطن کا پڑھا لکھا نوجوان کسی جاہل کے در کا سوالی بنے ۔جاہل آقاؤں کی غلامی کرنے والوں پر ڈگری یافتہ ہونا کیوں لازم ہے ،جاہلوں کی جمہوریت کی خوبصورتی تو یہی ہونی چاہئے کہ جیسا جاہل آقا ویسے ہی جاہل غلام ہوں۔یہ کیسی جمہوریت ہے جو پڑھے لکھے باصلاحیت نوجوانوں کو اِن پڑھ جاہلوں کا غلام بناتی ہے ؟بے شک جمہوریت میں عوام اپنے حکمرانوں کا انتخاب خود کرتے ہیں لیکن ووٹر کس کو منتخب کرے جب جاہل بل مقابل جاہل ہو ٗ؟میرے وطن کے باسیو اگر غلامی ہی کرنی ہے تو کم از کم اپنے لئے باشرم اور باغیرت آقا ہی ڈھونڈ لو۔

ووٹرز متوجہ ہوں

سب سے پہلے میں آپکو وہ بات بتاتا چلوں جس نے مجھے یہ کالم لکھنے پر مجبور کیا۔آج ہی کی بات ہے ایک دوست آیا میں نے پوچھا بھائی اس بار کس پارٹی کو ووٹ دے رہے ہو؟وہ جلدی سے بولا فلاں پارٹی کو میں نے پوچھا آخر ایسی کیا بات ہے اُس پارٹی میں جو آپ ووٹ دے رہے ہو ؟بولا جناب وہ سب سے زیادہ مقبول ہے اور اسی نے جیتنا ہے اس لئے میں نے بھی اُسی کو ووٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ووٹرز متوجہ ہوں ،اس طرح تو جھوٹ موٹ کے سروے کروا کر اپنی مقبولیت شو کرنے والے بھی جیت سکتے ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی پارٹی کی مقبولیت یا جیت کا فیصلہ ووٹرز کے ووٹ سے ہوگا۔جو پارٹی زیادہ ووٹ حاصل کرے گی وہی اصل میں مقبولیت کی حق دار ہوگی ۔کسی پارٹی کی مقبولیت کا فیصلہ ابھی نہیں کیا جا سکتا 11 مئی کو ہونے والے عام انتخابات سے پہلے سب قیاس آرائیاں ہیں ،جتنے منہ اُتنی باتوں والی بات ہے۔اصل سروے 11 مئی کو ووٹرز اپنے ووٹ کے ذریعے کریں گے اُس سے پہلے کوئی بھی سروے حتمی نہیں ہو سکتا۔ایک اور بات جو میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں یہ بات تھی تو راز میں رکھنے والی لیکن وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ابھی بتا رہا ہوں۔بات یہ ہے کہ اگر آپ کا کوئی عزیز یا واقف کار آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑ رہا ہے تو اُسے ووٹ مت دیجیے گا کیونکہ اگر وہ جیت بھی گیا تو اکیلا حکومت نہیں بنا سکتا۔جیسا کہ ماضی میں ہوتا آیا ہے کہ آزاد حیثیت سے ممبر اسمبلی بننے

والوں کی بولی لگا کرتی ہے اس بار بھی وہی ہوگا۔آپ کے حلقے سے جیتے ہوئے اُمیدوار کے بکنے کا مطلب کہ آپکا ووٹ بک جائے گاجب کہ آپ نے تو ووٹ کے بدلے کچھ نہیں لیا ہوگا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اپنا ووٹ کسی بھی جو بھی آپ کو پسند ہو جماعت کو دیں لیکن آزاد اُمیدوار کو مت دیں۔ دوسری بات ذات برادری کا بھی خیال رکھیں لیکن ووٹ اپنے ضمیر کی آواز پر دیں ، کسی کا مشورہ سہی،اُس پر غور بھی کریں لیکن ووٹ دیتے وقت فیصلہ اپنا کریں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپکو بھی عقل ودانش سے نواز رکھا ہے ۔ووٹ دیتے وقت یہ بات ہرگزنہ سوچیں جو اُمیدوار جیتنے کی پوزیشن میں ہے اُس کو ووٹ دینا بہتر ہے ،ووٹ دیتے وقت آپ یہ دیکھیں آپ کے ووٹ کا صحیح حقدار کون ہے ۔آپ اپنی طرف سے اہل اُمیدوار کو ووٹ دیں یہ مت سوچیں کہ وہ ہار رہا ہے یاجیت رہاہے ۔اگر یہی سوچ کر ووٹ دیں گے کہ جواُمیدوار جیت رہاہے ہمارے ووٹ پر بھی اُسی کا حق ہے تو 100 فیصد وہی لوگ الیکشن جیتیں گے جن کی برادریاں بڑی ہوں گی ۔ ذرا سوچیں جس کی اپنی برادری بہت بڑی ہوگی وہ آپ کوکب ٹائم دے پائے گا؟اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ جس آزاد اُمیداور کو ووٹ دیں وہ جیت کر اُس سیاسی جماعت میں شامل ہوجائے جو آپ کو شدید ناپسند ہو لہٰذا اپنے ووٹ کو فروخت ہونے سے بچانے کے لئے آپ اپنا قیمتی ووٹ کسی لیڈر یعنی پارٹی ٹکٹ پر الیکشن لڑنے والے اُمیدوار کو دیں۔ جیسا کہ مسلم لیگ ن ، پیپلزپارٹی ، تحریک انصاف ، مسلم لیگ ق،اے این پی ،ایم کیوایم،جے یوآئی ف،جماعت اسلامی اودیگر میں سے کسی بھی جماعت کے ٹکٹ ہولڈر کو ووٹ دیں ۔ہاں دیکھنے کی اہم بات یہ ہے کہ اس وقت ملک میں انرجی کا بحران بہت شدید ہے کسی بھی پارٹی کوووٹ دینے سے پہلے یہ سوچ

لیں کہ وہ بجلی و گیس کی کمی کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کیا اُس پارٹی کی لیڈر شپ یں منصوبے تیزی سے مکمل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ کیا وہ بڑھتی ہوئی دہشتگردی پر قابو پا سکتی ہے ؟کیا وہ امن وامان کی بگڑی ہوئی صورت حال کو بہتر بنانے میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہے۔ کیا وہ پوری قوم کی نمائندہ جماعت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو پیپلزپارٹی کی گزشتہ حکومت کی طرح آنے والی حکومت بھی یہی کہتی رہے کہ بس چند دنوں میں بجلی و گیس کی کمی کو پورا کرکے لوڈشیڈنگ پر قابو پالیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستانی عوام کے لئے جینا اور بھی مشکل ہو جائے گا کیونکہ روزگار تو پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ للہذا برائے مہربانی اپنے ووٹ کا حق ضرور استعمال کریں۔ اور کوشش کریں کہ بہتر سے بہتر قیادت منتخب ہو۔ قارئین محترم آپکو معلوم ہے کہ الیکشن میں چند دن باقی ہیں یعنی کچھ دن بعد آپکو اپنے ووٹ کی طاقت سے اپنے لئے نئے حکمرانوں کا انتخاب کرنا ہے۔ ووٹرز کو اپنے ووٹ کی قدر و قیمت کا علم ہونا ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے میرے وطن کے ووٹرز نہیں جانتے کہ اُن کے ووٹ میں کتنی پاور ہے۔ جب کوئی یہ بات کہتا ہے کہ میرے ووٹ ڈالنے یا نہ ڈالنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے کیونکہ ووٹ ڈالنے سے ہی تو فرق پڑتا ہے۔ اگر ووٹرز کی اکثریت ووٹ غلط یعنی نااہل اُمیدوار کو دیں گے جیسا کہ ماضی میں ہوتا آ رہا ہے تو نتیجہ وہی ہوگا جو ہم، پچھلے 66.65 سالوں سے بھگت رہے ہیں۔ الیکشن کے دن آتے ہی جو لوگ ووٹ کی بھیک مانگنے ووٹرز کے گھر گھر جاتے ہیں، ہاتھ جوڑ کر، برادری، رشتہ داری اور انسانیت کا واسطہ دیکر ووٹ مانگتے ہیں وہی لوگ الیکشن جیتنے کے بعد کسی ووٹر کو پہچانتے تک

نہیں ۔ووٹرز سے گزارش ہے کہ 2013ء کے الیکشن میں کسی بھکاری ،برادری، رشتہ دار، یا انسانیت کے نام پر آٹا، دال، پرانے کپڑے، جوتے یا پھر جو (پوجے سرے) کچھ نقد امداد دے دیں لیکن اپنا قیمتی ووٹ صرف اُس اُمیدوار کو دیں جو اُس کا اہل ہو،ووٹ دینے کے معاملے میں زیادہ سخی بننے کی ضرورت نہیں اُمیدوار کی قابلیت دیکھیں یہ ہرگز نہ دیکھیں کہ بے چارہ یتیم ہے، پہلے بھی 2 بار الیکشن ہار گیا تھا اگر اس بار بھی ہار گیا تو بے چارے کا دل ٹوٹ جائے گا،اُس نے میرے بھائی کو چوری کے الزام میں پکڑے جانے پر تھانے سے چھڑوایا تھا حتیٰ کہ وہ بے گناہ تھا لیکن میرے لئے اُسے بچانا مشکل ہو رہا تھا۔پیارے ووٹرز اکثر آپ کے یہ رہنماء اپنی مرضی کا تھانے دار تعینات کرواتے ہیں اور اکثر بے گناہوں کو خود گرفتار کرواتے ہیں تاکہ تھانے دار کے نام پر پیسے بھی کمائے جائیں اور عوام پر رعب بھی ڈالا جائے جسے آنے والے الیکشن میں ووٹ لینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔اکثر لوگ کہتے ہیں یار میں نے اُسے ووٹ تو نہیں دینا تھا لیکن گھر آگیا تھا خالی ہاتھ بھیجنا اچھا نہیں لگا اس لئے اُس سے ووٹ کا وعدہ کرلیا،پیارے ووٹرز یاد کریں وہ لمحے جب ہم ،ہمارے بچے اور ہمارے جیسے لاکھوں لوگ ان سیاست دانوں کے گھروں اور دفتروں کے چکر لگاتے ہیں اور یہ لوگ ہمارے جائز کام کرنا تو در کنار ملنا اور بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے ،ہم فون کریں تو یہ لوگ اٹھاتے ہی نہیں اور غلطی سے اُٹھا بھی لیں تو کہتے ہیں کہ صاحب میٹنگ میں ہیں اس لئے ابھی آپ سے بات نہیں کر سکتے ،حالانکہ یہ لوگ کسی میٹنگ میں نہیں ہوتے ۔میرا ایک جاننے والا ایم این اے بن گیا، میری اکثر فون پر اُس کے ساتھ بات ہوتی رہتی ہے ،اچھے اخلاق کا مالک ہے ایک،

دن وہ کچھ دوستوں کے ساتھ مقامی ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ میں بھی وہاں پہنچ گیا میں نے تو اُسے دیکھ لیا لیکن وہ مجھے نہ دیکھ پایا، میں نے اُس کا نمبر ملایا اُس نے فون اُٹھایا اور کہنے لگا امتیاز صاحب، ابھی صاحب ایک اہم میٹنگ میں ہیں فارغ ہونگے تو آپ کا پیغام دے دوں گا، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ بولا میں اُن کا سیکرٹری بول رہا ہوں میں نے شکریہ کے ساتھ فون بند کر دیا۔ ہو سکتا ہے اُس کی میٹینگ بہت اہم ہو لیکن جھوٹ بولنے کی ضرورت ہر گز نہ تھی وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ امتیاز ابھی میں مصروف ہوں بعد میں بات ہو گی۔

والدین کے نام

احمد بیٹا سیڑیاں اُترتے وقت سبحان اللہ پڑھتے ہیں ثواب ملے گااور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا۔ماں نے بیٹے کو سمجھایا کچھ دیر بعد بچے نے آ کر ماں سے شکایت کی امی مجھے سمیع اللہ نے مارا ہے، کہاں ہے وہ ماں فوراً بیٹے کی انگلی پکڑ کر باہر نکلی اور سمیع اللہ کے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے اول فول بولنے لگی ،بیٹا جھوٹ نہیں بولتے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے پھر جنت بھی نہیں ملتی اور دوزخ میں جانا پڑتا ہے ،احمد کی ماں نے احمد کی غلط بیانی پر اُسے سمجھاتے ہوئے کہاتو احمد بولا جی امی میں آئندہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ قارئین محترم آخر یہ جھوٹ چیز کا نام ؟ میرے خیال میں اُس غلط بیانی کا نام ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو، جیساکہ آپ اخبار پڑھ رہے ہوں تو آپ کو کسی دوست کا فون آجائے وہ پوچھے آپ کیا کر رہے ہیں اور آپ کہیں ابھی نہا کر آیا ہوں ناشتہ تیار کر رہا ہوں ۔حالانکہ آپ اخبار پڑھ رہے تھے لیکن آپ نے اپنے دوست کو وہ بات بتائی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بات وہیں سے شروع کرتے ہیں ۔ای شام نور کے گھر اس کی کچھ اور دوست آئیں نور نے اپنی دوست علیشاہ کو دیکھتے ہی کہا چلو جاؤ ہمارے گھر سے نکلو صبح تم نے مجھے اپنے کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیا تھا،اس لئے اب میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں آنے دوں گی ،،علیشاہ نے

التجائیہ لہجے میں کہا میں تمہیں اپنے کھلونے دے دوں گی لیکن پلیز تم مجھے اپنی وہ کاپی دے دو جس پہ تم نے آج کا ہوم ورک کیا ہے۔نہیں میں نہیں دوں گی تم نکلو ابھی میرے گھر سے باہر تم نے مجھے صبح اپنے کھلونے نہیں دیے تھے۔علیشاہ افسردہ اور غمگین صورت لئے نور کے گھر سے چلی گئی۔نور کی ماں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سنا لیکن نور سے کچھ نہ کہا اور نہ ہی علیشاہ کو روکا۔اپنے بچوں کو حقوق اللہ کا درس دینے والے والدین یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی تعلیم بھی ضروری ہے، کیونکہ حقوق اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن حقوق العباد اُس وقت تک معاف نہیں ہونگے جب تک اللہ کے بندے خود معاف نہ کر دیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بھی تاکید کی ہے۔اپنی مخلوق سے پیار کرنے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا بارہا حکم دیا ہے آپ نے بھی ایک دوسرے سے پیار و محبت کا درس دیا ہے۔اسلام نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دے کر ایک دوسرے کے حقوق فرض کر دیئے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے بچوں کا اخلاق تباہ کرنے میں زیادہ قصور تربیت کا ہے،مائیں اپنے بچوں کو حقوق اللہ اور دین کے بنیادی احکامات تو سکھاتی ہیں لیکن انہیں مسجد میں نماز پڑھنے، قاری صاحب سے سپارہ پڑھنے تو بھیجتی ہیں لیکن اُن کی تربیت کرتے وقت حقوق العباد کے بارے میں بتانا ہی بھول جاتی ہیں۔اللہ خوش اور ناخوش،جنت کے ملنے یا دوزخ میں پھینک دیئے جانے کا ڈر سنا کر نماز پڑھنے،قرآن سیکھنے،پڑھنے

اور روزہ رکھنے پر تو آمادہ کرلیتی ہیں لیکن یہ نہیں بتاتیں کہ کسی کا دل دکھانا بہت بُری بات ہے۔یہ تو سِکھایا جاتا ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا لیکن یہ نہیں سِکھایا جاتا کہ بیٹا کسی کی دل آزاری نہیں کرنی چاہئے، یہ تو سِکھایا جاتا ہے کہ چوری نہیں کرنی چاہئے لیکن یہ نہیں سِکھایا جاتا کہ معاف کر دینا اچھی اور نیکی کی بات ہے۔یہ رحمان کی صفت ہے، یہ کیوں نہیں بتایا جاتا کہ جب کسی میں عیب یا بُری بات دیکھو تو اسے پیار سے سمجھاؤ اور اس سے لڑائی جھگڑا نہ کرو جب کچھ کھاؤ مِل بانٹ کر کھاؤ ، جو چیز تمہیں اپنے لئے اچھی لگے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرو، جب کوئی نظر دکھائی دے تو فوراً سلام کرو، کبھی اپنے بچوں کے ہاتھ سے کسی غریب کو کچھ پیسے نہیں دلواتے ، بچوں میں کسی غریب یا یتیم بچوں سے ہمدردی و محبت کا شعور بیدار نہیں کیا جاتا ہمارے ہمسایہ نے کب سے کھانا نہیں کھایا، اس کے پاس کچھ پہننے کو ہے یا نہیں۔مائیں اپنے بچوں کی پرورش کرتے وقت بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں جو درحقیقت بچوں کی شخصیت کو بنانے ، بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔حالانکہ یہی وہ تربیت ہے جو بچوں کو کامیاب انسان اور اچھا مسلمان بناتی ہیں ۔ان کو مومن کے درجے تک پہنچاتی ہیں کیونکہ مومن تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے انسان اور تمام مسلمان محفوظ رہیں یہ نہیں کہ حقوق اللہ کو نظرانداز کر دیا جائے بلکہ حقوق اللہ سے حقوق العباد تک کا سفر ہونا چاہیے ۔یہی سفر اصل منزل تک پہنچائے گا وہ منزل جسے پا کر دین و دنیا دونوں میں یقینی کامیابی

وکامرانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بچوں کو جب قرآن پڑھنے پر آمادہ کیا جائے تو ساتھ
ہی یہ بھی سکھایا جائے اور پڑھایا جائے کہ قرآن کریم میں کیا لکھا ہے، قرآن کریم ہمیں
کیا درس دیتا اور اُس پر عمل کس طرح کرنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بچوں میں حقوق اللہ
کے ساتھ حقوق العباد کا شعور بیدار کرکے ایک قابل رشک معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے

۔

ووٹ کی حیثیت اور انتخابی سرگرمیاں

قارئین محترم میرے بزرگ دوست مرزا افضل بیگ نے بہت ہی خوبصورت کہی کہ ووٹ کا حق ہی تو مجھے یہ احساس دیلاتا ہے کہ میں بھی انسان ہوں ورنہ آج غریب کو کون انسان سمجھتا اور جس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں کئی مرتبہ خیال گزرتا ہے کہ ہم انسان نہیں جانور ہیں۔ایسے میں ووٹ کا حق عام آدمی کو حکمرانوں کے برابر کا انسان ثابت کرتا ہے۔میں نے حیران ہو کر بیگ صاحب سے کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا عام آدمی اور حکمرانوں کے برابر کا انسان ؟بیگ صاحب کہنے امتیاز آپ بتاؤ کیا ملک کا صدر دو دفعہ ووٹ کاسٹ کرتا ہے یا اُس کے ووٹ کو ایک سے زیادہ تصور کیا جاتا ہے ؟ میں نے کہا نہیں ایک دوفعہ کرتا ہے اور ایک ہی تصور کیا جاتا ہے ۔بیگ صاحب جوشیلے انداز میں بولے توثابت ہوا کہ میرے ،آپ کے اور صدر کے ووٹ کو ایک جیسی حیثیت حاصل ہے ۔بیگ صاحب کی بات سچ تھی اور اُن کی بات سن کر مجھے لگا جیسے ووٹ کاسٹ کرتے وقت ہر ووٹر اپنے آپ کو ملک کا صدر یا وزیر اعظم خیال کر سکتا ہے ۔اگر ایسا ہے تو عام آدمی کو اپنے ووٹ کی اعلیٰ حیثیت کو دیکھتے ہوئے اُس اُمیدوار کے حق میں کاسٹ کرنا چاہئے جو ووٹ کی حیثیت کے مطابق عزت دینے کا اہل ہو۔ووٹر اور ووٹ کی حیثیت اس قدر اعلیٰ ہے کہ میرے لئے لفظوں میں بیان مشکل ہے ۔ میرا آج کا موضوع حلقہ PP159 کی انتخابی سرگرمیاں اس لئے اب میں اپنے موضوع کی طرف بڑوں گا ۔ حلقہ PP159 کی عوام کو الیکشن میں کوئی خاص

دلچسپی نظر نہیں آرہی ۔یہ حلقہ ترقیاتی کاموں کے لحاظ سے لاہور کے پسماندہ ترین علاقوں میں شامل ہے ۔نہ کوئی کالج نہ پارک ،نہ سیوریج کا بہتر نظام،نہ صحت کی بنیادی سہولتیں دستیاب اور نہ ہی پینے کا صاف پانی دستیاب ہے ۔ملک کی دونوں بڑی جماعتوں یعنی پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ ن اور ق کے اُمیدوار ہمیشہ سے اس حلقے سے کامیاب ہوتے آرہے ہیں ۔پاکستان میں آج تک کسی تیسری جماعت کی حکومت نہیں آئی سوائے فوج کے، یادآیا پرویزمشرف کے آمری دور میں بلدیاتی نظام کے ذریعے کروڑوں کے فنڈز اس حلقے کو بھی ملے لیکن بد قسمتی سے نااہل نمائندے فنڈز صحیح طرح استعمال نہ کرسکے ۔پرویزمشرف کے بعد پیپلزپارٹی کی وفاقی اور ن لیگ کی پنجاب حکومت اپنے پانچ سال پورے کرکے واپس الیکشن لڑنے کے لئے میدان ہیں میں۔آج انتخابی مہم چلانے کے لئے دونوں جماعتوں کے پاس ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے کے علاوہ کوئی خاص مواد موجود نہ ہے جبکہ عوام بڑے ہی صبر و تحمل کے ساتھ پانچ سال تک اپنے منتخب نمائندوں کو آزما چکے ہیں۔ لیکن الیکشن 2013ء میں تیسری قوت یعنی تحریک انصاف کے منظر عام پر آنے کے باوجود اس حلقے کے عوام ایک بار پھر میاں شہباز شریف کی صورت میں ن لیگ کے اُمیدوار کے حق میں ووٹ کاسٹ کرتے نظر آتے ہیں ۔ن لیگ کے سرگرم کارکن چوہدری آس محمد میؤ اور لیاقت گجر کا کہنا ہے کا کہنا ہے کہ میاں شہباز شریف کامیاب ہوگئے تو علاقے کو گل وگلزار کردیں گے اور پھر ملک میں ایک ہی تو سیاست دان ہے جو تیزی کے ساتھ منصوبے پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو 129 سے اُمیدوار ہے ۔علاقے کے عوامNA 159 اورPP خوش قسمتی سے ہمارے حلقے کے خیال میں میاں شہباز شریف کا کوئی ثانی نہیں اس لئے اُن کا کہنا ہے کہ

ہم ووٹ صرف شہباز شریف کو دیں گے۔اگر بات کی جائے الیکشن کے دوران ہونے والی سیاسی گہما گہمی کی تو وہ نظر نہیں آتی ،نہ تو انتخابی دفاتر میں وہ پہلے سی رونقیں ہیں اور نہ ہی سیاسی ورکرز پہلے کی طرح سرگرم نظر آتے ہیں۔ہر طرف پریشانی اور بے یقینی کی فضا ہے ،کوئی کہتا ہے الیکشن نہیں ہوں گے ،کوئی کہتا ہے فوج ہی آجائے تو بہتر ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ الیکشن کے نام پر سلیکشن کی جارہی ہے ۔سچ تو یہ ہے کہ بجلی کی گھنٹے کی لوڈشیڈنگ نے عوام کو ہلا کر رکھ دیا ہے جس طرح بجلی کے آنے اور18.18 جانے کی خبر نہیں اُسی طرح الیکشن کے ہونے نہ ہونے کا یقین نہیں رہا۔الیکشن2013 ،میں عوامی عدم دلچسپی صاف صاف بتا رہی ہے کہ ووٹنگ ٹرن آوٹ بہت کم رہے گا۔گرمی کے عالم میں لوگوں کا پولنگ اسٹیشن تک جانا بہت مشکل نظر آتا ہے اور اُس پر ووٹرز کو ٹرانسپورٹ مہیا کرنے پر پابندی عائد ہے ۔جبکہ ووٹر کی کسی پارٹی میں کوئی خاص دلچسپی بھی نظر نہیں آتی اُس پر سیاسی پارٹیوں کے ورکروں اور اُمیدواروں کے 159 کی بات ہیPP129اورNA آپس اختلافات ،آزاد اُمیدواروں کی بھرمار ہے،حلقہ کرلیتے ہیں ۔یہاں مین پارٹی مسلم لیگ ن ہے یا یوں کہہ لیں میاں شہباز شریف کی شخصیت میں وہ کشش ہے جو ن لیگ کی مقبولیت کی وجہ بن رہی ہے ۔کیونکہ ن لیگ کی طرف سے سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف دونوں حلقوں سے اُمیدوار ہیں ۔یہاں ن لیگ کی طرف سے میاں شہباز شریف کی انتخابی مہم چلانے والے مقامی رہنماء مختلف دھڑوں میں تقسیم نظر آتے ہیں جہاں ایک دھڑا جاتا ہے وہاں دوسرا نہیں جاتا۔اگر کوئی ورکر مقامی رہنماؤں کو اپنے پاس آنے کی دعوت دیتا ہے تو پہلے اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے دوسرے دھڑے

کے کسی فرد کو دعوت تو نہیں دی اگر دی ہے تو ہماری طرف سے معذرت ۔ن لیگ کا حقیقی ورکر پیچھے اور قادری ، مبشری اور سرداری قسم کے ورکر آگے آگے ہیں ،دوسرے نمبر پر پیپلز پارٹی ہے پیپلز پارٹی کے ورکر تو منظر عام سے غائب ہیں ،شاید اندر ہی اندر ورک کرکے اپنے اُمیدواروں کی پوزیشن بہتر بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں تیسرے نمبر آرہی ہے تحریک انصاف جو کہ پہلی مرتبہ ان حلقوں میں اُبھر کر سامنے آئی ہے ، تحریک انصاف کی مقبولیت اس علاقے کے لئے بالکل نئی ہے لیکن مین اُمیدوار MPA بہت پرانا ہے۔ گزشتہ تین ادوار میں کبھی ن لیگ اور کبھی ق لیگ کی طرف سے منتخب ہونے والا محمد منشاء سندھو اس بار تحریک انصاف کی طرف سے حلقہ این اے 129 159 سے اُمیدوار ہیں۔شاید تحریک انصاف کے یہ PP سے اور علی امتیاز وڑائچ حلقہ دونوں اُمیدوار بھی ایک دوسرے کو زیادہ پسند نہیں کرتے اسی لئے اکٹھے انتخابی مہم چلانے کی بجائے الگ الگ کمپین کر رہے ہیں۔لیکن اہل علاقہ کا خیال ہے کہ منشاء سندھو کسی بھی وقت بازی پلٹ سکتا ہے ۔ن لیگ کی ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے درخواست دینے والے محمد سعید کھوکھر بھی قومی اسمبلی کے حلقہ 129 میں آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے میاں شہباز شریف سے مقابلہ کرنے کا عزم لئے میدان میں اُتر آئے ہیں ن لیگ کے ناراض کارکن عبدالخاق کا کہنا ہے کہ جماعت اسلامی ،جے یو آئی ف ، تحریک تحفظ پاکستان کے علاوہ ن لیگ کے ناراض ورکرز کی ایک بڑی تعداد بھی سعید کھوکھر کی حمائت کرے گی۔یہاں تک کہ ن لیگ کے ناراض ورکر عبدالخالق کہنا ہے کہ جناب ہم تو دیوار سے سر ٹکرانے کا عزم لئے میدان میں اُترے ہیں اگر دیوار نہ توڑ پائے تو سر ضرور زخمی کریں گے اور بہتے ہوئے لہو کو دیکھ کر زمانہ یہ تو کہے گا کہ وہ

دیکھو سیاسی ورکر کا انجام کم از کم لوگ یہ تو کہیں گے کہ سیاسی ورکر دنیا کا بے وقوف ترین طبقہ ہے، ہو سکتا ہے کوئی ہمارا انجام دیکھ کر عبرت کا سبق ہی سیکھ لے۔ میں نے عبدالخالق سے ن لیگ سے ناراض ہونے کی وجہ پوچھی تو وہ نہایت دکھی انداز میں بولا جناب ہم سے منافقت اور خوشامد نہیں ہوتی ہم کسی کی محنت اپنے حصے میں لکھوانے کے قائل نہیں اور نہ ہمیں فوٹو سیشن کا شوق ہے ہم تو بس پارٹی اور علاقے کا بھلا سوچنے والے لوگ ہیں لیکن بد قسمتی سے ایسے لوگوں کی صرف ن لیگ ہی نہیں بلکہ کسی بھی پارٹی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ خیر بڑی جماعتوں میں یہ روٹھنا ماننا تو چلتا رہتا ہے اور الیکشن لڑنا، اپنی مرضی سے ووٹ دینا اور اپنی پسند کے اُمیدوار کی سپورٹ کرنا تو ہر شہری کا جمہوری حق ہے۔ بظاہر تو ن لیگ کے میاں شہباز شریف کو سب اُمیدواروں سے زیادہ عوامی پذیرائی حاصل ہے، لیکن پیپلزپارٹی کی پوزیشن بھی اس قدر کمزور نہیں جتنی کہ نظر آرہی ہے کیونکہ صرف بے نظیر انکم سپورٹ سے فائدہ اُٹھانے والی خواتین کی تعداد ہزاروں میں ہے اِس کے علاوہ پیپلزپارٹی کا نظریاتی ووٹر آج بھی موجود ہے۔ بڑی بڑی گاڑیوں اور بڑے بڑے محلات میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے والے بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کو فضول اور بے کار کہنے والے یہ نہیں جانتے کہ ایک ہزار روپے سے غریب کے گھر میں 15 سے 20 دن کا آٹا مہیا ہو جاتا ہے جو غریب کے لئے وقتی طور پر بہت بڑی امداد ہے اور اُس پر پیپلزپارٹی کی طرف سے یہ اعلان کہ اگلی حکومت بنتے ہی بے نظیر انکم سپورٹ کی رقم ایک ہزار سے دو ہزار کردی جائے گی۔ جن خواتین کو یہ رقم ملتی ہے وہ انتہائی کم پڑھی لکھی ہونے کی وجہ سے نہیں جانتیں کہ خارجہ پالیسی کیا ہوتی ہے

اور داخلہ پالیسی کس چڑیا کانام ہے وہ توصرف یہ جانتیں ہیں کہ اُن کو پیپلزپارٹی کی حکومت ہر مہینے بذریعہ ڈاک ایک ہزار رپے بھیجتی ہے اور اگر پیپلز پارٹی کی حکومت نہ بنی تواُن کو ملنے والی یہ رقم بند ہوجائے گی۔اس لیے مجھے نہیں لگتاکہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام سے فائدہ اُٹھانے والے خاندان کسی دوسری پارٹی کے اُمیدوار کو ووٹ دیں گے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ کچھ اور ووٹرز کو بھی اپنے ساتھ یہ کہہ کر ملانے کی کوشش کریں گے کہ اگر پیپلزپارٹی جیت جائے گی توآئندہ بہت سے مزید خاندانوں کو یہ امدادی رقم ملا کرے گی ۔ حلقہ NA159اورPP129کے ووٹرز کی بڑی تعداد کا غربت سے بہت گہرا رشتہ ہے ،یہی ووٹر پیپلزپارٹی کا ووٹ بینک ہے اور یہ سارا ووٹ کاسٹ ہوجاتا ہے تو پیپلزپارٹی کے ملک آصف اور سابق ایم این اے طارق شبیر بھی ان حلقوں سے میدان مار سکتے ہیں ۔ان حلقوں میں ن لیگ کے مقامی رہنماؤں کے آپسی اختلافات بھی تحریک انصاف اور پیپلزپارٹی کے بہت بڑے سپورٹر ہیں ۔ قارئین محترم یہ میرا ذاتی تجزیہ ہے جیت ہار تو اللہ تعالیٰ کے بعد ووٹرز کے ہاتھ ہے اور کون جیتے گا اور کون ہارے گا یہ تو الیکشن نتائج ہی بتائیں گے ۔

نواز شریف کو ایک اور موقع دیں

وہ چوتھی منزل کی چھت سے گرنے ہی والا تھا کہ چھت سے باہر کی طرف نکلا ہوا لوہے کا پائپ اُس کے ہاتھ لگ گیا اور وہ چوتھی منزل سے زمین کی طرف پائپ کے ساتھ لٹک گیا، پائپ مضبوط تھا لیکن ہاتھ پھسل رہے تھے۔ وہ بے بسی کے عالم میں پکار رہا تھا کوئی میری مدد کرے میں مشکل میں ہوں، میرے ہاتھ پھسل رہے ہیں، خُدا کے لئے کوئی میری مدد کرے۔ دیر تک اُس کی مدد کرنے کوئی نہ آیا کیونکہ گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا لوگ اپنے کمروں میں پنکھے اور ایئر کنڈیشنرز لگائے آرام سے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے، چوتھی منزل زمین سے کافی اُونچی ہوتی ہے اس لئے اس شخص کی آواز نیچے سے گزرنے والوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ چوتھی منزل سے زمین کی طرف لٹکے بے بس انسان کی حالت کیا ہو سکتی ہے اس بات کا صحیح اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اُس کی جگہ لٹکنے کا تصور کیا جائے۔ اُس کا حوصلہ ٹوٹنے ہی کو تھا کہ اُسے دھندلائی آنکھوں سے اپنی طرف آتا ایک شخص نظر آیا جو پاس ہی پہنچ چکا تھا۔ اُس نے اپنی بچی کھچی طاقت لگا کر مدد، مدد پکارا تو وہ شخص متوجہ ہوا اور پاس آکر پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھ کر بولا تم حوصلہ کرو میں کچھ کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ تیزی سے سیڑیوں سے نیچے اُتر گیا۔ چوتھی منزل سے نیچے لٹکا شخص دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اب اُس کی جان بچ جائے گی، اللہ تعالی

نے اُس کی مدد کرنے کے لئے اپنا فرشتہ بھیج دیا ہے اور وہ ابھی کوئی ایسی چیز لے کر آئے گا جس کے ذریعے اُسے اُوپر کھینچ لے گا،اتنی دیر میں وہ شخص تیزی سے سیڑیاں چڑھتا ہوا واپس آیا لیکن اُس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو زندگی اور موت کے درمیان لٹکے انسان کو چھت کی طرف کھینچ سکے بلکہ اُس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کی بوتل تھی ،آتے ہی بولا گرمی بہت ہے میں تمہارے لئے ٹھنڈا پانی لایا ہوں پہلے پانی پی لو پھر تمہیں اُوپر کھینچنے کا کچھ انتظام کرتا ہوں ۔لٹکا ہوا شخص کچھ بولتا اُس سے پہلے قدرِ دور سے آواز آئی کہ اس شخص کے ہاتھوں سے پانی مت پینا آخرت کا خانہ خراب کردے گا یہ شخص حرام کماتا ہے اور سارا دن لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے ،پیاسے مر جانا پر اس کے ہاتھوں سے پانی مت پینا ،نووارد ہونے والے نے لٹکے ہوئے بے بس انسان کو دیکھے بغیر کہا اور دور سے ہی چلاگیا۔پانی لانے والا اُسے بُرا بھلا کہنے میں مصروف ہوگیا۔اتنے میں چوتھی منزل سے زندگی و موت کے درمیان لٹکے شخص نے محسوس کیا جیسے اُس کے پاؤں کسی چیز کو چھو رہے ہوں ،اُس نے بمشکل دیکھا تو واپڈا کی 11 کیوی کرنٹ والی تار تھی ۔تار کافی موٹی اور مضبوط تھی اُس نے پانی لانے والے شخص سے پوچھا بھائی بجلی آرہی ہے کہ نہیں وہ فورا بولا نہیں یار 1 گھنٹے سے بند ہے اور گھنٹے بعد آنے کا امکان ہے۔لٹکے شخص نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح بجلی کی تار کو ہاتھ ڈال کر چند فٹ دور کھمبے تک پہنچا جائے تاکہ کھمبے کے ذریعے زمین تک کا سفر طے کرکے زندگی بچانے کی کوشش کی جاسکے ۔اللہ تعالیٰ کے بعد زرداری حکومت کی لوڈشیڈنگ نے بے بس انسان کی مدد کی

اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو کر باحفاظت نیچے اُتر آیا۔پانی لانے والے نے یہ سارا ماجرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بھاگتا ہوا نیچے اُترا اُسے پانی پیش کیا لیکن اُس نے پانی پینے سے انکار کرتے ہوئے شکریہ کہا اور اپنے راستے چل دیا۔قارئین محترم آپ جاننا چاہیں گے کہ چوتھی منزل کی چھت سے زندگی و موت کی کش مکش میں لٹکا وہ شخص کون تھا؟جی ہاں وہ پاکستانی ووٹر تھا۔جو پچھلے پانچ سالوں سے تاریخ کے مشکل ترین ،مضبوط لیکن بار بار پھسلتے ہوئے جمہوری دور کی چھت سے زندگی و موت کی کش مکش میں لٹکا رہا۔اب آپ یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ اُس کے لئے ٹھنڈا پانی لانے والا اور پیچھے سے اُسے بُرا بھلا کہنے والا کون تھا؟وہ دونوں ہی ووٹ کے اُمیدوار تھے ۔آپ جانتے ہیں کہ پاکستانی عوام کی مشکلات بے روزگاری ،بدامنی ،ناانصافی ،کرپشن ،صحت وتعلیم کی سہولیات کا فقدان ،بے ایمانی وغیرہ وغیرہ ہیں لیکن بد قسمتی سے سیاست دان آج جب کہ الیکشن کا دور دورہ ہے پھر بھی بے ایمانی اور کرپشن کا دامن چھوڑ کر پاکستانی عوام کے لئے بہتر روزگار کی فراہمی ،امن وامان کی بحالی اور قانون و انصاف کی حکمرانی کی بات کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنے کی سیاست کر رہے ہیں۔زندگی و موت کی کش مکش میں لٹکے ووٹر کی جان بچانے کی بجائے اگر کوئی ٹھنڈا پانی پلانے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا اُس پانی کو حرام قرار دے کر نکل جاتا ہے کوئی بھی اُس کی جان بچانے میں مخلص نظر نہیں آتا۔خبر دار ووٹرز اس بار الیکشن میں بے وقوف مت بننا کوئی ٹھنڈا پانی پلائے یا کھانا کھلائے یا کوئی اور لالچ دے ہر گز کسی لالچ میں مت

آنا۔ کیونکہ یہ دو چار دن کا کھانا پینا پانچ سال کا عذاب بن سکتا ہے ۔ جو پانی پلانے والے کو بے ایمان کہے اُس کی حقیقت بھی سمجھ جانا کیونکہ وہ دوسرے کو غلط کہہ کر خود کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے ۔ ووٹرز اپنی آنکھیں ،کان اور دماغ کی کھڑکیاں کھلیں رکھیں ہر گز کسی کے کہنے میں نہ آئیں ووٹ کا فیصلہ اپنے ضمیر کی آواز پر خوب سوچ سمجھ کر کریں، ووٹ دیتے وقت نہ صرف اُمیدوار بلکہ اُمیدوار کے پیچھے لیڈر کی اصلیت بھی دیکھیں۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ اس وقت کے مقبول لیڈرز میں سے اسلامی جمہوریہ پاکستان پر حکومت کرنے کا کوئی بھی اہل نہیں لیکن پھر بھی بدقسمتی سے ہمیں ان میں سے ہی کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے ۔اس لئے اپنے ووٹ کا حق نہایت سوچ سمجھ کر اور ضرور استعمال کریں تاکہ بہتر قیادت سامنے آسکے ۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلم لیگ ن اس وقت پاکستان کو درپیش مسائل کو بہتر انداز میں حل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے ۔اس لئے جہاں ہم پہلے کئی مرتبہ میاں نواز شریف کو آزما چکے ہیں وہاں ایک آخری موقع بھی میاں نواز شریف کو دینا چاہئے ۔ میاں نواز شریف اس وقت پاکستان کے سنجیدہ ترین سیاست دان ہیں ۔ عرصہ سے پاکستانی سیاست اور حکومت سے وابستگی کی وجہ سے بہت کچھ سیکھ چکے ہیں ۔ (عمران خان کے حامیوں سے معذرت کے ساتھ) جبکہ عمران خان میاں نواز شریف کے مقابلے میں بالکل نا تجربہ کار اور غیر سنجیدہ سیاست دان ہے یہ بات صرف میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ تحریک انصاف کے سینئر ترین لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے اور جہاں تک بات ہے آج کے

نوجوان کی تو مجھے نہیں لگتا کہ آج کا نوجوان بے وقوف ہے اس لئے میں اپنے ملک کے نوجوانوں کو کسی قسم کا کوئی مشورہ نہیں دوں گا وہ جسے بہتر سمجھیں ووٹ اور سپورٹ کریں ، مجھے تو اس بات کی بے انتہا خوشی ہے کہ آج میرے وطن کے نوجوان سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں جو کل تک سیاست کا نام سننا پسند نہیں کرتے تھے اُنہیں اپنے ملک اور قوم کے مستقبل کے بارے میں گہری سوچ رکھتے دیکھ میں یہ بات آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ اب وہ دن دور نہیں جب پاکستان دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہوگا۔اپنے وطن کے نوجوانوں سے صرف اتنی التجا کروں گا کہ خُدا کے لئے لکیر کے فقیر مت بننا ہر فیصلہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کرتے ہوئے کرنا اور آنکھیں بند کرکے پاکستان کا مستقبل داؤ پر مت لگانا نہیں تو آنے والے پانچ سال بھی ہمیں جمہوریت کی اُونچی چھت سے زندگی و موت کی کش مکش میں لٹک کر گزارنے پڑھیں گے ۔جہاں تک میری ذاتی رائے کا سوال ہے تو وہ غلط بھی ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنی رائے کسی پر مسلط نہیں کررہا لیکن اگر آپ کو بھی بہتر لگے تو اس بار نواز شریف کو موقع دیں ۔

خواب

نبی کریم کا فرمان عالی شان ہے کہ " جس نے مجھے خواب میں دیکھا دراصل اُس نے مجھے ہی دیکھا" اسی دیکھنے کو ہم زیارت کہتے ہیں ۔ہر مسلمان کے دل کی یہ خواہش ہے کہ اُسے خواب میں آقاء دو جہاں حضرت محمد کی زیارت نصیب ہو جائے ۔ خواب انسان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ،ہم اکثر مستقبل کی مثبت سوچوں کو خواب کا نام دیتے ہیں جیسا کہ میرا یہ خواب ہے کہ میرا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے کسی اچھے عہدے پر فائز ہو جائے ،یا جیسا آج کل سیاست دان خواب دیکھ رہے ہیں کہ وہ الیکشن جیت جائیں ۔ چاہے کوئی آزاد اُمیدوار یہ بات جانتا بھی ہے کہ اُسے تو اُس کے گھر والے ووٹ نہیں ڈالیں گے لیکن پھر بھی اُس کا خواب ہے کہ وہ الیکشن جیت جائے ۔ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہارنے کے لئے تو کوئی نہیں لڑتا دل میں یہی آس لئے اکھاڑے میں اُترنا چاہیے کہ ہم جیتیں گے ۔ خیر ہم بات کر رہے تھے خواب کے متعلق۔ خواب اصل میں ہیں کیا چیز ؟خواب اُس فلم کو کہتے ہیں جو انسان دوران نیند دیکھتا ہے ٹھیک اُسے طرح جس طرح ہم سینما سکرین کے پردے پر مختلف کرداروں کو مختلف قسم کے رول پلے کرتے دیکھتے ہیں فرق یہ ہے سینما سکرین پر ہونے والی اداکاری کو فلم کا نام دیا گیا ہے اور دوران نیند انسانی ذہن کے پردے پر ہونے والی اداکاری کو خواب کہا جاتا ہے ۔خواب کی حقیقت نئی نہیں ہے جب سے انسان روح زمین پر آباد ہے تب سے آج تک خواب انسان کے ساتھ ہیں ۔ خواب کے متعلق

مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہے۔ لیکن 100 فیصد درست کوئی ایک رائے بھی نہیں ہے۔ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ انسان جو دن بھر کرتا یا سوچتا ہے خواب اُنہیں خیالات اور سوچوں کی من گھڑت کہانی ہے۔ماہرین کی رائے ہے کہ خواب ہمارے ذہن کی دبی ہوئی اُمنگوں (خواہشات) کا عکس ہوتے ہیں۔اور ان سے کسی شخص کی ذہنی کیفیات اور عملی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر حضرات کا بھی خیال ہے کہ خواب کا جسمانی وذہنی صحت سے بہت گہرہ تعلق ہے۔یعنی اگر انسان ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل تندروست و توانہ ہے تو اُسے آنے والے خوابوں میں زیادہ تر مثبت اور خوش کن ہوں گے اور اگر ذہنی یا جسمانی کمزوری یا بیماری میں مبتلا ہے تو زیادہ تر خواب منفی اور ڈراؤ نے ہوں گے۔جب ہم کسی کام کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہیں تو اکثر ایک دوسرے کو محاورا تن بھی کہتے ہیں کہ خواب دیکھنے پر تو کوئی پابندی نہیں دیکھو، دیکھو جتنے مرضی دیکھو۔ماہرین نفسیات کی رائے کسی حد تک درست ہو سکتی ہے لیکن خواب کے بارے دین اسلام ہماری ماہرین سے زیادہ رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام میں خوابوں کی تعبیر اور سچ کر دیکھانے کا ذکر ملتا ہے۔ سورہ یوسف میں ارشاد ہوا "اسی طرح ہم نے یوسف کو اس ملک (مصر) میں سلطنت عطا فرمائی اور اس کو علم تعبیر سیکھایا" اگر خواب صرف جسمانی کیفیات کی وجہ سے پیدا ہونے والی پرچھائی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو علم تعبیر کیوں سیکھاتا؟ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم حضرت محمد کے خواب کے متعلق قرآن کریم میں کچھ اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ " اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیکھایا" یہاں اہمیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی نے آنے والے زمانے کا خواب

دیکھا جسے اللہ تعالیٰ نے وقت آنے پر پورا کر دیا۔ حضرت ابراہیم کو خواب میں یہ بشارت ہوئی کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو دونوں باپ بیٹا نے اس حکم الٰہی کی عملاً تعمیل کر ڈالی ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی قربانی قبول کرتے ہوئے قیامت تک طاقت رکھنے والے مسلمان پر قربانی فرض کر دی ۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کچھ اس طرح ارشاد فرمایا ہے "اے ابراہیم بے شک تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہے اور ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں" بات غور کرنے کی ہے کہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک ابراہیم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور کہیں فرماتا ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا" کہیں اللہ تعالیٰ کا نبی خواب دیکھ کر اپنے رب کے حکم پر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور کہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے خواب کو حقیقت میں بدل دیتا ہے ۔اس ساری صورت حال کو غور سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے سب اور سب کے خواب ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن کی اہمیت ایک جیسی ہوتی ہے

ایک جگہ سرکار دو عالم حضرت محمد نے ارشاد فرمایا کہ بُرا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے ،چناچہ ایسا خواب آنے کی صورت میں انسان کو چاہیے کہ جب آنکھ کھل جائے تو تین (3) مرتبہ بائیں تھتکار دے ،اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کرے اس طرح صاحب خواب بُرے خواب کی اذیت سے محفوظ رہے گا،مزید ارشاد فرمایا کہ آنکھ کھلنے پر کروٹ بدل لے تو ایسا خواب دوبارہ آنے کی اذیت سے محفوظ رہے گا۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو حاکم اور محکوم کے خواب کو ایک جیسی حیثیت حاصل نہ ہے

بالعموم بادشاہ کا خواب نسبتاً سچا ہوتا ہے اور نبیوں کے خواب بالکل سچے ہوا کرتے تھے۔ مفتی، قاضی، عالم، فقیر (گداگر نہیں) اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کے خواب بھی عام عوام سے درست تر ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں تحریک انصاف کے سربراہ عمران نے بھی ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ایک خواب کا ذکر کیا، اُن کہنا تھا کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ تحریک انصاف نے الیکشن میں پورے ملک سے کلین سوپ کرلیا ہے میں (عمران خان) پاکستان کا وزراعظم بن گیا ہوں" میرے خیال میں اگر عمران نے ایسا خواب دیکھا تھا تو سرعام بتانے کی ضرورت نہیں تھی، ہاں اگر یہ خواب دیکھتا کہ تحریک انصاف نے الیکشن کلین سوپ کرنے کے بعد ملک سے مہنگائی، دہشتگردی، بے روزگاری، بجلی و گیس کی لوڈشیڈنگ، ناانصافی، کرپشن، بھتہ خوری، اقرباء پروری، جھوٹ کی سیاست، بے حیائی، فرقہ واریت، پاکستان کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی دخل اندازی، صحت و تعلیم کے شعبوں سے سیاست کا خاتمہ اور دیگر مسائل کو جڑ سے ختم کرکے عام آدمی کو آئین و قانون کی نظر میں خاص اور امیر طبقے کے برابر کردیا ہے تو اپنا خواب خوشخبری سمجھ کر عوام کو سناتے لیکن یہ کہنا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ملک کا وزیراعظم بن گیا عمران خان سے معذرت کے ساتھ کہ ایسے خواب تو میرے سمیت پاکستان کا ہر شہری ہر روز سوتے جاگتے دیکھتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عمران خان کا خواب کس قدر سچا اور قابل تعبیر ہے کیونکہ میں اپنی عقل اور شعور کے مطابق سوچ سکتا ہوں، کسی کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہوں لیکن ہوسکتا ہے کہ میری سوچ اور رائے ناقص ہو، لیکن ایک بات حقیقت ہے کہ جس تبدیلی کی ضرورت پاکستان کو ہے وہ ابھی نہیں آئی، ہم یہ جانتے ہیں کہ سرمایہ

دار، جاگیر داراور کرپٹ لوگوں کو ووٹ دیناغلط ہے لیکن یہ غلط کام کرنے پر ہم مجبور ہیں ۔اگر عمران خان ایسے لوگوں کواپنی پارٹی میں شامل نہ کرتا، یاکم ازکم تحریک انصاف کی طرف سے ایسے لوگوں کوپارٹی ٹکٹ نہ دیئے جاتے توآج پاکستانی عوام کے پاس ایک ایسی جماعت ہوتی جسے ووٹ دیتے وقت ضمیر ملامت نہ کرتا۔لیکن بد قسمتی سے عمران کو بھی وہی لوگ ملے جو باقی سیاسی پارٹیوںکے پاس ہیں۔عمران خان کا یہ کہنا کہ کپتان ٹھیک ہوتوٹیم اچھا کھیلتی ہے۔ میرے نزدیک انتہائی غلط بات ہے ،اگر ایسا ہے توسیاسی نہ سہی لیکن ہاکی یا کرکٹ ٹیم میں تو مجھے بھی جگہ ملنی چاہئے ۔قارئین محترم ذرہ غور کریں اوراس بات کاخود فیصلہ کریں کہ کپتان اچھا لے کر باقی تمام کھلاڑی میری طرح کے بھرتی کرنے سے کیا ٹیم کوئی میچ جیت سکتی ہے ؟مثال کے طور پر جب1992ء میں عمران خان کی کپتانی میں پاکستان کرکٹ ورلڈکپ جیتا تھاکیا کپتان کے علاوہ ساری ٹیم نکّمی تھی ؟کیا انضمام الحق ،وسیم اختر،جاوید میاں داد، سیلم ملک،رمیض راجا سیمت سب کھلاڑی اسی طرح بھرتی کئے گئے تھے جس طرح کہ آج تحریک انصاف کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے ؟خان صاحب معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اگر آپ وقع ہی ملک و قوم کا بھلاچاہتے ہیں تو پھر وزیر اعظم بننے کے خواب کو ترک کرکے تحریک انصاف کے ساتھ انصاف کریں اور ایک ماہر اور مخلص ٹیم کے ساتھ میدان میں اُتریں کیونکہ کوئی بھی آکیلا شخص ملک کے نظام کو نہیں چلا سکتا بلکہ صاف ستھرے کردار کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی اعتماد میں لیاجانا ضروری ہے ،اگر عمران خان اپنے موجودہ ٹیم کے ساتھ نیاپاکستان بنانے یا کوئی مثبت تبدیلی لانے کی بات کررہے ہیں توایک بار پھر معذرت کے ساتھ کہ ایسے لوگ

تحریک انصاف سے زیادہ پیپلز پارٹی اور ن لیگ کے علاوہ بھی کئی پارٹیوں کے پاس ہیں، اگر اسی طرح تبدیلی آنی ہے تو پھر عمران خان کے خواب کی تعبیر ابھی بہت لیٹ ہے۔

ووٹ کون فروخت کرے گا؟

مسلمان کا اس حقیقت پر ایمان ہونا لازم ہے کہ تقدیر بنانا یا بدلنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے پھر بھی نجانے کیوں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام بڑے ، چھوٹے سیاسی لیڈر الیکشن جیتنے کے لئے یہ جھوٹ لگاتار بول رہے ہیں کہ جیت کر حلقے ، ملک اور عوام کی تقدیر بدل دیں گے ۔ کوئی کہتا ہے پاکستان بنایا تھا اب پاکستان بچائیں گے ، کوئی کہتا ہے نیا پاکستان بنائیں گے ۔ بندہ پوچھے پہلا پاکستان پُرانا ہوگیا ہے جو نیا پاکستان بنائیں گے ؟ جہاں تک بات ہے پاکستان بنانے کی تو میرا ایمان ہے کہ پاکستان بنانے میں برصغیر کے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کا ہاتھ ہے۔ ہمارے بڑوں کے اعمال اچھے تھے جو اُن کو ڈاکٹر علامہ اقبال اور محمد علی جناح جیسے رہنماء نصیب ہوئے ۔ آج ہم پر مسلط بے ضمیر اور کرپٹ حکمرانوں کی موجودگی یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ ہمارے اعمال درست نہیں رہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے والے سیاست دان کبھی ہمیں بے وقوف نہ بنا پاتے ۔ مسلمان ریاست کی جمہوری حکومت کا اصل زیور ہے کہ حاکم و محکوم کے حقوق برابر ہوں، محکوم کی طرح حاکم بھی ریاست کے کسی قانون سے بالاتر نہ ہو، حاکم ریاست کی آمدنی سے ضروریات زندگی سے زیادہ مال و دولت حاصل نہ کرے۔ حضرت

عمر فاروقؓ کا دور خلافت ہمارے لئے زندہ مثال ہے، حضرت عمرؓ نے حاکم ہونے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی بسر کی ۔اُن کے دور خلافت میں امن وامان ، عدل وانصاف سڑکوں اور روزگار کو خاص توجہ دی گئی تاکہ ریاست کے عوام کو ضروریات زندگی اور، پرامن ماحول میسر آسکے ۔لیکن ہمارے ہاں اُلٹا نظام چل رہاہے ہمارے حکمرانوں کے دماغ سے یہ باتیں نہیں نکل رہی کہ اگر عوام خوش حال ہوگئے تو ہم ووٹ کس بات کا وعدہ کرکے مانگیں گے ؟اگر عوام کو عدل وانصاف میسر آگیا تو پھر سیاست دانوں کی غلامی کون کرے گا؟اگر روزگار میسر آگیا تو ووٹ کون فروخت کرے گا؟اگر عوام کا پیٹ بھر گیا تو پھر کرپشن کرنا مشکل ہوگا،اگر عوام کو صحت و تعلیم کی بنیادی سہولتیں میسر آگئیں تو حکمرانوں کی کالی کرتوتیں چھپ نہ پائیں گی اور سب سے اہم بات کہ اگر عوام باشعور ہوگئے تو پھر جاہلوں کو حکمران کون بنائے گا؟اگر رشوت سفارش ختم ہوگئی تو عام آدمی کا پڑھا لکھا بچہ اچھے عہدے پر فائز ہوگیا تو وڈیروں اور جاگیرداروں کی ناک کٹ جائے گی ۔کتنی حیران کن بات ہے کہ جدید میڈیا کی موجودگی اور پل پل کی خبر ہونےکے باوجود سیاست دان عوام کو بے وقوف بنانے میں آج تک کامیاب ہیں جس کا ثبوت بڑے بڑے سیاسی جلسوں کی صورت آپ کے سامنے ہے۔اگر عوام اس نظام کو بدلنا چاہتے ہیں تو پھر کسی سیاست دان کے کسی جلسے میں سوائے اُس کے رشتہ داروں کے کوئی نظر نہ آتا لیکن آج کل سیاسی جلسوں میں عوام کی بھرمار ہے ۔جوں جوں الیکشن قریب آرہے ہیں توں توں دہشتگردی کے حملوں کے ساتھ ساتھ سیاست

دانوں کے ایک دوسرے پر خود کش حملوں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔دہشتگردی کی روک تھام کے ساتھ ساتھ امن وامان قائم کرنا تونگران حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن سیاست دانوں کے خود کش حملے کون روکے گا؟دودن پہلے پاکستان کے بزرگ سیاست دان چوہدری شجاعت نے بھی نواز شریف پر خود کش حملہ کیا،دہشتگردوں کے خودکش حملوں کا نقصان فوری طور پر سامنے آجاتا ہے لیکن چوہدری شجاعت سمیت تمام سیاسی خودکش حملوں کے نتائج 11 مئی کے بعد نکلیں گے۔چوہدری شجاعت کا کہنا ہے کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ میاں نواشریف ایٹمی دھماکوں، موٹروے اور دیگر منصوبوں کا کریڈٹ صرف اپنے آپ کو دے رہے ہیں جبکہ سارے منصوبے اُن کی مشاورت سے شروع کئے گئے تھے ،اُن کا کہنا ہے کہ نواز شریف کرپشن کا ماسٹر ہے اور شریف برادران نے اداروں کی سطح پر کرپشن کی بنیاد ڈالی ،یہ طریقہ اس لئے اپنایا کیونکہ اداروں میں کرپشن کو تلاش کرنا اور ثبوت ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔بات یہاں ختم نہیں بلکہ شروع ہوتی ہے چوہدری شجاعت جو کہ اُستادوں کے اُستاد ہیں نے کرپشن کا مکمل طریقہ بھی بتایا کہ مخصوص اشیاء پر پابندی اور کچھ مخصوص اشیاء پر ڈیوٹی لگانا بدعنوانی ہے"بندہ ناچیز ماضی میں بزرگ وار سیاست دان چوہدری شجاعت حسین کے منہ سے یہ بات بھی سن چکاہے کہ نواز شریف اُن کے شاگرد ہیں۔شجاعت صاحب میں بھی پاکستانی شہری ہوں اوراس حیثیت سے جناب سے کچھ سوالات کرنے کی جسارت کررہاہوں اُمید ہے جناب کوبُرانہیں لگے گا۔سب سے پہلا سوال کہ اگر میاں نوازشریف کرپشن کا ماسٹر

یعنی بے تاج بادشاہ ہے تو آپ نے ایسے شخص کو 2 بار ملک کا وزیراعظم کیوں بنایا ؟اگر نواز شریف نے سیاست آپ سے سیکھی ہے تو پھر اُنھوں نے کرپشن کے گُر کہاں سے سیکھے ؟ (شائد آپ سے ہی)اگر نواز شریف کرپشن کا ماسٹر تھا تو یہ بات آپ نے قوم کو پہلے کیوں نہیں بتائی ؟موٹروے اور ایٹمی دھماکوں سمیت ماضی کے تمام مثبت منصوبے نواز شریف نے آپ کی مشاورت سے شروع کئے تھے تو کرپشن کے معاملات میں نواز شریف کا مشیر کون تھا ؟گزشتہ دو ادوار نواز شریف کے ساتھ پھر فوجی آمر پرویز مشرف کی چھتر چھایا میں 9 سال اور اب زرداری حکومت میں اقتدار کے مزے لوٹنے والے چوہدری شجاعت جو تقریباہر دور میں حکومت میں شامل رہے،آج عمران خان کی مقبولیت کو دیکھ کراُس کی جھولی میں بیٹھنے کی کوشش کر رہے ہیں ،چوہدری شجاعت کا یہ کہنا کہ تحریک انصاف سب کو ہرا دے گی ،اُن کی ذاتی رائے ہے لیکن حالات کچھ مختلف نظر آتے ہیں ۔چوہدری صاحب نے ہمیشہ بند کمرے اور مک مکا کی سیاست کی ہے اس بار عوام کا موڈ صاف صاف بتا رہا ہے مسلم لیگ ن ہی ملک کی سنجیدہ ترین سیاسی جماعت ہے اور اُس پر نواز شریف کا محتاط اور بااخلاق لہجہ یہ بات ثابت کر رہا ہے مسلم لیگ ن سلجھے ہوئے لوگوں کی جماعت ہے ۔عمران خان کے ساتھ وہی بچے نظر آتے ہیں جو ابھی تک ماں باپ سے خرچہ لیتے ہیں ،جن کے سر پر ابھی کوئی ذمہ داری نہ ہے ۔عمران خان نے تحریک انصاف کا منشور پیش کرتے وقت کہا تھا کہ ہم ایم این اے اور ایم پی اے ز حضرات کو کسی قسم کا کوئی فنڈ جاری نہیں کریں گے کیونکہ گلیاں اور گٹر بنانا

اُن کاکام نہیں ۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ تحریک انصاف کا ہر اُمیدوار اس بناپر ووٹ مانگ رہا ہے کہ الیکشن جیت کر وہ گلیاں ،گٹر،نالیاں ،بجلی اور سوئی گیس کے میٹر اور لائین ڈلوائیں گے ۔اب عمران خان یہ بتائیں کہ کیا تحریک انصاف کے منشور کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے ؟پھر بھی مجھے قوی یقین ہے کہ اگر تحریک انصاف کو کامیابی ملتی بھی ہے تو چوہدری شجاعت یا میرے جیسے لالچی لوگوں کوکچھ نہیں ملے گا،کیونکہ بقول چوہدری شجاعت عمران خان محب وطن اور ایماندار آدمی ہے ۔ایماندار عمران خان کرپشن ماسٹر نوازشریف ،فوجی آمرپرویزمشرف اور زرداری کے ساتھ مل کر کرپشن کرنے والے چوہدری شجاعت کو کس طرح اپنے ساتھ ملالے گا؟اگر آپ کو مثبت منصوبوں کے کریڈٹ میں حصہ درکار ہے تو پھر اُس دور میں ہونے والی بدعنوانیوں میں آپ کا حصہ کیوں نہیں بنتا ؟چلو مٹی پاؤ ان سارے سوالات پر یہ بتاؤ کہ اب عمران خان کی تعریف کرنے کا کیا مطلب ہے ؟کیا صرف نوازشریف کی مخالفت کی وجہ سے عمران پیارا لگنے لگاہے یا عمران خان نواز شریف سے بھی بڑا کرپشن ماسٹر ہے ؟اختلافات اپنی جگہ لیکن عمران بھی باقی قیادت کی طرح پاکستان کا سرمایہ ہیں ،میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عمران خان جلد صحت یاب ہوکر عوام کے درمیان موجود ہوں ۔اللہ تعالیٰ میرے ملک کے تمام سیاسی و مذہبی قائدین اور عوام کی حفاظت فرمائے (آمین)

لاہور، میاں شہباز شریف کامیاب ہو جائیں گے NA129

پہلے تو میں اپنے ہم وطنوں سے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ ووٹ ہر حال میں کاسٹ کریں اور کسی صورت ووٹ کو ضائع نہ ہونے دیں ۔ذات ۔برادری اور چھوٹے موٹے ذاتی مفادات کی بجائے ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ووٹ کاسٹ کریں ،آپ کا ووٹ بہت اہم ہے لہٰذا اُسے صرف اور صرف ملک کی بہتری کے لئے استعمال کریں ۔آج آپ جسے اپنے ووٹ کی طاقت سے حکمران منتخب کریں گئے وہ آئندہ پانچ سال پاکستان کا حکمران رہے ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے حق میں بہتر فیصلہ فرما کر ہمیں اچھے حکمران عطا فرمائے (آمین)اب میں آپ کو اپنے آبائی حلقے NA129 کی تازہ صورتحال بتاتا ہوں ،یہ حلقہ اس لئے زیادہ اہمت اختیار کر گیا ہے کیونکہ مسلم لیگ ن کے قائد اور سابق وزیراعلیٰ پنجاب اس حلقے سے خود اُمیدوار ہیں ۔کچھ دن پہلے تک تو NA129 میں ن لیگ کے اُمیدوار میاں شہباز شریف اور تحریک انصاف کے اُمیدوار محمد منشاء سندھو کے درمیان سخت مقابلے کی توقع کی جارہی تھی لیکن تازہ صورتحال یہ ہے میاں شہباز شریف کی پر کشش شخصیت نے ووٹرز کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور ن لیگی رہنماء رانا مبشر اقبال ،میاں سلمان شہباز ، طلحہ برکی ، سردار عادمل عمر ،رانا خالد قادری ، محمد نواز ، میاں مقصود عالم ،راؤ شحاب الدین ،شاہد شبیر میؤ ،ملک فاروق کھوکھر ،اختر بادشاہ ،بابائے لیبر ونگ ایم لطیف ارلرحمان

پیرزادہ جنرل سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ (ن) لیبر ونگ لاہور، رانا شہباز احمد خاں، راؤ ناصر علی خاں، آس محمد مئیو، ماسٹر شمس الدین اور دیگر نے دن رات انتھک محنت اور مثبت انداز میں میاں شہباز شریف کی انتخابی مہم چلا کر صورتحال کو یکسر بدل کے رکھ دیا ہے، نئی صورتحال یہ ہے کہ ہر طرف شیر ہی شیر نظر آرہا ہے حلقے کے کسی ایک گاؤں میں بھی میاں شہباز شریف کی پوزیشن کمزر نظر نہیں آتی۔ ماضی میں حلقہ NA129 کے عوام ترقیاتی کام نہ ہونے کی وجہ سے بے پناہ مسائل کا شکار ہیں، ہر جگہ گندگی کے ڈھیر، سوریج اور سڑکوں کا نظام درہم برہم ہے، پینے کا صاف پانی میسر نہ ہے کوئی پارک یا تفریح گاہ دوردور تک نہ ہے، صحت و تعلیم کا نظام موجود تو ہے لیکن اُس کی بے شمار خامیاں کسی نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی ایسے حالات میں میاں شہباز شریف کا اس حلقے سے اُمیدوار ہونا اور اُن کا وعدہ کہ وہ حلقے کے ترقیاتی کام بغیر کسی تاخیر اور سفارش کے کریں گے ن لیگ کی کامیابی کی وجہ بنے گا وہ اس لئے کہ پورے پاکستان کے عوام یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ میاں شہباز شریف ترقیاتی کام کروانے میں ملک بھر کے سیاست دانوں سے آگے ہیں اور اس میدان میں اُن کا کوئی ثانی نہیں تحریک انصاف کے محمد منشاء سندھو نے بھرپور مزاحمت کی کوشش کی لیکن صورتحال اُن کے بس سے باہر نظر آتی ہے۔ منشاء سندھو ووٹ تو ضرور حاصل کریں گے لیکن اتنے نہیں کہ اُن کو میاں شہباز شریف کا سخت حریف کہا جاسکے، عمران خان نے جس تبدیلی کی بات کی تھی وہ ابھی اس حلقے میں نظر نہیں

آتی نوجوانوں کی بہت تھوڑی تعداد تحریک انصاف کو ووٹ اور سپورٹ کرتی دیکھائی دے رہی ہے جبکہ اکثریت اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ن لیگ کے اُمیدوار کو بھرپور سپورٹ اور ووٹ کرے گی۔نوجوان رمضان گجر، شرافت علی، مہر محسن شہباز ہمایوں اور ملک طارق کا کہنا ہے عمران خان نجانے کس تبدیلی کی بات کرتا ہے، ؟اگر جلسوں، جلوسوں اور تقریروں سے تبدیلی آنی ہوتی تو کب کی آچکی ہوتی۔عمران خان نے بھی اقتدار کی سیاست کی ہے اور دوسروں کی طرح ادھر اُدھر سے امیر ترین لوٹے جمع کرکے کرسی اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کررہے ہیں۔ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دیہاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے حلقہ یں تحریک انصاف کا ووٹ بینک بہت کم ہے اور ماضی یں محمد منشاء سندھو کو عوام تین بار ایم پی اے منتخب کرکے آزما بھی چکے جس کی وجہ سے لوگوں کا کہنا ہے کہ پارٹی نئی لیکن اُمیدوار تو پرانا ہی ہے۔صرف ایک، بات محمد منشاء سندھو کے حق میں جاتی ہے کہ میاں شہباز شریف سے عوام کا ملنا بہت ہی مشکل ہے اور منشاء سندھو سے آسان اس لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے جس سے ہم مل ہی نہیں سکتے وہ ہمارے مسائل کس طرح حل کرے گا؟اس حلقہ سے منتخب ہونے والے پیپلز پارٹی کے سابق ایم این اے طارق شبیر بھی زور شور سے اپنی انتخابی مہم چلا رہے ہیں لیکن عوام اس بار پیپلز پارٹی سے سخت ناراض نظر آتے ہیں اس لئے توقع کی جارہی ہے کہ ن لیگ کے میاں محمد شہباز شریف واضع اکثریت سے کامیاب ہوجائیں گے تحریک انصاف کے منشاء سندھو کو دوسرے اور پیپلز پارٹی کے طارق شبیر کو،

159 دونوں سے ن لیگ کے 129PP اور NA تیسرے نمبر پر خیال کیا جارہا ہے ۔ حلقہ
اُمیدوار میاں شہباز شریف کی بھاری اکثریت سے کامیابی کے امکانات بہت روشن
دیکھائی دیتے ہیں اور کہیں کہیں میاں شہباز شریف کے مخالف اُمیدوار بھی اپنی ہار کو
تسلیم کرتے محسوس ہوتے ہیں ۔اب تک کے حالات واقعات کے مطابق تو میاں شہباز
159 سے جیت چکے ہیں لیکن ابھی الیکشن ہونے میں ایک 129PP اور NA شریف حلقہ
رات باقی ہے ۔ان حلقوں کا ماضی بتاتا ہے کہ یہاں آخری رات میں وفاریاں فروخت
۔ اور تبدل ہو جایا کرتی ہیں

جمہوریت کا تسلسل مبارک

پوری قوم کو راقم کی طرف سے جمہوریت کا تسلسل مبارک ہو،الیکشن 2013ء عوام نے اپنے ووٹ کی طاقت اور قومی امانت ایک بار پھر میاں نواز شریف ، پیپلزپارٹی اور عمران خان کے حوالے کردی ہے۔سابق وزیراعظم سمیت بہت سے دیگر سینئر سیاست دانوں کو ناپسند کرکے عوام نے اُن سے اپنی نفرت کا اظہار بھی کردیا اور اپنے باشعور ہونے کا ثبوت بھی دے دیاہے۔احسن اقبال کے مقابلے میں ابرارالحق کی شکست نے ثابت کردیا ہے کہ عوام سنجیدہ اور مستقل مزاج سیاست دانوں کو پسند کرتے ہیں۔اگر بات ہو مستقل مزاجی کی اور صدر آصف علی زرداری کا نام نہ لیا جائے تو انتہائی زیادتی ہوگی۔میں سمجھتا ہوں کہ صدر آصف علی زرداری اور میاں محمد نواز شریف کی مستقل مزاجی ہی گزشتہ پانچ سالوں سے جمہوریت کے تسلسل کی وجہ ہے۔صدر زرداری اور میاں نواز شریف کی مستقل مزاجی اور فراغ دلی کی نظر ایک شعر کرتا چلوں

سمندروں سے بھی گہرا دل رکھتے ہیں جو شاکر
دریاؤں کے سامنے سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پیپلزپارٹی کا گزشتہ پانچ سالہ دوراقتدار عوام

کو غربت و افلاس کے ساتھ ساتھ غیر ملکی قرضوں میں اضافوں کے تحفوں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے مسائل دے گیا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جس وقت پاکستان پیپلز پارٹی کو حکومت ملی ملک دہشتگردی کی شدید لپیٹ میں تھا اور حکومت چاروں طرف سے دباؤ کا شکار تھی ۔لوگ کہتے تھے کہ یہ حکومت دو سے تین مہینے.بڑی مشکل سے نکالے گی ۔خاص طور پر شیخ رشید فرمایا کرتا تھا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت ابھی گئی کہ ابھی گئی لیکن بہت زیادہ اختلافات رکھنے کے باوجود میں آج داد دینا چاہتا ہوں پیپلز پارٹی کے شریک چیرمین اور صدر پاکستان آصف علی زرداری کو جنہوں نے پانچ سال تک بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے تقریبا تمام سیاسی پارٹیوں کو اعتماد میں لے کر پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جمہوری حکومت کی آئینی مدت پانچ سال)پوری کرکے یہ اعزاز حاصل کرلیا ہے کہ صدر زرداری کی قیادت میں (
پاکستان پیپلز پارٹی وہ واحد جماعت ہے جس نے پاکستان کی جمہوری حکومت کے آئینی پانچ سال پورے کیے ہیں ۔الیکشن 2013ء کا انعقاد جو حکومت کے لئے بہت بڑا چیلنج تھا صدر زرداری پُر امن اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد کروا کر اس بڑے چیلنج میں بھی، کامیاب رہے ۔بہت سی غلطیاں کرنے کے باوجود پیپلز پارٹی کی حکومت جمہوریت کو پٹڑی پر رکھنے میں کامیاب رہی ۔بے شک آج ہمیں جمہوریت کے تسلسل کے فوائد بہت کم نظر آرہے ہیں لیکن اگر اگلے پانچ سال بھی جمہوری حکومت کامیابی کے ساتھ پورے کرتی ہے تو جمہوریت کے تسلسل کے مثبت اور دیرپا فوائد

حاصل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دور اقتدار میں جمہوریت کو برقرار رکھنے میں صدر زرداری کے ساتھ ساتھ میاں محمد نواز شریف اور ق لیگ کی قیادت کا بھی بڑا ہاتھ رہا۔ خیر جو ہوا اچھا ہوا اب بات کرتے ہیں مسلم لیگ ن کی جو الیکشن 2013ء میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر پاکستان کی سب سے بڑی جماعت کے طور پر سامنے آچکی ہے، اب مسلم لیگ کی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ جلد از جلد ملک سے بے روزگاری، بجلی و گیس کی لوڈشیڈنگ اور دہشتگردی کو ختم کرکے عوام کو باعزت روزگار، سستا انصاف، صحت و تعلیم کی بنیادی سہولیات کو فراہم کرے ۔بڑھتی ہوئی مہنگائی، دہشتگردی اور دیگر مسائل سے عوام کی جان چھوڑا کرپُرامن اور پُرسکون زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان مسلم لیگ ن کو عوام نے اس لئے ووٹ دیئے ہیں کہ جب ماضی میں میاں نواز شریف وزیراعظم اور میاں شہباز شریف وزیراعلیٰ پنجاب تھے اُس وقت روزگار کی کمی نہ تھی اور مزدور خوشحال تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں کی اکثریت کی رائے ہے کہ میاں برادران ملک میں پھیلی بے روزگاری کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میاں شہباز شریف نے میٹروبس منصوبہ سالوں کی بجائے مہینوں میں مکمل کروا کر عوام کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ اگر ایک شخص میٹروبس سروس منصوبہ سالوں کی بجائے مہینوں میں مکمل کرسکتا ہے تو پھر وہ بجلی کے بحران کو بھی جلد ختم کرسکتا ہے۔ عوامی پسندیدگی نے ماضی میں میاں شہباز شریف کے منصوبوں پر سخت تنقید کرنے والوں

کو بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور کردیا ہے کہ میاں شہباز شریف کے تمام منصوبوں سے عوام کو فوائد حاصل ہوئے یا ہوں گے۔پاکستانی عوام نے مسلم لیگ ن کو اکثریت دے کر میاں برادران کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھنا شروع کردیا ہے۔میاں برادران کو یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اس بار ماضی کے مقابلہ میں عوام نے اُن سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کررکھی ہیں۔شہروں کے مقابلہ میں مسلم لیگ ن کی اکثریت دیہی علاقوں میں زیادہ دیکھنے میں آئی ہے اس لئے میاں شہباز شریف کو اس بار مین سڑکوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی گلیوں اور محلوں کے چھوٹے چھوٹے مسائل پر بھی توجہ دیناپڑے گی۔حلقہ پی پی 159 سے میاں محمد شہباز شریف نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی ہے یہ حلقہ زیادہ دیہی علاقوں پر مشتمل ہے،یہاں کے عوام نے اپنے ذاتی تعلقات اور رشتہ داری کے ساتھ ساتھ غربت کے باوجود ووٹ کے بدلے ملنے والی رقم کو ٹھوکر مار کر ن لیگ کے اُمیدوار کو منتخب کیاہے،اور اُس سے بڑھ کر یہ کہ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے ملنے والی رقم کو بھی نظر انداز کرکے ایک بار پھر باشعور ہونے کا ثبوت دیا ہے۔عوام نے تو اپنا فرض ادا کردیا ہے لیکن اگراس بار مسلم لیگ ن کی حکومت عوام کے مسائل حل نہ کر سکی تو پاکستان تحریک انصاف کی مقبولیت بتا رہی ہے کہ آئندہ الیکشن میں ن لیگ کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔دوسری طرف عمران خان کو ملنے والی عوامی مقبولیت اُن کا اپنا بھی امتحان لے گی اگر وہ عوامی توقعات پر پورا نہ اُترے تو وہ بھی آوٹ ہو سکتے ہیں۔

آخر میں اپنی اور اپنے قارئین کی طرف سے مسلم لیگ ن کو الیکشن جیتنے پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ کرے آنے والا دور پاکستان کے عوام کے زخموں پر مرہم کا کام کرے اور چاروں طرف امن بھائی چارے کی فضا قائم ہو۔اے اللہ میرے وطن عزیز کو اندرونی و بیرونی دشمنوں کے شر سے محفوظ فرما، صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنا (آمین)۔

میاں نواز شریف کے نام

مسلمانوں کے لئے بڑے ہی فخر کی بات ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کو دنیا کا ہر مذہب اور فرقہ بہترین اور بے مثال مانتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا، دوسرے شعبوں کی طرح بیت المال کو بھی وسعت دی تمام صوبوں اور مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کئے اور ان کے لئے وسیع عمارتیں بنوا کر نہایت لائق اور ایماندار افسر تعینات کئے۔ دارالخلافہ کے افسر حضرت عبداللہؓ بن ارقم، کوفہ کے حضرت عبداللہؓ بن مسعود، اور اصفہان کے حضرت خالدؓ بن حارث مقرر ہوئے ۔دارالخلافہ کے بیت المال کی عمارت بہت وسیع اور شاندار بنوائی۔بیت المال کے آمد و خرچ کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہر صوبے کی آمدنی بیت المال میں آتی اور وہاں کی حکومت کے اخراجات پورے کرنے کے بعد جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی۔ حضرت عمرؓ قومی خزانہ (یعنی قوم کی امانت) کی حفاظت کا خاص اہتمام کرتے تھے یہاں تک کہ ایک بار آپؓ بیمار ہوئے تو حکیم نے شہد تجویز کیا، آپؓ مسجد نبوی میں آئے اور عام لوگوں سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں؟ چنانچہ اجازت ملنے پر بیت المال سے شہد لیا۔ بد قسمتی سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو آج تک کوئی ایسا حکمران نہیں ملا جس نے

حضرت عمرؓ کے دور خلافت کو کاپی کرنے کی کوشش کی ہو۔جو آیا اُس نے قومی خزانہ تو لوٹا ہی لوٹا بیرونی ممالک سے قرضے لے کر قوم کو اُلٹا مقروض بھی کر دیا۔ماضی میں پاکستانی قوم کو جس قدر بے رحمی سے لوٹا گیا اُس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے لیکن آج میں ماضی کا رونا رونے کی بجائے مستقبل کی بات کرنا چاہتا ہوں ،قوم ابھی ابھی الیکشن 2013ء کے مرحلے سے نکلی ہے جس میں قوم نے ایک بار پھر میاں نواز شریف پر بھر پور اعتماد کا اظہار کیا ہے۔یہ بات سچ ہے کہ قوم میاں نواز شریف کو پہلے بھی کئی بار آزماء چکی ہے۔گزشتہ ادوار میں میاں نواز شریف کی کارکردگی اتنی خاص نہیں تھی جتنا عوام نے مینڈیٹ دیا ہے۔ عوامی مینڈیٹ کا احترام کرتے ہوئے میاں نواز شریف کو الیکشن جیتنے پر اس اُمید کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ وہ عوامی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش اور قوم کی خدمت ایمانداری اور خلوص دل سے کریں گے۔میاں صاحب عوام نے آپ کو پانچ سال کا مینڈیٹ دیا ہے۔یوں تو پانچ سال کا عرصہ بہت لمبا ہوتا ہے لیکن زندگی بڑی تیزی سے گزر رہی اور وقت کبھی رکتا ہے اور نہ ہی صدا ایک جیسا رہتا ہے آج وقت نے میاں نواز شریف کو موقع دیا ہے کہ وہ پاکستانی عوام کی خدمت کرکے نہ صرف عوام کے دلوں میں اپنا مضبوط گھر بنالیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے جنت میں بھی عالی شان محل تعمیر کرلیں ۔میاں صاحب پانچ سالوں میں آپ کو صرف اچھی حکومت ہی قائم نہیں کرنی بلکہ بردباری کے ساتھ اپنی ذات پر ہونے والی جائز ناجائز تنقید بھی کھلے دل سے برداشت

کرنا ہے۔ حکمران محکوموں کی ماں ہوتے ہیں ، میاں صاحب عوام آپ کی طرف بھوکے ننگے اور بیمار بچوں کی طرح اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں ، بھوک اتنی تیز ہے کہ، اگر آپ نے کھانے کا انتظام کرنے میں دیر کی تو آپ کے بچوں کو بھوک کھا جائے گی ۔بیماری اتنی پرانی اور جان لیوا ہے کہ علاج میں دیر ہونے پر جان بچنا مشکل ہے ، بھوک اور بیماری کا علاج ہو جائے کپڑے خریدنے کے لئے مناسب روزگار کا انتظام ہو جائے جو کہ عوام کا حق ہے تو آپ کے بچے آپ کو ہزاروں دعائیں دیں گے۔ اگر آپ عوام کو اپنے بیٹے حسن نواز یا بیٹی مریم نواز کی جگہ سوچیں گے تو بہت جلد سمجھ آ جائے گی کہ آپ کے بچے کس کس چیز کے لئے ترس رہے ہیں۔ میاں صاحب کیا آپ برداشت کریں گے کہ آپ کے پوتے پڑھنے کی معصوم عمر میں کسی ہوٹل یا ورکشاپ پر مزدوری کریں ؟اگر نہیں تو اپنے اُن بچوں اور اُن کے بچوں کے لئے بھی صحت و تعلیم کا بہتر انتظام کر کے اپنا فرض ادا کریں جو آپ کی طرف حسرت اور اعتماد بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ کسی کے دباؤ میں نہ آئیں بڑے اور مضبوط فیصلے کریں قوم آپ کے ساتھ ہے۔ جمہوری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے راقم بھی اپنے قلم کے ذریعے ہر ممکن ن لیگ کی حکومت کی حوصلہ افزائی کرے گا لیکن خوشامد ہم سے نہیں ہوتی جہاں ضرورت پڑی اصلاحی تنقید بھی کرنا ہو گی ۔خوشامدیوں کی ویسے بھی آج کل کمی نہیں ہے بہت مل جائیں گے میاں صاحب کو ،جو لوگ کل تک انتہائی مخالفت کر رہے تھے آج وہی قصیدے کہنے میں مصروف عمل ہیں ۔خیر جو کرے گا سو بھرے گا ہمیں کیا؟ میاں صاحب اللہ تعالیٰ

نے آپ کو عزت ، شہرت اور بادشاہت دی ہے ، عزت اور شہرت کا کردار آپ کی ذات تک محدود ہے لیکن ایک مسلم ریاست کی خلافت بہت بڑی ذمہ داری ہے جسے آپ کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ عوام نے آپ پر یہ سوچ کر اعتبار کیا ہے کہ آپ مزدور کے لئے بہتر اور باعزت روزگار کا انتظام کریں گے ۔میاں صاحب آپ جانتے ہیں کہ اس بار آپ کو ملنے والے ووٹوں میں زیادہ تعداد مزدوروں کے ووٹ کی ہے ۔مزدور کی حالت شاید آپ کو معلوم نہ ہو اس لئے میں بتائے دیتا ہوں ،اس وقت روزگار ختم ہونے کے بعد غریب مزدوروں کی بیویاں بچے اور والدین سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہیں ،دو سے تین سال کی عمر کے بچے جو سکول جانے کے لائق بھی نہیں ہوٹلوں اور ورکشاپوں پر مزدوری کرتے ہیں ،دو وقت کا کھانا دستیاب نہیں ، تن پر پورے کپڑے نہیں ، مختصر کہ غریب لوگ کیڑے مکوڑوں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ۔بے نظیر انکم سپورٹ پرگرام کے تحت ملنے والی رقم ٹھکرا کر پیپلز پارٹی کی بجائے ن لیگ کو ووٹ دینے کا مطلب کہ عوام بھیک نہیں اپنا حق چاہتے ہیں۔اُمید ہے کہ میاں نواز شریف حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے قوانین کو کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے ۔ قارئین محترم آج میں نے میاں نواز شریف کے نام عام سے عام آدمی کے مسائل اور خیالات لکھنے کی کوشش کی ہے جو میں یقینا پوری طرح بیان نہیں کر سکا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو عدل وانصاف کرنے کی توفیق وطاقت عطا ہو (آمین

ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔شعور و عقل کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانا ہوں گیں ۔سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکتے ہوئے اپنی اصلاح کرنا ہوگی کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت انسان اپنے آپ کو زیادہ قریب سے جانتا ہے اس لیے اگر ہم خود اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تو کامیابی کے امکان بہت زیادہ ہونگے ۔زاویہ نگاہ بدلنے سے منظر بدل جایا کرتے ہیں۔اسی طرح طرز فکر میں مثبت تبدیلی سے زندگیاں بدل جایا کرتیں ہیں ۔شعور انسانی جیسے جیسے بیداری کی منازل طے کرتا ہے ''زندگی کی راہیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں ۔مثبت طرز فکر ہمیشہ امن وترقی کی راہیں کھولتا ہے۔جولوگ مسائل میں الجھے بغیر دستیاب وسائل کا بہتر طریقے سے استعمال سیکھ لیتے ہیں زندگی کی راہیں ان کے لیے آسان ہوجایا کرتی ہیں ۔اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہر شے کچھ بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے ۔انسان چاہے کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو۔کوئی سی بھی زبان بولتا ہو۔وہ معاشرے کااہم حصہ ہوتا ہے ۔انسانی اکائیوں کے مجموعہ کو معاشرہ کہتے ہیں ۔انسانی معاشرہ کو بھی کچھ ایسے اجزاء کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے ۔جس میں اگر تمام اجزاء اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو معاشرے کی گاڑی.بڑی کامیابی سے بہتری کے سفر میں رواں دواں رہ سکتی ہے اور کامیابی کی

بہت سی منزلیں باآسانی طے کرنے میں کامیاب بھی ہو سکتی ہے۔آج پاکستان میں بے پناہ قدرتی وسائل دستیاب ہونے کے باوجود پاکستانی عوام فاقہ کشی پر مجبور ہے ۔وسائل سے مالامال پاکستان میں 80 فیصد سے زیادہ لوگ انتہائی غربت کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں ۔ایسا کیوں ہے ؟کیا ہم نے آزادی کے 65برس گزار کر بھی اپنے وسائل کو صحیح طرح سے استعمال کرنا نہیں سیکھا ؟کیا پاکستانی عوام آج بھی با شعور نہیں ہیں ؟کیا ہمیں آج اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت طرز فکر اپنانے کی ضرورت نہیں ہے ؟کیا ہم دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کی بجائے اپنا اپنا کام بہتر طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتے ؟میرے عزیز ہم وطنوں ایسے اور بھی بہت سے سوالات ہیں ۔جو ہمیں خود سے کرنے ہیں نہ کہ کسی دوسرے سے ۔مثال کے طور پر ملک میں غربت میں کمی کیسے ہوگی ؟اس سوال سے ہماری قومی ترقی جڑی ہوئی ہے ۔اس لیے یہ سوال بڑی زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔ قوموں کے خوش حال مستقبل کا بچت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ سمجھدار لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر کچھ نہ کچھ وسائل زندگی میں آنے والے برے وقتوں کے لیے جمع رکھتے ہیں ۔تاکہ مشکل وقت میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے ۔ غریبوں کے لیے مکان خریدنا ''کسی بیماری کی صورت میں علاج معالج یا بچوں کی شادیاں کرنا دنیا کے مشکل ترین کام ہیں ۔اس لیے غریب لوگ بچوں کے پیدا ہوتے ہی بچوں کے بہتر مستقبل تعلیم وتربیت کے لیے بچت کرنا شروع کردیتے ہیں ۔اگر دیکھا جائے تو یہ بھی''

ایک مثبت طرز فکر ہے۔اگر ہم بحیثیت قوم ایمان داری اور بچت کو اپنا شعار بناتے اور مثبت طرز فکر اپناتے تو یقیناآج ہمیں ، کمرتوڑ مہنگائی "بدترین کرپشن ، آسمان کو چھوتی ہوئی بدامنی معاشرے میں بڑھتی ہوئی ناانصافی،اقرباء پروری ، 'تیزرفتاری سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اورلوڈشیڈنگ کے دردناک عذاب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی مشکلات کا سامنانہ کرناپڑتا۔اگرپاکستانی معاشرے کے تمام اجزاء اپنا اپناکام صحیح طریقے سے کرتے توآج ہم بھی دنیامیں ایک مہذب اور باوقار قوم کی حیثیت سے سراٹھاکرزندگی گزار رہے ہوتے۔لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکااورآج ملک میں فیکٹریاں اورکارخانوں کا پہیہ جام ہوچکا ہے۔بے روزگاری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ غریب کا چولہا ٹھنڈا ہوچکا ہے۔بے بسی کے عالم میں بے روزگاری اور تنگ دستی سے مجبور لوگ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں۔اور اپنے ہی معصوم بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو موت کے سپرد کررہے ہیں ۔قارائین محترم ہمیں اپنے آپکو بدلنا ہوگاجب تک ہم اپنا اپناکام ایمانداری سے نہیں کریں گے ہماری حالت نہیں بدلے گی۔بچت کو اپنی روز مرہ کی عادت بنانا ہوگا،سادگی کو اپنی زندگیوں اہمیت دینا ہوگی،سب سے زیادہ اہم بات کہ ہمیں ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔حکمران اکیلا کچھ نہیں کرسکتا جب تک قوم اپنی حالت پر ترس نہیں کھاتی تب حالات بہتر نہیں ہونے والے۔الیکشن ہوچکے اب عوام اپنا کام کریں اور حکمران اپناکام کریں ملک میں چاروں طرف پریشانی کا عالم

ہے لیکن ہم روزانہ لاکھوں روپے کی مٹھاں اور دیگر سامان جیت کے جشنوں میں اُرا رہے ہیں، خوش ہونا جشن منانا بھی ہمارا حق ہے لیکن ابھی جشن منانے کا نہیں بچت کرنے کا وقت ہے۔ مسائل کو حل کرنے کے لئے گہرے سوچ وچار کا وقت ہے۔

تبادلہ خیال

ٹھہراؤ ،پڑاؤ زندگی کا حصہ ہیں لیکن زندگی چلنے اور مسلسل چلتے رہنے کا نام ہے۔زندگی میں انسان کو بہت سی خوشیوں،کامیابیوں،کامرانیوں اور آسانیوں کے ساتھ ساتھ آزمائشوں، مشکلوں،پریشانیوں اور مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔مگر زندگی کسی صورت رکتی نہیں ہمیشہ چلتی رہتی ہے۔حالات کتنے ہی نا سازگار کیوں نا ہو جائیں ،انسان کو حقائق سے نظریں نہیں چرانی چاہیئے ،ہم جتنی دیر حقائق کو نظرانداز کریں کرتے ہیں اُتنا وقت ضائع ہو جاتا ہے اور جتنی جلدی حقائق کو تسلیم کرکے درپیش مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُتنا ہی ہمارے حق میں بہتر اور مسائل کے حل میں موثر ثابت ہوتا ہے۔بلی کو دیکھ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔جہاں قدرت نے انسان کی زندگی میں مشکلیں اور آزمائشیں پیدا کیں وہیں ان کو حل کرنے کے لئے وسائل، مواقع اور امکانات بھی کثرت سے عطا فرمائے ہیں ۔اگر آزمائشوں اور مشکلوں کا مقابلہ حوصلے اور بردباری سے کیا جائے توانسانی زندگی میں مثبت تبدلیوں کے ساتھ ساتھ کامیابیاں حاصل ہونے کے امکانات بھی روشن ہوجاتے ہیں ۔انسان کتنی بھی کوشش کرلے آزمائشوں اور مشکلوں سے جان نہیں چھڑواسکتا لیکن اُن کا مثبت انداز میں مقابلہ کرنے سے انسان مایوسی

اور احساس کمتری سے بچار ہتا ہے۔اگر ہم اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ کوئی آزمائش اور مشکل نہیں جس کا حل ناممکن ہے تو پھر مقابلہ کرنا قدر آسان ہو جاتا جبکہ اگر ہم مشکل آنے سے پہلے ہی فیصلہ کرلیں کہ اُس کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور نا ہی کوئی مددگار ثابت ہو سکتا ہے تو سوائے مایوسی اور ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔وقت صدا ایک سا نہیں رہتا لیکن جب کوئی فرد یا معاشرہ ناکامی اور مایوسی کے سمندروں میں غرق ہو جائے تو اُس کا کامیابیوں کے ساحل تک پہنچنا ناممکن کے قریب تر چلا جاتا ہے۔ قدرت نے مسائل کے ساتھ ساتھ اُن کے حل کے لئے کائنات میں بے پناہ وسائل بھی پیدا فرمائے ہیں ضرورت اُن کو تلاشنے اور درست طریقے سے استعمال کرنے کی ہے ۔میرے خیال میں درپیش مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے ضروری مواقع اور امکانات ہمارے آس پاس ہی موجود ہوتے ہیں جب ہم اُن کو پہنچان کر درست طریقے سے استعمال نہیں کرپاتے تب ہمارے مسائل اور مشکلات پے چیدہ ہو کر وبال جان بن جاتے ہیں اور اُن کا حل تلاش کرنا مشکل تر ہو جاتا ہے۔آزمائشیں اور مشکلات انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔جو ان آزمائشوں پر گریہ زاری میں لگے رہتے ہیں اُن کی زندگی رکے ہوئے پانی کی مانند زہریلی ہو جاتی اور جو لوگ ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔کامیاب لوگ زندگی کو حقائق ،مسائل اور وسائل کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔مثبت سوچ رکھنے والے لوگ زندگی میں پیش آنے والی مشکلوں اور آزمائشوں کو بھی زندگی کا حصہ تسلیم کرتے ہوئے شکوے اور

شکایتوں کا ڈھیر سر پر اُٹھائے پھرنے کی بجائے کامیابی کی طرف جانے والے راستے تلاشتے ہیں جن پر چل کر زندگی میں پیش آنے والی مشکلوں اور آزمائشوں کا مثبت اور دیرپا حل نکالنے میں مدد ملتی ہے۔ جو لوگ زندگی کے حقائق کو تسلیم کرتے اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلتے ہیں وہ دوسروں پر الزام دھرنے کی بجائے تمام تر توانائیاں پیش آنے والی مشکل کا حل تلاش کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کی ہر کوشش اُن پر کامیابی کے دروازے کھول دے لیکن مسلسل جدوجہد اور محنت سے انسان کے لئے کامیابیوں کے راستے ہموار ہوجاتے ہیں۔ مثبت سوچ اور رویے جب عمل کے دھارے ہیں مسلسل بہتے ہیں تو مسائل اور مشکلات کے حل کے مواقع اور امکانات پیدا ہوتے ہیں لیکن جب مثبت سوچ اور رویے عمل کی لہروں میں بہنے کی بجائے ہمارے ذہن اور خیالات کے حد تک محدود رہ کر جمود کا شکار ہوجاتے ہیں تو ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند زہریلے ہو کر افراد اور معاشرے کو مایوسی اور ناکامی کے دلدل میں ڈبو دیتے ہیں جس سے نکلنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ مثبت اندازِ فکر اور سوچ رکھنے والے افراد اور معاشرے کبھی بھی (short cut) کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ مثبت سوچ انسان کو عارضی کامیابی اور ترقی کی بجائے دیرپا اور یقینی کامیابی کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں عدم برداشت اور (short cut) کا رجحان عام ہے، ہمیں اَناپرستی اور حد سے زیادہ خوداعتمادی نے تبادلہ خیال یعنی بامقصد مباحثوں سے دور تر کردیا ہے۔ ہم خود کو عقل کل تصور کرتے ہیں۔ کسی

بھی موضوع پر بات چیت کے دوران دوسروں پر برتری حاصل کرنے کے لئے اکثر ہم حقائق اور مقصد سے ہٹ کر دلائل اور وضاحات بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے جو آج تبادلہ خیال کا اصل مقصد فوت ہونے کے قریب ہے۔ تبادلہ خیال کا مقصد معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ، مسائل اور مشکلات کا آپسی مشاورت سے بہتر اور دیرپا حل تلاش کرنا، موجودہ وسائل کو صحیح جگہ اور درست وقت پر استعمال کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم تبادلہ خیال کے دوران اپنی ذاتی حیثیت کو منفرد اور برتر ثابت کرنے کی کوشش میں حقائق کی پٹری سے اتر کر بات کرتے ہیں تو نتائج مسائل کے حل کی بجائے اَنا پرستی اور لاسانیت کو ہوا دینے والے نکلتے ہیں جو مباحثہ، مکالمے کی بنیادی حیثیت کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ آج معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو باشعور اور عقل مند سمجھتا اور ثابت کرنے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن اپنے شعور اور عقل کو تبادلہ خیال کے ذریعے مزید نکھارنے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ کسی ایک بستی کے مکینوں سے فرداً فرداً بات کرلیں ہر فرد اپنی صفائی اور وکالت میں اپنی مثال آپ ہوگا اور اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کرتا نظر آئے گا لیکن جب بستی کے گلی کوچوں پر نظر ڈالیں گے تو جا بجا بگاڑ اور ایسے مسائل ملیں گے جو ہر فرد کے دعوؤں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ مثبت سوچ اور خیالات اگر ہمارے ذہن کے آنگن میں چپ چاپ پڑے رہیں تو ٹھیک ٹھہرے ہوئے گندے اور بدبودار پانی کے تالاب کی مانند ہیں، جس کو جوہڑ کہا جاتا ہے۔ مثبت سوچ، رویے اور انداز فکر کو تبادلہ

خیال کی چھانی میں چھان کر ہی اُن کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے۔ایسا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم عدم برداشت کے رجحان کو کم کرکے ایک دوسرے کی رائے کو اہمیت دیں اور تبادلہ خیال کی محفلوں میں غیر حقیقی دلائل کی بجائے بامقصداور حقائق پر مبنی گفتگو کے ذریعے درپیش مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

وی آئی پی کلچر، مسائل کی جڑ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب عام لوگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بعیت کر چکے تو آپؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا،اے لوگو، میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں،اگر مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نافرمانی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارا امیر اور حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا،لوگو،اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے،تم میں جو نیک کام کرے گا میں اُس کے ساتھ نیک سلوک کروں گا اور جو بُرائی کا ارتکاب کرے گا اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔عرب کی مثال اس اُنٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہے،اس کے ساربان (رہنماء) کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جا رہا ہے،میں (حضرت عمرؓ)اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا''تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں چلنے والا مسلم حکومت کا نظام نا صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے اپنی مثال آپ ہے۔وسیع تر سلطنت کے حکمران ہونے کے باوجود حضرت عمر نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی،آپ اکثر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پیوند لگے لباس میں گشت کیا کرتے تھے،اکثر مقامات پر اینٹ کا تکیہ لگائے بلا تکلف سو جاتے،خود بھی سادگی پسند کرتے اور اپنے حکام کو بھی سادگی کی تلقین کرتے تھے،ایک لباس سردیوں کا اور ایک گرمیوں کا رکھتے،کبھی کبھی صرف ایک جوڑا

ہوتا جسے دھو کر پہن لیتے ،آپؓ گزر بسر کے لئے صرف دو ،درہم روزانہ بطور وظیفہ لیتے ۔قارائین محترم کالم کے آخر میں آپ کو حضرت عمرؓ کا ایک قول سناؤں گا جو مسلم ریاست کے حاکم کی حیثیت اور ذمہ داری کا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے ۔اگر پاکستان کے عوام اور حکمران حضرت عمرؓ کی طرح سادگی پسند ہوتے تو آج وی وی آئی پی کلچر اس قدر نہ پھیلتا۔میں تو وی آئی پی کلچر کو تمام مسائل کی جڑ سمجھتا ہوں ۔آج ہر طرف سفارش ، رشوت ، کرپشن ،اقرباء پروری اور بے ایمانی کا بازار گرم ہے ۔سرکاری محکمے تو اپنی جگہ پرائیوٹ مقامات پر بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے ۔کچھ دن پہلے میرے بیٹے کو تیز بخار ہوگیا ہر والد کی طرح میرا بھی دل چاہا کہ علاقے کے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرواؤں ،آپ جانتے ہیں کہ اچھے ڈاکٹر کی فیس بھی اچھی خاصی ہوتی ہے،بچے کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے کلینک پہنچا تو وہاں مریضوں کا کافی رش تھا،میں بھی ٹوکن لے کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔آپ کو یہ سن کر حیرانگی نہیں ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب ٹوکن والے ایک مریض کے ساتھ چار سے پانچ وی آئی پی مریض چیک کر رہے تھے ،کوئی دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا جو ڈاکٹر صاحب کا بھی دوست ہے ۔اُسے ڈاکٹر کو فون کرکے سفارش کرنے کو کہا،اُس نے فون کرکے میری سفارش کردی ،سفارش کا اثر یہ ہوا کہ داکٹر صاحب کی نرس نے آکر پوچھا کے امتیاز صاحب کون ہیں اور کمرے میں چلی گئی ،جب سفارش کے بعد ایک گھنٹا گزر جانے پر بھی میری باری نہ آئی تو میں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک ملازم کو پچاس روپے کے ساتھ اپنا

وزٹنگ کارڈ دے کر کہا کہ پچاس روپے آپ کے ہیں یہ کارڈ ڈاکٹر صاحب تک پہنچادیں کارڈ کا ڈاکٹر صاحب کے سامنے جانا تھا کہ مجھے اندر بلا لیا گیا، ڈاکٹر صاحب نے کھڑے، ہو کر استقبال کیا اور فوری طور پر ٹھنڈے پانی کے بعد چائے کا آڈر بھی کر دیا۔ڈاکٹر صاحب کے عام مریضوں والے کمرے کے پیچھے ایک وی آئی پی مریضوں کو بیٹھانے والا کمرہ تھا، مجھے اُس کمرے میں بیٹھا کر پانی، چائے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے آدھا گھنٹا ٹائم دیا اور آئندہ میرے لئے ٹوکن سسٹم بھی بند کر دیا، یہ سارا قصہ بیان کرنے کا مطلب یہ بتانا ہے کہ جب ایک مسیحا فیس لے کر بھی انصاف نہیں کرتا تو پھر واپڈا، سوئی گیس، تھانے عدالتوں۔ سرکاری ہسپتالوں میں جہاں ایک بیڈ پر چار چار مریض ایک ہی وقت میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور دیگر محکموں میں انصاف کون اور کس کو فراہم کرے گا؟ جہاں نو منتخب حکومت کو بجلی بحران، مہنگائی، دہشتگردی، کرپشن امن وامان کی خراب صورت حال، بے روزگاری وغیرہ وغیرہ کا سامنا ہے وہاں، سفارش، کرپشن، رشوت، اقرباء پروری اور وی وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کے چیلنج کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ میرے خیال میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف وی آئی پی کلچر، کرپشن، سفارش، اقرباء پروری اور رشوت کے ساتھ ساتھ باقی تمام چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن وہ رشوت، کرپشن، سفارش، اقرباء پروری اوروی، وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کو ختم نہیں کرپائیں گے۔ کیونکہ رشوت، کرپشن، سفارش، اقرباء پروری اور اس کے علاوہ بہت سی خرابیوں

کی فصل وی آئی پی کلچر کے کھیت میں اُگتی ہے اور وی آئی پی کلچر کے سارے کے سارے کسان میاں برادران کے ارد گرد جمع ہو چکے ہیں اور جو باقی بچیں ہیں وہ بھی بس آنے ہی والے ہیں ۔ قارائین آپ جانتے ہیں کہ کوئی کسان اپنے کھیت کھلیان کو اُجڑتے نہیں دیکھ سکتا اور پھر وی آئی پی کھیت ۔ان کھیتوں میں کسی بھی فصل کا کوئی خاص موسم نہیں ہوتا بلکہ کرپشن، رشوت، سفارش، اقرباء پروری ایسے پھل پھول ہیں جوان کھیوں میں ہر وقت پکے ہوئے تیار ملتے ہیں ۔وی آئی پی کلچر آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مضبوط ہو چکا ہے ۔ چیرمین ، ناظم، ایم پی اے یا ایم این اے گریڈ کے لوگ کبھی برداشت نہیں کرتے کہ اُن کے حکم کے بغیر کوئی ادارہ بھی کام کرے ۔ واپڈا، گیس، تھانے سے لے کر گلی کوچوں کی صفائی کرنے والا عملہ بھی کسی شہری کی جائز بات اُس وقت نہیں سنتا جب تک کسی ناظم ،ایم پی اے یا پھر ایم این اے کا فون نا آ جائے ۔اُس پر عوام کی خوش فہمی دیکھیں وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے کہنے پر اتنی بڑی شخصیت نے سیورج کھولنے والوں کو فون کرکے اُن پر خاص احسان کیا ہے ۔آج کل بجلی بحران کے خاتمے کی بات ہر کوئی کر رہا ہے لیکن لوڈشیڈنگ کے خلاف ہونے والے احتجاج ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والے احتجاجوں کی بات کوئی نہیں کرتا۔جی ہاں آپ دیکھئے گا جب 18 سے 20 گھنٹے لگاتار بجلی دستیاب ہونا شروع ہو گی تو صارفین بل میں اضافے کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کریں گے ۔ میرے نزدیک بجلی بحران کے ساتھ ساتھ بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے بھی ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت

ہے۔ بجلی کی بندش ختم ہونے پر بازاروں اور چھوٹے کارخانوں کی رونقیں تو بحال ہوجاویں گی لیکن بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کو چلنے میں وقت درکار ہوگا۔جب تک ہر پاکستانی کو مناسب روزگار میسر نہیں آتا تب تک حکومت کچھ بھی کرلے احتجاج ختم نہیں ہونگے ۔آخر حکومت اٹھارہ کروڑ عوام کو کب تک سبسڈیوں پر پال سکتی ہے؟ اگرچہ کہوں تو مجھے نہیں لگتا کہ ہم پاکستان کو اسلامی ،فلاحی ریاست بنائے بغیر مسائل کے گرداب سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ہمیں موجودہ بحرانوں سے نکلنے کے سرکار دوعالم حضرت محمدؐ اور اُن کے غلاموں کی سادگی اور عاجزی کو کاپی کرنا ہوگا۔آج ہم جن مسائل کا شکار ہیں یہ سارے ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہیں جس نے ہمیں ہمارے دین سے دور کرکے تباہ.برباد کردیا ہے۔ کتنی دردناک حقیقت ہے کہ ہم نے ایٹم بم تو بنالیا ہے لیکن اندرون شہر بلڈنگ کی نویں منزل پر لگی آگ میں جلتے ہوئے انسانوں کو بچانے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں ؟ مجھے یقین ہے کہ ایسی حقیقتوں پر ہر پاکستانی کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ قارائین اب میں آپ کی نظر حضرت عمرؓ کا وہ قول کرتا ہوں جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ ’’مسلمانوں کے مال پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال پر متولی کا ہوتا ہے‘‘ یہ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ قول فرمایا اُس وقت وہ مسلمانوں کی عظیم سلطنت کے عظیم حاکم تھے۔

مار نہیں پیار

آ ج کے بچے ہمارا آنے والا کل ہیں۔ مستقبل کے معمار ہمارا وقت مانگتے ہیں ،ہماری توجہ مانگتے ہیں ۔اُن کی تعلم وتربیت کرنا ہمارافرض ہے۔ والدین اور اساتذہ بچوں کو بیجاڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کرنے کی بجائے ہر وقت اُن کی حوصلہ افزائی اور انس و محبت کے ساتھ پیش آ یءں تویقینا بچے کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں ۔والدین کا غلط انداز تربیت اور اساتذہ کا نامناسب طرز تعلیم بچوں کو احساس کمتری کا شکار کردیتا ہے۔ ہم اکثر جانے انجانے بچوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈانٹتے رہتے ہیں اور کبھی کسی موقع پر بھی اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے ،ہمیشہ کی ڈانٹ ڈپٹ بچوں کوچڑچڑااور نالائق بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔بچے تو بچے ہوتے ہیں غلطی بھی کریں تو ہمارافرض بنتا ہے کہ پہلے اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُن سے سرزد ہونے والی غلطی کے نتیجہ میں ہونے والے نقصانات کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کریں اورآخر میں غلطی کرنے سے اس انداز میں منع کریں کہ وہ ہم سے خوف زدہ نا ہونے پائیں ۔اگرآپ اپنے بچوں کی بہترپرورش کرنا چاہتے ہیں تو پھراپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں یا یوں کہہ لیں کہ بات بے بات ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے حوصلہ افزائی کیا کریں اور اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کراُن کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا کریں اور ہاں ہروقت نصابی گفتگو بھی بچوں کو تعلیم کا باغی بنادیتی ہے۔بچوں سے ایسی

چیزوں کے بارے میں پوچھا کریں جن سے ہمارا روز واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ بچوں کو سوالات کرنے کا نہ صرف حق دیں بلکہ اُن کے سوالات کے جوابات دینا اپنا فرض سمجھیں اور اگر کسی وقت اُن کے کسی سوال کا جواب نہ آئے تو سچ بولتے ہوئے تسلیم کریں کہ آپ کو اُن کے سوال کا جواب نہیں معلوم ،اور اس بات کا وعدہ کریں کہ اُن کے سوال کا جواب تلاش کرکے بتائیں گے۔ بچوں کو ذمہ دار اور کامیاب انسان بنانے کے لئے چھوٹی عمر سے ہی مناسب یعنی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں سونپا کریں اور اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اگر اُنھیں مدد کی ضرورت ہو تو ضرور کیا کریں ،کام مکمل ہونے پر سارا کریڈٹ بچوں کو دیا کریں ،اُن کی پسند کی چیزیں انھیں گفٹ کیا کریں تاکہ اُن کی حوصلہ افزائی ہو۔بچے بہت معصوم ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی سی بات پر خوش اور چھوٹی سے چھوٹی بات ناراض ہوجاتے ہیں لیکن اُن کی ناراضگی عارضی ہوتی ہے۔ابھی آج ہی کی بات ہے کہ میں نے اپنے چار سالہ بیٹے کو خوب ڈانٹا وہ مجھ سے ناراض ہوکر روتے روتے سوگیا لیکن جب نیند سے جاگہ تو سب کچھ بھول چکا تھا۔ہمیشہ کی طرح میری گود میں بیٹھا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا تھا۔اگر ہماری ڈانٹ ڈپٹ لگاتار جاری رہے تو بچوں کے ذہن میں نقش ہوجاتی ہے اور بچے آہستہ آہستہ والدین سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ بچوں کو مسلسل جسمانی سزائیں دینا یا ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ احساس کمتری کا شکار کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ،بچا ڈرا ،ڈرا سا رہنے لگتا ہے اور ذہین ہونے کے باجود نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں سے دور چلا جاتا ہے۔اُسے سکول اچھا لگتا ہے نا گھر وہ مسلسل چڑچڑے پن کا شکار رہنے لگتا ہے۔ایسے بچے کسی بھی بات کا جواب مثبت نہیں دیتے ڈر اُن کے اندر تک رچ بس کر

اُن کی شخصیت کا حصہ بن جاتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں اپنے بچاؤ کی خاطر جھوٹ کا سہارا لینے لگتے ہیں۔اکثر ایسے معاملات میں جھوٹ بول کر اپنا کریڈٹ برباد کرلیتے ہیں۔جس کام کی وجہ سے اُن کی حوصلہ افزائی ہونی ہوتی ہے جھوٹ بول کر اپنے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا اہتمام کرلیتے ہیں۔بچے والدین کے یا اساتذہ کے سخت رویوں کی وجہ سے سہم جاتے ہیں،والدین کو مطمئن کرنے کی کوشش میں اکثر جھوٹ بول کر وقت پاس کرتے ہیں تاکہ ڈانٹ ڈپٹ نہ ہو جائے۔

کشکول توڑنا ہوگا

صدر زرداری تو پہلے ہی میاں محمد نوز شریف کو وزیراعظم مان چکے ہیں ،آج راقم کا دل بھی میاں نواز شریف کو وزیراعظم پاکستان کہنے کو چاہا رہا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ عوام مسلم لیگ ن کو مینڈیٹ دے چکے ہیں اور مسلم لیگ ن باضابطہ طور پر میاں نواز شریف کو وزیراعظم نامزد کرچکی ہے ۔میاں نوز شریف نے ممبر قومی اسمبلی کا حلف اُٹھانے کے بعد جو گفتگو کی وہ بہت اہم اور مثبت رہی ۔انہوں نے کہا کشکول توڑ کر ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہوگا۔میاں صاحب قدم بڑھاؤ اللہ تعالیٰ اور پوری قوم اس نیک کام میں آپ کے ساتھ ہے ۔ میاں صاحب کا یہ کہنا قابل تحسین ہے کہ خود کرپشن کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا،سب جان لیں اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے، قومی مفاد اور عوامی اُمنگوں پر پورا اُترنا ہوگا۔میاں نواز شریف نے عوام کا شکریہ بھی ادا کیا جو ایک اچھی روایت ہے لیکن دیکھنا یہ ہے اب میاں صاحب عوام کو شکریہ کا موقع کب فراہم کرتے ہیں ۔میاں صاحب اگر مسائل بڑے اور زیادہ ہیں تو عوام نے بھی آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق بغیر بیسا کھیوں کا مینڈیٹ دیا ہے ۔میاں صاحب دنیا میں وہی قومیں باوقار ہوتی ہیں جو اپنی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔کامیاب وہی قومیں

ہوتی ہیں جن کی اپنی اقدار ہوتی ہیں اور جو عزت نفس کا گہرا احساس رکھتی ہیں ۔کامیابی کے ساتھ آگے وہی قومیں بڑھتی ہیں جن کی کوئی سمت ہوتی ہے ۔جب متضاد خیالات کا طوفان قوموں کو اندھیری کھائی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے تو وہ دوسری قوموں کے وقتی فیشن کے سیلاب میں بہہ جاتی ہیں۔ایسے حالات میں وہی قومیں ڈٹی رہتی ہیں جن کے اپنے اصول اور آدرش ہوتے ہیں ،جو عزت نفس کی حامل ہوتیں ہیں ،اور جو اپنے فیصلے خود کرتیں ہیں ۔ لیکن ہم نے سدا سے عالمی جاگیردار یعنی امریکہ کے فیصلوں پر ہی لبیک کہا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ فیصلے تو امریکہ بہادر کرے اور ان فیصلوں میں ہمارے مفادات محفوظ ہوں ۔آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہمیں پرانے قرض کا سود چکانے کے لئے نیا قرض لینا پڑ رہا ہے۔انسانی فطرت ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنا مفاد دیکھتا ہے اور باقی سب معاملات بعد میں ۔ کچھ لوگ جن میں انسانیت باقی ہو وہ اپنا مفاد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے لیکن کچھ ایسے مفاد پرست، لالچی اور خود غرض ہوتے ہیں جن کو اپنے مفاد کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔بد قسمتی سے آج اسی قسم کے لوگ دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں ۔طاقت کے نشے میں اندھے لوگ بلاوجہ انسانوں کو روندتے ہوئے چلتے ہیں ۔یہی حکمران ریاستوں اور ملکوں کے مفادات کے فیصلے کرتے ہیں ۔امریکی حکمران بھی اسی قسم کے انسان ہیں ۔ جنھوں نے لاکھوں ماؤں کے جوان بیٹوں کو جنگ لڑنے دور دراز بھیج رکھا ہے ۔ جن میں سے

شائد ہی کوئی زندہ سلامت واپس گھر اپنے والدین، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں میں جائے ورنہ ابھی ایک جنگ ختم نہیں ہوتی اور دو چار جنگیں اور شروع کی جا چکی ہوتی ہیں ۔اور سننے میں آیا ہے کہ امریکی حکام ہلاک ہونے والے فوجیوں کی نعشیں بھی واپس امریکہ نہیں بھیجتے تاکہ وہاں کے عوام میں اشتعال نہ پھیلے۔ قارئین محترم غور کریں جو اپنی نسل کو صرف جنگی سامان کی طرح استعمال کرتے ہیں وہ دوسروں کے مفادات کو تحفظ کیسے فراہم کر سکتے ہیں؟ جن کے نزدیک تباہ شدہ جنگی الات کی تو قیمت ہے لیکن زندہ یا مردہ انسانوں کی کوئی قیمت نہیں ہے وہ کس طرح کسی قوم کو تحفظ فراہم کر سکتے ہیں؟ مجھے حیرانی ہوتی ہے جب پاکستانی حکومت کی طرف سے بیان جاری ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان کی خودمختاری کا خیال رکھے اور قربانیوں کی قدر کرے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ اور پاکستانی علاقوں میں جاری ڈورن حملوں پر ڈالر تو امریکہ خرچ کرے اور پالیساں افغانستان یا پاکستان بنائے ؟ جیب تو ان کی ہلکی ہو اور مفادات پاکستان یا افغانستان کے محفوظ رہیں ؟اگر کسی کی سوچ یہ ہے کہ امریکہ کی نظر میں پاکستان ،افغانستان ،بھارت یا کسی اور ملک کے مفادات اہم ہیں تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے کیونکہ امریکی حکمرانوں کی نظر میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں سوائے ذاتی مفادات کے۔امریکہ جیسے انتہائی لالچی اور مفادپرست دوست سے کسی کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

۔اب بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنے حالات کے مطابق اپنے وسائل اور مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے فیصلے کریں۔ کیونکہ خود مختاری وسلامتی مانگنے سے نہیں ملتی چھیننی پڑتی ہیں۔ بھیک مانگنے والوں کی نہ تو کوئی خود مختاری ہوتی ہے اور نہ ہی سلامتی ،بلکہ ان کی تو خوداری اور غیرت بھی فوت ہوجاتی ہے۔ پیٹ بھرنے کے لئے سود پر قرض لینے سے بہتر ہے بھوک سے مرجانا۔اس حقیقت سے ہم سب واقف ہیں کہ جب سرمایہ دار کسی غریب کو قرض دیتا ہے تو اپنی شرطیں منوانے کے بعد دیتا ہے۔ قرض لینے والے کو قرض تو سود سمیت واپس کرنا ہی پڑتا ہے لیکن نہ صرف قرض ادا کرنے تک بلکہ اس کے بعد تک بھی سابق قرض دار پر سرمایہ دار کی شرطیں لاگو رہتی ہیں۔ سرمایہ دار غریب آدمی کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ اسے کسی وقت بھی دوبارہ قرض لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس لیے اسے اپنی اوقات میں رہنا چاہئے ۔اس طرح قرض لینے والے کی شخصیت دوسروں کی محتاج یعنی غلام بن جاتی ہے اور وہ اپنے چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے فیصلے خود کرتے ہیں اور پھر ان پر ڈٹے رہتے ہیں ۔آج بحیثیت قوم ہمیں سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو سمجھ لیں کہ ہم کون ہیں ،ہم کہاں ہیں اور ہماری منزل کہاں ہے ۔ زندگی میں ہمیں ذاتی فلسفے کی ضرورت ہوتی ہے ۔آج ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کیا چاہتے ہیں ۔ ہم کون ہیں ،ہم کہاں سے آئے ہیں ،ہمیں کہاں جانا ہے ،ہم کیا چاہتے ہیں ،ہماری منزل کہاں ہے اور ہمیں اپنی منزل حاصل

کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا۔ اگر ہم ان سوالوں کے جواب تلاش نہ کریں تو پھر ہماری
حالت شاخ سے ٹوٹے ہوئے اس پتے جیسی رہے گی جو ہوا کے رخ کے ساتھ چلنے کے
سوا کچھ نہیں کر سکتا (جیسی کے آج ہماری ہے) اور ہم اپنے آپ کو چاروں طرف بھاگتا
ہوا پائیں گے اور پھر نہ تو ہماری کوئی سمت رہے گی اور نہ ہی کوئی منزل ملے گی۔

خواتین

عورت ماں ہے، عورت بہن ہے، عورت بیٹی ہے، عورت بیوی ہے عورت سب کچھ ہے لیکن انسان نہیں ہے ۔زمانہ قدیم سے ہی عورت کو کم تر مخلوق سمجھا جاتا ہے ۔اگر عورت کو انسان تصور کیا گیا ہوتا تو آج خواتین اپنے حقوق کی جنگ نہ لڑ رہی ہوتیں۔آزاد خیال اور خواتین کے حق میں سب سے زیادہ آواز اُٹھانے والے ممالک میں بھی عورت کو انسان ہونے کا شرف حاصل نہ ہے ۔مرد کے مقابلہ میں زیادہ کام کرنے کے باوجود عورت کی تنخواہ مرد سے آدھی یا آدھی سے بھی کم ہے ۔جنسی تشدد بھی سب سے زیادہ آزاد خیال معاشروں میں دیکھنے کو ملتا ہے ۔میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مغربی معاشرے نے عورت کو مرد کے برابر کا انسان نہیں سمجھا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مشرقی معاشرے میں عورت کو جو مقام حاصل ہے وہ مغربی معاشرہ بے تحاشا آزاد خیال اور خوشحال ہونے کے باجود آج تک نہیں دے سکا۔آج الیکٹرونکس میڈیا کی آزاد خیالی نے مغربی تہذیب کے خدو خال پر بے حیائی کی حد تک جانے والی آزاد خیالی کی گرد ڈال کر پس پشت ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن پھر بھی میں یہ بات بڑی خوشی سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم شہروں سے نکل کر کسی گاؤں میں چلے جائیں تو آج بھی ہمیں خواتین خاندانوں اور اپنے گھروں کے فیصلے کرنے میں خود مختار نظر آئیں گی ۔لیکن

بدقسمتی سے یہ خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہیں۔یعنی دیہاتی معاشرے نے خواتین کو کسی حدتک تو انسان سمجھا ہے لیکن تعلیم و ہنر سے دور رکھ کے اپنے جاہل ہونے کا ثبوت دیا ہے۔جبکہ شہری معاشرے میں عورت پڑھی لکھی ہونے کے باوجود مرد کے برابر حقوق نہیں رکھتی،اپنے آپ کو مظلوم رکھنے میں عورت کی اپنی غلطیاں بھی شامل ہیں جن میں سب سے.بڑی غلطی یہ ہے کہ شہری خواتین نے پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو صرف جسم سمجھ رکھا ہے۔آج کے تیز ترین دور میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کے لئے پوری قوم کو محنت کرنا ہوگی پوری قوم سے میری مراد ہے کہ صرف مردوں کو ہی کام نہیں کرنا بلکہ خواتین کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا ہوگا۔جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خواتین کے کام کرنے کامطلب بے پردگی ہے اُن کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ضروری ہے کہ خواتین سڑکوں پر تکے یا شکرقندی فروخت کریں،یہ بھی ضروری نہیں کہ خواتین فیکٹریوں یاکارخانوں

یں مردوں کے ساتھ بے پردہ کام کریں بلکہ خواتین گھر بیٹھ کر بھی اپنے حصے کا کام سرانجام دے سکتی ہیں۔ضرورت تنگ نظری اور حد سے زیادہ آزاد خیالی کی بجائے درمیانہ راستہ تلاش کرنے کی ہے۔تنگ نظرے ے نے خواتین کو گھر کی چاردیواری میں کھانے پکانے،کپڑے اور برتن دھونے اور بچے پیدا کرنے سے پالنے تک محدود کردیا ہے اور حد سے زیادہ آزاد خیالی نے عورت چلتا پھرتا اشتہار بنا دیا ہے،ان دونوں صورتوں میں خواتین نفسیاتی مریض بنی نظر آتی ہیں۔صرف گھر کے کام کرنے والی خواتین کم آمدنی

اور زیادہ ضرورتوں کی وجہ سے پریشان رہتیں ہیں جبکہ گھر سے باہر بے پردگی کی حالت میں کام کرنے والی خواتین کی اکثریت اس وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہیں کہ اُن کوآج کے ترقی یافتہ دور میں صرف جسمانی مشین ہونے کاشرف حاصل ہے۔ عوام اور حکومت کو مل کر خواتین کو معاشرے کا فعال حصہ بنانے کے لئے کام کرنا ہوگا۔ایسا طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس میں خواتین کی عزت وعصمت پر بھی خرف نہ آئے اور وہ مردوں کے شانہ بشانہ کام بھی کریں۔جس میں مسلم تہذیب بھی غالب ہواورترقی یافتہ دور کی تعلیم وتربیت بھی شامل ہو۔ تعلیم تربیت سے یاد آیا کہ ہمارے ہاں خواتین کو تعلیم سے دور رکھنے کا رواج بھی عام ہے جو معاشرے کی تنگ نظرے کامنہ بولتا ثبوت ہے۔میری ناقص عقل کے مطابق ہمیں سب سے پہلے خواتین کو تعلیم و تربیت سے دور رکھنے کے رواج کو جڑسے اکھاڑ پھینکنا ہوگا

میاں نواز شریف ، حقیقی ہیرو ہیں فلمی نہیں

کچھ لوگ میاں نواز شریف کو پنجابی فلموں کا سلطان راہی سمجھ رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ میاں نواز شریف درپیش مسائل اور پاکستان کے دشمنوں کو ایک ہی وار میں ڈھیر کردیں ، عوام سمجھ رہے ہیں کہ اب میاں نواز شریف وزیر اعظم بن کر سلطان راہی کہ طرح خود ہی تھانہ، عدالت اور خود ہی جلاد کاکام کریں گے ، ٹھیک اُسی طرح درجنوں دشمنوں کاایک وقت میں اکیلے ہی مقابلہ کرتے ہوئے چوراہوں میں سزائیں دیں گے جیسے کہ فلموں کے ہیرو دیا کرتے ہیں ۔لیکن ایسا ممکن نہیں آنے والا دور میاں نواز شریف کے ساتھ ساتھ پوری پاکستانی قوم کا بھی امتحان ہوگا۔نواز شریف کو بطور وزیر اعظم قوم کو اعتماد میں لے کر ملک و قوم کے مفاد میں حکمت عملی بنانا ہوگی ،اُنھیں اپنی کابینہ میں محبت وطن اور اہل لوگوں کو شامل کرکے اُن کو اُن کی سمجھ بوجھ کے مطابق ذمہ داریاں سونپنا ہونگی ۔پاکستان میں افواہ ساز فیکٹریاں افوایوں کی پیداوار میں اپنی مثال آپ ہیں ۔اس لئے میاں نواز شریف کو عوام اور حکومت کے درمیان موجودہ خلاکم کرنا ہوگا۔عوام نے میاں صاحب کو مینڈیٹ دے دیا ہے اب عوام کااعتماد بحال رکھنااُن کاکام ہے ۔میں سمجھتا ہوں کہ مسائل کتنے ہی زیادہ اور پے چیدہ کیوں نا ہوں اگر منتخب حکومت قوم کوساتھ لے کرچلے تو

سالوں میں حل ہونے والے مسائل مہینوں، مہینوں والے دنوں اور دنوں والے گھنٹوں میں حل ہو سکتے ہیں۔ مسائل کی چکی میں پسے عوام تو حد سے زیادہ اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ کچھ دانشور بھی بڑی جلدی میں ہیں۔اُن کا کہنا ہے کہ نواز شریف نے صدر زرداری سے ملاقات کیوں کی اگر ملاقات کر ہی لی تھی تو اُن کو ایوان صدر سے باہر کیوں نہیں نکالا اور باہر نہیں نکالنا تھا تو پھر کم از کم اُن کو ساتھ لے کر چلنے کی بات کیوں کی ؟ میاں شہباز شریف تو صدر زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹنے کا کہا کرتے تھے اب کیوں زر بابا چالیس چوروں کے ساتھ مل گئے ہیں، جبکہ عوام نے مسلم لیگ ن کو مینڈیٹ تو پیپلز پارٹی کے خلاف دیا ہے۔ بات بھی سچ ہے کہ اگر عوام نے صدر زرداری کو ایوان صدر میں ہی رکھنا تھا تو پھر پیپلز پارٹی کو دیتے نواز لیگ کو ووٹ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ میری نظر میں تو میاں نواز شریف نے بالکل ٹھیک کیا، جس طرح پیپلز پارٹی کی حکومت نے آئینی مدت پوری کی صدر زرداری کو بھی آئینی مدت پوری کرنی چاہئے تاکہ پورے کا کا پورا نظام جمہوری طریقے سے چلے۔ حکومت کی تبدیلی کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ جس دن نواز شریف وزیر اعظم بنیں گے اُسی دن سارا نظام بدل جائے گا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ 65 سالوں میں لگاتار پیدا ہونے والی خرابیاں ایک ہی دن میں ٹھیک ہو جائیں؟ مسائل بہت پے چیدہ اور پرانے ہیں۔ میری، آپ کی یا میاں نواز شریف کی تو یقینا یہی خواہش ہے کے تمام مسائل کا حل جلد از جلد نکل آئے لیکن ہر مسئلے کے پیچھے کچھ حقائق اور کچھ وجوحات ہوتی ہیں جن کو سمجھنا پڑتا ہے

۔فرض کریں اگر میاں نواز شریف صدر زرداری کو ایوان صدر سے نکال کر اُن پر مقدمات چلادیں تو کیا پاکستان کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے ؟ میرے خیال میں یہ وقت سلطان راہی بننے کا ہے اور نہ ہی آپس میں اُلجھنے کا۔پاکستان کو درپیش مسائل توانائی بحران ، کرپشن ، مہنگائی ، دہشتگردی ،ڈورن حملے ،بے روزگاری اور دیگر کو حل کرنا بچوں کا کھیل نہیں۔میں سمجھتا ہوں میڈیا کو بھی اپنا مثبت کردار ادا کرتے ہوئے عوام کو صبر اور تحمل سے کام لینے کا مشورہ دیتے رہنا ہوگا۔عوام میاں نواز شریف کی زبان سے لوڈشیڈنگ کے خاتمے کی خوشخبری سننے کے لئے بے تاب اور میاں نواز شریف اس مسئلے کو حل کرنے پرلبے حد سنجیدہ نظر آتے ہیں ۔میاں نواز شریف نے قوم کو واضح بتادیاہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ دنوں یا مہینوں میں ختم نہیں ہوگی ،حکومت کو بجلی کا شارٹ فال ختم کرتے کرتے تین سال یااُس بھی زیادہ وقت لگ سکتا ہے ۔لیکن عوام چاہتے ہیں کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ فوری طور پر ختم کی جائے ، عوام کی یہ خواہش جائز اور معقول بھی ہے ، بجلی کی غیر اعلانیہ اور طویل بندش نے کاربار کو تباہ کرکے مزدورں کو سڑک پر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا کہ میاں نواز شریف حقیقی ہیرو ہیں اس لئے وہ پنجابی فلم کے ہیرو سلطان راہی نہیں بن سکتے ۔ہاں میاں شہباز شریف میں کبھی کبھی سلطان راہی کی جھلک نظر آتی ہے ،مجھے قوی یقین ہے کہ میاں شہباز شریف باحثیت وزیراعلیٰ پنجاب اپنی قابلیت ، محنت اورکام کرنے کی لگن سے پنجاب کو توانائی بحران سے

نکلالنے یں جلد کامیاب ہو جائیں گے ۔میاں نوز شریف کو چاہئے کہ وفاق میں بھی میاں شہباز شریف جیسے محنتی اور قابل لوگوں کو کابینہ میں شامل کریں ۔اگر میاں نواز شریف کی حکومت امن ومان بحال کرکے بے روزگاروں کو باعزت روزگار فراہم کرنے میں کامیاب رہی تو آنے والا دور بھی مسلم لیگ ن کا ہوگا،اور اگر ملک میں امن وامان اور بے روزگاری کی صورت حال ایسی ہی رہی جیسی کہ آج ہے تو پھر عوام کا ایک بار پھر جمہوریت سے اعتبار اُٹھ سکتا ہے ۔

انسان کا اصل نصب العین

اسلامی تہذیب وتمدن کی اپنی منفرد حیثیت ہے جس کو دنیا کی کوئی بھی طاقت جھٹلا نہیں سکتی بلکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ غیر مسلم اسلامی تعلمات پر عمل کرنے کو بہت زیادہ ترجیح دے رہے ہیں۔اسلامی تہذیب تمدن عقائد،اصول و نظریات اور روایات ہی مسلم غیر مسلم معاشرے کے فرق کو واضح کرتیں ہیں ۔اسلام کا ایک منفرد اور جداگانہ ضابطہ حیات ہے چنانچہ اسلامی تہذیب اسی ضابطہ حیات کی عکاسی کرتی ہے۔اسلامی تہذیب کا سنگ بنیاد حیات دنیا کا یہ تصور ہے کہ انسان کی حیثیت اس کرہ خاکی میں عام موجودات کی سی نہیں ہے بلکہ وہ خالق کائنات کی طرف سے یہاں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔اس لیے انسان کا اصل نصب العین یہ ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک اور آقا (اللہ تعالٰی) کی خوشنودی حاصل کرے ۔اسلام انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کے امتیاز کی نفی کرتے ہوئے ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اس طرح بلاامتیاز جوڑتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اسلامی تمدن کی ایک بڑی خصوصیت اسلامی اخوت یعنی بھائی چارے کا نظریہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالٰی نے رشاد فرمایا ہے۔ ”بلا شبہ اہل ایمان بھائی بھائی ہیں ۔ سوتم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرادیا کرو“اسلام سے پہلے انسان جو اشرف المخلوقات

ٹھہرا جانوروں کی طرح جنس پرستی اور علاقہ پرستی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح جانور اپنے علاقے میں داخل ہونے والے اجنبی جانوروں سے جنگ کرتے ہیں اور جس طرح طاقتور جانور قبیلے کا سردار ہوتا ہے جو اپنے قبیلے میں صرف ماداؤں کو رکھتا ہے کمزور نر یا تو بھاگ جاتے ہیں یا پھر مارے جاتے ہیں یہاں تک کہ اکثر جانور اپنے نر بچوں کو بھی مار دیتے ہیں۔ اسلام نے طاقتور کے ساتھ ساتھ کمزوروں کو بھی جینے کا حق دیا، مرد و عورت کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر عورت کو معاشرے میں باعزت مقام دیا۔ جب لوگوں (مسلمانوں) نے اسلامی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کی تو چاروں طرف مسلمانوں کے عدل و انصاف کا چرچا ہو گیا، امن و بھائی چارے کے اعتماد کے ساتھ اسلام کا نور دنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا جو آج بھی ہے اور روز آخر تک رہے گا، کامیابیاں اُن کے قدم چومنے لگی۔ بد قسمتی سے مسلم حاکموں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور جانور کی طرح جنس پرستی اور علاقہ پرستی کے اصول اپنا لئے ۔ کبھی مسلم حاکم فجر کی نماز کے بعد کسی بیوہ غریب کے گھر کی صفائی کیا کرتے اُس کے بچوں کو کھانا پکا کر کھلایا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ اگر کسی بوڑھے کے منہ میں دانت نہ ہوتے تو اپنے منہ میں نوالا چبا کر کھلایا کرتے تھے ۔ حاکم ہونے کے باوجود نہایت غربت میں زندگی بسر کرنے میں فخر محسوس کرتے اور اُن کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ خود مظلوم کے گھر جاتے اور اُس کی داد رسی کرتے۔ اگر میں کہوں کہ ایک مسلم حاکم اپنی بادشاہت میں سب سے زیادہ

عام آدمی کی حیثیت رکھتا تھا تو غلط نہ ہوگا۔آج ہمارے حاکم بات بات پر عام آدمی کی مشکلات کا ذکر کرکے سیاست چمکانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔خوبصورت باتوں کے دھاگے سے عوام کے گرد سیاسی جال بننا اور بات ہے اور عملی اقدامات اور بات ہے۔ملک خُداداد کی ترقی کا راز اسلامی تہذیب و تمدن کے دائرے میں رہتے ہوئے اعلیٰ دینی و دنیاوی تعلیم کے حصول میں پوشیدہ ہے،علم انسان کو باشعور کرتا ہے اور باشعور انسان علم کو عمل کے راستہ پر ڈال کر دنیا وآخرت کی کامیابیاں سمیٹتا ہے۔عوام نے جن اُمیدوں کے ساتھ مسلم لیگ نواز کو بھاری مینڈیٹ دیا ہے اُن کو پورا کرنے کے لئے میاں برادران کو خود ایمانداری سے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے پوری قوم کو ایمانداری کے ساتھ فرائض سرانجام دینے پر مجبور کرنا ہوگا کیونکہ صرف حاکم کی ایمانداری کافی نہیں ہے۔ایماندار بنانے کے لئے عوام کی دینی واخلاقی تربیت کرنا بہت لازمی ہے۔اس لئے میاں برادران کو تعلیم کے شعبے پر خصوصی توجہ دیناپڑے گی۔راقم کے خیال میں محکمہ تعلیم کواگر قیمت کی بجائے معیار کی بنیاد پرچلایا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔میاں شہباز شریف کے وزراعلیٰ پنجاب منتخب ہونے کے بعد پہلی گفتگو میں تعلیم کے بارے میں اُن کے خیالات سن کوخوشی ہوئی لیکن اصل خوشی تب ملے گی جب میاں صاحب اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنا کر پورے پنجاب میں یکساں نظام تعلیم رائج کریں گے۔میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی کوئی بھی قوم اس

وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک قوم کا ہر فرد اپنے فرائض پوری ایمانداری سے سرانجام نہ دے ،جو قومیں ایمانداری کے راستے سے بھٹک جاتی ہیں
۔کرپشن،بدامنی،دہشتگری،لوٹ مار، قتل و غارت ، غربت، بھوک ،ناانصافی ،بداخلاقی بے حسی، خودغرضی،لالچ ،حوس،دھوکہ دہی مختصر کہ دنیا کی تمام برائیاں اور ناکامیاں، ان قوموں کا مقدر بن جاتی ہیں ۔بڑے ہی دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے ۔ایسا نہیں ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر ہیں کہ ہماری تباہی کی وجہ اسلامی تہذیب سے دوری،جہالت اور بے ایمانی ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی جہالت، اور بے ایمانی کی اس دلدل سے نکلنے کی کوشش نہیں کررہا۔اگر ہم سب ایمانداری سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیں تو ملک وقوم ترقی کر سکتے ہیں ۔بلکہ یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اپناکام ایمانداری سے کریں اس طرح ہم نہ صرف دوسروں کو ایمانداری کی دعوت دے سکتے بلکہ دوسروں کے لیے ایمانداری کی زندہ مثال قائم کر سکتے ہیں۔جب تک نصیحت کرنے والا خود باعمل نہ ہو مجھے نہیں لگتا کہ کوئی دوسرا اس کی نصیحت سے کچھ اثر لے گا۔ ایمانداری کا لفظ بولنے ، سننے اور لکھنے ،پڑھنے میں جس قدر آسان لگتا ہے اس پر عمل درآمد اُس قدر ہی مشکل ہے۔(مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں) ۔اگر ہمارا نظام تعلیم درست اور فعال (یعنی غریب اور امیر کے بچے کے لئے ایک جیسا (یکساں) نظام تعلیم) رائج ہوجائے تو عوام کی دینی ، دنیاوی تعلیم تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔ہر دل عزیز وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے کہا

ہے کہ سرکاری زمینوں پر سکول،کالج اور یونیورسٹیاں بنائی جائیں گی ۔جم جم بنائیں میاں صاحب لیکن اُن سکولوں ،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے اساتذہ کا بھی انتظام کریں جو طالب علموں کو لکیر کا فقیر بنانے کی بجائے دینی، تخلیقی، تعمیری اور شعوری علم سکھانے کی قابلیت رکھتے ہوں ۔آج ہر شخص کا دعوہ ہے کہ وہ اہل علم و عمل ۔اہل عقل ، باشعور اور ایماندار ہے لیکن معاشرے میں چلنے والا نظام جس میں جنس پرستی اور علاقہ پرست عام ہے ہمارے سب دعوؤں کی نفی کرتا ہے ۔ہمارے قول و فعل کا تضاد ہی ہمارے تباہی کا سبب ہے کیونکہ جب تک انسان اپنی خامی یا کمزوری تسلیم نہیں کرتا تب تک اصلاح کا پہلو پسِ پشت ڈلا رہتا ہے ۔اسلامی تہذیب میں جھوٹ اور بے ایمانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اسلامی تہذیب کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات سے واقفیت لازم ہے ۔اگر حکومت وقت واقع ہی ملک و قوم کا بھلا چاہتی ہیں تو پھر سارے قوانین اسلامی تہذیب کو مد نظر رکھتے ہوئے تشکیل دیں اور اسلامی تعلیمات کو ہر مضمون سے زیادہ اہمیت دیں ۔خود بھی عظیم مسلم حاکموں کی طرح اسلامی تہذیب تمدن عقائد اصول و نظریات اور روایات اپنا کر سادہ زندگی بسر کریں اور قوم کو بھی اس بات، کا درس دیں ۔جنس اور علاقہ پرستی کے رواج کو ختم کرکے انسانیت کے اصولوں کو فروغ دیں ۔

وزارتِ رشوت وسفارش

جیسا کہ آپ جانتے ہیں 25 رکنی وفاقی کابینہ نے حلف اُٹھا لیا جن میں امور قومی سلامتی، ہوابازی، داخلہ ،پانی وبجلی، ریلوے، خزانہ سمیت دیگر اہم وزیر اور مشیر شامل ہیں لیکن ماضی کی طرح اس بار بھی کچھ اہم وزارتوں کو اہمیت نہیں دی گئی ،ایسی وزارتیں جو سارے خسارے پوری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں ۔پہلی وزارت تو محکمہ کرپشن کی بنتی تھی لیکن میاں نواز شریف کرپشن کے خلاف اعلان جنگ کرچکے ہیں اس لئے اب تو صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب کو اس عظیم جہاد میں فتح نصیب فرمائے (آمین) پاکستان کے عوام ٹیکس دیتے ہیں اور نہ دینا چاہتے ہیں لیکن ہماری حکومتیں ہر دور میں ٹیکس اکٹھا کرنے کی غرض سے بڑی محنت کرتی ہیں۔ جو چیز لوگ خوش ہو کر دیتے ہیں اُس کا آج تک کوئی محکمہ اور وزارت ہی قائم نہیں کی گئی ۔جی ہاں میری مراد رشوت سے ہے۔ موجودہ حالات میں رشوت ستانی فوری طور یاتادیر ختم ہوتی نظر نہیں آتی اس لئے اگر وزارت رشوت کا قیام عمل میں لا کر رشوت کو قومی امانت قرار دے دیا جائے اور چوری چھپکے کی بجائے سرعام ریٹ لسٹ لگادی جائے تو بھی عوام کی بہتری ہو سکتی ہے،اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وزیر رشوت کسی قسم کی سفارش قبول نہ کرے،جو سائل محکمہ رشوت کے قوائد وزوابط کے مطابق مقررہ نرخ ادا کردے اُس کی درخوست پر

عمل ہو جانا چاہئے ۔اگر وزیر رشوت ،رشوت لے کر بھی سفارشیوں کے کام کرے گا تو اس وزارت کا مقصد ختم ہو جائے ۔باقی تمام محکموں کی طرح اس محکمے پر بھی لوگوں کو اعتبار نہیں رہے گا۔ایسا میں اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ اگر کسی شخص کے پاس رشوت کی رقم اور سفارش دونوں موجود ہیں تو اُس کا کام آج بھی نہیں رکتا۔ہم گزشتہ 65.66سالوں سے ٹیکس اکٹھا کرنے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں اس لئے اگر ٹیکس کی بجائے رشوت ستانی کو قانون کے دائرے میں لاکر ایک وزیر تعینات کر دیا جائے تو ملکی خزانے کو اچھا خاصہ فائدہ ہو سکتا ہے۔آج محکمہ پولیس میں سپاہی بھرتی ہونے کے لئے لوگ میرٹ پر پورا اُترنے کے بعد دو سے تین لاکھ رشوت دینے کے لئے تیار ہیں واپڈا میں چھوٹی سے چھوٹی ملازمت کے لئے بھی لاکھ دو لاکھ روپے کی رقم کچھ زیادہ نہ، ہے ۔اسی طرح ہر محکمے میں آفیسر رشوت لیتے اور عوام دیتے ہیں۔اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ عوام تھانے کچہری سے لے کر ہر سرکاری دفتر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی جیب میں کچھ نہ کچھ ڈال کر جاتے ہیں۔محکمہ رشوت کے قیام کا فائدہ براہ راست عوام کو پہنچے گا کیونکہ آج لوگ ملازمت کے لئے رشوت کی رقم دے کر بھی ملازمت حاصل کر پاتے ہیں نہ ہی اُن کی رقم واپس ملتی ہے ۔اپنے جائز کام کے لئے رشوت دینے کے باوجود مہینوں سرکاری دفاتر کے چکر کاٹنا پڑتے ہیں ۔ہاں اگر سفارش کو بھی زندہ رکھنا لازمی ہے تو پھر اُسے بھی قانون کے دائرے میں لاکر ملکی خزانے اور عوام کی بہبود کے لئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ،کچھ محکمے

رشوت اور کچھ سفارش میں بانٹ کر مزید بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ رشوت اور سفارش کی وزارتیں قائم ہونے پر اقرباء پروری کا خاتمہ ہونے کے امکانات تو روشن ہیں لیکن پھر بھی اگر اقرباء پروری زندہ رہے تو اُسے بھی ایک وزیر دے دیا جانا چاہیئے ۔ارے ارے قارائین پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ تمام وزیر ملکی خزانے پر کسی قسم کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے کیونکہ یہ اپنے لئے خود وسائل پیدا کر سکتے ہیں اس لئے حکومت ان کو کچھ دینے کی بجائے اگر صرف لینے کی شرط پر وزارتیں دے تو بھی لاکھوں اُمیدوار میدان میں نظر آئیں گے اور کئی جگہ خون خرابہ ہونے کے امکانات بھی موجود ہیں ،اِن محکموں کی وزارتیں حاصل کرنے کے اربوں کی بولی بھی لگائی جائے تو بھی لوگ دینے کو تیار ملیں گے ۔راقم ماہر رشویات، ماہر سفارشیات اور اقرباپروریات نہیں ہے اس لئے اگر حکومت وقت کو مشورہ پسند آئے تو ضروری ہے کہ اِن محکموں کے ماہرین جو کہ ہمیں باآسانی پاکستان کے ہر شہر اور گاؤں میں مل جائیں گے کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ وزارت رشوت، وزارت سفارش اور وزارت اقرباپروری سے بہتر سے بہتر نتائج برآمد کئے جا سکیں ۔اگر میاں صاحب کو کرپشن کے خلاف جنگ میں مشکلیں پیش آئے اور اس نگ میں ہار کے امکانات زیادہ ہوجائیں تو کرپشن کو بھی ایک قابل وزیر سے نواز کر قومی خدمت کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں ۔ قومی خدمت اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ کرپشن ،رشوت ، سفارش اور اقرباء پروری کو محکمے بنا دیئے جائیں تو اِن تمام لعنتوں کو پی آئی اے ،ریلوے ، سٹیل مل اور

دیگر اداروں کی طرح تباہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

امن سے قیمتی کوئی اثاثہ نہیں

لاکھوں انسانی جانوں کو چیونٹیوں کی طرح اپنے پیروں تلے کچلنے کے بعد آخر کار طاقت کے نشے میں مست ہاتھیوں کو مذاکرات کی طرف آنا ہی پڑا۔دونوں اطراف کے ہاتھی یہ جنگ جیتنے کے دعویدار ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے دونوں کا غرور خاک میں ملا دیا ہے۔19 جون 2013ء کے دن دنیا بھر کے اخبارات نے یہ خبر اپنی شاہ سرخیوں میں شائع کی کہ طالبان نے قطر میں اپنا دفتر کھول لیا،امریکہ براہ راست مذاکرات کرے گا،افغان صدر حامد کرزئی بھی مذاکرات کے لئے اعلیٰ سطح کا حکومتی وفد قطر بھیجیں گے ،قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کا باضابطہ افتتاح کیا گیا،امریکی حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات آئندہ ہفتے شروع کیے جائیں گے۔ترجمان طالبان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ دنیا کے ساتھ امن مذاکرات کے عمل کو آگے بڑھانا ہے۔امریکن حکومت ،افغان حکومت اور طالبان قیادت کا مذاکرات کی میز پر اکٹھے بیٹھنا یقینا مثبت اقدام ہے۔لیکن پاکستان میں امریکی ڈرون حملے اور طالبان کی پرتشدد کارروائیاں دونوں قوتوں کا منہ چڑا رہی ہیں۔پاکستان میں امریکی ڈرون حملوں کے ساتھ ساتھ خودکش اور ٹارگٹ حملے قطر میں ہونے والے امن مذاکرات کو متاثر کر سکتے ہیں۔لہٰذا پاکستانی حکومت کو بھی فوری طور پر پاک،امریکہ اور طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کی راہ ہموار کرنی چاہیے

تاکہ دونوں اطراف امن قائم کیا جاسکے۔امریکہ کی طرف سے طالبان کو مضبوط قوت کے طور پر قبول کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ جب تک مخالفین کی قوت کو تسلیم نہ کیا جائے امن کی راہ ہموار نہیں ہو سکتی۔ترجمان طالبان کا بیان کہ دنیا میں امن مذاکرات کے عمل کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ طالبان اُس قدر تشدد پسند نہیں ہیں جتنا کہ بتایا جاتا ہے۔قطر میں طالبان کا باقاعدہ دفتر اور امریکی حکومت کی طرف سے باضابطہ مذاکرات کا اعلان اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ کرزئی حکومت اور امریکہ کی طالبان کے ساتھ صلح صفائی ہو چکی ہے۔آئندہ ہونے والے مذاکرات کا مقصد صلح کے اس عمل کو جاری رکھتے ہوئے پائیدار امن کا قیام ہے۔ اگر امریکہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کر سکتا ہے تو پھر پاکستان کیوں نہیں کر سکتا؟جب حکمران قوم کے وسیع تر مفاد میں سود پر قرض حاصل کرنے کے لئے آئی ایم ایف کے تلوے چاٹ سکتے ہیں ،زکواۃ و صدقات مانگتے شرم نہیں آتی تو ملک میں قیام امن کی خاطر مذاکرات کی میز پر کیوں نہیں بیٹھ سکتے ؟آخر وہ کون سی طاقت ہے جو امریکہ، طالبان مذاکرات کے باوجود پاکستان کو مذاکرات کے عمل سے دور کر رہی ہے ؟حقیقت تو یہ ہے نائن الیون کے بعد شروع ہونے والی امریکہ ،افغان جنگ نے پرامن پاکستان کو دہشتگردی کی نظر کر دیا اور اب جبکہ جنگی عزائم رکھنے والے مذاکرات کے ذریعے سالوں جاری رہنے والی جنگ سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں تو پاکستان کو بھی پُرامن مذاکرات کی طرف بڑھنا چاہئے۔میں ایک عام آدمی ہوں اور میرے ذہن میں

پیدا ہونے والے سوالات اور خیالات بھی انتہائی عام حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ دنیا میں امن سے زیادہ قیمتی کوئی اثاثہ نہیں ہو سکتا اور امن کو صرف اور صرف مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر ہی قائم کیا جا سکتا ہے۔

مذہب اسلام نے اپنی تعلیمات اور ضابطہ حیات میں انصاف پر بہت زیادہ زور دیا ہے اگر ہمارے حکمران مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات ، قانون ، ضابطہ حیات اور اصلی آئین یعنی شریعت محمدیؐ پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں تو معاشرے میں کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔آج ہمارے معاشرے میں وہ تمام برائیاں موجود ہیں ۔جو ایک مسلم معاشرے میں نہیں ہونی چاہیں ۔میرے خیال میں دنیا کی ہر برائی ناانصافی سے شروع ہوتی ہے ۔اگر معاشرے سے ناانصافی کا خاتمہ کردیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔لیکن اس کام کے لیے ہمیں پوراپورااسلام میں داخل ہونا ہوگا کیونکہ کائنات میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا ضابطہ حیات موجود نہیں ہے ۔اگر مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر مزید وقت ،طاقت اور قوت ضائع کیے بغیر اللہ تعالٰی کے دین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔دنیا میں ہر کام کے لیے حرکت ،طاقت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر کام کی انجام دہی محنت کہلاتی ہے ۔دنیا کی تمام ترخوب صورتی ،پائیداری محنت اور مشقت ہی کی بدولت ہے ۔ محنت اس کائنات کا ایک ایسا اصول ہے جس پر عمل کی بنیاد پر انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں ثمرات میسرآتے ہیں ۔خود خالق کائنات نے بھی بڑے

واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ انسان کو زندگی میں وہی کچھ ملے گا جس کے لیے وہ محنت کرے گا۔اور انسان کو وہی کاٹنا پڑے گا جو وہ اپنے ہاتھوں سے بوئے گا۔طاقت اور قوت کا استعمال اگر غلط حکمت عملی کی نظر کر دیا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج تک دنیا میں کبھی بھی کسی بھی قوم کو درست حکمت عملی پیراا اور بہتر سے بہتر دستور بنائے بغیر حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہوگی۔اب سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دستور جس کا دوسرا نام منشور بھی ہو سکتا ہے اس کے بنانے والوں کی حیثیت کیا ہے وہ دنیا و آخرت کے کن ، کن امور میں مہارت رکھتے ہیں ۔ بیشک انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام مخلوقات سے اعلیٰ افضل بنا کر اشرف المخلوقت ہونے کا شرف بخشاء ہے۔اس حقیقت میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کائنات کے وہ راز افشاں کیے جو کائنات کی کسی اور مخلوق پر نہیں کیے۔اور سب سے بڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے ایک ایسا دستور عطا فرمایا ہے جس کا تا قیامت کوئی متبادل نہیں ہو سکتا جی قارئین آپ بالکل ٹھیک سمجھے میرا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہی ہے۔میرا ایمان ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی موجودگی میں انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کسی دوسرے قانون کی بالکل کوئی ضرورت نہ تھی نہ ہے اور نہ ہی قیامت تک ہوگی ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے بہتر کوئی قانون ہو ہی نہیں سکتا اور کون ہے جو خالق کائنات کے قانون کو بدل سکتا ہے ۔اللہ کے سوا کون ہے جو سورج

کو مشرق کی بجائے مغرب سے نکال سکتا ہے۔ کون ہے وہ جو بیمار کو شفاء دیتا ہے ۔ میرے خیال میں جو مسلمان ہو جسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین ہو اور جو قرآن کریم کو کلام الٰہی مانتا ہو اسے کسی بھی دوسرے دستور کی ضرورت نہیں۔ لیکن بد قسمتی سے پچھلے 64.65 سالوں جب سے پاکستان آزاد ہوا ہے تب سے آج تک ہمارے حکمران اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور بنانے اور بنا کر بدلنے میں مصروف ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو کون بتائے کہ مسلمانوں کے پاس کائنات کا سب سے اچھا، سچا اور قابل عمل دستور قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے۔اسی دستور کو نافذ کرنے کی ضرورت حضرت علامہ اقبالؒ نے محسوس کی اور مسلمانوں کے لئے نہ صرف ایک آزاد ریاست کا تصور پیش کیا بلکہ ملک خداداد کا نقشہ بھی بتا دیا۔اب ہمارے لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا پاکستان کے آزاد ہو جانے کے بعد ہمارے لیے وہ دستور (قرآن کریم) نہ قابل قبول کیوں ہو گیا؟ جس پر عمل پیرا ہونے میں مشکلات کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک آزاد ریاست کے لیے جدوجہد کی تھی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر برصغیر کے مسلمانوں کے پاس ان کا اپنا دستور (قرآن کریم) موجود نہ ہوتا تو کبھی بھی پاکستان آزاد نہ ہوتا۔ حکمران 65 سال تو کیا قیامت تک بھی لگے رہیں پھر بھی کوئی دستور نہیں بنا سکتے نہ صرف پاکستان کے حکمران بلکہ اگر پوری دنیا کے لوگ بھی اکٹھے ہو کر بنانا چاہیں تو بھی میرے اللہ کے قرآن کے مقابلے کا دستور نہیں بنا سکتے۔ قارئین اگر میں صرف حکمرانوں کو ہی تنقید کا نشانہ بناؤں، تو انصاف نہ ہوگا

کیونکہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران ہوں گے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ سلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا (یااللہ جب آپ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب تم دیکھو ملک کی حکمرانی نااہل اور بدکار لوگوں کے ہاتھ ہے۔اور دولت بخیلوں اور چوروں ڈاکوؤں کے پاس ہے تو سمجھ لینا کہ میں (اللہ)اس قوم سے ناراض ہوں۔حضرت موسیٰ علیہ سلام نے پھر سوال کیا یا اللہ جب راضی ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کے ملک کے حکمران نیک ،ایمان دار ،انصاف پسند اور خوف خدا رکھنے والے ہیں تو سمجھ لو کہ میں یعنی اللہ تعالیٰ)اس قوم پر بہت راضی ہوں ۔پاکستان کی آزادی ہم نے اس لیے حاصل) کی تھی کہ ایک ایسا معاشرہ ترتیب دے سکیں جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا دین نافذ ہو لیکن بد قسمتی سے آج مسلمان اصلی دستور یعنی اللہ کے قرآن کو جس میں ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے کو چھوڑ اپنے پاس سے نئے دستور بنانے میں اپنی طاقت اور قوت ضائع کر رہے ہیں ۔ہم نے پاکستان لاالہ کی بنیاد اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے حاصل کیا تھا جسے آج آزادی کے 66 برس گزرنے کے بعد بھی ایک خواب ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

عام آدمی قربانی کا بکرا

الیکشن سے پہلے خوش کن وعدے، عام آدمی کو ریلیف دینے کی باتیں، مہنگائی اور بے روزگاری ختم کرنے کے دعوے، کرپشن کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے اعلانات اور عوامی خدمت کے دل فریب جملے۔ الیکشن جیت کر حکومت بنانے کے بعد جوش خطابت میں ڈھل گئے اور عام آدمی کے حصے میں ایک بار پھر سے قربانی آئی۔ اسی کا نام سیاست ہے۔ جو عوام کے جذبات سے کھیلنے کی جتنی زیادہ مہارت رکھتا ہے وہ اُتنا ہی بڑا لیڈر کہلاتا ہے۔ جو دوسروں کے وسائل اور محنت کو اپنے کھاتے میں ڈال کر شہرت پا جائے وہ بڑا سیاست دان بن جاتا ہے۔ سیاست دان کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ تیرے منہ پہ تیرا، میرے منہ پہ میرا اور حقیقت میں کسی کا بھی نہیں۔ عوام کو بھیک کی بجائے باعزت روزگار دیں گے کے دعوے بھی جھوٹ نکلے اور ماضی کی طرح ہنر مند نوجوانوں کو نرم شرائط پر قرضے اور غریب عوام کو بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی رقم میں ملنے والی بھیک کی رقم 1000 سے بڑھا کر 1200 روپے کر دی گئی ہے۔ قرض لے کر نوجوان کیا کر لیں گے زیادہ سے زیادہ رکشہ یا ٹیکسی خرید لیں گے یا پھر محلے میں کوئی دکان کھول کر بیٹھ جائیں گے۔ جناب عالی ٹیکسی یا دکان والا ملک کی ترقی میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ بے مقصد ہے سب جناب کسی ملک کی

فیصد آبادی ٹیکسی ،رکشے یا دکانیں چلائے گی تو ملک کیا خاک ترقی کرے گا؟ میاں 80
صاحب عوام کو قرض اور بھیک نہ دیں بلکہ باعزت روزگار کا انتظام کریں ۔میاں
صاحب معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اگر عوام کو بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی
صورت میں بھیک پر ہی گزارا کرنا ہوتا تو پیپلز پارٹی میں کیا بُرائی تھی ؟کیوں لوگوں
نے بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام متعارف کروانے والوں کو الیکشن 2013ء میں رد
کرکے آپکو ووٹ دیا ؟کیا آپ کی نظر میں عوام نے بھیک کی رقم ایک ہزار سے بڑھا کر
بارہ سو روپے کرنے کے لئے پیپلزپارٹی کی بجائے مسلم لیگ (ن) کو مینڈیٹ دیا ؟اگر
ایسا ہے تو شاید آپ نے پیپلزپارٹی کا اعلان نہیں سنا ہوگا جس میں اُنہوں نے بے نظیر
انکم سپورٹ پروگرام کی رقم ایک ہزار سے بڑھا کر دو ہزار کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن
عوام نے اس بھیک کو ٹھکرا کر مسلم لیگ (ن) کو ووٹ دیا کیونکہ میاں صاحب سے
عوام کو یہ اُمید تھی کہ وہ بے روزگاری کو ختم کرکے باعزت روزگار فراہم کریں گے ۔
ایم اے پاس 25 سال سے کم عمر نوجوانوں کو ٹریننگ اور دس ہزار روپے وظیفہ دینے
کا اعلان کیا گیا ہے ۔بندہ حکمرانوں سے پوچھے نوجوانوں کو 16 سال تک سکول ،کالج اور
یونیورسٹی میں کیا پڑھایا گیا؟ جو اُنہیں ایم اے کرنے کے بعد بھی ٹریننگ کی ضرورت ہے
۔بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کے 16 سال زندگی کا ایک بڑا اور اہم حصہ ہوتے
ہیں ۔کیا میرے وطن کے نوجوان یہ اہم ترین 16 سال سکولوں ،کالجوں اور یونیورسٹیوں
میں جھک مار کر گزار رہے ہیں ؟کیسا سنگین مذاق ہے کہ دو، تین

سال پنکچر کی دکان پر کام سیکھنے والا بچہ 25 سال کی عمر تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور 16 سال میں سخت محنت کر کے ایم اے پاس کرنے والا نوجوان بے روزگار اور دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔ میرے وطن میں تعلیم کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بات کر رہے تھے قربانی کی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑے "ٹڈوں" والے کب قربانی دیں گے؟ کیا ہمیشہ قربانی کا بکرا عام عوام کو ہی بننا پڑے گا؟ جو ملکی وسائل کو بے دردی سے لوٹ رہے ہیں اُن کا احتساب کب اور کون کرے گا؟ حکمرانوں کو ووٹ امیر اور غریب دونوں ہی دیتے ہیں لیکن بد قسمتی سے غریب کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ وہ حکمرانوں کو قیمتی تحائف دے سکیں، حکمرانوں کی محفل میں چاروں طرف امیر ہی نظر آتے ہیں جبکہ ایوان اقتدار میں پہنچانے میں غریب کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے پھر بھی غریب عوام جنہیں عام آدمی کہا جاتا ہے کا حکمران فون بھی نہیں سنتے۔ غریبوں کے نام جاری ہونے والی ریلیف سکیمیں بھی امرا ء کے گھر ہی چلی جاتی ہیں۔ بڑی بڑی فائلوں میں تو عام آدمی کو ریلیف دے دیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ہر بار قربانی کا بکرا عام آدمی ہی بنتا ہے۔ جی ایس ٹی میں اضافے کے بعد مہنگائی کا جو طوفان آیا ہے اُس سے کسی امیر کے محل کو کچھ فرق نہیں پڑا لیکن غریب یعنی عام آدمی جس کے مکان کی چھت پہلے ہی بک چکی تھی اب دیواریں اور اُس کے بعد فرش بھی بک جائے گا۔ حکمرانوں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عام آدمی کا گھر سیلابی پانی میں بہہ جائے یا مہنگائی کا طوفان لے اُڑے اُن کے

نزدیک تو عوام بس قربانی کا بکرا ہیں۔ جن کو آٹے کا ریٹ نہیں معلوم وہ کیا خاک عام آدمی کو ریلیف دیں گے؟ میاں صاحب غریب عوام کی حالت پہلے ہی بہت خراب ہے خُدارا اور ظلم مت کریں۔ عام آدمی ہمیشہ سے اپنے حصے سے زیادہ ٹیکس ادا کرتا آیا ہے اب اُن لوگوں سے ٹیکس وصول کریں جن کی آمدن زیادہ ہے، جن کی جاگیریں زیادہ ہےں۔ جس کے پاس اپنا مکان نہیں، روزگار کے نام کوئی شے نہیں، کوئی فیکٹری یا کارخانہ یا کوئی کھیت کھلیان نہیں وہ کیا ٹیکس دے گا، جو نہ آنے والی بجلی کا بل ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، جو دل ہی دل میں دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کم نہ ہونے پائے ورنہ میں بل کہاں سے ادا کروں گا، جو غربت کے ہاتھوں تنگ آکر خودکشیاں کررہا ہے اُس عام آدمی سے کس بات کی قربانی چاہتی ہے حکومت؟

ثاقب کا قاتل صرف برف فروش نہیں

گزشتہ دنوں فیصل آباد کے علاقہ جڑانوالہ میں برف فروش کے ہاتھوں 8 سالہ بچے ثاقب علی کے قتل کا دل دہلا دینے والا اندوہناک واقع پیش آیا۔جب نیوز چینلز نے یہ خبر نشر کی کہ فیصل آباد میں شہباز عرف کالا نامی برف فروش نے برف کا ایک ٹکڑا اُٹھانے پر طیش میں آ کر برف توڑنے والا سواء 8 سالہ ثاقب علی کے سر میں مار کر شدید زخمی کر دیا ہے ساتھ ہی بچے کے جاں بحق ہونے کی خبر نشر ہو گئی۔اُس وقت نیوز چینلز دیکھنے والوں کی آنکھیں نم تھیں۔ہر کوئی اپنے انداز میں برف فروش کو کوسنے کے ساتھ ساتھ ثاقب علی کے والدین کے لئے دعا گو تھا۔وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے خبر کا نوٹس لیتے ہوئے فوری طور پر آئی جی پنجاب پولیس کو ہدایت جاری کرتے ہوئے حکم صادر فرمایا کہ مجرم کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے۔پولیس نے برف فروش کو گرفتار بھی کر لیا اور ملزم برف فروش شہباز عرف کالا کے خلاف مقتول ثاقب علی کے والد عبدالغفار کی مدعیت میں تھانہ صدر جڑانوالہ میں بھی مقدمہ درج کر لیا گیا۔یہ یقیناً ایک دل تڑپا دینے والا واقعہ ہے جس کی مذمت ہر کسی نے کی۔کسی نے برف فروش کو سفاک قاتل کہا۔کسی نے درندہ، کسی نے ظالم، کسی نے وحشی اور کسی نے جانور کہہ کر اپنے دل کی بڑھاس نکالی۔ایک برف کے ٹکڑے کی وجہ سے

سالہ معصوم کو اتنی بے دردی سے قتل کرنا بہت ہی ظالمانہ عمل ہے اس کی جتنی بھی 8 مذمت کی جائے کم ہے۔بے شک برف فروش شہباز عرف کالا ایک درندہ صفت ظالم انسان ہے جسے سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے۔یہ ہے ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی عام اور وافر رائے۔اس رائے کو فطری عمل بھی کہا جاسکتا ہے۔بالکل ایسے ہی جیسے کہ دیہاتی عورتیں اکثر بولتی ہیں کہ (کنا کھوراے نی اے بندہ اینوتے قید ہو جانی چائی دی اے) یعنی سڑک پر اکثر ہم حادثے دیکھتے ہیں۔لوگ حادثے کی جگہ بھاگ کر پہنچتے ہیں بڑے تجسس کے ساتھ دوسروں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ کر زخمیوں کی حالت کا اندازہ لگانے کے بعد کہتے ہیں۔اندھے ہو کر چلاتے ہیں یہ لوگ گاڑیاں ،ان کو نظر ہی نہیں آتا ،اگر یہ کم رفتار میں گاڑی چلائیں تو زیادہ سے زیادہ پانچ ،دس منٹ زیادہ لگ جائیں گے منزل تک پہنچنے میں لیکن کسی کی جان تو بچ جائے گی۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے بھائی۔سڑک پر ایک شخص زخمی حالت میں ہماری مدد کا طالب ہے لیکن ہم اُسے اُٹھانے کی بجائے گاڑی والے کو بُرا بھلا کہنے کے بعد اپنی راہ چل دیتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح وزیر اعلیٰ پنجاب نے اس واقع کا نوٹس لے کر ملزم کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کرتے ہوئے ثاقب علی کے والدین کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش تو کر دی لیکن اس واقع کی وجوہات جاننے کی کوشش نہیں کی۔یوں تو خبر میں صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ 8 سالہ ثاقب علی 10 روپے کی برف لینے شہباز عرف کالا برف فروش کے پاس گیا اور اُس کی برف میں سے چھوٹا سا ٹکڑا اُٹھا

لیا جس پر برف فروش نے گالی دی ،گالی دینے سے منع کرنے پر برف فروش طیش میں آگیا اور برف توڑنے والے سوائے سے بچے کے سر پر وار کردیا۔وار اتنا شدید تھا کہ بچہ جانبر نہ ہوسکا۔بات بہت سادہ اور سیدھی ہے لیکن بات یہاں ختم نہیں بلکہ یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں بہت سے سوالات سر اُٹھا کر اہل اقتدار اور معاشرے سے جواب مانگ رہے ہیں۔کیا برف فروش کے پاگل پن کی وجہ صرف یہ تھی کہ بچے نے برف کا ٹکڑا اُٹھالیا تھا؟ ہرگز نہیں یہ سلسلہ برف فروش کے ساتھ سارا دن جاری رہتا ہے (لیکن خیر حکمران یہ بات نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ کبھی برف کے پھٹے سے برف نہیں خریدتے) کون کہتا ہے کہ کوئی انسان اتنا ظالم ہوسکتا ہے کہ برف کے چھوٹے سے ٹکڑے کی خاطر کسی معصوم کو قتل کردے ؟برف فروش ضرور پہلے سے پریشان تھا،اُس کی غربت اُس کا منہ چڑا رہی ہوگی۔بے روزگاری، مہنگائی اور لوڈشیڈنگ نے ہرپاکستانی کی طرح اُس کا دماغی توازن بھی بگاڑ دیا ہوگا۔نہ آنے والی بجلی کے آنے والے بل نے جان نکال رکھی ہوگی۔مالک مکان کرایہ وقت پر نہ ملنے کی وجہ مکان خالی کرنے کا کہہ رہا ہوگا۔محلے کے دکاندار نے مزید راشن اُدھار دینے سے انکار کردیا ہوگا۔غربت کی ہنڈیا کو کسی امیر نوابزادے نے اُس کی غربت کو گالی دے کر دولت کے نشے کا تڑکا لگایا ہوگا۔اگر ان ساری وجوہات میں سے کوئی بھی اُس کے پاگل پن کی وجہ نہ تھی تو پھر ایک بات لازم ہے کہ میری طرح اُس کی بھی دینی اور اخلاقی تعلیم وتربیت میں بہت کمی رہ گئی ہوگی۔ورنہ صرف ایک برف کے ٹکڑے کی خاطر

اتنا بڑا ظلم انسان تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب بچہ دس روپے کی برف خرید ہی رہا تھا تو اُس نے پہلے برف فروش کی برف کیوں اُٹھائی ؟ اور اگر بچے نے برف اُٹھا ہی لی تھی تو برف فروش اتنی طیش میں کیوں آگیا ؟ جہاں تک بات ہے بچے کے برف اُٹھانے کی تو ہمارے ہاں یہ عام سی بات ہے ہم سب ہی خرید وفروخت کرتے وقت تھوڑی سی چیز ضرور اُٹھا کر دیکھتے ہیں ۔ گرمی کے عالم میں پیاس نے معصوم کو برف کا ٹکڑا اُٹھا کر لب ٹھنڈے کرنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔ باقی رہی بات برف فروش کے طیش میں آنے کی تو کون نہیں سمجھ سکتا کہ برف فروش غریب آدمی ہوگا (جو آج کل خودکشیاں کرنے پر مجبور ہو چکا ہے۔) حد سے زیادہ لوڈشیڈنگ اور گرمی کی شدت کی وجہ سے برف کے کارخانوں میں برف کی پیداوار کم ،برف کا معیار بھی ناقص ہوتا ہے اور ریٹ ڈبل سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں ،برف فروش رات بھر کارخانوں کے باہر بیٹھ کر صبح برف ملنے کا انتظار کرتے ہیں ۔برف ،برف فروش کے پھٹے تک پہنچتے پہنچتے آدھی رہ جاتی ہے، جوں جوں غریب برف فروش کی برف پگھلتی ہے توں توں نقصان کے اندیشے بڑھتے جاتے ہیں ۔ جس انسان نے برف فروخت کرکے شام کو بچوں کا رزق خریدنا اور صبح برف کے لئے اصل رقم بھی قائم رکھنی ہوتی ہے اُس کی پریشانی صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو غربت کے عالم میں زندگی بسر کرتا ہے ۔ میں نہیں جانتا کہ فیصل آباد کے برف فروش شہباز عرف کالا کی زندگی کن مشکلات کا شکار تھی یا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ دور حاضر میں ایک غریب کی زندگی کس قدر

مشکلات سے دوچار ہے۔سنا ہے کہ قاتل برف فروش پاگل نہیں بلکہ نارمل انسان ہے ۔لیکن معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ برف فروش شہباز ہی نہیں بلکہ مہنگائی، بے روزگاری، دہشتگردی، لوڈشیڈنگ، مایوس اور نااُمیدی نے پوری پاکستانی قوم کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔جب انسان حالات سے تنگ آ کر کو خودکشی کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے تو پھر اُس کے نزدیک کسی دوسرے کی جان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ظالم برف فروش نے بھی معصوم بچے کو قتل کرکے خودکشی ہی کی ہے۔انسان کے خودکشی پر مجبور ہونے کی ایک وجہ تو انتہائی غربت ہے اور دوسری اہم وجہ دینی اوراخلاقی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے جو انسان کو مشکل حالات میں صبر کادامن تھامے رکھنے کا نہ صرف درس دیتے ہیں بلکہ حوصلہ بھی پیدا کرتے ہیں،اس قتل کے پیچھے صرف برف فروش کا طیش نہیں بلکہ معاشرے میں پایا جانے والا عدم برداشت کا ماحول ہے۔ دو دن پہلے گرین ٹاؤن لاہور میں ایک نوجوان نے بجلی کے تاروں سے چمٹ کر خودکشی کرلی، یہ خودکشی کرنے والا نوجوان بھی معصوم تھا کس کو اُس کا قاتل کہیں ؟کس کو وحشی، درندہ، ظالم اور جانور کہیں ؟وزیر اعلیٰ نے کیونکہ نوٹس لے کر کسی کو گرفتار کرنے کا حکم صادر نہیں کیا؟ کیوں کسی کے خلاف مقدمہ درج نہیں کیا گیا ؟آخر یہ بھی تو کسی ماں کا بیٹا تھا، کسی بہن ،بھائی کا بھائی تھا، کسی کا شوہر تھا،کچھ نہ تھا لیکن انسان اور پاکستان کا شہری تو تھا۔میں پوچھتا ہوں اہل اقتدار سے ،میں پوچھتا ہوں معاشرے سے کیوں اس نوجوان کے قاتل کو گرفتار نہیں کیا گیا؟ کیوں

کسی کے خلاف مقدمہ درج نہیں کیا گیا ؟اگر ہمت ہے تو کرو اہل اقتدار کے خلاف مقدمہ درج ،اگر ہمت ہے تو کرو اس معاشرے کے خلاف مقدمہ درج جو غریب کو نیچ گھٹیا سمجھ کر دھتکارتا ہے یہاں تک کہ انسان خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ برف فروش کو سفاک کہیں یا ظالم ،عمر قید کی سزا دیں یا سولی پر چڑھا دیں جب تک اہل اقتدار غریب کے لئے دینی واخلاقی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مناسب روزگار کا اہتمام نہیں کرتے تب تک ایسے واقعات کو روکنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ میری نظر میں معصوم ثاقب کا قاتل صرف برف فروش نہیں بلکہ میں آپ اور سارا معاشرہ بھی ہے۔

علماء جواب دیں

بہت دنوں سے ذہن میں سود کے حوالے سے کچھ سوالات گردش کر رہے تھے جو اپنے ملک کی اسلامی خاص طور پر سیاست میں حصہ لینے اور حکومتوں میں شامل رہنے والی اسلامی جماعتوں کے امیروں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا تھا لیکن علم و عمل کی کمی کی وجہ سے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ سودی لین دین کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) سختی سے ہر قسم کے حرام سے دور رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔ میں سود کے خلاف پہلے بھی قلم اُٹھا چکا ہوں لیکن آج میں اپنے علماء کرام کی خدمت میں کچھ اہم سوالات پیش کرنے کی جسارت کروں گا لیکن اُس سے پہلے صاحبزادہ ذیشان کلیم کی سود کے متعلق کچھ کھری اور سچی دلیلیں پیش کروں گا۔ صاحبزادہ ذیشان کلیم اپنے مضمون ''سود شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے ''میں لکھتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے سود کے حرام ہونے کے حوالے سے فرمایا تھا کہ یہ قانون پوری انسانیت کی تعمیر واصلاح اور فلاح کے لئے ہے۔ لہٰذا اس کا اطلاق نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں پر بھی ہوگا۔ نبی کریمؐ کے اس فرمان کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک جرم بن گیا ہے۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے نبی کریمؐ نے اُن کو اپنے اعمال کے ذریعے

آگاہ فرمایا کہ اب وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو اُن کے خلاف جنگ کی جائے گی یعنی سرکار دو عالم ﷺ نے سود کا لین دین کرنے والوں کے خلاف اعلان جہاد'' جنگ) فرما کر یہ بات واضح کردی کہ سود کا کاروبار کرنے والے اللہ تعالیٰ اور اُس کے) دین کے دشمن ہیں'' صاحبزادہ ذیشان کلیم لکھتے ہیں کہ ''نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت میں اندرونی خود مختاری دی گئی تو معاہدہ میں تصریح کر دی گئی کہ اگر سودی کاروبار کروگے تو معاہدہ ختم ہوجائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہوجائے گی۔ سرکار دو عالمؐ نے جب اہل طائف کے ساتھ معاہدہ امن کیا تو سودی لین دین کے خاتمے کی شرط لگائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ جو شخص اسلامی مملکت میں سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اُس کی گردن اُڑادے۔'' مختصر کہ سودی لین دین کرنے والوں اور اُن کے نظام حکومت کے خلاف اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ نے اعلان جنگ کیا ہے۔ میرا پاکستان کے تمام علماء اور خاص طور پر مولانا فضل الرحمٰن مفکر و شیخ اسلام مولانا طاہر القادری، مولانا محمد احمد لدھیانوی، سید منور حسن اور تمام، علماء کرام کی خدمت میں یہ سوال ہے کہ اگر سود کے خلاف خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب ﷺ نے اعلان جنگ کر رکھا ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کو ماننے والے سودی نظام کا حصہ اس قدر خاموشی سے کس طرح بن سکتے ہیں جس طرح آج مولانا فضل والرحمٰن اور سید منور حسن بن چکے ہیں۔ جب ہماری

حکومتیں آئی ایم ایف سے سود پر قرض لیتی اور اپنے ملک کے نوجوانوں کو سود پر قرض دیتی ہیں تو ہم مسلمان اور اہل علم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کیوں نہیں کرتے ؟آخر وہ کون سی مجبوری ہے جس نے علماء کرام کو سودی نظام کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک رکھا ہے ؟آخر وہ کون سی زنجیریں ہیں جنھوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے ہیں؟کیوں ہم اُن لوگوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں جن کا جینا مرنا،اُوڑھنا بچھونا کھانا پینا، سونا جاگنا یہاں تک کہ ہر عمل سودی نظام میں لت پت ہے ؟اگر ہمارے، علماء کرام نے کوئی نیا اسلام دریافت کرلیا ہے جس میں سود کو حرام کی بجائے حلال ہونے کا شرف حاصل ہے تو پھر علماء قوم کو اُس دین سے آگاہ کیوں نہیں کرتے ؟اگر اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ لڑنے والوں کے ساتھ سودی نظام میں رہتے ہوئے کوئی امن معاہدہ طے پاچکا ہے تو پھر علماء صاحبان صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ اب سود اُس قدر حرام نہیں رہا۔مجھے لگتا ہے کہ اگر میں اپنے سوالات کو مزید الفاظ دینے کی کوشش کروں گا تو ممکن ہے گمراہی کی حدوں سے گزر جاؤں اس لئے میں آج علماء کرام اور خاص طور پر مولانا فضل الرحمٰن ، مفکر و شیخ اسلام مولانا طاہر القادری ، مولانا محمد احمد لدھیانوی ، سید منور حسن اور تمام علماء کرام کی خدمت میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ سوال رکھتا ہوں کہ سرعام سود کا نظام چل رہا ہے ہم کب اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق اس نظام حرام کے خلاف اعلان جنگ کریں گے ؟کب تک

ہم حرام کھانے کے بہانے تلاش کرتے رہیں گے ؟کب تک اس ظلم کے نظام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے ؟ علماء کرام سے سنا ہے کہ جو مسلمان غلطی سے (بے خبری میں) حرام کھالے بارگاہ الٰہی میں 40 روزتک اُس کی دعا قبول نہیں ہوتی یعنی بے خبری میں حرام کھانے والا مسلمان 40 روزتک بارگاہ الٰہی سے دور ہوجاتا ہے۔اگر ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ حرام نہ کھانے والے مسلمان کی جائز دعا بارگاہ الٰہی میں کبھی رد نہیں ہوتی ۔قارئین محترم ذرہ غور کریں بے خبری میں حرام کھانے سے انسان اپنے رب کی بارگاہ سے دور کردیاجاتا ہے تو پھر جان بوجھ کرروزانہ حرام کھانے والوں کا کیا حال ہوگا؟اگرپوری کی پوری قوم نظام حرام کی دلدل میں پاؤں سے سر کے بالوں تک ڈوب چکی ہو،چاروں اطراف سے سودی لین دین کرے۔یعنی اپنے رب اوراُس کے رسولؐ کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ اُن سے جنگ لڑے تواُس قوم کو ذلیل ورسوا ہونے سے کون بچاسکتا ہے ؟کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتا ہے ؟کون ہے جو ہمیں حرام کھانے کے باوجود بارگاہ الٰہی میں مقبول کردے ؟کون ہے جو اس جنگ میں ہمارے لئے فتح کا انتظام کرے گا؟آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ہر نقصان کی ذمہ داری فوری طورپر امریکہ یا کسی اور ملک پر عائد کردیتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم توخود اللہ تعالیٰ اوراُس نبی کریمؐ کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔

برما میں مسلمانوں کے قتل عام پر مسلم حکمرانوں کی معنی خیز خاموشی

.برما کے مسلمانوں کی کل آبادی 22 لاکھ ہے جن میں سے 7 لاکھ افراد بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور ملیشیا میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔2 لاکھ مہاجرین بنگلہ دیش میں جائے پناہ کی تلاش میں ہیں جبکہ ایک سے دو لاکھ افراد پاکستان اور ملیشیا میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔بھارت میں بھی چند ہزار خاندان خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، گزشتہ برسوں سے عالمی پیمانے پر مسلمانوں پر مختلف ملکوں میں عرصہ حیات تنگ کیا جاتا رہا ہے۔بوسنیا، ہرزی گووینیا میں بے دریغ مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی ۔۔چیچنیا میں بھی مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہو چکی ہے۔ مسلم بستیوں کو ولادی میر پیوٹن کی فوجوں نے گولوں اور بارودوں سے تاراج کر دیا ہے۔ یہ وہی چیچنیا ہے جہاں کوہِ قاف ہے جس کی پریوں کی کہانیاں نانیاں اور دادیاں سنایا کرتی ہیں۔آج میانمار میں وہ مظالم ڈھائے جارہے ہیں جو کسی زمانے میں ہٹلر نے ڈھائے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ جمہوریت پسند لیڈر آن سان سوکی جنھیں مسلمانوں نے ہمیشہ ووٹ دیا ہے وہ بھی مسلمانوں کی ہمدرد نہیں ہیں بلکہ وہ یہ غیر ذمے دارانہ بیان دے رہی ہیں کہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ روہنگیا مسلمان میانمار کے شہری ہیں یا نہیں جبکہ 1978ء میں انھیں

مسلمانوں نے ہی اقتدار کے قریب کیا تھا جس کی سزا وہ بھگت رہے ہیں۔یہ بات صرف میانمار تک ہی محدود نہیں ہے۔امریکہ جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اس خالص انسانی مسئلے پر خاموش ہے۔یہی نہیں عالم اسلام کے بیشتر ممالک کے حکمراں بھی خاموش ہیں۔ مسلم عوام تو میانمار کے مسلمانوں کے درد کو دل میں محسوس کرتے ہیں لیکن حکمرانوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔حد تو یہ ہے کہ پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں نے بھی ان مظلوموں کے آنسو پونچھنے کی کوشش نہیں کی۔حقوق انسانی کے نام پر قائم ادارے جو مسلمانوں کے بیشتر مسائل پر تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں،اس معاملے پر مہر بہ لب ہیں۔مسلمانوں کی فلاح کے نام پر اربوں روپے خرد برد کرنے والے لوگ بھی اپنے کانوں میں روئی ڈالے سو رہے ہیں۔برما میں مسلمانوں کے قتل عام کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ترکی کے محکمہ مذہبی امور کی اطلاع کے مطابق دو ہزار نہتے مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں اور نہ معلوم کتنے اور مسلمان شہادت نوش فرمائیں گے کیوں کہ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔اور بوذی قبائل کے حوصلے اور زیادہ بلند ہو گئے اور انھوں نے مسلمانوں کا قتل عام اور مسلم خواتین کی اجتماعی آبرو ریزی شروع کر دی۔اس جاں سوز المیے پر برما کے ہمسایہ مسلم ملک بنگلہ دیش کا رویہ تو نہایت تشویشناک اور قابل مذمت ہے جس نے ان مہاجرین کو اپنے یہاں رہنے دینے اور ان کے قیام و طعام کا بندوبست کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا اور

کہا کہ ہم خود غریب ملک ہیں آپ کے اخراجات برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ میانمار اور بنگلہ دیش کی سرحد کے قریب واقع شہر اراکان میں میانمار کے بوذی قبائل کی جانب سے وہاں کی مسلم آبادی کو گزشتہ کئی ماہ سے سنگین نوعیت کی دہشت گردی کا سامنا ہے۔ بوذی قبائل کے دہشت گرد مسلمانوں کی نسل کشی کر رہے ہیں جبکہ وہاں کی حکومت بھی مظلوم مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے انھیں اپنا شہری تک تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ میانمار میں مسلمانوں کے خلاف جاری دہشت گردی کے خلاف پورے عالم اسلام کی جانب سے سخت رد عمل سامنے آ رہا ہے۔ مصر کی سب سے بڑی علمی درسگاہ جامعہ الازہر نے بوذی قبائل کے ہاتھوں نہتے مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف دنیا بھر میں موجود میانمار کے سفارتخانوں کے گھیراؤ کا مطالبہ کیا ہے۔ قبل ازیں اسلامی تعاون تنظیم کے سکریٹری جنرل اکمل الدین احسان اوغلو نے مسلمانوں کے قتل عام کی شدید مذمت کرتے ہوئے تشدد کا سلسلہ بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور کہا کہ مسلم اکثریتی صوبہ اراکان میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ نہایت شرمناک اور انسانیت سوز ہے۔ عالمی برادری اس کا سختی سے نوٹس لے۔ جامعہ الازہر کی علما کونسل کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی قتل عام جاری ہے۔ گھروں اور مسجدوں کو آگ لگا کر خاکستر کیا جا رہا ہے لیکن عالمی اور اسلامی سطح پر مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے کوئی قابل ذکر قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ میانمار کے صدر تھیین سین

نے جلتے پر تیل ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان ہمارے شہری نہیں ہیں۔اس لیے ان کے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ عام شہروں سے نکل کر مہاجر بستیوں میں چلے جائیں یا ملک چھوڑ دیں۔انہوں نے اقوام متحدہ کے مندوب برائے پناہ گزین انٹونیو گیریز سے ملاقات کے دوران کہا کہ روہنگیا شہر میں موجود مسلمان ہمارے شہری نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں۔اگر انھیں حملوں کا سامنا ہے تو وہ ملک چھوڑ دیں۔ ہم انھیں اپنا شہری نہیں مانتے۔ظالمانہ اور مفسدانہ بیان کے نتیجے میں 90 ہزار مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ میانمار کا پرانا نام برما ہے اور دارالحکومت ینگون ہے جو پہلے رنگون کہلاتا تھا جہاں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر مدفون ہیں جو جنگ آزادیِ ہند کے ہیرو اور سرخیل تھے۔دنیا بھر کے قومی لیڈران جب بھی میانمار جاتے ہیں ان کے مزار پر چادر چڑھاتے اور گلہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔آج بہادر شاہ ظفر کی روح مسلم شہیدوں کی لاشوں کی بے حرمتی پر تڑپ رہی ہوگی۔یہ وہی میانمار ہے جہاں کی جمہوریت پسند لیڈر آن سان سوکی فوجی حکومت کے دوران قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتی رہیں۔اس کے صدر کا رویہ اور روش تاناشاہی سے کم نہیں ہے۔ وہ مظلوم مسلمانوں کے قاتلوں کا حامی اور ان کا پشت پناہ ہے۔وہ بڑی بے شرمی،ڈھٹائی اور بے غیرتی کے ساتھ مسلمانوں کو ہی ملک سے نکالنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔افسوس اس کے خلاف سیاسی یا سفارتی دباؤ بنانے کے لیے کوئی تیار نظر نہیں آ رہا ہے۔عالمی

برادری خاموشی کے ساتھ صرف تماشا دیکھ رہی ہے۔ مسلم کش حملوں کے خلاف حکومت پاکستان نے بھی اب تک کوئی لب کشائی نہیں کی ہے جبکہ قریبی پڑوسی ہونے کے ناطے یہ اس کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ حکومت میانمار کے اس ظالمانہ رویے کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی۔ پاکستان کی چند مسلم تنظیموں اور جماعتوں کے علاوہ سیاسی جماعتیں اپنا احتجاج درج کرانے میں ناکام رہی ہیں۔ کیا یہ مسلم تنظیموں کی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے دفتر اور میانمار کے سفارت خانے یا ہائی کمیشن میں جا کر اپنا احتجاج درج کرائیں۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر یہ مسلم تنظیمیں جتنی بیتاب رہتی ہیں اس معاملہ پر اس قدر خاموش کیوں ہیں اس کا جواب بھی پاکستان کے مسلمانوں کو ملنا چاہئے۔ ذرا سی بات پر کروڑوں روپے خرچ کر دیے جاتے ہیں جبکہ ملت کے مفاد کے معاملے میں یہ تنظیمیں چپ ہیں۔ اپنے اقتدار اور مفاد کے لیے یہ تنظیمیں قوم کا کروڑوں روپیہ برباد کر دیتی ہیں مگر ہائے افسوس ان روپیوں کا کوئی حساب نہیں دیا جاتا کہ کہاں اور کس مد میں یہ روپیہ خرچ ہوا۔ صرف اور صرف یہ تنظیمیں اپنے خاندان اور ذاتی مفاد کے لئے مذہب اور سیاست کا استعمال کرتی ہیں جس کا جواب عوام کو ملنا چاہئے۔

اچھی تربیت

بیٹیاں گھروں کی رونق ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کی عزت بھی ہوتی ہیں۔ان کی معصومیت اور پاکیزگی والدین کا فخر و غرور ہوتی ہے۔لیکن جب بیٹیوں کی معصومیت کوزمانے کی ہوا لگ جائے اور پاکیزگی کو دور جدید کی دیمک چاٹ جائے تو دلوں کو سکون بخشنے والی یہ ہی بیٹیاں زندگی کا روگ بن جاتی ہیں۔آج کل ہمارے معاشرے میں طلاق کا تناسب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔اس میں بیٹیوں سے زیادہ قصور والدین کا ہوتا ہے جو ایک مشرقی اور اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے بیٹیوں کی پرورش مغربی طرز پر کرتے ہیں۔جس سے لڑکیوں میں خود غرضی بے حسی اور بے باکی پیدا ہوتی ہے۔والدین بیٹیوں کو کھلی آزادی اور زندگی کی آسائشیں دے کر ان میں خود نمائی اور اپنی ذات کا غرور تو پیدا کر دیتے ہیں لیکن خوش اخلاق 'انکساری ،اخلاقی اقدار ، شعور، ایثار اور درگزر جیسی خوبیاں ان میں پیدا کرنے میں ناکام رہتے ہیں ۔دور جدید میں لڑکیوں کی شادی شدہ زندگی میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ گھریلو امور سے نا واقفی ہے۔مائیں بیٹیوں کو ان کی تعلیم کے دوران گھر کے کاموں سے دور رکھتی ہیں کہ ابھی صرف پڑھائی پر توجہ دو جب وقت آئے گا کام بھی سیکھ جاؤ گی ۔حالانکہ ان کو جس کام سے روکنا چاہیے اس سے نہیں روکتیں ٹیلی ویژن پر بے ہودہ پروگرام دیکھتے

ہوئے یا موبائل فون پر فضول باتیں کرنے میں چاہے پوری رات گزر جائے مائیں نہیں روکتیں ۔ہم اس قدر مغربی تہذیب میں لت پت ہو چکے ہیں کہ ہمیں یاد ہی نہیں کہ اسلام میں غیر محرم لڑکی اور لڑکے کی دوستی کا کوئی تصور نہیں ہے۔آج کل ہماری بچیاں دن رات ٹیلی فون پر مرد دوستوں سے باتیں کرتی ہیں یہاں تک کئی کئی دن دوستوں کے ساتھ گھر سے باہر بھی رہتی ہیں ۔کیا جی ہم اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرنے کے لیے جا رہی ہیں۔والدین روکنے کی بجائے خود شاپنگ کرنے بھیجتے ہیں ۔افسوس کہ آج ہم اسلامی اقدار کو بھول کر رسوا ہو چکے ہیں ۔والدین کو چاہیے کہ بیٹیوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی سکھائیں تا کہ وہ کامیاب زندگی گزار سکیں۔بیٹیوں کے لیے اچھی تعلیم وتربیت بہت اہم ہے تا کہ ان کو کوئی بھی اپنا غلام نہ سمجھے ۔بیٹیاں بیٹوں سے زیادہ قابل فخر ہو سکتی ہیں اگر ان کی اچھی تربیت کی جائے ۔ہمیں اپنی بیٹیوں کو اچھی عادات سکھانی چاہیے کوئی بھی کام بنا کیے اور تربیت کے بغیر نہیں آتا کھانا پکانا ایک مشکل کام ہے جو ہماری بیٹیاں ہی کرتی ہیں ۔یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ایک دن میں سیکھ لیا جائے اس کے لیے تجربے ،مشاہدے اور شعور کی ضرورت ہوتی ہے ۔آج ہمارے گھروں میں ڈھیروں قیمتی سامان موجود ہے لیکن فضول کیونکہ ہر چیز کو اس کی موزوں جگہ پر رکھنے اور گھر کو سجانے کی صلاحیت لڑکی اپنی ماں کے اطوار اور سلیقے سے سیکھتی ہے۔یاد رکھیں گھر سلیقے اور ذہانت سے چلائے جاتے ہیں ۔تعلیم کی بے جان ڈگریوں سے نہیں جس تعلیم کو

حاصل کرنے کے بعد بھی سیرت دھندلی رہے اور روح پر سیاہی چھائی رہے تو ایسی تعلیم تو بے ثمر ہی رہتی ہے۔آج کے دور سے پرانے زمانے کا وہ دور اچھا تھا جب لڑکیوں کو دنیاوی تعلیم تو واجبی دلوائی جاتی تھی لیکن ان کی شخصیت اور کردار کی تربیت بھی کی جاتی تھی ۔انہیں مشرقی اقدار اور روایات کی پابندی کی تلقین بھی کی جاتی تھی۔مائیں بچیوں کو بچپن ہی سے گھر داری سکھاتی تھیں دوسروں کی عزت واحترام کرنا اور رشتوں کو محبت واعتماد کی ڈور سے باندھنے کے گر بتائے جاتے تھے۔اس وقت کی لڑکیاں اپنے میکے کی عزت وآبرو برقرار رکھنے اور اپنے گھر کو آباد رکھنے کے لیے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا بڑی خوشی سے کرتیں تھیں۔لیکن گھروں کو ٹوٹنے نہیں دیتی تھیں ۔آج کے والدین اگر اپنی بیٹیوں کو ان کی شادی کے بعد ان کے گھروں میں خوش وخرم دیکھنا اور معاشرے میں طلاق جو اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے کو کم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنا محاسبہ کریں بیٹیوں کی تربیت اس ڈھب سے کریں کہ ان کی شخصیت متوازن رہے ۔انھیں اعلیٰ تعلیم ضرور دلوائیں کیونکہ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن بے جا آزادی کو بے راہ روی ہر گز نہ بننے دیں ۔ بچیوں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ ان کا اصل گھر ان کا سسرال ہے جہاں جاکر انھیں وہاں کے ماحول میں ڈھلنا ہوگا۔ان کے طور طریقوں اور رسم ورواج کو نبھانا ہوگا اپنی عادتوں اور روز شب کے معمولات کو ان کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا کہ اسی میں بیٹیوں کی ازدواجی زندگی کی کامیابی ہے ۔

جھوٹ کی بہاریں

انسانی فطرت میں سدا سے ہی اچھائی اور برائے کا انصر موجود ہے کبھی اچھائی جیت جاتی ہے اور کبھی برائی اور اس ہار جیت میں معاشرہ اور ارد گرد کا ماحول اہم کردار ادا کرتا آیا ہے کیونکہ کسی بھی چیز کو زندہ رہنے کے لئے سازگار ماحول درکار ہوتا ہے۔ جھوٹ کی بہاریں عام اور سچ آج تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے میں بھی اسی دور میں زندہ ہوں میں ایک سچا مسلمان اوراچھا پاکستانی بننا چاہتا ہوں مگر بہت کوشش کے باوجود ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا سوال یہ پیدا ہوتا کے کیسے میں سچا مسلمان اوراچھا پاکستانی بن سکوں گا؟جب میں تحریک پاکستان کو دیکھتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کے کروڑں مسلمان ذات.برادری اور تمام فرقوں سے بلاتر ہو کر صرف لاالہ کی بنیاد پر اکٹھے ہو گئے ۔اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حق کا سفر جاری رکھا تو اللہ تعالٰی کی رحمت سے اسلامی جمہوریا پاکستان دنیاکے نقشے پہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے شامل ہوا اور آج ہم اتحاد چھوڑ کر فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور ایمان سے بہت دور نکل آئے ہیں ہمیں یاد ہی نہیں کہ ملک پاکستان سچ اور حق کی بالادستی قانون کی حکمرانی اورمذہبی آزادی کی خاطر حاصل کیا گیا تھا افسوس کے ہم ایسا کچھ بھی نہیں کر رہے میرے ملک کا تقریبا کوئی بھی

فرد قانون کو نہیں مانتا سب کا اپنا قانون ہے جب چاہا بنایا جب چاہا توڑ دیا دوسروں کو الزام دے کر خود کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم یہ جانتے ہوئے کہ سب کو پتا کے میں جھوٹ بول رہا ہوں پھر بھی بڑی دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے ہیں ہم حرام کو یہ کہہ کر خود پر حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کے سب ایسا ہی کر رہے ہیں اور جیسے خود ہیں ویسے لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں۔ایسے نظام کو جمہوریت کا نام دینا جمہوریت کے ساتھ انتہائی زیادتی ہے۔جس نظام میں سفارش اور رشوت کی لعنت عام ہے کوئی بھی شعبہ زندگی ایسا نہیں جہاں رشوت نہ لی جاتی ہو رشوت لینا اور دینا جیسے ہمارے ملک کی ثقافت کا حصہ ہو افسوس تو اس بات کا ہے کہ رشوت لینے اور دینے کو برائی ہی تصور نہیں کیا جاتا بلکہ ایسے لوگوں کو عزت اور قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ہمارے معاشرے میں کرپشن اس قدر جڑیں پکڑ چکی ہے کہ معاشرے کا کوئی بھی فرد محفوظ نہیں رہا ہمیں اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے بھی رشوت کا سہارا لینا پڑتا ہے آج جتنی عزت اور قدر کی نظر سے کرپٹ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے اس سے ایسا لگتا ہے یہ روش کبھی ختم نہیں ہو سکتی اس سارے معاملے میں میں بھی شامل ہوں رشوت لینا تو میرے اختیار میں نہیں مگر دینا پڑتی ہے بجلی کا میٹر لگوانا ہو چاہے گیس کا رشوت دینا پڑتی ہے تھانہ ہو یا عدالت رشوت دینے کے بعد بھی اگر کام ہو جائے تو بڑی بات ہوتی ہے اکثر رشوت دینے پر بھی کچھ نہیں بن پاتا اور رقم بھی واپس نہیں ملتی ان حالات میں جب چاروں طرف رشوت سفارش اور کرپشن کا

بازار گرم ہو تو سچ کی کون سنے گا اگر کسی نے سن بھی لی تو وہ اعتبار نہیں کرے گا ان حالات میں میرے اندر جو ایک سچا انسان ہے وہ بہت کمزور ہو چکا ہے اتنا کمزور کہ کبھی کبھی ہوش میں آتا ہے اور مجھ سے پوچھتا ہے میں کہاں جاؤں ؟ یوں تو ہر بنیادی طور سچا ہی پیدا ہوتا ہے لیکن زمانے کی عیش و عشرت حاصل کرنے کی تمنا میں اپنی بنیادی سچی حیثیت کو زندہ دفن کر دیتا ہے ۔اسلام سے پہلے بھی لوگ دنیا کی چاہت میں

جھوٹ ،فریب ، دھوکہ دہی ،سفارش ، رشوت اور طاقت کا بے دریغ استعمال کیا کرتے تھے ۔ایسے ہی لوگوں کو آج ہم جاہل کہتے ہیں ،اگر ہم غور کریں تو دور حاضر اور دور جہالت میں کوئی فرق نہیں رہا تب بھی لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں ۔تب بھی امیر لوگ خود کو خدا سمجھتے تھے اور آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے ۔تب بھی ماؤں ، بہنوں ، بیٹیوں اور بیویوں کی عزت نہیں کی جاتی تھی اور بھی یہ رشتے ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں ۔کہنے کو تو ہم ترقی یافتہ دور میں زندہ ہیں لیکن ذہنوں اور دلوں پر جہالت کا دور دورا ہے ۔بلکہ یوں کہا جائے کہ ہم ہیں ترقی یافتہ دور کے جاہل لوگ تو زیادہ بہتر ہوگا۔دور جہالت میں اہل مکہ کے اندر وہ تمام برائیاں تھیں جو بنی نو ع انسان کیلیے نا قابل برداشت تھیں اور یہ بُرائیاں نسل در نسل چلتی آ رہی تھیں۔ انسانی جانوں کو کتوں سے برتر تصور کیا جاتا تھا اگر کوئی مرد فوت ہو جاتا تو اُس کی بیوہ کو بھی اُس کے ساتھ مرنا پڑتا تھا، شراب نوشی ،عیاشی پرستی ، جوئے بازی ، زنا ، قبائل کا تقابل

یعنی اگر ایک بڑا خاندان ہے۔ تو تمام قوانین اُس کے تابع ہوتے تھے معاشرتی حالات ، اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اہل مکہ اتنے غرق ہو چکے تھے کہ اُن کے ہاں اگر لڑکی ؛پیدا ہو جاتی تو وہ بے درد انسان اپنی انا پرستی اور وقتی نظام کو بچانے کیلئے وہ اپنے لخت جگر کو بھی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ شرما و حیاء کے پیانے جب لبریز ہوئے حیا کی چادر جب پامال ہونے لگی اہل مکہ جب ظلم و ستم میں حد سے بڑھنے لگے تو اُسی سر زمین عرب سے ایک روشنی کی کرن نمودار ہوئی۔ جہالت کے بادل چھٹے ابرِ رحمت جو ش میں آیا کہ آقائے دو عالم ، رحمۃ للعٰلمین حضرت محمدؐ اس دنیا میں تشریف لائے آپؐنے ایسا نظام بدلا کہ تاریخ میں آج تک اُس کی مثال نہیں ملتی ، کفر و جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے یکسر دین الٰہی کی روشنی کی صورت بدل گئے جب آپؐنے عدل و انصاف قائم کیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کے الزام میں گرفتار ہوتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔آج آپ تھوڑا سا حالات پاکستان کا جائزہ لگائیں ملک میں چلنے والے تمام اداروں کی طرف دیکھیں پاکستان کو آزاد ہوئے 66 سال گزر چکے ہیں مگر نظام جوں کا توں ہے۔ یہاں لغاری، بگٹی، بھٹو، کھوسے، گیلانی، مزاری، راجے ، پراچے، میاں ، بٹ ، اور چوہدریوں کے چہرے نظر آتے ہیں۔ ہر پانچ سال بعد ان خاندانوں کے لوگ پارلیمنٹ اور وزارتوں کی مسند وپر بیٹھ کر پاکستان کو لوٹتے ہیں۔ انگریز جو نظام چھوڑ گیا تھا آج تک وہی نظام چل رہا ہے۔بلکہ اس سے بدتر

ہوچکا ہے۔ ہر آنے والا حکمران جمہوریت کا نعرہ لگاتا ہے۔ ہر پارٹی کا لیڈر نظام بدلنے کی بات کرتا ہے۔ مگر 66 سال سے نہ چہرے بدلے اور نہ ہی نظام بدلا موجودہ جمہوریت تعفن زدہ اور کرپشن زدہ دکھائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں تو ایسی جمہوریت کو جمہوریت کہنا بھی حقیقی جمہوریت کو غلیظ گالی ہے۔ آج کا ترقی پسند انسان اپنی بنیادی حیثیت کو چھوڑ ایسی منزل کی طرف گامزن ہے جس کا اس کائنات میں کہیں کوئی نشان تک نہیں ہے۔ جب تک انسان سچائی کا دامن نہیں پکڑتا تب تک کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں۔ ہم کچھ بھی کرلیں آخر یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ سچ ہی اس کائنات کی سب بڑی حقیقت ہے۔

جہیز کا ناسور ایک اور بیٹی کی جان لے گیا

ماضی میں بیٹی کے پیدا ہونے پر غریب والدین یہ سوچ کر پریشان ہو جایا کرتے تھے کہ بیٹی کی شادی پر جہیز دینا پڑے گا اور اگر جہیز نہ دے پائے تو سسرال والے بیٹی کی عزت نہیں کریں گے ۔بگڑتے ہوئے معاشرے میں بیٹیوں کے والدین کو نہ صرف جہیز کی فکر لاحق ہے بلکہ اُن کی عزت و عصمت کو محفوظ رکھنا بھی خاصہ مشکل ہو چکا ہے ۔جہیز دور جہالت کی وہ رسم ہے جس کی وجہ سے زنا، جنسی بے راہ روی، جسم فروشی ، فحاشی اور دیگر کئی مسائل کو جنم دیتی ہے ۔جن معاشروں میں جہیز کی رسم شدت اختیار کر جاتی ہے اُن میں نکاح مشکل اور زنا آسان ہو جایا کرتا ہے ،جب زنا عام ہو جائے تو شراب نوشی ، فحاشی ، جنسی بے راہ روی ، قتل و غارت جیسے مسائل عروج پر پہنچ جاتے ہیں ۔جہیز جمع کرنے میں عزت دار اور باغیرت خاندانوں کی بیٹیاں رات کے اندھیرے میں اپنی عصمت کا سستے داموں سودا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں ، مہنگائی اور بے غیرتی بھرے معاشرے میں بیٹیاں والدین کے لئے قابل نفرت ہوا کرتیں ہیں ۔اسلام سے پہلے جب اہل عرب اس جاہل رسم کے دل دادا ہوا کرتے تھے تب لوگ بیٹی پیدا ہونے پر فورا یا سال دو سال بعد زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ۔شائد اُن لوگوں کی مجبوری تھی کہ وہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم نہیں کر پاتے تھے کہ ماں کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی اگر اُن کے

پاس ہماری طرح قابل ڈاکٹر اورالٹراساؤنڈ کی سہولت موجود ہوتی تو وہ جہالت میں ہم سے پیچھے ہوتے لیکن آج ہم اسلام سے پہلے کے دور جہالت میں زندگی گزارنے والوں سے جیت چکے ہیں۔وہ بیٹی پیدا ہونے کے بعد زندہ دفن کیا کرتے تھے اور ہم ماں کے پیٹ میں بیٹی کی خبر سن کر بیٹی کو قتل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اکثر بیٹی کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی بے موت مرنا پڑتا ہے۔ایسا ہی ایک واقع چند روز قبل لاہور کے علاقہ گجر پورہ میں پیش آیا جہاں 8 ماہ کی نئی نویلی دلہن کرن کو سسرالیوں نے جہیز کم لانے اور پیٹ میں بیٹے کی جگہ بیٹی پالنے کے جرم میں تشدد کے بعد گلا دبا کر بڑی ہی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا۔کرن کے والدین کے دلوں پر تو جو گزرنی تھی سو گزری اس خبر کو سننے اور پڑھنے والے بیٹیوں کے والدین کے دل پھٹ گئے ہوں گے۔کرن کا پہلا جرم تو یہ تھا کہ وہ شادی کے موقع پر والدین کے گھر سے جہیز کم لائی تھی جس کی وجہ سے وہ پہلے دن سے ہی اپنے سسرالیوں کو اچھی نہیں لگتی تھی،دوسرا جرم یہ تھا کہ شوہر اور سسرالیوں کی خواہش کے مطابق بیٹے کی بجائے بیٹی پیدا کرنے جارہی تھی۔یہ جرم اس قدر شدید تھے کہ کرن کے سسرالیوں نے پہلے گرم استری سے اُس کا جسم داغا پھر بجلی کا کرنٹ لگایا اور آخر میں گلا دبا کر جان سے ہی مار ڈالا۔تھانہ گجر پورہ کے انچارج انویسٹی گیشن کرامت بھٹی کے مطابق ملزم جیکسن جو کے مقتولہ کرن کا شوہر ہے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔گرفتار ملزم جیکسن نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کر لیا ہے جبکہ اُس کے گھر والے جو کہ جرم

میں برابر کے شریک ہیں ابھی تک فرار ہیں۔ یہ کہانی صرف ایک کرن کی نہیں ہے بلکہ ہر روز اسی طرح کوئی نہ کوئی ماری جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں ماں کو سزا موت ہو سکتی ہے تو پھر باپ کیوں بے گناہ ٹھہرتا ہے ؟بچوں کی پیدائش پر جتنا ماں کا اختیار ہے کیا باپ کا اُس سے کم ہے ؟کیا کسی ماں کے بس میں ہے کہ وہ چاہے تو بیٹا پیدا کرے اور چاہے تو بیٹی ؟مقتولہ کرن کا شوہر جیکسن اکیلا نہیں بلکہ کسی نہ کسی طرح ہم سب کرن کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔اگر ہم جہیز اور بیٹوں کے لالچی نہیں پھر بھی ہم اس بے حس معاشرے کا حصہ تو ہیں ۔راقم کی وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے درد مندانہ اپیل ہے کہ فوری طور پر جہیز پر سخت پابندی عائد کی جائے تاکہ اس معاشرے میں بیٹیوں کی عزت اور زندگیوں کو محفوظ بنایا جاسکے ۔اگر حکومت اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرے گی تو پھر کوئی طاقت کسی کرن کو تشدد اور قتل سے نہیں بچا سکتی ۔جب تک معاشرے سے جہیز جیسی فرسودہ رسم کو ختم نہیں کیا جاتا تب تک گجرپورہ کی کرن کی مانند پتا نہیں کتنی ہی روشن کرنیں قبر کے اندھیروں میں گم ہوتی رہیں گی۔

پاک چین دوستی بے مثال ہے

پاکستان کا ہمسایہ ملک چین تقریبا 63 برس پہلے آزاد ہوا۔اس حساب سے چین پاکستان سے دو سال چھوٹا ہے لیکن اگر ہم ترقی کے حساب سے دیکھیں تو پاکستان زیادہ نہیں تو کم از کم ایک صدی چین سے پیچھے ہے۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ 1949ء کو آزاد ہونے والا چین نئی صدی میں دنیا کی سب سے بڑی معاشی و اقتصادی طاقت بن کر ابھرے گا۔چین کی ترقی کا راز مشکل اور بڑے فیصلے اور ان پر سختی سے عمل درآمدکے ساتھ ساتھ سخت محنت ہے۔چین میں نگرانی کا نظام موثر بنا کر کرپشن کی سزا موت مقرر کردی گئی ۔شفافیت کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ان تمام حکمت عملیوں کے نتائج اور ثمرات سے عوام کو اچھی طرح آگاہ کیا گیا۔انتہائی مشکل اور سخت فیصلوں پر بین الاقوامی دباؤکے باوجود سختی سے عملدرآمد کیا گیا۔کرپشن کی سزا موت اور باقی جرائم کی سخت ترین سزاؤں کے قانون پر سختی سے عملدرآمد کی وجہ سے ملک کالی بھیڑوں سے پاک ہوگیا۔چین کے وسائل اور قومی خزانے پر بری نظر رکھنے والے چور،ڈاکو سمجھ گئے یہاں دال نہیں گلنے والی اور وہاں سے غائب ہوگئے ۔اس طرح محب وطن ۔ محنت کش ،فرض شناس،جفاکش اور وفادار طبقے کی حوصلہ افزائی ہوئی ،ملک کے اہم ترین انتظامی عہدوں پرایمان داراور محب وطن لوگوں کو اپنا حقیقی کردار ادا کرنے

کا موقع ملا جس کی بدولت ایک لاغر اور کمزور قوم نے ایسی ترقی کی کہ دنیا کو حیران کر دیا۔آج چین کا سکہ دنیا میں ہر جگہ چلتا ہے۔معاشی لحاظ سے چین جاپان کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہے۔دنیا کی بہترین کمپنیوں میں امریکا کے بعد چین کا نام آتا ہے۔میری نظر میں چین کی ترقی کا راز کرپشن کی سزا موت طے کرکے اس پر سخت عملدرآمد کرنے میں ہے۔اور پاکستان کی بدحالی کی وجہ ملک میں پھیلی بدترین کرپشن ہے۔کیونکہ کرپشن ایک ایسا درخت ہے جس کی ،رشوت ،سفارش ،اقرباپروری شاخیں ہیں۔چین نے اس درخت کو اگنے سے پہلے ہی کاٹ دیا جس کی وجہ سے آج چینی قوم باوقار زندگی بسر کر رہی ہے۔پاکستانی قوم نے شروع سے ہی کرپٹ لوگوں کو سزا دینے کی بجائے ملک کے اعلیٰ ترین ایوانوں میں بیٹھا دیا جس کی وجہ سے محب وطن طبقہ ذلیل ورسوا ہو کر خاموشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔آج پاکستان میں کرپشن کا درخت اتنا تناور ہو چکا ہے کہ اس کی شاخوں پر رشوت ،سفارش اور اقرباپروری پر بے روزگاری لوڈشیڈنگ ،دہشتگردی،مہنگائی،بدامنی،ٹارگٹ کلنگ،ناانصافی،کی شکل میں پتے ،پھول، اور پھل نکل آئیں ہیں ،یہ درخت بہت سایہ دار ہو چکا ہے جس پر ہزاروں خون خوار پرندوں نے کنکریٹ سے اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں۔اور بہت سے خون خوار جانوروں نے اس کی گہری چھاؤں میں اپنے محلات تعمیر کر لیے ہیں۔یہ خون خوار پرندے اور جانور جن کا اوڑھنا بچھونا کرپشن ہے اور یہ ملک کے اعلیٰ ایوانوں تک باآسانی رسائی رکھتے ہیں۔ پچھلے 66 سالوں سے پاکستان کے وسائل اور قومی خزانے کو گدھوں کی طرح نوچ نوچ کر کھا

رہے ہیں، جس کی وجہ سے ملک میں کاروبار ختم، معیشت برباد اور امن وامان تباہ ہوچکا ہے۔آج پاکستانی قوم بدترین بدحالی کے عالم میں خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوچکی ہے۔چین کو اللہ تعالی نے ایسی قیادت عطا کی جس نے بروقت کرپشن کے جن کو بوتل میں ڈال کر بوتل سمندر برد کردی۔لیکن پاکستانی قیادت ایسا نہ کرسکی۔محترم قارائین کہیں ایسا تو نہیں کہ پاکستانی قوم نے وہی بوتل کھول کر کرپشن کے جن کو پاکستان میں پناہ دے دی ہے؟؟اگر ہم موجودہ نظام کو دیکھیں تو سیاسی قیادت میں ایسی کوئی بھی شخصیت نظر نہیں آتی جو کرپشن کے جن کو بوتل میں بند کرنے کی کوشش کرسکے وہ اس لیے کہ سب کے سب پاؤں سے لے کر سر کے بالوں تک کرپشن میں لت پت ہیں ۔اور کہیں بھی ایک مجرم دوسرے مجرم کو سزا نہیں دے سکتا۔وزیراعظم پاکستان میاں نوازشریف کا حالیہ دورہ چین پاکستانی معیشت پر یقینا مثبت اور دیرپا اثرات مرتب کرے گا لیکن میاں نواز شریف کو ملک میں پھیلی کرپشن بھی ختم کرنا ہوگی۔اگر اس سلسلے میں بھی چینی نظام سے سبق سیکھا جائے تو آسانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔گزشتہ روز پاکستان اور چین نے اقتصادی راہداری، گوادر سے کاشغر تک شاہراہ ریلوے ٹریک بچھانے اور توانائی سمیت باہمی تعاون کے 8 معاہدوں پر دستخط کئے ہیں۔یہ معاہدے یقینا پاکستان کی اقتصادی صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے کارگر ثابت ہوں گے لیکن میاں نواز شریف کو ان تمام منصوبوں اور پاکستان کے تمام اداروں سے کرپشن کو ختم کرنے کے لئے فوری طور پر اقدامات کرنا ہوں گے۔میں سمجھتا ہوں کہ میاں محمد

نواز شریف کرپشن کے جن کو بوتل میں بند کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔اگر میاں نواز شریف کرپشن کی حوصلہ شکنی کے ساتھ ساتھ محنت کش طبقے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو وہ دن دور نہیں جب پاکستانی قوم بھی دوست ملک چین کی طرح سر اُٹھا کر چلنے کے قابل ہوجائے گی ۔جہاں تک بات ہے پاک چین دوستی کی تو وہ بے مثال ہے۔چین نے ہمارے افسردہ اور فکر مند وزیر اعظم میاں نواز شریف کو پیسے کرکے ایک بار پھر دوستی کا حق ادا کردیا ہے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب کے حلقہ کا اہم مسئلہ

جناب عالی راقم کا تعلق وزیر اعلیٰ پنجاب کے انتخابی حلقہ PP159 کاہنہ نو شہزادہ رورڈ لاہور سے ہے ۔۔کاہنہ نو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کے انتخابی حلقہ PP159 کا گنجان آباد علاقہ ہے ۔راقم نے میاں شہباز شریف کے گزشتہ پانچ سالہ دور اقتدار میں بھی اس اہم مسئلے کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی تھی ۔راقم نے جناب وزیراعلیٰ پنجاب کو اپنی گلی آنے کی دعوت کر یہ درخواست کی تھی کی تھوڑی سی توجہ شہزادہ روڑ کودے کر ہماری مشکلات کا حل کردیں ۔لیکن بد قسمتی سے نہ تو میری دعوت پر خادم اعلیٰ میری آئے اور نہ ہی شہزادہ روڑ کی حالت پر کسی قسم کی توجہ دی گئی ۔لیکن اب کی بار شہزادہ روڑ وزیر اعلیٰ پنجاب جناب میاں شہباز شریف کے انتخابی حلقہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے پہلے سے زیادہ اور جلد توجہ کا طلب گار ہے ۔الیکشن 2013ء میں میاں شہباز شریف نے PP159 سے الیکشن میں حصہ لیاتو عوام نے اُن کو بھاری اکثریت دے کر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ۔جب میاں شہباز شریف راجن پور اور حلقہ پی پی 161 چھوڑ کر PP159 سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا تو ایک بار پھر حلقہ کے عوام نے خوشی منائی ۔وزراعلیٰ کے حلقہ کے مسائل کو ماضی میں بری طرح نظرانداز کیاگیاجس کی وجہ سے اس بار عوام نے میاں شہباز

شریف سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر رکھیں ہیں ۔الیکشن 2013ء کے موقع پر شہزادہ روڑ کے رہائشی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) لیبر ونگ یو سی 146 کے صدر رمضان گجر، سینئر نائب صدر اعجاز احمد اور ملک طارق نے ن لیگی رہنماء راؤ ناصر علی خاں میؤ کی صدارت میں شہزادہ روڑ پر میاں شہباز شریف کا انتخابی جلسہ کروایا جس میں مہمان خصوصی مسلم لیگ (ن) کے مقامی رہنماء اور ضمنی الیکشن میں حلقہ NA129 سے ممکنہ اُمیدوار رانا مبشر اقبال ،شاہد شبیر میؤ، بابا لیبر ونگ ایم لطیف الرحمان پیرزادہ، صدر پاکستان مسلم لیگ (ن) لیبر ونگ لاہور چودھری ذو لفقار، جنرل سیکرٹری رانا شہباز احمد چودھری آس محمدPP 159 خاں، نائب صدر مرزا افضل بیگ، ایڈیشنل جنرل سیکرٹری اور دیگر اہم رہنماء تھے ۔اس جلسے کا مقصد میاں شہباز شریف کے لئے ووٹ مانگنے کے ساتھ ساتھ رہنماؤ ں کی توجہ شہزادہ روڑ کی حالت زار کی طرف دلانا تھا۔جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے رانا مبشر اقبال اور راؤ ناصر علی خاں نے اعلان تھا کہ الیکشن جیت کر مسلم لیگ ن کی حکومت بنتے ہی حلقہ PP 159 میں سب سے پہلے شہزادہ روڑ کی تعمیر کی جائے گی ۔راقم وزیر اعلیٰ کے حلقہ کا ووٹر ہونے کی حیثیت سے پھر اُمید ہے کہ وہ جلد شہزادہ روڑ کی طرف توجہ دیں گے ۔ شہزادہ روڑ کی حالت زار کا نقشہ میں پہلے بھی پیش کر چکا ہوں ۔ موجودہ حالات یہ ہیں کہ شہزادہ رورڈ کے رہائشیوں نے آدھی سے زیادہ سڑک تو غیر قانونی طور قبضہ کرکے اپنے گھروں کے اندر ڈال رکھی ہے اور باقی پر تھڑے بنا کر اُن کے ساتھ کچی مٹی ڈال رکھی ہے

اگر تھوڑی سی بارش ہو جائے تو سڑک کا درمیانی حصہ زیر آب آ جاتا ہے اور کنارے سلائیڈ (پھسلن سیڑی) کا منظر پیش کرتے ہیں جس پر چلنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے اور اکثر گھر پہنچتے پہنچتے ہم دو سے تین مرتبہ کیچڑ میں گر جاتے ہیں خصوصارات کے وقت ۔کچی مٹی بارش کے پانی میں مل کر سیورج کو بند کر دیتی ہے اور پھر مہینہ ، مہینہ کیچڑ خشک نہیں ہوتا۔کیچڑ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ بچوں کی اسکول وین بچوں کو لینے نہیں آتی اس طرح بچوں کی تعلیم کا ہرج ہوتا ہے۔نمازی نماز پڑھنے مسجد نہیں جا پاتے ،ہم لوگ گھر سے نکلتے وقت دھلے کپڑے اور صاف جوتے شاپر میں ڈال کر شہزادہ روڈ پر سفر کرتے ہیں کیونکہ جو کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں وہ باہر آتے آتے انتہائی گندے ہو جاتے ہیں ۔مسلسل کیچڑ کھڑا رہنے سے مختلف قسم کے امراض بھی پھوٹ پڑتے ہیں جن میں جلدی الرجی یعنی خارش، ٹائی فیڈ بخار، ہیپاٹائٹس، ڈائیرا اور پیٹ کے مختلف امراض عام ہیں ۔ایک ایسی مشکل جو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن بتانا ضروری ہے ۔جناب عالی ہمارے علاقے میں لوگ اپنے بچوں کے رشتے صرف اس لیے نہیں کرتے کہ راستہ بہت گندہ ہے۔جب کوئی مہمان پہلی مرتبہ آتا ہے تو وہ یہ بات ضرور کہتا کہ یہ تو واقع ہی شہزادہ روڈ ہے ۔وزیر اعلیٰ کے حلقہ کے عوام کی پنجاب میاں محمد شہباز شریف جو خود اس حلقہ سے ایم پی اے ہیں سے اپیل ہے کہ فوری طور شہزادے روڈ کو تعمیر کروا کر شکریہ کا موقع فراہم کریں ۔

شاہ زیب کی پٹائی ہوتی رہی

بابا سوتے رہے ،شاہ زیب کی پٹائی ہوتی رہی۔شاہ زیب کی ہر غلطی پر بابا اُسے مما کی پٹائی سے بچایا کرتے ۔اُس روز بھی بابا گھر پر ہی تھے شاہ زیب نے مما کی بات ماننے سے انکار کردیا جس پر مما کو غصہ آگیا لیکن ہمیشہ کی طرح وہ جانتا تھا کہ بابا بچالیں گے ،شاہ زیب کی بد قسمتی سے اُس دن بابا سو رہے تھے ۔ جتنی دیر میں بابا نیند سے جاگ کر اُسے بچاتے اچھی خاصی پٹائی ہوچکی تھی۔اس بات پر شاہ زیب بابا سے بہت خفا ہوا، بابا نے اُس کی مما کو جھوٹ موٹ کا ڈانٹ کر شاہ زیب کو خوش کیا اور سمجھاتے ہوئے کہا بیٹا دنیا میں ہر جگہ بابا آپ کے ساتھ نہیں ہوں گے ۔آپ اپنے اخلاق کو بہتر کرواور دوسروں کے ساتھ پیار محبت سے پیش آنا سیکھو۔اگر آپ اپنی مما کی بات مان لیتے یا اُن کو پیار سے منا لیتے تو آپ کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ بابا نے شاہ زیب کو بڑے ہی پیار سے سمجھایا کہ غلطی آپ ہی کرتے ہو لیکن میں آپ کے ساتھ بہت محبت کرتا ہوں اس لئے آپ کو بچالیتا ہوں یاد رکھنا مما بھی آپ سے بہت پیار کرتیں ہیں اِسی لیے وہ آپ کو کامیاب انسان بنانا چاہتی ہیں ۔وہ چاہتی ہیں کہ آپ پڑھ لکھ کر بڑے آفیسر بن کر اپنا ،اپنے بابا ،مما اور پاکستان کا نام روشن کرو ۔دیکھوشاہ زیب آپکی مما آپکی دشمن نہیں بلکہ سب سے قریبی اور مخلص دوست ہیں

اور مخلص دوست کبھی بھی اپنے دوست کو تکلیف نہیں دیتے وہ تو بس آپ کو ڈرا کر آپکی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کرتی ہیں۔شاہ زیب بولا بابا مجھے پتا تھا آپ مجھے بچالیں گے اس لئے میں نے مما کی بات سنی ان سنی کردی لیکن آپ ایک منٹ میں کس طرح سو گئے اور میرے چیخنے پر بھی نہیں جاگے ؟بابا مسکراتے ہوئے بولے آپ ٹھیک کہہ رہے ہو میں جاگ رہا تھا،خاموش یہ دیکھنے کے لئے رہا کہ آپ کس طرح مشکل وقت کا مقابلہ کرتے ہو۔اگر میں آج بھی ہمیشہ کی طرح آپ کو بچالیتا تو پھر مجھے آپ کو سمجھانے کا موقع ملتا اور نہ ہی آپ سنجیدگی سے میری بات سنتے۔شاہ زیب دکھی انداز میں بولا بابا یہ تو چیٹنگ ہے۔بابا چیٹنگ ہے چلو میں سوری کرتا ہوں،آپ بھی اپنی مما سے سوری کرو اور وعدہ کرو کے آئندہ اُن کی بات مانو گے۔شاہ زیب بالکل ٹھیک کہا آپ نے بابا۔شروع شروع میں مجھے سکول میں ڈانٹ پڑا کرتی تھی تو میں وہاں آپ کو تلاش کیا کرتا تھا لیکن اب مجھے سکول میں ڈانٹ نہیں پڑتی کیونکہ اب میں اپنا کام وقت پر اور ٹھیک ٹھیک کرتا ہوں۔آپ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں ناں کہ جب میں اپنا کام ٹھیک اور وقت پر کروں گا تو پھر مجھے مما سے بھی مار یا ڈانٹ نہیں پڑے گی۔بابا شاباش میرے مکھنا آپ بالکل ٹھیک سمجھے چلو اسی خوشی میں گلے لگو اور اپنی مما سے، مشورہ کرکے کل سیر پر جانے کا پروگرام بناؤ ۔پارک جائیں گے ،برگر اور آئس کریم کھائیں گے شاہ زیب خوش ہو کر بابا اس بار پارک نہیں چڑیا گھر چلیں گے؟ بابا،ہاں ٹھیک ہے جہاں آپ کہو لیکن اپنی مما کے ساتھ بات کرلو اور

اگر وہ نہ مانیں تو کیا کرو گے ؟شاہ زیب یہ بات آپ مجھ پہ چھوڑ دیں میں اُنہیں پیار سے منا لوں گا اور اب کبھی بھی مما سے مار نہیں کھاؤں گا۔اتنے میں شاہ زیب کی مما بھی کچن سے کمرے میں داخل ہوئیں ،وہ کمرے میں آتے ہی بولیں صرف چڑیا گھر نہیں عجائب گھر بھی چلیں گے اور صرف برگر،آئس کریم ہی نہیں بلکہ شوارما بھی کھائیں گے ۔شاہ زیب کا سارا درد جو پٹائی کے بعد سے جاری تھا ایک دم ہوا میں اُڑ گیا اور فوراً یہ سب باتیں اپنے کزن صبور اور بسمہ کو بتانے بھاگ نکلا ۔۔چند منٹ بعد واپس لوٹا تو صبور اور بسمہ بھی ساتھ تھے ۔التجایا لہجے میں بولا بابا،مما صبور اور بسمہ کو بھی ساتھ لے چلوں ،بابا بولے بیٹا جانی صرف صبور اور بسمہ کو ہی ساتھ لے کر جاؤ گے یا ہمیں بھی لے چلوگے ،بابا کی بات سن کر سب کھلکھلا کر ہنس دیئے ۔

حرمت قلم کے پاسبان

قلم اور تلوار کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہر دور میں ان دو چیزوں نے ہمیشہ معاشرے میں سدھار و بگاڑ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جب یہ دو چیزیں اچھے لوگوں کے ہاتھ میں ہوں تو معاشرے میں ظلم و جبر اور ناانصافی کا خاتمہ لازم ہو جاتا ہے اور اگر یہی دو چیزیں غلط لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں تو پھر معاشرے کو ظلم و جبر اور ناانصافی سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اس بات کا اختیار صاحب تلوار کے پاس ہے کہ وہ اسے کس طرح استعمال کرتا ہے۔ تلوار اگر ظلم کے خلاف اٹھے تو تلوار اٹھانے والا جہاد کرتا ہے اور اگر یہی تلوار ظالم اٹھائے تو وہ قاتل کہلاتا ہے ۔ تلوار اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ وہ جو گلا کاٹ رہی ہے وہ کسی ظالم کا ہے یا کسی مظلوم کا۔ تلوار تو بے جان ہے وہ نہیں جانتی کہ وہ جس کی میان میں ہے وہ ظالم ہے یا مظلوم لیکن یہ بات طے ہے کہ تلوار جب بھی اٹھی یا اٹھے گی کسی نہ کسی کی جان جائے گی ۔ کیسی زبردست حقیقت ہے کہ تلوار خود بے جان ہے جب کسی جاندار پر چلتی ہے تو اُسے بھی اپنی طرح کا ہی بے جان کر دیتی ہے۔ اسی طرح کسی کی جان لینا یا بخش دینا صاحب قلم کے اختیار میں ہوتا ہے اور قلم اس بات سے بے خبر رہتی ہے۔ صدیوں سے قلم کو صاحب شعور و دانش بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ بے شک قلم بہت

طاقتور چیز ہے۔ محترم قارئین تلوار ہو یا قلم دونوں کا صحیح ہاتھوں میں رہنا معاشرے کے ،کامیاب اور روشن حال و مستقبل کے لیے لازم و مظلوم ہے۔خاص طور پر قلم کا صاف ستھرے ہاتھوں میں رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ جس معاشرے میں قلم غلط اور ناپاک لوگوں کے ہاتھ چلی جائے اس معاشرے کو دنیا وآخرت میں ذلیل رسوا ہونے سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ایسے معاشرے میں انصاف اور بھلائی کا پھلنا پھولنا ناممکن ہے۔ایسے معاشرے میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی جس میں صاحب قلم حوس ،حرس اور لالچ کے پجاری ہوں۔ قلم ہر جگہ اتنی طاقت نہیں رکھتی کے وہ کسی کی جان لے لے لیکن جب قلم ایک عادل کے ہاتھ میں ہو تو وہ کسی مجرم کی زندگی و موت کا فیصلہ لکھتی ہے۔یہی قلم جب اعلیٰ ایوانوں میں بیٹھے عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں ہو تو وہ ملک و قوم کے لیے آئین لکھتی ہے۔ اگر یہی قلم ایک باضمیر صحافی کے ہاتھ میں ہو تو وہ حق لکھتی ہے اور صاحب قلم ملک و قوم کے لیے بہتر سے بہتر اقدامات کے راستے ہموار کرتا ہے۔لیکن اگر یہی قلم کسی ضمیرفروش نام نہاد صحافی کے ہاتھ میں ہو تو ملک و قوم کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔آج ایسے ہی چند حرس ولالچ کے پجاری ،ٹاؤٹ قسم کے نام نہاد صحافیوں کی وجہ سے قلم کی حرمت پر داغ لگ چکا ہے۔یہ سو فیصد اٹل حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں صحافت کو وہ مقدس و محترم مقام حاصل نہیں رہا جو ماضی میں حاصل تھا۔لیکن اس کے باوجود آج بھی ہر شعبہ ہائے زندگی میں صحافت کی اہمیت اورافادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔یہ بات اپنی جگہ

درست ہے کہ بلیک میلنگ اور مفادات کی تیز آندھی نے صحافت کے پیرہن کو تار تار کرکے اس کا تقدس چھین لیا ہے۔اور معاشرے میں صحافت کی عزت وتکریم کو کم کر دیا ہے۔لیکن اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آج بھی صحافت نے معاشرے کو گندگی سے پاک کرنے کے لیے جو کردار ادا کیا ہے وہ نا قابل فراموش ہے۔مفادات کے چند غلاموں اور حرص ولالچ کے پیکروں نے جہاں صحافت کے تقدس کی سفید چادر کو داغدار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی وہیں صحافت کے تقدس واحترام کو اپنا سب کچھ سمجھنے والوں اور با ضمیر صحافیوں نے اپنی جد جہد کو مسلسل جاری رکھتے ہوئے ضمیر فروشوں زرد صحافت کے اہل کاروں کی ناک میں دم کرر کھا ہے ان زرد صحافت کے علم برداروں کو اگر صحافتی ناسور کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔میں داد دیتا ہوں ان باضمیر قلم کاروں کو جو آج کے مشکل ترین دور میں قلم کی حرمت کو بچائے ہوئے ہیں۔ ۔جس میں سچ لکھنے والوں کو اپنی جان تک کی قربانی دیناپڑتی ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جن کو قلم کی حرمت کے پاسبان کہا جا سکتا ہے۔یہ انہی صاحب ضمیر اور محترم صحافیوں کی محنت کا نتیجہ اور ثمر ہے کہ آج بھی حق لکھنے اور سچ بولنے والے ڈراور خوف کی دہکتی آگ میں سے نکل کر صحافت کا بول بالا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔صحافت میں کالم نگاری ایک ایسا شعبہ ہے کہ جس میں کالم نگار جہاں اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا ہے وہیں وہ اپنے اندر کے چھپے خیر وشر کی بھی واضح نشاندہی کرتا رہتا ہے اور وہ انسانوں کے لیے اپنے اندر درد کو بھی ظاہر کردیتا ہے۔ایک کالم

نگار اپنی تحریر کے ذریعے معاشرے کی اچھائی کی داد دینے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں پھیلی برائوں پر تنقید اور ان سے بچاؤ کے صاف ستھرے نسخہ جات بھی اعلیٰ اقداروں سے لے کر عوام الناس تک پہنچاتا رہتا ہے۔ قارئین آج میں آپکو ایسے ہی کالم نگاروں کی ایک کونسل کے بارے آگاہ کرنے جا رہا ہوں جن کا مشن ہے قلم کی اہمیت و حرمت کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچا کر معاشرے میں پھیلی برائیوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ تمام اچھے اقدام کی تعریف کر کے ایسے افراد کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو اپنی محنت سے ملک و قوم کے لیے ترقی کا باعث ہیں۔ (کالمسٹ کونسل آف پاکستان) کے سب ممبران کا یہ فیصلہ ہے کونسل نہ تو کسی سیاسی جماعت کی ترجمانی کرے گی اور نہ ہی کسی خاص فرقے کی ہاں انفرادی طور پر کسی ممبر کو حق حاصل رہے گا کہ وہ کسی سیاسی جماعت یا کسی بھی فرقے سے اپنے تعلقات رکھے۔ گزشتہ دنوں صدر کالمسٹ کونسل آف پاکستان عزت مآب جناب ایم اے تبسم صاحب نے کونسل کے تمام ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کالم نگار معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشاندہی اپنے قلم کے ذریعے کریں، تاکہ معاشرہ برائیوں سے پاک ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ معاشرہ میں دن بدن بے راہ روی کرپشن، بے روزگاری اپنے پنجے گاڑ رہی ہے جس سے نوجوان نسل خود کو ان برائیوں، کی بھینٹ چڑھا رہی ہے۔ جس کی نشاندہی کرنا کالم نگاروں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اصلاحی، تعمیری، تربیتی تجاویز اور خیالات کو اپنے قلم کے ذریعے

عوام الناس تک پہنچائیں اور کوشش کریں کہ کسی پر ذاتی تنقید کی بوچھاڑ کرنے کی بجائے اپنے خیالات کو اصلاحی طرز تحریر کی صورت اجاگر کریں۔تاکہ معاشرے میں پھیلی برائیوں پر تنقید بھی ہوسکے اور آپ کی تحریر سے عوام میں شعور بھی بیدار ہوسکے۔ایم اے تبسم صاحب نے مزید کہا کہ آج کل کچھ کالم نگار ذاتی انا پر مبنی تحریروں کو لکھ رہے ہیں جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔اور اس سے اصلاحی پہلو دفن ہوتا نظر آتا ہے۔لہٰذا کالم نگار اپنے مفادات اور ذاتی انا کو پس پشت ڈال کر صرف عوام کو اصلاحی ، تعمیری ،تربیتی تحریروں کے ذریعے اصل مسائل سے روشناس کرائیں۔یقیناً اس طرح بڑی حد تک معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔بحر صورت میں تو اللہ کے حضور دست بستہ گزارش کرتا ہوں کہ جو کالم نگار قلم کی حرمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اللہ انکی توفیقات میں مذید اضافہ فرمائیں اور دیگر کو اپنی نظرِ خاص میں رکھتے ہوئے ہدایت نصیب فرمائیں۔

کرپشن کا دیمک

گزشتہ دنوں وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے چینی ماہرین سے بجلی چوری اور کرپشن کا مقابلہ کرنے کے لئے مدد مانگی تو چین کی ایک عدالت نے فوری طور پر اپنے سابق وزیر ریلوے کو 10 سال قید اور موت کی سزا سنا کر وزیر اعظم پاکستان کی رہنمائی کرکے مخلص دوست ہونے کا حق ادا کردیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ میاں نواز شریف ملکی وسائل کو لوٹنے والے کرپٹ افراد کا محاسبہ کب کرتے ہیں۔ قارئین محترم ہوا کچھ یوں کہ چین کے سابق وزیر ریلوے کو رشوت لینے اور اپنے سرکاری اختیارات کو غلط استعمال کرنے پر10 سال قید اور سزائے موت سنا دی گئی ۔رپورٹ کے مطابق 2003ء میں کمیونسٹ پارٹی سے منتخب ہونے والے وزیر ریلوے لیوشر جن پر الزام تھا کہ انہوں نے رشوت اور اپنے رشتہ داروں کو ریلوے کے غیر قانونی ٹھیکے دے کر اپنے سرکاری اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔2011ء میں وزارت سے ہٹا کراُن پر کرپشن سمیت دیگر الزامات کے تحت مقدمات قائم کئے گئے جس کے نتیجہ میں بیجنگ کی انٹرمیڈیٹ پیپلز کورٹ نمبر2 نے ان کی تمام جائیداد ضبط کرکے اختیارات کے غلط استعمال پر10سال قید اور رشوت لینے پر سزائے موت سنا کر جیل منتقل کردیا ہے۔لیوشر جن نے 80 کروڑ یوان جو تقریبا13 کروڑ ڈالر بنتے ہیں کی خورد.برد کا الزام اور 11افراد کو ٹھیکے اور ترقی دینے پر 64.6 بلین یوان

رشوت وصولی سمیت تمام جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے پچھتاوے کا اظہار کیا ہے ۔ماہرین کا خیال ہے وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کا حالیہ دورہ چین انتہائی کامیاب رہا جس میں انہوں نے توانائی، اقتصادی راہداری سمیت کئی دیگر معاہدوں پر دستخط کئے ۔راقم ان منصوبوں پر کوئی ماہرانہ رائے دینے سے قاصر ہے لیکن جہاں تک بات ہے کرپشن کو ختم کرنے کی تو راقم چند دن پہلے بھی اس معاملے میں چین کی مثال پیش کرچکا ہے جس میں کرپشن کی سزا موت کا ذکر کیا گیا تھا، کوئی قوم کتنی بھی محنت کرلے اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ نہ پھینکے ۔پوری قوم کی محنت کو چند کرپٹ افراد ایسے کھا جاتے ہیں جس طرح لکڑی کو دیمک چاٹ جاتا ہے ۔آج پاکستانی معیشت کی مثال بھی کچھ ایسی ہی لکڑی کی سی ہے جسے گزشتہ 66سالوں سے کرپشن کا دیمک چاٹ رہا ہے ۔مجھے پاکستانی قوم کے محنتی اور ذہین ہونے پر ذرہ برابر بھی شک ہے اور نہ ہی پاکستان میں وسائل اور مواقع کی کمی ہے ۔کمی ہے تو بس ایمانداری کی ہے ۔بے ایمانی ،رشوت ،سفارش اور اقرباء پروری کے خلاف میں اتنی بار لکھ چکا ہوں کہ اب اس موضوع پر بات کرتے ہوئے اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے ۔موجودہ کلچر میں ان لعنتوں کے خلاف بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ اندھوں کے شہر میں آئینہ، گنجوں کے گاؤں میں کنگی فروخت کرنے کی کوشش کرنا اور بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہے ۔جناب وزیر اعظم اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان ترقی کرے اور آپ کی حکومت کو صدیوں تک یاد کیا جائے تو پھر

فوری طور پر کرپشن کے خلاف سخت قانون سازی کے ذریعے کرپٹ افراد کو عمر قید، تمام جائیداد ضبط اور موت جیسی سزاؤں کا اطلاق کریں اور اُن پر سختی سے عمل درآمد کو یقینی بنا کر پاکستانی معیشت کی رگوں میں سرطان کی مانند پھیلی کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ کر سدا کے لئے دفن کردیں تو پھر نہ تو کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت رہے گی اور نہ ہی آئی ایم ایف سے مزید قرض مانگنا پڑے گا۔ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے حوالے سے اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے، لیکن میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میاں صاحب نے بجلی کی پیداوار بڑھا کر چوری کے حوالے ہی کرنی ہے تو پھر لوڈشیڈنگ ختم نہیں ہوگی۔

اللہ خیر کرے

اللہ کے نام پہ دے، خیر ہووے، اللہ بوتا دیوے ،اللہ تجھے زیادہ دے یہ الفاظ ہمیں گھر، گلی محلے، بازار، گاڑی، دفتر، دوکان ، تھانہ، کچہری سے لے کر مراکز صحت پر سننے کو ہر وقت ملتے ہیں ۔لیکن کل صبح ایک انوکھا واقعہ دیکھنے کو ملا، صبح سویرے ہی بچوں کے اصرار پر ناشتے کے لئے ڈبل روٹی اور انڈے خریدنے محلے کے جنرل سٹور پر پہنچا تو جنرل سٹور والا ابھی سٹور کے تالے کھول رہا تھا میں ایک طرف کھڑا ہو کر سٹور کھلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اُتنے میں ایک گداگر تشریف لے آیا میں نے حسب توفیق اُسے کچھ پیسے دے دیئے ،پیسے لے کر گداگر دکان دار کی طرف متوجہ ہو کر بولا اللہ خیر کرے ،اللہ تجھے زیادہ دے ۔دکان دار بڑی خوش مزاجی سے بولا اللہ تعالیٰ کی بڑی خیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اتنا دے رکھا ہے کہ اب زیادہ کی تمنا نہیں رہی تم جاؤ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اتنا ہی اعتبار ہے کہ تیرے کہنے سے وہ دوسروں کو نوازتا ہے تو پھر اپنے لئے بھی اُسی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، کیونکہ جو مالک عطا کرتا ہے اور جس کے سوا کوئی اور عطا کرنے کی حیثیت نہیں رکھتا وہ اپنے بندوں کو کسی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے سختی سے منع کرتا ہے ۔اگر تجھے اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا یقین ہے تو پھر اُس کی بارگاہ سے مانگ ۔جا اللہ تیری بھی خیر کرے اور تجھے بھی

زیادہ دے ۔عام طور پر لوگ گداگروں پر غصہ ہو جاتے ہیں لیکن دکان دار نے سارا لیکچر بڑی ہی خوش مزاجی سے دیا اور گداگر بھی خاموشی سے سن کر آگے بڑھ گیا۔میں نے دکان دار سے کہا بھائی کیوں ان مانگنے والوں سے اُلجھتے ہیں روپیہ دو روپے دے دیا کریں ۔دکان دار بولا بھائی اب اُس کو کیا بتاؤں کے دن بھر جتنا کماتے ہیں اُتنے میں تو گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور اُس پر کل 21ہزار روپے بجلی کا بل آ گیا ہے ۔پریشان ہوں کہ یہ بل کہاں سے ادا کروں گا؟دکان میں اتنا سامان نہیں ہے کہ 21 ہزار روپے نکالنے پر بھی چلتی رہے اور کوئی آسرا بھی نظر نہیں آتا ۔ان مانگنے والوں کو کیا پتا کہ سفید پوش کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں ۔آپ کے سامنے یہ گداگر سو پچاس کما چکا ہے جبکہ میں تو ابھی دکان کھول رہا ہوں ،ابھی ایک روپے کا بھی کام نہیں، کیااس کو کہاں سے پانچ دس دے دوں ؟رنجیدہ لہجے میں بولا بھائی میں تو سوچ رہا ہوں کہ میں بھی گداگر بن جاؤں کم از کم دکان کا کرایہ، بجلی و گیس کے بل ادا کرنے سے تو جان چھوٹ جائے گی ۔ان گداگروں کا کوئی خرچہ نہیں ہوتا امتیاز بھائی بس کمائی ہی کمائی ہوتی ہے ۔آپ یقین کریں ہمارے ملک میں اس وقت گداگری بہت بڑا کاروبار ہے ۔دکان دار نے چونکا دینے والا انکشاف کیا کہنے لگا میرے ایک جاننے والے نے ایک سال پہلے اپنا گھر بیچ کر ایک لاکھ روپے کے 2چوہے (چھوٹے سر اور منہ والے دبلے پتلے انسان) خریدے اور باپ بیٹا اُن کو لئے مانگنے نکل پڑے آج تین ، تین کنال کے دو گھر گاڑی ، بینک بیلنس اور ضروریات زندگی کی

ہر چیز خرید کر اپنے محلے کی امیر ترین شخصیت بن چکا ہے۔اس کے علاوہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے مزید چار چوہے خرید کر اُن کے ساتھ مانگنے کے لئے ملازم بھی رکھ لئے ہیں۔ جبکہ میں اپنی بیوی کے زیور بھی بیچ کر دکان میں سامان ڈال چکا ہوں لیکن پھر بھی کاروبار کا کوئی حال نہیں ہے۔ میں انڈے اور ڈبل روٹی تھامے چپکے سے گھر کی طرف چل دیا لیکن میرا ذہن وہیں اٹکا رہا ابھی تک میرے کانوں میں گداگر اور دکان دار کے فقرے گونج رہے ہیں۔ہمارے ہاں گداگری اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر قدم پر ایک دو گداگر مرد، عورتیں، بچے اور خواجہ سرا پائے جاتے ہیں۔ سفید پوش طبقہ سب سے زیادہ پریشان ہے۔ تھوڑے پیسوں سے شروع ہونے والے تمام کاروبار تباہی کا شکار ہیں اور زیادہ پیسے سفید وں کے پاس ہیں نہیں۔ بھیک بھی نہیں مانگ سکتے اور مزدوری سے آنے والی آمدنی سے کاروبار زندگی نہیں چلتا۔انہیں سوچوں میں گم تھا کہ میرے اُستاد محترم مشتاق احمد سلطانی صاحب کا فون آگیا، وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش لہجے میں بات کر رہے تھے۔سلام دعا کے بعد انھوں نے میرا حال پوچھا تو میں نے دکان دار اور گداگر کے درمیاں ہونے والی گفتگو کا سارا واقع بیان کر دیا۔اُستاد محترم بولے تو تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟میں نے کہا سر جی میں بھی تو اسی ملک کا شہری ہوں آج دکان دار حالات کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہے تو کل مجھے بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ۔مشتاق صاحب کہنے لگے ارے بھائی یہ صرف ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کائنات میں جہاں جہاں انسان بستے

ہیں وہاں وہاں پریشانی کا عالم ہے۔سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا اوراُس کا شکرادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔امتیاز اس دنیا میں وہی انسان خوش ہے جو اپنے مالک کا شکرادا کررہا ہے باقی سب کہ سب پریشان ہیں چاہے کسی غریب کو دیکھ لو چاہے دنیاکے سب سے امیر کو دیکھ لو۔شاعر نے ساری حقیت بیان کرتے ہوئے کیا ” خوب بات کہی ہے کہ

کوئی تو تمنائے زر،و،مال میں خوش ہے
اور کوئی تماشائے خدوخال میں خوش ہے
پرہم سے پوچھوتو نہیں کوئی بھی خوش حال
خوش حال وہی ہے جو ہر حال میں خوش ہے

اُستاد محترم کا فون بند ہوا ہی تھا کہ میرا بچپن کا دوست رمضان ملک آگیا۔رمضان ملک کا شوق تھا کہ وہ فوجی بنتا لیکن قسمت نے ٹریفک وارڈن بنا دیااور آج کل وہ لاہور میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔حال احوال پوچھنے کے بعد بولا آج کل کون سا موضوع زیر قلم ہے؟میں نے کہا آج تو گداگری کے موضوع پر لکھنے کو دل کررہا ہے ۔رمضان بولا یار گداگر تو آج کے شہنشاہ ہیں ،ابھی کچھ دن پہلے میں گلبرگ لاہور کی ایک سڑک پر ٹریفک کنٹرول کررہا تھا کہ ایک گداگر وہاں بھیک مانگنے چلا آیا ،جب میں نے اُسے وہاں سے جانے کا کہا تو وہ بڑے شوخ انداز میں بولا صاحب جی 2 گھنٹے کام کرلینے دو 1 ہزارروپے

آپ کو بھی دوں گا۔ میں اُس گداگر کی بات سن کر بہت حیران ہوا کہ صرف 2 گھنٹے بھیک مانگ کر وہ مجھے بھی ہزار روپے کی رشوت دینے کو تیار ہے۔ میں نے کہا اس کا مطلب ہے کہ اُسے وہاں 2 گھنٹے بھیک مانگ کر 1 ہزار سے زیادہ کمانے کی اُمید تھی؟ رمضان ،یقینا، لیکن میں نے اُسے وہاں بھیک مانگنے سے منع کر دیا جس پر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ کوئی بات نہیں میں تو کہیں اور بھیک مانگ لو گا لیکن آپ کا ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ہے۔ میں جو پہلے ہی حیرت میں ڈوبا بیٹھا تھا رمضان کی بات سن کر اور بھی پریشان ہو گیا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ کیسا معاشرہ ہے جو اللہ کے نام پر بھیک تو دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کی بجائے دینا ہی نہیں چاہتا؟ جس ملک میں مزدور کو دن بھر مزدوری کرنے پر صرف 300 روپے ملتے ہیں اُسی ملک میں گداگر صرف 2 گھنٹے بھیک مانگ کر ایک ہزار سے زیادہ کما لیتا ہے۔

شاباش ملالہ

اہل شعور صدیوں سے علم و ہنر کی طاقت سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ جو قومیں علم حاصل نہیں کرتیں وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرتیں مطلب یہ کہ اُن کے ترقی پذیر ہونے کی وجہ علم سے دوری ہے۔ یعنی علم ترقی کی ضمانت ہے۔ جن قوموں نے علم کے حصول میں آسانیاں پیدا کیں اور اپنی نسلوں کی تعلیم تربیت کی خاطر اپنے وقت اور وسائل کی قربانی دی آج وہی قومیں ترقی یافتہ کہلاتی ہیں علم دنیا کی واحد دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ علم انسان کو کائنات کی سب مخلوقات سے افضل کرتا ہے۔ اہل علم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ قلم بندوق سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ بات بھی ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ بندوق کے زور پر امن قائم نہیں کیا جاسکتا جبکہ قلم قیام امن میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ جہالت کا علم سے خوفزدہ ہونا فطری عمل ہے۔ پوری دنیا قلم کتاب کی طاقت سے واقف ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ دور جدید کا طاقتور انسان قلم وکتاب کا دامن چھوڑ بندوق کی نوک پر امن قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ بندوق کے دور میں تعلیمی جہاد یقیناً ایک مشکل کام ہے۔ خاص طور پر عورت ذات کے لئے وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں خواتین کو یکسر پڑھنے لکھنے کی اجازت نہیں۔ سوات کی ملالہ یوسف زئی نے ایسے معاشرے کا حصہ ہونے کے باوجود خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے آواز بلند کی تو

اُسے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ قاتلانہ حملے میں بال بال بچی ۔جی ہاں میں بات کررہا ہوں عالمی امن ایورڈ یافتہ ننھی ملالہ یوسف زئی کی جس کی سالگرہ 12 جولائی کو پوری دنیا میں منائی گئی ۔ سوات میں دہشتگردوں کے ہاتھوں گزشتہ اکتوبر میں شدید زخمی ہوکر عالمی شہرت حاصل کرنے والی ملالہ یوسف زئی کے نام پر اس کے یوم پیدائش 12 جولائی کو اقوام متحدہ نے عالمی یوم ملالہ منایا۔دنیاکے مختلف ممالک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اس سلسلے میں بہت سی تقریبات ہوئیں۔نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کواٹر میں سب سے بڑی تقریب یوتھ اسمبلی کے اجلاس کی شکل میں منعقد ہوئی ۔جس میں دنیاکے ایک سو ممالک سے آنے والے ایک ہزار سے زائد نوجوانوں نے شرکت کی ۔اس تقریب سے ملالہ کے علاوہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون ، جنرل اسمبلی کے صدر ووک جیریمک اور برطانیہ کے سابق وزیر اعظم گورڈن براؤن، جو اقوام متحدہ کے عالمی تعلیم کے سفیر ہیں نے بھی خطاب کیا۔گورڈن براؤن نے اپنے خطاب میں کہا کہ ملالہ دنیا کی سب سے بہادر لڑکی ہے ،پوری دنیا اس کے خوابوں کی تعبیر چاہتی ہے ،جس مشن سے روکنے کے لئے دہشتگردوں نے ملالہ پر گولی چلائی ملالہ آج بھی بڑی دلیری کے ساتھ اُس مشن کو آگے بڑھا رہی ۔اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون نے طالبعلموں پر دہشتگردوں کے حملوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کو صرف اس لئے ہلاک نہیں کیا جانا چاہئے کہ وہ سکول جاتے ہیں ۔انہوں نے ملالہ کو جرات کی علامت قرار دیا۔ جنرل

اسمبلی کے صدر ووک جیریمک نے کہا کہ ملالہ کی کوششیں لاکھوں افراد کی اُمیدوں کا محور ہیں۔ تعلیم پھیلانے کے لئے آج نوجوانوں کی نئی سپرپاور وجود میں آچکی ہے ۔ملالہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ طالبان کی گولی سے ملالہ نہیں مری بلکہ کمزوری، خوف اور نااُمیدی مرگئی ،طاقت اور حوصلوں کو زندگی ملی ہے،انہوں نے کہا کہ دہشتگرد تعلیم سے خوفزدہ ہیں، قلم سے دہشتگردی کا مقابلہ کروں گی ،مجھے مارنے والے بھی سامنے آجائیں تو گولی نہیں ماروں گی ،میں ہر اس شخص کی آواز ہوں جس کی آواز کوئی نہیں سنتا،جو پرامن ماحول میں رہنے اور حصول تعلیم کے لئے جدجہد کررہا ہیں، قلم اورکتاب دنیاکے سب سے طاقتور ہتھیار ہیں ،ایک طالبعلم ،ایک کتاب اور ایک قلم دنیا کو بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں ،آج کا دن ہر اس لڑکی اور لڑکے کا دن ہے جس نے اپنی آواز اپنے حقوق کے لئے اُٹھائی ،میں طالبان اور دوسرے تشدپسندوں کے بچوں کے لئے بھی تعلیم چاہتی ہوں، تعلیم ہی سب مسائل کا واحد حل ہے اور دنیا میں تعلیم ہی سب سے پہلی ترجیح ہونی چاہیے ،دہشتگرد خواتین کی تعلیم سے ڈرتے ہیں۔ میرا دنیا بھر کی حکومتوں سے مطالبہ ہے کہ وہ تعلیم کو عام کریں ،تمام سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں بھی تعلیم کو معیاری بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ قارئین محترم ملالہ کی تقریر کوئی نئی نہیں ہے ایسی لاکھوں تقریریں ہوچکی ہیں ،بڑے بڑے ہوٹلوں میں بڑی بڑی تقریبوں میں انسانی حقوق ،خواتین کے حقوق ،معذروں کے حقوق ،امن اور تعلیم کے ساتھ دیگر کئی معاملات پر بڑی خوبصورت تقریریں

کی جاتیں ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف شہرت حاصل کرنا ہوتا۔خیر میں ملالہ کی تقریر پر کسی قسم کی تنقید نہیں کرنا چاہتا۔میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم سے نفرت یا دشمنی رکھنے والے پوری انسانیت کے دشمن ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں جو آج بھی جہالت کے اندھیروں میں زندگی گزار رہیں۔ان پر گولی چلانے کی بجائے تعلیم کی افادیت سمجھانے کی ضرورت ہے۔اگر پڑھے لکھے لوگ بھی جاہلوں کی طرح بندوق اُٹھالیں گے تو پھر جاہل اور اہل شعور کا فرق معلوم کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

بظاہر تو ملالہ یوسف زئی نے اپنے خطاب میں طالبان کو تعلیم ،امن،انصاف اور خواتین کا دشمن قرار دا لیکن ملالہ کا کہنا کہ اگر مجھے گولی مارنے والے میرے سامنے بھی آ جائیں تو میں اُن پر گولی نہیں چلاؤں گی ،مطلب کہ ملالہ اپنے اُوپر جان لیوا حملہ کرنے والوں سے بدلہ نہیں لینا چاہتی ،بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اُن کے بچے بھی اچھی تعلیم حاصل کریں تاکہ دنیا سے جہالت کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔بذریعہ قلم جہاد جاری رکھنے کا اعلان اور قلم وکتاب کو دنیا کے سب سے طاقتور ہتھیار قرار دے کر ملالہ نے طالبان کے ساتھ ساتھ دنیا کی سپر پاوروں کو بھی شرمندہ کر دیا ہے۔اقوام متحدہ کے ہیڈ کواٹر میں ہونے والی شاندار تقریب میں ملالہ نے امن پسند لیکن دنیا کو خطرناک بارودی اسلحے کے ڈھیر پر بیٹھانے والوں کو بتا دیا کہ اگر بارود کی بجائے قلم کی طاقت سے

جنگیں لڑتے تو آج دنیا میں امن ہی امن ہوتا۔اگر جدید سے جدید اسلحہ بنانے کی بجائے معیار تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو آج کسی ملالہ پر کوئی تعلیم دشمن قاتلانہ حملہ نہ کرتا ملالہ پر جن ہتھیاروں سے فائرنگ کی گئی اُن کو بنانے والی فیکٹریوں کی جگہ اگر معیاری، سکول ،کالج اور یونیورسٹیاں بنی ہوتیں تو یقیناً آج حملہ آوروں کے ہاتھ میں بھی بندوق کی جگہ قلم وکتاب ہوتے ۔ایک چھوٹی سی بچی ملالہ جو دنیا کو پر امن دیکھنا چاہتی ہے جس کے نزدیک قلم کی طاقت سے دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے،جس کے نظریات و خیالات کو دنیا بھر نے تسلیم کرتے ہوئے عالمی امن ایوارڈ سے نوازا۔میرے نزدیک ملالہ کے معصوم روئے نے طالبان سمیت دنیا کی ہر اُس طاقت کو شکست دی ہے جو خونی جنگوں کے ذریعے دنیا میں امن قائم کرنا چاہتے ہیں ۔شاباش ملالہ لگے رہو جیت قلم و کتا کی ہوگی ۔بندوق والے سب ہار جائیں گے چاہے داڑھی والے ہوں یا کلین شیو۔چاہے طالبان ہوں یا ڈرون گرا کر معصوم بچوں ،بوڑھوں اور خواتین کو بلا تفریق قتل کرنے والے سب ہار جائیں گے۔اسی ہار کے ڈر سے یہ لوگ علم سے نفرت کرتے ہیں۔

پیغامِ حق

اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو تبلیغ کی اہمیت سمجھانے کی خاطر قرآن کریم میں کھلے اور واضح احکامات دیئے ہیں ۔اور اللہ کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اللہ تعالٰی کے احکامات کے مطابق زندگی گزار کر ہمارے لیے عملی مثال قائم کی ہے۔اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں گزرے ہوئے زمانے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کرتے اور دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہیں۔اسلام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو بُرائی کے راستے سے روکیں اور اچھائی کی دعوت دیتے رہیں ۔ اس سے بڑھ کے بنی نوع کی کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ ان کو تباہی و بربادی، ہلاکت اور کفر و شر سے بچا کر فلاح و کامرانی کے راستے پر لگایا جائے ۔اگر ہم اپنے لیے فحاشی و بے حیائی، بے راہروی، ظلم و زیادتی، ناانصافی۔ لاقانونیت، دہشتگردی، اقرباپروری، رشوت ستانی، جاگیردرانہ نظام، سودی نظام، اور منشیات وغیرہ سے پاک معاشرہ کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنی ذات کو برائیوں سے پاک صاف کرکے خود بھلائیوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھلائی کی دعوت دینا بھی ہمارا فرض بنتا ہے ۔اسلامی حلقے اس عمل کو تبلیغ کہتے ہیں تبلیغ کے لفظی

معنی پیغام پہنچانے کے ہیں ۔ غرض یہ کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کو دوسروں تک پہنچائیں اور یہ کوشش کریں کے لوگ اُس چیز کی اچھائیوں کودل سے قبول کرلیں ۔جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی کا فرق سمجھنے کے لیے عقل وشعور عطا کیا اس پر فرض ہوگیا کہ اچھائی کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے اور برائی سے روکنے کی کوشش کرے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنے دین (اسلام) میں ہمارے لیے ہر جگہ آسانیاں پیدا کیں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ 'تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے ،اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے،اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں بُرا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ معاشرے میں پھیلی کسی بھی بُرائی کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو اُس برائی کی وجہ سے ہونے والے دنیاوی اور آخروی نقصانات سے اچھی طرح آگاہ کیا جائے ،اگر کوئی کسی کو اتنا کہہ دے کہ تم جو کر رہے ہو یہ اچھا کام نہیں ہے تو وہ شخص وقتی طور پر تو شاہد برا کام چھوڑ دے لیکن جب منع کرنے والا چلا جائے گا تو وہ دوبارہ وہی کام کرنے لگ جائے گا ۔اس حقیقت کی ایک مثال ہمارے ہاں بہت عام پائی جاتی ہے ۔مائیں اپنے بچوں کو جب کسی بات سے روکنا چاہتی ہیں تو وہ بچے سے کہتیں ہیں ،آنے دو تمہارے باپ کو آج اُن کو بتا کر تمہیں خوب مار پڑواؤں گی یا پھر کہتیں ہیں بیٹا اب بس کردو تمہارا باپ آنے والا ہے اگر اُس نے دیکھ لیا تو تمہیں مار پڑ جائے گی ۔ میرے خیال میں سمجھانے کا یہ طریقہ انتہائی غلط ہے ۔اس طرح بچہ یہ سمجھتا

ہے کہ وہ جو کر رہا ہے وہ کام تو ٹھیک ہے لیکن باپ کو پتا نہیں چلنا چاہیے ۔اس طرح بچہ اکثر اچھے کام کرتے وقت بھی اس بات پر غور رکھتا ہے کہ کہیں اسے اس کا والد تو نہیں دیکھ رہا۔اس طرح باپ سے ڈرانے کی بجائے اگر مائیں بچوں کو اچھائی اور بُرائی کا بنیادی فرق سمجھانے کی کوشش کریں تو بہت بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں ۔بات چلی تھی تبلیغ سے اسلام میں تبلیغ کو بڑا مقام حاصل ہے ۔آج دنیا بھر میں بہت سی دینی جماعتیں تبلیغ اسلام کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں ۔جس کے خاطر خواہ نتائج بھی ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں ۔لیکن اچھائی کی تبلیغ صرف دینی جماعتوں کا ہی نہیں بلکہ ہم سب کا فرض ہے ۔اگر برائی کا مقابلہ کرکے اسے نست ونابود کرنا ہے تو پھر ہمیں ہر اس طریقے کو اپنانے کی ضرورت ہے جو تیزترین ہو۔آج ہمیں زبانی ، قلمی و تحریری تبلیغ کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی آلات ریڈیو، ٹیلیوژن، دیگر ذرائع ابلاغ اخبارات ورسائل انٹرنیٹ اور خاص طور پر فیس بک کو بھی اسلام کی تبلیغ کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت ہے ۔اگر فیس بک کو باطل نظریات و تصورات کی تشہیر کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ،اگر دنیا کی تمام برائیوں کو فیس بک پر شیئر کرکے گندگی پھیلائی جا سکتی ہے تو پھر دعوت حق دے کر لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کیوں نہیں کیا جاسکتا ؟؟فیس بک پر پھیلی فحاشی و عریانی کو دیکھ کر اسے بند کرنے کا مطالبہ کرنے کی بجائے ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو فحاشی و عریانی کے نقصانات سے آگاکرکے انہیں اچھائی کی دعوت اتنے اچھے انداز میں

دیں کہ وہ اس فحاشی و عریانی کو فیس بک تو کیا اپنی زندگی سے ہی نکال دیں ۔ کسی کو برا کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن حاصل کچھ نہیں صرف وقت کا ضیاع ہے اگر یہی وقت جسے ہم دوسروں کی برائیاں تلاش کرکے ان پر تنقید کرنے میں ضائع کرتے ہیں ۔اگر یہی وقت لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کرنے میں صرف کریں تو خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا ہے ۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ بازار میں ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ دکاندار اپنا سامان فروخت کرنیکی غرض سے مختلف طریقے اپناتے ہیں ۔ جیسا کہ ایک دکاندار سارا دن دوسرے دکاندار کے سامان کی خامیاں خریداروں کو بتا کر اپنا سامان فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے سامان کے بارے میں کچھ خاص نہیں بتاتا، جبکہ دوسرا دکاندار سارا دن اپنے سامان کی تعریف کرتے ہوئے خریداروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔آپکے خیال میں دونوں میں سے کامیاب ہونے کے چانس کس کے زیادہ ہیں ؟میرے خیال میں تو جو دکاندار دوسرے کے سامان کی خامیاں تلاش کرنے میں اپنا سارا وقت ضائع کرے گا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جبکہ جو اپنے سامان کی خوبیاں بیان کرکے خرید داروں کو متوجہ کرے گا اسے خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر کسی کے مذہب یا فرقے کو برا بھلا کہنے کی بجائے مسلمان صرف اسلام کی تبلیغ کریں ۔اور دنیا کو حق کا پیغام پہنچائیں ،اور اس کام کے لیے ہر پلیٹ فارم کو استعمال کریں تو بہتر سے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں ۔

خاکسار کے خیال میں انسان اس دنیا میں ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا ہے۔انسان پیدا ہونے سے لے کر اپنی موت تک کے سفر میں ہر روز بلکہ لحہ بہ لحہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ موت آنے پر انسان تو دنیا سے چلا جاتا ہے پر علم باقی رہتا ہے۔جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ چودہ سو سال بعد بھی علم دین یعنی اسلامی تعلیمات آج بھی باقی ہیں باقی ہیں جو تا قیامت زندہ رہیں گی۔اللہ تعالیٰ نے جو علم اپنے پیغمبروں ،قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کے ذریعے بندوں کو عطا کیا وہی حق ہے اور بے شک حق باقی رہے گا۔ خاص ہستیوں پر تبصرہ کرنا میرے بس کی بات نہیں لیکن عام انسان کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتا اور اسے زمانہ طالب علمی میں ہی اس دنیا سے جانا پڑتا ہے۔ علم وہ چیز ہے جو حیوان اور انسان کا فرق ظاہر کرتا ہے۔جاہل انسان بھی ایک طرح سے حیوان ہی بن جاتا ہے۔جسے اس بات کا علم ہی نہیں کہ وہ اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے اور اس نے زندگی کن اصولوں کے مطابق گزارنی ہے۔جاہل وہ ہے جسے اچھے ،برے کی تمیز ہی نہ ہو ہاں یہ یاد رہے یہاں بات جاہل کی ہے۔ظاہری ان پڑھ کی نہیں بہت سے لوگ ظاہری طور پر ان پڑھ ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل و شعور کی بے پناہ دولت سے نوازا ہوتا ہے۔اور وہ حق و باطل کو خوب جانتے ہیں۔ہمارے لیے علم حاصل کرنے کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے ۔ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے 'قرآن کریم میں بھی علم کی فضیلت و اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے ۔علم کے معنی جاننا، معلوم کرنا، سمجھ لینا کے ہیں۔انسان کو سب سے پہلے اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اس کا خالق و مالک کون ہے اور اس نے انسان کو اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے ؟اس کائنات اور زندگی کو پیدا کرنے کے پیچھے اس عظیم خالق و مالک کا مقصد کیا ہے؟انسان کو اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے ؟زندگی بھر کس کی عبادت کرنی ہے؟اور سب سے خاص کہ انسان کو کون سا علم حاصل کرنا ہے ؟علم ذاتی تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عطا کردے۔اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں سب سے زیادہ علم انسان کو عطا کیا ہے اسی لیے انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے یعنی اشرف المخلوقات۔اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انسان کو قرآن و حدیث کے ذریعے اور بھی زیادہ علم عطا کردیا ہے۔اب ضرورت صرف اس علم کو حاصل کرنے کی ہے۔ حقیقی علم یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے ۔اس علم کو دینی اور روحانی علم بولتے ہیں۔اس علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے تاکہ وہ اپنی زندگی خُدا اور رسول ﷺ کے بتائے اصولوں کے مطابق گزار سکے۔جو شخص دینی اور روحانی علم حاصل نہیں کرتا وہ جاہل ہے (اللہ اکبر)اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔یاد رہے کہ علم صرف اور صرف اللہ ہی کا ہے اور کوئی بھی علم اس کائنات میں

نہیں ہے۔اس لیے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینی و روحانی علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جدید سائنسی علوم حاصل کرنا علم دین سے جدا ہیں تو میری نظر میں ان کا یہ سوچنا انتہائی غلط ہے کیونکہ ہر قسم کا علم اللہ ہی کا ہے اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم دین کے ساتھ ساتھ سائنس، ریاضی، میڈیکل، انجینئرنگ اور علم جہاد یعنی جنگ وغیرہ وغیرہ بھی ضرور سیکھے۔قرآن کریم میں اللہ تعالی نے بہت خاص علم اُتارا ہے ۔قرآن کا سیکھنا اور سیکھ کر دوسروں کو سیکھانا اللہ تعالی کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے ۔حدیث شریف ہے کہ 'تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سیکھایا'قرآن کریم اپنے بندوں کی طرف اللہ تعالی کا آخری کلام اور پیغام ہے ۔قرآن کریم تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ اور مکمل ضابطہ حیات ہے ۔انسان کی فلاح، نجات، سرخروئی اور کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات حاصل کرئے انھیں سمجھے اور ان پر عمل کرے۔اللہ تعالی کو جاہل انسان اس قدر نہ پسند ہے کہ اس نے ہر دور میں انسان کو علم سیکھانے کی غرض سے اپنے پیغمبر تعینات کیے اور آخر میں مسلمانوں اور تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں بھیجا جن کی ساری زندگی مسلمانوں کو عملی طور پر اللہ تعالی کا دین (اسلام) سیکھانے میں گزری۔رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس قدر آسان طریقوں کے ذریعے علم دین سیکھایا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔صحابہ اکرامؓ کی موجودگی میں

اکثر اللہ تعالیٰ کے فرشتے (انسانی روپ میں) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایسے ایسے سوالات سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے جن کا صحابہ اکرام کو اس سے پہلے کچھ علم نہ ہوتا۔ایک مرتبہ ایک بدو رسول ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کہو۔دربار میں اس وقت دوسرے صحابہ اکرامؓ کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی موجود تھے۔انہوں نے یہ حدیث شریف تحریر کرکے اپنے پاس رکھ لی جو آج تک مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

س) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں امیر بننا چاہتا ہوں؟)

ج)فرمایا قناعت اختیار کرو،امیر ہو جاؤ گے)

س) میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں)

ج) تقویٰ اختیار کرو عالم بن جاؤ گے)

س) عزت والا بننا چاہتا ہوں)

ج) مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے بند کردو باعزت ہو جاؤ گے)

س)اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں)

ج)لوگوں کو نفع پہنچاؤ)

س) عادل بننا چاہتا ہوں)

ج) جسے اپنے لیے اچھا سمجھو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو)

س)طاقتور بننا چاہتا ہوں)

ج)اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)

س)اللہ تعالیٰ کے دربار میں خاص (خصوصیت کا) درجہ چاہتا ہوں)

ج) کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو)

س) رزق کی کشادگی چاہتا ہوں)

ج) ہمیشہ باوضو رہو)

س) دعاؤں کی قبولیت چاہتا ہوں)

ج) حرام نہ کھاؤ)

س)ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں)

ج)اخلاق اچھے کرلو)

س) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے پاک ہو کر ملنا چاہتا ہوں)

ج) جنابت کے فوراً بعد غسل کیا کرو)

س) گناہوں میں کمی چاہتا ہوں)

ج) کثرت سے استغفار کیا کرو)

س) قیامت کے روز نور میں اُٹھنا چاہتا ہوں)

ج) ظلم کرنا چھوڑ دو)

س) چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے)

ج)اللہ کے بندوں پر رحم کرو)

س) چاہتا ہوں اللہ میری پردہ پوشی کرے)

ج)لوگوں کی پردہ پوشی کیا کرو)

س)رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں)

ج)زنا سے بچو)

س)چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں)

ج)جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو،اسے اپنا محبوب بنالو)

س)اللہ تعالٰی کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں)۔

ج)فرائض کا اہتمام کرو)

س)احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں)

ج)اللہ کی یوں بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

س)یا رسول ﷺ (وہ) کیا چیز (ہے) دوزخ کی آگ ٹھنڈا کردے)

ج)دنیا کی مصیبتوں پر صبر)

س)اللہ تعالٰی کے غصے کو کیا چیز سرد کرتی ہے)

ج)چپکے چپکے صدقہ اور صلہ رحمی)

س)سب سے بڑی برائی کیا ہے)

ج)بداخلاقی اور بخل)

س)سب سے بڑی اچھائی کیا ہے)

ج)اچھے اخلاق ،تواضع اور صبر)

س)اللہ تعالٰی کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں)

ج) لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو)

قارئین محترم ذرہ غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ بدو نے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے جو سوالات رکھے وہ کوئی کم علم شخص کر سکتا ہے ؟؟ تمام کے تمام سوالات اتنے خاص ہیں کہ جن کا ہر مسلمان کے لیے سمجھنا ضروری تھا۔ خوش قسمتی سے احادیث مبارکہ کی صورت میں ہمارے پاس علم کا بہت بڑا خزانہ موجود ہے ۔اللہ تعالی ہمیں قرآن و حدیث کا علم حاصل کرکے اس پر عمل کرنے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے (آمین

عالمی حکمران صحافیوں کے قتل عام کا نوٹس لیں

18 جولائی 2013ء پہلی مرتبہ اقوام متحدہ کے اہم ادارے سکیورٹی کونسل کو بریفنگ دیتے ہوئے چار صحافیوں نے مطالبہ کیا کہ عالمی حکمران دنیا میں صحافیوں کی ہلاکتوں کا نوٹس لیں اور اُن کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔ سکیورٹی کونسل کی جانب سے پہلی مرتبہ منتخب صحافیوں کو مدعو کیا گیا تاکہ وہ کونسل کو صحافتی مشکلات کے حوالے سے معلومات فراہم کریں۔ اس میٹنگ کا اہتمام امریکا کی جانب سے کیا گیا تھا جو اس ماہ سکیورٹی کونسل کی صدارت کر رہا ہے۔ اس میٹنگ میں چار صحافیوں کے علاوہ پچاس مختلف ملکوں کے نمائندوں نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس کا باقاعدہ افتتاح اقوام متحدہ کے نائب سیکرٹری جنرل جان ایلیاسن نے اپنی افتتاحی تقریر سے کیا انہوں نے بتایا کہ گزشتہ دہائی کے دوران 600 صحافیوں کو پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران ہلاک کیا گیا اور پچھلے ایک سال میں 41 صحافیوں کو قتل کیا گیا۔ صحافیوں کی ہلاکتوں میں ملوث 90 فیصد افراد سزا سے بچ جاتے ہیں۔ صحافیوں نے اپنے خطاب میں عالمی سطح پر اس شعبے کو درپیش مشکلات کا احاطہ کیا اور عالمی ادارے سے مطالبہ کیا کہ صحافیوں کی زندگیوں کو بھی سفارتکاروں کی طرح محفوظ بنایا جائے۔ اُن چار صحافیوں میں امریکی براڈ کاسٹنگ ادارے نیشنل براڈ سٹنگ کارپوریشن (NBC) سے وابستہ رچرڈ

اینگل بھی شامل تھے ۔ان کا کہنا تھا کہ متنازعہ حالات کے شکار ممالک میں صحافیوں کو سکیورٹی فراہم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے ۔رچرڈ اینگل نے سلامتی کونسل سے کہا کہ تنازعات اور سیاسی عدم استحکام والے ملکوں میں صحافی ساتھیوں کو بلاگز، بے مصرف گھومنے والوں کے علاوہ کیمرے تھامے ہوئے باغیوں کی طرح دیکھا جاتا ہے ۔انھوں نے مزید کہا کہ پیشہ ور صحافیوں کا قطعاً احترام نہیں کیا جاتا۔ سلامتی کونسل کو دی جانے والی خصوصی بریفنگ کے دوران رچرڈ اینگل نے سفارتکاروں کو بتایا کہ پروفیشنل صحافیوں کو باضابطہ طور تسلیم کیا جائے اور ان کو وہی اسٹیٹس دیا جائے جو سفارتکاروں کو مہیا کیا جاتا ہے ۔کیونکہ صحافتی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے تحفظ بہت ضروری ہے ۔یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ رچرڈ اینگل کو شورش زدہ ملک شام میں دسمبر 2012ء میں حکومت کے حامی مسلح افراد نے پانچ دن تک اغوا کئے رکھا تھا۔ نیوز ایجنسی ایسوسی ایٹڈ پریس کی ایگزیکٹو ایڈیٹر کیتھلین کیرل نے کہا ہے کہ رپورٹرز متنازعہ علاقوں میں عوام الناس کی آنکھ کا کردار ادا کرتے ہیں ''بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ عوام الناس کی آنکھوں کو طاقتور افراد جب چاہے نکال دیتے ہیں اور اُس سے بھی زیادہ دکھ کی بات کہ اُن کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ۔دنیا میں حکمران طبقہ سیاہ وسفید کا مالک ہے جسے ہر قسم کے جرائم بھی معاف ہیں ۔لیکن صحافی کو بڑی آسانی کے ساتھ مجرم قرار دیئے اور سزا سنائے بغیر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے حکمرانوں کو

زرد صحافت تو نظر آتی ہے لیکن پیلی اور کالی کینسر زدہ سیاست نظر نہیں آتی۔ صحافی تو سوتے جاگتے پریشان رہتے ہیں کہ اپنی صفوں میں شامل کالی بھیڑوں یعنی زرد صحافت کے علمداروں کا صفایا کس طرح کیا جائے۔ جن کی وجہ سے آج ہم اپنے آپ کو صحافی کہلانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ راقم نے کچھ عرصہ قبل چندولال بوٹی کے نام سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں زرد صحافت کی پرزور مذمت کی تھی۔ مطلب کہ صحافی برادری کو اس بات کا احساس ہے کہ کچھ لوگ صحافت کے نام پر اپنی دکان داری چمکاتے ہیں، یہ صحافی نما دکاندار صرف صحافت کے نام پر ہی نہیں بلکہ پوری قوم کے نام پر بدنما دھبہ ہیں۔ لیکن مجھے یہ بات کہنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں کہ زرد صحافت کو فروغ دینے میں بھی کرپٹ سیاست دانوں اور جرائم پیشہ عناصر کا ہی ہاتھ ہے۔ آپ جس جگہ بھی رہتے ہیں اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں آپ کو راقم کی بات کا ثبوت مل جائے گا۔ جہاں بھی کوئی زرد صحاف کا علمدار موجود ہے اسے کسی نہ کسی بڑے سیاست دان یا جرائم پیشہ افراد کی پشت پنائی حاصل ہوگی یا رشتہ داری ہوگی، یہ صحافت کے خلاف سیاستدانوں کی سوچی سمجھی سازش ہے کہ حق اور سچ بیان کرنے والے صحافیوں کو کمزور سے کمزور تر کیا جائے اور نام نہاد بکاؤ زرد صحافت کو فروغ دینے کے لیے ٹاؤٹ قسم کے لوگوں کی شعبہ صحافت میں زیادہ سے زیادہ شمولیت کروا کران کی مالی ماونت کی جائے تاکہ حکمران طبقے کی کرپشن، جھوٹ اور ہٹ درمی کا پردہ فاش کرنے والے کم اور ان کی جھوٹی تعریف اور کرپشن چھپانے والے ٹاؤٹ

لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔ میں ایسے لوگوں کو صحافی نہیں مانتا جو چند ٹکوں کی خاطر حق چھپاتے ہیں ایسے لوگ جسم بیچنے والی طوائف سے بھی برے ہیں کیونکہ وہ تو صرف اپنا جسم بیچتی ہے وہ بھی مہنگے داموں، لیکن یہ بدبخت لوگ صرف دو سیر آٹے اور چائے کے کپ کے لیے قلم کا غلط استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اپنا بلکہ ملک قوم کا وقار بھی تباہ وبرباد کرتے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ بدعنوان ثابت ہوکر بھی یہ لوگ معتبر اور باعزت طریقے سے میڈیا میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ بڑا مقام رکھتے ہیں۔ نا صرف حکومت بلکہ صحافی برادری کا بھی فرض بنتا ہے کہ زرد صحافت کرنے والے نام نہاد صحافیوں کی پیداوار کو روکتے ہوئے صحافت کو پاک صاف، حق وسچ پر مبنی بنانے کے لے اپنا کردار ادا کریں۔ زرد صحافت کو اگر صحافت کا کینسر یعنی جان لیوا بیماری کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کسی بھی بیماری کا اعلاج تب تک ممکن نہیں ہوتا جب تک صحیح طریقے سے اس کی تشخیص نہ کی جائے، یعنی اس کی بنیادی وجوحات کا پتہ نہ چلایا جائے۔ میری نظر میں زرد صحافت کی بنیادی وجوحات میں سیاست دانوں کا اپنی کرپشن چھپانے اور سستی تشہیر کا شوق پورا کرنے کی غرض سے نااہل لوگوں کو صحافتی حلقوں میں شامل کرنا ہے، آج جبکہ زرد صحافت بہت ترقی کرچکی ہے پھر بھی حق اور سچ پر مبنی صحافت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ جس کا ثبوت آپ کو آئے روز اخبارات اور نیوز چینلز پر حکمرانوں کی کرپشن اُوپن ہونے کی صورت میں ملتا رہتا ہے۔ عوام کسی بھی صحافی یا اینکر پرسن کو جلدی سے بکاؤ کہنے والوں کی بات

مان لیتے ہیں یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ صحافیوں کی بھی سو مجبوریاں ہو سکتی ہیں ایک صحافی کو ایسا سچ بولنے پر جس میں کسی حکمران یا طاقتور سیاستدان یا پھر جرائم پیشہ عناصر کی کرپشن، دھوکہ دہی یا جھوٹ کا پردہ فاش ہوتا ہو جان تک سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ صحافی کو قتل کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ گاجر مولی کاٹ دینا۔ دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں جو صحافیوں کو تحفظ فراہم کرے۔ قارئین محترم صحافی طبقہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دور جہالت کی طرح معتبر ہونے کے باوجود مظلوم ترین طبقہ ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ اقوام متحدہ کے کسی اجلاس میں صحافتی مشکلات کا حل نکالنے کے لئے صحافیوں سے مشاورت کی گئی ہے جو یقیناً آنے والے دنوں میں مثبت پیش رفت ثابت ہوگی۔

لاہور بھتہ خوری کی زد میں

بھتہ خوری کی وباء نے روشنیوں کے شہر کراچی کو عرصہ دراز سے یرغمال بنا رکھا ہے ۔بھتہ خوری وہ لعنت ہے جو ہر روز معصوم انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل کرنہ صرف کراچی شہر بلکہ پورے ملک کی فضا کو سوگوار اور کاروبار زندگی معطل کر دیتی ہے۔اب تک کے تمام حکمران جن میں فوجی اور جمہوری دونوں شامل ہیں شہر قائد میں ہونے والی قتل و غارت گری اور بھتہ خوری کو قابو کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔جس کا آج نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ بھتہ خوری کی لعنت کراچی میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اب لاہور میں بھی عروج حاصل کر رہی ہے ۔شہر قائد کے حالات سے تو یہ بات ثابت ہو چکی کہ وہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ٹارگٹ کلنگ بھتہ خوری عام ہے اور قاتلوں بھتہ خوروں اور ڈاکوؤں کو روکنے والا کوئی نہیں ۔حکومت سندھ اور سندھ پولیس کئی مرتبہ بے بسی کا اظہار کر چکے ہیں ۔مجھے آج بھی انسپکٹر جنرل پولیس آف سندھ غلام شبیر شیخ کا وہ بیان یاد ہے جس میں انہوں نے اپنی بے بسی اور غفلت کا برملا اظہار کیا تھا۔اُن کا کہنا تھا کہ پولیس اہلکار ڈیوٹی کے دوران غافل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے دہشت گرد اُن پر حملہ کر رہے ہیں ،اہلکار سب سے پہلے اپنی حفاظت پر توجہ دیں پھر عوام کی حفاظت کریں ۔انہوں نے کہا کہ پولیس اہلکار خود محفوظ نہیں ہوں گے

تو عوام کی حفاظت کیسے کریں گے ؟لہٰذا پولیس پہلے اپنی حفاظت پر توجہ دے بعد میں عوام کی حفاظت کرے۔آئی جی سندھ نے کہا کہ ہمارا قانون عام شہری کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر کوئی جرائم پیشہ فرد اس کو جان سے مارنے کی نیت سے اسلحہ تان لے تو وہ اپنے بچاؤ میں اسے گولی مار دے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔آئی جی سندھ کا یہ بیان کافی پرانا ہے اس پر میں پہلے بھی بات کرچکا ہوں۔۔صوبہ پنجاب میں امن وامان کی صورتحال پاکستان کے دوسرے تمام صوبوں سے بہت بہتر رہی ہے۔لاہور جو صوبہ پنجاب کا دارالخلافہ ہے آج کل بھتہ خوری کی لعنت وہاں بھی کراچی کی طرح قدم جمانے کی کوشش کررہی ہے۔اگر حکومت وقت نے بروقت شہروں کے ساتھ مل کر بھتہ خوروں کو جہنم رسید نہ کیا تو اللہ نہ کرے کراچی کی طرح لاہور بھی بھتہ خوروں کے رحم و کرم میں چلا جائے گا۔میں پچھلے بیس سال سے حکمرانوں کو کراچی کے حالات کا نوٹس لے کر سخت کارروائی کے احکامات جاری کرتے دیکھ رہا ہوں لیکن شہر قائد میں بھتہ خوری اور قتل و غارت لگاتار بڑھتی ہی جارہی ہے۔اُس پر شہر لاہور میں بھتہ خوری کی وارداتوں کا آغاز ہوگیا ہے جو شہریوں اور حکومت کے لئے انتہائی پریشان کن ہے۔لاہور میں بھتہ خور اپنے آپ کو طالبان یافرار مجرم (اشتہاری) بتاکر فون کولز کے ذریعے ٹرانسپوٹرز،فیکٹری مالکان دکانداروں اور زیادہ تر جولرز سے بڑی بڑی رقوم مانگ رہے ہیں اور رقم کی عدم، ادائیگی کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیا دیتے ہیں۔اطلاعات کے مطابق راوی روڑ کا رہائشی کروڑ پتی ٹرانسپوٹر اسی قسم

کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر بھتہ خوروں کو ایک بڑی رقم ادا کر چکا ہے۔ جو بھتہ خوروں سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ رقم ادا کرنے کے بعد بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں کو کسی قسم کی معلومات دینے سے گھبرا رہا ہے۔ 20 جولائی کو تھانہ مغل پورہ میں ایک ایف آئی نمبر 506/13 محمد امتیاز جولر نے درج کروائی، امتیاز جولر نے پولیس کو بتایا کہ نامعلوم افراد فون کال کے ذریعے 2 لاکھ روپے مانگ رہے ہیں اور بصورت دیگر اُن کی طرف سے سنگین نتائج کی دھمکیاں دی جا رہی۔ اسی طرح کے 2 مزید کیسز صدر کینٹ کے علاقہ سے بھی منظر عام پر آئے ہیں۔ پولیس ذرائع کے مطابق صدر کینٹ کے علاقے میں انبالہ جولر کے مالک عقیل احمد اور سعید جولر کے مالک شان سعید کو نامعلوم موبائل نمبر سے آنے والی فون کالز پر نامعلوم افراد کی طرف سے بھتہ طلب کیا گیا ہے۔ تھانہ شمالی چھاونی میں ان دونوں واقعات کے مقدمات زیر دفعہ D/ درج ہو چکے ہیں۔ تفتیشی آفیسر (سب انسپکٹر رضوان اللہ) کا کہنا ہے کہ فون 25,506 کالز کا ڈیٹا حاصل کرنے کے لئے متعلقہ ادارے کے ساتھ رابطہ کر رکھا ہے جبکہ پولیس ہر پہلو سے ان کیسز کی تفتیش کر رہی ہے۔ تفتیشی آفیسر کا کہنا ہے کہ یہ امکان بھی موجود ہے کہ جولرز کو ذاتی دشمنی یا رنجش کی وجہ سے خوف زدہ کرنے کے لئے فون کالز کی گیں ہوں۔ راقم کو پنجاب پولیس کی قابلیت پر کسی قسم کا شک نہیں لیکن ذرا اس بات کا ہے کہ کہیں شہر میں ہونے والی گداگری کی طرح بھتہ خوری کے پیچھے بھی اہم شخصیات کا ہاتھ نہ ہو جن پر پولیس کو بھی ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ راقم کے

خیال میں بھتہ خوری کو ختم کئے بغیر امن وامان کی صورتحال کا بہتر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک میں مکمل امن وامان قائم کرے۔کراچی ہو یا لاہور جب تک پورے پاکستان میں امن قائم نہیں ہوتا تب تک جمہوریت بھی خطرے میں رہے گی۔ملک دشمن طاقتیں کبھی بھی عوام کی حکمرانی کے حق میں نہیں رہی۔لیکن اب ہمارے پاس مزید وقت نہیں ہے کہ بھتہ خوری میں ملوث یادیگر جرائم پیشہ افراد کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں۔میاں نواز شریف فوری طور پر پاکستان کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے تمام جرائم پر سخت ترین سزاؤں کا اعلان کریں اور اُن پر اتنی ہی سختی کے ساتھ عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔کیونکہ جب تک جرائم کو جڑ سے ختم نہیں کیا جاتا تب تک پاکستان ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی عوام خوشحال ہو سکتے ہیں۔راقم کی وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے اپیل ہے کہ لاہور میں بڑھتے ہوئے جرائم جن میں چوری،ڈکیتی اور بھتہ خوری سمیت دیگر کی روک تھام کے لئے محکمہ پولیس کو خصوصی احکامات جاری کرتے ہوئے مجرموں کی پشت پناہی کرنے والوں کو بھی مجرم تصور کرتے ہوئے سرعام سزائیں دے کر کاروباری طبقے کے ساتھ ساتھ عام عوام کے دلوں سے بھی بھتہ مافیا،چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف نکالا جائے اور تمام قانون شکن قوتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔وزیر اعلیٰ پنجاب جو صوبے کو قانون کی حکمرانی اور گڈ گورنیس کے ذریعے مثالی صوبہ بنانا چاہتے ہیں اُن کو بھتہ خوری کی وباء کو پھیلنے سے روکنے کے لئے فوری طور پر اقدامات کرنے

چاہیے ۔کاروباری طبقہ پہلے ہی بجلی وگیس کی لوڈشیڈنگ اور امن وامان کی خراب صورتحال کی وجہ سے شدید پریشان ہے اگر بھتہ خوری کے خاتمے میں دیر ہوئی تو انہیں مجبوراً اپنا کاروبار سمیٹ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اعتکاف اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت سے چمٹ جانے کا نام ہے

اللہ تعالیٰ اتنا رحیم و کریم ہے کہ اپنے بندے کو ہر حال میں نوازتا ہے۔اب بندے کا کام ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رَب تعالیٰ کا شکر کرے اور حکم بجالائے۔کہہ دو کہ میری سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں۔جو تمام کائنات کا خالق ومالک اور رازق ہے۔جو کسی کا نہیں مگر سب کا ہے۔جو میری جان پر ظلم نہیں کرتا، جو میرے لیے آسانیاں پیدا فرماتا ہے، جو آسمان سے پانی برساتا ہے، جو زمین پھاڑ کر میرے لیے اناج اگاتا ہے، جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی، بے شک سب تعریفیں اللہ تالیٰ ہی کے لیے ہیں، میرا رب تو تعریف کے قابل ہے لیکن میری اوقات نہیں کہ اس ذات پاک کی تعریف کرسکوں۔کائنات کی سب مخلوقوں میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے کائنات میں بے تحاشہ نعمتیں پیدا فرمائیں ہیں، جن کا شمار بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔اللہ والے کہتے ہیں کہ اگر انسان کو طاقت ملے اور اس کائنات کے رنگوں میں اس صورت پاک کو دیکھ پائے جو ہر جگہ موجود ہے تو قسم پیدا کرنے والے رَب کی اسی جگہ ساکت ہوجائے اور دیکھ کر پہچان بھی لے تو ساری زندگی سجدے میں گزار دے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کتنی محبت کرتا ہے یہ جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔انسان بس

اتنا سمجھ لے کہ انسان کا رشتہ اپنے خالق سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور انسان اس کا مملوق ۔اللہ تعالیٰ معبود ہے اور انسان اس کا عبد۔اللہ تعالیٰ آقا ہے اور انسان اس کا بندہ اور غلام بے دام ۔غلام کا کمال یہ ہے کہ اس کا آقا اس سے خوش ہو مملوق کے لیے سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسے مالک کی خوشنودی حاصل رہے۔عاشق کو اپنے معشوق کی راہ میں لٹ کر بھی ایک لطف آتا ہے اور محب اپنے محبوب کے لیے کھو کر بھی پانے کی لذت محسوس کرتا ہے۔اسی محبت ' غلامی اور بندگی کے احساس کو عملی پیکر دینے کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے ۔اسلام میں عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے ہیں۔ان میں قدم قدم پر اپنی بندگی ، نیستی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور شیفتگی کا اظہار ہے۔نماز کی کیفیت کو دیکھئے کہ غلام اپنے آقا کے سامنے نگاہ نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے۔بار بار اپنے رب کی کبریائی کا نعرہ لگاتا ہے ۔ کبھی کمر تک جھکتا ہے۔ کبھی نگاہ جھکائے دوزانو بیٹھتا ہے۔ کبھی اپنی پیشانی زمین پر رگڑتا ہے۔زکوۃ دیتا اپنی ذات اور اپنے مال پر خدا کی حکومت کا اعتراف کرتا ہے،روزہ ،حج بھی خدا کی بندگی ہے ۔لیکن اس میں خوف سے زیادہ اپنے مالک کی محبت کا اظہار ہے۔ روزہ دار کو دیکھئے بھوکا ہے،پیاسا ہے،دھوپ کی تمازت اور موسم کی شدت ہے۔لیکن خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے سب کچھ برداشت کرتا ہے۔روزہ گویااللہ تعالیٰ سے کمال محبت اور نفس سے رشتہ توڑنے سے عبارت ہے۔لیکن بھوکے پیاسے رہنے کے باوجود روزہ کی حالت میں گھر سے کاروبار اور

لوگوں کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے۔ محبت کا اوج کمال یہ ہے کہ آدمی ان تعلقات کو بھی خدا کے تعلق کے سامنے قربان کر دے۔ اس کے لئے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک اور عبادت رکھی گئی ہے جسے اعتکاف کہتے ہیں۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک ہر وقت یاد دلاتا رہتا ہے۔ کہ روزے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ اس کی تہ میں خُدا کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین ہے۔ آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی عدالت پر ایمان ہے۔ روزے کی حکمتوں کا شمار کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن روزے کا انعام اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اعتکاف کے معنی ٹھہرنے، پوری قوت سے کسی چیز کا ساتھ پکڑے رہنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں ایسی مسجد میں روزہ کے ساتھ قیام پذیر ہو جانے کا ہے۔ جس مسجد میں پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہو۔ گویا اعتکاف اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر سر رکھ دینے اور خدا کے دامن رحمت سے چمٹ جانے کا نام ہے۔ جیسے بندہ اب اپنی مراد حاصل کئے اور منزل مقصود کو پائے بغیر اس در کو نہیں چھوڑے گا اور یہ مکمل حوالگی، خود سپردگی کا اظہار ہے۔ اسی لیے رمضان المبارک کے تیسرے یعنی آخری عشرے کے اعتکاف کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے، وہ اعتکاف سے باہر جو نیکیاں انجام دیتا، وہ نیکیاں بھی اس کے نام لکھ دی جائیں گی۔ حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ کو اعتکاف کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ ﷺ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف

فرمایا کرتے تھے۔اور جس سال وفات ہوئی اس سال دوسرے اور تیسرے دونوں عشروں کا اعتکاف فرمایا۔ایک سال آپؐ اعتکاف نہ فرماسکے تو آپؐ نے رمضان کے بدلہ شوال میں دس دنوں کا اعتکاف فرمایا۔اعتکاف کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں ۔نفل،سنت اور واجب ،اعتکاف نفل کے لئے نہ روزہ ضروری ہے اور نہ وقت کی قید صرف اعتکاف کی نیت ہونی چاہئے ۔تھوڑی دیر کے لئے بھی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرلیا جائے تو نفل اعتکاف ہوجائے گا۔دوسری صورت واجب اعتکاف کی ہے ۔اعتکاف واجب ہونے کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ اعتکاف کی نذر ہو،دوسرے یہ کہ ایک دن یااس سے زیادہ نفل اعتکاف کی نیت سے اعتکاف شروع کیا جائے لیکن مدت پوری ہونے سے پہلے اسے توڑ دیا تو اب جتنی مدت پوری کرنے کی اس نے نیت کی تھی شروع کرنے کے بعد توڑدینے کی وجہ سے اتنے دنوں کااعتکاف واجب ہوجائے

گا۔اعتکاف واجب کے لئے روزہ ضروری ہے ۔اس لئے کہ اعتکاف روزہ کے ساتھ ہی ہے۔ تیسری صورت جو اعتکاف کی اصل صورت ہے ،وہ اعتکاف سنت ہے ۔اعتکاف سنت رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے ۔یہ سنت علی الکفایہ ہے۔یعنی اگر شہر کے کچھ لوگوں نے اعتکاف کر لیاتو ثواب تو اعتکاف کرنے والے کو ہوگا۔لیکن ترک اعتکاف کے گناہ سے سبھی لوگ بچ جائیں گے اور اگر بستی کے کسی بھی شخص نے اعتکاف نہیں کیا تو بستی کے تمام لوگ گناہگار ہوں گے۔اعتکاف بیسویں روزے سے شروع ہوتا ہے۔نماز عصر کے بعد مغرب سے پہلے یعنی بیسویں کی افطاری مسجد میں کی جاتی ہے جبکہ آخری روزہ افطار کرکے اعتکافی بعد نماز

مغرب اعتکاف سے فارغ ہوتے ہیں۔

نشے کی لت

دنیا میں سینکڑوں تنظیمیں انسانی حقوق کے تحفظ کی دعویدار ہیں۔قدرتی آفات اور بیماروں کی روک تھام کے لئے بہت سے احتیاطی طریقے اپنائے جاتے ہیں۔پولیو، خسرہ اور دیگر بیماریوں سے بچاؤ کی ویکسین گھر گھر فراہم کی جاتی ہے لیکن نشے کی لت میں مبتلا سسکتی بلکتی انسانیت نجانے کیوں ہمیں نظر نہیں آتی؟ہماری حکومتیں لوگوں کو پولیو سے تو بچانا چاہتی ہیں لیکن منشیات کی آسان اور سستے داموں فراہمی کی روک تھام نہیں کرتیں۔حکومتیں تو اپنی جگہ خاموش ہیں لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ اسلامی اور انسانی حقوق کی آواز بلند کرنے والی تنظیمیں بھی معاشرے کو منشیات کی لعنت سے بچانے کے لئے کسی طرح کی آگاہی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔آج حالت یہ ہے کہ پاکستان میں منشیات کے استعمال کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔خاص طور پر نوجوان اور کم عمر بچوں، بچیوں کا نشے کی لت میں مبتلا ہونا تشویشناک حد تک بڑھ چکا۔منشیات کے نقصانات کا علم ہونے کے باوجود حکمرانوں کا ان کی روک تھام کے لئے مناسب اقدامات نہ اُٹھانا انتہائی افسوس ناک بات ہے۔سگریٹ کے ہر پیکٹ پر یہ نصیحت درج ہوتی ہے کہ خبر دار تمباکو نوشی مضر صحت ہے لیکن سگریٹ سازی کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔اگر سگریٹ مضر صحت ہے تو پھر ریاست

کا قانون شہریوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالنے والے زہر کو تحفظ کیوں فراہم کرتا ہے ؟آج دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی ایٹم سگریٹ ہے۔شہروں میں نوجوان نسل شیشہ کو فیشن کے طور پر اپنا چکی ہے۔منشیات انسانی زندگی کے لئے انتہائی خطرناک ہے پھر بھی دنیا بھر میں ہر رنگ، نسل ،مذہب اور زبان سے تعلق رکھنے والے انسان دل کھول کر منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔دنیاکے تمام حکمران اس حقیقت سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں کہ منشیات کی پیداوار کہاں کہاں ہوتی ہے۔لیکن کبھی کسی نے منشیات کی پیداوار کو روکنے کے لئے اتنی سنجیدگی سے کام نہیں کیا جتناکہ کرنے کی ضرورت ہے۔کتنی بے دردی سے ایک انسان دوسرے انسان کو چند روپوں کی خاطر زہر دیتا ہے۔یہ ہے ترقی یافتہ دنیا کی اصل شکل انسان ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے چاند ستاروں تک پہنچ گیا،زمین کھود کر گیس ، تیل، کوئلے ، سونے ،تانبے سمیت نجانے کون کون سے خزانے اپنے نام کرچکا، تیز ترین ذرائع ابلاغ کی ایجاد کے بعد پوری دنیا کو ایک ویلج کی شکل دینے میں کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ اور بہت سی کامیابیاں سمیٹ چکا ہے لیکن منشیات کی روک تھام کرنے میں آج بھی بری طرح ناکام ہے۔آج یہ حال ہے کہ بھرے شہروں میں سرعام ابن آدم منشیات جن میں ہیروئن سر فہرست ہے،چرس ،شراب، گٹکا اور دیگر منشیات کا استعمال کرتا ہے لیکن اسے محبت اور پیار سے اس لعنت سے دور کرنے کی بجائے ہم حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں ،یعنی منشیات سے نفرت کی بجائے ہم منشیات کے عادی افراد

سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم منشیات سے اتنی نفرت کریں کہ جب تک دنیا سے اُس کا خاتمہ نہ ہوجائے چین سے نہ بیٹھیں ۔ روسی ادارے آر ٹی کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں ہیروئن کا نشہ خوراک سے سستا ہے ۔ پاکستان میں سالانہ ایک ارب ڈالر مالیت کی ہیروئن اور دوسری منشیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اس صنعت کا انحصار تباہ حال افغانستان کی نشہ آور فصل سے ہے یہ انکشاف روسی ادارے نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے ۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ہیروئن خوراک سے سستی اور باآسانی دستیاب ہے۔ پاکستان میں چالیس سے پچاس لاکھ لوگ منشیات کے عادی ہیں لیکن ان کو اس لعنت سے بچانے کے لئے میڈیکل کلینک 80 سے بھی کم ہیں ۔ رپورٹ کے مطابق کراچی میں ہیروئن کے عادی افراد اپنی عادت کو چھپانے کی پروانہیں کرتے ۔ کراچی کے ایک مقامی نوجوان عبداللہ نے 2 ہفتے اپنے والد کو تلاش کیا جو ہیروئن کا عادی تھا بلاآخر کراچی کے سب سے بڑے مردہ خانے سے اُس کے والد کی نعش مل گئی ۔ منشیات کے عادی افراد کی مدد منشیات کی فراہمی کو مشکل بنا کر کی جاسکتی ہے لیکن یہ لعنت کراچی ، لاہور سمیت تقریباً پاکستان بھر میں عام دستیاب ہے ۔ روسی ادارے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہیروئن کے اہم جز وافیون کا سب بڑا پیدا کرنے والا ملک افغانستان ہے دنیا بھر میں 90 فیصد منشیات اسی ملک سے فراہم کی جاتی ہے ۔ اور تقریباً 40 فیصد منشیات پاکستان کے راستے اسمگل ہوتی ہے ۔ عالمی ادارے کی ورلڈ ڈرگزر رپورٹ کے مطابق پاکستان اور یوکرائن میں منشیات کے 2013 ء

عادی افراد میں سب سے زیادہ ایچ آئی وی کی موجودگی 22 فیصد تک پائی جاتی ہے جبکہ بھنگ پینے والوں کی تعداد میں پاکستانیوں میں 3.6 فیصد کے لحاظ سے اضافہ ہو رہا ہے ۔رپورٹ میں یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ دنیا بھر میں 2011ء میں منشیات سے 2 لاکھ ہزار افراد موت کے منہ میں چلے گئے ۔اقوام متحدہ کی ڈرگز اینڈ کرائم کے مطابق 11 ہیروئن اور افیون کی عالمی سطح پر تجارت 68 ارب ڈالر کی ہے ۔جس میں صرف ہیروئن کی 61 ارب ڈالر ہے ۔سالانہ ایک کروڑ 60 لاکھ افراد افیون سے وابستہ منشیات استعمال کرتے ہیں دنیا میں اس وقت دو کروڑ دس لاکھ افراد ہیروئن کے عادی ہیں ۔روسی ادارے نے اپنی رپورٹ میں شراب گٹکے اور مضر صحت تمباکو کی پیداوار ،اسمگل اور استعمال کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جبکہ پاکستان میں ہیروئن سے بھی زیادہ شراب ،چرس اور گٹکا استعمال ہوتا ہے جو زیادہ تر بھارت سے اسمگل ہو کر پاکستان پہنچتا ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سی نشہ آور ادویات میڈیکل سٹوروں سے باآسانی مل جاتی ہیں، نشہ آور انجکشن کا رجحان بھی بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے ۔نشہ تیزی سے پھیلتی معاشرتی بیماری ہے ۔معاشی بد حالی ،بے روزگاری ،مہنگائی کے ساتھ ساتھ محبت میں ناکامی سے پیدا ہونے والی مایوسی لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔غریب لوگ اپنی مشکلات سے گھبرا کر خود کو نشے کے حوالے کر دیتے ہیں جبکہ امیر لوگ شوقیہ اور فیشن کے طور پر نشہ یعنی منشیات کا استعمال کرتے ہیں ۔زندگی میں پیش آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کی وجہ سے

جب مایوسی حد سے بڑھتی ہے تو انسان کو کسی سہارے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن آج کے تیزترین دور میں کسی کے پاس کسی کو سہارا دینے کے لئے وقت نہیں ہے۔جب انسان اپنے آپ کو آکیلا محسوس کرتا ہے اور کسی سے دل کی بات نہیں کہہ پاتا اُس وقت سب سے قریب نشہ نظر آتا ہے اور جب یہ لعنت باآسانی دستیاب ہو تو پھر انسان کا بچنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔جب ہمارے پیارے نشے کی لعنت میں غرق ہو جاتے ہیں تو ہم اُن کی نشہ کرنے کی عادت کی بجائے اُن سے نفرت کرتے ہیں جو جلتی پر تیل والی بات ہے۔روسی ادارے کی رپورٹ حقیقت کے بالکل قریب ہے۔پاکستان میں منشیات فروشی عام ہے اس بات سے تقریبا ہر پاکستانی واقف ہے لیکن ایک شریف شہری ان موت کے سوداگروں کے ہاتھ کاٹنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ لوگ انتہائی طاقتور اور بااثر ہیں اس لئے ملک کو منشیات سے پاک کرنا حکومت کا کام ہے۔حکومت ملک کو منشیات سے پاک اور مستقبل کے معماروں کو نشے کی لت سے بچانے کے لئے جنگی بنیادوں پر کام کرنا ہوگا۔

ہمارا نظام تعلیم تین بڑے نظاموں میں منقسم

نوجوان قوم کے معمار ہوتے ہیں اور ان معماران کی بہترین تعمیر میں جہاں والدین، معاشرہ اور استاد کردار ادا کرتے ہیں وہیں نصاب تعلیم کا کردار بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔ کیوں کہ نصابِ تعلیم ذہنی کشادگی اور فکری تشکیل کے ساتھ ساتھ شخصیت کی تعمیر و ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ بچے کے ناپختہ اور صاف ذہن میں جو تصویر درسگاہ میں ابتدائی سال سے اپنے نقش و نگار ابھارنا شروع کرتی ہے تعلیم سے فراغت تک وہ تصویر اس حدتک پختہ ہو جاتی ہے کہ اس کے نقوش انمٹ ہو جاتے ہیں۔اس لیے کسی بھی ملک میں نصاب سازی کے کام کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ نصاب سازی کا کام پختہ، تجربہ کار اور ماہرین نفسیات کو سونپا جاتا ہے تاکہ ایسا نصاب تیار ہو جو ملکی و ملی مفاد سے ہم آہنگ ہو اور مطلوبہ افراد کار کی تیاری میں مدد و معاون ہو۔ لہٰذا یہ کہنا کسی طور غلط نہ ہو گا کہ تعلیم کا اہم ہدف انسان سازی ہے۔ جس نے اس صنعت پر توجہ دی اس نے دنیا سے اپنا لوہا منوایا اور جس نے اس معاملے میں نا اہلی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا غلامی اس کا مقدر ٹھہری۔یوں تو وطن عزیز میں اس وقت درجن بھر کے لگ بھگ نظام ہائے تعلیم رائج ہیں لیکن اگر ہم اپنی سہولت کے لیے کسی بڑی اور واضح تقسیم پر قناعت کرنا چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

ہمارا نظام تعلیم تین بڑے نظاموں میں منقسم ہے۔ ایک حکومتی یا سرکاری نظام تعلیم، دوسرا پرائیویٹ نظام تعلیم جس میں بیشتر برطانیہ اور امریکہ کا تیار کردہ نصاب رائج ہے۔ اور تیسرا دینی نظام تعلیم جو کہ مدارس کی صورت میں ملک کے طول و عرض میں رائج ہے۔ ان تینوں نظاموں سے تیار ہونے والے افراد کے رویے، طرز عمل، ذہنی ساخت اور انداز فکر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، کیوں کہ ان تینوں نظام ہائے تعلیم کے نصابات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ اگر سرکاری نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ انسان سازی کی یہ صنعت اپنی پیداواری صلاحیت کے لحاظ سے بانجھ پن کا شکار ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی کمی ضرور ہے جس کی وجہ سے یہ تعلیمی ڈھانچہ ملکی و ملی تقاضوں اور معاشرتی اقدار سے اہم آہنگ رجال کار فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ اس سے نکلنے والے بیشتر افراد فکری و عملی طور پر کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی مرعوبیت کا شکار ہوتے ہیں۔ اور علمی بالغ نظری کے فقدان کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کے جذبہ مطلوبہ سے عاری بھی ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں پرائیویٹ یا نجی تعلیمی نظام کے فارغ التحصیل جن کے شب و روز آکسفورڈ اور کیمبرج کے نصاب ہائے تعلیم کو پڑھتے ہوئے گزرتے ہیں، اور جن کی فکری و ذہنی کشادگی اسی خاص ماحول میں ہوتی ہے وہ علمی طور پر مضبوط اور پر اعتماد تو ہوتے ہیں لیکن ملکی مفاد اور جذبہ حب الوطنی کے فقدان کا شکار ہوتے ہیں۔ یہی لوگ برسر اقتدار آتے ہیں اور بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے ملکی مفاد اور خود

مختاری تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اول الذکر جو کام مرعوبیت کی وجہ سے کرتے ہیں وہی کام ثانی الذکر خوشنودی کے لیے کر گزرتے ہیں۔ الغرض دونوں ہی طرح کے افراد ہمارے معاشرتی اور ملکی مزاج کے لیے سود مند نہیں ہیں۔اس ساری صورتحال کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان نصاب ہائے تعلیم کی تیاری ہماری قومی و معاشرتی نفسیات اور ضرورتوں کے مطابق نہیں ہوئی۔ سرکاری نظام تعلیم لارڈ میکالے کے ''سنہری اصولوں'' پر کاربند ہے تو پرائیوٹ نظام سارا کا سارا ہے ہی درآمد شدہ۔ان دو نظاموں کے مقابلے میں رائج دینی نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک اور انتہا پر ہے۔ لب و لہجہ اور انداز و اطوار پانچ صدیاں قبل والے، اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہ لینا، اپنا کلام پیش کر دینا اور جواب آں غزل سننے کا روادار نہ ہونا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ایسے معاملات جو افہام و تفہیم اور مذاکرے و مکالمے سے حل ہو سکتے ہیں ان میں بھی نوبت دست و گریباں ہونے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ حال تو اپنے ہم مذہب افراد کے ساتھ ہے۔ جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے تو وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کے ساتھ مکالمہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں رائج نصاب اس زمانے کا ہے جب مسلمان حاکم اور طاقت ور تھے۔ لہٰذا نصاب وہ نفسیاتی پہلو رچا بسا ہے جو ایک حکمران قوم کا ہوا کرتا ہے۔مدارس میں رائج موجودہ نصاب اورنگزیب کے زمانے میں نظام الدین فرنگی محلّی کا ترتیب دیا ہوا'' درس نظامی'' ہے۔ اس وقت مسلمان اقتدار میں تھے اور مقتدر قوم کی فکری و ذہنی ساخت نفسیاتی طور

پر محکوم سے کئی لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی کے پیش نظر ''درس نظامی'' کی تیاری میں اُس وقت اور حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا گیا، ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی جو ایک حکمران قوم کی ہوا کرتی ہیں اور ایسا نصاب تیار کیا گیا جس سے نکلے ہوئے افراد نہ صرف معاشرتی بلکہ انتظامی و حکومتی ذمہ داریاں بھی باندازِ احسن ادا کر سکیں۔ جبکہ آج کے دور میں مسلمانوں کی حالت کا اگر جائزہ لیا جائے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے بعد سے اب تک ہم کبھی ذہنی، کبھی جسمانی اور کبھی دونوں طرح کی غلامیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آج کے دور کے تقاضے اس دور سے یکسر مختلف ہیں، اب معاملہ حاکم اور محکوم کا نہیں رہا، بلکہ کہیں مسلمان مغلوب ہیں اور کہیں معاملہ برابری کی سطح کا ہے۔ ایسے میں مذاکرات ، مکالمہ، کچھ دو اور کچھ لو کے اصولوں کو اپنانا ناگزیر ہے لیکن طبقہ علماء میں یہ خو بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ کسی بھی ملک کا نظام تعلیم جن مقاصد و اہداف کے حصول کے لیے کوشاں ہوتا ہے مذکورہ بالا نظام ہائے تعلیم ان مقاصد و اہداف کے حصول میں مطلوبہ کامیابی حاصل کرنے سے تا حال قاصر ہیں۔ اس ناکامی میں جو عنصر کلیدی کردار ادا کر رہا ہے وہ نصاب تعلیم ہے۔ نصاب کا نفسیات کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ نصابِ تعلیم طلبہ کی ذہنی پرداخت پر نفسیاتی پہلو سے اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ ان کی ظاہری و باطنی شخصیت میں غیر محسوس انداز سے ایک خاص نفسیاتی طرز عمل غالب آ جاتا ہے اور اس نفسیاتی طرز عمل کا رنگ معمولات حیات میں جا بجا نظر آتا

ہے۔ان معروضات کے پیش نظر ہمارے ارباب اقتدار کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بطور خاص موجودہ ملکی حالات میں ہم جس قدر قحط الرجال کا شکار ہیں ایسے میں یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ موجودہ نصاب کی اساسی کتب اور بنیادی مضامین کو برقرار رکھتے ہوئے ایسا نصاب تیار کیا جائے جو ملکی تقاضوں اور ہماری معاشرتی اقدار سے ہم آہنگ ہو اور جس کے تیار کردہ رجال کار اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں باانداز احسن ادا کر سکیں۔

زہریلی شراب، ہلاکتیں اور نوٹس

فیصل آباد میں زہریلی شراب 22 افراد کو نگل گئی اور درجن سے زائد افراد زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ جن کی حالت ڈاکٹروں کے مطابق تشویشناک ہے۔پولیس نے شراب فروش نائیکہ اور مرکزی ملزم بابر سمیت 6 ملزموں کو گرفتار کر لیاہے۔زہریلی شراب پی کر ہلاک ہونے والوں کے ورثا کے مطابق چند ماہ قبل بھی 4 افراد زہریلی شراب پینے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے مگر پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی اور اب بھی پولیس کی طرف سے اس سنگین معاملے کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہے۔وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے واقع کانوٹس لیتے ہوئے آر پی او فیصل آباد کو جلد رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کر دی ہے ۔یہ خبر یقیناآپ کی نظر سے گزری ہو گی اور آپ نے ہمیشہ کی طرح یہی سوچا ہوگا کہ یہ کون سی نئی بات ہے۔لیکن اس طرح کی خبریں نظر انداز کرنے والی نہیں کیونکہ میں اور آپ بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہیں۔اسلام میں شراب نوشی سختی کے ساتھ منع ہے جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اندر اس زہر کے بنانے، بیچنے یاپینے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ ہے۔اگر ہم نے شراب سمیت دیگر جان لیوا منشیات کے استعمال اور خرید وفروخت کے خلاف آوازاُٹھا کر اس لعنت کی روک تھام نہ کی تو کل میرے اور آپ کے

جگر گوشے بھی منشیات کی لت میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔جب لوگ کہتے ہیں کہ زہریلی شراب پینے کی وجہ سے اتنے افراد ہلاک ہوگئے ہیں تو مجھے بہت عجیب لگتا ہے کہ اگر شراب پینے والے فوری طور پر ہلاک ہو جائیں تو شراب کو زہریلی قرار دے دیا جاتا ہے لیکن جب یہی زہر شراب نوشی کرنے والے افراد کو دو تین سال بعد موت کی اندھیری وادی میں دھکیلتا ہے تب شراب کو زہریلی کیوں نہیں کہا جاتا ؟فیصل آباد میں پیش آنے والے تازہ ترین واقع میں ہلاک ہونے والے افراد کے ورثا سے میرا سوال ہے کہ جب وہ جانتے تھے کہ شراب پینے سے چند ماہ پہلے بھی 4افراد ہلاک ہو چکے ہیں تو پھر اُنہوں نے اپنے پیاروں کو شراب یعنی موت کے قریب کیوں جانے دیا؟مان لیا کہ چند ماہ قبل پیش آنے والے واقع کے ملزمان کے خلاف پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی ہو گی ۔مان لیا کہ شراب سرِعام دستیاب ہے ،مان لیا کہ پولیس منشیات فروشوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے ،مان لیا کہ منشیات فروشوں کی پشت پناہی کرنے والے معززین علاقہ وزیروں اور سفیروں کے قریبی ہیں ،یہ بھی مان لیا کہ ملک میں عدل وانصاف نام کی کوئی چیز دستیاب نہیں ،چلو یہ بھی مان لیا کہ حکومت منشیات کی کھلے عام خرید وفروخت کو روکنے کے لئے کچھ نہیں کرے گی ۔لیکن یہ کیسے مان لیا جائے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ شراب یا دیگر منشیاب کا استعمال کرنے سے موت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا؟کیا پولیس یا حکومت پر تنقید کرنے سے مرنے والے زندہ ہو سکتے ہیں ؟ چند ماہ قبل زہریلی شراب پی کر4افراد ہلاک ہوئے تھے اور اب اس زہر نے 2درجن

افراد کی جان لے لی ہے اور مزید کی حالت تشویشناک ہے پھر بھی فیصل آباد سمیت پورے ملک میں شراب کی فروخت اور شراب نوشی بدستور جاری ہے۔ ٹھیک ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمران اور محکمہ پولیس انتہائی بے حس ہو چکے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت یا پولیس نے گھر جا کر اُن افراد کو شراب نوشی کا مشورہ دیا تھا؟ قارئین محترم اپنی اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کو نشے کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں خود ہی احتیاط کرنا ہوگی۔ حکمران بیچارے کیا کریں آپ کے سامنے وزیر اعلیٰ پنجاب نے فیصل آباد میں زہریلی شراب پی کر 22 افراد کی ہلاکت کا نوٹس لے کر رپورٹ جلد طلب کر لی ہے پھر بھی فیصل آباد میں منشیات کی فروخت کھلے عام ہوتی رہے گی۔ وہ اس لئے کے وزیر اعلیٰ پنجاب نے صرف حالیہ واقع کا نوٹس لیا ہے منشیات فروشوں کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ وزیر اعلیٰ بیچارہ کیا کر سکتا ہے جب ہم خود منشیات فروشی کے اڈوں پر جا کر شراب، ہیروئن اور چرس طلب کرتے ہیں۔ ہم اگر منشیات کا استعمال ترک کر دیں تو پھر نہ تو وزیر اعلیٰ کے نوٹس کی ضرورت رہے گی اور نہ ہی پولیس کی کارروائی کا انتظار۔

عام آدمی کی مشکلات

حکومت نے عام آدمی کی مشکلات کو سمجھتے ہوئے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اقدامات کرتے ہوئے بجلی، گیس، اشیاء خوردنوش کے ساتھ ساتھ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کردیا ہے۔حکومت نے بجٹ 2013ء میں جی ایس ٹی میں اضافے کے بعد تقریباآٹا، گھی، چینی، دودھ، صابن، نمک، تیل سمیت تمام اشیاء خوردونوش کی قیمتوں میں اضافے کے بعد دو تین بار بجلی کے جھٹکے لگائے اور اب پیٹرولیم منصوعات کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرکے عام آدمی جو پہلے ہی مہنگائی اور بے روزگاری کے ہاتھوں خودکشیاں کررہاہے کی مشکلات کو مزید آسان کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ پیٹرول 2روپے73 پیسے، مٹی کا تیل 4روپے99 پیسے،لائٹ ڈیزل 3روپے95 پیسے جبکہ ہائی سپیڈ ڈیزل کی قیمت تین روپے فی لیٹر بڑھا کر حکومت یہ سوچ رہی کے عوام کو مزید کیا عیدی دی جائے۔اس بار عید کے موقع پر نئے کپڑے تو صرف امراکے بچوں کو نصیب ہوں گے جن کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے حکومت عام آدمی اور اُس کے خاندان کے لوگوں کے تن سے پرانے کپڑے اُتروا کر قدرتی لباس میں عید منانے کا خوبصورت تحفہ فراہم کرنے کوشش کرے۔ مسلم لیگ ن کی قیادت نے الیکشن سے پہلے کشکول توڑ کر آئی ایم ایف کی غلامی سے آزاد ہونے کے دعوے کئے تھے جن پر عوام نے بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ن لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کروایا ۔لیکن

افسوس کہ ن لیگ کی حکومت نے کشکول توڑنے کی بجائے مزید بڑا کرکے آئی ایم ایف کی غلامی کو مزید طول دے دیا ہے۔حکومت کے اب تک کے اقدامات سے لگتا ہے کہ ن لیگی قیادت کو عام آدمی کی مشکلات کا علم تو ہے لیکن حل میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔سحری وافطاری کے اوقات میں بجلی کی لوڈشیڈنگ نہ کرنے کے دعوے بھی الیکشن مہم کی طرح صرف سیاسی بیانات ہی نکلے۔سحر وافطار کے اوقات میں بجلی وگیس کی عدم دستیابی آئی ایم ایف کی غلامی کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔کرکٹ میچ کے دوران بجلی کی لوڈشیڈنگ نہیں کی جاتی لیکن نماز جمعہ کے وقت ضرور کی جاتی ہے۔بجلی آج ہماری اہم ترین ضرورت ہے لیکن انتہائی مہنگی ہونے کے باوجود عدم دستیابی نے پاکستانی عوام کا جینا مشکل کردیاہے۔روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی،بدامنی،بے روز گاری،وسائل کم ہونے کی وجہ سے صحت وتعلیم کے حصول سے دوری،بجلی وگیس اور سی این جی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے چاروں طرف پھیلی بے روزگاری عام آدمی کو روزانہ خودکشی کا مشورہ دیتی ہے،بے روزگاری،مہنگائی،دہشتگردی اور لاقانونیت نے میرے وطن میں ایسے ڈیرے ڈالے ہیں کہ غریب تومہنگائی کا رونا پہلے بھی روتا ہی تھا لیکن اب امیر آدمی بھی اس کی زد میں آچکا ہے۔مہنگائی،دہشتگردی،لوڈشیڈنگ،بے روزگاری،لاقانونیت اورناانصافی کی چکی میں پسی قوم کو اس سوچ نے پریشان کر رکھا ہے کہ آج اتنی مہنگائی ہے تو کل کیا بنے گا۔آج بجلی وگیس نہیں ملتے تو کل کیا ہوگا؟لیکن حکمران ہیں کہ مہنگائی کی سب سے بڑی وجہ بے روزگاری اور دہشتگردی کے خاتمے

پر توجہ دینے کی بجائے آئے دن مہنگائی کا نیا بم گرا رہے ہیں۔ اور بیان جاری کرتے ہیں کہ ہم عوام دوست، جمہوری حکمران ہیں۔ صرف بیانات سے کام چلا کر اپنے آپ کو بری ذمہ کر رہے۔ بندہ پوچھے اخبار میں چھپے بیان سے کسی بے روزگار کو روزگار میسر آسکتا ہے؟؟ کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھانا مل سکتا ہے؟؟ کسی بیمار کو میڈیکل کی سہولت میسر آسکتی ہے؟؟ کسی ماں کو اس کا بیٹا جسے ٹارگٹ کلنگ کھا گئی ہو واپس مل سکتا ہے؟ عام آدمی اس لیے زیادہ پریشان ہے کہ آٹا بہت مہنگا ہو گیا جبکہ حکمران اپنی عیاشیوں میں مست ہیں۔ دین اسلام، عام آدمی اور پاکستان کے بھلے کی بات تو ہم سب کرتے ہیں عام آدمی اور پاکستان کے حالات پر تجزیے بھی ہوتے ہیں اور تبصرے بھی بہت کیے جاتے ہیں پاکستان کے گلی کوچوں سے لے کر اسمبلی ہال اور خاص طور پر ٹی وی چینلز پر ہر وقت عام آدمی کی مشکلات مہنگائی لوڈشیڈنگ بے روزگاری پاکستان کی بگڑتی ہوئی معاشی واقتصادی حالت اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کے بارے میں ہم لوگ اس قدر سنجیدہ ہوتے ہیں کے دیکھنے اور سننے والے کبھی سوچ ہی نہیں پاتے کے ہم یہ ساری باتیں کیمرے کے لیے یا سامنے کھڑے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے کرتے ہیں یہ ساری باتیں ایسے ہی ہیں جیسے ایک جوکر اپنا شو شروع ہونے سے پہلے میک اپ کرے اور شو ختم ہوتے ہی وہ سارا میک اپ دھو کر اپنے اصل روپ میں آجائے ٹھیک اسی طرح ہمارے ملک کے جمہوری جوکر اپنی سیاست کو چار چاند لگانے کے لیے عام آدمی کے حالات زندگی پر ایسا چہرہ اور لب ولہجہ بنا کر

بات کرتے ہیں جیسے وہ واقع ہی غریب کی مجبوریاں جانتے ہیں اور اُن کے حل کے لئے
اس قدر سنجیدہ ہیں ساری ساری رات اسی فکر میں جاگ کر گزار دیتے ہیں کہ عام آدمی
کی مشکلات کو کس طرح حل کیا جائے؟

یہ جنگ کس کی ہے؟

گزشتہ روز اخبارات کی شاہ سرخیوں پر جو لہو بکھرا وہ پنجابی، سندھی، پختون اور بلوچی نہیں بلکہ پہلے انسانی اور بعد میں پاکستانی تھا۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق بلوچستان میں قتل ہونے والے 14 افراد کا تعلق سکیورٹی اداروں سے تھا۔ دوسری طرف گلگت بلتستان میں چلاس کے مقام پر نامعلوم دہشتگردوں نے سانحہ دیامر جس میں نانگا پربت بیس کیمپ پر 10 غیر ملکی کوہ پیماؤں کو ہلاک کر دیا گیا تھا کی تفتیش کرنے والے کرنل مصطفیٰ، کیپٹن اشفاق اور ایس ایس پی بلال کی گاڑی پر فائرنگ کر کے شہید کر دیا ہے۔ مچھ میں بسوں سے اُتار کر شناختی کارڈ دیکھنے کے بعد 14 مسافروں کو قتل کرنے والوں کا تعلق کسی مذہب، فرقے، تنظیم، صوبے، ملک یا زبان ہو ایسے درندہ صفت قاتلوں کو سرعام پھانسی کی سزائیں دی جائیں۔ راقم اپنی اور کونسل کا نائب صدر ہونے کی حیثیت سے کالمسٹ کونسل آف پاکستان کی طرف سے بلوچستان مچھ میں ہونے والی قتل و غارت گری کی شدید مذمت اور پنجابی، سندھی، پختون یا بلوچی کی حیثیت کی بجائے پاکستانی شہری کی حیثیت سے حکومت وقت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ ملک میں ہونے والی قتل وغارت کو فوری طور روکا جائے۔ نہ صرف مچھ میں ہونے والی قتل و غارت گری بلکہ پورے ملک میں ہونے والی قتل و غارت کے ذمہ داروں کو سرعام پھانسی کی سزائیں دے کر دہشتگرد عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب محترم چیف جسٹس آف پاکستان افتخار چوہدری مچھ

میں ہونی والی قتل گری پر از خود نوٹس ضرور لیں گے لیکن قاتلوں کو سولی چڑہانہ شاید اُن کے بس کی بھی بات نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک میں قتل و غارت گری اسی طرح ہونی ہے تو قومی بجٹ کا70 فیصد کھانے والے سکیورٹی اداروں کا کیا فائدہ ہے؟راقم کے خیال میں سخت ترین سزاؤں پر عمل درآمد کے بعد ہی ملک میں پھیلی دہشتگردی پر قابو پایا جاسکتاہے ورنہ اب تو جیل میں قید دہشتگردوں کو زیر حراست رکھنا بھی ناممکن نظرآتاہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگاپولیس کی وردیوں میں ملبوس دہشت گردوں نے پیر30 جولائی کی نصف رات کے وقت خیبر پختون خواہ میں واقع ڈیرہ اسماعیل کی جیل کو توڑ کر اپنے 250کے قریب ساتھی دہشت گردوں کو قید سے آزاد کرالیا تھا۔اس سے قبل بھی اسی طرح کی کارروائی میں دہشت گرد اپریل 2012 میں بنوں جیل توڑ کر400کے قریب خطرناک قیدی رہا کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے ۔ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں خیبر پختون خواہ کے اہم ترین شہر ہیں ،جہاں بظاہر ریاست پاکستان کی عملداری قائم ہے اور کہاجاتا ہے پورے خیبر پختون خواہ میں ریاستی سکیورٹی بشمول فوج کی چپے چپے پر کڑی نظر ہے۔پھر بھی ان علاقوں میں دہشتگرد عرصہ دراز سے موجود ہیں ۔بنوں کی طرح ڈیرہ اسماعیل خان کی جیل توڑنے والے سینکڑوں دہشتگرد بھی کاروں، موٹرسائیکلوں کے علاوہ پیدل چل کر پنجاب سے متصل خیبر پختون خواہ کے سرحدی شہر ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع جیل تک لاوڈ سپیکروں پر نعرے لگاتے فائرنگ کرتے اور جشن مناتے ہوئے پہنچے اس دوران ریاستی سکیورٹی ادارے اوران، کے اہلکار جن پر قومی بجٹ کا70 فیصد خرچ کیاجاتا ہے کچھ نہ کرسکے۔اگر یہی بجٹ ملک کے غریب عوام پر خرچ ہوتو ملک میں چاروں طرف خوشحالی آجائے۔اخبار لکھتا

ہے کہ ڈیرہ اسماعیل خان کسی نے مزاحمت نہ کی، دہشتگرد 243 قیدی چھڑا کر لے گئے ۔ جیل کا پہلا دروازہ دہشتگروں نے توڑا جبکہ دوسرے اور تیسرے کو اہلکاروں نے خود کھول دیا، قریبی پولیس لائنز میں موجود 150 جوانوں نے بھی خاموش رہنے کو ترجیح دی، جنگجوؤں نے ساری کارروائی تین سے چار گھنٹوں میں انجام دی۔ بجٹ کا 70 فیصد سکیورٹی ادارے کھا جاتے ہیں کی جن کارکردگی زیرو ہے اور عوام غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ شاہانہ زندگی بسر کرنے والے حکمران کشکول اُٹھائے پوری دنیا میں عوام کے نام پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ سود اور سخت شرائط پر قرض لیتے ہیں، امداد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خودار اور خود مختار قوم ہیں ۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی کھانے والے سکیورٹی ادارے اُس وقت کہاں سوجاتے ہیں جب دہشتگرد سرعام ریاستی قوانین کو پاؤں تلے روندتے ہوئے جیلیں توڑ کر سینکڑوں قیدیوں کو رہا کروا کر لے جاتے ہیں؟ محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں پھیلی دہشتگردی اب تک تقریباً 8 ہزار سکیورٹی اہلکاروں اور 50 ہزار کے قریب شہریوں کو نشانہ بنا چکی لیکن ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کرپائے کہ یہ جنگ ہماری ہے کہ نہیں ۔ مذہبی وسیاسی جماعتوں اور عوام کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ جنگ مغرب یعنی امریکہ کی ہے لیکن حکمران اقتدار پر اپنی گرفت مظبوط رکھنے اور اقتدار چھن جانے کے خوف سے چپ کا روزہ رکھے ہوئے صرف احتجاج پر کام چلا رہے ہیں ۔ میرے خیال میں ہمیں اب یہ فیصلہ کرلینا چاہئے کہ یہ جنگ آخر ہے کس کی؟

یتیم، غریب، مزدور بچے اور عید کی خوشیاں

آج پاکستان میں لاکھوں نہیں کروڑوں غریب، یتیم، معصوم بچے سکول جانے اور کھیلنے کودنے کی عمر میں انتہائی سخت قسم کی مزدوری کرتے ہیں۔ 6 سے 14 سال کے یہ معصوم پھول ہوٹلوں، ورکشاپوں، شاپنگ پلازوں، امراکے گھروں، سڑکوں، زیر تعمیر عمارتوں پر مزدوری کرتے ہیں اور کئی لاکھ بچے بھیک بھی مانگتے ہیں۔ حکمرانوں کے بلند و بانگ دعوے، بڑکیں اور بہت سی این جی اوز جو بچوں کے حقوق کی دعویدار ہیں نیند کی گولی کھاکر گہری نیند سوجاتے ہیں جبکہ یہ مزدور بچے کسی پارک یافٹ پاتھ پر بغیر نیند کی گولی کھائے مردوں کی طرح سوجاتے ہیں۔ سمجھ نہیں آرہی کہ نو منتخب گورنر پنجاب جناب چودھری سرور کے بیان کو تازہ ہوا کا جھونکا قرار دوں یا ماضی کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے تازہ ہوا کا دھوکہ ہی سمجھو؟ گورنر پنجاب کا یہ کہنا کہ تعلیمی ایمرجنسی لگانے کے حق میں ہوں، اُن کے مطابق پاکستان میں اس وقت 70 لاکھ ایسے بچے ہیں جن کی عمر سکول جانے کی ہے لیکن سکول تک انکی رسائی ممکن نہیں۔اُن کا کہنا ہے کہ ان بچوں کو ہم نے سکولوں تک لانا ہے اور ہم کوشش کریں گے کہ ہر سال دس لاکھ ایسے بچوں تک تعلیم کی فراہمی یقینی بنائیں، نو منتخب گورنر نے کہا کہ وہ اس مقصد کے لئے اپنے غیر ملکی رابطوں کو بھی استعمال کریں گے۔اتنا اہم موضوع زیر غور لانے پر بڑی مہربانی

گورنر صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت دے تاکہ آپ اُن ستر لاکھ بچوں تک تعلیم کی فراہمی کے خیالات کو عملی جامہ پہنا سکیں۔لیکن معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ایک سال میں دس لاکھ بچوں تک تعلیم کی فراہمی ممکن بنانے کے حساب سے ستر لاکھ بچوں کو تعلیم فراہم کرنے میں سات سال لگ جائیں گے جبکہ آپ پانچ سال کے لئے گورنر منتخب ہوئے ہیں۔کیا سات سالوں میں مزید ستر لاکھ یا اُس سے بھی زیادہ بچے پیدا نہ ہو جائیں گے؟خیر گورنر پنجاب بہتر سمجھتے ہوں گے کہ غریب لوگوں کے بچوں کو کب اور کتنی حد تک تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔راقم تو یہ جانتا ہے کہ پاکستان میں لاکھوں نہیں کروڑوں بچے اسکول جانے کی عمر میں محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے غریب اور بیمار والدین اور بہن بھائیوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ایسے بچے اس قدر بد نصیب ہیں کہ مزدوری زیادہ کرنے کے باوجود اُجرت کم لینے پر مجبور ہیں۔شیش محلوں میں بسنے والی مخلوق کیا جانے کہ غریب والدین اپنے معصوم پھولوں کو کس اذیت سے گزر کر ہوٹلوں،ورکشاپوں یا کارخانوں میں مزدوری کرنے بھیجتے ہیں۔وہ کون سے بد نصیب والدین ہوں گے جو اپنے بچوں کو سکول جانے کی عمر میں سخت ترین مزدوری کروانے کی خواہش کریں؟یقینا غریب سے غریب والدین بھی اپنے بچوں کو تعلم دلوانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اس کے لئے چاہے اُنہیں خود بھوکہ کیوں نہ رہنا پڑے۔قارئین محترم ذرہ غوروفکر کریں کس مجبوری کے عالم میں والدین اپنے معصوم بچوں کو مزدوری پر بھیجتے ہوں گے۔ان بد نصیب بچوں کو کام کے

ساتھ ساتھ سخت سزائیں بھی دی جاتی ہیں، سکولوں میں تو جسمانی سزاؤں کی ممانعت ہے لیکن مزدوری کرنے والے بچوں کے لئے اس طرح کی کوئی قانون سازی نہیں کی گئی ۔میں اکثر اپنے ہمسایہ میں پنکچر کی دکان پر 10 سالہ دانش کو دیر تک مرغا بنا دیکھتا ہوں تو اُس کے استاد سے درخواست کرتا ہوں کہ جناب بچے کو مرغا کیوں بنایا ہے آج اس نے کیا غلطی کی ہے؟ دانش کے اُستاد کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا ہے امتیاز بھائی یہ دیر سے آیا ہے یہ سزا اسے وقت پر دکان پر لانے کے لئے دیتا ہوں ۔یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دانش پنکچر کی دکان پر اُجرت کے لئے کام نہیں کرتا بلکہ بغیر اُجرت کام سیکھنے آتا ہے ۔مزدور بچوں پر جنسی تشدد کے علاوہ بھی ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں ۔سکول جانے والے بچوں کی صحت و صفائی کا خیال بھی رکھا جاتا ہے جبکہ مزدور بچوں کا صحت و صفائی کی سہولتوں کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔یہ بیچارے بیماری کے عالم میں بھی کام کرتے ہیں اور اکثر علاج نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہوجاتے ہیں یا پھر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ۔سچ تو یہ ہے کہ آج کے جدید دور میں غریب کو انسان ہونے یا جینے کا کوئی حق نہیں رہا۔مزدور بچے کیڑوں مکوڑوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور ان کا روشن مستقبل پر کوئی حق نہیں۔اسلام ہمیں غریبوں مسکینوں اور حقداروں کا خیال رکھنے کا درس دیتا ہے خاص طور پر خوشی کی مواقع پر یتیم، غریب بچوں کو اپنی خوشیوں میں شامل کرنے کا درس دیتا ہے۔ عید کا موقع ہے ہمیں، اپنی حیثیت

کے مطابق اپنے ارد گرد بسنے والے غریب، یتیم بچوں کو عید کی خوشیوں میں اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔اگر قیمتی چیزیں خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی بات نہیں کوئی سستی چیز اور تھوڑا سا وقت تحفے میں دے کر ان معصوموں کو اپنی خوشیوں میں شامل ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ تو ہمیں دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرنے کا حکم فرماتا ہے جو ہمیں اپنے لئے پسند ہو لیکن ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے بہت سی چھوٹیں بھی دیتا ہے اس لئے اگر آپ عید پر اپنے بچے کے لئے ایک ہزار روپے کے کپڑے خریدتے ہیں تو کوشش کریں آٹھ سو روپے کے اپنے بچے اور دو سو روپے کے کپڑے کسی غریب، یتیم بچے کے لئے خرید کر اُسے بھی عید کی خوشیوں میں شامل کرلیں ہو سکتا ہے اس عمل سے ہماری آخرت سنور جائے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عید کے دن نبی کریمؐ مسجد جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ ایسے بچوں کو کھیلتے دیکھا جنھوں نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔بچوں سے سلام دعا کے بعد آپؐ آگے تشریف لے گئے تو وہاں ایک بچے کو اُداس بیٹھے دیکھا۔آپؐ نے اس کے قریب جا کر پوچھا تم کیوں اُداس اور پریشان ہو؟اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔اے اللہ کے رسولؐ میں یتیم ہوں میرا باپ نہیں ہے، جو میرے لئے نئے کپڑے خریدتا، میری ماں نہیں ہے جو مجھے نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیتی اس لئے میں یہاں اکیلا اداس بیٹھا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے فرمایا اس بچے کو نہلا دو" اتنے میں آپؐ نے اپنی مبارک چادر کے دو ٹکڑے کر دیے۔چادر "

کا ایک ٹکڑا شلوار کی طرح باندھ دیا اور دوسرا اس کے بدن پر لپیٹ دیا گیا۔ بچہ جب نہلا کر نئے کپڑے پہن کر تیار ہوگیا تو آپؐ نے بچے سے فرمایا آج تو پیدل چل کر مسجد نہیں جائے گا بلکہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر جائے گا، آپؐ نے یتیم بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کرلیا اور مسجد کی طرف روانہ ہوگئے راستے میں وہ مقام آیا جہاں بچے نئے کپڑے پہنے کھیل رہے تھے جب اُن بچوں نے دیکھا وہ یتیم بچہ جو اکیلا اُداس بیٹھا تھا رحمت دوعالم حضرت محمدؐ کی کندھوں سوار ہے تو کچھ کے دلوں میں خیال گزرا کہ کاش وہ بھی یتیم ہوتے تو آج نبی کریمؐ کے کندھوں کی سواری کرتے۔ یہاں تک کہ سرکار دوعالمؐ نے اُس بچے کو اپنے ساتھ ممبر پر بٹھایا اور فرمایا جو شخص یتیم کی کفالت کرے گا اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پیرے گا، اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالٰی اس کے نامہ اعمال میں میں اتنی ہی نیکیاں لکھ دے گا۔ ہمیں بھی نبی کریمؐ کی پیروی کرتے ہوئے عید کے موقع پر اپنے ارد گرد بسنے والے غریب، یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہئے تاکہ ان کی بھی عید ہوجائے اور ہمیں کل روز قیامت آپؐ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے آخر میں راقم کی طرف سے تمام اہل وطن کو دلی عید مبارک

شیطان کے اُستاد

پریشان ذہن کے ساتھ لکھنے بیٹھا ہوں تو بہت سے متضاد خیالات قلم کی نوک سے مچل کر کینوس کے پروں پر سوار ہو کر قارئین کے سامنے نوحہ کناں ہونے کے خواہش مند ہیں۔سچے جذبات کی ترجمانی کرنے والے قلم کاروں کو آج اخبار کے صفات کے سوا کوئی برداشت نہیں کرتا۔ہو سکتا ہے میری باتیں شیطان کے اُستادوں کو ناگوار گزریں لیکن عادت سے مجبور ہوں کہوں گا ضرور۔ماہ مقدس جس میں شیطان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمتوں کے در کھول دیئے جاتے ہیں۔اگر ماہ صیام میں شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے تو پھر ماہ رمضان کی آمد پر گراں فروشی کرنے والے کون ہیں؟محتاط اندازے کے مطابق سال کے کسی بھی مہینے کے مقابلہ میں ماہ رمضان میں ہونی والی چوری اور ڈکیتی کی وارداتوں کی تعداد 65 فیصد تک زیادہ ہے۔ماہ مبارک میں اشیاء خوردونوش کی قیمتوں میں من مانا اضافہ کون کرتا ہے؟جبکہ شیطان تو اللہ تعالٰی کی قید میں ہوتا ہے۔یہ یقیناً شیطان کے اُستادوں کا کام ہو سکتا ہے۔ ماہ رمضان کے 29 ایام پاکستانی عوام کو رحمتیں ،برکتیں اور رونقیں عطا کرنے کی بجائے
دکھوں، تکلیفوں، سسکیوں اور المیوں کی داستان رقم کر گئے۔شیطان کے قید ہونے کے باوجود سفاک قاتلوں نے اپنی بے رحمانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور لگاتار بے گناہ معصوم انسانوں کا خون پانی کی

طرح بہاتے رہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماہ مبارک میں ڈیرہ اسماعیل خان جیل پر حملے کے دوران دہشتگرد اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کے ساتھ ساتھ کئی افراد کو قتل کر گئے، مچھ کے مقام پر 14 مزدوروں کا قتل، لیاری میں فٹبال میچ کے اختتام پر بم دھماکے میں 7 معصوم بچوں سمیت 11 افراد کی ہلاکت، جمعرات کے دن عید الفطر سے ایک دن پہلے کوئٹہ پولیس لائن میں خود کش دھماکہ وہ بھی نماز جنازہ کے وقت بیسوں افراد کو نگل گیا اور 60 کے قریب افراد شدید زخمی ہوئے، گلگت بلتستان میں سانحہ دیامر کی تفتیش کرنے والے تین آفیسران کا قتل اور اسی طرح کی مزید کتنی ہی دہشتگردانہ کارروائیاں کس نے کیں؟ جبکہ تمام شیاطین تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ میں عام آدمی ہوں اور عام آدمی کے ذہن میں عام سوالات اور جوابات گردش کرتے رہتے ہیں۔ میرے پاس اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ جب انسان راہ حق سے دور نکل جاتا ہے تو شیطان اُس کی غلامی اور شاگردی کرتے ہیں۔ عید کے دن بہت سی مبارک بادوں کے ساتھ ایک ایسا پیغام ملا جس نے روح تک کو رولا دیا۔ کوئٹہ سے ببرک جمالی صاحب نے مجھے انتہائی دردناک اور دل دہلا دینے والا ایس ایم ایس کیا، اُن کا میسج کچھ یہ تھا" (کوئٹہ کی عید) بڑی انوکھی ہے اس بار عید کی خریداری میں میرے شہر کے لوگ رو، رو کے کفن خرید رہے ہیں اپنے پیاروں کے لئے" میرے بھائی نے شہیدوں کی مغفرت کے لئے دعا کی اپیل کی ہے، میں بھی دعا گو ہوں اور آپ سے بھی دعا کی اپیل ہے کہ کوئٹہ سمیت جہاں جہاں بھی مسلمان شہید ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی بخشش

فرما کر اُنہیں بلند درجات عطا فرمائے، اور پاکستان سمیت پوری دنیا کو امن کا گہوارہ بنائے (آمین) پاکستان میں آج دہشتگردی کا راج ہے کہیں حکومت کا وجود نظر نہیں آتا لیکن حکمران عوام کو لگاتار دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں، دہشتگرد تیزی کے ساتھ اپنے ہداف کو نشانہ بنا کر پاک دھرتی کو لہولہان کر رہے ہیں، پاکستانی عوام لاشیں اُٹھا اُٹھا کر تھک چکے ہیں لیکن حکمران ملک کی بجائے اپنی حکومت (اقتدار) کو طول دینے کی فکر میں نظر آتے ہیں۔ usa سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار (پاکستان پوسٹ) کی خبر کے مطابق پاکستان کے خفیہ اداروں نے خبردار کیا ہے کہ دہشتگردوں نے بحریہ، ایئر فورس کے ہیڈ کواٹرز اور پارلیمنٹ ہاؤس پر ممکنہ حملوں کی منصوبہ بندی کر لی ہے اور اس کے لئے تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ خفیہ ادارے نے کچھ روز قبل ایک کالعدم تنظیم کے کمانڈر کی ایک گفتگو ریکارڈ کی ہے جس میں وہ دوسرے کمانڈر سے کہہ رہا تھا کہ ڈیرہ اسماعیل خان جیل والے واقعہ کے بعد ان کے مقاصد کچھ حد تک تو حل ہوئے ہیں لیکن بڑے مقاصد کے حصول کے لئے وہاں کارروائی ضروری ہے جہاں بڑے بیٹھتے ہیں، پاکستان پوسٹ لکھتا ہے کہ ''وزارت داخلہ کے ذرائع نے بی بی سی کو بتایا کہ اس ٹیلیفونک گفتگو میں اسلام آباد کے بڑے گھروں کا بھی ذکر کیا گیا اور کہا گیا کے وہاں کے مکینوں کو سبق سیکھانا ضروری ہے۔ ذرائع کے مطابق بڑے گھروں سے مراد پارلیمنٹ ہاؤس، پاکستان نیوی اور پاکستان ایئر فورس کے ہیڈ کواٹرز ہیں۔ وزارت داخلہ کے ذرائع کے

مطابق بڑے گھروں کے کے مکینوں کے خلاف بھی اُسی طرح کی کارروائی کے بارے میں کہا گیا تھا جس طرح کی کارروائی چند روز قبل ڈیرہ اسماعیل خان سینٹرل جیل میں کی گئی تھی، جس میں دو سو سے زائد قیدی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے، رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ شدت پسندوں کے حملوں سے متعلق خفیہ اداروں نے جو رپورٹ بھیجی تھی شدت پسندوں نے ویسی ہی کارروائی کی۔اُس رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ شدت پسندوں کے حملوں سے پہلے جیل کے اندر ہنگامہ کیا جائے گا جس پر پولیس حکام اس معاملے کو نمٹانے میں لگے ہوں گے اور جیل کے باہر سکیورٹی تسلی بخش نہیں ہوگی جس کا شدت پسند فائدہ اُٹھاتے ہوئے جیل پر حملہ کردیں گے''خفیہ اداروں کی مکمل رپورٹ.بروقت ملنے کے باجود ڈیرہ اسماعیل جیل کو دہشتگردوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کوئی خاطر خواہ اقدامات نہ کئے گئے جس کا نتیجہ ہم دیکھ چکے ہیں۔اگر حکومت نے اب بھی خفیہ اداروں کی رپورٹ کو نظر انداز کردیا تو اللہ نہ کرے کوئی بڑا نقصان بھی ہوسکتا ہے۔پاکستان کے حال و مستقبل کے بارے جس قدر عوام پریشان ہیں اگر اُتنی ہی سنجیدگی کے ساتھ حکمران بھی سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو بہت جلد پاکستان بھر سے دہشتگردی و تشدت پسندی کا خاتمہ ممکن بنایا جاسکتا ہے ۔لیکن شیطان کے آقاؤں اور اُستادوں سے بھلے کی اُمید کرنا انتہائی بیوقوفی ہوگی ۔ شیطان کے اِن استادوں کو تو کوئی ماہ صیام میں بھی قید نہیں کرتا تو پھر اب تو ماہ مبارک گزر چکا۔ابھی سعودی عرب سے پاکستانی

بھائی الیاس کا میسج آیا ہے کہ میں اپنے کالم کے ذریعے اُن کا پیغام غیرت مند پاکستانی عوام اور غلامان (ڈیش ،ڈیش) حکمرانوں تک ضرور پہنچاؤں ،اُن کا پیغام ہے کہ ''اسلام علیکم جناب عزت مآب سب سے پہلے عید مبارک انشاء اللہ آپ اور آپ کی فیملی خیریت سے ہوں گے ،جناب مجھے اپنے وطن عزیز سے اتنی محبت ہے جسطرح مجھے دین سے یعنی پیارا پاکستان میرا دین اور ایمان ہے پر اب جذبہ دشمنان دین کا نہیں بلکہ ان معلون حکمرانوں پر جو میری مقدس ماں یعنی میرے پیارے پاکستان کی چھاتی پہ خونخوار درندوں کی طرح اپنے ناپاک فعل انجام دے رہے ہیں، تھو، تھو، تھوان ملعون حکمرانوں پر جو ہم غریب وطن پردیسیوں پر شکوے تو بہت کرتے ہیں لیکن پردیس میں اِن پاکستانیوں کی کوئی مدد کرنے کی بجائے مشکلات میں اضافے کا باعث بنتے ہیں، کاش عید کے دن ہماری کال مل گئی ہوتی تو ہم بھی اپنے گھر والوں سے بات کر لیتے۔ وطن عزیز میں ،گیس ، بجلی پانی باقی تو اور روٹی بھی نہیں ملتی اور پردیس والے بیچارے فون کال سے بھی محروم ہیں انڈیا اور بنگلہ دیش کی کال تھرو اگر ہم وطن عزیز کال کریں تو کال ملتی نہیں اور فری میں بیلنس ضائع ہو جاتا ہے۔الیاس بھائی نے حکمرانوں کے لئے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو آج کے حکمرانوں پر خوب جچتے ہیں لیکن اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے میں انہیں اپنے کالم میں شامل نہیں کر سکتا۔آخر میں الیاس بھائی نے لکھا کہ آپکا خادم وفائے پاکستان محمد الیاس سعودی عرب (الطائف) راقم کا پاکستانی عوام اور حکمرانوں سے سوال ہے کہ کیا ہمارے

بڑوں نے اسی آزاد، خودمختار اور خوددار پاکستان کا خواب دیکھا تھا؟کیا برصغیر کے مسلمانوں نے اسی طرح کا آزاد ملک مانگا تھا؟جس میں مسلمان ہی مسلمان کو قتل کر رہا ہے ؟جس میں مسجدیں ویران اور مئے کدے آباد ہیں ؟جس میں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت سستی اور روٹی مہنگی ہے؟الیاس بھائی کے دکھ بھرے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ عید کے دن اُن کی اپنے گھر والوں سے فون پر بات نہیں ہو سکی،کیا ایسے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اقبال نے؟جس کے حکمران دن میں دو مرتبہ سعودی عرب آ،جا سکتے ہیں لیکن غریب عوام کا ٹیلی فونک رابطہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔عید مسلمانوں کے لئے سب بڑا خوشی کا تہوار ہے لیکن اس بار عید الفطر غم وخوف کے گھیرے سائے میں گزری۔نماز عید ادا کرتے وقت لوگ ڈرے اور سہمے نظر آئے۔جس پر شیطان اور اُس کے اُستادوں نے اپنی کامیابیوں کا یقیناً جشن منایا ہوگا۔

انتہا پسندی

مسلمانوں کی انتہا پسندی اس قدر حد سے تجاوز کر چکی ہے کہ اب مسلمان اپنے بچوں کو کلمہ طیبہ لکھے پلے کارڈ اور بینرز تھما کر تصویریں بنوا کر دنیا کو یہ پیغام دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اُن کی طرح اُن کے بچے بھی مسلمان ہیں۔ یہ شائد دنیا میں ہونے والا اب تک کا سب سے بڑا تشدد اور انتہا پسندی ہے اور اپنے بچوں کو اسلام کے قریب رکھنے کی کوشش دنیا کی سب سے بڑی دہشتگردی ہے۔ آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ راقم کا دماغ چل گیا ہے یا پھر کم از کم دماغ کا کوئی ایک سکرو تو ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔ اگر آپ واقع ہی یہ سوچ رہے ہیں تو آپ بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں کیونکہ ان حالات میں پاگل ہو جانا ہی بہتر ہے جن میں اسلام کے پیروکار یعنی مسلمان دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کی بجائے انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں۔ برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز میں ایک تصویر نمایاں کر کے شائع کی گئی جس میں ایک مسلمان اپنے تین سالہ ، معذور بچے کو اُٹھائے ہوئے ہے اور اُس نے اپنے ایک ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پرچم پکڑ رکھا ہے جس پر کلمہ طیبہ درج ہے۔ پرچم کو دوسری جانب سے اُس کی 10 سالہ بیٹی نے تھام رکھا ہے اور انتہا پسندی کی حد کرتے ہوئے تصویر بھی بنوا ڈالی اس مسلمان نے۔ ایک بھارتی اخبار کے مطابق برطانیہ میں

بعض انتہا پسند مسلمانوں نے احتجاجی مظاہروں میں معصوم بچوں کا استعمال شروع کردیا ہے جس کی وجہ سے ان بچوں کے اندر بھی انتہا پسندی کے خیالات و جذبات پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ بعض انتہا پسند مسلمان مغربی ممالک کو چڑانے کی غرض سے کلمہ طیبہ پر مشتمل بینرز بچوں کو پکڑا کر مغربی دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے بچے بھی ان کی طرح کے نظریات رکھتے ہیں۔اخبار لکھتا ہے کہ اس طرح کی تصاویر جب برطانیہ کے مین سٹریم اخبارات میں شائع ہوتی ہیں تو اُن کا ساری مین سٹریم کمیونٹی کو انتہائی غلط میسج جاتا ہے۔اخبار مزید لکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بچوں کے ساتھ کلمہ طیبہ لکھے بینرز کی تصویریں بنوانے والے انتہا پسندوں کو اس بات کا ادراک بھی نہ ہو کہ بچوں کے ساتھ انتہا پسندانہ تصویریں اُتروانے کا کیا مطلب نکل سکتا ہے ''مسلمانوں غور کرو تم بغیر کپڑوں والا مغربی کلچر اپنے گھروں میں اپنا چکے ہو، ہندؤ ناچ گانا آج 96 فیصد مسلمانوں کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے لیکن اسلام دشمن آج بھی تمہیں کلمہ طیبہ کے قریب دیکھنا پسند نہیں کرتے۔بندوق،بم،توپ، میزائل اور دیگر جان لیوا اسلحہ رکھنا،اُس کے ساتھ تصاویر بنوانایا پھر اُس کو چلا کر معصوم بچوں،بوڑھوں اور عورتوں سمیت ہزاروں انسانوں کی جان لے لینا انتہا پسندی نہیں لیکن بے ضرر بینرز جن پر کلمہ طیبہ درج ہو کو پکڑنا دنیا کی سب سے بڑی انتہا پسندی ہے۔کچھ عرصہ قبل اسی قسم کی انتہاپسندی پر پی ایچ ڈی کرنے والے یہودی ربی کو اپنا محسن کہنے پر جب میں نے پاکستان کے معروف کالم نگار

کی رائے کو تنقید کا نشانہ بنایا تو اُس وقت لوگوں نے کہا کہ میں مشہور کالم نگار کا نام اُچھال کر شہرت حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ خیر عزت و ذلت دینے پر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قادر ہے ۔ اب وقت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ یہودی مسلمانوں کے دوست یا محسن نہیں ہو سکتے ، جو لوگ کلمہ طیبہ کو بینرز پر درج دیکھ کر اس قدر گھبرا جاتے ہیں کہ وہ انہیں ایٹم بم نظر آنا شروع ہو جاتا ہے وہ باعمل مسلمان کے وجود سے کس قدر خائف ہوں گے اس بات کا اندازہ لگانا اب مشکل نہیں رہا۔ مسلم ممالک کی زمین کو لہو رنگ دینے والے امن پسند بارودی مغربی فرشتے مسلمان بچوں کے ہاتھ میں کلمہ طیبہ کی تحریر دیکھنا بھی پسند نہیں کر رہے ۔

مصائب کی یلغار

گزشتہ کئی دہائیوں سے دنیائے اسلام پر مصائب کی یلغار جاری ہے جنگیں، مظالم ،بدامنی، خشک سالی، سیلاب ، طوفان، مہنگائی وغیرہ مسلسل بڑھتے جارہے ہیں۔ چھوٹے اور کم ترقی یافتہ ممالک مقروض ہو چکے ہیں۔ مسلم ممالک کے حاکمین اور عوام سخت پریشانی کے عالم میں اس تحقیق میں مصروف ہیں کہ آخر مصائب سے نجات کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔قرآن مجید کی رو سے یہ تمام مصائب ، مسائل ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں ۔جب قومیں گناہوں کی دلدل میں ڈوب کر ظلم کی انتہا کر دیتی ہیں تب مصائب حد سے گزر کر عذاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔آج ہم فحاشی، شراب نوشی، بدکاری، سود خوری، زنا، ناچ گانا، چور بازاری اور بے ایمانی وغیرہ میں زندگی کی حقیقی خوشحالی اور خوشیاں تلاش کر رہے ہیں جبکہ خوشحالی تو اچھے اور نیک اعمال کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ بہت سے شہر تھے جنھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے سرکشی کی پھر ہم نے ان کا سخت حساب کیااور ہم نے ان کو سخت عذاب دیا، پس انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھااور ان کاانجام خسارہ ہی ہوا (الطلاق : ۹) قرآن کریم میں انبیاء کرامؑ کی نافرمانی کرنے والی اور سرکش قوموں پر عذاب الٰہی کے واقعات کا بار بار ذکر ہے ۔ قوم نوح پر بارش و سیلاب ، قوم صالح اور شعیب پر زلزلہ ، قوم

عاد پر تیز ہوا کا طوفان ۔ قوم لوط کی بستیاں الٹا کر ان پر پتھروں کی برسات، فرعون پر طوفان، ٹڈیاں، گھن، مینڈک اور خون کا عذاب اور بلا آخر دریا میں غرق کرنا یہ سب وہ عذاب الہٰی ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے ۔یاد رہے کہ ان تمام قوموں پر پہلے مصائب نازل کئے گئے جب انہوں نے پرواہ نہ کی اور الٹا تکبر اور مذاق کیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان قوموں کو گھیر کر ہلاک کر دیا۔ متکبر قوموں کو متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو (ان کے گناہوں کے سبب) ہلاک کر دیا گیا، جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی (الانعام : ٦) ایک جگہ ارشاد ہوا کہ ”یقینا ہم ان کو دنیا میں چھوٹا عذاب چکھائیں گے اس بڑے عذاب سے پہلے تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں (السجدہ : ٢١) آج اُمت مسلمہ کے حالات بتاتے ہیں کہ تمام چھوٹے عذاب نازل ہو رہے ہیں اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے رب کی طرف رجوع نہ کیا تو انقریب ہمیں بڑے عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔آج دنیا بھر کے مسلمان مختلف مصائب کا شکار ہیں جن میں زیادہ تر جنگیں اور بدامنی ہے ۔ مصر میں ہونے والے حالیہ واقعات میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہمارے بد اعمال کا منہ بولتا ثبوت ۔ خبر رساں ادارے الجزیرہ کے مطابق مصر کے سیکورٹی اداروں نے بدھ 3 جولائی کی صبح سے مرسی حکومت کی برطرفی کے خلاف دھرنا دیئے بیٹھے اخوان مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے بھرپور آپریشن شروع کر دیا ہے ۔اس

اپریشن میں اب تک شہید ہونے والوں کی تعداد ہزاروں ہو چکی ہے جبکہ انسانی حقوق کی تنظیموں اور ریسکیواداروں کے ذرائع کا کہنا ہے کہ جاں بحق ہونے والوں کی درست تعداد کااندازہ لگانا مشکل ہے۔ تمام طبّی مراکز اور اسپتال لاشوں سے بھرے پڑے ہیں جبکہ زخمیوں کی تعداد 16 ہزار سے زائد بتائی جارہی ہے۔ جبکہ مختلف ذرائع مرنے، والوں کی مختلف تعداد بتارہے ہیں۔ قاہرہ کے گلی کوچوں میں خون بکھراپڑا ہے۔ مصری فوج نے ظلم کی وہ داستان رقم کردی ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ مسلم حاکم کا اپنے ہی ملک کے مسلم شہریوں کے خلاف اس قدر ظالمانہ رویہ اختیار کرنا یقینا مسلم دنیاکے لئے فکر اور شرم کامقام ہے۔ نہتے مظاہرین پر ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں سے حملوں کی جتنی مزمت کی جائے کم ہے۔ مصر کے سیکولر حکمرانوں نے اخوان المسلمون کے خلاف تاریخ کی بدترین ریاستی دہشتگردی شروع کردی ہے۔ عرب ذرائع ابلاغ نے قاہرہ میں اخوان المسلمون کے درجنوں کارکنوں کو زندہ جلائے جانے کاانکشاف کرتے ہوئے آگ کے شعلوں میں کوئلہ ہوتی انسانی لاشوں کی ویڈیو اور تصاویر بھی جاری کردی ہیں۔ جن کے باپ، بیٹے، بھائی اور قریبی رشتہ دار آگ میں زندہ جلادیئے جائیں اُن سے پرامن رہنے کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ مصری حکومت نے پوری پلاننگ کے تحت خطرناک اپریشن کا آغاز کیا ہے جس میں پولیس، فوج اور نیشنل گارڈز کے علاوہ حسنی مبارک دور کی نجی ملیشیاکے ہزاروں نشانچیوں کو قاہرہ کی بلند عمارتوں کی چھتوں پر بیٹھا یا گیا جہاں سے وہ نہتے

مظاہرین کے سروں اور سینوں کو نشانہ بنارہے ہیں۔ جبکہ گن شپ ہیلی کاپٹروں سے بھی مظاہرین پر شیلنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مصری حکومت نے قاہرہ سمیت ملک کے کئی علاقوں میں ایمرجنسی نافذ کرکے کرفیو لگادیا ہے۔ مصری حکومت کی جانب سے مظاہرین کے خلاف ہونے والی اب تک کی کارروائی بتاتی ہے کہ حکومت کا مقصد صرف مظاہرین کو منتشر کرنا نہیں بلکہ صفاہستی سے مٹاکر احتجاج کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنا ہے۔اگر حکومت کا مقصد صرف احتجاج کو ختم کرنا ہوتا تو مظاہرین کو گھیر گھیر کر شہید نہ کیا جاتا آتش گیر مادہ پھینک کر کیمپوں میں درجنوں افراد جن میں خواتین اور بچے بھی شامل، تھے کو زندہ جلاکر مصری حکومت نے انسان دشمنی کی نئی مثال قائم کردی ہے۔دنیا بھر نے مصری حکومت کی ظالمانہ کارروائیوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے فوری طور پر نہتے مظاہرین کا قتل عام بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔میں آج امت مسلمہ کو دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ فوری طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کے احکامات کی پیروی شروع کرکے مصائب اور عذابوں سے جان خلاصی کروانے کے لئے اپنے اعمال کو درست کریں اور دین الٰہی کے متعلق آگاہی پھیلانے کے لئے علماء اور دانشور اپنا فرض ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔ ”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دو مرتبہ آفتوں میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نصیحت نہیں لیتے“ (التوبہ:١٢٦) ”اللہ کی پکڑ سے صرف وہی قوم بے فکر ہے جس کی شامت ہی آئی ہو“۔

پاکستان ہماری پہچان

تحریر: ایم شاہ زیب

وزیر اعظم پاکستان میاں میں محمد نواز شریف نے جشن آزادی کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہاکہ آنے والی نسلوں کو محفوظ پاکستان دیں گے۔پاکستان ہماری پہچان ہے۔بے شک پاکستان ہماری پہچان اور آنے والی نسلوں کی امانت ہے۔پاکستان میرا ہے آج یہ بات میں ہر گزنہ کہہ پاتا اگر میرے بڑوں نے انگریزوں اور ہندؤں سے آزادی نہ حاصل کی ہوتی۔برصغیر کے مسلمانوں نے پر امن جدوجہد سے دنیا پر واضح کردیا تھا کہ وہ اپنے لئے ایک آزاد ریاست کے حق دار ہیں جس میں اپنے دین اسلام کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنے ذاتی مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے حصول آزادی کی خاطر اپنے تن، من اور دھن کی قربانی کے جذبے کے ساتھ جدوجہد جاری رکھی تو بلا آخر 14اگست 1947ء کے دن برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی مل گئی۔آج ہم اُسی آزادی کو پاکستان کے نام سے جانتے ہیں۔آج میں بڑے فخر کے ساتھ سر اُٹھا کر خود کو پاکستانی کہتا ہوں اور کیوں نہ کہوں پاکستان میرا وطن ہے۔وقت اچھا ہو یا برا میرا جینا مرنا پاکستان کے ساتھ جہاں کہیں بھی میرے وطن کو میری ضرورت پڑی ہر محب وطن پاکستانی کی طرح جان

حاضر کردوں گا۔آج دشمن مختلف طریقوں سے میری پاک سرزمین پر اپنی ناپاک نظر جمائے بیٹھا ہے۔آج میرے وطن کو ہر قدم پر کسی نہ کسی محاذ کا سامنا ہے جن میں ڈورون حملے، خود کش دھماکے، دہشتگردی، توانائی بحران، بھتہ خوری اور دیگر کے ساتھ بھارت کا جنگی جنون سرفہرست ہے۔بھارت کی جانب سے کنٹرول لائنز کی مسلسل خلاف ورزیاں بلاشبہ خطے کے امن کے لئے خطرناک ہیں۔بھارت کے اندر بیانات اور میڈیا مہم کے ذریعے پاکستان کے خلاف اشتعال پھیلایا جارہا ہے۔ممبئ اور دہلی میں پی آئی اے دفاترز پر حملوں کی دھمکیاں دی گئ جبکہ انتہا پسندی کی انتہا کرتے ہوئے پاکستانی سفارت خانے اور دوستی بسوں پر حملے کیے گئے۔پاکستان کے خلاف اس تازہ مہم جوئی کے لئے چند روز پہلے بھارتی حکام نے یہ بے بنیاد الزام لگایا کہ کنٹرول لائن پر پاکستانی فوج کی فائرنگ سے پانچ بھارتی فوجی ہلاک ہوگئے ہیں۔پاکستان نے فوری طور پر واضح کیا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا لیکن بھارت کی جانب سے مسلسل سرحدی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔بھارت کا جنگی جنون نہ صرف خطے بلکہ دنیا کا بچا کچا امن تباہ کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔مجھے جنگ ہرگز پسند نہیں لیکن اگر بھارت نے پاکستان پر جنگ مسلط کی تو پاک دھرتی کا بیٹا ہونے کا حق ادا کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔میرے نزدیک کنٹرول لائن پر بھارتی اشتعال انگیزیاں صرف سیاسی چھیڑ چھاڑ ہیں اور بزدل بھارتی حکمران اور فوج پاکستان کے بہادر جوانوں کا میدان جنگ میں سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔لیکن بڑے ہی فکر اور دکھ سے

کہنا پڑتا ہے کہ ایک محاذ ایسا ہے جہاں بھارت اور مغرب مل کر نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کو آدھی سے زیادہ شکست دے چکے ہیں اور بڑی تیزی کے ساتھ کامیابی کی طرف گامزن ہیں ۔جس محاذ پر ہم کمزور ہو رہے وہ تہذیبی محاذ ہے .بزدل دشمن ہمیشہ سامنے کی بجائے پیچھے سے وار کرتے ہیں۔پاکستان کے دشمن بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ میدان جنگ میں پاکستانی فوج اور قوم کو شکست نہیں دے سکتے اس لئے اُنھوں نے ہمارے خلاف تہذیبی جنگ چھیڑ رکھی ہے ۔شراب نوشی زنا، سود خوری، ناچ گانا، عوتوں کا فحش لباس اور فحش گفتگو یہ تمام چیزیں ہندو تہذیب کا، حصہ ہیں ۔بھارت نے اپنے میڈیا کو استعمال کرتے ہوئے یہ تمام لعنتیں مسلم معاشرے میں پھیلانے پر خوب زور دے رکھا ہے جس میں اُسے کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے ۔لیکن بھارت پاکستان کے تحمل اور امن پسندی کو کمزوری تصور نہ کرے ۔میں ذاتی طور پر دور حاضر کی جنگوں کو کسی مسئلے کا حل نہیں سمجھتا، ریاستیں فتح کرنے والے سپہ سالار میدان جنگ میں سب سے آگے لڑا کرتے تھے جبکہ آج کے حکمران پر سکون ماحول میں بیٹھ کر غریب عوام کے بچوں کو میدان جنگ میں مرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں ۔بھارت کی جانب سے بڑھتی ہوئی حالیہ اشتعال انگیز کارروائیاں دنیا کو نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ دوایٹی طاقتوں کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی دنیا کے لئے کس قدر خطرناک ہو سکتی ہے یہ سوچ کر ہی انسان کو اوسان خطا ہونے لگتے ہیں ۔جہاں تک بات ہے پاکستان کی تو پاکستانی امن پسند قوم

ہیں۔ہم صرف اپنے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے امن کی خواہش رکھتے ہیں، پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف نے بھی بھارت کو ماضی کی تمام تلخیاں بھلا کر دونوں ملکوں کے درمیان تمام اہم معاملات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی دعوت دے کر پوری دنیا کو امن پسند ہونے کا پیغام دے دیا ہے۔ اگر پھر بھی بھارت نے پاکستان پر جنگ مسلط کی تو ہماری بہادر فوج پاک سرحدوں کی حفاظت کرنا اور دشمن کو ناکوں چنے چبوانا جانتی ہے۔بھارت کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ میدان جنگ میں صرف پاکستانی فوجی نہیں بلکہ پوری قوم لڑا کرتی ہے جسے شکست دینا بھارت کے بس کی بات نہیں۔ہم جذبہ شہادت لئے خالی ہاتھ میدان جنگ میں اُتر جاتے ہیں تو ہمارے جسم دشمن کے لشکروں کو تباہ و برباد کرنے والا بارود بن جایا کرتے ہیں۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جمعرات کی شام اسلام آباد کے ریڈ زون کے مرکزی علاقے جناح ایونیو میں 5 گھنٹے جاری رہنے والے ڈرامے کی وجوحات ابھی تک واضع طور پہ سامنے نہیں آئیں۔ لیکن ہمارے میڈیا، دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کی جلد بازی کھل کر سامنے آچکی ہے۔ابھی یہ ڈرامہ شروع ہی ہوا تھا کہ فیس بک پر سینکڑوں تبصرے آنا شروع ہوگئے۔ کسی نے اسلام آباد کو یرغمال کہا تو کسی نے اسلام آباد پولیس اور سیکورٹی اداروں کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا یہاں تک کہ کئی لوگوں نے تو پوری ریاست کو ہی یرغمال قرار دے دیا۔ جبکہ صرف ایک مسلح شخص اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ اسلام آباد کی ایک سڑک پر کھڑا ہوائی فائرنگ کررہا تھا نہ تو اُس نے کسی سیکورٹی اہلکار کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی عوام کو۔اگر پولیس فوری طور پر اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے مسلح شخص پر فائر کردیتی تو یہی میڈیا اور مذہبی جماعتیں اُسے شہید کا درجہ دے کر حکومت کو اسلام دشمن قرار دینے میں ایک لمحے سے بھی کم وقت لگاتی۔ سیکورٹی اداروں کے تربیت یافتہ جوانوں کی موجودگی میں مسلح شخص کو دبوچنے کی کوشش کرنے والے غیر تربیت یافتہ زمرد خان کو جو لوگ قومی ہیرو قرار دے رہے ہیں خُدانخواستہ اگر زمرد خان کو کچھ ہوجاتا تو یہی لوگ آج سیکورٹی اداروں اور حکومت کو اُن کا قاتل بتارہے ہوتے۔پولیس کے مطابق سکندر کے خلاف آپریشن میں تاخیر کی وجہ کسی بڑے نقصان سے

بچنے کے لئے کی گئی تاکہ معاملے کو مکمل طور پر سمجھنے کے بعد مناسب کارروائی کی جاسکے ۔پولیس کو شبہ تھا کہ سکندر کی بیوی نے عبایاکے نیچے خود کش جیکٹ پہن رکھی ہے اور ممکنہ طور پر گاڑی میں بارود بھرا ہونے کا خدشہ بھی اپنی جگہ موجود تھا۔لیکن ہمارے میڈیا کو تو شائد ایسی ویڈیو اور تصاویر کے ساتھ گرماگرم خبر کی ضرورت تھی جس میں پولیس مسلح سکندر پر اور وہ پولیس پر شدید فائرنگ کرتے اور دونوں اطراف سے لاشیں گرتیں۔بے صبری کی حالت میں ہر طرف سے سوال اُٹھائے جارہے تھے کہ کہاں ہے ریاست اور ریاست کا قانون ؟کہاں ہیں سکیورٹی ادارے ؟مسلح شخص کے خلاف آپریشن کیوں نہیں کیا جارہا؟میں بھی اس ڈرامے کو غور سے دیکھ اور سن رہا تھالیکن کسی بھی طرح کی رائے قائم کرنے کے لئے مناسب مواد کی ضرورت ہوتی ہے جو ابھی تک میسر نہیں آیا۔ابھی تک ذہن میں بہت سے سوالات زیر گردش ہیں کہ آخر اس ڈرامے کا مقصد کیا تھا،یہ ڈرامہ سکندر نے کس کے کہنے پر کیا؟کہیں یہ اسلام کو مزید بدنام کرنے کی کوشش تو نہیں کی گئی۔کیا ڈرامہ مسلمانوں کو انتہا پسند ثابت کرنے کی غرض سے تو نہیں رچایاگیا،کیا دہشتگردوں نے ہمارے سکیورٹی اداروں کی کارکردگی کو جانچنے کے لئے تو یہ ڈرامہ نہیں کروایا۔میڈیا اور عوام کی ساری توجہ اس ڈرامہ کی طرف دلا کر کن حقائق سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی گئی ؟سیلاب،کیا مہنگائی ،بے روزگاری، دہشتگردی، لوڈشیڈنگ اور غربت کی چکی میں پسے عوام کو نئے تجزیوں اور تبصروں کے طور پر غم بھلانے کی دوا ہے یہ ڈرامہ ؟مقاصد کا تو علم نہیں لیکن پیپلزپارٹی کے لوگوں نے اس ڈرامے کے شروع سے لیکر آخر تک۔بڑی محنت کی سوشل میڈیاپر بیٹھے پیپلز پارٹی کے ذرائع نے لمحہ بہ لمحہ اس ڈرامے پر

حکومت مخالف تبصرے کئے اور آخر میں بھی پیپلز پارٹی کے رہنماء زمرد خان پتا نہیں کس کی اجازت سے مسلح ، جنونی شخص کو دبوچنے کے لئے میدان جنگ میں کود گئے ؟جانے کیوں سکندر کی بیوی نے فوری طور پر سکندر کا شناختی کارڈ پولیس کو فراہم کر دیا؟ اور جانے کیوں مسلح ہونے کے باوجود سکندر نامی شخص نے زمرد خان سمیت کسی کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی ؟پولیس ذرائع کے مطابق ملزم گزشتہ کئی روز سے جائے وقوعہ کے قریب آبپارہ کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھا، وہ اسلام آباد میں کسی ملک کا ویزا حاصل کرنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ معاملہ اتنا تھا کہ ملزم جس ہوٹل میں قیام پذیر تھا اُسی کے مالک سے گاڑی چھین کر فرار ہو رہا تھا، ملزم کے پاس جدید اسلحہ بھی تھا، جب پولیس نے روکا تو ملزم نے ہوائی فائرنگ کے ذریعے پولیس کو ڈرا کر پیچھے ہٹانے کی کوشش کی ، جب فرار ہونے میں ناکام ہوگیا تو گاڑی سڑک کے درمیان کھڑی کرکے فائرنگ کرنے لگا ، میڈیا اور عوام کے جمع ہونے کے لئے اُس نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ۔پانچ گھنٹے تک جاری رہنے والے ڈرامے میں کس نے کیا کردار ادا کیا اس کا فیصلہ عوام کریں گے ۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ میرے وطن میں کسی چیز کا کوئی اعتبار نہیں رہا یہاں حقیقت کو ڈرامے اور ڈرامے کو حقیقت کا رنگ دینے والے فنکاروں کی کمی نہیں اس لئے جمعرات کے شب پانچ گھنٹے جاری رہنے والا ڈرامہ آخری نہیں ابھی آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

اُسامہ زندہ ہے

سکندر ملک کے بعد پیش ہے زاہد سرفراز ۔ ابھی لوگ اسلام آباد ڈرامے کو بھولے نہیں ہیں اور ایک اور ڈرامہ شروع کردیا گیا ہے ۔ سکندر ملک نے تو صرف ایک کردار ادا کیا تھا لیکن سابق وزیر داخلہ میاں زاہد سرفراز صاحب نے ایک ساتھ شوشے چھوڑ کر کہانی میں مزید سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اُسامہ بن لادن مرا نہیں زندہ ہے ،امریکی کمانڈر اُسامہ کو زخمی کرکے ساتھ لے گئے تھے جسے انتہائی خفیہ جیل میں قید کرکے تفتیش کی جاری ہے، مشرف اور اُس کے حواریوں نے اسامہ کو پہلے پناہ دی اور پھر بلین ڈالر لے کر اس کی مخبری کر دی اس میں مشرف کیساتھ 2 فوجی افسر بھی ملوث تھے ۔زاہد سرفراز صاحب کی کہانی کا بالکل نیا اور تہلکہ خیز رخ یہ رہا،انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ آئندہ 72 گھنٹوں میں پرویز مشرف کو ریمنڈڈیوس کی طرح پاکستان سے فرار کروا دیا جائے گا،انہوں نے سارے معاملے کی خاصی تفصیل بیان کی ہے لیکن مجھے اُس سے کچھ لینا دینا نہیں ،کیونکہ میں ایک عام پاکستانی ہوں اس لئے مجھے اسامہ کے زندہ یا مردہ ہونے سے کچھ فرق پڑتا ہے اور نہ ہی پرویز مشرف کے فرار ہونے سے میرے حالات میں کچھ بہتری آنے والی ہے ۔جب اُسامہ بن لادن بالکل زندہ تھا اور پرویز مشرف پاکستان کا بے تاج بادشاہ تھا میری یعنی عام پاکستانی کی حالت

مسلسل خراب ہو رہی تھی اور آج جبکہ ماضی میں مکے دیکھانے والا پاکستان کا بے تاج بادشاہ قید ہے اور امریکہ کے مطابق اُسامہ بن لادن کو ایبٹ آباد آپریشن میں مار کر سمندر برد کر دیا گیا ہے عام پاکستانی کے حالات زندگی مسلسل بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں ۔اب امریکہ کا مارا ہوا اسامہ زندہ ہو یا پرویز مشرف کو پاکستان سے فرار کروا دیا جائے مجھے کیا فرق پڑتا ہے ۔۔ میرے حصے میں آنے والے پاکستان میں کل بھی دہشتگردی، مہنگائی، بدامنی، ناانصافی، عدم استحکام، بے روزگاری اور بے حسی کا راج تھا اور آج بھی ہے ۔میرا گھر، کھیت اور کاروبار سیلاب کی نظر ہو چکا بے سروسامان کھلے آسمان تلے بیوی بچوں سمیت بوڑھے والدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طلب گار ہوں ۔ڈینگی مچھر امریکی ڈرون طیاروں کی مانند محسوس ہو رہا ہے ۔ڈاکٹر ڈینگی بخار ہونے کی صورت میں سیب اور انار کا جوس پینے کا کہتے ہیں جبکہ میرے پاس پینے کے صاف پانی کی بھی قلت ہے ۔زاہد سرفراز صاحب کیا آپ کی کہانی میرے دکھوں میں دل بہلانے کے کام آ سکتی ہے ؟پرویز مشرف اور اس کے حواریوں نے اسامہ بن لادن کو پناہ دی اور پھر ڈالر لے کر خود ہی مخبری کر دی اس واقع کو گزرے کئی سال ہو چکے آج کیوں یکدم جناب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ پریس کانفرنس کے ذریعے پوری قوم کو بتا دیا؟ اتنے سال تک خاموش رہنے کی وجہ کیا تھی ؟آج کس کے اِشارے پر مشرف کے فرار کا انکشاف کیا ؟ زاہد سرفراز صاحب یہ بھی بتایئے کہ آپ کو اس بیان کے عوض کتنے ڈالر ملے اور کس نے دیئے ؟ معاف کیجئے گا کہیں آپ کی بھی تو سکندر

کی طرح 2 بیویاں تو نہیں، کہیں آپ بھی نفسیاتی ماہر تو نہیں ؟کہیں آپ بھی سکندر کی طرح اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ تو نہیں کرنے جارہے ؟میں جانتا ہوں آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے لیکن میں جس ملک کا عام شہری ہوں وہاں کبھی بھی کچھ بھی ممکن ہے سوائے عام آدمی کی زندگی میں بہتری آنے کے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے اصل مسائل کیا ہیں اور اُن کا حل کیا ہے ؟کیا اسامہ کے زندہ ہونے سے پاکستان میں پھیلی بدامنی اور ناانصافی ختم ہوجائے گی ؟کیا اب پاکستان میں سیلاب نہیں آئیں گے ؟کیا پرویز مشرف کے فرار ہونے سے پنجاب سے ڈینگی مچھر کا خاتمہ ہوجائے گا؟یا مشرف کے قید رہنے سے مہنگائی ختم ہوجائے گی ؟آخر حکومت کب عام آدمی کی زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کرے گی ؟حالات حاضرہ سے ثابت ہورہاہے کہ حکمران طبقے نے عوام اور عوامی تواقعات سے ہاتھ کھینچ لئے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہ انہیں ملک اور عوام کی کوئی پرواہ نہیں۔ویسے بھی حکمران طبقے کو ملک کی ضرورت صرف حکومت کرنے کیلئے پڑتی ہے ویسے بھی ان کا مستقبل اس ملک سے وابستہ نہیں،ان کے بینک اکاؤنٹس بیرون ملک میں محفوظ ترہیں۔ڈالر کے مہنگے اور روپے کی ویلیو کم ہونے سے عوام کو پریشانی جبکہ حکمران طبقے کو خوشی ہوتی ہے وہ اس لئے کیونکہ ان کے کاروبار کوٹھیاں اور جائیدادیں توزیادہ تر بیرون ملک ہیں اور بینک اکاؤنٹس میں روپیہ نہیں ڈالر رکھے ہیں۔عوام کے نام پر بیرون ملک سے سود پر قرض لیتے ہیں جبکہ خود دنیا کے امیر ترین لوگوں کی لسٹ میں پہلے

نمبر پر آنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ پنجاب کے ہونہار وزیر اعلیٰ کی ہی بات کرلیں جو گزشتہ پانچ سال بھی پنجاب کے تخت پر براجمان رہے اور اگلے پانچ سالوں کے لئے بھی حکومت کا تاج اُن کے سر سج چکا ہے۔اُن کے گزشتہ پانچ سالہ دور اقتدار میں کئی مرتبہ پنجاب کے علاقوں میں سیلاب آئے لیکن اُنہوں نے ممکنہ طور پر ہر سال آنے والے سیلاب کی روک تھام اور بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں کیا جبکہ ان کا کہنا ہے سیلاب متاثرین خود کو اکیلا نہ سمجھیں حکومت اُن کے شانہ بشانہ کھڑی ہے، متاثرین سیلاب کی بحالی ان کی پہلی ترجیح ہے اور جب تک سیلاب متاثرین کی مکمل طور پر بحالی نہ ہو جائے چین سے نہ بیٹھنے کا عہد بھی کر چکے ہیں۔اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف اپنے عہدے کے مطابق سیلاب متاثرین کی بحالی کے لئے ہر ممکنہ اقدامات اُٹھائیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیلاب ہر سال آتے ہیں ہمارے حکمران سیلاب کے پانی کو تباہی پھیلانے سے روک کر محفوظ یعنی ذخیرہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ اس پانی سے سستی بجلی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی میں بھی استعمال کیا جاسکے؟ جہاں تک بات ہے حکومت کے سیلاب متاثرین کے دکھ میں شریک ہونے کی تو شریک ہونا اور بات ہے اور دکھ اُٹھانا اور بات۔جس کا کھیت، گھر، مال مویشی اور بچے تک سیلاب کے پانی میں بہہ جائیں اُسے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون کون اُس کے دکھ میں شریک ہے؟ بڑی بڑی گاڑیوں اور محلات میں بیٹھ کر ہمدردی جتانا آسان ہے لیکن

اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹیوں کا جہیز، بچوں کی کتابیں، مختصر کہ ساری جمع پونجی سیلاب کے پانی بہتے دیکھنا بہت مشکل کام ہے۔اُونچے مقامات پر پناہ لے کر غذا کے ایک ایک نوالے اور پینے کے پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے معصوم بچوں اور بزرگوں کو جینے کا حوصلہ دینا کس قدر مشکل کام ہے یہ سمجھنا حکمران طبقے کے بس کی بات نہیں۔ لیکن آئے دن کوئی نہ کوئی نئی تہلکہ خیز کہانی کسی نئے بندے کی زبانی سنا کر عوام کو بہلانے میں حکمران طبقے کا کوئی ثانی نہیں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ صرف حکمران ہیں حکومت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

حلقہ این اے 129 کا میدان

حلقہ این اے 129 میں ضمنی الیکشن کا میدان سج چکا ہے۔ تمام اُمیدوار اپنی اپنی کامیابی کے پور عزم ہیں۔ راقم نے 11 مئی 2013ء کے جنرل الیکشن میں بھی حلقہ 129 اور پی پی 159 سے میاں شہباز شریف کے بھاری اکثریت سے کامیاب ہونے کا خیال ظاہر کیا تھا۔11 مئی کی شب آنے والے الیکشن نتائج نے میرے خیال کے درست ہونے کی گواہی دی اور دونوں حلقوں سے میاں شہباز شریف بھاری اکثریت سے الیکشن جیت گئے۔ جنرل الیکشن میں راقم نے توقع ظاہر کی تھی مسلم لیگ ن کے میاں شہباز شریف بھاری اکثریت سے کامیاب جبکہ تحریک انصاف کے منشاء سندھو دوسرے اور پیپلز پارٹی کے طارق شبیر کے تیسرے نمبر پر رہیں گے۔ لاہور کے حلقہ این اے 129 میں 22 اگست کے دن ضمنی الیکشن ہو رہا ہے۔جنرل الیکشن میں یہاں سے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے اُمیدوار میاں محمد شہباز شریف 94,007 ووٹ لے کر بھاری اکثریت سے کامیاب جبکہ تحریک انصاف کے محمد منشاء سندھو 35,759 ووٹ حاصل کرکے دوسرے اور پیپلز پارٹی کے طارق شبیر 11,966 ووٹ حاصل کرکے تیسرے نمبر پر رہے تھے۔ میاں شہباز شریف کے حلقہ پی پی 159 سے وزیر اعلیٰ کا حلف اُٹھانے کے بعد این اے 129 خالی ہوگیا تھا، ضمنی الیکشن میں اس حلقے سے مسلم لیگ ن نے محترمہ شازیہ مبشر کو میدان میں اتارا ہے جبکہ تحریک انصاف کے محمد منشاء سندھو ایک بار

پھر قسمت آزمائی کے لئے میدان میں ہیں، پیپلزپارٹی کے اشرف بھٹی کے علاوہ کئی آزاد اُمیدوار بھی حصہ لے رہے ہیں ۔ مسلم لیگ (ن) کی اُمیدوار محترمہ شازیہ مبشر مسلم لیگ ن کے اہم رہنماء رانا مبشر اقبال کی شریک حیات ہیں ۔ محترمہ شازیہ مبشر اچھے اخلاق اور اُوصاف کی مالک نیک دل خاتون ہیں ۔ تحریک انصاف کے اُمیدوار بھی حلقے کی جانی پہچانی شخصیت ہیں وہ گزشتہ تین ادوار میں حلقہ این اے 129 کے اندر واقعہ حلقہ پی پی 159 سے بطور ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں ۔اگر ذاتی ووٹ بنک کی بات کی جائے تو میرے خیال میں تحریک انصاف کے اُمیدوار محمد منشاء سندھو سب سے آگے ہیں ۔ محترمہ شازیہ مبشر کو اُن کے شوہر رانا مبشر اقبال کے تعلقات اور مسلم لیگ ن کے حامی ووٹرز کی حمائت حاصل رہے گی جبکہ پیپلزپارٹی کے اشرف بھٹی پارٹی کے پرانے ورکر ہیں لیکن حلقہ کے عوام اُن کو زیادہ نہیں جانتے اس لئے وہ صرف پیپلزپارٹی کے ووٹ بنک کے حقدار ہیں ۔این اے 129 کے ووٹرز کس اُمیدوار کے سر کامیابی کا سہرا سجاتے ہیں اس بات کا فیصلہ تو 22اگست کی شام کو آنے والے نتائج ہی کریں گے۔ لیکن ابھی تک کے حالات و واقعات کے مطابق مسلم لیگ ن کی محترمہ شازیہ مبشر کو واضح برتری حاصل ہے ۔یہ حقیقت اپنی جگہ کہ عوام مسلم لیگ ن کی حکومت سے کافی حد تک مایوس ہیں لیکن ہمارے ہاں یہ سوچ بڑی حد تک اثر انداز ہوتی ہے کہ جیتنا تو حکمران پارٹی کے اُمیدوار نے ہی ہے پھر دوسروں کو ووٹ ڈالنے کا کیا فائدہ ،اور اگر مخالف پارٹی کا اُمیدوار کامیاب ہو بھی گیا توحکومت اُسے فنڈ

نہیں دے گی تو وہ حلقے کے ترقیاتی کام کس طرح کروائے گا؟ میرے خیال میں لوگوں کی یہی سوچ محترمہ شازیہ مبشر کی سب سے بڑی سپوٹر ثابت ہوگی۔ تحریک انصاف کے منشاء سندھو بھی کامیابی کے لئے پر اعزم دیکھائی دیتے ہیں، کچھ عوامی حلقے تحریک انصاف کے منشاء سندھو اور مسلم لیگ ن کی شازیہ مبشر کے درمیان سخت مقابلے کی تواقع کر رہے ہیں جبکہ میرے ذاتی خیال میں منشاء سندھو ضمنی الیکشن میں جبزل سے زیادہ ووٹ حاصل کر سکتے ہیں لیکن اتنے نہیں کہ سخت مقابلہ کی توقع کی جاسکے۔ حلقہ کے سنجیدہ سیاسی حلقے ضمنی الیکشن میں ووٹنگ ٹرن آوٹ کے انتہائی کم رہنے کا خیال ظاہر کر رہے ہیں اگر ووٹرز کی زیادہ تعداد گھر باہر نہ نکلی تو یقینی طور پر محترمہ شازیہ مبشر اور منشاء سندھو کے درمیان مقابلہ سخت ہوجائے گا۔

امن وانصاف کی حکمرانی

اسلام نے حکمرانوں کے گرد جو دائرہ کھینچا ہے اس کے مطابق حکمران کو باکردار ونیک سیرت ہونا چاہیے ،دین و دنیا کی سوجھ بوجھ رکھتا ہواور علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر ہو۔ مسلم ریاست کے حکمران کو بھی ہر قسم کے حقوق میں عام عوام کے ساتھ برابر ہونا چاہیے یعنی حکمران ریاست کے کسی قانون سے بالاتر نہ ہو،ملک کی آمدنی میں سے ضرورت زندگی سے زیادہ نہ لے سکے،عام معاشرت میں اس کی کمان حیثیت نمایاں و منفرد ہو،اس کے اختیارات محدود ہوں اور ہر شخص کو حکمران پر نکتہ چینی اور تنقید و محاسبہ کا حق حاصل ہو۔ میرے خیال میں اگر حکمران ملک میں امن و امان قائم نہ کرسکتا ہواور عوام کو انصاف وروزگار فراہم کرنا اس کے بس میں نہ رہے تو اسے اس بات کااقرار کرتے ہوئے کہ وہ اپنے آپ کو حکومتی عہدے کا اہل نہیں سمجھتا عہدہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اس کی جگہ دوسرا اہل شخص کمان سنبھال کر ملک قوم کے مسائل کو حل کرے۔ لیکن افسوس کہ میرے وطن میں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ میں نہیں کہنا چاہتا لیکن حالات وواقعات بتاتے ہیں کہ وطن عزیز میں سب کے سب نااہل لوگ حکومتی امور چلارہے ہیں۔آپ صرف کراچی ہی کی بات کرلیں اس بات سے کون واقف نہیں کہ کراچی میں بسنے والے ہر شہری خاص طورپر کاروباری طبقے کا بھتہ خوری،اغوابرائے تاوان،بدامنی اورلاقانونیت نے

جینا حرام کر رکھا ہے۔مایوسی نے ہر گھر میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ہر روز سر عام لوگ لٹتے ہیں ،کٹتے ہیں لیکن حکمران سوائے سیاست کے کچھ نہیں کرتے ۔عام شہری تو اتنا جانتے ہیں اگر حکمران عوام کو امن و انصاف فراہم نہیں کر سکتے تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں ۔انھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ عوام کی خون پسینے کی کمائی پر عیاشی کریں ۔ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکمرانوں کا فرض نہیں بنتا کہ عوام کو امن وانصاف فراہم کریں؟ کتنی حیرت کی بات ہے کہ لٹنے اور کٹنے والوں میں حکمرانوں (خواہ سیاسی ہوں یا فوجی) کے بھائی بیٹے شامل نہیں ہوتے صرف عام عوام ہی لٹتی اور کٹتی ہے۔شائد یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی حکمران نے کراچی کے امن کو بحال کرنے کی کوشش نہیں کی اگر لٹنے اور کٹنے والوں میں حکمران طبقے کا کوئی فرد شامل ہوتا تو شائد آج حالات بہتر ہوتے اور حکمران اتنے سکون واطمنان سے زندگی بسر کرنے کی بجائے ٹارگٹ کلنگ اور دہشتگردی کے خاتمے کے لیے دن رات اپنی نیندیں حرام کر رہے ہوتے۔ کراچی میں دن ہو یا رات قتل غارت جاری رہتی ہے اور حکمران ایک بیان ارشاد فرما کر سرخرو ہو جاتے ہیں ۔ایسا ہی ایک بیان گزشتہ دنوں وزیر اعلیٰ سندھ نے ارشاد فرمایا کہ کراچی کے لوگ جرائم کی رپورٹ درج نہیں کراتے ۔ قتل کا ہر واقعہ ٹارگٹ کلنگ نہیں ہوتا ، دہشگردی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ کراچی کی آبادی تقریبا 2 کروڑ ہے پولیس کی نفری کم ہے۔ان کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ لوگ خوف زدہ ہیں اور جرائم، پیشہ افراد کے خلاف رپورٹ درج نہیں کراتے ۔لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا رپورٹ درج کرانے والوں کو انصاف ملتا ہے ؟اگر نہیں ملتا تو لوگ اچھا کرتے ہیں جو رپورٹ درج نہیں کراتے ۔ لٹنے اور کٹنے کے بعد پولیس کے ہاتھوں زخموں پر نمک پاشی کروانے سے بہتر ہے کہ گھر جائیں اور نیند کی گولی کھا کر آرام سے سوجائیں۔دوسری بات یہ کہ قتل کا ہر واقعہ ٹارگیٹ کلنگ نہیں ہوتا یہ بھی سچ ہے لیکن مقتول کو اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اسے ٹارگیٹ کلرنے قتل کیا یا کسی اور نے وہ تو مر ہی جاتا ہے ۔اس کے گھر میں صف ماتم تو بچھ ہی جاتی ،اس کے بچے تو یتیم ہو ہی جاتے ہیں ،اس کے والدین کا سہارا تو چھن ہی جاتا ہے ۔کوئی اس کے قتل کو ٹارگیٹ کلنگ کہے یا کچھ اور نام دے وہ دوبارہ زندہ تو نہیں ہو سکتا۔کراچی شہر کی آبادی 2 کروڑ کے قریب ہے یہ بات بھی سچ ہے ،پولیس کی نفری آبادی کے لحاظ سے کم ہے یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن کیا جرائم کو روکنے کا واحد طریقہ پولیس کی نفری بڑھانا ہے ؟کیا حکومت ہر فرد کے ساتھ ایک پولیس والا رکھ سکتی ہے ؟اگر ایسا کرنے کے بعد بھی جرائم پر قابو نہ پایا جاسکا تو حکومت کیا کرے گی ؟شاہ جی اگر میری مانیں تو عوام کو سستا انصاف اور اچھا روزگار فراہم کردیں اور بیرونی مداخلت کو ہرگز قبول نہ کریں امن قائم ہوجائے گا۔شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ دہشتگردی کا مقابلہ کرنا ہوگا ،بہت اچھی بات ہے لیکن لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر کب ہوگا مقابلہ ؟حکمران دہشتگردی کے خلاف عملی جنگ لڑیں گے بھی یا دہشتگردوں کے ساتھ دوستی ہی جاری رکھیں گے ؟سوالات تو بہت ہیں لیکن میرے پاس

جواب ایک ہی ہے۔وہ یہ ہے کہ جب تک حکمران جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتے رہیں گے تب تک قتل وغارت اور لوٹ مار کو نہیں روکا جاسکتا چاہے ایک شہری کے ساتھ ایک کی جگہ دو پولیس والے کیوں نہ لگا دیے جائیں۔سابق وزیراور مشیر داخلہ رحمان ملک اپنے دور وزارات میں یہ بات تسلیم کرچکے ہیں کہ پیپلزپارٹی کے کچھ لوگ بھتہ خوری میں ملوث ہیں۔کراچی شہر کی کنگ پارٹی ایم کیوایم ہے جس کے بارے میں ہر دوسرے فرد کا یہ کہنا ہے کہ وہ سب سے زیادہ بھتہ لیتے ہیں۔یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی سیاسی جماعت کا منشور بھتہ خوری ہوسکتا ہے؟مجھے نہیں لگتا۔لیکن ہر جماعت میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوسکتے ہیں جو خود بھی جرائم کرتے ہوں اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنے کی غرض سے کسی جماعت کا نام استعمال کرتے ہوں۔اب جس جماعت کا نام جرائم پیشہ لوگ استعمال کریں اس کی قیادت کے لیے یہ بات باعث شرم اور قابل فکر ہونی چاہیے لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں نہ تو کسی کو فکر ہے اور نہ ہی شرم آتی ہے بس لوٹ مار کی دولت آتی جسے بے شرم لوگ اپنی اولاد کی خاطر جمع کرتے ہیں تاکہ ان کے مرنے کے بعد کوئی ان کا نام لیوا باقی رہے۔اگر اولاد اور دولت ہی سے انسان کا نام باقی رہنا ہوتا تو آج قائداعظم محمد علی جناحؒ کا نام باقی نہ ہوتا کیونکہ نہ تو ان کی اولاد نے ان کے بعد کوئی اہم کارنامہ سرانجام دیا اور نہ ہی انھوں نے کوئی دولت پیچھے چھوڑی صرف ان کا اعلیٰ کردار ہی تھا جس کی وجہ سے آج تک ان کا نام لینے والے باقی ہیں

جوانشااللہ رہتی دنیاتک باقی رہیں گے ۔ایسی اور بھی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔جن میں سے ایک سلطان صلاح الدین ایوبی بھی ہیں جن کی قیادت میں مسلمانوں نے بیت المقدس ، فلسطین ،اردن ، لبنان اور مصرپر فتح پائی ۔لیکن جب آپ فوت ہوئے تو غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے کفن دفن کا انتظام ادھار کی رقم سے کیا گیا۔سنا ہے وہ حج کی بڑی تمنا رکھتے تھے جو دولت کی کمی کی وجہ پوری نہ ہوسکی ۔کوئی آج کے حکمرانوں سے پوچھے کہ یہ اتنے دولت مند کیسے بن جاتے ہیں۔آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک پاکستانی قوم کو پھر سے محمد علی جناح اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے قائدین عطا فرما کر پاکستان میں امن وانصاف کی حکمرانی قائم فرمائے ۔

حقیقی بلوغت

موسم چاہے کوئی بھی ہو سردی یا گرمی اچھا یا برا لگنے کا انحصار صرف زندگی پر منحصر ہے اگر دل ودماغ اور جسم تندرست وتوانا ہیں تو سبھی موسم اچھے ہیں وگرنہ سردی اچھی نہ گرمی اور نہ موسم بہار اچھا لگتا ہے۔زندگی ایک حقیقت ہے۔انسان زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔انسان اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعے اچھا اور کامیاب انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی محنت سے زندگی کو کامیاب طریقے سے گزار سکتے ہیں۔اس بات کی سچائی میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ محنت کرتے ہیں وہ معاشرے میں باعزت اور باوقار طریقے سے جیتے ہیں۔لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسان جیسا جیسا سوچتا ہے اور کرنا چاہتا ہے زندگی میں سب ویسا ویسا نہیں ہوتا ہم رات کو یہ سوچ کر سوتے ہیں کہ صبح سویرے سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی کسی دوست کسی عزیز کا فون آجاتا ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس لیے ہسپتال جانا ہے فوراہی چلے آؤ۔اب رات کو سوتے وقت ہم نے یہ سوچا تھا کہ صبح سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن قدرت کو ہسپتال جانا منظور تھا۔مجھے لگتا ہے جیسے انسان زندگی نہیں بلکہ زندگی انسان کو گزارتی ہے۔اگر ایسا نہ ہو توانسان اور زیادہ خودسر

ہوجائے۔انسان جو کچھ سوچتا ہے اگر سب ویسا ہونے لگے تو پھر انسان کبھی بھی اللہ تعالی کی حقیقت کو تسلیم نہ کرے۔انسان کی فطرت ایسی ہے جب دنیاوی مشکلات میں گر جاتا ہے تو اللہ تعالی کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتا ہے لیکن جیسے ہی اللہ تعالی کی رحمت سے مشکلات کم ہونے لگتی ہیں انسان کے رابطے اللہ تعالی سے کم ہونے لگتے ہیں۔یہی انسان کے نا بالغ ہونے کی دلیل ہے۔جس معاشرے میں صبر کرنے کی صلاحیت نہیں اس معاشرے میں حقیقی بلوغت نہیں ہے۔جس معاشرے میں حقیقی بلوغت ناپید ہوجائے اس معاشرے میں انسانی اقدار کی پامالی معمول بن جاتی ہے ایسے معاشرے میں انسان کی قدر و قیمت کم اور نفسانی خواہشات کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔بلوغت دو قسم کی ہے۔جسمانی اور باطنی و حقیقی۔جسمانی بلوغت سولہ سال کی عمر پر ہوتی ہے۔جسمانی بلوغت سے تو سب ہی واقف ہیں۔لیکن بد قسمتی سے حقیقی بلوغت کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔بمشکل دو فیصد لوگ ہی حقیقی بلوغت کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں۔میرے خیال میں ذہنی و حقیقی بلوغت سے واقفیت اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا۔بے شک اللہ تعالی اپنی مخلوق کے لیے آسانیاں فرماتا ہے۔خوش قسمتی سے ذہنی فکری بلوغت کے لیے عمر کی کوئی بھی حد مقرر نہیں ہے۔بلکہ ذہنی و فکری بلوغت خالصتا اسلامی ذہن کی تشکیل سے ہوتی ہے۔اسلام میں جسمانی بلوغت کافی نہیں بلکہ روحانی بلوغت بھی ضروری ہے۔بے صبری اور بے قراری تو بچپنے کی نشانیاں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ذہنی اور فکری طور پر نا بالغ ہے۔ذہنی

طور پر نا بالغ انسان بچوں اور حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔اس میں ذہنی اور فکری صفات مفقود ہوتی ہیں۔ کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ اس چیز کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہ ہو۔ایسے انسان میں نفسانی خواہشات کے سوا کوئی اور تقاضا نہیں ہوتا حالانکہ خواہشات کی پیروی کا انجام عارضی مسرت اور بعدازاں بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خوشی تو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن گناہوں کا غم طویل مدت تک باقی رہتا ہے غربت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی بہت یاد آتی ہے ۔اسی لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمدؐ نے غربت کو پسند فرمایا ہے۔دنیا کا مال دولت انسان کو حق سے دور کر دیتا ہے۔دولت کے نشے میں انسان اپنے ارد گرد بسنے والے غریب لوگوں کو کم تر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ خاص طور پر سود کو اسلام میں بہت زیادہ ناپسند کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے ۔جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں) سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام (قرار دیا ہے)۔تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ۔اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔سورۃ البقرہ:۲۷۵ اس طرح

انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت نہ پسند ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری کائنات کی مخلوقات سے بہتر پیدا فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اس کی اصلاح کی خاطر اپنے پیغمبر بھیجے اور آخر میں سب پیغمبروں کے سردار حضرت محمدؐ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر ہماری اصلاح کے لیے بھیجا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ علم عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبیؐ نے اپنی ساری زندگی عمل کرکے واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک سانس لینا بھی غفلت میں شامل ہے۔کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم خود کو سرکار دو عالمؐ کا امتی کہتے ہیں لیکن قدم قدم پر جھوٹ بولتے ہیں۔مسلمان اہل ایمان کی بجائے کفار کو اپنا عزیز رکھتے ہیں۔بیگناہوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔سود کا کاربار کھلے عام کرتے ہیں۔حق کی گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔حرام مال کماتے ہیں۔خود اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔الغرض کہ ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔اگر انسان حقیقی طور پر بالغ ہوجائے تو دنیا کی تمام بُرائیوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔اس لئے حقیقی بلوغت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے

اسلحہ کی نمائش

فوج اور پولیس کے جوانوں کے ہاتھوں سے لے کر
فلموں، ڈراموں، ویڈیو گیمز، اور نیوز چینل پر چلنے والی اکثر خبروں میں اسلحے کی نمائش نے معاشرے میں اسلحہ کو فیشن بنا دیا ہے۔ ملک کی اہم شخصیات جن میں صدر، وزیراعظم، وزیراعلی اور دیگر اُمرا کے گرد اسلحہ سے لیس محافظ بھی اسلحے کی نمائش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کا موضوع تو بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں لیکن آج دنیا میں اصلی ہتھیار بھی سرعام کھلونوں کی طرح ہی بازاروں میں دستیاب ہیں۔ ریاستی قانون اور اداروں کی موجودگی میں بغیر لائسنس یعنی ناجائز اسلحہ کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لائسنس یافتہ ہتھیاروں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیر میرا آج کا موضوع بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں اس لئے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ گزشتہ چند برسوں سے بچوں میں کھلونا ہتھیار سے کھیلنے کا شوق بے حد تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ شہروں میں بسنے والے والدین کے لئے اس لئے حالات زیادہ مشکل ہیں کہ شہروں میں ہر گلی، محلے کی دکان پر ایسے کھلونا ہتھیار دستیاب ہیں جن کو دیکھ کر بچے انہیں خریدنے کی اتنی زیادہ ضد کرتے ہیں کہ والدین مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو بے فکری میں اپنے بچوں کو ایسے کھلونے خرید دیتے ہیں، کچھ سمجھدار قسم کے لوگ ایسی چیزوں سے بچنے کی

کوشش کرتے ہیں لیکن بچنا بہت ہی مشکل ہے اگر والدین بچوں کے ضد کرنے کے
باوجود اُن کو ہتھیار کھلونے خرید کر نہیں دیتے تو بچوں کی ضد دیکھ کر
دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، یا پھر تایا ابو یہ کہہ کر بچوں کو خرید دیتے ہیں کہ اتنی سی چیز
کے لئے ہمارے بچے کیوں ترسیں؟ گاؤں اور دیہی علاقوں میں رہنے والے بھی اس اسلحہ
کلچر سے محفوظ نہیں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دیہاتی علاقوں میں یہ کھلونے زیادہ
ترعید یا کسی بزرگ کے عرس کے موقع پر دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے عام دنوں میں
دیہاتی والدین کی جیب بھی بچ جاتی ہے اور بچے بھی اسلحہ کلچر سے کچھ دور رہ جاتے
ہیں۔ایک سروے رپورٹ کے مطابق گزشتہ دو دہائیوں سے عید، شب برات اور دیگر
تہواروں پر بچوں میں جوتوں، کپڑوں، شوخ رنگ چشموں اور گھڑیوں کے ساتھ ساتھ
کھلونا ہتھیاروں کی خریداری کا رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے
ہیں ہمارے گھر، گلی محلے میں اکثر بچے اصل جیسی نظر آنے والی کھلونا
پستولوں، کلاشنکوفوں، بندوقوں ٹینکوں سے لیس کھیل کھیل میں ایک دوسرے پر فائرنگ
کرتے نظر آتے ہیں۔ اُس وقت بچوں کی چال ڈھال اور چہروں کے تاثر دیکھ کر صاف
اندازہ ہوتا ہے کہ بچے اپنے آپ کو فوجی، پولیس مین یا پھر دہشتگرد کے کردار میں ڈھال
کر اپنے کھیل میں مصروف ہیں۔ماضی میں ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہمارے تہذیب
و تمدن کے لحاظ سے امن کی علامت رکھنے والے روایائتی کھلونے ہوا کرتے تھے
۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں پانچ سالوں میں کھلونا ہتھیاروں کی فرخت
میں 70 سے 80 فیصد اضافہ

دیکھنے میں آیا ہے۔اس سال عید الفطر کے موقع پر چین سے تقریبا 7 کروڑ سے زائد مالیت کے کھلونا ہتھیار درآمد کئے گئے۔ کراچی میں کھلونا ہتھیاروں کے دس بڑے تاجر بازار کی ڈیمانڈ کے مطابق خصوصی آرڈر پر یہ ہتھیار جن میں ٹی ٹی پستول
کلاشنکوف، ریوالور، ایل ایم جی ،لیزر گنیں، ریپیٹر اور دیگر ہتھیار شامل ہیں چین سے، درآمد کرکے بازار میں سپلائی کرتے ہیں۔ مستقبل کے معماروں کے ہاتھوں میں قلم کتاب اور روایتی کھلونوں کی بجائے خطرناک ہتھیار کھلونے دے کر ہم معاشرے میں، جن رجحانات کو جنم دے رہے ہیں وہ کسی بھی امن پسند معاشرے اور ریاست کے لئے کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔کھلونا ہتھیار نہ صرف نفسیاتی طور پر بچوں پر بُرے اثرات مرتب کرتے ہیں بلکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ کھلونا ہتھیاروں کی بچوں میں مقبولیت معاشرے میں عدم برداشت اور شدت پسندانہ رویوں کو جنم دیتی ہے۔کھلونا ہتھیاروں میں گولی کی جگہ استعمال ہونے والے چھرلے کئی فٹ تک اپنے ہدف کونشانہ بناکر زخمی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان چھرلوں سے اب تک سب سے زیادہ نقصان آنکھوں کا ہوا ہے۔ ہتھیاروں سے لیس بچوں کی آپس کی لڑائی اگرچہ کھیل ہی ہوتی ہے لیکن اس کھیل میں اب تک کئی بچوں کی آنکھوں میں چھرلے لگنے سے اُن کی بینائی ضائع ہوچکی ہے ۔جدید ہتھیاروں سے لیس کسی فلم،ڈرامے ،دودھ، صابن کی مشہوری میں دیکھایا جانے والا کمانڈر یا ویڈیو گیم کا ہیرو بچوں کے معصوم ذہنوں پر ایسے نقوش چھوڑتا ہے جن کو مٹانا بہت مشکل کام ہے۔والدین اور اساتذہ بھی بچوں کو کوئی بات

منوانے کے لئے اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ اگر آپ نے بھی کمانڈر صاف صاف بننا ہے تو یہ کام کیا کرو، یہ کھایا کرو اور یہ پڑھا کرو۔ ہمارے بچے اکثر کمانڈر صاف صاف یا چھوٹا بین بن کر اُڑنا چاہتے ہیں۔بڑے۔بڑے خیالی جنوں ،چڑیلوں اور کڑماڑوں کے ساتھ زور آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو اچھے سکول اور مدرسوں میں پڑھنے بھیج کر فکر محسوس کرتے ہیں،اُن کو ٹیلی وژن اور کمپیوٹر تک رسائی دے کر معاشرے میں پھیلی بُرائیوں سے محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان سکولوں اور مدرسوں میں غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے ساتھ ساتھ اسلحہ سے لیس کمانڈر صاف صاف کی تصویر یں بطور ہیرو دیواروں پر لگی ہوتی ہیں اور گھروں میں ٹیلی وژن اور کمپوٹر پر بھی وہی کردار بچوں کے دل کو بھاتے ہیں ۔یہی وہ حالات ہیں جو مستقبل کے معمار معصوم بچوں کے خیالات کو حقیقت کی دنیا سے دوراور اسلحہ سے لیس طلسماتی دنیاکے قریب تر کر رہے ہیں۔بچے حقیقت میں کمانڈر صاف صاف اور چھوٹے بین کی طرح ہوا میں اُڑنا چاہتے ہیں ،اُنہیں کی طرح چلتے،بولتے اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں ۔عام طور پر والدین اپنے بچوں کا کمانڈر صاف صاف بننے کا شوق پورا کرنے کے لئے اُنہیں کھلونا ہتھیار خرید کر دے دیتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ کمانڈر صاف صاف صرف ایک کارٹون ہے جو ہوا میں اُڑتا ہے اپنے جسم سے ہزاروں گنا بڑی چیزوں کو اُٹھا کر ایک سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے جبکہ ہمارے بچے کارٹون، کسی فلم،ڈرامے یا کسی ویڈیو گیم کا فرضی کردار نہیں بلکہ ہمارا آنے والا کل ہیں

جسے ہم جس قدر حقیقت کے قریب رکھیں گے اُتنا ہی بہتر ہوگا۔

قانون کی نظر میں

جہاں قانون کی حکمرانی قائم ہو وہاں قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں، چاہے کوئی امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، قانون کی حکمرانی میں سب کو عدل وانصاف میسر آتا ہے اور کسی پر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ لیکن جب قانون کی نظر میں سب برابر ہونے کی بجائے قانون سب کی نظر میں برابر ہو جائے تو پھر چاروں طرف ظلم کی فضا ہوتی ہے، امیر ہو یا غریب کسی کے ساتھ بھی انصاف نہیں ہوتا، حاکم ومحکوم دونوں کے جان ومال محفوظ نہیں رہتے دونوں کی عزت وآبرو کا تحفظ ممکن نہیں رہتا۔ جیسا کہ آج نصف سے زیادہ دنیا میں ہو رہا ہے لوگوں نے قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اگر کوئی قانون لوگوں کو جرم کرنے سے روکتا ہے تو اُسے نہ صرف توڑا جاتا ہے بلکہ اُسے ہمیشہ کے لیے ختم کرکے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو طاقتور کو تحفظ فراہم کریں ۔لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب تک عدل وانصاف اور قانون کی حکمرانی قائم نہ ہو کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا، جہاں ناانصافی ہوتی ہے وہاں انتقام عام ہوتا ہے اور انتقام لینے والا ظالم سے بھی زیادہ ظالم بن جاتا ہے۔ وطن عزیز میں پھیلی ناانصافی وبدامنی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ یہاں قانون سب کی نظر میں برابر ہے یعنی کوئی بھی قانون پر عمل نہیں کرتا چاہے کوئی حاکم ہو یا محکوم سب کے سب قانون کو پاؤں تلے روند کر آگے گزر جاتے ہیں

۔ قانون بڑے کام کی چیز ہے اگر قانون کی نظر میں سب ایک ہوں ،اگر سب کی نظر میں قانون اپنا اپنا ہو تو بے کار چیز ہے ۔ قانون قوم کو متحد اور مضبوط رکھ کر پورے معاشرے کو انصاف فراہم کر سکتا ہے لیکن قانون اپنا اپنا کسی ایک شخص کو بھی انصاف فراہم نہیں کر سکتا ۔ جس قوم کا ہر فرد قانون کو اپنا کھلونا تصور کرے اور ہر ادارے کو اپنے تابع کرنے کا خواہش مند ہو اُس قوم کا خُدا ہی حافظ ۔ آپ سمجھ تو گئے ہوں گے میں کیا کہنا چاہتا ہوں اگر نہیں سمجھے تو میں پاکستانی قوم کی بات کر رہا ہوں ۔ خیرات اور قرضہ ہم عالمی بینک اور امریکہ سے لیتے ہیں ، گیس ہم ایران سے لینے کے خواہش مند ہیں ، بجلی گھر ہم کرائے پر لیتے ہیں ، بسیں اور سڑکیں ہم ترکی سے لیتے ہیں ،اسی طرح کئی اور چیزیں ہمیں مختلف ممالک سے لینی پڑتی ہیں تو کیا ہم کہیں سے قانون پر عمل درآمد کرنے اور کروانے کی عادت قرض یا اُدھار نہیں لے سکتے ؟ یا پھر کسی بیرون ملک کمپنی کو 20.10 سال کا ٹھیکہ کیوں نہیں دے دیتے ؟ اگر ہم لاہور کوڑا کرکٹ اُٹھانے کا کام تُرکی کی کمپنی البراق کو دے سکتے ہیں تو پھر قانون پر عمل درآمد کروانے والی کسی کمپنی کی تلاش کیوں نہیں کرتے ؟ اِس وقت قانون کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے ؟ یہ سوال میں نے چیف آرگنائزر پاکستان مسلم لیگ ن لیبر ونگ لاہور اور ممتاز تاجر رہنماء راؤ ناصر علی خاں میو کے سامنے رکھا تو انہوں جواب دیا کہ اگر سچ پوچھتے ہیں تو قانون بہت بیمار ہے اور پچھلے 66 سالوں سے سیاسی اور اسٹیبلشمنٹی ہسپتالوں میں زیر علاج ہے ،جہاں ڈاکٹر

دن، رات قانون کی خدمت کرتے ہیں اور یہ کوشش کر رہے ہیں کہ قانون زندہ رہے لیکن مکمل صحت یاب نہ ہونے پائے۔ میں نے پوچھا کہ کیا قانون سے ملنے اور تیمارداری ہر خاص و عام کر سکتا ہے ؟ وہ مسکراتے ہوئے بولے ارے بابا قانون صرف صاف ستھرے افراد سے مل سکتا ہے یعنی امیروں سے غریب آدمی تو قانون سے 4.2 سو کلومیٹر دور سے بھی گزرے تو وہ بے ہوش ہو جاتا ہے اور اگر ڈاکٹر توجہ نہ دیں تو مر بھی سکتا ہے اس لیے میرے بھائی جہاں تک بات ہے خاص کی، تو وہ ضرور مل سکتا ہے رہی بات عام آدمی کی تو اُسے قانون سے ملنا تو دور کی بات ہے اُس کے بارے میں سوچنا بھی سختی سے منع ہے (س) جناب آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قانون بیمار ہے ؟ (ج) آپ نے کبھی دیکھا یا سنا تو ہوگا کہ بغیر نمبر پلیٹ یا بغیر لائسنس گاڑی چلانے کی وجہ سے ٹریفک پولیس شہری کا چالان کر دیتی ہے۔ اور شہری چار پانچ سو روپے جرمانہ ادا کر کے پھر اُسی طرح گاڑی چلاتا پھرتا ہے۔ قانون کا استعمال صرف جرمانے کرنے کے لیے کیا جاتا ہے نا کہ جرائم کو ختم کرنے کے لیے، (س) کہیں ایسا تو نہیں ٹریفک پولیس صرف اپنی تنخوائیں پوری کرنے کے لیے چالان کرتی ہے ؟ (ج) لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے لیکن یہ سارا سچ نہیں کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ ٹریفک پولیس وزیروں، سفیروں اور اعلیٰ آفیسروں کو گزارنے کے لیے عام شہروں کو کئی کئی گھنٹے سڑک پر روکے رکھنے کا کام بھی سرانجام دیتی ہے، (س) اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے نوکری شاہی خاندانوں کی کرتے ہیں اور تنخواہ عام شہریوں سے اکٹھی کرتے ہیں

؟(ج) نہیں یہ بھی درست نہیں کہ ادارے کسی خاندان کی نوکری کرتے ہیں ادارے تو صرف اور صرف ریاست کے ہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ادارے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں یا غلامی کرتے ہیں، ہم پاکستان کے قومی اداروں کو بے کار نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر ادارے بے کار ہو جائیں تو نظام نہیں چلا کرتے، آپ پولیس ہی کی مثال لے لیں ہماری پولیس بہت بدنام ہے لیکن اگر محکمہ پولیس نہ ہوتا تو جرائم اس قدر بڑھ جاتے کہ ملک میں صرف جرائم پیشہ افراد ہی زندہ رہتے۔ (س) آپ کیا سمجھتے ہیں کہ قانون کی حکمرانی قائم کرنا صرف حکومت کی ذمہ داری یا عوام کے حصے میں بھی کوئی ذمہ داری آتی ہے ؟(س) بالکل حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قانون کی حکمرانی قائم کرے اور سب سے پہلے حکمران خود قانون کا احترام اور پاسداری کریں۔ اُس کے بعد عوام بھی قانون کا احترام کریں گے، حاکم ہو یا محکوم جو بھی قانون کی خلاف ورزی کرے اُسے اُس کے جرم کی سزا دی جائے تو قانون کی حکمرانی قائم ہو سکتی ہے۔ (س) آپ کے خیال میں ہمیں پاکستان میں قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کسی دوست ملک سے مدد مانگنی چاہیے ؟(ج) ہرگز نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بھوکے مر جاؤ لیکن قرض اور مدد کے نام پر کسی دوست یا دشمن ملک سے کچھ نہ مانگو جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اُسی سے کام چلاؤ، جس قوم کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے کھانا اور تن ڈھکنے کے لیے کپڑا ہو اُسے ترقی کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور پھر،

مسلمان تو خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلاتا ہے ہم کیونکر بھیک مانگتے پھریں ؟ پاکستان زندہ باد

ضمیر فروش

ایک دفعہ (خلیفہ وقت) حضرت عمرؓ نے خطبے کے دوران لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں صحیح راہ پر نہ چلوں توتم لوگ کیا کروگے ؟ایک بدو اٹھا اور تلوار نکال کر بولا عمرؓ یاد رکھو تجھے میں اس تلوار سے سیدھا کردوں گا۔حضرت عمرؓ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا کہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مجھے غلط راہ پر چلنے سے روک سکتے ہیں۔اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی زندگی کے ہر پہلو کو آنے والے زمانوں کے عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے ترتیب دیا ہے۔اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے آج مجھے بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستانی قوم میں حکمرانوں کو سیدھا کرنے والے لوگ ختم ہوچکے ہیں۔ کسی ایک شخص کے ٹھیک ہونے سے ریاستی نظام نہیں بدلہ کرتے کیونکہ یہ کوئی دو، تین گھنٹے کی ایکشن فلم نہیں جس میں اکیلا ہیرو دو چار ہزار لوگوں سے لڑ کر جیت جاتا ہے یہ حقیقت ہے یہاں نظام کو ٹھیک کرنے کے لئے پوری قوم کو ٹھیک ہونا ہوگا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں آئین و قانون کی حکمرانی ہے ؟کیا آج کی آزاد عدلیہ جس کے لئے پاکستانی قوم ایک طاقتور آمر کے سامنے ڈٹ گئی تھی وہی عدلیہ عام پاکستانی کو انصاف فراہم کررہی ہے ؟ہوسکے تو مجھے اس سوال کا جواب دے دیں کہ معزول ہونے والی عدلیہ کی بحالی سے لے کر آج تک

عدالتی نظام میں کچھ فرق آیا ہے ؟کیااب اگلی تاریخ لینے کے لیے عدالتی عملے کو رشوت نہیں دینی پڑتی ؟سوال تو اور بھی بہت ہیں میرے ذہن میں لیکن میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی جواب نہیں دے گا۔ قارئین محترم چیف جسٹس صاحب کا یہ باور کروانا بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک سیشن جج کے قتل ہونے پر بھی حکومت ایکشن نہیں لیتی تو پھر باقی کیا رہ جائیگا۔ بڑی عجیب بات ہے کیا سیشن جج دوسروں سے زیادہ انسان ہے ؟کیا اسے انسان ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں جو سیشن جج یا کسی دوسرے بڑے عہدے پر تعینات نہیں ؟اور باور کن کو کروایا جو اپنی پانچ سالہ حکومت میں اپنی ہی لیڈر محترمہ شہید بے نظیر بھٹوکے قاتلوں کو گرفتار نہیں کرسکے۔ قارئین محترم ایک سوال میں آپ سے بھی کرنا چاہتا ہوں کہ جو اپنے آپکو تحفظ اور انصاف نہیں دے سکتی کیا ایسی حکومت اور ایسی عدلیہ عوام کو تحفظ اور انصاف فراہم کر سکتی ہے ؟اب بات کرتے ہیں بلوچستان کی خراب صورتحال پر۔ جیسا کہ ہم سب دیکھتے ہیں کہ نیوز چینلز ہر وقت بلوچستان کی خراب صورتحال کو عوام کے سامنے رکھتے رہتے ہیں ۔ مختلف سیاست دان اور اینکر پرسن بڑا ہی خوبصورت میک اپ کرکے سکرین کے پردے پر نمودار ہوتے ہیں اور کچھ اس انداز سے تبصرے و تجزیئے پیش کرتے ہیں کہ جیسے سب جانتے ہیں اور منٹوں سیکنڈوں کے اندر سارا مسئلہ حل کر سکتے ہیں ۔ان لوگوں کو گفتگو کا سلیقہ اس قدر آتا ہے کہ صرف چار لوگوں کے پروگرام میں اس قدر شور ہوتا ہے کہ پورا گھنٹہ سننے والوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح شام

کے وقت کسی بڑے درخت پر سینکڑوں پرندے جمع ہو کر اپنی، اپنی بولیاں بولتے ہیں تو انسان صرف اتنا سمجھ پاتا ہے کہ پرندے چہک رہے ہیں لیکن پرندے آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں سمجھ پانا انسان کے بس کی بات نہیں ۔جب یہی حالت میں میڈیا ٹاک شوز میں دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا جیسے جنگل کے ماحول کی بنی فلم دیکھ رہا ہوں۔الزام لگانا بھی اب صرف سیاست دانوں کا کام نہیں رہا۔جب میڈیا پرسن کی ذات پر بات آتی ہے تو اسی وقت مرغیوں میں برڈ فلو پھیلنے کی خبر چل جاتی ہے جو دو سے چار گھنٹے گزرنے پر ختم ہو جاتا ہے۔خاکسار نے اس بات پر بہت غور کیا بہت سوچا کہ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں ۔نہ تو یہ بچے ہیں اور نہ ہی پاگل ان کو یہ پتا ہوتا ہے کہ ان کو دنیا بھر میں دیکھا اور سنا جارہا ہوتا ہے پھر بھی یہ لوگ ٹی وی سکرین پر انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ جانوروں سا سلوک کرتے ہیں اور پروگرام ختم ہوتے ہی ایک دوسرے کے گلے ملتے اور بڑے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں ۔لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اس اضطراب کی حالت نے مجھے سونے نہ دیا اور میں رات ایک بجے کے قریب اپنے استاد جناب محترم ایم اے تبسم کے گھر یہ سوچ بغیر جا پہنچا کہ اتنی رات گئے وہ تنگ ہوں گے ۔ان کے آرام میں خلل پڑے گا۔ میرے استاد ایم اے تبسم انتہائی شفیق انسان ہیں ۔ میرے پاس ان کی شخصیت پر بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ کی ہمیشہ کمی رہی ہے ۔اب یہ ان کا حسن ظرف تھا کہ وہ میرے چہرے پہ چھائے اضطراب کے بادل دیکھ کر سمجھ گئے کہ میں پریشانی کے عالم میں اتنی

رات گئے ان کے پاس پہنچا ہوں۔ انہوں نے بڑی محبت سے بیٹھنے کا کہا میں کچھ بولنے ہی والا تھا کہ انہوں نے کہا شکر ہے کہ تیرے پاس بھی میرے لیے وقت نکل آیا۔ کہنے لگے آج میرا بہت دل کر رہا تھا کہ ایک چائے کا کپ تیرے ساتھ بیٹھ کر پیوں اچھا کیا تم نے جو چلے آئے۔ تم بیٹھوں میں چائے کا کہہ دوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلے گے چند منٹ بعد واپس آئے تو میں اپنا اضطراب ان کے سامنے رکھنے کے لیے تیار تھا کہ تبسم صاحب بولے میں جانتا ہوں کہ آج تم بہت پریشان ہو اور مجھ سے کوئی بات کہنا چاہتے
ہو۔ میں نے کہا جی آپ بالکل ٹھیک سمجھے میں بہت زیادہ پریشان ہوں اور میری پریشانی اتنی بڑی ہے کہ میں نے اس وقت آپ کو تکلیف دی۔ وہ بولے مجھے تکلیف نہیں خوشی ہوئی کہ تم نے پریشانی کی حالت میں میرا انتخاب کیا جس کا مطلب ہے کہ تم سچے دل سے میری عزت کرتے ہو، کوئی ایسی بات نہیں پہلے چائے پیتے ہیں پھر تمہاری پریشانی کا کچھ حل نکالیں گے۔ کوئی آدھا گھنٹہ چائے آنے اور پینے میں صرف ہوگیا۔ اسکے بعد تبسم صاحب نے مجھ سے میری پریشانی کی وجہ پوچھی جس پر میں نے اپنے اضطراب کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ جب ہمارے ملک کے سیاست دان اور صحافی ملک کو درپیش مشکلات کی بنیادی وجوہات جانتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس ہر مسئلے کے ایک سے زیادہ حل موجود ہیں تو پھر مسائل حل کیوں نہیں ہوتے ؟ وہ میرے سوال پر مسکراتے ہوئے بولے امتیاز ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور والی کہاوت تو تم نے سنی ہوگی۔ یہ لوگ جو کہتے

ہیں وہ کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں وہ کہتے نہیں ۔یہ سارے وہی ہیں جن کے بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ میری جیب میں موجود کچھ کے کھوٹے ہیں ۔جب سے پاکستان آزاد ہوا تب سے آج تک چند خاندانوں کی حکمرانی ہے اگر یہ ملک وقوم کے ساتھ مخلص ہوتے توپاکستان آج مشکلات کا شکاراور ترقی پذیر ملک ہونے کی بجائے دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بن چکا ہوتا۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اب عوام سمجھ رہی ہے کہ جولوگ ایک دوسرے پر الزام تراشی بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے عہدے بھی لیتے دیتے ہیں یہ سب کرپٹ ہیں۔ میرے صحافیوں کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تبسم صاحب نے کہاکہ صحافی کبھی نہیں بکتا ۔ موجودہ صحافت میں جو لوگ بکے ہوئے ہیں وہ صحافی نہیں ہیں بلکہ وہ سازشی لوگ ہیں جنھوں نے ملک کے ہر صحافتی ادارے کو یرغمال بنا رکھا ہے ۔یایوں کہا جاسکتا ہے کہ صف صحافت میں کچھ ضمیر فروش درندہ صفت انسان شامل ہوگئے ہیں لیکن میں ان کو صحافی نہیں مانتا۔ یہ لوگ صحافت کا لبادھا اوڑھے ہوئے ایسے بھڑیئے ہیں جن کو سوائے پیسے کی ہوس کے کچھ دکھائی نہیں دیتا،ان چند مفاد پرست عناصر کی وجہ سے اچھے اور محب وطن صحافیوں پر بھی انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ایم اے تبسم نے مزید کہاکہ جب سے پاکستان بنا ہے تب سے ہی چند مفاد پرست لوگوں کا ٹولہ اس ملک کی جڑیں کاٹنے لگا تھااور اسی ٹولے کی باقیات آج بھی ہم پر دیمک کی طرح مسلط ہے۔ جسے نوجوان طبقہ ہی ختم کرسکتا ہے۔اور مجھے قوی یقین ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب

وطن عزیزان کرپٹ اور مفاد پرست قسم کے لوگوں سے پاک ہوگا۔ قارئین محترم راقم کے خیال میں صحافتی شعبہ میں ضمیر فروشوں کو ملک و قوم کے دشمنوں نے سازش کے تحت شامل کیا ہے۔تاکہ میڈیا یرغمال بن جائے اور وہ من پسند نتائج حاصل کر سکیں۔اگر کسی کا خیال ہے کہ یہ سازشی لوگ صرف میڈیا میں موجود ہیں تو یہ اس کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔کیونکہ یہ ملک کے ہر ادارے میں موجود ہیں یہاں تک کہ یہ سازشی لوگ عبادت گاہوں ، مسجدوں ،امام بارگاہوں، درگاہوں، گرجاگھروں ، گوردواروں اور مندروں میں بھی موجود ہیں۔لیکن آج کل تنقید صرف میڈیا پر کی جارہی ہے۔جن مشکلات میں پاکستانی میڈیا کام کر رہا اس بات کا اندازہ صرف ایک صحافی ہی لگا سکتا ہے۔اب اس بات کا فیصلہ آپ خود کریں کہ ہمارا میڈیا یرغمال ہے یا نہیں؟خاکسار کی صحافی برادری سے اپیل ہے کہ اپنی صفوں میں گھسے بھیڑیوں کو پہچان کر فوراباہر کریں ورنہ یہ صرف صحافیوں کو ہی نہیں پوری قوم کو کھا جائیں گے اور ان سازشی عناصر کی موجودگی میں آئین و قانون کی حکمرانی بھی ممکن نہیں۔ میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔اے پروردگار اہل قلم کو اتنا بااختیار کر دے کہ انہیں دنیا کی کسی دولت سے خریدا نہ جاسکے۔پروردگار اہل قلم کو حق و سچ لکھتے رہنے کی توفیق و طاقت عطا فرما۔ (آمین)

امریکہ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس نے اللہ کو دوست بنایا یعنی محبت کی اور اُس کے رسولؐ سے اور ایمان والوں سے محبت کی پس یہ اللہ کا گروہ ہے یہی غالب رہے گا'' حزب اللہ یعنی اللہ والوں کی جماعت ،اس جماعت میں شامل لوگ تین محبتوں کا مجموعہ لازم ہے۔اللہ تعالیٰ سے محبت،آپؐ کی ذات مبارکہ سے محبت اور ایمان والوں سے محبت ۔یہاں محبت کا مطلب صرف اظہار نہیں بلکہ سچے دل سے اظہار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر رسول اکرمؐ کے بتائے طریقوں کے مطابق عمل پیرا ہونا ہے۔خالی زبان سے کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی کو عملی طور پر اسلام کے مطابق ڈھالنا بھی اُتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ زبان سے اظہار کرنا۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ایسے مسلمان غالب رہیں گے جن کی زندگی کا مقصد اللہ اوراُس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنا ہوگا۔ جھوٹ،بے ایمانی ، ظلم ،ناانصافی،غرور، تکبر، قول وفعل کا تضاد اللہ اوراُس کے رسولؐ کو سخت ناپسند ہیں ۔قول وفعل میں تضاد رکھنے اور ظلم کرنے والے کبھی بھی اللہ اوراُس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل نہیں کرسکتے۔ظالموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لازم ہے۔آج مسلم دنیا اپنے اعمال کے سبب بری طرح عذاب میں مبتلا ہے جبکہ نام غیر مذہب لوگوں کا لیا جاتا اور امریکہ کو سارے عذاب کا ذمہ دار ٹھہریا جاتا ہے۔ مسلم حکمرانوں کے قول و

فعل میں آج اتنا تضاد ہے کہ اکثر انہیں اپنے ہی بات سے پھرنا پڑتا ہے جبکہ امریکی صدر کا کہنا ہے کہ دنیا پر ثابت کرنا ہوگا کہ امریکہ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں امریکہ شام پر فضائی حملہ کرنے کی مکمل تیاری کر چکا ہے۔ 6 جنگی بیڑے ساز و سامان لے کر بحیرہ روم پہنچ چکے ہیں، متعدد جنگی طیارے ترک ایئر بیس انجیرلک پر بھی پہنچا دیئے گئے ہیں۔ قبرص کے برطانوی اڈے سے امریکہ کے دو جاسوس طیارے شام کے احساس علاقوں کی معلومات لے کر اہداف کی نشان دہی کرنے میں مصروف ہیں ۔ جبکہ زمینی کارروائی کیلئے شام کی آزاد فوج کو امریکہ کی طرف سے چھوٹے ہتھیاروں کی فراہمی کی منظوری بھی دے دی گئی ہے۔ اگر شام پر حملہ ہوتا ہے تو امریکہ شام پر شدید فضائی حملے کرنا چاہتا ہے زمینی کارروائیاں شام کی آزاد فوج کرے گی۔ دوسری طرف شامی حکومت بھر جوابی کارروائی کا اعلان کر چکی ہے۔ روس نے دھمکی دی ہے کہ اگر امریکہ شام پر حملہ کرے گا تو وہ سعودی عرب پر حملہ کر دیگا، جبکہ ایران نے شام پر امریکی حملے کی صورت میں اسرائیل کو آگ لگانے کا اعلان کر رکھا ہے۔ افغانستان میں جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی اور پاک بھارت کشیدگی بھی جاری ہے۔ دنیا میں جو ممالک پرامن زندگی گزار رہے ہیں ماہرین کے مطابق اگر امریکہ شام پر حملہ کرتا ہے تو وہ بھی دہشتگردی کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں اس طرح پوری دنیا کے امن کی تباہی کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ دنیا جو پہلے ہی بدامنی کا شکار ہے تیسری جنگ عظیم سے خوفزدہ ہے اور ایسے حالات میں سلامتی کونسل کی مخالفت کے

باوجود امریکی صدر اُوباما کا کہنا کہ شام پر حملہ ضرور کیا جائے گا۔ دنیا کو بتانا ہوگا کہ امریکہ جو کہتا ہے وہ کرتا بھی ہے۔شامی صدر بشار الاشد امریکہ کے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہیں لیکن ایک رپورٹ کے مطابق شامی صدر امریکی حملے کے پیش نظر اپنے خاندان کو محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد خود زیر زمین بنکر میں رہائش پزیر ہو چکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زیر زمین بنکر موت سے محفوظ رکھ سکتا ہے ؟ دنیا میں کون سا مقام ہے جہاں انسان موت سے محفوظ رہ سکتا ہے ؟ اگر دنیا کے حکمران یہ سمجھ رہے ہیں کہ تیسری جنگ عظیم کی تباہی سے خود کو اپنے خاندان سمیت کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو کر بچالیں گے تو یہ کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتا ہے۔فرض کریں یہ خواب حقیقت ہے تو بھی اس اٹل حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان کو ایک دن موت کا ذائقہ ضرور چکھنا پڑے گا۔ مسلم حکمران آخرت کی تیاری کی بجائے جسمانی فٹنس کی فکر میں مگن ہیں، خانہ جنگی سے گزرتے ہوئے عرب مسلم ملک شام کے حکمرانوں کی سنجیدگی دیکھئے ایک برطانوی اخبار کے مطابق شامی صدر کی اہلیہ عاصمہ اسد بنکر میں چھپ کر بچوں کیلئے مغربی کھانے آرڈر م کر رہی ہیں جبکہ اپنی فٹنس کیلئے بھی شاپنگ کر رہی ہیں ۔شاید یہی وہ اعمال ہیں جن کی بدولت آج اللہ کا عذاب ہم پر نازل ہو رہا ہے۔ اگر جنگ تمام مسائل کا حل ہے تو پھر دنیا ایک آخری جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن اُس سے پہلے یہ سوچ لے کہ پہلی دو عظیم جنگوں سے دنیا کو کیا حاصل ہوا ؟ کیا پہلی اور دوسری جنگ

عظیم کے بعد آج تک انسان کی زندگی میں کوئی مشکل نہیں آئی؟کیا جنگ جیتنے والے ملکوں کے حکمران موت سے محفوظ ہوگئے تھے؟ یہ سارے سوالات اپنی جگہ لیکن جنگ تو ہوگی کیونکہ انسان کمزور ہے اور طاقت اس کے اندر گھر نہیں کر سکتی، دنیا کے طاقتور ملکوں نے جو خطرناک اسلحہ بنا رکھا ہے آخر اُس کا تجربہ بھی تو کرنا ہے۔جب کوئی ڈاکٹر یا حکیم کسی بیماری کا علاج دریافت کرلیتا ہے تو اُس کی تحقیق اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ کسی مریض پر تجربہ نہ کرلے۔امریکہ بھی ایسا ہی حکیم ہے جو کمزور ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کا سامان یعنی خطرناک اسلحہ تیار کرچکا ہے اگر وہ اپنا اسلحہ دوسروں پر نہیں چلائے گا تو ہوسکتا وہ خود بخود چل جائے۔جبکہ اللہ کے رسول حضرت محمدؐ نے اللہ کے بنائے دین اسلام کا دوسروں کی بجائے اپنی زندگی پر تجربہ کرکے اُس کے سچے اور اچھے ہونے کی دلیل پیش کی ہے اور اللہ تعالٰی کے قانون پر عمل کرکے زندگی گزارنے والوں کو تمام دنیا پر غالب رہنے کی بشارت سنائی ہے۔اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کہ حزب اللہ (یعنی اللہ والوں کی جماعت) ہی غالب رہی گی ''دنیا کی سب سے بڑی'' حقیقت ہے اور قیامت تک اللہ والوں یعنی دین حق پر چلنے والوں کی جماعت ہی غالب رہے گی۔مسلمان جو آج مصائب سے گزر رہے ہیں یہ اُن کے راہ حق سے بھٹک جانے کی وجہ سے نازل ہورہے ہیں جس دن مسلمانوں نے توبہ کرلی اور اللہ تعالٰی اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کردی اُسے دن اللہ تعالٰی اپنا قول سچ کردیکھائے گا اور مسلمان ہی ساری

دنیا پر غالب آئیں گے ۔ میرے بہت سے دوستوں کو میری رائے سے اس لئے اختلاف ہو سکتا ہے کہ میں نے امریکہ کو بُرا بھلا کیوں نہیں کہا یا گالیاں کیوں نہیں دی ۔ اُن دوستوں کی خدمت میں عرض ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا مسلمانوں کو امریکہ کو بُرا بھلا کہتے سنا ہے لیکن اس عمل سے آج تک نہ تو ہمارے اعمال بہتر ہوئے اور نہ ہی امریکہ کو کچھ فرق پڑا اس لئے مجھے نہیں لگتا کہ امریکہ کو گالیاں دینے سے ہماری زندگی میں کسی قسم کی کوئی آسانی پیدا ہونے کا امکان ہے ۔

6ستمبر 1965اور آج کا پاکستان

آج سے 48برس پہلے ستمبر1965 میں معرکہ حق وباطل ہوا جب نہ صرف فوج بلکہ پوری قوم فوج کے شانہ بشانہ ہو کر لڑی۔پاکستانی قوم وقیادت کو اللہ تعالٰی کی ذات پر یقین کامل اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔جس کی وجہ سے آج تک 6ستمبر 1965 کادن پاکستان کی آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال ہے جب قوم

جدجہد آزادی کے بعد ایک بار پھر اتحاد کی زندہ مثال بنی،جب مکار دشمن کے سامنے قوم اپنی دلیر،محب وطن اور قربانی کے جذبہ سے سرشار افواج کے ساتھ مل کر سیسہ پلائی دیوار بن گئی،جب قوم نے بہادری،شجاعت،عزم ویقین اور ہمت وحوصلے کی نئی داستانیں رقم کی،یوں تو اقوام عالم جنگی معرکوں سے بھری پڑی ہے لیکن 6ستمبر 1965 کی صبح بھارتی افواج نے جب بین الاقوامی اصولوں کے مطابق اعلان جنگ کیے

بغیر دھوکہ بازی کرتے ہوے لاہور باڈر پر حملہ کرکے آگے بڑھنے اور شہر لاہور کو زیر کرنے کوشش کی یہاں تک کے بھارتی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل چودھری نے تو اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ لاہور کے جم خانہ میں جشن منانے والا تھا اور بی بی سی نے بھی کچھ ایسی ہی خبر نشر کی جیسے بھارتی افواج اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو گئی ہو مگر اللہ کی رحمت سے پاکستان کی بہادر مسلح افواج نے مکار اور بزدل دشمن کا سامنا بڑی بہادری

اور عقل مندی سے کیا اور نہایت شجاعت اور دلیری سے اپنی سلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے ایسا آتش وآہن برسایا کہ دشمن کو منہ کی کھانی پڑی اور دھوکے باز دشمن کے سارے ناپاک ارادے خاک میں ملا دیئے۔اس معرکے میں قوم نے ایک لمحہ بھی اپنی افواج کو تنہا نہیں چھوڑا 17 روز تک پاکستانی قوم نے اپنی بہادر افواج کے ساتھ مل کرایک طاقتور دشمن کا سامنا کیا، 6 ستمبر 1965 کی جنگ نے پاکستانی قوم کے عزم کو دشمن کے دل میں ہمیشہ کے لیے امر کردیا اور اقوام عالم پر یہ ثابت کردیا کے ہم ایسی زندہ قوم ہیں جو اپنی پاک سرزمین کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو بند کرنا جانتی ہے ، 6 ستمبر 1965 میں بھی پاکستان میں ایک آمر کی حکومت تھی جسے ساری قوم ناپسند کرتی تھی لیکن جب دشمن نے وار کیا تو ہم سب ایک تھے اور انشااللہ آج بھی ہم ایک ہیں، آج بھی قوم اپنی دلیر افواج کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے کھڑی ہے پاکستان کے جانب اٹھنے والی میلی آنکھ کو نوچ لنے کے لیے بیتاب ہے، لیکن آج پھر وطن عزیز کو بہت سی مشکلات کا سامنا اس لیے ہے کہ دشمن نے ہمارے نااہل حکمران طبقے کو عوام سے دور کرکے اپنی گرفت میں کر رکھا، اور ان کے دل ودماغ میں یہ بٹھا دیا ہے کہ پاکستانی قوم کمزور ہے اور اقتدار صرف ان کو ملے گا جنہیں امریکہ کی حمایت حاصل ہو گی، حکمران اقتدار کے نشے میں گم ہیں، اس حقیقت سے بے خبر کہ اقتدار سدا نہیں رہنے والا لیکن پاکستان اللہ کے فضل وکرم سے قیامت تک قائم رہنے والا ہے، آج سینکڑوں ریمنڈیوس جیسے جاسوس پاک سرزمین پر موجود ہیں اور

آئے روز ڈرون حملے کرکے بے گناہ اور معصوم انسانوں کو مار دیا جاتا ہے، دشمن پاکستان کو توڑنے کی سازش کر رہا ہے اور حکمران عوام کو دھوکے میں رکھنے کے لیے صرف وہی بولتے ہیں جو امریکہ کہتا ہے آئے دن پاکستان کی خودمختاری کو تار تار کیا جاتا ہے اور حکمران کہتے ہیں ،امریکہ نے یقین دہانی کروائی ہے کے پاکستان کی خودمختاری کا خیال رکھا جاے گا، میرے عزیز ہم وطنوں آج بھی 65 کی طرح شدید ضرورت ہے قومی یکجہتی کی ، عوام اور حکمران طبقے کے درمیان اعتماد بحال کرنے کی ،تاکہ ہم مل کر پاکستان کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچا سکیں ،اب باتوں کا وقت نہیں کچھ عملی اقدمات کرنے ہوں گے ہمیں ، جس طرح پاکستانی میڈیا بہت سی مشکلات کے باوجود عوام کو باشعور کرنے میں اپنا قردار ادا کر رہا ہے (میں سلام کرتا ہوں پاکستانی میڈیا کو) اسی طرح سیاستدانوں کو بھی اپنا قردار ادا کرنا ہوگا ،جس طرح ایک صحافی اپنی جان ہتھیلی پر لیے آنسو گیس ، لاٹھی چارج ،اور ،برستی گولیوں کی پروہ کیے بغیر سب سے پہلے اپنے پلیٹ فارم سے خبر ،بریک کرنا چاہتا ہے، ٹھیک اسی طرح سیاست دانوں کو ہوش کے ناخن لیتے ہوے عوام کو سچ بتانے میں پہل کرنی چاہے جو سیاست دان قوم سے سچ بولے گا قوم اس کی عزت کرے گی اور قوم جس کی عزت کرے گی اسے پاکستان پر حکومت کرنے کے لیے امریکہ کہ طرف دیکھنے کی ضروت نہیں پڑھے گی، جب تک حکمران قوم کو ساتھ لے کر نہیں چلیں گے تب تک ہماری مشکلات ،بڑھتی ہی جائیں گی ، آج ہمیں آپسی معاملات کو بہتر سے بہتر بنانے کی اشد ضروت ہے

کیونکہ جب تک ہم چھوٹے چھوٹے ذاتی مفادات کی بجائے قومی و ملکی مفادات کو ترجیح نہیں دیں گے تب تک ہم اپنے وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال نہیں سکیں گے۔ آج وطن عزیز کو بہت سے چیلینجز کا سامنا ہے اس لیے آج پھر ہمیں ماضی کی طرح ہی یکجہتی کی ضرورت ہے اگر ہم مل کر بھارت جیسے طاقتور اور شاطر دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو پھر کیوں ہم سب مل کر کراچی اور بلوچیستان کے معالات کو ٹھیک نہیں کر سکتے ؟جہاں ہم اپنوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں۔ آج ہماری ایک دوسرے سے دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ کوئی سندھی ہے، کوئی اردو بولنے والا ہے، کوئی پٹھان ہے اور کوئی پنجابی ہے۔ میرے نزدیک یہ کوئی ہماری ذاتی دشمنی نہیں بلکہ یہ غیر ملک دشمن عناصر کی ایک چال ہے جس میں چند غیر ملکی اشاروں پر چلنے والے مفاد پرست سیاست دان بھی اپنا کردار کرتے دیکھائی دیتے ہیں، سو ہمیں ضروت دشمنوں کو پہچاننے کی ہے نہ کہ اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے کی، ہمیں مل کر ان ہاتھوں کو کاٹنا ہے ان آنکھوں کو نوچنا ہے جو پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں، ہماری صفوں میں جو دشمن گھس آے ہیں جو غیروں کے اشاروں پر چلتے ہیں اب ہمیں ان سے جان چھوڑانی ہے اور ان کے اشاروں پر ہمیں اپنے ہی بے گناہ بھائیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا چھوڑ کر حکومت وقت کی سنجیدہ کوششوں میں ملک سے دہشتگردی کے خاتمے کیلئے ساتھ دینا چاہیے

عورت ہونا جرم ہے؟

میں آج یہ سوال اس لیے اُٹھا رہا ہوں کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ موجودہ دور میں عورت کو انسان سمجھا جا رہا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر طرف مردوں کی اجارداری قائم ہے ۔عوت تو بس ایک جسم بن کر رہ گئی ہے ۔ عورت کی اس حالت کی ذمہ داری کہیں نہ کہیں عورت پر بھی عائد ہوتی ہے لیکن مرد کا یہ سوچنا کہ وہ عورت کو اپنے پاس سے کچھ دے رہا ہے انتہائی غلط ہے ۔ وہ مرد جو پیدا ہوتے ہی عورت کے سامنے رونے لگتا ہے وہ مرد عورت کو کیا حقوق دے گا ۔ جسے اس دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ مرد جسے اپنی نسل آگے چلانے کے لیے کبھی کبھی ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرد کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ جس نے اسے نو ماہ تک اپنے پیٹ میں پالا ۔ اور پھر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اسے جنم دیا ۔ وہ عورت ہی ہے جو اپنی تمام تر خواہشات کو زندہ دفن کر کے رات دن مرد کی بے لوث خدمت کرتی ہے ۔ جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی فطرت میں شرم وحیاء پیدا فرما کر عورت کو ماں ، بیٹی ، بہن اور بیوی کے رشتے میں مرد کو ایسا تحفہ دیا ہے جس کا کوئی متبادل نہیں اور نہ ہی مرد کا وجود عورت کے وجود کے بغیر باقی رہ سکتا ہے۔ تو افسوس کہ دور قدیم سے دور جدید تک عورت مظلوم ہی رہی ۔ یہ بات سچ ہے کہ عورت

میں بھی کچھ خامیاں ہیں ۔ کیونکہ عورت میری ماں بھی ہے میری بہن بھی ہے اور بیوی بھی ہے اس لیے عورت کی کردار کشی نہیں کروں گا اور نہ ہی عورت کی خامیاں گنواؤں گا۔ میں عورت کی ان خامیوں کا ذمہ دار بھی مرد کو ہی سمجھتا ہوں ۔ کیونکہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے اس لیے معاشرے میں پیدا ہونے والے اچھے یا برے کرداروں کی ذمہ داری بھی مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ لیکن دور جدید میں سب سے بڑا لمحہ فکریہ ، یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی عورت اچھا اور قابل فخر کارنامہ سرانجام دیتی ہے تو اس کا سہرا بھی مرد کے سر ہوتا ہے کیونکہ مرد نے اسے اس کا موقعہ فراہم کیا ہوتا ہے۔ جبکہ ہر ناکامی اور برائی کی ذمہ داری عورت پر ڈال دی جاتی ہے ۔ جو معاشرے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں غرق ہو جاتے وہ بے گناہوں کو ایسی سزائیں دیتے ہیں جو اگر گناہ گاروں کو بھی دی جائیں زیادہ ہوں ۔ وہ معصوم کیا جانے کہ اسے کتنی بڑی سزا ملنے والی ہے جسے ابھی اس دنیا میں آنا ہے ۔ اور ابھی تو اس معصوم نے اپنی ماں کے وجود سے باہر کی دنیا میں چند سانسیں ہی لی تھیں۔ وہ بالکل تندرست اور توانا تھی ۔ ابھی اسے مذہب ، ذات پات ، رنگ و نسل، خاندانوں اور فرقوں کی تقسیم کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ ابھی تو اس نے ہنسنا بھی نہیں سیکھا تھا ابھی رونا آتا تھا اور نہ ہی اسے اپنی جنس کا کچھ علم تھا لیکن اس کی قسمت میں زندہ دفن ہونا لکھا تھا کیونکہ وہ جس دور میں پیدا ہوئی تھی وہ دور جہالت تھا جب بیٹی کو ایک گالی سمجھا جاتا تھا اور اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا ایسے میں

اگر اسے علم ہوتا کہ اس کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جائے گا اور علم کے ساتھ اگر اسے اختیار بھی ہوتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی جنس منتخب کر لے تو شاید وہ کبھی بھی عورت ہونا پسند نہ کرتی اسے کیا پتہ تھا کہ وہ کس زمانے میں پیدا ہو رہی ہے ۔جی قارئین یہ حالات تھے اسلام سے پہلے کے جب عربوں میں بیٹی کو زندہ ہی دفن کر دیا جاتا تھا لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین میں عورت کو وہ مقام دیا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقدار تھی ۔اسلام نے عورت کو نہ صرف جینے کا حق دیا بلکہ دنیا میں پہلی مرتبہ بیٹی کو وراثت کا حقدار بنا کر اسے معاشرے میں با عزت فرد ہونے کا مقام عطا کیا۔ مگر یاد رہے یہ حق صرف اسلام نے دیا اور انسانوں پر اللہ کا احسان ہے ۔ عورت مغرب میں پیدا ہو یا مشرق میں کسی بھی معاشرے نے سوائے اسلام کے عورت کو انسان ہونے کا درجہ نہیں دیا۔ عورت کے وجود سے کائنات کا حسن باقی ہے ۔ عورت ماں بھی ہے ۔ عورت بہن بھی ہے ۔ عورت بیوی بھی ہے اور عورت بیٹی بھی ہے

خواتین کے موضع پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ قلم اٹھاتے ہوئے محسوس ہوتا ہے شاید اب کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن آج اس موضوع پر بات کرنے ،لکھنے ،پڑھنے اور غور و فکر کے ساتھ معاشرے کو مزید تباہی سے بچانے کیلئے عورت کو اُس کا اصل مقام دینا ہوگا۔

ملاوٹ

جسمانی صحت کیلیۓ ضروری ہے کہ انسان جو غذائیں کھائے ،پیئے وہ ناقص ،۔ملاوٹ زدہ ، مضر، جلی ہوئی، کچی ،اتنی باسی کے بدبودار ہوجائیں اور بدذائقہ نہ ہوں بلکہ صاف ستھری ، عمدہ اور جسم کی ضرووت کے مطابق تعداد میں ہوں تاکہ جسم کو پوری توانائی میسر آسکے۔آج انسان جسمانی فٹنس کو برقرار رکھنے کے لئے حد سے زیادہ فکر مند ہے ۔اپنے جسم کو آرام و سکون فراہم کرنے کیلیۓ ہم اپنے روحانی سکون کو تباہ کرچکے ہیں ۔ہروقت جسم کی فکر میں زیادہ کمانے کی کوشش میں ایک دوسرے کو ملاوٹ زدہ اشیاء فروخت کرکے ہم نے جسم و روح دونوں کی صحت کو تارتار کررکھا ہے۔آج معاشرے میں عام پائے جانے والا لالچ، حسد، حرص، تکبر ،زر ،زمین اور دولت کے ساتھ حد سے زیادہ محبت نہ تو جسمانی صحت کیلیۓ اچھا ہے اور نہ ہی روحانی صحت کیلیۓ جبکہ انسان کے جسم و روح کی بہترین غذائیں جن میں ایمان،خلوص ،ایک دوسرے سے محبت ،اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالی کی یاد آج مسلمان معاشرے میں بھی ناپید ہوتی جارہی ہیں ۔اللہ تعالی قرآن قریم میں فرماتا ہے کہ "بلکہ ان کے دلوں پر زنگ ہے ان کے گناہوں کے سبب" نبی کریمؐ کا فرمان عالی شان ہے کہ "جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔پھر جب وہ توبہ استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے لیکن جب وہ پھر گناہ کرتا

رہتا ہے تو وہ سیاہ داغ پھیل کر سارے دل پر چھا جاتا ہے پس یہ ہے زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن قریم میں فرمایا ہے ''ہماری دنیاوی ملاوٹ نے نہ صرف ہمارا دنیاوی سکون و راحت چھین لیا ہے بلکہ اس بے ایمانی نے ہمارے دلوں کو بھی سیاہ داغ بنا دیا ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ جب ہم کسی کھانے پینے کی چیز میں ملاوٹ کرتے ہیں تو اپنے اور دوسروں کے جسم و روح کو بیمار تو کرتے ہی ہیں اُس کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی سے بھی رد کردیئے جاتے ہیں۔یعنی ہماری صرف ایک ملاوٹ جو وقتی طور پر بہت فائدہ مند لگتی ہے سوائے خسارے کے کچھ نہیں۔ میری نظر میں کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے والا بھی بہت بڑا ظالم ہے، کسی شخص پر تشدد کرنے والا ظالم تو صرف ایک فرد پر ظلم کرتا ہے لیکن کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنے والا پورے معاشرے کی رگوں میں زہر گھول دیتا ہے۔ہر ظالم اپنے ظلم کو چھوٹا اور کم تصور کرتا ہے یہی وجہ ہے جو ظالم کے ظلم کو تمام حدود سے تجاوز کرنے پر اکساتی ہے۔ گوالا دودھ میں پانی کی ملاوٹ کرتے وقت اپنے آپ کو مخاطب کرکے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کرنا غلط ہی نہیں بلکہ گناہ بھی ہے،ابھی گوالے کے اندر کا اچھاانسان دودھ میں پانی کی ملاوٹ نہ کرنے کا فیصلہ نہیں کرپاتا کہ اندر کا طاقتورظالم،لالچی

حرص،خبیث شیطان فورا سینکڑوں دلیلوں کے ساتھ حملہ کردیتا ہے۔دودھ میں پانی، نہیں ڈالوگے توجانوروں کا مہنگا چارہ کہاں سے خریدوگے؟گاڑی خراب ہو گئی تو کہاں سے ٹھیک کرواؤگے؟کل مہمان بھی آ سکتے ہیں

اُن کے کھانے پینے کا انتظام بھی تو کرنا ہے ، کل اگر گھر میں کوئی بیمار پڑ گیا تو بھیک مانگ کر علاج کرواؤ گے ؟آنے والے دنوں میں دودھ کی ڈیمانڈ بڑھ جائے گی نئی گائے ، بھینس بھی تو خریدنا ہوگی؟ہاں پرسوں چچا کے بیٹے کو جیل میں ملنے بھی جانا ہے وہاں بھی دو چار ہزار کی ضرورت پڑے گی ؟اس برے انسان کے پاس اس کے علاوہ بھی کئی دلائل ہوتے جو اچھے لیکن کمزور انسان کو زیر کر دیتے ہیں اور وہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کر دیتا ہے بات یہاں ختم نہیں ہوتی جب گوالا دودھ فروخت کرتا ہے تو یہ بُرا انسان پھر سے حملہ آوار ہوتا ہے اور اُسے بتاتا ہے کہ اگر ایک لیٹر دودھ کے پیسے لے کر تھوڑا کم دوگے تو کسٹمر کو پتا بھی نہیں چلے گا اور تجھے اچھا خاصا فائدہ ہو جائے گا۔ قارئین محترم یہ مثال تو میں نے آپ کے سامنے گوالے کے نام سے پیش کی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ آج ہمارے معاشرے میں ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کو ملاوٹ زدہ اشیاء ناپ تول میں بے ایمانی کے بعد فروخت کرتا ہے ،فروٹ والے کی سن لیں وہ اچھے فروٹ کا ریٹ طے کرنے کے بعد بھی اپنے طریقے سے ناقص فروٹ ڈال دیتا ہے ۔ایک سال پہلے میرا ایک بیمار عزیز جناح ہسپتال میں زیر علاج تھا میں اُس کی تیمارداری کیلئے گیا تو مجھے ہسپتال پہنچ کر احساس ہوا کہ کوئی فروٹ ہی لے لوں بیمار کیلئے ، میں ہسپتال کے گیٹ کے پاس موجود فروٹ سٹال پر پہنچا،فروٹ والے سے آلو بخار کا ریٹ پوچھا،اُس نے آلو بخارے کا ریٹ 200 روپے فی کلو بتایا جو عام بازار اور سرکاری ریٹ لسٹ کے مطابق زیادہ تھا،پھر بھی

میں نے اُسے کہا بھائی مجھے 3 کلو آلو بخارہ لینا ہے، میں آپ سے ریٹ بھی کم نہیں کرواؤں گا لیکن آپ مجھے ایک بھی دانہ خراب نہ ڈال کر دینا۔ اُس نے کہا جی ٹھیک ہے، یہ کہہ کر وہ تیزی سے کاغذ کے لفافے میں آلو بخارا ڈالنے لگا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے آدھے سے زیادہ خراب آلو بخارا ڈال دیا، جب میں نے وہ آلو بخارا لینے سے انکار کر دیا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور کہنے لگا جناب یہ تو آپ کو لینا ہی پڑے گا۔ میں نے کہا بھائی میں نے آپ کی مرضی کا ریٹ دیا ہے جو بازار سے کہیں زیادہ بھی ہے پھر بھی آپ وعدے کے مطابق اچھا آلو بخارا دینے کی بجائے آدھے سے زیادہ خراب دے رہے ہیں لہٰذا میں یہ نہیں لوں گا۔ اتنے میں فروٹ فروش نے فون کرکے دو پولیس ملازم بلا لئے جو آتے ہی کافی گرم سرد ہونے لگے میں نے اپنا تعارف کروائے بغیر ساری بات اُن کے گوش گزار دی لیکن فروٹ فروش کے ہمسائے اور حمائتی نکلے اور بولے جناب یہ آلو بخارا لیں اور دکاندار کے پیسے شرافت کے ساتھ ادا کردیں ورنہ آپ کو تھانے لے جا کر بند کر دیا جائے گا۔ میں نے اُن سے کہا جناب آپ مجھے تھانے لے چلیں لیکن میں یہ آلو بخارا نہیں لوں گا، یہ فروٹ فروش سرکاری ریٹ لسٹ سے ڈبل ریٹ میں بھی اچھا فروٹ نہیں دے رہا اور آپ سرکاری ملازم ہو کر اس کی حمایت کر رہے۔ میری بات سن کر ان میں سے ایک نے میری جیب میں ہاتھ ڈالا اور پرس نکال کر چھ سو روپیہ فروٹ فروش کو دینے کے بعد پرس واپس میری جیب میں ڈالتے وقت میرا وزٹنگ کارڈ دیکھ کر بولا ان کو جانتے بھی ہو جن کا وزٹنگ کارڈ

جیب میں لیئے پھرتے ہو؟ غصہ تو مجھے بہت آ رہا تھا لیکن پھر بھی میں ہنس کر کہا جی نہیں ان کو اس لئے نہیں جانتا کیونکہ یہ میرا ہی وزٹنگ کارڈ ہے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ پولیس والے کے پسینے چھوٹ گئے اور مارے گھبراہٹ کے فروٹ فروش کو گالیاں دینے لگا میرے پیسے واپس کئے اور معافی مانگنے لگا۔ قارئین محترم اگر میں باقی کہانی بھی سنانے بیٹھ گیا تو آج کے موضوع ملاوٹ سے دور نکل جاؤں گا۔ ملاوٹ ایک ایسا زہر ہے جو آج ہمارے معاشرے کی رگوں میں سرطان کی مانند پھیل چکا ہے۔ شاید ہی کوئی فرد آج ملاوٹ کی لعنت سے محفوظ رہا ہو۔ ہر فرد اپنی بے ایمانی چھوٹی اور کم تصور کرکے ملاوٹ اور ناپ تول میں بے ایمانی کرنے میں مصروف ہے۔ حکومت ملاوٹ کو روکنے میں ناکام نہیں ہے کیونکہ ناکام تو تب ہوتی جب روکنے کی کوشش کرتی۔ حکومت نے کبھی بھی ملاوٹ کو جرم تصور کیا اور نہ ہی روک تھام کرنے کی کوشش کی۔ شہری انتظامیاں ریٹ لسٹ صرف اپنی فیس وصول کرنے کی غرض سے دکانداروں تک پہنچاتی ہے اس کے علاوہ اُس ریٹ لسٹ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی عوام کو کسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے۔

قیامت آ بھی سکتی تھی

سنا ہے کہ شیطان بدکاری، بے حیائی، فحاشی اور بے غیرتی کو لوگوں کے سامنے لذت آور، پر کشش فعل بنا کر پیش کرتا ہے لیکن آج ہمار معاشرہ شیطان کی درس گاہ معلوم ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ آج کا انسان شیطان کو پیچھے چھوڑ چکا ہے شیطان بھی سوچتا ہوگا کہ آخر اُسے ہی کیوں شیطان کہا جاتا ہے؟ جبکہ دنیا میں اُس کے سینئر بھی موجود ہیں۔ جس میں شیطان بھی شرما جائے یہ ہے اُس آزاد خیال، ترقی یافتہ، باخلاق، باحیاء، خود مختار، تعلیم یافتہ، جمہوری، خوبصورت، خوف سیرت، مسلم معاشرے کا اصل چہرہ جس میں پانچ سالہ معصوم بچی کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنا پڑا ملک میں منتخب جمہوری حکومت بھی ہے، آزاد اور خود مختار عدلیہ بھی موجود ہے، پڑھا لکھا باصلاحیت محکمہ پولیس بھی پوری طرح فعال ہے اور بہت ساری سرکاری و غیر سرکاری انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں معذوروں، بچوں،، بزرگوں اور خاص طور پر عورتوں کے حقوق کے نام پر گلا پھاڑ پھاڑ کر دنیا بھر سے فنڈز اکھٹے کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خلاف اسلام خواتین کے جسم بازار میں باآسانی سستے اور مہنگے داموں سرعام فروخت ہوتے ہیں، شہر، شہر گاؤں گاؤں فحاشی اور جسم فروشی کا دھندہ کرنے والے اڈے گلی محلے کی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ جسم فروش عورتیں

بازاروں میں مردوں کو خود روک کرسستے داموں بدکاری کی دعوت دیتی ہیں پھر بھی اس معاشرے کے مرد نے صرف پانچ سالہ معصوم کو جنسی زیادتی کا نشانہ بناڈالا اور اسلامی معاشرے میں کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی کہیں کوئی زلزلہ نہیں آیا اور نہ ہی کسی حکمران کو شرم آئی کہ وہ اس بے غیرتی کو اپنی نااہلی تصور کرتے ہوئے کرسی اقتدار سے الگ ہوجائے۔کیا یہی ہے پڑھا لکھا پنجاب جس کے دارالحکومت لاہور کے لوگ اس قدر پڑھے لکھے،باشعور ہیں کہ آسانی سے جسم دستیاب ہونے کے باوجود ایک معصوم جس کو ابھی اپنی جنس کا بھی علم نہیں جنسی زیادتی کا نشانہ بناڈالا ؟کیا یہی ہے وہ مسلم معاشرہ جسے قائم کرنے کیلئے برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوؤں اور انگریزوں سے آزادی مانگی تھی ؟کیا یہی ہے وہ پاکستان جس کا خواب مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا؟کیا یہی ہے وہ پاکستان جس کے حصول کے لئے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنی زندگی صرف کردی تھی ؟کیا یہی ہے وہ پاکستان جس کی ہزاروں بیٹیوں نے دشمنوں کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے موت کو گلے لگانا بہتر سمجھا تھا۔ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی کے باوجود جن مسلمانوں میں غیرت وحیاء زندہ تھی کہاں ہیں آج وہ مسلمان ؟پاکستانی قوم سے معذرت کے ساتھ کہ اگر میری قوم کی بیٹیوں کے ساتھ یہی سلوک ہونا تھا تو پھر ہندوؤں یا انگریزوں کی غلامی میں ہوتا تو آج اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا آزاد خودمختار اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شہری بن کر ہورہا ہے،مسلم قوانین ،مسلم حکمران، مذہبی،

تنظیموں کی ٹھاٹھ باٹھ کے باوجود معاشرے میں بے حیائی ،بدکاری اس قدر عروج حاصل کر گئی کہ صرف پانچ سالہ معصوم کو اپنی مردانگی دیکھا دی بے حیاء ، لعنتی معاشرے کے جہنمی افراد نے اسلامی احکامات کی پیروی، قوم کی بیٹیو ں کی آبرو کا تحفظ مسلمانوں کی معاشی ترقی اور خوشحالی ،آزاد، خود مختار اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی، بسر کرنے کی غرض سے.برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لئے آزاد ریاست (پاکستان)کے لئے جدوجہد کی تھی ۔افسوس کہ آج مسلمانوں کے آزاد ملک میں نہ تو اسلامی تعلیمات کا کہیں وجود نظر آتا ہے ،نہ قوم کی بیٹیوں کی عزت محفوظ ہے اور نہ ہی اسلامی احکامات کی پیروی کی کوئی مثال باقی ہے۔ہمیں جس ہندو اور انگریز بے حیاء کلچر سے اپنی آنے والے نسلوں کو بچا کر ایک خوبصورت ،خوب سیر ت اسلامی تہذیب و تمدن کے مطابق معاشرہ تشکیل دینا تھاہم آج اگر ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھیں جب غلامی ہمارا مقدر تھی تو اسکے مقابلہ میں ہم آج بھی اُسی بے حیاء کلچر کے دل دادا ہیں ۔جب تک گھر، دفتر،گاڑی میں ناچ گانا نہ ہو ہمیں سکون نہیں ملتا۔قارئین آج آپ کو بھی محترم کہنے، کو دل نہیں کرتا۔میں اورآپ کیوں اور کہاں کے محترم ہیں ؟بے حیاء ،بے غیرت بے شرم ،بد کردار،بدکار معاشرے کا خوبصور ت حصہ ہو کر ہم کس طرح محترم ہو سکتے، ہیں ؟مسلمان ہو کر جو دشمنوں کی بیٹیوں کا بھی احترام کیا کرتے ہیں اپنی قوم کی بیٹیو ں کی عصمت کو نوچ رہے ہیں اپنے بیٹوں کی ایسی تربیت کرنے کے بعد بھی ہم محترم ہیں تو پھر ایسا محترم ہونے سے موت اچھی۔ کیا ہوا اگر

آج جس معصوم کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ میری یا آپ کی بیٹی نہیں ؟کیا ہوا اگر آج ہمارے دل خون کے آنسو نہیں رو رہے ؟کیا ہوا جو آج ہمارے گھر میں صرف پانچ سالہ بیٹی کی عصمت لُٹ جانے کا ماتم نہیں ؟اگر ہمارا رویہ یہی رہا تو اللہ نہ کرنے وہ وقت دور نہیں جب ہمارے گھر میں بھی ایسا ہی ماتم ہو سکتا ہے ،ہو سکتا ہے میں یا آپ ایسا صدمہ برداشت نہ کر سکیں اور خود کشی کر لیں ۔ویسے بھی ایسے بے ضمیر ،بدکار،بد کردار،بے حیاء معاشرے میں زندہ رہنے کو کسی غیرت مند کا دل نہیں چاہے گا۔چیف جسٹس صاحب نے مغلپورہ لاہور میں پانچ سالہ بچی کے ساتھ جنسی زیادتی پر از خود نوٹس لے لیا ہے۔ہونہار ایس پی عمر ورک اس مقدمہ کی تفتیش کر رہے ہیں جو یقینا مجرموں کو جلد گرفتار کر لیں گے ۔ ممکن ہے عدالت مجرموں کو سزائے موت سنا دے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کراچی میں قتل ہونے والے شاہ زیب کے والدین کی طرح مجبور ہو کر کل سُنبل کے والدین بھی اپنی معصوم بچی کو جنسی درندگی کا نشانہ بنانے والوں کو اللہ کی راہ میں معاف نہیں کریں گے ؟کیا اسی کو انصاف کہتے ہیں کہ عدالت مجرموں کو سزائیں سنائے اور اُن کے ورثا مقتولین کے والدین اور بہن بھائیوں کو بھی قتل کرنے کی دھمکیاں دے کر مجرموں کے لئے معافی کا انتظام کر لیں ؟سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کار حکمران کس چیز پر حکمرانی کر رہے ہیں ؟عدالتیں کس کے ساتھ انصاف کر رہی ہیں ؟کیا حکمران صرف ملکی وسائل پر حکومت کر رہے ہیں ؟کیا عوام کے جان ومال ۔عزت و آبرو کی حفاظت کرنا،غیرت مند ،باحیاء معاشرہ تشکیل دینا حکمرانوں کی ذمہ

داری نہیں ؟کیا ایسے سفاک درندہ صفت لوگوں کو سرِ عام گولی نہیں مار دینی چاہئے جو جسموں کے بازار میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود پانچ سالہ معصوم کو اپنی حوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ شرم آرہی ہے مجھے کہ میں اُس معاشرے کا حصہ ہوں جس کی معصوم بیٹی کو جنسی درندگی کا نشانہ بنانے والے ابھی زندہ ہیں اور معاشرے کا ہر فرد اپنی ہی لگن میں مگن ہے۔ کسی سیاسی جماعت کے کارکن ، کسی بڑے خاندان کے فرد یا پھر کسی حکمران کے رشتہ دار کو کوئی تکلیف پہنچی ہوتی تو شہر کے شہر بند کر دیئے جاتے لیکن کسی غریب کی معصوم بیٹی کی عصمت لُٹ جانے پر کوئی قیامت نہیں آتی۔ اگر سُنبل کسی میاں، رانا، زرداری، خان، مگسی، چودھری، عباسی، مخدوم، بھٹو، شریف، چٹھہ، بھائی، یا کسی اور بڑے، دولت مند خاندان کی بیٹی ہوتی تو قیامت آ بھی سکتی تھی لیکن افسوس کے غریب اپنی عصمت لُٹ جانے پر بھی آواز بلند نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا وزیر اعلیٰ پنجاب متاثرہ بچی کے گھر جاکر فوٹو سیشن کرلیں گے ، دو چار لاکھ روپے امداد کا اعلان کردیں گے جو شاید صرف اعلان ہی رہ جائے گا، میڈیا کو گرما گرم خبروں اور نااہل ، جاہل، نام نہاد، بے حس ، شہرت کے لالچی، شاہ کا قصیدہ لکھنے والے کالم نگاروں کو اپنا اپنا تجزیہ پیش کرنے کے لئے نیا مواد حاصل ہوجائے گا اور پھر کسی دوسرے اہم موضوع کے سر اُٹھانے پر یہ معاملہ پس پشت چلاجائے گا۔ چیف جسٹس صاحب مجرموں کو سزائے موت سنا دیں اور اُس پر عمل بھی ہو جائے تب بھی ایسے واقعات رُکتے نظر نہیں آتے۔ جب تک معاشرے میں پھیلی بے حیائی ، فحاشی ، جسم فروشی اور دیگر بے غیرتی والے

معاملات کی روک تھام نہیں ہوگی تب تک حوا کی بیٹی اسی طرح بے آبرو ہوتی رہے گی ۔کتنا خوبصورت (خوف صورت) ہے ہمارا آزاد خیال جمہوری معاشرہ جس میں کہیں تو حوا کی بیٹی اپنے بوڑھے والدین کے کندھوں سے اپنے جہیز کا بوجھ کم کرنے، کہیں اپنے یتیم بہن بھائیوں یا اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ناچاہتے ہوئے بھی اپنی مرضی سے اپنی عصمت کا سودا کرتی ہے تو کہیں اُس کے جسم کو مفت میں اُس کی مرضی کے بغیر نوچ لیا جاتا ہے یعنی آج حوا کی بیٹی ہونا دنیا کا سب سے بڑا جرم بن چکا ہے۔کیا یہ وہی معاشرہ نہیں ہے جس میں والدین اپنی بیٹی کی عصمت لُٹ جانے کے ڈر سے بیٹی پیدا ہوتے ہی اُس کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے ؟کون سے والدین ہونگے جو مغلپورہ میں ہونے والی درندگی کے بعد بیٹی کو جنم دیناچاہیں گے ؟لعنت ہے ایسے معاشرے پر، لعنت ہے ایسے عوام پر اور لعنت ہے ایسے حکمرانوں پر جو اپنی بیٹیوں کی آبرو کا تحفظ نہیں کرسکتے اور لعنت ہے ایسے نظام پر جس میں صرف امیر کو انسان ہونے کا حق حاصل ہو۔لعنت ہے ایسے قانون اور ایسے انصاف پر جو مجرم کو صرف سزا سناتا ہے دیتا نہیں ۔لعنت ہے ایسی تہذیب پر جو انسان کو حیوان بناتی ہے، لعنت ہو ایسی تعلیم وتربیت پر جسے حاصل کرنے والے جاہل ہی رہ جائیں۔لعنت ہے ایسے انسان نما حیوان پر جس کی حرکات دیکھ کر شیطان بھی شرما جائے ۔

مہنگائی کا عذاب

تنقید اپنی جگہ لیکن بہتری کی طرف اُٹھنے والے اقدامات پر حکومت کی اچھی الفاظ میں حوصلہ افزائی ہوتی رہنی چاہئے ۔وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کو ترکی کے سب سے بڑے سول ایوارڈ تمغہ جمہوریت سے نوازا گیا ہے جو ہمارے لئے ایک بہت بڑا عزاز ہے۔ترکی کی طرف سے ملنے والا ایوارڈ میاں نواز شریف کی پاکستان میں جمہوریت کیلئے بحالی کی سنجیدہ کوششوں اور خدمات کا اعتراف ہے ۔راقم کی طرف سے وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف اور پوری قوم کو ترکی کا سب سے بڑا سول ایوارڈ تمغہ جمہوریت بہت بہت مبارک ہو۔اب بات کرتے ہیں آج کے موضوع پر۔اسٹیٹ بینک کی طرف سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ حکومت نے ڈھائی ماہ میں 547 ارب روپے قرض لیا۔اس عرصے میں مہنگائی کی سطح 3 فیصد بلند ہوئی اور آنے والے دنوں میں مہنگائی میں مزید اضافہ ہوگا۔ قارئین ذرہ غور کیجئے گا اسٹیٹ بینک کا کہنا ہے کہ لگتا ہے نئی حکومت معاشی اصلاحات کررہی ہے لیکن بامعنی ٹیکس اصلاحات کا اب بھی فقدان ہے ۔گورنر اسٹیٹ بینک نے جب حکومت کی طرف سے معاشی اصلاحات کئے جانے کا ذکر کیا تب لگتا ہے۔کہ یہ کہہ کر بے یقینی کا اظہار کردیا ہے اور جہاں مہنگائی میں مزید اضافے اور بامعنی ٹیکس اصلاحات کی بات کی وہاں صاف صاف لفظوں میں بیان کردیا کہ مہنگائی مزید بڑھے گی اور حکومت

بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود ابھی تک بامعنی ٹیکس اصلاحات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کوئی سمجھے نہ سمجھے بات سادہ سی ہے کہ حکومت آنے والے دنوں میں غریب عوام کو مہنگائی کے مزید تحفے دینے کی تیاری کر رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وسائل سے مالامال ملک میں عوام کے حصے میں صرف مسائل ہی کیوں آ رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے جو دنیا کے امیر ترین خطے (پاکستان جہاں سال میں چار موسم، دریا، سمندر، پہاڑ، سرسبز میدان، سونا اگلتی زرخیز زمینیں، قدرتی گیس، کوئلہ، تیل، نمک، سونے کے ذخار کے علاوہ دیگر وسائل موجود ہیں) پر بسنے والی مخلوق غریب اور کمزور ہے؟ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا میں خُدا کی پناہ مانگتا ہوں 5 چیزوں سے کہ تم ان کو پاؤ۔ جب کسی قوم میں فحاشی، شراب نوشی، بدکاری، ناچ گانا وغیرہ اعلانیہ ہوں گے تو وہ طاعون یعنی ایسی بیماریوں اور وباؤں میں مبتلا ہوگی جو ان سے پہلے لوگوں میں کبھی نہیں ہوئی ہوں گی، جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے گی تو قحط، مصیبت اور حاکم کا ظلم ہوگا، یعنی جو قوم تجارتی بدعنوانیوں میں ملوث ہوگی اُس پر مصائب نازل ہوں گے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی تو اللہ تعالیٰ ان پر باران رحمت روک دیتا ہے، اگر روح زمین پر جانور نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ برستی، جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسولؐ سے عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیر قوم سے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیتا ہے جو ان کے مال (یعنی دولت، تجارت اور زراعت وغیرہ) کو زبردستی چھین لیتے ہیں۔ جب مسلمان حاکم اللہ کی کتاب (قرآن کریم) پر عمل نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس

کو اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں لڑائی (جس کو ہم آج کل خانہ جنگی کہتے ہیں) کرا دیتا ہے ''رسول اکرمؐ نے جن چیزوں سے پناہ مانگی ہم بڑی خوش دلی کے ساتھ نہ صرف ان کو اپنا چکے ہیں بلکہ بڑی دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔ فحاشی، ناچ گانا، بدکاری اور بے حیائی اعلانیہ کی تمام حدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ ناپ تول میں کمی ہم اپنا فرض سمجھ کے کرتے ہیں۔ جہاں تک بات ہے زکوٰۃ کی تو وہ حلال مال پر دی جاتی ہے۔ جو ناپ تول میں کمی، بے ایمانی، بدکاری اور بے حیائی کے راستے پر چل کر مال و دولت کماتا ہو راقم کے خیال میں اُس کا زکوٰۃ دینا نہ دینا ایک برابر ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ عہد شکنی تو ہم ہرگز نہیں کرتے کیونکہ یہ کام ہمارے بڑے کر چکے ہیں، جس عہد کو ہمارے بڑوں نے توڑ دیا اُس کے ہم کس طرح پابند ہو سکتے ہیں۔ جو قوم اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ کے ساتھ عہد شکنی کرے، اللہ تعالیٰ کے سختی سے منع فرمانے کے بعد فحاشی، بدکاری، شراب نوشی، ناچ گانا، ناپ تول میں کمی اور زکوٰۃ ادا نہ کرے اُسے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) پر عمل کرنے والے حکمران کہاں سے نصیب ہو سکتے ہیں؟ گناہوں کی دلدل میں گری قوم دہشتگردی، ناانصافی، مہنگائی، کرپشن، بدعنوانی، بدامنی اور دیگر مسائل پر احتجاج کرے، خودکشیاں کرے، حکمرانوں کو بُرا بھلا کہے یا طاقتور دشمن ملک کو گالیاں دے اُس کے حالات زندگی تب تک نہیں سنور سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کر کے گناہوں سے جان چھڑا نہیں لیتی۔ مہنگائی کے عذاب سے

نکلنے کے لئے ہمیں اصل رازق کی بارگاہ سے اپنے لئے حلال رزق مانگنا اور پھر اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق محنت کرنا ہوگی۔ گورنر اسٹیٹ بینک نے یہ سارا بیاں سود کی شرح میں 0.5 فیصد اضافے کے اعلان کے ساتھ دیا۔ سود جو اُوپر بیان کردہ حدیث مبارکہ میں درج گناہوں سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ نے سود کا لین دین کرنے والوں کے ساتھ اعلان جنگ کر رکھا ہے اور ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری دن بدن سود کی لعنت میں لت پت ہوتے جا رہے ہیں۔ حکومت نے آئی ایم ایف سے سود پر مزید قرض لے لیا اور قومی اسمبلی میں سودی نظام کے خاتمے کیلئے قراداد بھی منظور کرلی گئی۔ ایسی کئی قراردادیں مسئلہ کشمیر، ڈرون حملوں کیخلاف، کراچی اور بلوچستان میں امن و امان کی بحالی کے معاملوں پر بھی منظور ہوچکی ہیں جن کا سالوں گزر جانے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ پھر بھی نااُمیدی اور مایوسی گناہ ہے اس لئے میں پوری قومی اسمبلی کو سودی نظام کے خلاف قرارداد منظور کرنے پر سلام پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہم بہت جلد سودی نظام جس کو دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول حضرت محمدؐ کے خلاف جنگ کہا جاسکتا ہے سے جان چھڑا لیں گے۔

جنت سے کم نہیں

شاعر کہتا ہے کہ دنیا کسی کے پیار میں جنت سے کم نہیں ،اک دلربا ہے دل میں جو حوروں سے کم نہیں"اگر محب کی محبت اتنی گہری ہو سکتی ہے کہ اُسے اس دنیا کی عورت جنت کی حوروں سے زیادہ حسین نظر آنے لگے اور وہ اس کی محبت میں دنیا کو جنت تصور کر سکتا ہے تو پھر اُس خالق حقیقی کی محبت کا عالم کیا ہوگا ؟جس نے خوبصورت محب، محبوب ،دنیا، جنت اور اس میں حوریں تخلیق فرمائی ہیں؟لیکن یہ ممکن نہیں کہ انسان دنیا اور جنت سے محبت کرکے اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل کر سکے ۔اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تمام محبتوں سے زیادہ محبت اللہ تعالٰی کے ساتھ ہونا لازم و ملزوم ہے ۔انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے یہ ممکن نہیں کہ گندم کی فصل بو کر آم کے پھل توڑے جائیں اور انگوروں کی بیل اگا کر کھجور حاصل ہو سکے۔ ظلم وزیادتی اور حد سے تجاوز کرنے والی قوموں پر اللہ تعالٰی کا عذاب نازل ہونا لازم ہو جاتا ہے ۔آج ہم اپنے اعمال درست کرنے کی بجائے دوسروں کو الزام دے کر اپنے لئے راہ نجات تلاش کر رہے ہیں ۔زلزلے کی صورت میں بار بار نازل ہونے والا عذاب الٰہی ہمیں خبردار کر رہاہے کہ اب بھی وقت ہے سمجھ جاؤ ڈرو اس بڑے عذاب سے جو ظالموں پر نازل کیا جانے والا ہے ۔آواران میں زلزلے سے ہونے والی تباہی ہمیں چیخ چیخ کر کہہ

رہی ہے کہ پوری قوم گناہوں کی بخشش مانگے اور توبہ کرے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے ''اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں'' (البقرۃ: ۴) مسلمان کا روزِ آخرت پر یقین ہونا لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اُس دن کی تیاری کیلئے دنیا میں کچھ وقت کی مہلت دے رکھی ہے۔جو لوگ اسی دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور دن رات حتیٰ کہ ساری زندگی دنیا کی طلب میں گزار دیتے ہیں،آخرت کے دن کی کوئی تیاری نہیں کرتے جس دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سجے گی اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔اُس دن ایسے لوگوں کے حصے میں صرف خسارہ آئے گا۔اور وہ سوائے پچھتانے کے کچھ نہ کر سکیں گے۔اسلام سے پہلے کسی مذہب میں بھی آخرت کا تصور نہ تھا جس کی وجہ انسان اپنی زندگی کی قدر و قیمت سمجھے بغیر غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔عرب لوگ آخرت کے قائل نہ تھے چنانچہ جب سرکار دو عالم حضرت محمدؐ آخرت کے بارے میں بات کرتے اور ان سے فرماتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو وہ چونک جاتے اور تعجب سے سوال کرتے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیاں پھر سے زندہ ہو جائیں؟اگر آج کا مسلمان بھی دنیا کی حد سے زیادہ طلب میں تصور کر لے کہ جو وہ بسر کر رہا ہے وہی مکمل اور آخری زندگی ہے تو اُسے ظالم بننے سے کوئی نہیں روک سکتا،حرص و لالچ کا اس قدر پجاری ہو جائے گا کہ ساری کائنات کا رزق اپنے گھر میں جمع کرنے کی خواہش کرے گا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے اندر

موجود ہر طرح کی نعمتیں بھی اُسی کی ہیں جسے چاہے جتنا چاہے عطا کردے اور عطا کرنے کے بعد پھر واپس لے لے۔ انسان اس دنیا میں کتنی ہی زیادہ دولت، اُولاد، زر، زمین اور جائیداد کا مالک بن جائے اُسے ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ یوں ایک دن اللہ تعالٰی اپنے زمین جائیداد سے انسان کو بے دخل کردیتے ہیں لیکن جن لوگوں کے پاس اچھے اعمال ہوں گے اُنہیں اللہ تعالٰی اس دنیا کے مال ودولت سے بہتر عطا فرمائے گا، یہ وہی خوش نصیب لوگ ہوں گے جنہیں آخرت کا یقین ہوا اور انہوں نے دنیا کی زندگی کو عارضی سمجھ کر روز آخرت کی تیاری کی ہوگی۔ کیونکہ روز حشر یعنی قیامت زیادہ دور نہیں جسے ہم بہت طویل سمجھ رہے ہیں درحقیقت وہ زندگی بہت مختصر ہے وہ دن دور نہیں جس دن اللہ تعالٰی تمام عالم اور اس میں بسنے والی مخلوقات کو مٹا دے گا اور پھر سب کو ایک دوسری زندگی بخشے گا اور اس دن سب اللہ تعالٰی کے سامنے حاضر ہوں گے۔ لوگوں نے جو کچھ دنیاوی زندگی میں کیا ہوگا اس کا پورا اعمال نامہ اللہ تعالٰی کی عدالت میں پیش ہوگا۔ ہر فرد کے اچھے اور بُرے اعمال کا وزن کیا جائے گا، اچھے اعمال والوں کو اجر عظیم اور جنت کا انعام ملے گا اور بُرے اعمال والوں کو سزا دی جائے گی۔ بس ہمیں آج اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں صرف دنیا چاہئے یا دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں اللہ تعالٰی کا انعام بھی چاہئے؟ اگر ہم اپنی موجودہ زندگی پر غور کریں تو صاف صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہمیں جو مصائب اور مشکلات درپیش ہیں وہ تمام ماضی میں اللہ تعالٰی کی نافرمان اور حد سے

تجاوز کرنے والی ظالم قوموں پر نازل ہو چکے ہیں ۔ہم سمجھ رہے ہیں کہ دہشگردی
بدامنی، ناانصافی، مہنگائی ،لوڈشیڈنگ ،بے روزگاری ،بیماریوں کی یلغار، سیلاب جیسے،
مصائب ہمارا ہمسایہ ملک بھارت یا امریکہ یا کوئی دشمن ملک پیدا کر رہا ہے تو پھر سوال یہ
پیدا ہوتا ہے کہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟مان لیا کہ بھارت نے دریاؤں میں اضافی پانی
چھوڑ کر پاکستان میں سیلابی ریلے بھیجے ،مان لیا کہ دہشتگردی میں ڈرون حملوں کی وجہ
سے شدت آئی، یہ بھی مان لیا کہ دہشتگرد جو بارود استعمال کر رہے ہیں
اسرائیل، بھارت یا امریکہ سے آتا ہے لیکن زلزلے تو بھارت ،اسرائیل یا امریکہ نہیں
پیدا کرتے ۔دوسروں کو الزام دینے سے ہمارے اعمال درست نہیں ہونگے جن کی وجہ
سے آج ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہیں۔ہمیں مصائب
اور مشکلات سے نجات حاصل کرنے کیلئے اپنے گزشتہ گناہوں کی مافی مانگ کر آئندہ
کیلئے توبہ کرنی ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ ان کو
ہر گز عذاب نہیں دے گا اگر وہ گناہوں سے بخشش مانگتے رہیں ‘‘ (انفال: ۳۳)البتہ ہم
نے ان کو عذاب میں پکڑا مگر وہ لوگ نہ تو اپنے رب کے سامنے گڑگڑائے اور نہ ہی
عاجزی کی یہاں تک جب ہم سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ حیرت زدہ
ہو جائیں گے (المومنون: ۷۷،۷۶) ’’ڈرو ایسے فتنے سے جو صرف جو تم میں ظالم ہیں تک
محدود نہیں رہے گا بلکہ دوسرے (نیک لوگ) بھی اس میں مبتلا ہو جائیں گے اور یقین
کرلو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ‘‘ایک جگہ اور ارشاد ہوا کہ ’’پس اگر وہ (یونس
علیہ السلام) تسبیح

کرنے والے نہ ہوتے تویقیناوہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے (الصفات :
اگر اللہ تعالیٰ کے نبی بخشش مانگے بغیر مشکلات سے نہیں نکل سکتے تو پھر آج ہم '(۱۴۴
مسلمان کس بات کا انتظار کر رہے ہیں ؟ کیوں ہم اپنے گناہوں کی بخشش نہیں
مانگتے ؟ کیوں ہم اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو کر مصائب، مشکلات اور عذابوں سے
نجات طلب نہیں کرتے ؟ کیوں ہم نے آخرت کی خوبصورت زندگی کو بھلادیا؟ کیوں ہم
دنیاکے لالچ میں اس قدر اندھے ہوچکے ہیں کہ اپنا آپ ہی نظر نہیں آرہا؟آخر کیوں ہم
اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ اور پہچان کر بھی گناہوں سے توبہ نہیں کررہے؟آئیں اپنے
رب کے حضور توبہ کریں ،اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں ،نازل ہوچکے
مصائب، مشکلات اورعذابوں سے نجات طلب کریں ،آئیں ہم چھوٹے بڑے تمام طرح
کے ظلم کو روک دیں ۔آئیں ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐکے احکامات کے مطابق زندگی
بسر کرکے دنیاوآخرت کاانعام حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔یہ دنیا خسارے کی جگہ
ہے لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے فرمانبردار بندے بن جائیں تو یہ
خسارے کی جگہ بھی جنت سے کم نہیں ۔

علماء کی اپیل اور مہنگائی کا نیا طوفان

گزشتہ روز اخبارات میں علماء اکرام کی طرف سے ایک بہت فکر مندانہ بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے کہا کہ اللہ ،رسول کے نام پر جنگ بند کریں علماء کی حکومت اور طالبان سے اپیل۔ملک کے نامور علماء کے اجلاس میں وفاق المدارس کے رئیس مولانا سلیم اللہ خاں، مفتی رفیع عثمانی، مفتی تقی عثمانی ، مولانا عبدالرزاق ، مولانا شیر علی ، مفتی مختار الدین ، مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی منصور اور مولانا حسن شریک ہوئے ،اجلاس کے اختتام پر جاری ہونے والے مشترکہ بیان میں ملک کے مختلف حصوں میں پیش آنے والے پے درپے دہشتگردی کے واقعات پر گہری تشویش اور بے گناہوں کے قتل عام پر افسوس اور متاثرین کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا گیا، علماء اکرام نے حکومت اور طالبان سے اپیل کی کہ اللہ ،رسول کے نام پر فوری طور پر جنگ بند کردیں اور جب تک مذاکرات کسی نتیجے پر نہ پہنچ جائیں اس وقت تک ہر قسم کی مسلح کارروائیوں سے مکمل گریز کیا جائے۔قارئین راقم علماء اسلام کا دل وجان سے احترام کرتا ہے لیکن ذہن میں اُٹھنے والے بہت سے سوالات میں سے ایک سوال علماء اکرام کی خدمت میں پیش کرنیکی جسارت کئے بغیر رہا نہیں جارہا۔(س) آج مارنے والا بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا ہے اور مرنے والا بھی آخری وقت میں کلمہ طیبہ کا ورد

کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو علماء یہ بتائیں کہ انہوں نے مسلم معاشرے کی کس قسم کی تعلیم و تربیت کی ہے ؟کچھ سوالات اپنے قارئین کی خدمت میں (س) کیا علماء اپنا فرض پوری طرح ادا کر رہے ہیں ؟اگر علماء نے اپنافرض پوری طرح ادا کیا ہوتا تو آج اللہ اکبر کا نعرہ لگانے والا بے گناہ معصوم لوگوں کو جو اُسی اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں جس کا نعرہ وہ بھی لگاتا ہے قتل کر سکتا تھا؟کیا علماء کا حکومت اور طالبان سے اللہ،رسول کے نام جنگ بندی کی اپیل کرنا درست ہے ؟چاہئے تو یہ تھا کہ علماء حق کو حق کہتے اور ناحق کو ناحق ،جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے اُس کا ساتھ دیتے اور دوسرے گروپ کو صاف صاف وارننگ دیتے کہ اگر وہ اپنی دہشتگردانہ کارروائیوں سے باز نہ آیا تو اللہ ،رسول کے نام پر اُس کے خلاف جنگ کی جائے گی اور جب تک زندہ رہیں گے اللہ ،رسول کے حکم کے مطابق دہشتگردوں کے خلاف لڑیں گے ۔جو لوگ اللہ ،رسول کے احکامات کو نہیں مانتے وہ اللہ ،رسول کے نام پر کی گئی اپیل کو کیا سمجھیں گے ؟بڑی معروف نعت رسولؐ کا شعر ہے کہ ''تیرا کھاؤاں تے تیرے گیت گاواں یا رسول اللہ''جو اللہ سے مانگتے ہیں وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے گیت گاتے ہیں اور جو غیروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ غیروں کے گیت گاتے ہیں ۔اس لحاظ سے اگر حکومت اور دہشتگردوں سے امریکہ کے نام پر اپیل کی جاتی تو شاید بہتر نتائج برآمد ہوتے۔سودی نظام کے تحت مسلم ریاست کو چلانے کی کوشش کرنے والوں اور

اُن کے ساتھ ذاتیات کی جنگ لڑنے والوں،اللہ تعالٰی جو رازق حق ہے کو چھوڑ امریکہ اور آئی ایم ایف کے سامنے ہاتھ پھیلانے والوں سے اللہ ،رسول کے نام پر جنگ بندی کی اپیل کیا اثر کرتی ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اُن پر کوئی اثر ہوگا۔آئی ایم ایف کا ہر حکم ماننے والے اگر اللہ تعالٰی کے احکامات پر بھی تھوڑا سا غور و فکر کرلیں تو حالات بہتری کی طرف جانے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔جس دن علماء نے حکومت اور طالبان سے اللہ ،رسول کے نام پر جنگ بندی کی اپیل کی اُسی دن آئی ایم ایف کی خوشنودی حاصل کرنے اور پوری طرح غلامی ثابت کرنے کیلئے حکومت نے عوام پر مہنگائی کا نیا ایٹم بم گرا دیا ہے۔آئی ایم ایف کے حکم پر بجلی پر دی جانے والی سبسڈی ختم، بجلی 40 سے 100 فیصد مہنگی کرنے کا نوٹیفکیشن جاری۔پاکستان میں باہر سے دہشتگردی پھیلائی جارہی ہے: وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف۔دیکھنے اور پڑھنے میں دونوں خبریں الگ الگ ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے بھی اسی دہشتگردی کا ذکر کیا ہے جو آئی ایم ایف کے حکم پر آئے روز بجلی اور پیٹرولیم مصنوعات کے نرخ بڑھا کر عوام پر مسلط کی جاری ہے۔ 200 یونٹ تک بجلی استعمال کرنے والے صارفین کو بجلی کے ریٹ بڑھنے سے فرق نہیں پڑے گا کیونکہ تازہ نوٹیفکیشن کے مطابق نیا ٹیکا 200 یونٹ سے زیادہ بجلی استعمال کرنے والے صارفین کو لگے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ 50 سے 60 یونٹ بجلی استعمال کرنے والے صارفین بھی شدید ترین مہنگائی کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔کسی

محلے کی دکان پر لگے بجلی کمرشل میٹر پر 50 سے 60 یونٹ چلنا انتہائی معمولی سی بات ہے ۔ محلے کے غریب دکان دار پر مختلف قسم کے ٹیکس عائد کر کے حکومت اُس کی آمدنی سے کہیں زیادہ وصولی کر رہی ہے۔ غریب لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کے آخر آئی ایم ایف سے حاصل ہونے والے نئے اور پرانے قرضوں سے اُنھیں کیا فوائد ہوئے ؟ حکمران امیر سے امیر تر اور غریب عوام غریب تر ہو چکے ہیں ایسے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئی ایم ایف سے لیا جانے والا قرض اور دنیا بھر سے عوام کے نام پر لی جانے والی امداد جسے خیرات کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کس کے کام آئے ؟ غریب عوام کے یا حکمران طبقے کے ؟ بڑے بزرگوں کا کہنا ہے کہ چو لھے والے پنڈ پرالیوں نظر آ جاندے نے۔ اگر حکومتی طبقے کے گھروں کے باہر پرالی کے ڈھیروں پر نظر کی جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ تمام قرض اور امداد غریب عوام کی بجائے امیر سے امیر تر حکمران طبقے کے حصے میں آئی اور غریب عوام کے حصے میں آیا آئی ایم ایف سے لئے گئے قرضوں کے سود کی قسطیں ادا کرنا اور امداد دینے والوں کے ڈرون حملوں میں مرنا یا مہنگائی، دہشتگردی، بے روزگاری، ناانصافی اور بھوک سے سسک سسک کر خود کشی کرنا ہی غریب عوام کا مقدر ٹھہرا۔ دہشتگردی اور مہنگائی نے حکمرانوں کے ساتھ مل کر پاکستان کے غریب عوام کی کمر توڑ دی ہے۔

کاش میں بھی بکرا ہوتا

تنگی حالات نے سوچنے پر مجبور کردیا کہ اس سال قربانی نہ کی جائے لیکن مولوی صاحب کے بیان نے قربانی ابراہیم علیہ سلام کی یاد تازہ کی تو دل سے آواز آئی کہ اگر سارا سال تیرے معاملات چل سکتے ہیں تو پھر سنت ابراہیمی کیوں پوری نہیں ہو سکتی ؟ بچوں کی عیدی، کپڑے جوتوں کا بجٹ لے کر بکرا خریدنے بکرا منڈی پہنچے جہاں ہزاروں کی تعدادامیں بکروں کو دیکھ کر دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ سارے بکرے خرید کر اللہ تعالی کی راہ میں قربان کردوں لیکن جیب نے فوری طور پر دل کی خواہش کو رد کرتے ہوئے صدا دی تیرے پاس اتنی رقم نہیں ہے اس لئے صرف ایک بکرا خریدنے کی کوشش کرو سو ہم نے باقی تمام خواہش کے قبرستان میں ایک اور خواہش دفن کردی اور ایک بکرا خریدنے کی کوشش کرنے میں مصروف ہوگئے۔ مولوں صاحب نے فرمایا تھا کہ قربانی کیلئے صحت مند، بے داغ اور سب سے خوبصورت جانور کا انتخاب کرنا چاہئے لیکن منڈی میں موجود بکروں میں سب سے زیادہ خوبصورت بکرے کی قیمت 3 لاکھ سے اُوپر نکلی جبکہ اپنی جیب میں تو بامشکل 15 ہزار تھے سو ہم نے سب سے زیادہ خوبصورت بکرا خریدنے کی تمنا بھی وہیں دفن کردی جہاں سارے بکرے خریدنے کی تھی اور اپنے بجٹ کے مطابق بکرا خریدنے کا ارادہ کرتے ہوئے تلاش شروع کردی۔ تقریبا ساری منڈی گھومنے کے بعد ایک ایسا بکرا ملا جو میرے

بجٹ کے قریب تھا لیکن وہ بھی قریب تھا بجٹ میں نہ تھا۔ بکرے کے مالک کو منانے کی بہت کوشش کی وہ بکرا 15 ہزار میں دے دے لیکن وہ اپنے بکرے کو 18 ہزار سے کم فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا میرے بہت اسرار پر بولا بھائی آپ بکرے سے پوچھ لو اگر وہ 15 ہزار میں قربان ہونے پر تیار ہے تو لے جاؤ ورنہ میں آپ کے ساتھ مزید بحث نہیں کرسکتا۔ میں نے بکرے والے سے سوال کیا جب آپ انسان ہو کر میری بات نہیں سمجھ سکتے تو بے چارہ بے زبان بکرا کہاں سے سمجھے گا؟ وہ بولا بھائی قربان تو بکرے نے ہی ہونا ہے پھر بھی اُسے بولنے کا کوئی حق نہیں اتنی دیر بکرا یوں بولا جیسے مجھے مخاطب کرکے کہہ رہا ہو۔ بکرا بولا ابھی عید میں دو دن باقی ہیں اگر میں 15 ہزار میں قربان ہونے کی حامی بھر بھی لو تب بھی تیرے لئے مشکل ہو جائے گی کیونکہ تیرے پاس صرف 15 ہزار ہیں جو میرے مالک کو دینے کے بعد تو کنگال ہو جائے گا جبکہ میرا ایک دن کا معمولی سا چارہ بھی آج کل تین سے چار سو روپے کا ملے گا۔ اور تم اپنی حالت دیکھو، تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یہ 15 ہزار بھی کسی سے مانگ کر لائے ہو۔ بکرے کی بات سن کر اپنی حالت پر غور کیا تو واقع ہی میری حالت بہت بُری ہو چکی تھی جانور منڈی میں دھکے کھاتے تین چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ کپڑوں جوتوں پر بے حد گرد جم چکی تھی سر میں ہاتھ پھیرا تو بالوں میں سے گرد دھویں کی مانند اُڑنے لگی۔ میں نے بکرے سے التجاء کی اور کہا بکرا بھائی مجھے سنت ابراہیمی پر عمل کرنا ہے اور میرے پاس صرف 15 ہزار ہیں ساری منڈی

گھوم لی لیکن تیری قیمت سے کم قیمت والا کوئی بکرا نہیں ملا اس لئے تیری بڑی بڑی مہربانی ہوگی اگر تو 15 ہزار میں مان جائے۔ بکرا بولا پہلے تو میں تیرا بھائی نہیں ہوں اور اگر تو اپنے بھائی کی قربانی کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو بکرا منڈی کیا لینے آیا ہے؟ جا اپنے گھر عید پر اپنے بھائی کی قربانی کرکے سنت ابراہیمی پر عمل کر۔ میں منڈی میں سب سے کم قیمت بکرا ہوں اس لئے مجھے غریب سمجھ کر قربان کرنا چاہتے ہو؟ جاؤ جاؤ اب تم چاہئے 18 کی بجائے 20 ہزار بھی دو تب بھی میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ جا کسی اور بکرے سے بات کر اور ہاں سن آئندہ کسی بکرے کو بھائی مت کہنا ورنہ سارے بکرے میری طرح شریف نہیں ہوتے۔ میں نے بکرے سے معذرت کرتے ہوئے کہا ٹھیک ہے اب بھائی نہیں کہوں گا تم مان جاؤ۔ بکرا بولا معاف کیا لیکن تم ایک بار مجھے بھائی کہہ چکے ہو اس لئے میں تمارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ تم انسان اپنے بھائیوں کے ساتھ بکروں سے بھی زیادہ بُرا سلوک کرتے ہو۔ انسانوں کی دنیا میں انسان کی کوئی قیمت نہیں لیکن میں بکرا ہوں اور میری ایک قیمت ہے۔ دیکھو اپنے آپ کو کیا تم نے کبھی اتنے اخلاق کے ساتھ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بات کی ہے جتنی میرے مالک اور میرے ساتھ کر رہے ہو؟ بکرے کی حقائق پر مبنی باتیں سن کر میرے اندر سکت نہ رہی کہ میں مزید بکرا تلاش کرتا سو چُپکے سے گھر چلا آیا اور گائے کی اجتمائی قربانی میں حصہ ڈال دیا۔ مولوی صاحب کے بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے سنت ابراہیمی تو ادا ہو جائے گی لیکن بکرے کی سچی باتیں سن کر پیدا ہونے

والا احساس شرمندگی شاید کبھی ختم نہ ہو پائے کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہم انسان ایک دوسرے کی قدر نہیں کرتے اور اپنے بھائیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے ہیں۔پہلے قربانی عید پر چاروں طرف جانوروں کا خون دیکھ کر ہم خوش ہوا کرتے تھے کہ مسلمانوں نے بڑی قربانیاں کی ہیں لیکن اب تو سارا سال ہی خون کی ندیاں بہتی رہتی ہیں وہ بھی انسانی خون کی۔ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی جس کو ساری مخلوقات سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور اشرالمخلوقات کا شرف بخشا وہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر جانوروں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے
یہاں تک کہ اب تو بکرے بھی انسان کو طعنہ دیتے ہیں کہ وہ بکرے ہیں انسان نہیں۔افضل ہونے کے باوجود انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور بکروں کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں ۔بکروں کی قدر و قیمت دیکھ کر دل کرتا ہے کہ کاش میں بھی بکرا ہوتا تو میری بھی کوئی قیمت ہوتی ،قربانی عید پر مجھے بھی کوئی خریدنے آتا۔انسان کا تو فروخت ہونا بھی ممکن نہیں ،عمر گزری گلے میں برائے فروخت کا کارڈ لٹکائے پھرتے ہیں لیکن بجائے قیمت ملنے کہ لوگ پوچھتے ہیں ،تمھیں خریدنے کا کیا فائدہ پہلے اپنی روٹی پوری نہیں ہو رہی تو تمھیں کہاں سے کھلائیں گے ؟اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی عید کی خوشیاں حقیقی طور پر منانے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے ،اہل وطن کو راقم کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے عید مبارک

زلزلہ کیوں آتا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''جب لوگ زنااور شراب نوشی بے باکی سے کرتے ہیں اور گانے بجاتے ہیں تو اللہ تعالی کو آسمان پر غیرت آتی ہے اور زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلاڈال یعنی زلزلہ آتا ہے (ابن ماجہ)'' اگر اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زنا، شراب نوشی اور گانا بجانا اللہ تعالی کے نزدیک کس قدر ناپسندیدہ اعمال ہیں۔اور اگر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں یہ تینوں خرابیاں کثرت سے پائی جاتیں ہیں۔ نتیجہ تن زلزلے اور طوفان بھی آتے رہتے ہیں۔ لیکن مجھے قوی یقین ہے کہ اللہ تعالی پھر بھی اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے اور جتنے گناہ ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اُس قدر عذاب نازل نہیں ہوتے ۔جس کا اندازہ آپ بھی آسانی سے لگا سکتے ہیں کیونکہ آج بے حیائی و بے غیرتی کا دائرہ صرف شہروں تک محدود نہیں رہا بلکہ دور دراز کے دیہاتوں اور قصبوں تک پھیل چکا ہے ۔گاؤں کے لوگ جو پہلے پہل کیبل اور ناچ گانے کے خلاف تھے آج ان کے گھروں میں صرف کیبل ہی نہیں بلکہ موبائل، mp4 ,mp3 پلئیرز کے ذریعے فحش گانے اور فلمیں تقریباگھر کے ہر فرد کی جیب میں موجود ہیں۔آج سے 4 سال پہلے کی بات ہے کہ میرے ایک عزیز نے مجھے فون کرکے

فورا اپنے گاؤں اس لیے بلایا کہ وہاں کچھ لوگ کیبل نیٹ ورک چلانا چاہتے تھے جبکہ گاؤں والوں کی اکثریت کیبل کے خلاف تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے گاؤں میں کیبل نیٹ ورک نہ چلے جس کے لیے انہیں میری مدد درکار تھی۔ میں ان کے گاؤں پہنچا تو وہاں تمام گاؤں والے ایک بڑی حویلی میں جمع تھے اور ان لوگوں کے ساتھ مذاکرات جاری تھے جو گاؤں میں کیبل نیٹ ورک چلانے کے لیے حکومت سے باقاعدہ لائسنس لے چکے تھے۔ کوئی 10 گھنٹے تک مذاکرات جاری رہنے کے بعد بھی جھگڑا ختم ہوا اور بات تھانے کچہری تک پہنچ گی۔ قصہ مختصر کہ آخرکار گاؤں والوں نے اس شرط پر کیبل نیٹ ورک چلانے کی اجازت دے دی کہ اس پر انڈین، انگلش فلمیں، سٹار پلس سمیت تمام انڈین چینل اور سٹیج ڈانس جسے آج کل مجرے کے نام سے جانا جاتا ہے نہیں چلیں گے اور زیادہ سے زیادہ اسلامی چینل چلائے جائیں گے مزید شرط یہ عائد کی گئی کہ جب تک کسی گھر کا بڑا اجازت نہ دے دے تب تک کسی چھوٹے کے کہنے پر کیبل کنکشن نہیں دیا جائے گا۔ کیبل نیٹ ورک والوں نے یہ ساری شراط قبول کر لیں اور چند دنوں میں کیبل نیٹ ورک چلا کر کنکشن دینا شروع کر دیے۔ کوئی 4 سال بعد میں اس عزیز کے گھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے چار بیٹوں کے چاروں کمروں میں علیحدہ، علیحدہ ٹیلی وژن ہیں اور اس کے کمرے میں علیحدہ سے چل رہا ہے۔ جبکہ ان میں سے کسی ایک پر بھی اسلامی چینل نہیں چل رہا تھا۔ کسی نے سٹار پلس چلا رکھا تھا، کسی نے انڈین فلم اور زیادہ میں سٹیج ڈانس یعنی مجرے چل رہے تھے۔ جب میں نے حیران ہو کر اسے یہ

پوچھا کہ بھائی آپ تو ان ساری چیزوں کے خلاف تھے تو کہنے لگے یار اب تو ہر طرف چل رہا ہے یہ سب کچھ ۔ قارئین محترم یہ حالت تو ایک گاؤں کی ہے لیکن شہروں کی حالت اس سے بدتر ہے ۔ہماری نوجوان نسل میوزک کی اس قدر دلدادہ ہو چکی ہے کہ دن ہو یا رات ، سوتے جاگتے ، دورانِ سفر ، گھر میں ، سکول و کالج میں کام ہو یا فرصت ہر وقت میوزک چلتا رہنا چاہیے یہاں تک کہ نوجوان نسل کو باتھ روم کے اندر بھی میوزک کی ضرورت پڑتی ہے ، سنا ہے کہ پرانے وقتوں میں ڈانس یعنی مجرہ کرنے والی عورتوں کو طوائف کہا جاتا تھا اور وہ اپنے گھروں یعنی خاص مقامات پر ہی مجرہ کیا کرتی تھیں اور جو لوگ ان کا مجرہ دیکھنے سننے کی خواہش رکھتے وہ اپنے گھروالوں سے چوری اور جھوٹ بول کر ایسے مقامات پر جایا کرتے اور آتے جاتے راستے میں کسی کپڑے سے اپنا منہ چھپائے رکھتے کہ کوئی انہیں پہچان نہ پائے ۔ مطلب کہ بے حیائی کا کام کرتے وقت لوگ شرم محسوس کیا کرتے تھے ۔ لیکن بد قسمتی سے آج مجرہ کرنے والی عورتوں کو اداکار کہا جاتا ہے اور وہ کسی بھی مقام پر مجرہ کرنے چلی جاتیں ہیں۔ معاشرے میں شرم و حیا کا حال یہ ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں شادی بیاہ ، سالگرہ اور دیگر تقریبات کے موقعوں پر خصوصی طور پر ناچ گانے یعنی ناچنے والے مرد و عورتوں کو بلوا کر مجرے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور ماؤں بہنوں کی موجودگی میں مجرہ کرواتے ہیں۔ اس طرح ہماری نئی نسل کو اس بات کا علم ہی نہیں رہا کہ بے حیائی کرنے والے تمام اعمال قابل فخر نہیں بلکہ قابل شرم ہیں ۔ کتنے بے قوف ہیں ہم جو اپنے بچوں کو

دینی تعلیم و تربیت اور تہذیب و تمدن سکھا کر شرم و حیا کا پیکر بنانے کی بجائے بے شرمی و بے حیائی اور شراب نوشی پر فخر کرنے کا عادی بنا رہے ہیں۔یہی ماحول ہے جو نہ صرف ہماری دنیاوی زندگیوں میں تباہی و بربادی کا سبب بن رہا ہے بلکہ ہمارے لیے روز آخرت بھی قابل شرم و سزا ثابت ہوگا۔ قارئین محترم آپ کو نہیں لگتا کہ ہم اپنے بچوں کو بے حیائی والا ماحول اور ساز و سامان فراہم کرکے اُن کو زلزلوں اور طوفانوں کی وراثت دے رہے؟

تیرا کھاواں تے تیرے گیت گاواں

امریکی ڈرون حملوں کی مخالفت اورامداد یعنی بھیک کیلئے دامن پھیلائے وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اپنا کامیاب دورہ امریکہ مکمل کرلیا۔بندہ پوچھے کہ آخر امریکہ پاکستان کو امداد کیوں دیتا ہے ؟اور پاکستانی حکمران امریکی پالیسوں کے مخالف ہونے کے باوجود امداد کیلئے امریکی حکمرانوں کے تلوے کیوں چاٹتے ہیں؟ بھلا یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ پاکستان امریکی مفادات کو نظر انداز بھی کرے اور امریکہ ڈالر بھی دے ؟ تیرا کھاواں تے تیرے گیت گاواں والی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن تیرا کھا کر تیرے مخالف چلوں اور تو مجھے پھر بھی ڈالر خیرات کرتا جاوالی بات سمجھ میں بالکل ہی نہیں آتی ۔بات تو سیدھی سی ہے کہ جب تک امریکہ ڈالر دے گا نہ تو پاکستانی معاملات میں مداخلت بند ہوگی اور نہ ڈرون حملے۔مجھے اچھی طرح یاد کہ جب سابق وزیر اعظم پاکستان مسٹر یوسف رضا گیلانی بیان دیا کرتے تھے کہ امریکہ نے یقین دہانی کرائی ہے،امریکہ اب پاکستان کی خود مختاری کا خیال رکھے گا اور اُمید ہے کہ اب ڈرون حملے نہیں ہونگے،اُن کے بیان کے ٹھیک گھنٹے دو گھنٹے بعد دو،چار ڈرون حملے ضرور ہوا کرتے تھے ۔حکومت وقت بھی ماضی کی طرح صرف بیانات میں ڈرون حملوں کی مخالفت کرتی نظر آرہی ہے جبکہ غلامی کی زنجیریں توڑنے کی کوشش نہیں کررہی ۔ ایک سازشی لیکن حقیقت کے

قریب تر لطیفہ ہمارے ہاں عام ہے کہ کسی ترقی یافتہ ملک نے چور پکڑنے والی مشین ایجاد کی اور بطور ٹیسٹ اُسے مختلف ملکوں میں بھیجا۔امریکہ میں اُس مشین نے 10 چور پکڑے ، بھارت میں 35، چین میں 2 ، سعودی عرب میں 0، بنگلہ دیش میں 14، جبکہ وہ مشین پاکستان میں چور پکڑنے کی بجائے خود چوروں کے ہتھے چڑھ گئی جس کا آج تک کوئی سراغ نہیں مل سکا۔یہ لطیفہ پوری پاکستانی قوم کو چور ثابت کرنے کیلئے ایک مظبوط سروئے رپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔اسی بات کو سچ ثابت کرنے والی ایک اور خبر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔بھارتی میڈیا کے مطابق پاکستان نے آئندہ عام انتخابات میں دھاندلی پر قابو پانے کیلئے بھارتی الیکشن کمیشن سے ووٹر الیکٹرونک مشین مانگنے کی درخواست کردی ہے ، قارئین ذرہ سوچیں بے ضمیر، کرپٹ سیاست دانوں اور ووٹ فروخت کرنے والے ووٹرز کی موجودگی میں بیچاری مشین کیا کرے گی؟مجھے پورا یقین ہے کہ چور پکڑنے والی مشین کی طرح ووٹر الیکٹرونک مشین چوری تو نہیں ہو گی لیکن جعلی ووٹوں کو پکڑنے کی بجائے خود جعلی ووٹ ضرور ڈالے گی۔ہاں اگر جعلی

ووٹر الیکٹرونک مشین آپریٹرز، ووٹرز اور اُمیدواروں کے ساتھ ساتھ کرپٹ انتخابی عملے کے خلاف مقدمات کے جلد اندراج اور تحقیقات کیلئے الگ تھانے اور سزاؤں کیلئے الگ عدالتیں قائم کردی جائیں تو شاید دھاندلی پر قابو پانے میں مدد مل جائے۔پہلے سے قائم شدہ تھانوں اور عدالتوں کا نظام درست کرنا حکمرانوں کے بس کی بات نہیں لیکن نئے ضرور قائم ہوں گے جن میں پرانے نظام کے عین مطابق مقدمات کا

جلد یا تادیر اندراج ، تحقیقات کے بعد عدالتوں میں سزائیں سنائی جائیں گی لیکن اُن پر عمل نہیں ہوگا۔جی ہاں قارئین محترم صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب ممنون حسین نے وزیر اعظم کی ایڈوائس پر پروٹیکشن آف پاکستان آرڈیننس 2013ء کی منظوری دے دی ہے۔آرڈیننس کے مسودے کے مطابق قانون کی طاقت ریاست کی رٹ ہر قیمت پر قائم کی جائے گی۔دہشگرد وانتہا پسند عناصر ملک دشمن تصور ہوں گے۔ مخصوص حساس مقدمات کے جلد اندراج اور فوری تحقیقات کیلئے الگ تھانے اور سزاؤں کیلئے، الگ خصوصی وفاقی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔جن میں وی آئی پی مجرموں کو انتظار کی زحمت نہیں ہوگی۔جیو تیز کے بعد پیش ہیں نئے تیز تر تھانے اور عدالتیں جن کے بعد پرانے تھانوں اور عدالتوں کو مکمل آرام کا موقع مل جائے گا۔پرانے تھانے جن مقدمات کے اندراج میں سال 2 سال لگایا کرتے تھے وہ 5 سے 6 سال بھی لگا سکیں گے عدالتیں جن مقدمات کا فیصلہ سنانے میں 10 سے 20 سال لگایا کرتی ہیں وہ 100 سے، 200 سال بھی لگا سکیں گی۔یعنی بڑی سیدھی سی بات ہے کہ عوام حصول انصاف کی توقع ترک کردیں اور ہر طرح کی ناانصافی، ظلم و ستم کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا سیکھ جائیں اور کوشش کرکے رزق ذخیرہ کرنا چھوڑ کر پرندوں کی طرح صرف اُتنا رزق تلاش کریں جتنی ضرورت ہو اس طرح نہ تو چوری،ڈکیتی کا ڈر رہے گا اور نہ کسی کا حق کھانے کی ضرورت پیش آئے گی۔معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کا یہ طریقہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے اوراگر یہی عمل اللہ اور اُس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے تو

دنیاوی زندگی بھی پر سکون ہو جائے گی اور اخروی زندگی میں بھی شر مندگی سے بچ جائیں گے۔ نت نئے قوانین بنانے والے حکمرانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ معاشرے سے ظلم ختم کرنے کیلئے کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں بس اسلام کی روح کے مطابق حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دے کر اسلامی ،جمہوریہ پاکستان میں حرام پر مکمل طور پر پابندی عائد کردیں۔سب سے پہلے حکمران اور دیگر سیاست دان اپنی جاگیریں اور بینک اکاونٹنز ریاست کو بطور تحفہ دے کر تاجروں اور دیگر امراء کو مثال پیش کریں کہ ریاست یعنی پیارے پاکستان پر اپنا سب کچھ قربان کردینا وقت کی ضروت ہے۔اگر حکمران نئے قوانین ،تھانوں اور عدالتوں کے ذریعے ملک کے حالات ٹھیک کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے ہاں پہلے سے موجود قوانین پر کبھی کسی نے عمل نہیں کیا تو نئے قوانین بھی بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہے۔میں جانتا ہوں کہ حکمران ملک پر کچھ قربان نہیں کر سکتے لیکن اپنے گھر،کاروبار پر ملک قربان کر سکتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سمیت پوری پاکستانی قوم اور حکمرانوں کو ہدایت عطا فرمائے (آمین

سنگدل ماں

ماں جیسی عظیم ہستی کے متعلق خوبصورت مضامین آئے دن اخبارات ،کتب اور رسائل میں اکثریت سے شائع ہوتے رہتے ہیں جنہیں قارئین بھی بڑے شوق کے ساتھ پڑھتے اور پسند کرتے ہیں۔ماں کا رشتہ ہی ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے محبت ہی محبت رکھی ہے۔لیکن گزشتہ روز اخبار میں ایک خبر پڑھ کر بہت صدمہ ہوا جس میں لکھا تھا کہ سنگدل ماں نے 3 بچوں کو بی آر بی نہر میں پھینک دیا۔یہ واقع پاکستان کے قدرے خوشحال صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کے علاقہ باٹا پور میں پیش آیا جہاں خبر کے مطابق ذہنی معذور خاتون رضیہ نے اپنے تین بچوں کو بی آر بی نہر میں پھینک دیا جبکہ ایک 12 سالہ بچہ بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔نہر میں ڈوب کر جاںبحق ہونے والوں میں 4 سالہ بصیرت،8 سالہ ایمن اور 9 سالہ غلام حسین شامل ہیں۔پولیس نے رضیہ اور اُس کے شوہر یعنی بچوں کے والد کو حراست میں لے کر تفتیش شروع کردی ہے۔خبر میں اپنے بچوں کو نہر میں پھینکنے والی ماں کو ذہنی مریض کہا گیا ہے لیکن دل و دماغ اس بات کو تسلیم کرنے سے صاف انکاری ہیں کہ وہ ماں کس طرح ذہنی مریض ہوسکتی ہے جو تقریبا پچھلے 12 سال سے اپنے بچوں کی پرورش کررہی تھی ؟ہاں یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نہر میں پھینکنے کے بعد ذہنی مریض بن گئی ہو۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے آخر

اُس ماں نے اپنے بچوں کو کیوں نہر میں پھینک کر قتل کیا؟ جس کی محبت کی اللہ تعالی نے مثال دے کرفرمایا کہ وہ (اللہ تعالی) اپنے بندے کو 70 ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے ۔یعنی اللہ تعالی کے بعد ماں اپنے بچوں کو سب سے زیادہ محبت کرتی ہے ۔وہ ماں جوآج بے حس معاشرے میں اپنا جسم بیچ کر بھی اپنے بچوں کاپیٹ پالتی نظرآتی ہے کیا اُس نے تنگدستی کی وجہ سے اپنے جگر گوشوں کو نہر میں پھینک دیا ہوگا؟وہ ماں جو اپنے بچوں پراپنی جان قربان کرتی آئی ہے اُس نے ساس ،نندیا پھر شوہر کے سخت سلوک کا بدلہ لینے کیلئے اپنے معصوم بچوں کو موت کے حوالے کردیا ؟اگر رضیہ ذہنی مریض ہے تو پھر اُسے کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ اپنے بچوں کو نہر میں پھینک دے ؟ قارئین محترم رضیہ نے ایسا کیوں کیا یہ بات توشاید وہ خود بھی نہیں جانتی لیکن ایک بات صاف صاف سمجھ میں آرہی کہ ہمارے معاشرے میں تعلیم وتربیت کا شدید بحران ہے ۔تنگدستی کی حالت سے توپوری دنیا گزر رہی ہے ،تنگی حالات نے آج پورے معاشرے کو ذہنی مریض بنارکھا ہے لیکن یہ کیا کہ ایک ماں نے اپنے ہی بچوں کو نہر میں پھینک دیا؟انہیں بچوں کے بہتر مستقبل کو سوچ کو توانسان پریشان ہے ،انہیں کی اچھی تعلیم وتربیت کیلئے تو دن رات محنت کرتا ہے توایک انسانی ماں نے کس طرح اپنے بچوں کو قتل کرنے کا سوچ لیا؟یہ حرکت تو جانور بھی نہیں کرتے اپنے بچوں کی حفاظت میں تو جانوراور پرندے بھی اپنی جان قربان کردیتے ہیں ۔قارئین ذرہ سوچیں کہ آخر آج کے انسان سے کیاخطا ہوگئی کہ اشرفالمخلوقات کی ماں نے

اپنے بچوں کو نہر میں پھینک کر قتل کردیا؟کیا یہ وہی ماں ہے جس کے آنے پر نبی
کریمؐ نے اپنی چادر بچھادی تھی ؟کیا یہ وہی ماں ہے جس کے قدموں تلے جنت ہے؟کیا یہ
وہی ماں ہے جس کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے؟کیا یہ وہی ماں ہے جس کے متعلق کہا گیا
ہے کہ ماں کی دعا جنت کی ہوا۔کیا یہ قیامت کی نشانی نہیں ہے کہ ماں کے ساتھ سنگدل
کا لفظ آنے لگا ہے؟ماں اور سنگدل ہو ہی نہیں سکتا

شہید کون؟

شہید کون ؟آج کل ملک میں یہ بحث بڑے زور و شور کے ساتھ جاری ہے کہ طالبان کو شہید کہنا درست ہے کہ نہیں ، میں اس بحث میں اس لئے حصہ نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ میرے خیال میں شہید کا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد ہے ۔جب روز آخرت کی جزاو سزا کا اختیار صرف اللہ تعالٰی کے پاس ہے تو پھر میں کون ہوتا ہوں کسی کو شہید یا ہلاک کہنے والا ؟جو لوگ اس بحث میں اپنا اور دوسروں کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں اُن سے میرا سوال ہے کہ اگر انسان ہر بات کا فیصلہ کرنے کے قابل ہوتا تو پھر اللہ تعالٰی کا وجود کون تسلیم کرتا ؟ علماء کرام سے سوال ہے کہ کیا انہوں نے کبھی معاشرے میں اسلامی اور انسانی قدروں کو فروغ دینے پر اس سنجیدگی کے ساتھ بحث کی ہے جس طرح طالبان کے شہید ہونے یا نہ ہونے پر کر رہے ہیں ؟ میں عالم دین نہیں اس لئے شاید قارئین کو میری رائے مطمئن نہ کرسکے اس لئے علماء کی مفید رائے بھی اپنی تحریر میں شامل کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ کے مہتمم اور بانی مفتی نعیم صاحب کا کہنا ہے کہ کون شہید ہے اور کون نہیں یہ اللہ تعالٰی اور اس کے بندے کا معاملہ ہے ۔ حدیث شریف ہے کہ کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو ساری زندگی جنتیوں والے اعمال کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے ،پھر وہ

کوئی ایسا عمل کر گزرتا ہے کہ جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔اسی طرح کوئی ساری زندگی جہنم والے اعمال کرتا ہے اور پھر کوئی ایسا عمل کر جاتا ہے کہ جنت کا حق دار ٹھہرتا ہے ۔یعنی کوئی مفتی یا سیاست دان کسی کو جنتی یا جہنمی یا پھر شہید ہونے یا نہ ہونے کی سند نہیں دے سکتا۔بات بالکل صاف ہے لیکن مزید نکھار پیدا کرنے کی غرض سے میں نے اپنے محسن حافظ محمد آصف رضا صاحب سے ملاقات کیلئے وقت مانگا جس پر اُنھوں مجھے welcomeویلکم کہا۔میں نے حافظ صاحب سے سوال کیا کہ کیا ہمیں کسی کے شہید ہونے یا نہ ہونے پر اختیاری قسم کی بحث کرنی چاہئے ؟(ج)ہر گز نہیں ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں لیکن اسلام کی روح کے مطابق سمجھنے کی ضرورت ضرو رہے ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ''جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا قتل کردیا جائے تم اُسے مردہ گمان بھی مت کرو،وہ زندہ ہے ،لیکن تم شعور نہیں رکھتے'' (سورۃالبقرہ) جو شخص اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے جان ومال کے تحفظ کیلئے جدوجہد کرتا قتل کردیا جائے وہ شہید ہے۔ہم مسلمانوں کو اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہم پر جہاد کب اور کس صورت میں فرض ہے؟پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی قسم کے جہاد کا فیصلہ خلیفہ وقت کرے اور اگر مسلمانوں کا حاکم اس حدتک شریعت کو نہیں سمجھتا کہ وہ جہاد کا فیصلہ کرسکے تو پہلے قوم اپنی اور اپنے حاکم کی اصلاح کرے تاکہ کسی غلط فیصلے کے ذریعے ہونے والی ہلاکت سے بچا جاسکے۔لیکن یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ کسی

کے شہید ہونے یا نہ ہونے پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندے ہی کا معاملہ ہی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے دور حاضر کے سربراہان کی شروع کی ہوئی بحث نے عوام کو اصل حقائق سے ہٹا کر تفرقات میں اُلجھا دیا ہے جس کی وجہ سے عوام جہالت کے گھپ اندھیروں میں ڈوب رہے ہیں اور علماء وقت عوام کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کی بجائے حکومتوں کے گرد گھوم رہے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں حکومت ملے گی تو ہم اسلامی قوانین کو فروغ دے سکتے ہیں ورنہ ہم کیا کر سکتے ہیں ؟پاکستان میں مذہبی سیاسی جماعتوں کا ماضی بتاتا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ دولت مند اور طاقت ور حکمرانوں کو اہل ایمان اور اہل شعور پر ترجیح دی ہے۔ دولت و ددنیاوی شان وشوکت کے حامل جاہل لوگوں کو خلیفہ منتخب کرنے والوں کے شعور اور ایمان کی حالت کیا ہوسکتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہیں۔ لیکن ایک درخواست راقم بھی کرنا چاہتا ہے کہ خُدارا لوگوں کو گمراہ کرنا چھوڑ کر خود سیدھا راستہ اپنائیں اور دوسروں کو بھی دعوت دیں۔ جس طرح کسی کے شہید ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندے کے درمیان ہے اِسی طرح یہ بات بھی حق ہے کہ یہ دنیا کسی کیلئے بھی مستقل رہنے کی جگہ نہیں بلکہ ایک مسافر خانہ ہے ہمیں اس دنیا سے جلد جانا ہے۔ یعنی یہ کائنات اور اس کی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں ہم جس زمین پر اپنا قبضہ جمائے بیٹھے ہیں وہ دراصل ہماری نہیں ہے۔ شاید اسی سچائی کی وجہ سے ہر دولت مند شخص کے دل سے یہ خوف نہیں جاتا کہ کہیں اُس کی

دولت نہ چھن جائے۔ دولت تو دور کی بات ہے جس زندگی کیلئے دنیا کی دولت پیاری لگتی ہے وہ زندگی بھی اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی کہ دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے۔ طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا وہ سفر ہے "دو" دن کی مختصر زندگی کو غیر حاصل بحث میں گزار دنیا کہاں کی عقل مندی ہے؟

”پرماتما“

آج میں ایک بار پھر یہودی کو اپنا محسن تسلیم کرنے والے اس سماجی مسلمان کی رائے سے ایک بار پھر اختلاف کرنے جارہا ہوں جس کا کہنا تھا کہ ایک یہودی نے اُسے دو فقروں میں پورا اسلام سمجھا دیا۔اپنے مذہب پر ترس کھانے والے اس ”پرماتما‘کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنیؓ کو صحابی ڈکلیئر کردیا تھا۔یہ بات میرے علم میں نہیں اس لئے اگر کسی دوست کو علم ہو تو مجھے اس ای میل پر میل کرکے ضرور بتائے (کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنیؓ کو صحابی ڈکلیئر کردیا تھا؟ imtiazali470@gmail.com) مذہب اسلام مظلوم نہیں بلکہ انسان اسلام سے دوری کی وجہ سے گمراہ ہوکراپنی تباہی کا انتظام کرچکا ہے۔یہودیوں اور عیسائیوں میں کوئی نبوت کا دعویٰ اس لئے نہیں کرتا کیونکہ اسلام کے پیروکار اس قسم کی سازش نہیں کرتے۔ترس کھانے والے ”پرماتما“ کا یہ کہنا سچ ہے کہ یہودیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی دوسرا موسیٰ پیدا نہیں ہوا،اور یہ بھی سچ ہے کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی دوسرا عیسیٰ نہیں آیا،یہ بھی مان لیا کہ مسلمانوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی نبوت کا جھوٹا دعویدار پیدا ہوجاتا ہے لیکن شاید ”ترس کھانے والے ”پرماتما“ یہ بات بھول گئے کہ مسلمانوں تو کیا پوری کائنات میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ سے

پہلے یا بعد میں کبھی کوئی محمد ﷺ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ ختم نبوت کے بعد کبھی کسی
مسلمان نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ مخالفین اسلام یہودیوں نے
سازش کے تحت مسلمانوں کا روپ دھار کر جعلی اعلان نبوت کیا۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم
میں فرماتا ہے کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں معمولی دنیا کو خرید
لیا تو نہ ان پر عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی (سورۃ البقرہ آیت نمبر 86)
لیکن یہ سراسر غلط ہے کہ کوئی بدبخت اسلام پر ظلم کرنے کا اہل ہوا ہے یا ہوسکتا ہے۔جو
ظلم کرتا ہے وہ اصل میں اپنی جان پر ہی کرتا ہے۔انسان کی اتنی اُوقات نہیں کہ وہ اللہ
تعالیٰ کے دین اسلام پر ترس کھاسکے۔کیونکہ ترس ہمیشہ اپنے سے کمزور اور محتاج پر کھایا
جاتا ہے۔اسلام نہ تو دنیا کی کسی طاقت سے کمزور ہے اور نہ ہی کسی کا محتاج ہے۔اسلام
تو اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔کوئی یہ کہے کہ وہ مسلمان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ مجھے
کبھی کبھی اپنے مذہب پر ترس آتا ہے (یعنی اسلام پر) اُسے اپنی حالت ایمان پر غور
کرلینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ مسلمان نہیں ہوسکتا وہ
بارگاہ الٰہی میں بہت مقبول مسلمان ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ بظاہر کسی یہودی یا عیسائی
کا کردار آج کے بھٹکے ہوئے مسلمان سے بہتر ہو لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میرا
مذہب مظلوم ہے۔ہاں یہ بات سچ ہے کہ میں

اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اپنے مذہب کے راستے سے بھٹک کر ظالموں کے ہتھے چڑھ چکا ہوں۔

لیکن ابھی اتنا بھی نہیں بھٹکا کہ یہودیوں کی باتوں میں آ کر اپنے مذہب کو مظلوم یا مترس کہوں۔ کیونکہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔اللہ تعالیٰ لاریب کتاب کے اندر ارشاد فرماتا ہے کہ ”اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے ہیں ،بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں (سورۃ آیت نمبر 88) ترس کھانے والے ”پرماتما“ تیرا مسلمان ہوتے ہوئے اپنے مذہب، اسلام پر ترس آنے کی بات کرنا بڑا عجیب لگا۔ میری معلومات کے مطابق نہ تو اسلام کو کسی انسان سے کوئی مفاد حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی انسان اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان کرنے کے قابل ہے۔ محتاج ،کمزور اور ناتواں انسان اپنی سانس پر قادر نہیں لیکن بات کرتا ہے کہ مجھے اپنے مذہب (یعنی اللہ کے دین) پر ترس آتا ہے۔ترس کھانے والے پرماتما“ تو پہلے یہ بتا کہ تُو کیا دے سکتا ہے اسلام کو ؟ تیرے ہر موضوع پر بات کرتے“ ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کی تعریف کے بعد مسلمانوں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنے کے پیچھے راز کیا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر ارشاد فرماتا ہے کہ ”وہ جو کافر ہیں کتابی (یعنی یہود ونصاریٰ) یا مشرق ،وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اُترے تمہارے رب کے پاس سے،اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے،

خاص کرتا ہے جسے چاہے ۔اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ’سورۃ البقرہ،آیت نمبر 105) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد ایک مسلمان کس طرح کسی یہودی کو اپنا محسن تسلیم کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟جہاں تک تعریف کی بات ہے جو مسلمان ہی نہیں اُس کی تعریف کیسی ؟کیا اللہ تعالیٰ کے دین کا باغی قابل تعریف ہو سکتا ہے؟ہر گز نہیں اگر وہ اچھا بھی بن کر دیکھائے تو بھی اُس کا مقصد یقینا سازش ہوگا۔ کبھی مسلمانوں کی تشدد پسندی پر پی ایچ ڈی کرنے والے یہودی کو یہ کہہ کر کہ اُس نے مجھے دو فقروں میں پورا اسلام سمجھا دیااور کبھی کسی یہودی کو اپنا رہنماء بتا کر کیا ثابت کرنا چاہتا ہے ترس کھانے والا ’’پرماتما‘‘؟ علماء اسلام کے خلاف آگ اُگلنے اور یہودیوں ،عیسائیوں کو اپنی گفتگو میں حسن کردار کا نمونہ بنا کر پیش کرنے کا مقصد کیا ہے تیرا ؟حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی قوم میں اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آیا یہ کس دلیل کی بنا پر فرمادیا تو نے ؟اگر یہودی اتنے فرمابردار تھے اپنے نبی کے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے اللہ تعالیٰ سے اُن کیلئے عذاب کیوں طلب کیا؟کیا یہودیوں اور عیسائیوں میں کبھی کسی فتنے نے جنم نہیں لیا؟اگر موسیٰ علیہ اسلام کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا تو پھر اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کا اعلان کیوں نہ کیا ؟ترس کھانے والے ’’پرماتما‘‘سن لے مسلمانوں کے نبی حضرت محمدﷺ صرف مسلمانوں کیلئے نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام کی قوموں کے ساتھ ساتھ دیگر تمام مخلوقات کیلئے رحمت بن کر آئے ۔میرا

ایمان ہے جو کوئی بھی اپنے دل میں اللہ تعالی کے محبوب نبی محمد ﷺ یا آپ ﷺ کی اُمت کیلیے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالی کے کسی بھی نبی کا پیروکار نہیں ہوسکتا۔ لہذا اللہ تعالی کے فرامین اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اپنی زندگی میں عملی طور پر اپناتے ہوئے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہودی چاہے کتنے بھی اچھے بن جائیں وہ مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے :

چل جھوٹا

گزشتہ روز وزیر اعظم کے مشیر برائے امور خارجہ سرتاج عزیز نے کہا کہ امریکہ نے یقین دہانی کرائی ہے کہ اب طالبان سے مذاکرات کے دوران ڈرون حملے نہیں کیے جائیں گے ۔انہوں نے کہا کہ امریکہ کے مطابق حکیم اللہ محسود پہلے سے ریڈار میں نشانے کیلیئے فیڈ تھا۔ حملے کا وقت غلط رہا۔ سرتاج عزیز صاحب کو تو امریکہ نے یقین دہانی کرادی لیکن وہ اپنی قوم کے اعتماد پر ماضی کے حکمرانوں کی طرح پورا نہ اُتر سکے ۔انہوں نے جس یقین کے ساتھ امریکہ کی یقین دہانی کے بارے میں اطلاع دی اُسی اعتماد کے ساتھ امریکہ نے صبح 3 بجے کے قریب صوبہ خیبر پختونخواکے ضلع ہنگو میں ایک دینی مدرسے پر ڈرون طیارے سے میزائل برسا دیئے۔ جس کے نتیجے میں اب تک کی اطلاعات کے مطابق کم از کم 8 افراد جانبحق اور درجن کے قریب زخمی ہو گئے ۔ مشیر امور خارجہ سرتاج عزیز نے یہ بھی بتایا کہ ہم معاہدے تحت نیٹو سپلائی نہیں روک سکتے ۔کاش کہ حکمران یہ بات بھی تسلیم کرلیں کہ ہم معاہدے کے تحت ڈرون حملے بھی نہیں روک سکتے ۔ملک میں پھیلی دہشتگردی اس قدر سنگین صورتحال اختیار کر چکی ہے کہ چاروں طرف سے آگ کے شعلوں کی لپٹیں اہل وطن کو اپنے آغوش میں لے چکی ہیں ۔ دہشتگردی کی اس آگ کو بجھانا کسی ایک ادارے، جماعت ، شہر۔ صوبے یا اکیلی حکومت کے بس کی بات نہیں رہی ۔جب اس آگ سے

اُٹھنے والی لپٹیں ہر ایک پاکستانی کے قسم کو جلا رہی ہیں تو پھر اس آگ کو بجھانا بھی ہم سب کا فرض ہے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم انتہائی حزم واحتیاط،تدبر و تحمل اور اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں۔وفاقی حکومت اور پاک فوج حکومت چاروں صوبائی حکمتوں اور پاکستانی عوام کو اعتماد میں لے کر صرف اور صرف پاکستان کے امن اور پاکستانی عوام کی خوشحالی کو مد نظر رکھتے ہوئے پالیسی بنائیں۔ہر پاکستانی خواہ اُس کا تعلق کسی مذہب، کسی گرو، کسی جماعت کے ساتھ ہو ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دے۔حکمران کسی قسم کی جذباتی تقریر یا بیان بازی سے گریز کریں۔دہشتگردی کیخلاف جنگ میں پوری قوم کو ملی یکجہتی کے ساتھ لڑنا ہوگا۔لیکن جب اپنے قائدین وقت کو دیکھتا ہوں تو دکھ ہوتا ہے۔وطن عزیز بُری طرح دہشتگردی کی آگ میں جل رہا اور سیاست دان اپنی اپنی نمبر گیم میں مصروف ہیں۔عمران خان یہ جانتے ہوئے کہ نیٹو سپلائی روکنے یا دھرنا دینے سے امریکی ڈرون حملے بند ہونگے اور نہ ہی دہشتگردی میں کمی آئے گی پھر بھی 23 نومبر کو دھرنا دے کر نیٹو سپلائی بند کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔لوگ پاکستان کو ناکام ریاست بتا رہے ہیں جبکہ تحریک انصاف بلدیاتی انتخابات میں نمبر حاصل کرنے کی کوشش میں 23 نومبر کو کامیاب جلسہ کرے گی۔امریکہ میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے تحریک انصاف کے رہنماء اسد عمر نے کہا کہ نیٹو سپلائی روکنے کا فیصلہ تحریک انصاف نے تنہا نہیں کیا بلکہ صوبہ خیبر پختونخوا حکومت میں شامل جماعتوں نے مشترکہ قرارداد کے ذریعے نیٹو سپلائی

روکنے کا فیصلہ کیا ہے ،انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ ن کی حکومت کا ڈرون حملوں کیخلاف صرف بیان بازی کرنا پاکستانی قوم کو دھوکہ دینے کے برابر ہے ۔مجھے تو اسد عمر کے بیان میں کہیں بھی قومی یکجہتی نظر نہیں آئی ۔ جبکہ 30 اکتوبر 2011ء کے دن لاہور کے تاریخی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان نے کہا تھا کہ اگر سیاستدانوں نے اپنے اپنے اثاثے عوام کے سامنے ظاہر نہ کئے تو سول نافرمانی کی تحریک چلاؤں گا لیکن آج تک عمران خان نے ایسا کچھ نہیں کیا ۔آج عمران خان کا کہنا ہے کہ 23 نومبر کے دن نیٹو سپلائی بند کردیں گے اس بار فرق اتنا ہے کہ اس بار جماعت اسلامی اور کچھ دیگر لوگ بھی اُن کے ساتھ ہیں لیکن ماضی کو مد نظر رکھتے ہوئے میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ چل جھوٹا ''نیٹو اتحاد آج بہت بڑی حقیقت بن چکا ہے جس کی کسی بھی کارروائی کو'' روکنا بچوں کا کھیل نہیں ہے اور جھوٹے بچوں کا تو بالکل نہیں ۔نیٹو سپلائی روکنا یا ملک میں امن و امان کے حوالے سے کوئی فیصلہ جذبات میں آکر یا جلد بازی میں نہیں کیا جاسکتا۔ میرے وطن میں دہشگردی کی آگ سلگانے میں دشمنوں نے سالوں پر محیط منظم مہم چلائی جس کے نتیجہ میں آج اُن کو کامیابی مل رہی ہے ۔آپ جانتے ہیں کہ نیٹو کئی ترقی یافتہ ملکوں کا اتحاد ہے جن میں امریکہ بھی شامل ہے جبکہ نیٹو سپلائی کے راستوں میں دھرنا دے کر اُسے روکنے کا اعلان پاکستان کے ایک صوبے کے حکمران کر رہے ۔وفاقی حکومت کو اس دھرنے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ،یعنی عمران خان نیٹو سپلائی کے راستے میں دھرنا دے کر امریکہ یا نیٹو اتحاد کا

کوئی نقصان کرنے نہیں جارہے بلکہ اس طرح وہ پاکستان کے حالات کو مزید پیچیدہ کرنے کی کوشش کریں گے ۔ وفاقی حکومت معاہدے کے تحت نیٹو سپلائی کے راستوں کو محفوظ ترین بنانے کی ذمہ دار ہے اس لئے عمران خان کے دھرنے سے امریکہ کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ خیر اس طرح کے اعلان تو وہ پہلے بھی کئی بار کر چکے ہیں جن کے نتیجے میں کئی چھوٹے موٹے دھرنے بھی دیئے جا چکے ہیں ۔ڈرون حملوں اور نیٹو سپلائی کے حوالے سے کئی بار اے پی سی بلوائی جا چکی ۔ عوام جانتے ہیں کہ ایوان بالا میں ڈرون حملوں کی بندش کے حق میں قرارداد بھی منظور ہو چکی ہے ۔افسوس کہ جب پورے ملک کی قیادت ایک جگہ بیٹھ کر امریکی ڈرون حملے بند نہیں کروا سکی تو تنہا عمران خان کس اُمید پر اپنے ملک کی وفاقی حکومت کی مخالفت کے باوجود نیٹو سپلائی روکنے کیلئے دھرنا دینے جارہے ہیں ۔ میری رائے ساری کی ساری غلط ہو سکتی ہے لیکن ایک بات میں بڑے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس طرح کے دھرنوں سے نیٹو سپلائی یا ڈرون حملے بن نہیں ہونگے ۔اور اگر ہو بھی گئے تو بھی پاکستان میں پھیلی دہشگردی میں کوئی خاطر خواہ کمی واقعہ ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی کیونکہ امریکہ یا نیٹو اتحادی اتنے بے وقوف نہیں کہ وہ اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد اپنا مشن اُدھورا چھوڑ کر چلے جائیں گے ۔ ماضی کے حکمرانوں کی طرح ن لیگ کی وفاقی حکومت اور صوبہ خیبر پختونخوا کے حکمران عمران خان بھی عوام کی حمایت حاصل کرنے کیلئے عوام کو جذباتی بیان سنا رہے ہیں ۔ جن کے ساتھ

حقیقت کا دور دور تک تعلق نظر نہیں آتا۔ جناب سرتاج عزیز ہوں یا عمران خان
دونوں ہی میرے وطن کے عظیم لیڈر ہیں اس لئے میں تو بڑے ادب، پیار اور لاڈ کے
ساتھ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ چل جھوٹا

خیر کا پیغام

انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی خیر و شر کی جنگ نے سر اُٹھا لیا جو آج تک جاری ہے ۔صحافت ہمیشہ سے خیر کی نمائندگی کرتی آرہی ہے ۔سچ کے حصول اور اشاعت کیلئے ہر قسم کے دباؤ کو خاطر میں کسی نہیں لایا جاتا۔شر نے ہمیشہ دنیا میں جہالت پھیلائیں اور صحافت نے ہمیشہ علم کی روشنی سے معاشرے کو روشن کیا اور معاشرتی بُرائیوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔صحافت کی اسی کوشش کو اہل شعور قلمی جہاد کا نام دیتے ہیں ۔خیر کا پیغام عوام تک پہچانے کیلئے ہمیں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہمیشہ مدد ملتی ہے ۔خیر کا جو پیغام آپ ﷺ نے دنیا کو دیا اُس کی مثال نہیں ملتی ۔ضرورت اس امر کی کہ ہم قرآن کریم ،احدیث نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے فائدہ حاصل کریں ۔رسول اللہ ﷺ نے خطبۃ الوداع دیتے ہوئے فرمایا" لوگو میں جو کہوں سن لو، گو مجھے معلوم نہیں لیکن ممکن ہے کہ اس حج کے بعد پھر میں تم سے یہاں نہ مل سکوں۔لوگو جس طرح یہ دن ،یہ مہینہ اور یہ مقام محترم ہے ہے اسی طرح جب تک تم زندہ ہو تمہاری جانیں، تمہاری عزتیں اور تمہارے مال بھی باہم ایک دوسرے پر حرام ہیں۔عنقریب تم اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جاؤگے اور وہ تمہارے اعمال کی بابت بازپرس کرے گا، خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں

کاٹنے لگو، جاہلیت کی ہر بات میں اپنے پاؤں پامال کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں، بڑائی کا معیار نیکی اور خوف خُدا ہے تم سب اُولاد آدمؑ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے ،سب مسلمان آپس میں بھائی ، بھائی ہیں، لوگو میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ،جب تک انہیں تھامے رہوگے، ہر گز گمراہ نہیں ہوگے، وہ چیزیں کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سُنت ہے" قارئین محترم فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہمیں اپنی زندگی اور معاشرے کو گمراہی سے بچانے کیلئے جن دو چیزوں کو تھامے رکھنا تھا بد قسمتی سے ہم نے اُن سے دوری اختیار کر لی ہے۔یہاں تھامے رکھنے کا مطلب ہر گز یہ نہیں تھا کہ پکڑے رکھنا بلکہ کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھ کر حرام سے ٹھیک اُسی طرح کنارا کرنے کا حکم ہے جس طرح فرمادیا گیا۔سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد یہ بات واضع ہو گئی ہے کہ ہمیں نہ صرف ایک دوسرے کی غلطی کو معاف کرنا ہے بلکہ ایک دوسرے کا خیال بھی رکھنا ہے ۔اگر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی دشمن کو بھی بددُعا نہ دے کر ہمارے لئے ایسی مثال قائم کی جسے ہم پوری کوشش کے بعد بھی فراموش نہیں کر سکتے ۔فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے ، کیونکہ وہ نہیں جانتے" رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اسلام کا بدترین دشمن تھا، جب وہ

فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اُس کے حق میں دعائے مغفرت کی اور اپنی قمیض مبارک عنایت فرمائی ۔اُس کی سرکشی اور منافقت کے سبب اسے فائدہ نہ ہوا لیکن اُس کے قبیلے کے سینکڑوں افراد نے آپ ﷺ کی رحم دلی کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی اُمت سے پہلے نبیوں کی امتوں کو اُن کی نافرمانی اور سرکشی کے سبب مختلف عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔ کسی قوم کی صورت مسخ کردی گئی ، کسی کی بستی کو اُلٹ دیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش کی گئی اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تو اپنی مسلسل نافرمانیوں اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پانی کے عظیم طوفان (عذاب) کی نذر ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ گئی لیکن میں قربان جاؤں اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان پر جن کی برکت سے کفار مکہ جو انتہائی سرکش اور نافرمان تھے پھر بھی عذاب عظیم سے محفوظ رہے ۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''اور اللہ ہرگز اُن پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں'' بد دعا ایسا ہتھیار ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یعنی بد دعا دینے میں ہر انسان خود کفیل ہے ۔ہم اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غصے کی حالت میں ہر انسان کے پاس ایک ہتھیار ہر وقت موجود ہوتا ہے اور وہ ہے بدُ عا۔دور حاضر میں اس ہتھیار کا زیادہ تر استعمال کمزور یعنی غریب لوگ کرتے ہیں لیکن امیر اور طاقت ور بھی دل کھول کر اس ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں ۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء نے

اپنی قوموں کی نافرمانیوں سے تنگ آکر اسی ہتھیار کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالٰی سے اپنی قوموں کے حق میں بدُعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالٰی نے اُن قوموں کو عظیم عذابوں کی نظر کردیا۔دشمن کے حق میں بدُعا کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے لیکن میں ایک بار پھر قربان جاؤں اپنے نبی کریم ﷺ کی نرم دلی پر۔ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود رسول اللہ ﷺ پر کفار نے جو مظالم ڈھائے تھے اُن کا ذکر سن کر آج بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔اسی زمانہ میں ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول ﷺ دشمنوں کے حق میں بدُعا فرمایئے۔یہ بات سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ایک مرتبہ ایک سے زیادہ صحابہ نے اسی قسم کی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ’’میں دنیا کیلئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔جنگ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے ، تلواریں چلائیں، تیر برسائے ،دندان مبارک شہید ہوئے، جبینِ اقدس کو خون سے رنگ دیا گیا لیکن پھر بھی حضور اکرم ﷺ نے دشمنوں کے حق میں بدُعا نہیں کی بلکہ یہ دُعا فرمائی’’ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے ، کیونکہ وہ نہیں جانتے‘‘ قارئین محترم ہمیں بھی سُنت نبوی ﷺ کو اپناتے ہوئے درگزاور تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔دشمن ہمیں آپس میں اُلجھا کر ہماری صفوں کا اتحاد برباد کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں آپس میں اتحاد قائم رکھ کر تمام دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے تاکہ ملک میں امن وامان قائم ہوپائے۔وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی اپیل پڑھ کر خوشی ہوئی جس میں انہوں نے قوم سے کہا

ہے کہ راولپنڈی میں ہونے والے واقعہ پر ہر پاکستانی دکھی اور غمزدہ ہے۔اس واقعے میں ملوث افراد پاکستان اور اسلام دونوں کے دشمن ہیں۔پاکستان کے عوام نے قومی تاریخ کے ہر مرحلے پر فرقہ وارانہ سوچ سے بلند ہو کر ملک و قوم کے استحکام اور سربلندی کیلئے اپنا کردار ادا کیا ہے۔میں عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد اور رواداری کی فضا برقرار رکھتے ہوئے باہمی پیار اور محبت میں کمی مت آنے دیں۔میری علمائے کرام سے بھی اپیل ہے کہ وہ عوام کے درمیان اتحاد اور اُخوت کے جذبات کو فروغ دیں مجھے اُمید ہے کہ اس موقع پر اپنے اپنے حلقہ اثر میں صورتحال کو معمول پر لانے اور امن عامہ کی فضا کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی قومی اور دینی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔راقم وزیر اعلیٰ پنجاب کی اپیل کو راولپنڈی سے نکال کر پورے وطن بلکہ پوری دنیا میں پھیلانے کا حامی ہے تاکہ چھوٹے چھوٹے احتجاج،دھرنے اور مارچ کی بجائے پوری قوم کو مل کر ایک فائنل مارچ کیلئے تیار کیا جاسکے،قوم سے میری مراد نہ صرف مسلمان بلکہ پوری پاکستانی قوم ہے۔ہمیں مل کر دنیا کو پیغام دینا ہوگا کہ ہماری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں اپنے جائز مطالبات کے ساتھ ہم سب مل کر اپنے وطن اور پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے خواہش مند ہیں نہ کہ دہشتگردی کو فروغ دینے کے حامی ہیں۔علماء اکرم اپنا فرض کرتے ہوئے ہر قسم کی فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر درس قرآن کریم اور احدیث نبی ﷺ کے مطابق قوم کی رہنمائی فرمائیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے کہ

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ پڑو" اور حکمران بھی اپنا فرض" ادا کریں اور عوام کے جان ومال کا تحفظ کرنے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کریں۔اہل قلم خیر کا پیغام کو عوام تک پہنچانے میں علماء اور حکمرانوں کا ساتھ دیں تاکہ دنیا کو اسلام کا روشن پیغام امن دے کر جہالت کے اندھیروں کو پھر سے انسانی زندگی سے نکالا جاسکے اور چاروں طرف شر کو شکست دے کر خیر کو عام کرنے میں مدد مل سکے :

دُعائیں کیوں رد ہوتی ہیں؟

مسلمان کا اچھی ،بری تقدیر پر یقین رکھنا اور ہر اچھے اور برے وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی پیشانی خالق کائنات کے سامنے سجدوں میں جھکائے رکھنے کو اس کے سچے مسلمان ہونے کی دلیل کہا جا سکتا ہے۔ صحابہ اکرامؓ جب تقدیر کے معاملے میں جھگڑتے تو سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ ان سے بہت خفا ہو جاتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسئلہ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے ''تو آپ ﷺ جلال میں تشریف لے آئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دئے گیے ہوں'' پھر ارشاد فرمایا کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے ''یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں ''تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلے میں جھگڑے کیے تو ہلاک ہی ہو گئے ''میں تم پر لازم کرتا ہوں'میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلے میں جھگڑا مت کرو:: تقدیر جیسی بھی ہو تقدیر بنانے اور بدلنے کی قدرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔اس لیے ہمیں تقدیر کو دوش دینے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے چاہیے۔ موجودہ دور میں جب ہم ایک ہی وقت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ جن میں سب سے بڑی مشکل ملک میں پھیلی ہوئی دہشتگردی ہے۔بے شک دہشتگردی کا یہ تحفہ ہمیں امریکی

جنگ میں حصہ دار بننے کی وجہ سے ملا ہے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ پاکستان کو اس جنگ میں حصہ لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ لیکن اب اور وقت ضائع کیے بغیر اس جنگ سے باہر نکل آنا چاہیے۔ وہ اس لیے کہ تاریخ گواہ ہے جنگیں کبھی بھی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں بنیں، بلکہ جنگوں میں اورزیادہ مسائل جنم لیتے ہیں۔ جس کی جیتی جاگتی مثال اس وقت آج ہمارے آنگن میں پھیلی دہشتگردی ہے۔ اور اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ ہم لوگ دہشتگردی کا نشانہ بننے والے اپنے بہن بھائیوں کی کوئی مدد کرنے کی بجائے ان کی جیبوں سے ان کے پرس ''کلائیوں سے ان گھڑیاں' چوڑیاں اور دیگر قیمتی چیزیں چوری کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میرے نزدیک جو لوگ دہشتگردی کی واردات کرتے ہیں اور جو لوگ زخمی انسانوں کی مدد کرنے کی بجائے چوریاں کرتے ہیں۔ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ میرے خیال میں دونوں طرف کے لوگ کسی دوسرے سے نہیں اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہیں۔ حضرت واصف علی واصف صاحب کا پنجابی شعر پیش خدمت ہے۔

میرے سرتے امبر ڈگیا، میں تارے چن دی جاں
میں اپنے آپ نوں ڈنگیا، میں سپاں دی وی ماں

ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔ شعور و عقل کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانا ہوں گیں۔ سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکتے ہوئے اپنی اصلاح کرنا ہوگی کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت انسان اپنے آپ کو زیادہ قریب سے جانتا ہے اس لیے

اگر ہم خود اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تو کامیابی کے امکان بہت زیادہ ہونگے۔
زاویہ نگاہ بدلنے سے منظر بدل جایا کرتے ہیں۔اسی طرح طرز فکر میں تبدیلی سے زندگیاں بدل جایا کرتیں ہیں۔شعور انسانی جیسے جیسے بیداری کی منازل طے کرتا ہے زندگی کی راہیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔مثبت طرز فکر ہمیشہ امن وترقی کی راہیں" کھولتا ہے۔جو لوگ مسائل میں الجھے بغیر دستیاب وسائل کا بہتر طریقے سے استعمال سیکھ لیتے ہیں زندگی کی راہیں ان کے لیے آسان ہوجایا کرتی ہیں۔اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہر شے کچھ بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔انسان چاہے کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو۔کوئی سی بھی زبان بولتا ہو۔وہ معاشرے کااہم حصہ ہوتا ہے۔انسانی اکائیوں کے مجموعہ کو معاشرہ کہتے ہیں۔انسانی معاشرہ کو بھی کچھ ایسے اجزاء کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔جس میں اگر تمام اجزاء اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو معاشرے کی گاڑی بڑی کامیابی سے بہتری کے سفر میں رواں دواں رہتی اور کامیابی کی بہت سی منزلیں باآسانی طے کرتی ہے۔آج پاکستان میں بے پناہ قدرتی وسائل دستیاب ہونے کے باوجود پاکستانی عوام فاقہ کشی پر مجبور ہے۔وسائل سے مالامال پاکستان میں 80 فیصد سے زیادہ لوگ انتہائی غربت کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ایسا کیوں ہے ؟کیا ہم نے آزادی کے 66برس گزار کر بھی اپنے وسائل کو صحیح طرح سے استعمال کرنا نہیں سیکھا؟کیا پاکستانی عوام آج بھی باشعور نہیں ہے؟کیا ہمیں آج اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کو

مد نظر رکھتے ہوئے مثبت طرز فکر اپنانے کی ضرورت نہیں ہے ؟کیا ہم دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کی بجائے اپنا اپنا کام بہتر طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتے ؟میرے عزیز ہم وطنوں ایسے اور بھی بہت سوالات ہیں ۔جو ہمیں خود سے کرنے ہیں نہ کہ کسی دوسرے سے ۔مثال کے طور پر ملک میں غربت میں کمی کیسے ہوگی؟اس سوال سے ہماری قومی ترقی جڑی ہوئی ہے ۔اس لیے یہ سوال بڑی زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔قوموں کے خوش حال مستقبل کا بچت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ سمجھدار لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر کچھ نہ کچھ وسائل زندگی میں آنے والے برے وقتوں کے لیے جمع رکھتے ہیں ۔تاکہ مشکل وقت میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے ۔غریبوں کے لیے مکان خریدنا "کسی بیماری کی صورت میں علاج معالج یا بچوں کی شادیاں کرنا دنیاکے مشکل ترین کام ہیں ۔اس لیے غریب لوگ بچوں کے پیدا ہوتے ہی بچوں کے بہتر مستقبل "تعلیم وتربیت کے لیے بچت کرنا شروع کردیتے ہیں ۔اگر دیکھا جائے تو یہ بھی ایک مثبت طرز فکر ہے ۔اگر ہم بحثیت قوم بچت کو اپنا شعار بناتے اور مثبت طرز فکر اپناتے تو یقیناآج ہمیں کمرتوڑ مہنگائی "بدترین کرپشن "آسمان کو چھوتی ہوئی بدامنی معاشرے میں بڑھتی ہوئی ناانصافی،اقربای پروری،'تیزرفتاری سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اورلوڈشیڈنگ کے دردناک عذاب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرناپڑتا ۔اگر پاکستانی معاشرے کے تمام اجزاء اپنا اپناکام صحیح طریقے سے کرتے توآج ہم بھی دنیامیں ایک مہذب اور باوقار قوم کی حیثیت سے

سر اٹھا کر زندگی گزار رہے ہوتے ۔لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا اور آج ملک میں فیکٹریاں اور کارخانوں کا پہیہ جام ہو چکا ہے ۔بے روزگاری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ غریب کا چولہا ٹھنڈا ہو چکا ہے ۔بے بسی کے عالم میں بے روزگاری اور تنگ دستی سے مجبور لوگ خود کشیاں کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں ۔اور اپنے ہی معصوم بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو موت کے سپرد کر رہے ہیں ۔حالات اس قدر خراب ہونے کے باوجود بھی ہم در پیش مسائل کے حل میں سنجیدہ نہیں ہیں ۔ایک دوسرے پر الزامات کی چھریاں چلانے کے سوا ہمیں کوئی کام نہیں آتا۔ حکمران عوام کو اور عوام حکمرانوں کو برا بھلا کہہ کر وقت گزار رہے ہیں ۔کسی معاشرے میں حکمران طبقہ اگر ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دے تو عوام کو مجبوراً اپنے معاملات ٹھیک کرنے پڑتے ہیں ۔لیکن اگر حکمران ہی جھوٹ اور ٹال مٹول کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جائیں اور عوام کو روٹی کے لالے پڑے ہوں تو پھر مثبت طرز فکر تو دور کی بات ہے مثبت سوچ بھی انسانی ذہن کے قریب سے نہیں گزرتی ۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم کائنات کی بہترین قوم یعنی مسلمان اور آزاد پاکستان کے باسی ہو کر بھی ذلت و رسوائی کی دلدل میں روز بہ روز دھنستے چلے جا رہے ہیں ۔آج ہمیں یعنی عوام کو حکمرانواں کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے کی اشد ضرورت ہے۔جب تک عوام خود کرپشن کرنا نہیں چھوڑتی تب تک ممکن ہی نہیں کہ حکمران کرپشن نہ کریں ۔ میرے عزیز ہم وطنوں

اگر آج ہم نیک اور پرہیزگاروں کو بھی اپنا حکمران چن لیں لیکن خود کو تبدیل نہ کریں تو نیک اور پرہیزگار لوگ بھی حکومت میں آنے کے بعد بے ایمان اور کرپٹ ہوجائیں گے بالکل اس مسلمان ریاست کی طرح جس کے حکمران جب عوام پر ظلم کرتے تو عوام اللہ تعالیٰ سے کہتی کہ یا اللہ حکمران ظالم بن گیا ہے۔یااللہ اس ظالم حکمران کو بدل کر ہمیں نیک اور عوام کا درد رکھنے والا حکمران عطا فرما۔قوم جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی وہ قبول ہوتی اور ان کا بادشاہ اگلا دن آنے سے پہلے ہی مرجاتا اوراس طرح عوام کو نیا حکمران مل جاتا۔ایک موقع ایسا آیا جب حکمران خاندان کے سب ولی عہد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔اب قوم کو ریاست کے معاملات چلانے کے لیے ایک صاحب علم شخص کی ضرورت محسوس ہوئی اور عوام نے ریاست کے سب سے بڑے عالم دین کو ریاست کا بادشاہ مقرر کردیا۔عالم دین یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس نے عوام پر ظلم کیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گی جس کے نتیجے میں اس کی موت لازم ہوجائے گی۔اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حکومت کے نشے میں حکمران کا مست ہونا فطری بات ہے۔اس نے ہمسایہ ریاست جو کہ غیر مسلم تھی سور کی کھال کے مشکیزے بنوائے اور اپنی ریاست کے سب پانی بھرنے والوں کو بلا کر ان سے پرانے مشکیزے واپس لے کر ان کو سور کی کھال کے بنے ہوئے نئے مشکیزے دے دیے اور کچھ عرصہ تک بڑی ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا۔اور پھر جب اس نے محسوس کیا کہ عوام کے رگوں میں حرام سرایت کرچکا ہے تو ان عوام پر ظلم

ڈھانے شروع کردیے ۔جب بادشاہ کے ظلم حد سے بڑے تو عوام نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا شروع کردیں لیکن قوم انجانے میں ایک عرصے سے سور کی کھال کی بنی مشکیزے کے ذریعے بھرا پانی پی رہی تھی جو کہ اسلام میں حرام ہے ۔اس لیے اس بار قوم کی دعائیں نہ قبول ہوئیں ۔اس ساری کہانی کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان قوم انجانے میں حرام کھاتی ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو اس کی دعائیں بارگاہ الہیٰ میں رد ہوجاتیں ہیں ۔تو پھر جان بوجھ کر حرام کھانے والوں کی دعائیں کس طرح قبول ہو سکتی ہیں ۔آج ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے نہ کہ دوسروں کے۔ خود سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم حرام تو نہیں کھا رہے ۔اور اگر خود سے یہ جواب ملے کہ ہاں ہم حرام کھا رہے ہیں تو پھر مزید وقت ضائع کیے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ سے مافی مانگنے اور سچے دل سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہلال و حرام کی تمیز کرنے کے ساتھ ساتھ آج ہمیں دوسروں کو برا کہنا چھوڑ کر مثبت طرز فکر اپناتے ہوئے اپنی اپنی اصلاح کرنے ضرورت ہے ۔تاکہ ہم بھی خوشحال اور ترقی یافتہ پاکستان اور خوبصورت مسلمان معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرسکیں ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راہ حق پر چلنے کی ہمت عطا کرے ۔آمین ۔

ڈالر یا عزت نفس؟

میرے کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ میں لکھتے وقت مسلم لیگ ن کی قیادت کو دل کے قریب رکھتا ہوں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے مسلم لیگ میری پسندیدہ جماعت ہے لیکن اس میں ،ج،چ، ح اور د، ذ نے خرابیاں پیدا کر دی ہیں ۔ لیکن جہاں تک بات ہے لکھنے کی تو میری ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ بلاامتیاز لکھا جائے ۔پارٹی یا پارٹی قیادت کی پسندیدگی کا لحاظ کیے بغیر اپنی رائے کا اظہار میری اُولین ترجیح ہے۔آج میں کچھ سیاستدانوں کے سچے بیانات پر اپنی ناقص رائے کا اظہار کروں گا جس طرح مجھے دوسروں کی رائے کے ساتھ اختلاف کا حق ہے ٹھیک اُسی طرح آپ بھی میری رائے کے ساتھ اختلاف کر سکتے ہیں ۔ میں پہلے بھی کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میاں شہباز شریف میری پسندیدہ سیاسی شخصیت ہیں لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ میں اُن کی کسی بات سے اختلاف نہیں کرتا ۔آج ہی کی بات کر لیتے ہیں وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے کہا ہے کہ منافع خور اور ذخیرہ اندوز جلد جیلوں میں ہونگے، کرپشن روک کر وسائل کا رخ عوام کی جانب موڑ دیا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ پنجاب کو خوشحال اور مثالی صوبہ بنا کر دم لوں گا" میاں صاحب نے سراسر اسچ کہا کہ وہ پنجاب کو خوشحال اور مثالی صوبہ بنانے میں سنجیدہ ہیں لیکن جہاں تک بات ہے منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں

کے جیل جانے کی تو یہ معاملہ اپنی سمجھ سے بالاتر ہے۔صوبہ پنجاب میں خوشحالی آنے کی اُمید تو ہے لیکن یہ خوشحالی تاجروں اور سرمایہ داروں کے گھر سے ہو کر یعنی منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کو مزید خوشحال بنانے کے بعد عوام تک پہنچے گی۔ حکومت منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کو جیلوں میں قید کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ انہیں لوگوں کے سر پہ سیاسی پارٹیاں چل رہی ہیں۔ گزشتہ دنوں وفاقی وزیر چوہدری نثار نے پارلیمنٹ ہاؤس میں صحافیوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ڈالر یا عزت اب فیصلہ کرنا پڑے گا،امریکہ کی یقین دہانیوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا،امریکہ کو اب کوئی کیسے اپنادوست کہہ سکتا ہے؟قوم کو ہنگوڈرون حملے کے بعد امریکی ڈالروں اور عزت نفس میں سے ایک کا چناؤ کرنا ہوگا،انہوں نے کہا 12 سال سے امریکا کے ڈالر پاکستان میں کون سا سکون لے کر آئے ہیں جواب ان ڈالروں سے خیر کی توقع کی جائے آج انہیں ڈالروں کی وجہ سے ملک کے طول و عرض میں آگ برس رہی ہے۔100، فیصد سچ کہا چوہدری صاحب آپ نے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ امریکہ سے ڈالر لیتا کون ہے؟20 کروڑ پاکستانیوں میں مشکل سے 20,10 لاکھ نے ڈالر دیکھا ہوگا ورنہ ہم جانتے ہی نہیں کہ ڈالر ہے کیا چیز۔خبروں میں سن یا پڑھ لیتے ہیں بس اس سے زیادہ قوم ڈالر کے بارے معلومات نہیں رکھتی۔اور پھر قوم نے تو مسلم لیگ ن کو فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار دے رکھا ہے۔اور آپ مسلم لیگ ن کی حکومت کا ہی حصہ ہیں تو پھر فیصلہ

کیوں نہیں کر رہے ؟اب ڈرون حملوں کے معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے : عمران خان۔خان صاحب آپ نے بالکل سچ کہا یہ بات عوام بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ڈرون حملوں ، نیٹو سپلائی اور پاکستانی سرحدوں کے اندر دیگر امریکی آپریشنز کے معاملوں پر سمجھوتے پہلے سے موجود ہیں اس لئے اب کوئی سمجھوتہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ہم ڈرون حملوں کے معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے ۔قارئین محترم جس طرح ہم عوام سارا دن جھوٹ نہیں بولتے ٹھیک اسی طرح ہمارے ملک کے سیاست دان بھی سچ بولتے ہیں لیکن سیاستدان بھی ہماری طرح انسان ہیں ۔اُن سے بھی غلطیاں ہو ہو، ہو، ہوجاتی ہیں ''ڈالر 120 روپے کا ہوجائے گا، مہنگائی کنٹرول سے باہر ہوچکی ، نواز، شریف ڈرون حملوں کو روکنے میں دلچسپی نہیں رکھتے : شیخ رشید''جیٔ ہاں جس وقت میں مشرف حکومت میں وزیر تھا ہم نے امریکہ کی ایک آواز پر لبیک کہا اور ایسے مضبوط معاہدے کیے کہ زرداری اور نواز شریف تو کیا کوئی بھی ڈرون حملے نہیں روک سکتا ۔معیشت کو اس قدر تباہ و برباد کیا ،اضافی نوٹ چھاپ کر روپے کو اس قدر رسوا کیا کہ آج روپیہ ڈالر کے مقابلے میں زیرو ہوچکا اور عنقریب موجودہ پوزیشن سے بھی نیچے گر جائے گا۔ قارئین محترم اگر پاکستان کے حالات بہتر نہ ہوئے تو ڈالر بقول شیخ رشید 120 کی بجائے ہزاروں روپے کا ہوجائے گا۔اور جہاں تک بات ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف ڈرون حملوں کو روکنے کے معاملے پر کس قدر سنجیدہ ہیں اس بات کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کیونکہ ابھی اُن کو وزیر اعظم منتخب ہوئے چند

ماہ گزرے ہیں اور اتنے قلیل عرصے میں اس قدر سنگین معاملے پر قابو پانا قدرے مشکل کام ہے۔اور پھر شیخ صاحب آپ بتائیں اگر ڈرون حملے اتنے ہی غلط تھے تو اُس وقت آپ کی حکومت نے امریکہ کو ڈرون حملوں کی اجازت کیوں دی تھی ؟جب پاکستان میں دہشتگردی کا نام تک نہ تھا آپ کی حکومت نے امریکہ کو ڈرون حملوں کی اجازت دے کر ملک کو دہشتگردی کی آگ میں جھونک دیا اور اب آپ نیٹو سپلائی روکے بیٹھے ہیں۔اگر جناب کا خیال ہے کہ عوام کو سمجھ نہیں آتی تو آپ کا خیال کافی حد تک درست ہے لیکن آپ کیلئے ایک بُری خبر یہ ہے کہ اب ''عوام کچھ کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں۔'' قومی ادارے لوٹ کا مال سمجھ لئے گئے ، نجکاری کے نام پر قومی ادارے دوستوں میں بانٹے جارہے ہیں : بلاول زرداری بھٹو۔بالکل ٹھیک کہا جناب حکمرانوں نے اگر پاکستان کے قومی اداروں کو لوٹ کا مال نہ سمجھا ہوتا تو آج اُن کی حالت اس قدر خراب نہ ہوتی کہ اُنہیں فروخت کرنا پڑتا۔اگر یوں کہا جائے کہ قومی اداروں کے ساتھ ساتھ حکمران قوم کو بھی لوٹ کا مال سمجھتے ہیں تو میرے خیال میں زیادہ غلط نہ ہوگا۔''امریکہ ڈالر بند کردے تو پاکستان کو کوئی نیلام میں بھی نہ لے گا: الطاف حسین۔بات کڑوی لیکن سچ ہے کہ پاکستانی حکمرانوں نے اپنے وطن کو ڈالر کے عوض امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا ہے لیکن جہاں تک بات ہے نیلامی میں دینے کی تو کم از کم راقم تو اپنے وطن کی نیلامی کی بات سوچ بھی نہیں سکتا اور پھر امریکہ اتنا بے وقوف بھی نہیں لگتا جو کسی کو بے مقصد ہی ڈالر دیئے جائے۔ قارئین محترم حکمران

طبقہ ملک کو لوٹ کا مال سمجھ کر نیلامی کی باتیں کر رہا ہے لیکن پھر بھی جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ قومی خزانہ خالی اور حاکمین کے ذاتی خزانے ڈالروں سے بھرے پڑے ہیں ۔ قومی ادارے بدحالی کا شکار اور سیاست دانوں کے ادارے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں یہاں یہ سوال مجھے .بڑا پریشان کر رہا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے کاروبار چمکانے کی، صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ لوگ قومی اداروں کے لئے اپنی صلاحیتوں کو.بروے کار کیوں نہیں لاتے ؟ کیوں امریکہ سے ڈالر لے کر ملک و قوم کا سودا کرتے ہیں ؟چوہدری نثار صاحب نے ٹھیک کہا کہ اب ہمیں ڈالر یا عزت نفس میں سے ایک کا چناؤ کرنا ہوگا۔ پہلے تو یہ حکمرانوں کا کام ہے اور اگراُن کے بس سے باہر ہے تو قوم سے ریفرینڈم کے ذریعے فیصلہ کروا لینا چاہیے کہ انہیں امریکی ڈالر یا عزت نفس میں سے کون سی چیز زیادہ عزیز ہے ؟

انسان افضل یا ٹماٹر؟

انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے عزیز مخلوق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے 'اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور ان کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور بہت سی ان چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں، ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے''' (بنی اسرائیل) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عزت بخشی، پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور اپنی پیدا کردہ مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے لیکن آج آٹا، ٹماٹر، آلو اور دیگر وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے پیدا کیا ہے وہ تمام انسان سے مہنگی ہیں اور انسان اپنی عزت سمیت بے توقیر ہو چکا ہے آخر انسان کی اس بے توقیری کی وجوہات کیا ہیں ؟جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں تو پھر انسان جن چیزوں کو شمار کرنے سے بھی قاصر ہے تو کیوں سارے زمانے کی نعمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر دنیا کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے خالی کرنیکا خواہش مند ہے۔ ٹماٹر اور آلو مہنگے ہو جائیں تو چاروں طرف شور مچ جاتا ہے لیکن میک اپ کا سامان خریدتے وقت انسان مہنگی سے مہنگی چیزیں خریدتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت شکل دی ہے تو پھر کیا ضرورت ہے اس خوبصورت شکل پر غذائی بجٹ خرچ کرنے کی؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

میں ارشاد فرمایا 'تحقیق ہم نے انسان کو خوبصورت شکل میں پیدا فرمایا' کائنات کی تمام نعمتیں انسان کیلئے ،انسان تمام مخلوقات سے خوبصورت اور افضل ہے تو پھر کیوں اپنے سے کم خوبصورت چیزوں کے پیچھے خوار ہو رہا ہے آج کا انسان ؟ کیوں انسان اپنے وجود کے افضل اور خوبصورت ہونے کو جھٹلا کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہا ہے ؟ کیوں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ حلال رزق چھوڑ کر حرام کے پیچھے بھاگ رہا ہے؟ کیوں حلال کو حرام کرنے کے بعد اپنے اُوپر حلال کرنے کی تگ ودو کرتا نظر آ رہا ہے؟کیا یہ وہی انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے احسن صورت میں پیدا فرمایا ہے؟پھر کیوں یہ دنیا کی تمام بدصورتی کو اپنے اندر سمیٹ لینے کا خواہاں ہے۔جب آج کے گمراہ انسان یعنی اپنے گریبان میں جھانکتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میں وہ انسان نہیں رہا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اُصول زندگی گزارنے کیلئے مرتب کئے ہیں میں اُن سے مکمل طور پر غافل ہو چکا ہوں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی لیکن میں اپنی عزت کے بدلے آلو اور ٹماٹر خریدنے کی کوشش کر رہا ہوں۔انسان کی بے توقیری پر کبھی اتنا واویلا نہیں مچا جتنا ٹماٹر کے مہنگے ہونے پر مچا۔ٹی وی سکرین سے اخبارات کے صفحات تک ٹماٹر ہی ٹماٹر نظر آ رہے ہیں جبکہ انسان انسانی قدروں کو بھول کر حیوانیت کے اُصولوں پر تیزی سے کاربندھ ہوتا جا رہا ہے لیکن کسی دانشور یا قلم کار کو اس بات کی فکر نہیں۔کیا ہوا جو ٹماٹر مہنگا ہو گیا ؟کچھ دن ٹماٹر نہیں کھائیں گے تو کیا ہماری سانسیں رک جائیں گی ؟کیا ٹماٹر نہ کھانے

سے ہمارا ایمان ضائع ہو جائے گا؟ ٹماٹر نہ کھانے سے معاشرے میں پھیلا ظلم ناانصافی، بد عملی ،بدامنی، بے ایمانی یا دیگر بُرائیوں میں اضافہ ہو جائے گا؟ ٹماٹر کے مہنگے، ہونے پر شور مچانے والے سن لیں دنیا کی آدھی سے زیادہ انسانی آبادی اس قدر غذائی قلت کا شکار ہے کہ آج انسانیت ٹماٹر تو دور کی بات گندم کے ایک ایک دانے اور پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہی ہے تو کیا ہم کچھ دن ٹماٹر نہ کھانے سے مر جائیں گے ؟ اللہ کے بندوں شکر کرو اُس خالق حقیقی کا جس نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ،ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے' شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سب مخلوقات سے افضل پیدا فرمایا۔ آخر میں اُن تمام دوستوں سے ایک سوال ہے جنھوں نے ٹماٹر مہنگا ہونے پر خوب شور مچایا ان کی نظر میں انسان افضل ہے یا ٹماٹر؟

زَن مرید

آج کے معاشرے میں عورت کی بے توقیری دیکھتا ہوں تو دورِ جہالت کے بدصورت رسم ورواج تصویروں کی صورت آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ مجھے احساس دلاتے ہیں کہ تُو بھی کسی مہذب معاشرے کا فرد نہیں بلکہ دورِجہالت سے ملتے جلتے دور میں پیدا ہوا ہے۔جس نسل کی ماں ظلم زیادتی ،ناانصافی کا شکار ہو وہ کس طرح پرامن ،باشعوراور باعزت معاشرہ قائم کر سکتی ہے۔جو لوگ اپنی ماؤں ،بہنوں ،بیٹیوں اور بیویوں کو عزت وانصاف نہیں دے سکتے وہ کیونکر دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے حقدار ہو سکتے ہیں ۔غلام،بے توقیر اور ظلم کی چکی میں پسی ماں کس طرح بچوں کو خوددار، خودمختار، ایماندار اور باشعور بنا سکتی ہے؟جس معاشرے میں ماں ،بیٹی ،بہن اور بیوی کی کوئی عزت نہیں اُس معاشرے کے افراد کی دنیا کیا عزت کرے گی ؟جن کی ماں ،بہن،بیٹی اور بیوی کو اپنے بیٹے ،باپ،بھائی ،شوہر یا گھرپر کوئی حق نہیں وہ کس منہ سے دنیا سے اپنے یا انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں؟افسوس کہ اسلامی معاشرے کو غیرمذہب رسم ورواج نے یرغمال بنا کر ہمیں مفلوج کرکے ہمیں حقائق سے دور تر کردیاہے۔

اسلام سے پہلے معاشرے میں بھی عورتوں کی کوئی عزت اور قدر و منزلت نہ تھی ۔وہ ظلم وستم کا شکار تھی ۔حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ مکہ میں عورتوں کو بالکل ناقابل توجہ سمجھا جاتا تھا،مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔رسول اللہؐ نے حکم خُداوندی کے تحت عورت کو عزت واحترام کا وہ مقام بخشا جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریمؐ نے عورت کے حقوق وفرائض کا تعین فرمایا اور اسے ماں،بیٹی،بہن اور بیوی سمیت تمام رشتوں سے عزت عطا فرمائی۔ارشاد نبوی ہے ”تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو (اپنی) بیویوں سے بہتر سلوک کریں اور میں اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتا ہوں“ خطبہ حجتہ الوداع میں بھی عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔آپؐ نے مسلمانوں کو اس خطبہ کے ذریعے خواتین کے بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کا حکم دیتے ہوئے پابند کردیا کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ،آپؐ نے فرمایا مردوں کا یہ مقام نہیں کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکری سمجھیں بلکہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تحت ہونا چاہئے اور انہیں ان کا جائز مقام ملنا چاہئے۔

افسوس آج مسلمان معاشرہ بھی ہندو و دیگر غیر مسلم معاشروں کے رسم ورواج اپنا چکا ہے جن میں عورتوں کو نہ تو عزت دی جاتی ہے اور نہ انسان سمجھا جاتا ہے۔آج عورت پر ہر طرح سے ظلم وستم ہو رہے ہیں' وہ ماں بھی ہے،بہن بھی،بیٹی

بھی اور بیوی بھی ، ہمیں اُس کی ضرورت بھی بہت ہے لیکن اُس کی عزت کرنا ہمارے لئے باعث شرم بنتا جارہا ہے۔عام طور پر جب کوئی مرد اپنے گھر میں جھاڑو دیتا ہے،برتن، کپڑے دھوتا ،فرش صاف کرتا یا پھر بچوں کو واش روم لے کے جاتا ہے تو معاشرہ اُس کا مذاق اُڑاتا ہے لیکن جب یہی مرد لمبے بال رکھتا ہے، ریشمی کپڑے پہنتا ہے یا عورتوں سے زیادہ فیشن کرتا ہے ،جب عورتیں کام کرنے کیلئے کارخانوں کا رخ کرتی ہیں تب اسی مرد کی مردانگی پر معاشرہ کوئی فتویٰ نہیں دیتا۔آخر عورت بھی انسان ہے وہ سارادن گھر، بچوں، مرد کے رشتہ داروں اور مہمانوں کی خاطر داری سمیت کئی دیگر کام کرنے کے بعد رات کو مرد کا بھی خیال رکھتی ہے۔جب یہی عورت گھر سے باہر کمانے نکلتی ہے اسے اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر ایک مرد کو برتن یا کپڑے دھونے پر کیا جاتا ہے۔مرد چھٹی والے دن بھی اپنے دوستوں اور دوسیتوں کے ساتھ وقت گزار سکتا ہے یعنی مرد کو کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ کس کس سے ملتا ہے کیا کیا کرتا ہے، وہ کسی بھی وقت کہیں بھی آ جا سکتا ہے لیکن عورت صرف کپڑے، برتن، فرش دھو سکتی ہے، کھانا پکا سکتی ہے ، مرد کے خاندان والوں کی فرمانبرداری کر سکتی ہے یہ سب کام کرنے کے بعد بھی اگر اُونچا بولے گی تو وہ اچھی عورت نہیں بلکہ بدسیرت ہو جائے گی ۔وہی مرد جو گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا وہ سارا دن دفتر میں برتن بھی دھوتا ہے اور فرش بھی ، چائے بھی بناتا ہے اور کھانا بھی گرم کرتا ہے اگر باس کے بچے دفتر آ جائیں تو اُن کی نیپی بھی تبدیل کرتا ہے۔یہ

تمام کام کرتے وقت شرم کی بجائے فخر محسوس کرنے والا مرد ساری مردانگی گھر کی چاردیواری میں قید ایک عورت پر نکالتا ہے کیا اپنی بیوی دفتر کے باس کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے؟ عورتوں کی طرح لمبے بال رکھے، سرخی، پوڈر اور کاجل لگائے والدین کو بیٹا خوبصورت لگتا ہے لیکن اگر یہی بیٹا اپنی بیوی کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے گھر کا کوئی چھوٹا موٹا کام کردے تو اُسے چوڈو، رن مرید، بڈی تھلے لگا اور نجانے کون کون سے خطابات سے نواز دیا جاتا ہے۔ یہ مرد عورتوں کی طرح بیوی کو جہیز کم لانے کا طعنہ تو دے سکتا ہے لیکن خود کما کر اپنے گھر کی چیزیں پوری نہیں کرسکتا۔ ہمارے معاشرے کو دیکھ کون یقین کرے گا کہ ہم رسول ﷺ کے اُمتی ہیں؟ جنہوں نے خود بھی خواتین کی عزت کی اور ہمیں بھی حکم فرمایا ہے۔

سروس چارجز یا سود؟

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسلمانوں میں آج ایسے لوگ باقی ہیں جو حرام کے خلاف آواز اُٹھا رہے ہیں۔ وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے تو بڑے فخر کے ساتھ وزیر اعظم یوتھ بزنس لون کا اعلان کر دیا، جس کے مطابق 1 لاکھ سے 20 لاکھ روپے تک کا قرضہ ملے گا، پہلے مرحلے میں ایک لاکھ افراد کے لئے کاروبار شروع کرنے موقع فراہم کیا جائے گا، جو بنے گا لاکھوں افراد کیلئے ذریعہ روزگار۔ وزیر اعظم کے اعلان کے مطابق قرضے کے کل سروس چارجز میں سے 8 فیصد قرض لینے والا ادا کرے گا جبکہ 7 فیصد حکومت دے گی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے روزگار کے معاملے پر غور وفکر کیا لیکن ایک بات مجھے بہت پریشان کر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کو حکومت نے سروس چارجز کا نام دیا ہے کیا وہ سود نہیں ہے ؟اگر سود ہے تو پھر 7 فیصد سود حکومت یعنی ریاست کے غریب عوام ادا کریں گے جنھوں نے وزیر اعظم یوتھ لون سکیم سے قرض بھی نہیں لیا ہوگا اور 8 فیصد سود قرض لینے والا دے گا۔ سود پر قرض دینے کا اعلان صرف اسلامی قوانین کے ہی منافی نہیں بلکہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 2a,62.91 کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اور آرٹیکل 92 میں یہ بات بہت واضح طور پر درج ہے کہ پاکستان کا وزیر اعظم مسلمان ہوگا'' ایک مسلمان کبھی بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کا سوچ بھی نہیں

سکتا۔وزیراعظم بزنس لون کے اعلان کے بعد سود کے خلاف اُٹھنے والی سینکڑوں آوزیں سن کر یقین ہوگیاکہ ابھی روشنی باقی اور مسلمانوں کا مستقبل ابھی تاریخ نہیں ہوا۔آج محسوس ہورہاہے کہ بہت جلد مسلمان اپنے حکمرانوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف لڑی جانے والی جنگ سے باہر نکال لیں گے ۔بھلائی و نیکی کو خود اختیار کرتے ہوے دوسروں کودعوت دینا ہمارافرض ہے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔”تم وہ بہترین اُمت ہوجسے نوع انسانی کیلئے نکالا گیا،تم نیکی کاحکم دیتے ہو،بدی سے روکتے ہو۔اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جولوگوں کونیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور.برے کاموں سے منع کرے ،اور یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں (آل عمران) نیکی کوفروغ دینا،،پھیلانا اور اس کی اشاعت و تلقین کرنا برائی کو مٹانا،برائی کو روکنا اور لوگوں کوگناہ سے منع کرنا بھی اُمت مسلمہ کافرض، منصبی ہے۔دین اسلام صرف یہی نہیں کہ انسان خود تو نیکی کی راہ پرگامزن ،عبادت میں مشغول رہے اوراپنے اردگردکے ماحول سے بے نیازی اختیار کرے بلکہ دین کا تقاضایہ ہے کہ انسان دوسروں کو.برائی سے روکے اور انہیں بھلائی کی تلقین کرے ۔آج جو مسلمان سود دیتے ،لیتے نہیں لیکن سودی نظام کے خلاف آواز نہیں اُٹھارہے (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) ممکن ہے کل روز قیامت اُن کو بھی سود کھانے یعنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ لڑنے والوں کا لشکر شمار کیا جائے ۔لہٰذاہم سب کو چاہیے کہ سودی نظام کی بھرپور مذمت بھی کریں اور اپنی

طاقت کے مطابق روکنے کی کوشش بھی کریں۔اس طرح اگر ناکام بھی رہے تب بھی آخرت میں شرمندگی سے بچ سکتے ہیں۔اپنے علم و شعور کے مطابق راقم بھی اپنی تحریر کے ذریعے سودی نظام کے خلاف آواز اُٹھاتا رہتا ہے۔مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ سامنے کون ہے وزیر اعظم پاکستان ہے تو کیا ہوا۔جس چیز کو میرے اللہ نے حرام کردیا اسے اس دنیا کی کوئی بھی طاقت حلال کرنے کی نہ تو طاقت رکھتی ہے اور نہ ہی صلاحیت۔آج میں ہر اُس مسلمان کو سلام پیش کرتا ہوں جس جس نے سودی نظام کے خلاف کسی بھی طرح آواز بلند کی۔حکومت کی فرمانبرداری عوام پر فرض ہے لیکن جب تک حکمران اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں۔آج پاکستان کی آدھی سے زیادہ آبادی بے روزگاری کی چکی میں پس رہی ہے۔حکومت ایک لاکھ افراد کو سود پر قرض دے کر بے روزگاری کا خاتمہ کرنے نکلی ہے کیا یہ درست اقدام ہے؟اگر وزیر اعظم یوتھ لون سکیم میں بتائے گئے چارجز سود ہیں تو پھر آیئے مسلمانوں پہلے اللہ کے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے احادیث مبارکہ کی روشنی میں سود کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ”اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو،اور چھوڑ دو جو کچھ سود میں سے باقی رہ گیا اگر تم مومن ہو،پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کیلئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے (سورۃ البقرہ“ حدیث مبارک ہے ”سود ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے چھتیس بار

زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے (مسند احمد)، سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں سب سے ادنی درجہ وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے (ابن ماجہ) حکومت قومی خزانے سے وزیراعظم یوتھ لون کا 7 فیصد سود ادا کرنے جارہی ہے جبکہ قومی خزانہ قوم کی امانت ہوتا ہے۔حکومت اس طرح نہ صرف امانت میں خیانت کرے گی بلکہ قوم کے ایک ایک فرد کو سودی نظام کا حصہ بنالے گی۔اس بات کو ہر پاکستانی نہیں سمجھ رہا کہ ہم پہلے بھی آئی ایم ایف سے لیے گیے قرض کا سود بجلی، پیٹرول اور دیگر اشیاء پر لگنے والے ٹیکس کی صورت ادا کررہے ہے اور اب وزیراعظم یوتھ لون سکیم کا 7 فیصد سود بھی ہمیں ہی ادا کرنا ہے۔یعنی ہم پہلے بھی ناچاہتے اور غیر ارادی طور پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں اور اب اس جنگ کا دائرہ مزید بڑھانے جارہے ہیں۔اگر سودی نظام کے بغیر نظام ریاست نہیں چل سکتا تو پھر مسلمان حاکموں نے بڑی بڑی ریاستوں کا نظام کس طرح چلایا؟ (اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے) کیاحضرت عمر فارقؓ کے دور خلافت میں سودی نظام رائج تھا؟ جن کی کامیاب حکمرانی کو آج تک غیر مذہت بھی نہ صرف تسلیم کرتے بلکہ کاپی بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کے دور میں مسلمانوں نے اتنی ترقی کی کہ زکواۃ لینے والا کوئی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا بلکہ ہر کوئی اتنا خوشحال تھا کہ زکواۃ دینے کیلئے مستحق تلاش کرتا رہتا تھا۔کیا یہ ترقی معاذاللہ سود کے بدولت تھی؟ نہیں بالکل نہیں مسلمان کبھی بھی سودی نظام قبول نہیں کرسکتا

۔ سود ہمیشہ غربت بڑھاتا ہے۔ سود پر قرض لینے والی قومیں ہمیشہ زوال پذیر اور دوسروں کی غلام رہتی ۔ وزیر اعظم پاکستان کو اگر نوجوانوں کی فکر ہے تو انہیں ضرور قرض دیں لیکن سود پر نہیں بلکہ قرض حسنہ ۔ آخر میں محترم علماء کرام کی خدمت میں یہ سوال پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں کہ جس کو وزیر اعظم پاکستان نے سروس چارجز کا نام دیا ہے کیا وہ سود نہیں ؟ اگر سود ہے تو پھر علماء اکرام خاص طور پر جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ ؛صاحبزادہ علامہ ابوالخیر محمد زبیر الوری، امیر جماعت اسلامی سید منور حسن، مولانا فضل والرحمٰن ، تحریک منہاج القرآن کے سربراہ شیخ الاسلام علامہ طاہر القادری، ادارہ سراط مستقیم کے بانی مفتی محمد اشرف آصف جلالی ،علامہ طاہر اشرفی ، مولانا طارق جمیل صاحب، سنی تحریک کے سربراہ مولانا ثروت اعجاز قادری، امیر اہل سنت علامہ محمد الیاس قادری صاحب اور دیگر تمام علماء اور مذہبی سکالرز قوم کی رہنمائی فرماتے ہوئے پوری قوم کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف جاری جنگ روکیں تاکہ مسلمان مزید تباہی سے محفوظ رہیں۔یاد رہے کہ میرا مقصد سیاست یا حکومت کی مخالفت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب کا وعدہ، کاہنہ نو صاف پانی کی فراہمی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کیلئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا دین انسان کے لئے کتنا منافع بخش سسٹم ہے جس میں نعمتوں اور احسانات کا شمار نہیں لیکن اُن نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ان نعمتوں میں انسان کی جسمانی و ذہنی صحت کے لیے فوائد کے خزانے موجود ہیں۔ہم اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کو بھی جھٹلا نہیں سکتے۔وہ نعمت جسے ہم بہت چھوٹا تصور کرتے ہیں کسی وقت اُس کی ایسی ضرورت پیش آتی ہے کہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ایسی ہی ایک نعمت پانی ہے جسے ہم بڑی بے دردی کے ساتھ ضائع کرتے ہیں۔پانی کی قدر جاننی ہے تو اُن علاقوں کو دیکھنا چاہیے جن میں بسنے والے پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔یا وہ وقت یاد کرنا چاہیے جب بجلی بند ہونے کی صورت میں پانی نایاب ہو جاتا ہے اور ہم پانی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔تب پتا چلتا ہے کہ پانی کے بغیر زندگی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔آج میں جس مسئلے کی طرف وزیر اعلیٰ پنجاب کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ ہے ہمارے علاقے میں پینے کے صاف پانی کی فراہمی۔راقم کاہنہ نو: لاہور کا رہائشی ہے جو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کے انتخابی حلقہ PP159 کا گنجان آباد علاقہ ہے۔ہمارے علاقہ میں

زیر زمین پانی انتہائی آلودہ ہو چکا ہے جس کے پینے سے عوام بے شمار بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ہم نے گزشتہ تقریبا تین سالوں میں کئی مرتبہ مسلم لیگ ن کے مقامی رہنماء و سابق ایم پی اے رانا مبشر اقبال جن کی اہلیہ موجودہ ایم این اے بھی ہیں سے درخواست کی کہ کاہنہ نو کا واٹر فلٹریشن پلانٹ کا منصوبہ جسے تقریبا پچھلے تین سال سے نظر انداز کیا جارہا ہے کو مکمل کروادیں۔انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ میاں صاحب سے بات کریں گے۔لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوسکا۔عوام گلہ منڈی کاہنہ کے گیٹ کے پاس واٹر فلٹریشن پلانٹ کیلئے بنا کیبن کئی سالوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن صاف پانی پینا نصیب نہیں ہوا۔وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کا بیان پڑھ کر خوشی ہوئی اور زخموں پر نمک پاشی کی چبھن بھی محسوس کی۔اُنہوں نے کہا کہ ” پنجاب کے ہر گھر میں صاف پانی کی فراہمی کا وعدہ پورا کریں گے۔عوام کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کیلئے صاف پانی پراجیکٹ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔منصوبے میں تاخیر، غفلت اور وقت کا ضیاع کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔شہریوں کو پینے کا صاف پانی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے“ جی میاں صاحب آپ نے بالکل ٹھیک کہا شہریوں کیلئے پینے کا صاف پانی اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی کو آسان بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔اگر آپ واٹر فلٹریشن منصوبے میں تاخیر، غفلت اور وقت کا ضیاع برداشت نہیں کرتے تو کاہنہ نو کا واٹر فلٹریشن پلانٹ کس طرح نظر انداز ہوگیا؟شائد وزیر اعلیٰ پنجاب کو اس معاملے کی خبر ہی نہ ہو اس لئے

میری اہل علاقہ کی طرف سے وزیراعلیٰ پنجاب جو ہمارے حلقہ کے ایم پی اے بھی ہیں
سے اپیل ہے کہ کاہنہ نو کے واٹر فلٹریشن پلانٹ کے منصوبے کو مکمل کرکے صاف پانی کی
فراہمی کا وعدہ پورا کریں ۔تاکہ اہل علاقہ کو پینے کا صاف پانی جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت
ہے مہیا ہوسکے ۔

تباہی کا دوسرا نام حریص قیادت

سانحہ مشرقی پاکستان تاریخ کا وہ سیاہ باب ہے جس کی تلخ یادیں آج بھی دونوں اطراف کے عوام کو رولا دیتی ہیں ۔اس بدترین حادثے نے لاتعداد سوالات کو جنم دیا جن کے جوابات تلاش کئے بغیر مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش)کے عوام آئندہ ایسے حادثات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی پاکستانی۔اس قسم کے حادثات سے گزرنے کے بعد کوئی بھی باشعور قوم ایسی تمام وجوحات کو جڑھ سے اکھاڑے بغیر آگے نہیں بڑھتی جو ملک توڑنے میں کردار ادا کرسکتی ہوں لیکن بدقسمتی سے ہماری قیادت نے ابھی تک کچھ نہیں سیکھا آج بھی بلوچستان اور کراچی سمیت کئی جگہ بدنیت دشمن نے دہشتگردی کا جال بچھا رکھا ہے جس میں ہمارے اپنے دشمن کا ساتھ دے رہے صرف اس وجہ سے کہ اُن کو اُن کے جائز حقوق نہیں ملتے ۔ناانصافی، ظلم وجبراور حقوق پامال ہوتے رہیں گے تو کوئی بھی کسی بھی قوم کا اتحاد قائم رہنے کی گارنٹی نہیں دے سکتا ۔سانحہ مشرقی پاکستان میں کس کس نے کردار ادا کیا یہ جاننا بہت ضروری ہے لیکن اُس سے بھی ضروری ہے کہ آج کون ،کون اور کہاں کہاں ملک کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہے ۔سقوط ڈھاکہ کی 41ویں برسی کے موقع پر عبدالقادر ملا کی سزائے موت نے ایک مرتبہ پھر تحریک پاکستان اور سقوط ڈھاکہ کی یاد تازہ کرکے سوئے زخموں

کو ہوا دے دی ہے۔ہر محفل میں تحریک آزادی پاکستان سے لے کر آزادی پاکستان اور سقوط ڈھاکہ کے موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے۔آج رہ رہ کر گاندھی کے وہ لفظ یاد آ رہے ہیں۔جو اُس نے قائدا عظم محمد علی جناح کو مخاطب کرکے کہے تھے۔پاکستان کے وجود کو بھارت نے پہلے دن سے لے کر آج تک تسلیم نہیں کیا۔پاکستان کے وجود میں آتے ہی گاندھی نے قائدا عظمؒ سے کہا کہ آپ نے پاکستان تو بنالیا لیکن یہ 50 سال سے زیادہ نہیں چل سکے گا۔پھر وہی ہوا سازشی دشمن اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوگیا جس کے نتیجہ میں 25برس بعد ہی پاکستان دولخت ہوگیا۔جس پر گاندھی نے بیان دیا کہ ہمارا پاکستان کو توڑنے کا منصوبہ 76ء تک تھا لیکن کچھ مہربانوں نے اس قدر تعاون کیا کہ 71ء میں ہی کامیابی مل گئی۔گاندھی گروپ کے پاکستانی مہربان کون تھے یہ بات اہل علم تو جانتے ہیں لیکن پاکستان اور بنگلہ دیش کے میرے جیسے عام عوام آج تک نہیں سمجھ سکے کہ آخر کس آفت نے پاکستان کو دولخت کردیا اسی وجہ سے ہم آج تک دونوں طرف گاندھی کے اُنہیں مہربانوں کی باقیات کو ووٹ دے رہے ہیں۔

میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان دولخت کرنے میں اُن حرص کے پجاریوں نے دشمن کا ساتھ دیا جو حوس اقتدار اور دولت وحکومت کے نشے و لالچ میں اس قدر اندھے ہوچکے تھے کہ اُن کو کسی نہ کسی قیمت پر خرید کر دشمن ملک و قوم سے غداری کیلئے استعمال کرنے کامیاب ہوگیا،ایسے بدکردار لوگ آج بھی

موجود ہیں جن کو ملک وقوم سے زیادہ اپنی حرص عزیز ہے۔ہٹلر اور مسولینی کی یہی حرص دوسری جنگ عظیم کا باعث بنی جس میں بڑی تباہی مچی۔سچ تو یہ ہے جب کسی قوم کی قیادت حریص اور لالچی ہو جائے اُس کا مقدر تباہی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ایسی ہی قیادت نے پاکستان کو دولخت کیا 1970ء کے عام انتخابات کے موقع پر 11 مارچ کو ڈھاکہ میں ایک بڑے جلسے میں شیخ مجیب نے مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے آقاؤں کے ذریعے بنگال کی لوٹی ہوئی دولت واپس کریں۔بنگال کے عوام اب زیادہ دیر تک ایسی ناانصافیاں اور حقوق کی پامالی برداشت نہیں کریں گے،بنگال کے عوام غداروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں تاکہ اپنی مقدس سرزمین کو سیاسی گندے انڈوں وعناصر سے پاک کر سکیں۔کچھ اسی طرح کے الفاظ 10 مارچ 1970ء عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری تاج الدین نے ڈھاکہ میں ایک جلسے کے دوران استعمال کئے۔اس کا کہنا تھا کہ آزادی پاکستان سے اب تک ڈاکوؤں اور لٹیروں نے بنگالی قوم کے خون اور گوشت سے اپنے پیٹ پال رکھے ہیں۔مغربی پاکستان کے ایک استحصالی طبقے نے نہ صرف پچیس برسوں سے مشرقی پاکستان کا خون چوسا ہے۔انہی دنوں شیخ مجیب نے بھارت کے ساتھ اپنے رابطے مزید تیز کر دیئے تھے۔اس طرف سے بھی کوئی کمی نہیں رہی۔انتخابات کے فوراً بعد بھٹو نے ایسے بیانات جاری کیے جو عوامی لیگ کی قیادت کو اشتعال دلانے اور بین الصوبائی کشیدگی میں اضافہ کا باعث بنے۔تاریخ بتاتی ہے کہ اقتدار کی سیاست میں بھٹو کو فوج کی پوری حمایت حاصل تھی اور وہ اسے تیسری

پارٹی کا نام دیتے تھے۔21 اکتوبر کو انہوں نے لاہور میں کہا کہ اگر صدر مملکت ، عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو آئین مقررہ مدت سے پہلے ہی تیار کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ دونوں جماعتیں افہام و تفہیم میں ناکام رہیں تو صورتحال قابو سے باہر ہوجائے گی اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی کے علاوہ دوسرے اراکین کی مدد سے آئین سازی کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔انہوں نے مزید کہا کہ ان کی پارٹی کے تعاون کے بغیر کسی حکومت کا چلنا ناممکن ہے۔اقتدار میں دونوں پارٹیوں کی شرکت ضروری ہے اور ان کی پارٹی کو اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ 1971ء میں راقم پیدا بھی نہیں ہوا تھا لیکن جہاں تک بات ہے حکمرانوں کے ظالم ہونے کی تو وہ آج بھی ہیں، آج اگر شیخ مجیب یا تاج الدین زندہ ہوتے تو میں اُن سے سوال کرتا کہ خون اور گوشت کھانے والے انسان نماء درندے صرف بنگالیوں کا شکار کرتے ہیں؟کیا مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا نام دینے کے بعد وہاں سے ظلم ستم ختم ہوگیا؟ عبدالقادر ملا نے اگر اپنے وطن سے محبت کی تو کیا جرم کیا ؟جہاں تک میری معلومات میں ہے دنیا کے کسی قانون میں بھی اپنے وطن سے محبت کو جرم قرار نہیں دیا گیا۔ عوام کیوں نہیں سوچتے ، کیوں نہیں سمجھتے کہ شیخ مجیب نے بھی تو گاندھی گروپ میں شامل ہوکر پاکستان سے غداری کی تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ شیخ مجیب نے 1972ء میں رمنا کورس ڈھاکہ میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ گزشتہ 20 برس سے آزادی

حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا ہے اور اب آ کر اُس کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا ہے۔کیا یہ غداری نہ تھی؟ پھر اُس کی باقیات کو کیوں آج تک عوام منتخب کرتے ہیں ؟بھارت کی خاطر پاکستان سے غداری کرنے والا بنگالیوں کا خیر خواہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟پاکستان کو دولخت ہوئے آدھی صدی بیت گئی میں تو آج بھی دونوں طرف ظالم اور ناانصاف حکمران دیکھ رہا ہوں۔آج بھی عوام حکمرانوں کی ٹھوکروں میں ہیں ۔ایک بزرگ کو پھانسی چڑھا کر بنگلہ دیشی حکمران پتا نہیں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ؟نجانے کس آقا کو خوش کرنے کیلئے ایسا کیا اُنھوں نے ؟جیل کی کال کوٹھری میں پڑا ایک بوڑھا شخص کس قدر خطرناک تھا جو اُسے پھانسی چڑھا کر بہادری کا مظاہرہ کیا گیا۔میں تو اس اقدام کو بھی ظلم کہوں گا جو اللہ تعالی کو پسند نہیں ۔ظالموں پر اللہ تعالی کی لعنت اور عذاب ضرور برسے گا دیر ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالی کے عذاب سے بچنا ان کے بس کی بات نہیں ۔سچ تو یہ ہے کہ پاکستان بنتے ہی غلامی پسند زہنیت رکھنے والوں نے علاقائی وسائل پر اپنی نظریں جما کر اُن پر قابض ہونے کیلئے ملک دشمن عناصر سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا جو آج تک جاری ہے۔میرے خیال میں آج بھی حکمران طبقہ صرف ریاستی وسائل کو اپنا سمجھتا ہے عوام کو نہیں ۔

ایک تیر سے دو شکار

ایک سیاست دان کے بچے نے محلے کے غریب بچے کی خوب پٹائی کی جس میں غریب بچے کا سر پھٹ گیا۔اُسے خون میں لت پت دیکھ سیاست دان کا بچہ بھاگ کر اپنے گھر گیا اور سارا قصہ اپنے باپ کو سنا دیا۔باپ نے اُسے سمجھایا کہ وہ لوگ تیری شکایت کرنے آئیں گے تو میں تمہیں خوب ڈانٹوں گا تم روتے ہوئے بھاگ کر اندر چلے جانا میں تیرے پیچھے کوئی چیز ماروں گا لیکن فکر مت کرنا تمہیں لگی گی نہیں بس تم بھاگ جانا۔اتنے میں غریب کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ سیاست دان کے گھر شکایت لے کر پہنچ گیا۔غریب بچے نے جاتے ہی ماں کو روتے ہوتے بتایا یہی ہے جس نے مجھے بلا وجہ مارا،میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔اُس کی ماں نے سیاست دان سے اُس کے بچے کی شکایت کی تو وہی ہوا جو سیاست دان اور اُس کے بچے کے درمیان طے ہو چکا تھا۔سیاست دان کا بچہ کمرے کی طرف بھاگ گیا جس کے بعد سیاست دان نے اپنے بچے کو خوب بُرا بھلا کہا اور غریب بچے کو گود میں لے کر خوب پیار کیا۔اُسے یقین دلایا کہ وہ اپنے بچے کو سبق سکھائے گا۔سیاست دان نے جاتے ہوئے غریب بچے کو سو کا نوٹ دیا اور اپنے ملازم سے کہا جاؤ ڈاکٹر سے پٹی کروا دو اور سنو ڈاکٹر سے کہنا جب تک زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا ان سے فیس نہ لے اُس کے پیسے ہم ادا کریں گے ۔خون میں لت پت غریب کا بچہ اور اُس کی ماں گہری چوٹ

کھانے کے باوجود سیاست دان کو ڈھیروں دُعائیں دیتے ہوئے اُس کے گھر سے رخصت ہوگئے۔اُن کے جانے کے بعد سیاست دان کی بیوی نے پوچھا جناب نے میرے بیٹے کو اُن کمیوں کے سامنے کیوں ڈانٹا؟سیاست دان نے جواب دیا اگر میں اپنے بیٹے کو اُن کے سامنے نہ ڈانٹا تو وہ کمی ہمارے بیٹے سے بدلہ لیتا جس میں ہمارے بیٹے کو زیادہ چوٹ بھی لگ سکتی تھی اور پھر تم جانتی ہو الیکشن سر پہ ہیں میں نے ان کمیوں سے ووٹ بھی لینا ہے۔اب یہ لوگ مجھے ووٹ بھی دیں گے اور بدلہ بھی نہیں لیں گے۔سیاست دان کی بیوی نے خوش ہوکر کہا آپ نے تو ایک تیر سے دو شکار کرلئے۔غریب عوام اسی طرح سیاست دانوں کی سیاست میں آکر اپنا بدلہ اور حق دونوں چھوڑ دیتے ہیں۔عالمی سیاست دان آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔ارے یار امریکہ بہادر نے اس قسم کی مرہم پٹی والی سیاست کو فروغ دینے کی غرض سے اقوام متحدہ بنا رکھی ہے۔جو کبھی کسی غریب ملک کے حق میں قرارداد منظور کرتی اور کبھی کسی کی ملک کو امداد دیتی ہے۔گزشتہ دنوں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ڈرون حملوں کے خلاف اسی قسم کی ایک اورقرارداد منظور کرلی ہے۔اس خبر کو بہت نمایاں حیثیت دے کر میڈیا میں شائع کیاجارہاہے۔اقوام متحدہ اس قسم کی بے شمار قردادیں پہلے بھی منظور کرچکی ہے۔جن میں کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی قراردادیں بھی شامل ہیں۔کچھ ذرائع کا ماننا ہے کہ یہ قراردادیں 65برس خاموش پڑی رہنے کے باوجود ابھی تک موثر ہیں لیکن راقم کے خیال میں قراردادیں اقوام متحدہ کی ہوں یا کسی دوسری اسمبلی

سے پاس کی جائیں بالکل غیر موثر ہوتی ہیں کیونکہ ان کو نہ تو قانونی حیثیت حاصل ہے اور نہ ہی ان پر عمل کروانے کا کوئی مضبوط ادارہ موجودہ ہے۔ فقت لفظوں کا جال بن کر اُس کو کسی اسمبلی میں اکثریت یا متفقہ طور پر منظور کرنے کے بعد اُسے صرف خام خیالی یا خیالی پلاؤ کی طرح گفتگو میں استعال کرنے سے نہ تو کسی قوم کے حالات بدلتے ہیں نہ کسی کو حق خودارادیت ملتا ہے اور نہ کسی ملک کے جنگی عزائم میں کمی پیشی متوقع ہے ۔اگر اقوام متحدہ نے امریکہ سے مشاورت کے بعد ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد منظور کی ہے تو ڈرون پالیسی میں ردوبدل ہوسکتا ہے ورنہ 65برس پہلے کشمیری عوام کے حق خودارديت کے حق میں پاس ہونے والی قراردادوں کے ساتھ ڈرون حملوں کے خلاف منظور ہونے والی قرداد بھی بھول بھلئے کے قبرستان میں دفن ہوجائے گی جس کا قوی امکان موجود ہے۔قرارداد کو آئینی یا عدالتی فیصلے جیسی حیثیت حاصل نہیں ہے اس لئے قرداد کو صرف اظہارے رائے کہا جاسکتا ہے۔جس طرح مختلف لوگ ایک ہی موضوع پر مختلف رائے رکھتے اسی طرح اقوام متحدہ کی ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد پر عمل کرنا امریکہ یا نیٹو اتحاد کیلئے ضروری نہیں ہے۔اگر سپرپاور میرے جیسے خیالی پلاؤ پکانے والوں یا پھر دنیا بھر سے آنے والی مختلف آرہ کو اپنی پالیسی سے زیادہ اہمیت دینے لگ جائے تو وہ سپرپاور کی بجائے سپر احمق ، سپر بیوقوف بن جائے گا۔جو ابھی ناممکن لگتا ہے اس لئے میں تو یہی کہوں گا کہ اقوام متحدہ ہو یا کوئی اور رائے دینے والے دیتے رہیں گے اور سپرپاور (عالمی سیاست

دان) اپنا کام یعنی ڈرون حملوں سمیت دیگر آپریشنز کرتا رہے گا۔ڈرون حملوں کے خلاف اقوام متحدہ کی قرارداد کو جس قدر خوشخبری سمجھ کر آج کل میڈیا میں پیش کیا جارہا ہے ٹھیک 65.برس پہلے کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے حق میں منظور ہونے والی قراردادوں کو بھی اسی انداز میں پیش کیا گیا تھاجو بدقسمتی سے آج تک صرف حوالوں کے طورپر لکھنے کیلیے استعمال ہوتیں ہیں۔ایک طرف امریکہ ڈرون گرا کر ہمیں لہولہان کرتا اور دوسری طرف امداد (یعنی بھیک) دے کر بدلہ لینے سے باز رکھتاہے۔اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار

عظیم قائد کی یادیں

انیس ویں صدی برصغیر کی تاریخ میں حصوصی اہمیت کی حامل رہی۔اس صدی میں چند ایسی مسلم ہستیوں نے اپنا لوہا منوایا جنھوں نے خطے کے مسلمانوں میں یگانت اور بھائی چارے کی نئی روح پھونک کر انہیں ایک وحدت میں منسلک کردیا۔ان عظیم ہستیوں میں شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں،ڈاکٹر ضیاء، مولانا شوکت علی، سرسید احمد خاں، مولانا محمد علی جوہر اور قائداعظم محمد علی جناح کے نام نمایاں ہیں۔ان رہنماؤں نے برصغیر کے مسلمانوں کو غلامی کی پستی سے نکال کر صحیح اور روشن منزل کا پتا دیا۔وہ منزل قائداعظم محمد علی جناح کی مدبرانہ اور ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانوں نے 14اگست 1947ء کے دن پاکستان کی صورت میں حاصل کی۔اپنے عظیم قائد کا یوم ولادت ہم ہر سال قومی جوش وجذبے سے مناتے ہیں۔اس دن ہم اپنے قائد کی یاد تازہ کرنے کیلئے اُن کے اقوال اور پاکیزہ جذبے کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔25دسمبر 2013ء برصغیر کے عظیم مسلم قائد محمد علی جناح کی 138ویں سالگرا کا دن، قائداعظم محمد علی جناحؒ کراچی کے ایک مشہور و معروف تاجر جناح پونجا کے گھر 25دسمبر 1876ء کو پیدا ہونے والا بچہ جو بچپن ہی سے دیانتدار، ہونہار، اور فہم وفراست میں اپنی مثال آپ تھا۔ میٹرک کے بعد آپ کے والد کی خواہش تھی کہ وہ اپنے ہونہار بیٹے کو اپنے ساتھ

کاروبار میں لگا کر کاروبار کو وسعت دیں مگر قدرت نے اس عظیم انسان کو کسی اور ہی مقصد کے لیے چنا تھا۔ چنانچہ آپ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان بھیج دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد جب آپ واپس تشریف لائے تو انھیں مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر گہرا دکھ ہوا۔ اور ان کو شدت سے محسوس ہوا کہ مسلمانان ہند کو ان کی سخت ضرورت ہے اس وقت مسلمان غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور اپنے جائز حقوق سے بھی محروم تھے ۔ قائداعظم سمجھتے تھے کہ مسلمان مذہب کی رو سے ہندوؤں اور انگریزوں سے الگ قوم ہیں اس لیے ان کی آزادی اور خود مختاری کے لیے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کی ضرورت ہے۔ یہاں اگر مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا ذکر نہ کیا جائے تو مناسب نہ ہوگا۔ یوں تو حضرت علامہ اقبالؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ یوں تو ہم ہر برس یوم اقبال اور یوم قائد بڑے عقیدت واحترام سے مناتے ہیں لیکن اپنے عظیم قائدین کے اقوال اور عملی زندگی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ یہی سوچ کر میں آج اپنی تحریر میں اپنے عظیم قائد مصور پاکستان حضرت ڈاکٹر علامہ اقبال کے بارے میں کچھ معلومات شامل کر رہا ہوں۔ حضرت علامہ اقبال 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا جن کا تعلق کشمیری برہمنوں کے خاندان سے تھا نور محمد ایک سچے ،کھرے اور ایماندار انسان تھے ۔ حضرت علامہ اقبال نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے ہی حاصل کی آپ ایف اے کا امتحان مرے کالج سیالکوٹ سے پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل

کرنے لاہور چلے آئے جہاں آپ نے بی اے اور ایم اے کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کئے۔ 1905 میں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونورسٹی میں داخلہ لیا اور پھر وہاں سے رہنمائی حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ اقبال جرمنی چلے گئے جہاں آپ نے مونخ یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور یوں آپ اس دور کے نہایت بڑے۔لکھے شخص تھے۔ آپ نے اپنے اردو اور فارسی کلام کے ذریعے برصغیر پرانگریزی تسلط اور ہندوستان کے عہد غلامی میں مسلمانانِ ہند کو بیدار کرنے کے لیے اپنے لوح و قلم فکروادراک اور شعروادب کو وقف کردیا۔ ہندواور انگریز سامراجی عہد جبریت میں برصغیر کے مسلمانوں کوآزادی کی اہمیت کادرس دیا۔ یہ کام اس وقت آسان نہ تھا مگر حضرت علامہ اقبال نے اپنے چراغ فکر کا اجالا پھیلا کر مسلمانوں کو ظلم وستم کے تاریک اندھیروں میں وہ روشنی دی جس کا وجود آج بھی نہ صرف پاکستان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ جی ہاں وہ علامہ اقبال ہی تھے جنھوں نے 30 دسمبر 1930ء کو الہ آباد میں منعقد آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنا صدارتی خطبہ دیتے ہوئے صاف صاف الفاظ میں فرما دیا کہ انگریزی تسلط کے اندر یا باہر (ہندوستان کے ان علاقوں پر مشتمل جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی) بہرحال مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطے کا قیام ناگزیر ہوچکا تھا۔ علامہ اقبال کا وہ اعلان قیام پاکستان کے اندھیرے راستوں کو روشن کرنے والا پہلا چراغ تھا۔ اور پھر علامہ اقبال ہی کے اصرار پر مسلمانان

ہندوستان کے بطل جلیل اور مسلمانان ہندوستان کے منتشر شرارے کو مجتمع کرکے ایک قوم کے سانچے میں ڈھال دینے والے عظیم رہبر حضرت قائداعظم محمد علی جناح انگلستان سے واپس بمبئی تشریف لائے اور آل انڈیا مسلم لیگ کی نئے سرے سے تنظیم سازی کرنے کے بعد 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں۔برصغیر کے تمام مسلم لیگی رہنماوں کی موجودگی میں صدارات کرتے ہوئے وہ قراداد منظور کرائی جس نے ہندوپریس کو قرارداد پاکستان تسلیم کرنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔اور پھر حضرت قائداعظم کی عظیم الشان قیادت میں وہ ناقابل شکست تحریک چلی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور بلاآخر 14 اگست 1947 کو پاکستان اسلامی مملکت کے طور پر دنیاکے نقشے پر ابھرا۔قائد اعظم محمد علی جناح کوان کی اصول پسندی ، مستقل مزاجی،فرض شناسی اورایمان داری کی وجہ سے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنایاگیا بلکہ یوں کہنازیادہ مناسب ہوگاکہ اس عہدے پر سرفرازی ، قائد کی بے لوث خدمات کااعتراف تھا۔ کیونکہ صرف جناح کی قیادت اور درخشندہ شخصیت ہی مسلمانوں کو مطمئن ومتحرک کر سکتی تھی۔بحثیت گورنر جنرل قائداعظم کی حیثیت بے مثل تھی ان کی حیثیت مروجہ طرز حکومت میں محض ایک روایتی سربراہ مملکت کی نہیں تھی،بلکہ انہیں وہ حیثیت حاصل تھی جو کہ بانی پاکستان اور بابائے قوم کے لیے وقف تھی ایسی شخصیت جنھیں نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی مانتے تھے ۔ قائداعظم کے کارناموں اورتاریخی کردارپر تبصرہ کرتے ہوئے اسٹینلے والپرٹ نے تحریر کیاکہ چندافراد نے تاریخ کے

دھارے کو بدلنے کی نمایاں کوشش کی ،اور صرف چند نے دنیا کا نقشہ تبدیل کیا، لیکن شاذ ہی کسی رہنما کو قومی ریاست قائم کرنے کا اعزاز حاصل ہوا ہو۔ محمد علی جناح نے یہ تینوں کارنامے انجام دیے۔ قائد اعظم ایک ہمہ گیر عمل سیاسی رہنما تھے یہ ان کی سچی اور پر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ بے شمار دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود ایک مقتدر مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ قائد اعظم پاکستان کو مضبوط و مستحکم ،ترقی یافتہ اور خود کفیل بنانا چاہتے تھے مگر زندگی نے ان کو مہلت نہ دی اور وہ مختصر علالت کے بعد 11 ستمبر1948ء کو خالق حقیقی سے جا ملے ۔ قائد اعظم کہتے تھے کہ میرا کام اب ختم ہو چکا ہے اب مجھے مرنے کا افسوس نہ ہوگا، چند برس قبل یقینا میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں اس لیے نہیں کہ مجھے دنیا کی تمنا تھی یا میں موت سے خوف کھاتا تھا بلکہ اس لیے کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا تھا اور قدرت نے جس کام کے لیے مجھے چنا تھا، میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام پورا ہو گیا ہے میں اپنا فرض نبھا چکا ہوں، پاکستان بن گیا ہے۔اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے اور نا قابل تسخیر اور ترقی یافتہ ملک بنائے۔ حکمران حکومت کا کام نظم و نسق، دیانت داری،اور محنت سے چلائیں تاکہ ملک ترقی کرے۔

ہم کون ہیں؟

آج کل بچوں کو سکول سے چھٹیاں ہیں اس لئے ناشتے کی میز پر اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ بچوں کو کھانے پینے سے کم اور کھیلنے سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ میں اپنے بیٹے سے روزانہ پوچھتا ہوں کہ آج اُسے کس بک یا نوٹ پر سٹار یا گُڈ ملا ہے۔ میرے نزدیک یہ بہترین طریقہ ہے بچوں کے ساتھ اُن کی تعلیمی سرگرمیاں شیئر کرنے کا۔ 22 دسمبر کی صبح ناشتے کی میز پر میرا امتحان ہو گیا۔ ہاتھ میں کتاب لئے شاہ زیب ناشتے کے میز پر پہنچا اور آتے ہی سوال کیا بابا ہم کون ہیں؟ میں نے اُس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا انسان۔ وہ بولا بابا آپ تو کہتے ہو کہ آپ اپنی جماعت میں پہلی پوزیشن لیا کرتے تھے لیکن آپ کو تو اتنا بھی نہیں پتا کہ ہم مسلمان ہیں، انسان تو ہندو، سکھ اور دوسرے لوگ بھی ہوتے ہیں، بابا ٹیچر نے ہمیں بتایا تھا کہ ہماری اصل پہچان ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مجھے اپنے جواب پر شرمندگی تو ہوئی لیکن اس بات کی خوشی بھی ہوئی کہ میرا بچہ اچھے اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اتنی دیر میں اخبار بھی آ گیا۔ میں اکثر شاہ زیب کو اخبار پڑھنے کا کہتا ہوں اُس دن بھی میں نے اُسے اخبار پڑھنے کا کہا۔ میری طرح وہ بھی سب سے پہلے ادارتی صفحہ نکال بیٹھا اور ٹوٹی پھوٹی اُردو پڑھ کر سنانے لگا۔ میری نظر نجم سیٹھی کے کالم کے عنوان میں الجھ

گئی۔جس میں لکھا تھا ''قومی شناخت بمقابلہ مذہبی شناخت'' میں نے شاہ زیب کو کھیلنے کا کہا اور اخبار پکڑ کر کالم پڑھنے لگا جسے پڑھنے کے بعد میری الجھن مزید بڑھ گئی کیونکہ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ مجھے مسلمان یا پاکستانیت میں سے ایک شناخت کا انتخاب کرنے کی ضرورت ہے۔نجم سیٹھی نے اپنے کالم میں اسلامی شناخت کے بہت سے نقصانات سے آگاہ کیا۔میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کسی زبان ،رنگ و نسل یا علاقے کا غلام نہیں ۔اسلام سرحدوں کی قید سے آزاد اور خود مختار دین ہے ۔اسلام کا نور عرب کے صحراؤں سے نمودار ہوا اور پھر پوری دنیا میں پھیل گیا۔اسلام زمین کے ٹکڑوں ،ریاستوں یا قبیلوں پر نہیں انسانی دلوں پر حکومت کرتا ہے۔مسلمان کا بچہ جب بولنا سیکھتا ہے تو اُسے سب سے پہلے کسی ملک کا نام نہیں بلکہ اللہ کہنا سیکھایا جاتا ہے۔اسلام کے پیروکار یعنی مسلمان کی پہلی شناخت مسلمان ہونا ہے اُس کے بعد ریاستی پہچان کا تصور کیا جاسکتا ہے ۔اگر برصغیر کے مسلمانوں کو اپنی شناخت عزیز نہ ہوتی تو انگریز اور ہندؤ تسلط سے آزادی کیونکر حاصل کرتے ؟اگر مسلمان کی شناخت ریاست ہوتی تو پھر ہندوستان بھی ریاست تھی کیا ضرورت پیش آئی جو مسلمانوں نے آزاد ریاست کا مطالبہ کیا ؟ قیام پاکستان کا مقصد ہی مسلمانوں کی الگ شناخت کروانا تھا۔پاکستان حاصل کیا مسلمانوں نے نہ کہ پاکستان نے مسلمان پیدا کئے۔پاکستان میری پہچان ہے لیکن مسلمان ہونے کے بعد۔مجھے اپنے وطن سے بہت محبت ہے لیکن اللہ تعالی ،رسول اللہؐ اور دین اسلام کے بعد۔قیام

پاکستان کی قیادت نے میرے جیسے عام مسلمانوں کو یہی بتایا تھا کہ ہمیں ایک آزاد اور خودمختار ریاست کی ضرورت ہے جہاں اسلامی قوانین رائج ہوں گے اور مسلمانوں سمیت تمام انسانوں کو اپنی زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ یہاں بسنے والے دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنے عقیدے کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں گے۔ ہمیں نصابی کتب کے اندر نظریہ پاکستان کے متعلق جو سمجھایا گیا اُس کے مطابق پاکستان کے حصول کا مقصد دراصل اس خطہ میں ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ کرنا ہے جو اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہو۔غلامی پسند ہندؤ وانگریزوں کے تسلط میں مسلمانوں کیلئے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ایسی آزاد اور خودمختار ریاست کی ضرورت تھی جہاں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی جائے۔حکومت، معیشت اور معاشرت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام (اسلام) نافذ ہو۔آزادی کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ زمین کا ٹکڑا قید تھا بلکہ وہاں بسنے والے مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مشکل محسوس کررہے تھے۔فرمان قائد ہے ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے حقیقی اُصولوں کو آزما سکیں''یعنی ہمیں پاکستان میں اسلامی قوانین کے مطابق عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کرکے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے جائز حقوق کے تحفظ کے

ذریعے ایک پرامن اسلامی معاشرہ قائم کرکے انسانیت کی خدمت کرنا تھا نا کہ صرف زمینی سرحدوں کی تقسیم کرنا۔ مسلمان دنیا کے کسی خطے کا رہنے والا ہو، کسی زبان رنگ و نسل کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہو سب آپس میں بھائی، بھائی ہیں ۔انسان فطری طور پر آزاد ہے اور اسلام انسانی حقوق کا حقیقی ترجمان اور محافظ ہے۔ ہمارا تعلیمی نصاب ہم سے سوال کرتا ہے ہم کون ہیں، جس کا جواب ہے مسلمان ۔ اگر پاکستانی ہونا ہماری اول شناخت ہے تو نصاب میں کیوں مسلمان بتایا جاتا ہے ۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار نے بالکل ٹھیک کہا کہ ہم پہلے مسلمان ہیں بعد میں پاکستانی ۔ اُن کے اس بیان کو تنقید کا نشانہ بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ ہماری اول شناخت مسلمان ہے اس لئے پاکستان دولخت ہوا اور مزید انتشار بھی اسی وجہ سے ہے انتہائی گمراہ ذہن کی ترجمانی ہے ۔ جناب نجم سیٹھی نے اپنے کالم میں لکھا کہ دنیا کی اکثر قومیں اپنی ریاستی شناخت کو ترجیح دیتی ہیں ۔ میں اُن کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمان ہیں یہی ہماری پہلی اور آخری شناخت ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ ہمیں اپنے وطن سے محبت نہیں، درحقیقت پاکستان کے ساتھ مسلمانوں کی محبت کی ایک بڑی وجہ بھی اسلام سے نسبت ہے۔ نجم سیٹھی نے لکھا کہ بہت سے پاکستانی چوہدری نثار کے بیان سے اتفاق کرتے ہیں ۔ تھوڑا اضافہ میں کئے دیتا ہوں کہ بہت سے پاکستانی نہیں تمام پاکستانی مسلمان وزیر داخلہ چوہدری نثار کے اس بیان سے متفق ہیں۔ حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں ریاستیں فتح ہوتی رہتیں،

ہیں لیکن مسلمان ہمیشہ مسلمان ہی رہتا ہے۔ مسلمان سرحدوں کے قیدی ہیں اور نہ ریاستوں اور زمینوں کے لالچی۔ دنیاوی لالچ و حرص کی وجہ سے ہم اپنی اصل شناخت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ بنگلہ دیش میں عبدالقادر ملا کی سزائے موت موضوع بنا کر کوئی ہمیں یہ درس دینے کی کوشش نہ کرے کہ ہم پہلے پاکستانی ہیں بعد میں مسلمان۔ اگر دوسرے خطوں میں بسنے والے مسلمان اپنے آپکو بھارتی مسلمان، سعودیہ عربی مسلمان، فلسطینی مسلمان، عراقی مسلمان یا امریکی مسلمان کہتے ہیں اس میں بات کو اس قدر طول دینے کی ضرورت نہیں ہم بھی اپنے آپکو پاکستانی مسلمان ہی کہتے ہیں۔ نجم سیٹھی نے نجانے کیوں وزیر داخلہ کے بیان کو اس قدر الجھا کر پیش کیا کہ لگا جیسے اب ہمیں پاکستانیت یا مسلمان میں سے ایک شناخت کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ ارشاد ربانی کے مطابق تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دنیا کے کسی خطے میں بھی مسلمان کو تکلیف پہنچے گی تو ہم تڑپیں گے اور ہر ممکن مدد کیلئے پہنچیں گے۔ یہ رشتہ کسی انسان کا قائم کردہ نہیں بلکہ خود خالق کائنات نے مسلمانوں کے دل آپس میں جوڑ دیے ہیں۔ جناب نجم سیٹھی لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ریاست کے سیاسی رہنماؤں نے سیاسی مقاصد کے لئے اسلامی شناخت کا سہارا استعمال کیا، انہوں نے ذاتی مقاصد کی بجاآوری کے لیے سیکولر جمہوری اقدار کے بجائے، اسلامی نظریئے کی آبیاری کی اور اُس کو اس طرح پروان چڑھایا کہ پاکستانیت نظروں سے اُوجھل ہوتی گئی۔ چنانچہ قوم کو باور کرایا گیا کہ ہندو انڈیا پاکستان کا دشمن ہے

اور وہ اسے تباہ کرنا چاہتا ہے،مذہب کی بنیاد پر جنم لینے والی اس قوم پر فرقہ واریت اور علاقائی بنیادوں پر تقسیم کے دروازے کھلتے چلے گئے چنانچہ آج یہ قوم داخلی انتشار کا شکار ہے''جہاں تک بات ہے سیاسی رہنماؤں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے اسلامی شناخت کا سہارا لیا تھا یا لیتے ہیں تو اس بات میں کافی حد تک صداقت موجود ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان سیاست دانوں نے اپنے ذاتی مقاصد کیلئے اسلامی شناخت کا سہارا استعمال کیا اور اسلامی نظریئے کی آبیاری بھی کی ، کم از کم راقم تو اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا ۔دوسری بات اسلامی نظریئے کی آبیاری کی وجہ سے پاکستانیت نظروں سے اُوجھل ہو گئی یا ہو رہی ہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ میں پاکستانیت کو اسلامی نظریئے کی ایک جھلک سمجھتا ہوں ۔ مسلمان پاکستانی،افغانی،ترک، عرب، عراقی، فلسطینی یا دیگر مما لکی ہو سکتا ہے لیکن اُس کی اصل پہچان مسلمان ہونا ہی ہے ۔اپنے وطن میں رہتے ہوئے ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم پاکستانی مسلمان ہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن بیرون ملک بسنے والے پاکستانی جب اپنا تعارف کرواتے ہیں تو وہ بھی دیگر ممالک کے رہنے والے مسلمانوں کی طرح قومی شناخت کے بعد ہی مذہبی شناخت بتاتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم پاکستانی مسلمان ہیں ۔یہ بات واضع کرتا چلوں کے چوہدری نثار یا کسی دوسرے پاکستانی کے اپنے آپکو پہلے مسلمان اور بعد میں پاکستانی کہنے کا ہزگز یہ مطلب نہیں کہ پاکستانی ہونے پر شرم محسوس کرتے ہیں بلکہ ہمیں اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہے کیونکہ پاکستان

وہ ریاست ہے جو قائم ہی اس لئے ہوئی کہ وہاں مسلمان اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کے ساتھ بسر کر سکیں۔ نجم سیٹھی کا کالم پڑھ کر مجھے تو یوں محسوس ہوا کہ کسی غیر مسلم اور غیر ملکی تجزیہ نگار کا تبصرہ پڑھ رہا ہوں۔ اُس نے اس خوبصورتی کے ساتھ اپنے خیالات کو پیش کیا کہ ایک موقع پر تو محسوس ہوا کہ نظریہ پاکستان ہی جھوٹ تھا۔ طالب علم کی حیثیت سے جو راقم نے علم حاصل کیا اُس کے مطابق نظریہ پاکستان اور اسلام ہم معنی ہیں نظریہ پاکستان تعلیمات اسلام کی عملی صورت کا نام ہے۔ یہ درست ہے کہ ابھی تک پاکستان میں مکمل طور پر اسلامی قوانین رائج نہیں ہوسکے لیکن فرمان قائدکے مطابق پاکستا ن اسلامی اصولوں کی عظیم تجربہ گاہ بن چکا ہے۔ اللہ تعالٰی نے چاہا تو ایک دن پاکستان میں مکمل اسلامی نظام رائج ہوگا اور پوری دنیا کے مسلمان ریاست پاکستان پر فخر کریں گے۔

سال نیا ہمارے عہد پرانے ہیں

راقم کی طرف سے پوری دنیا کے انسانوں خاص طور اہل پاکستان کو نیا سال مبارک ہو۔بہت سی نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہیں معلومات سے خالی لیکن اُمید بھرے خیالات ۔ گزشتہ کئی صدیوں کی طرح اس سال بھی حکمرانی ظلم پسند ذہنیت کے نرغے میں رہی ۔ظالم حکمران کہاں سے آتے ہیں ؟اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت کسی بھی مسلمان کو نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران مسلط ہوں گے۔کیاہم صرف نام کے مسلمان ہیں ؟آج ہمارے بہت سے اعمال ایسے ہیں جو ہمیں مسلمان ثابت کرتے ہیں لیکن ہم ان کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی کرتے ہیں جن کے کرنے سے ہمارے وہ اعمال ضائع ہوجاتے ہیں جو ہمیں وباؤں یعنی بیماریوں، قحط و مصیبت ،ظالم حکمرانوں، غیر مسلم دشمنوں اور آپس لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ایسے حالات میں بیٹھ کر حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنے یا یہ سوچنے سے کہ ظالم حکمران کہاں سے آتے مصیبتوں سے جان نہیں چھوٹتی ۔ کیونکہ ظالم حکمران نہ تو آسمان سے گرتے ہیں ،نہ زمین کھود کر نکالے جاتے ہیں ،نہ سمندروں کی گہرایوں سے دریافت ہوتے ہیں،نہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتے ہیں اور نہ ہی کوئی خلائی مخلوق ہیں ۔یہ ظالم حکمران بھی

ہمارے طرح ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں اور یہ پیدائشی ظالم بھی نہیں ہوتے ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ ظالم کس طرح بن جاتے ہیں ؟کیا کوئی سکول ،کالج یا یونیورسٹی ہے جو ظلم و جبر کی تربیت دیتی ہے ان کو ؟اگر انسان اپنی ناقص عقل سے ان سوالات کے جوابات مانگیں گے تو ان سوالات کے جوابات ملنے کی بجائے بہت سے اور سوالات جنم لیں گے جو ہمیں گمراہی کی طرف بھی مائل کر سکتے ہیں ۔اس لیے بہتر یہی ہے مسلمان اپنے دین اسلام سے ان سوالات کے جوابات مانگ لیں ۔اور اگر غیر مسلم بھی اسلام سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو اسے بھی کھلی چھٹی ہے ۔وہ اس لیے اللہ تعالی نے اپنے آخری اور محبوب نبی حضرت محمدؐ کو دوجہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اسلام نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کے حقوق کا نگہبان ہے۔لیکن اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں اور وہ تمام اعمال بھی باقائدگی کے ساتھ دہراتے رہیں جن سے میرے اور آپ کے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے پناہ مانگی تو پھر ہم صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں پانچ چیزوں سے کہ تم ان کو پاؤ۔جب کسی قوم میں فحاشی (یعنی شراب نوشی بدکاری ناچ گانا وغیرہ)اعلانیہ ہوں گے تو وہ طاعون یعنی وباؤں اور ایسی بیماریوں میں بتلا ہوگی جو ان سے پہلے لوگوں میں کبھی نہ ہوئی تھیں۔جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی (یعنی تجارتی بدعنوانیاں ،چوربازای وغیرہ) کرے گی تو ان میں قحط مصیبت اور ظلم ہوگا۔جو کوئی

قوم زکواۃ نہیں دیتی تو اللہ تعالیٰ ان پر بارانِ رحمت روک دیتا ہے،اگر جانور نہ ہوں تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی۔جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسولؐ سے عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیر قوم سے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کردیتا ہے جو ان کے مال (یعنی دولت تجارت اور زرعت وغیرہ) کو زبردستی چھین لیتا ہے۔جب مسلمان حاکم اللہ کی کتاب، یعنی قرآن کریم) پر عمل نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں) کرتے (شریعت نافذ نہیں کرتے) تو اللہ تعالیٰ ان میں لڑائی کرادیتا ہے (یہاں تک کہ خانہ جنگی ہوجائے) قارئین محترم اگر ہم غور کریں تو یہ تمام برائیاں آج ہمارے معاشرے موجود ہیں اور وہ تمام مشکلات بھی موجود ہیں جن کے بارے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔اگر ہم ان مشکلات (یعنی عذاب الٰہی) سے بچنا چاہتے ہیں تو پھر نئے سال کو غیر اسلامی طریقوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر خوش آمدید کہنا چاہے۔کم از کم مسلمانوں کو ہیپی نیوائیر نائٹ زنا، ناچ گانا، شراب نوشی، ہوائی فائرنگ اور نشے کی حالت میں اپنے ہی قومی اثاثوں کی توڑ پھوڑ کرکے نہیں منانی چاہے۔اور یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ سے عہد شکنی نہیں کریں گے۔

سال نیا ہمارے عہد پرانے ہیں
جو روز قیامت تک نبھانے ہیں۔

آیئے آج پھر سے اپنے پرانے عہد دوہراتے ہیں کہ ہم لین دین میں ایمان داری سے
کام لیں گے ،ناپ تول پورا کریں گے ،زکواۃ دیں گے، شراب نوشی،زناکاری اور ناچ
گانے سے دور رہیں گے اور دیگر تمام احکام الٰہی کو خوش دلی کے ساتھ مانیں گے ۔اللہ
تعالٰی سے دعا ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق وطاقت اور حقیقی مسلمان
قیادت عطا ہو،اے اللہ آنے والے نئے سال میں پاکستان کو پوری طرح اسلامی
ریاست بنا جس میں چاروں طرف بھائی چارے کی فضا ہو، کوئی کسی پر ظلم نہ کرے
(آمین)

مجرم تو مجرم رہے گا

آج کل سابق آمر پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل کے چھ تحت چلنے والے مقدمہ کو موضوع بناکر بہت سے رنگ برنگ طوطے ٹیں ٹیں کر رہے ہیں۔میں نے سوچا بہتی ٹیں ٹیں میں ہم بھی اپنی مینا کہانی سنا لیتے ہیں۔ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔چاہئے کوئی منتخب حکومت گرا کر ملک میں مارشل لاء یا ایمر جنسی لگادے یا پھر منتخب حکومت ملک دشمن غدار کو آرمی چیف بنا دے۔بھئی ہم تو عوام ہیں ہمیں کیا ہمارے منتخب حکمران بیرونی دباؤپر غدار وطن کو چھوڑ دیں یا ہمیں مزید قرض کی لعنت میں ڈبو کر مار ڈالیں۔کیا ہواجو ہمارے حکمران محب وطن نہیں ہم تو محب وطن عوام ہیں۔عدلیہ یاحکومت پرویز مشرف کو سزا دے یا جزا ہمیں کچھ فرق نہیں پڑتا لیکن ذہن میں بہت سے سوالات اُٹھتے ہیں۔حالات واقعات کے مطابق لاشوں کے ڈھیر پر کھڑا ہو کر مکے دیکھانے والا اپنے وقت کا مغرور،طاقتور آمر اس وقت آئین کے شکنجے میں پوری طرح پھنس چکا۔اگر حکومت وقت کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرے تو اُس کا بچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آ رہا ہے۔ملک کے منتخب وزیر اعظم کو عہدے سے زبردستی اُتار کر جیل اور پھر جلا وطن کرنے والا آج اپنے آپکو ملک کا وفادار ثابت کرنے کیلئے دل کے عارضے میں مبتلا ہوگیا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر میاں نواز شریف اور سابق آرمی چیف ر جنرل پرویز مشرف دونوں ہی ملک کے وفادار ہیں

تو پھر آئین کس نے توڑا؟ جمہوریت کا راگ الاپنے والے بہت سے طوطے آج مشرف مشرف الاپ رہے ہیں ۔بندہ پوچھے اگر مشرف اور اُس کی آمریت اس قدر اچھی تھی تو، جمہوریت ، جمہوریت کھیلنے کا مقصد کیا ہے؟ عدالت فوجی ہو یا سول کیا فرق پڑتا ہے مجرم تو مجرم ہی رہے گا پرویز مشرف کیوں فوجی عدالت میں اپنا مقدمہ لیجانے کی ضد کر رہا ہے؟ کیا فوجی عدالت کسی غدار کو چھوڑ سکتی ہے؟ آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت آئین کو معطل کرکے مارشل لاء یا ایمرجنسی نافذ کرنا ملک سے غداری اور بغاوت کے ذیل میں آتا ہے۔ر جنرل پرویز مشرف نے یہ جرم کیا ہے اس بات میں کوئی شک باقی نہ ہے اس صوتحال میں حکومت کا اندرونی یا بیرونی دباؤ قبول کرتے ہوئے پرویز مشرف کو دبئی یا کسی دوسرے ملک بھیجنا بھی ملک سے غداری ہی سمجھا جانا چاہئے ۔اگر حکومت وقت یا اعلیٰ عدلیہ کسی قسم کا سمجھوتہ کرتی ہے تو ملک میں چلنے والی جمہوریت اور آئین کی حکمرانی دونوں پر سوالیہ نشان لگ جائیں گے ۔دنیا کی کوئی بھی ریاست غداروں کو معاف نہیں کرتی جس کی مثال بنگلہ دیش میں عبدالقادر ملا کی سزائے موت ہے جنھوں نے بنگلہ دیش بننے سے پہلے اپنے وطن پاکستان کے افواج کا ساتھ دیا حالانکہ یہ غداری نہیں ہے پھر بھی بنگلہ دیشی حکومت نے اُن کو غداری اور بغاوت کے جرم میں سزا موت دے دی۔ یہاں تو معاملہ ہی صاف ہے پرویز مشرف نے منتخب حکومت پر شب خون مارا اور اُس وزیراعظم کو جلاوطن کیا جسے عوام نے ایک بار پھر اپنے اعتماد سے نواز کر محب وطن ثابت کر دیا ہے ۔اگر پرویز مشرف کو آئین کے مطابق سزا نہیں دی

جاتی تو اس ملک میں جمہوریت کبھی بھی نہیں چل سکتی۔یعنی پرویز مشرف کو بیرون ملک منتقل کرکے معاملہ ختم کرنا ملک میں جمہوریت کا بستر ہمیشہ کیلئے گول کرنے کی طرف آخری قدم ثابت ہو سکتا ہے۔چوہدری شجاعت کے مطابق آرمی چیف غدار نہیں ہو سکتا۔اگر ایسا ہے تو چوہدری صاحب بتا دیں کے آئین کے آرٹیکل چھ کا کیا کیا جائے؟جس کے تحت ملک کے آئین کو معطل کرکے مارشل لایا ایمرجنسی لگانا غداری اور بغاوت کے ذیل میں آتا ہے۔چوہدری صاحب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ پرویز مشرف نے ایک سے زیادہ مرتبہ ملکی آئین معطل کیا اور مارشل لا اور ایمرجنسی دونوں نافذ کئے پھر بھی اُسے بے گناہ کہنے کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ کہیں نہ کہیں چوہدری صاحب بھی اس جرم میں شامل ہیں اور وقت پڑھنے پر اُن کے خلاف بھی اس قسم کا مقدمہ چلنے کا امکان ہو سکتا ہے۔میں ماہر قانون تو نہیں لیکن ہونا تو یہی چاہئے کہ غدار کے تمام ساتھی بھی غدار سمجھیں جائیں۔لیکن میاں نواز شریف کا غدار مشرف کے ساتھیوں پر نوازشیں کرنا اور صرف مشرف کے خلاف آرٹیکل 6کے تحت غداری کا مقدمہ چلانا سمجھ سے بالاتر ہے۔مشرف دور کے کتنے ہی وزیر آج بھی حکومت میں شامل ہیں جبکہ کئی اپوزیشن میں بیٹھ کر مزے کر رہے ہیں۔راقم کی نہ تو پرویز مشرف کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے اور نہ ہی میاں نوز شریف سے اس لئے عوامی حلقوں میں اُٹھنے والے سوالات کو بلاامتیاز پیش کرنے کی جسارت کر رہاہوں۔عوام سمجھتے ہیں کہ پرویز مشرف ہو میاں نواز شریف ہو آصف زرداری یا کوئی اور سب کے ساتھ

ملکی آئین اور قانون کے مطابق سلوک ہو چاہیے اور اگر آئین اور قانوں میں کسی قسم کی کمی ہے تو اُسے فوری طور پر دور کیا جانا چاہیے۔یعنی اگر حکومت پرویز مشرف کو آرٹیکل 6 کے تحت چلنے والے مقدمہ میں رہا کرنے کی کوئی صورت نکالتی ہے تو اُسے بھی آئین میں شامل کر دیا جائے تاکہ آئندہ ملکی آئین کو معطل کرکے مارشل لاء یا ایمرجنسی لگانے والے جنرل کو نیا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ سعودی یا کسی دوسرے ملک کی حکومت کے کہنے پر غدار کو رہا کرنے کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ جس نے بھی وطن سے غداری کرنی ہو وہ اپنے لئے کسی ایسے ملک کی حمائت کا بندوبست کرلے جو اُسے غداری کے مقدمہ سے چھڑوانے کی طاقت رکھتا ہو۔اس طرح بات بالکل صاف ہوجائے گی کہ ملک میں کسی بھی اہم عہدے کیلئے محب وطن ہونے کی بجائے بیرونی حمائت شرط ہوگی۔

ایک تیر سے دو شکار

ایک سیاست دان کے بچے نے محلے کے غریب بچے کی خوب پٹائی کی جس میں غریب بچے کا سر پھٹ گیا۔اُسے خون میں لت پت دیکھ سیاست دان کا بچہ بھاگ کر اپنے گھر گیا اور سارا قصہ اپنے باپ کو سنا دیا۔ باپ نے اُسے سمجھایا کہ وہ لوگ تیری شکایت کرنے آئیں گے تو میں تمہیں خوب ڈانٹوں گا تم روتے ہوئے بھاگ کر اندر چلے جانا میں تیرے پیچھے کوئی چیز ماروں گا لیکن فکر مت کرنا تمہیں لگے گی نہیں بس تم بھاگ جانا ۔اتنے میں غریب کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ سیاست دان کے گھر شکایت لے کر پہنچ گیا۔ غریب بچے نے جاتے ہی ماں کو روتے ہوتے بتایا یہی ہے جس نے مجھے بلا وجہ مارا، میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔اُس کی ماں نے سیاست دان سے اُس کے بچے کی شکایت کی تو وہی ہوا جو سیاست دان اور اُس کے بچے کے درمیان طے ہوچکا تھا۔ سیاست دان کا بچہ کمرے کی طرف بھاگ گیا جس کے بعد سیاست دان نے اپنے بچے کو خوب بُرا بھلا کہا اور غریب بچے کو گود میں لے کر خوب پیار کیا۔اُسے یقین دلایا کہ وہ اپنے بچے کو سبق سکھائے گا۔سیاست دان نے جاتے ہوئے غریب بچے کو سو کا نوٹ دیا اور اپنے ملازم سے کہا جاؤ ڈاکٹر سے پٹی کروا دو اور سنو ڈاکٹر سے کہنا جب تک زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا ان سے فیس نہ لے اُس کے پیسے ہم ادا کریں گے ۔ خون میں لت پت

غریب کا بچہ اور اُس کی ماں گہری چوٹ کھانے کے باوجود سیاست دان کو ڈھیروں دُعائیں دیتے ہوئے اُس کے گھر سے رخصت ہوگئے۔اُن کے جانے کے بعد سیاست دان کی بیوی نے پوچھا جناب نے میرے بیٹے کو اُن کمیوں کے سامنے کیوں ڈانٹا ؟سیاست دان نے جواب دیا اگر میں اپنے بیٹے کو اُن کے سامنے نہ ڈانٹا تو وہ کمی ہمارے بیٹے سے بدلہ لیتا جس میں ہمارے بیٹے کو زیادہ چوٹ بھی لگ سکتی تھی اور پھر تم جانتی ہو الیکشن سر پہ ہیں میں نے ان کمیوں سے ووٹ بھی لینا ہے۔اب یہ لوگ مجھے ووٹ بھی دیں گے اور بدلہ بھی نہیں لیں گے۔سیاست دان کی بیوی نے خوش ہو کر کہا آپ نے تو ایک تیر سے دو شکار کر لئے۔غریب عوام اسی طرح سیاست دانوں کی سیاست میں آکر اپنا بدلہ اور حق دونوں چھوڑ دیتے ہیں۔عالمی سیاست دان آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔ارے یار امریکہ بہادر نے اس قسم کی مرہم پٹی والی سیاست کو فروغ دینے کی غرض سے اقوام متحدہ بنا رکھی ہے۔جو کبھی کسی غریب ملک کے حق میں قرارداد منظور کرتی اور کبھی کسی کمی ملک کو امداد دیتی ہے۔گزشتہ دنوں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ڈرون حملوں کے خلاف اسی قسم کی ایک اور قرارداد منظور کر لی ہے۔اس خبر کو بہت نمایاں حیثیت دے کر میڈیا میں شائع کیا جا رہا ہے۔اقوام متحدہ اس قسم کی بے شمار قردادیں پہلے بھی منظور کر چکی ہے۔جن میں کشمیری عوام کے حق خوداردیت کی قراردادیں بھی شامل ہیں۔کچھ ذرائع کا ماننا ہے کہ یہ قراردادیں 65برس خاموش پڑی رہنے کے باوجود ابھی تک موثر ہیں لیکن راقم کے خیال میں

قراردادیں اقوام متحدہ کی ہوں یا کسی دوسری اسمبلی سے پاس کی جائیں بالکل غیر موثر ہوتی ہیں کیونکہ ان کو نہ تو قانونی حیثیت حاصل ہے اور نہ ہی ان پر عمل کروانے کا کوئی مضبوط ادارہ موجودہ ہے۔فقت لفظوں کاجال بن کر اُس کو کسی اسمبلی میں اکثریت یا متفقہ طور پر منظور کرنے کے بعد اُسے صرف خام خیالی یا خیالی پلاؤ کی طرح گفتگو میں استعمال کرنے سے نہ تو کسی قوم کے حالات بدلتے ہیں نہ کسی کو حق خودارادیت ملتا ہے اور نہ کسی ملک کے جنگی عزائم میں کمی پیشی متوقع ہے۔اگر اقوام متحدہ نے امریکہ سے مشاورت کے بعد ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد منظور کی ہے تو ڈرون پالیسی میں ردوبدل ہوسکتا ہے ورنہ 65برس پہلے کشمیری عوام کے حق خوداردیت کے حق میں پاس ہونے والی قراردادوں کے ساتھ ڈرون حملوں کے خلاف منظور ہونے والی قرداد بھی بھول بھلئے کے قبرستان میں دفن ہوجائے گی جس کا قوی امکان موجود ہے۔قرارداد کو آئینی یا عدالتی فیصلے جیسی حیثیت حاصل نہیں ہے اس لئے قرداد کو صرف اظہارے رائے کہا جاسکتا ہے۔جس طرح مختلف لوگ ایک ہی موضوع پر مختلف رائے رکھتے اسی طرح اقوام متحدہ کی ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد پر عمل کرنا امریکہ یا نیٹو اتحاد کیلئے ضروری نہیں ہے۔اگر سپرپاور میرے جیسے خیالی پلاؤ پکانے والوں یا پھر دنیا بھر سے آنے والی مختلف آرء کو اپنی پالیسی سے زیادہ اہمیت دینے لگ جائے تو وہ سپر پاور کی بجائے سپر احمق ، سپر بیوقوف بن جائے گا۔جو ابھی ناممکن لگتا ہے اس لئے میں تو یہی کہوں گا کہ اقوام متحدہ ہو یا کوئی

اور رائے دینے والے دیتے رہیں گے اور سپرپاور (عالمی سیاست دان) اپنا کام یعنی ڈرون حملوں سمیت دیگر آپریشنز کرتا رہے گا۔ڈرون حملوں کے خلاف اقوام متحدہ کی قرارداد کو جس قدر خوشخبری سمجھ کر آج کل میڈیا میں پیش کیا جارہا ہے ٹھیک 65برس پہلے کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے حق میں منظور ہونے والی قراردادوں کو بھی اسی انداز میں پیش کیا گیا تھا جو بد قسمتی سے آج تک صرف حوالوں کے طور پر لکھنے کیلئے استعمال ہوتیں ہیں۔ایک طرف امریکہ ڈرون گرا کر ہمیں لہولہان کرتا اور دوسری طرف امداد (یعنی بھیک) دے کر بدلہ لینے سے باز رکھتا ہے۔اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار

نظامِ عدل

اسلام نے جو نظام عدل ترتیب دیا ہے اُس کا مقابلہ دنیا کا کوئی فرد، معاشرہ، ملک ،مذہب یا فرقہ نہیں کر سکتا۔ قبیلوں ،خاندانوں اور رشتہ داریوں سے بالاتر نظام عدل ۔جس میں عادل کسی مذہب یا فرقہ کا لحاظ کئے بغیر صرف انصاف کے تقاضے پورے کرتا ہے۔انسان کا عدل کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں (سورۃ النساء) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا''اے ایمان والوانصاف پر قائم رہو۔اوراللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارایا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے''ایک جگہ ارشاد ہوا 'یقیناًاللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے' (الحجرات :۹)ایک جگہ اور ارشاد ہوا''عدل کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے'' (المائدہ :۸) پھر ارشاد ہوا''اے لوگوجوایمان لائے ہو،اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروکی دشمنی تم کواتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے(المائدہ :۸)اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر کئی اور جگہ بھی عدل کی اہمیت وافادیت سمجھانے کے لئے احکامات صادر فرمائے ہیں ۔ارشاد نبویؐ ہے''عادل حکمران زمین پر خدا کا سایہ ہے'' یہ بات طے ہے کہ عدل قائم کرنا حاکم وقت کا فرض ہے اور

قیام نظام عدل کے بغیر نظام حکومت تو کیا نظام زندگی چلنا ناممکن ہے۔ نظام عدل انسانی زندگی کو حیوانیت کے دائرے سے نکال کر انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے ورنہ حیوان بھی طاقتور ہونے کی صورت میں شاندار زندگی بسر کرتے ہیں۔ عمر کے آخری دنوں میں جب جسم کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تب طاقت بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ پھر جنگل کے قانون کے مطابق شاندار جوانی بسر کرنے والے حیوان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو کمزوروں کے ساتھ جوانی میں پیش آتا ہے۔انسانی معاشرے میں عدل ہی طاقتور کے ساتھ ساتھ کمزور کو بھی عمر کے ہر حصے میں جینے کا مکمل حق دیتا ہے۔اگر عدل کو انسانی معاشرہ سے نکال دیا جائے تو پھر انسانی بستیاں جنگل سے بھی زیادہ خطرناک اور خونخوار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حیوانیت میں طاقتور کے کمزور (بوڑھے) ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے جبکہ انسان اپنے حریف کو کمزور کرنے کے طریقے جانتا ہے۔انسان کی ترقی اور کامیاب زندگی کا دارومدار صرف اور صرف اعلیٰ درجہ نظام عدل کے قیام کے ساتھ منسلک ہے۔ جہاں عدل نایاب ہو جائے وہاں حقوق مانگنے والوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں جبکہ فرائض ادا کرنے والا کہیں نہیں ملتا۔آج ترقی یافتہ ممالک میں انسانی حقوق کی حمائت میں کئی تنظیمیں کام کر رہی ہیں جو نظام عدل میں خامیوں کا ثبوت ہے۔انسانی معاشرہ اقتصادی ترقی کے باوجود اُونچ نیچ میٹا دینے والے نظام عدل کے بغیر ترقی یافتہ کہلانے کا حقدار نہیں بن سکتا۔ عدل کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض اس طرح ادا کرے کہ

کسی کو اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے تحریک چلانا تو کیا آواز بھی اُٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔اسلام ایسے نظام عدل کا حامی ہے جس میں عادل حقائق اور شواہد کی روشنی میں مظلوم کے حقوق کا تحفظ کرے بغیر کسی سفارش و رشوت اور خوف کے۔اس کائنات کا سب سے بڑا عادل و حاکم خود خالق کائنات ہے۔جو ساری کائنات کا نظام پورے عدل کے ساتھ چلا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد مسلمان حاکم اس زمین پر عدل و انصاف کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اس کائنات پر اُول حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے انسان صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کے ذریعے ہی مخلوق کو عدل فراہم کرسکتا ہے۔آئین پاکستان جو کسی مولوی نے نہیں بلکہ سیاسی نمائندوں نے ترتیب دیا ہے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو پوری طرح تسلیم کرتا اور ملک میں اسلام کے مکمل نفاذ کا وعدہ کرتا ہے۔پاکستان کے کسی ادارے یا سیاسی جماعت کو بظاہر نفاذ اسلام پر کوئی اعتراض نہیں لیکن نجانے کیوں جب اسلام کو نافذ کرنے کا ذکر آتا ہے تو لوگ یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ کون سا اسلام نافذ کیا جائے، سنی، شیعہ، وھابی، دیوبندی، یا کوئی اور جبکہ اسلام تو ایک ہی ہے۔سیاست دان فوری طور پر سوچ لیتے ہیں کہ اگر اسلام نافذ ہوگیا تو حکومت مولویوں کے ہاتھ چلی جائے گی۔سچ بھی ہے کہ اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان پر حکومت کرنی ہے تو پھر دین سیکھنا پڑے گا۔میرا آج کے تمام سیاست دانوں کو مشورہ ہے کہ جہاں اپنے بچوں کو دنیا کی اعلیٰ تعلیم دلواتے ہو وہیں انہیں اسلام کے متعلق بھی صحت مند آگاہی دے دو تاکہ وہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان پر حکمرانی کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت کی زندگی میں بھی کامیابیاں سمیٹنے کے قابل ہو جائیں ۔جہاں دنیا، جہان کی بے ایمانی سیکھتے ہو وہاں ایمانداری کے ساتھ جینا سیکھ لو تو تم بھی حکومت کر سکتے ہو اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد۔ اے دینا کے امیر حکمرانو کیوں ڈرتے ہو نفاذ اسلام سے ؟اسلام غریب کو عدل فراہم کرتا ہے اس کا یہ مطلب نہ لو کے امیروں پر ظلم کرتا ہے ۔اسلام تو مال و دولت ،رنگ و نسل، ملت مذہب و عقیدہ کا لحاظ کیے بغیر غریب اور امیر دونوں کو عدل کے ساتھ اپنے وسائل، میں آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرنے کا حق فراہم کرتا ہے۔اسلام کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ عدل کا درس دیتا ہے ۔تاریخ شاہد ہے کہ غیر مسلم بھی حصول انصاف کیلئے مسلم عدالتوں سے رجوع کیا کرتے تھے جہاں اُن کو مکمل انصاف ملا کرتا تھا۔ عدل کے بغیر نہ صرف ریاست بلکہ پوری کائنات کا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔دور حاضر کو دیکھ کر ذہن میں جب یہ سوال آتا ہے کہ آج تو ایسا عدل کہیں نظر نہیں آتا پھر کیسے نظام کائنات چل رہا ہے ؟جواب یہ ہے کہ جس کی کائنات ہے وہ مکمل عدل فرما رہا ہے بس کچھ لوگوں کو کچھ دیر کی مہلت ملی ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ نا سمجھ ، سمجھ رہے ہیں کہ وہ اپنی بے ایمانی اور ناانصافی کی بدولت کائنات کی تمام دولت اپنے دامن میں سمیٹ سکتے ہیں جو اللہ معاف فرمائے اُن کی نظر میں شائداُن کو قیامت کے عذاب سے محفوظ کر سکتی ہے ۔جبکہ ایسا کچھ نہیں ہونے والا وہ عادل ضرور انصاف کرے گا جس کا وعدہ ہے کہ وہ پورا

پورا انصاف کردے گا۔ ملک میں موجود کرپشن، بدامنی، ناانصافی، مہنگائی اور چور بازاری سمیت تمام مسائل کا حل بھی اسلامی نظام عدل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام عدل کو رائج کرنا، ناگزیر ہوچکا :

ہم نجات چاہتے ہیں

انسان پیدائشی طور پر بہت ہی معصوم پیدا ہوتا ہے۔انسان چاہے کتنا بھی سخت دل کیوں نہ بن جائے لہو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے ،دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر دل میں اک لہر سی ضرور اُٹھتی ہے۔ ہوس ولالچ میں آکر دوسروں کو بے دردی سے کاٹنے والے بھی کہیں نہ کہیں اپنے آپکو شرمندہ محسوس کرتے ہیں ،اگر یوں کہوں کہ ہر انسان کے اندر برائی سے بچنے اور اچھائی کو اپنانے کا جذبہ موجود ہے تو زیادہ مناسب بات ہوگی لیکن حالات سازگار نہ ملنے کی وجہ سے اکثریت.برائی کی دلدل سے نکل نہیں پاتی۔۔انسان کی معصومیت اس قدر نایاب ہو چکی ہے کہ قتل وغارت گری کے ماحول میں چاروں طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔نہ قاتل خوش نہ مقتول اور نہ ہی آس پاس بسنے والے معصوم انسان اس دہشت بھرے نظام میں پرسکون زندگی بسر کرنے کے قابل ہیں ۔ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ پھر بھی انسان کی معصومیت پکار رہی ہے۔انسانیت کی اس پکار کی کوئی آواز نہیں لیکن میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ جیسے انسانیت سسکیوں کی آواز میں پکار رہی ہو ہم نجات چاہتے ہیں ،نجات چاہتے ہیں چاروں طرف پھیلی دہشتگردی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں قرضہ جات سے،ہم نجات چاہتے ہیں نسل در نسل پھیلی غلامی سے،ہم نجات چاہتے ہیں دھوکہ دہی سے،ہم نجات چاہتے ہیں انسانیت سوز نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں

جہالت سے، ہم نجات چاہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام سے، ہم نجات چاہتے ہیں جاگیر داری سے، ہم نجات چاہتے اس نظام سے جس میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ہم نجات چاہتے ہیں ظلم کی حکمرانی سے، ہم نجات چاہتے ہیں بدامنی سے، ہم نجات چاہتے ہیں بے روزگاری سے، ہم نجات چاہتے ہیں بے ایمانی سے، ہم نجات چاہتے ہیں گمراہی سے، ہم نجات چاہتے ہیں بے راہ روی سے، ہم نجات چاہتے ہیں دنیا کے تمام جھگڑوں سے، ہم نجات چاہتے ہیں غربت سے، ہم نجات چاہتے ہیں ہوس و لالچ سے، ہم نجات چاہتے ذاتی و اجتماعی بے غیرتی سے، ہم نجات چاہتے ہیں قتل و غارت گری سے، ہم نجات چاہتے ہیں ناانصافی سے، ہم نجات چاہتے ہیں خودکشیوں سے، ہم نجات چاہتے ہیں نفرتوں بھرے ماحول سے، ہم نجات چاہتے ہیں خودکش حملوں سے، ہم نجات چاہتے ہیں ڈرون حملوں سے، ہم نجات چاہتے ہیں تمام دہشتگرد عناصر سے، ہم نجات چاہتے ہیں جھوٹ سے، ہم نجات چاہتے ہیں کفر کے نظام سے، ہم نجات چاہتے ہیں ظالم حکمرانوں سے ہم نجات چاہتے ہیں، انسانیت کی یہ سسکیاں نجانے اور کن کن چیزوں سے نجات چاہتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان تمام تکالیف سے انسان کو نجات کون دلا سکتا ہے؟ جبکہ یہ تمام مسائل انسان ہی کے پیدا کردہ ہیں جن کی وجہ سے انسانیت نایاب اور حیوانیت سرعام ہو چکی ہے۔ اے انسان سوچ۔ قاتل کون؟ مقتول کون؟ دہشتگرد کون؟ دہشتگردانہ حملوں میں جان سے جانے والا کون؟ ظالم کون؟ مظلوم کون؟ جھوٹا کون؟ دھوکے باز کون؟ ناانصاف کون؟ نفرتوں کے بیج بونے والا کون؟ لالچی کون؟ حریص کون؟ سرمایہ

داری، جاگیرداری سے ناجائز فائدہ کون اُٹھاتا ہے؟ان تمام سوالات کا ایک جواب ہے انسان) یعنی انسان خود ہی ظالم ہے ، خود نفرتوں کے بیج بوتا ہے اور خود ہی لہو کی فصل) کاٹتا ہے۔ معصوم انسان اپنے خالق کی عظیم تخلیق کی تذلیل کرتا ہے جو خالق حقیقی کو پسند نہیں ہے۔ انسان ،انسان کا دشمن ہے اور انسان سے اپنی جان بچانے کے لئے انسان ہی کو اپنا محافظ مقرر کرتا ہے۔ کیسی دردناک حقیقت ہے کہ انسان ہی انسان کی جان کا دشمن ہے اور انسان ہی انسان کا محافظ تصور کیا جاتا ہے۔انسان کی وحشت ثابت کرتی ہے کہ انسان معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ظالم بھی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا ناممکن ہے کہ انسان پیدائشی طور پر معصوم ہی پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کا حرص اور لالچ اسے ظالم اور فسادی بنادیتے ہیں۔ دولت و عیش کے لئے انسان اپنے وجود پر تشدد کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ بات اشرف المخلوقات کے لئے باعث فکر ہی نہیں بلکہ قابل شرم بھی ہے۔انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ انتہائی نفسا نفسی کے عالم میں بھی ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پیش آتی ہے۔انسان دوسرے انسانوں کے بغیر زندگی بھر تو کیا ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں انسان ،انسان سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے؟ میری نظر میں انسان دنیا کے ہر قبیلے ،ہر گروہ، ہرزبان، ہر علاقے ہر ریاست، ہر فرقے اور ہر مذہب سے زیادہ اہم ہے اور ہمیں دنیا کے تمام انسانوں کی، ضرورت پڑتی ہے جن میں تمام قبیلوں اور مذاہب کے ماننے والے شامل ہیں۔انسانی فطرت ہے کہ جب کسی انسان سے اپنا مقصد حاصل ہو رہا ہوتا ہے تب وہ

دوست ہوتا ہے، تب اُس کے قبیلے، فرقے اور مذہب سے ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن جب کوئی انسان ہمارے مفادات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، تب ہم اُس کے قبیلے، فرقے اور مذہب کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالات و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ انسان کسی قبیلے، فرقے یا مذہب کی وجہ سے قتل و غارت نہیں کرتا بلکہ اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کیلئے دوسروں کے گلے کاٹتا ہے، یا یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ دنیا کے طاقتور افراد اور قبیلے عام لوگوں کو قبیلوں، فرقوں اور مذاہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑا کر اپنی پوزیشن اور طاقت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاریخ انسانی بتاتی ہے ہر قبیلے، فرقے اور مذہب کے افراد نے دوسروں کے گھر، کھیت اور ملک طاقت کے زور پر ہتھیانے میں کسر نہیں چھوڑی۔ یہ حقیقت اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ پیدائشی معصوم انسان کو طاقت کا نشہ انتہائی ظالم بنا دیتا ہے اور اسی نشے کی مستی کو قائم رکھنے کی کوشش میں انسان، انسان کا گلا کاٹتا ہے۔ لیکن افسوس کہ دنیا بھر کی طاقت حاصل کرنے کے باوجود انسان اپنی سانسوں پر قادر ہو سکتا ہے اور نہ ہی جسم و روح کے رشتے کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب موت آتی ہے تب

دولت، طاقت، قبیلہ، فرقہ اور مذہب کوئی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اُس وقت یقیناً انسان موت سے نجات چاہتا ہوگا۔

آسیب زدہ گھر

بابا جی ہم بہت پریشان ہیں ،بہت سے عالموں ،بزرگوں اور تعویز کرنے والوں کو اپنے گھر بلوا کر اُسے بھگانے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ آسیب کسی کے قابو نہیں آتا ۔ہم بڑی آس لیکر آپ کے پاس آئے ہیں ۔ساری جمع پونجی مکان خریدنے میں خرچ ہو گئی اب تو بڑی مشکل سے گھر کے اخرجات چل رہے ہیں اور اُوپر سے اُس آسیب نے ناک میں دم کر رکھا ہے ۔کبھی کسی بچے کو پریشان کر دیتا ہے اور کبھی مجھے آوازیں دے کر پوچھتا ہے میرا کام کیوں نہیں کیا ؟میں نے تمھیں کام کہا تھا کیا بنا اُس کا؟ بابا جی ایک بات میں آپ کو بتا دوں وہ آسیب ہمیں تو صرف آوازیں دے کر پریشان کرتا ہے لیکن اُسے بھگانے والے اب تک کے تمام عالم زخمی حالت میں گھر سے رخصت ہوئے ہیں۔ بابا جی : بچہ پریشان مت ہو ہم اُس آسیب کو دیکھ لیں گے ۔ لیکن بابا جی ہمارے پاس اب آپ کو دینے کیلئے پیسے بھی نہیں ہیں ۔ بابا: سخت ناراضگی کے عالم میں، میں نے تم سے پیسے مانگے ہیں ؟نہیں بابا جی لیکن سب لیتے ہیں ۔ بابا: نہیں بچہ ہم پیسے نہیں لیتے لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا پڑے گا آپ کو ،جب جیب اجازت دے تب کر دینا۔ ٹھیک ہے بابا جی آپ اُس آسیب کا کچھ کر دیں ، ہم عمر بھر آپ کو دُعائیں دیں گے۔ بابا ،خاتون کے ہمراہ اُس کے آسیب زدہ گھر پہنچے اور آسیب کو اپنی زبان میں طلب کیا جس پر آسیب حاضر ہو گیا۔ بابا جی نے

آسیب کو اپنی شکل دیکھانے کا کہا لیکن آسیب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا بابا جی میں اللہ والوں کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن اگر کوئی مجھے پریشان کرے تو پھر اُس کی خیر نہیں لہذا آپ کیلئے بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے تنگ نہ کریں۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جانے والا اور نہ کوئی مجھے مجبور کر سکتا ہے۔ بابا جی نے کچھ عمل کیا اور ایک بار پھر آسیب کو مخاطب کرتے ہوئے بولے تم جو کوئی بھی ہو، جس مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتے ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ آسیب: میں نے پہلے کہہ دیا ہے کہ میں یہاں سے جانے والا نہیں اور اگر آپ نے مجھے مزید پریشان کرنے کی کوشش کی تو پھر اپنی حالت کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، میں نے پہلے کبھی کسی عامل کی اتنی عزت نہیں کی جتنی آپ کی کر رہا ہوں اگر یقین نہ آئے تو گھر والوں سے پوچھ لو۔ بابا جی: ٹھیک میں تمہیں پریشان نہیں کرتا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کیا کرتے ہو اور یہاں کب سے رہتے ہو؟ آسیب: زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے بابا جی ساڈیاں تفتیشاں کروگے تو سیں؟ بابا: نہیں میں تفتیش نہیں کر رہا لیکن ہو سکتا ہے تمہارے تعارف کے بعد ہمارے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ آسیب ایک بار پھر زور سے ہنسا اور کہنے لگا بابا جی آپ بس اتنا جان لیں کہ میں 20 سال تک پنجاب پولیس میں بطور انسپکٹر نوکری کر چکا ہوں اور اگر اب آپ نے میری مزید تفتیش کی تو پھر آپ جانتے ہیں پنجاب پولیس کس طرح دھوتی ہے۔ بابا: مسکراتے ہوئے ٹھیک ہے میں

تمہاری تفتیش نہیں کرتا لیکن میری تمہاری ملاقات رہے گی اور اُمید ہے ہم مل کر کوئی حل نکال لیں گے۔ یہ کہہ کر باباجی مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔ گھر والے جو اب تک پریشان بیٹھے تھے نے باباجی کو سہی حالت میں مسکراتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ اُنھوں نے آسیب کو قابو کرلیا ہوگا۔ خاتون نے باباجی سے سوال کیا، کیا ہوا بابا جی آسیب چلا گیا ہمارے گھر سے؟ بابا: نہیں بچہ لیکن جلد ہی چلا جائے گا۔ بابا: 8 دن بعد دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ 8 دن بعد بابا اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا اور آسیب کو طلب کرنے کیلئے گھر کے اُسی کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند

کرلیا۔ آسیب حاضر ہوا تو بابا نے اُسے اپنی شکل میں ظاہر ہونے کو کہا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ میں بھی ریٹائرڈ پٹواری ہوں اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آج ہمارے

درمیان سودا ہوجائے گا اگر آفر پسند نہ آئے تو کوئی بات نہیں ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ آسیب: پٹواری،،،، تو پہلے کیوں نہیں بتایا، آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن آپ تو جانتے ہیں ہم پولیس والے کچھ دیتے نہیں اور پٹواری بھی ہمارے طرح کچھ لئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے پھر ہمارے درمیان سودا کس طرح ممکن ہوگا؟ بابا: درست کہا تم نے لیکن سودا صرف لینے کا نام نہیں بلکہ کچھ لینے اور کچھ دینے کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے تم مجھے یہ چار مرلے کا گھر خالی کردو میں تمہیں اس کے بدلے پرسکون علاقے میں دو 2 کنال کا بہترین گھر دینے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ بات بتانا ضروری ہے کہ وہ گھر جس زمین پر

تعمیر کیا گیا ہے وہ سینٹرل گورنمٹ کی ہے ۔آسیب : پٹواری صاحب آپ تو پولیس والوں سے بھی 2 ہاتھ آگے کی سوچتے ہو لیکن اس گھر سے میری کچھ یادیں وابستہ ہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتا۔ بابا : کوئی بات نہیں ہم تمہاری ہر چیز محفوظ طریقے سے وہاں شفٹ کردیں گے اور ساتھ ہی تمہاری ضرورت کی مزید چیزیں بھی مہیا کردیں گے

۔آسیب: ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتاؤ اتنی ضد کیوں کر رہے ہو اور چار مرلے کے گھر کے بدلے 2 کنال کا گھر کیوں دے رہے ہو؟ بابا : کیا بتاؤں سالے کی سفارش ہے ان لوگوں کی اور تم تو جانتے ہو کہ اک طرف ساری خُدائی ایک طرف جورو کا بھائی ۔اس جملے کیساتھ ہی آسیب نے زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے باباجی کی بات مان لی اور گھر چھوڑنے پر رضامند ہوگیا۔ بابا : یہ تو بتاؤ تم نے مجھ سے پہلے آنیوالے عاملوں کو کیوں مارا ؟آسیب :دُکھی انداز میں ، عامل ،،،،،،،، پٹواری صاحب سارے جھوٹے بابے ہیں کوئی کچھ عمل کرتا ہے اور نہ ہی کسی کے پاس علم ہے سب کے سب جاہل ، ٹھگ ملے اس گھر والوں کو ۔ ٹھیک ہے میں پولیس والا ہوں لیکن پھر بھی دکھ ہوتا ہے مجھے جب کوئی اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے ۔ خیر پٹواری صاحب آپ یہ بتائیں کہ آپ بابے کیوں بن گئے ؟ بابا : ساری زندگی گناہ میں گزارنے کے بعد ایک اللہ والے کی نسبت نصیب ہوئی جس نے مجھے جینا سکھا دیا اور میں نے انسانیت کی خدمت کیلئے باقی زندگی وقف کردی بس جو کوئی اپنی تکلیف لے کر آتا ہے اللہ تعالی سے دُعاکے ساتھ ساتھ اگر کچھ جیب سے خرچ کرنے پر بھی بات بن جائے تب بھی اللہ تعالی کا شکرادا کرتا

ہوں اور اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں ۔ آسیب فکر مندی کے عالم میں پٹواری صاحب میں تو مر چکا ہوں اب کس طرح اپنے گناہوں کی معافی طلب کروں ؟ بابا: اللہ تعالی غفور و رحیم ہے اُس کے خزانے بھرے پڑے ہیں رحمت سے لیکن یہ جو تم مرنے کے بعد بھی انسانوں کو پریشان کر رہے ہو اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے چھوڑ دو ہو سکتا ہے اللہ تعالی تمہیں معاف فرما دے ۔ اللہ تعالی سے دُعا ہے میرے وطن عزیز کو بھی ایسا کوئی پٹواری عطا کر جو یہاں کے بگڑے نظام کو نظام عدل میں بدل دے

بس کردو

وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے تحریک طالبان سے مذاکرات کیلئے چار رکنی
کمیٹی بنادی جس میں وزیر اعظم کے معاون خصوصی عرفان صدیقی، میجر (ر) عامر، رستم
شاہ مہمنداور رحیم اللہ یوسفزئی شامل ہیں کا اعلان کرتے ہوئے واضح پیغام دیا کہ ان
کی حکومت امن کی تمنا میں 7 ماہ سے لاشیں اُٹھا رہی ہے، نیک نیتی اور خلوص کے
ساتھ ایک موقع اور دینا چاہتے ہیں، آگ اور بارود کا کھیل اب بند ہونا
چاہئے۔اُنھوں نے کہا کہ اپریشن کے فیصلے پر قوم حکومت کا ساتھ دے گی۔ میں وزیر
اعظم پاکستان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی قوم ہر مشکل
فیصلے میں حکومت کے ساتھ اور ہر طرح کی دہشتگردی کے مخالف ہیں لیکن مذاکرات
کی میز پر ختم ہونے والے جھگڑے کو جنگ کی بنیاد نہ بنایا جائے اور نہ ہی نفاذ شریعت
کے حامی مسلمانوں پر بمباری کی جائے۔ کیونکہ آئین پاکستان بھی ملک میں اسلامی
قوانین رائج کرتا ہے اور اُن قوانین کی شدید مخالفت کرتا ہے جو اسلام مخالف ہوں اور
ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پاکستان بنا ہی اسلام نافذ کرنے کے لئے
تھا، پاکستان میں بسنے والا ایک مسلمان یا تمام مسلمان اگر اسلام نافذ کرنے کا مطالبہ
کرتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ لیکن اپنے ذاتی مطالبات منوانے کیلئے بے گناہوں اور
پاکستانی اداروں کو نقصان اور ملک

کو دہشتگردی کی آگ میں دھکیلنے والے اگر اپنی دہشتگردانہ حرکات سے باز نہیں آتے تو پھر اُن کو جہنم پہنچانے تک قوم اپنی حکومت کے ساتھ ہے۔ وزیراعظم پاکستان کے اعلان کے بعد تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان شاہد اللہ شاہد تحریک کا موقف واضع کرتے ہوئے بیان جاری کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ تحریک طالبان پاکستان مذاکرات کی حامی اور خواہش مند ہے بشرطیہ نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ مذاکرات ہوں اور اس عمل کو سیاسی و جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ترجمان تحریک طالبان پاکستان کا پورا بیان اپنے مضمون میں شامل کررہا ہوں تاکہ اُن کو یہ محسوس نہ ہو کہ صحافی اسلام یا مسلمان مخالف ہیں ،ہاں یہ بتاتا چلوں کہ صحافی برادری ملک میں امن چاہتی ہے لیکن جس طرح پاکستان میں مسلمانوں کے علاوہ قومیں بستی ہیں اُسی طرح صحافت کے ساتھ بھی ہر مذہب اور عقیدے کے لوگ وابستہ ہیں۔ہم سمجھتے ہیں پاکستان میں رہنے والے ہر پاکستانی کا پاکستان پر اُتنا ہی حق ہے جتنا کہ کسی مسلمان کا ہے ۔خیر یہ الگ موضوع ہے۔ترجمان تحریک طالبان نے کہا کہ مذاکرات کے حوالے سے تحریک طالبان پاکستان کا موقف پاکستان کے مسلمانوں پر واضع ہوچکا ہے کہ ہم سنجیدہ اور بامقصد مذاکرات پر یقین رکھتے ہیں ،ماضی میں آنے والے قاصدوں کا احترام کیا ہے اور اُن کو مثبت جواب دیے ہیں ،اس پروپگنڈے میں کوئی حقیقت نہیں ہے کہ امیر محترم مولانا فضل اللہ حفظ اللہ مذاکرات کے حق میں نہیں ہیں ، تحریک طالبان پاکستان کے تمام حلقے امیر محترم کی امارات و قیادت میں

متحد اور یکجا ہیں اور تمام امور میں انکے فیصلوں کی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔اگر مذاکرات کے بامعنی اصطلاح کو الزامات اور دھوکے کی سیاست سے پاک رکھا جائے تو امن کا قیام زیادہ مشکل نہیں ہے اس بابت وانا جنوبی وزیرستان اور سوات کے معاہدوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تاکہ ان تمام اسباب کے خاتمے کی ٹھوس بنیادوں پر مخلصانہ کوشش کی جائے جن کی بناپر حکومت اور طالبان معاہدوں کے درمیان معاہدوں کو ناکام بنایا جاتارہا ہے۔11 سال سے قبائل کے مظلوم مسلمان امریکہ کی ایماپر شروع کی جانے والی جنگ میں پس رہے ہیں،لال مسجد، سوات،وزیرستان سمیت اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمانوں پر ہر جگہ فوج کشی کی گئی امریکی خوشنودی تو حاصل ہونے سے رہی اپناسب کچھ ضرور داؤپر لگ گیاکشمیر اور دہلی کی فتح کے ضامن غیور قبائل اپنے ہی ملک کے ظالم حکمرانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور ہوئے، تحریک طالبان پاکستان نے ہمیشہ اس مسئلے کو مذاکرات سے حل کرنے کی کوشش کی لیکن مشرف اور زرداری کی حکومت نے مذاکرات کو ہمیشہ جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جسکی وجہ سے مذاکرات ناکام ہوئے اور جنگ کی راہ ہموار ہوئی،لہٰذا ایسے اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے جو اعتماد اور اخلاص کا ماحول فراہم کریں،حکومت کے فیصلے کو سنجیدہ لیا ہے، تحریک طالبان کی مرکزی شوریٰ حکومت کے فیصلے کا باریک بینی سے جائزہ لے کرچند دنوں میں اپنے موقف سے پاکستان کے مسلمانوں کو آگاہ کرے گی۔حکومت اور طالبان کا پیغام عوام تک پہنچانے کے بعد عوام کا پیغام حکومت، تحریک طالبان پاکستان اور دیگر تمام

طالبان یا دہشتگردوں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ پیغام یہ ہے کہ بس
کردو، بس کردو لہو بہانا بے گناہوں کا، بس کردو مذہب اور عقیدے کو بنیاد بنا کر اپنے
نفس کی تسکین حاصل کرنا، بس کردو حکومت کے نشے میں حق سے پھرنا، بس
کردو غیروں سے ڈالر لے کر اپنوں کے گلے کاٹنا، بس کردو جہالت پھیلانا، بس
کردو، خُدارا بس کردو ہمیں جینے دو اور خود بھی زندہ رہنا سیکھو، بس کردو اپنے بچوں کو
دہشتگردی کی آگ میں پھینکنا، بس کردو اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی تذلیل کرنا
بس کردو۔

بجلی چوری کی عام اجازت دی جائے

سنا ہے صدر پاکستان جناب ممنون حسین نے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی ایڈوائس پر بجلی چوری کو روکنے کیلئے عملی اقدامات کے آرڈیننس جس میں بجلی چوری کرنے والوں کو سخت سزائیں دینے کا ذکر تھا کی منظوری دے دی تھی۔اس آرڈیننس کو منظور ہوئے آج کئی ہفتے گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک نہ تو کوئی بجلی چور پکڑا گیا اور نہ ہی کسی بجلی چور کو سزا دی گئی۔سنا ہے وطن عزیز میں بجلی چوروں کے خلاف جاری ہونے کا یہ اپنی نوعیت کا پہلا صدارتی آرڈیننس تھا۔قانونی اس لئے نہیں کہہ رہا کیونکہ قانون نافذ کیا جاتا ہے بلکہ جاری ہونے والی چیز کا نافذ ہونا یا اُس پر عمل ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسا کہ آپ ہر روز اخبارات میں سیاست دانوں کے بیانات پڑھتے رہتے ہیں جن پر اُنھوں نے کبھی عمل نہیں کیا۔آرڈیننس کو بیان نہیں کہا جا سکتا اس لئے میں نے اسے جاری ہونے والا صدارتی آرڈیننس کہا ہے تاکہ کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔راقم پہلے بھی اس آرڈیننس کے بارے میں نہ اُمیدی کا اظہار کر چکا ہے۔اس نہ اُمیدی کی وجہ موجودہ حقائق ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حکومت وقت کی بنیادوں میں ڈلنے والا میٹریل بجلی اور دیگر ملکی وسائل چوری کرنے والوں نے مہیا کیا ہے اور آج بھی وہ سب بجلی چور حکمرانوں کے ارد گرد موجود رہتے ہیں۔خیر ہم بھی کون سے نیک پروین ہیں

جو دوسروں پر الزامات کی بارش کرتے رہیں۔ کہنا صرف اتنا ہے خدارا بجلی چوروں کے خلاف کارروائی کریں نہ کریں مگر صدارتی آرڈیننس کا مذاق نہ اڑائیں ۔اگر حکومت بجلی چوروں کے خلاف کارروائی کرنے کے قابل نہیں تو بہتر ہوگا کہ آرڈیننس واپس لے کر عوام سے معافی مانگ لے اور ساتھ ہی خاص کی بجائے بجلی چوری کی عام اجازت دے دی جائے تاکہ ہر کوئی اپنی طاقت اور خواہش کے مطابق بجلی چوری کر سکے ۔اس طرح کے اقدامات اُٹھانے سے مسائل تو ختم نہیں ہونگے لیکن کوئی بجلی چوری پر حکومت سے شکایت نہیں کرے گا۔توانائی کی شدید کمی ، بجلی و گیس کے بحران کے باوجود منتخب حکمران بجلی چوری پر قابو نہیں پا سکتے ، تو شرم کی بات لیکن یہاں شرم لفظ پر بھی توہین عدالت ہوجاتی ہے اس لئے توہین عدالت ،توہین حکومت تو دور کی بات ہے ہم تو توہین دہشتگرد ، توہین جرم ،توہین چور ،توہین ڈاکو، بھی نہیں کرنا چاہتے کیا پتا یہ لوگ بھی کسی جج ،وزیر ،یا طالبان کے رشتہ دار یا دوست ہوں ۔چنانچہ ہم توہین نہیں کر سکتے کوئی بجلی چوری کرے ، کوئی گیس چوری کرے، کوئی آرڈیننس چوری کرے ، کوئی انصاف چوری کرے ہم توہین کریں گے اور نہ ہی روکیں گے۔ ملک کے شریف حکمران

آرڈیننس، نوٹس، قرارداد، اور دیگر قانون سازی پر مشتمل کاغذی ریکارڈ تیار کر رہے ہیں اور سادہ دل عوام بجلی چوری کے ساتھ ساتھ ملکی وسائل کو لوٹنے والوں کو غیر مشروط طور پر بھرپور ساتھ دے رہے ہیں ۔کتابوں میں ایمانداری، بھائی

چارے،اخوت، مساوات، سچ ،اتحاد اور جانے کیا کیا اچھے سبق

پڑھائے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان چیزوں کا کہیں کوئی وجود نظر نہیں آتا، حقیقت میں کام آنے والی چیزوں کے نام یہ ہیں بے ایمانی، جھوٹ، ناپ تول میں کمی، دھوکہ، قتل و غارت گری،، فریب، چوری، اپنے مفادات حاصل کرنے کیلئے سب کو کاٹ ڈالو۔جب سے ہوش سنبھالا ہے حکمرانوں کی قانون سازی، نوٹس اور آرڈیننس کو ناکام ہوتے دیکھا ہے اس لئے گزارش یہ ہے کہ گر ہوسکے تو ایکٹ اور آرڈیننس منظور کیا جائے جس میں بے ایمانی، ناپ تول میں کمی، چوری اور خاص طور پر بجلی چوری، دھوکہ دہی، فراڈ، دوسروں کے گھر، کھیت اور دیگر جائیداد پر قبضے، مختصر کہ جس کے جو ہاتھ لگے لے جانے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔مجھے پورا یقین ہے کہ اس آرڈیننس کو نافذ کرنے میں مشکل پیش آئے گی اور نہ عمل درآمد کروانے میں زیادہ وقت لگے گا۔چند ایماندار لوگ شور برپا کر سکتے ہیں جن کی پہلے ہی کہیں شنوائی نہیں ہے اس لئے ضرورت پیش آنے پر اُن کو جیل میں قید یا سولی چڑھانے میں بھی کوئی بُرائی نہیں ۔جس ملک کے دہشتگرد بھی نیک نیت، حکمران بھی نیک نیت، ذخیرہ اندوز بھی نرم دل قاتل بھی مظلوم، عدالتوں میں انصاف کی بولی لگے، چور، ڈاکو آزادی کے ساتھ اپنی، کارروائیاں کریں، اُس ملک میں ایمانداروں کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل ہونا چاہئے اور نہ ایمانداری پر مشتمل نصاب رائج ہونا چاہئے۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ راقم بھی سولی چڑھنے والوں میں شامل ہو، لیکن پھر حکمرانوں کا آرڈیننس کامیاب ہونے کی خاصی اُمید ہے اس لئے مخلصانہ مشورہ دے رہا ہوں کہ صدر محترم منتخب

نمائندوں کی خواہشات اور عوامی اکثریت کی اُمنگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے بجلی کے
خلاف منظور آرڈیننس واپس لے کر بجلی چوری کی عام اجازت دے دیں۔

مذاکرات کیا رنگ لائیں گے

وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کا کہنا ہے کہ مذاکرات کمیٹی بااختیار ہے۔اُن کے اس بیان کی تصدیق وزیر داخلہ چوہدری نثار کا بیان بھی کرتا ہے جس میں اُنھوں کہا کہ مذاکراتی کمیٹی جو فیصلے کریگی قبول کرلیں گے۔لیکن تحریک طالبان پاکستان کی منتخب کمیٹی کے اہم رکن مولانا سمیع الحق کا کہنا ہے کہ وزیراعظم بے بس ہیں تو کمیٹی کے پلے کیا ہوگا؟جس کے جواب میں حکومتی کمیٹی کے سربراہ عرفان صدیقی جو وزیراعظم پاکستان کے مشیر بھی ہیں کا کہنا ہے کہ تمام خدشات دور کردیں گے۔حالت جنگ میں دوفریقوں کے ایک دوسرے پر شک و شبہات اور خدشات فطری سی بات ہے لیکن مذاکرات کی کامیابی کیلئے دونوں کو اعتماد کی فضا قائم کرنا ہوگی۔بے بنیاد خبروں اور مشوروں پر کان دھرنے کی بجائے اگر قیام امن کے امکانات پر غور کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ایک اہم بات یہ کہ حکومت پاکستان آئین پاکستان کی محافظ اور اُس پر عمل درآمد کی ذمہ دار جبکہ بقول مولانا سمیع الحق طالبان آئین پاکستان کے نفاذ کی جنگ لڑرہے ہیں۔اگر دونوں فریق ہی آئین پاکستان کی بات کرتے ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جنگ کی کیا وجہ ہے؟عوام اس انتظار میں ہیں کہ جلد از جلد مذاکرات کے ذریعے امن قائم ہو اور اُن کو جینے کا حق حاصل ہو۔پرامن پاکستان نہ صرف امریکہ

بلکہ پوری دنیا کیلئے فائدہ مند ہوگا اس لئے امریکہ کو چاہئے کہ قیام امن میں حکومت پاکستان کا بھرپور ساتھ دے اور نہ صرف ڈرون بلکہ دہشتگردی کے خلاف جنگی پالیسی میں پاکستانی مشاورت کو بہتر انداز میں شامل کیا جائے۔اخبارات کی بجائے امریکی انتظامیہ با اعتبار ذرائع سے اپنے موقف کے بارے میں دنیا کوآگاہ کرے۔جیساکہ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کے مطابق اُوباما انتظامیہ نے پاکستان کی طرف سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کے دوران ڈرون حملے روکنے کی درخواست کے بعد، پاکستانی علاقوں میں ڈرون حملوں کو بہت حدتک محدود کردیا ہے، واشنگٹن پوسٹ نے پاکستان کی درخواست پر ایک امریکی اہلکار کا حوالے سے بتایا ہے کہ۔اُنھوں (پاکستان) نے یہی مانگا اور ہم نے نفی میں جواب نہیں دیا۔امریکی انتظامیہ نے عندیہ دیا ہے کہ وہ سامنے آنے والے القائدہ سینئر رہنماؤں کے خلاف کارروائی کرے گی اور امریکہ کسی بھی براہ راست خطرے کو ٹالنے کے لئے اقدام اُٹھائے گی۔واشنگٹن پوسٹ کا کہنا ہے کہ امریکہ کی طرف سے گزشتہ سال دسمبر سے ڈرون حملوں میں وقفے کی وجہ پاکستان کے سیاسی خدشات ہیں۔2011ء میں پاکستان کے سلالہ چیک پوسٹ پر فضائی حملے کے بعد ڈرون حملوں میں چھ ہفتوں تک جاری رہنے والے وقفے کے بعد ڈرون حملوں میں یہ سب سے طویل وقفہ ہے۔ڈرون حملوں میں کمی کی ایک وجہ نومبر میں تحریک طالبان کے سربراہ حکیم اللہ محسود کی ہلاکت بتائی جاتی ہے۔جبکہ اُس وقت پاکستان حکومت اور تحریک طالبان کے درمیان مذاکرات کی کوششیں ابتدائی مرحلے میں تھیں۔اس ڈورن

حملے کے بعد تحریک طالبان نے مذاکرات سے انکار کردیا اور پاکستان نے مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنے کی ذمہ داری امریکہ پر عائد کی تھی ۔رپورٹ میں ایک سینئر امریکی اہلکار کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ ابھی امریکہ نے ڈرون حملوں کی پالیسی تبدیل کی ہے اور نہ ہی پاکستان کے ساتھ ڈرون حملوں کو محدود کرنے کا کوئی غیر رسمی معاہدہ کیا گیا ہے،مزید یہ کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کا معاملہ مکمل طور پر پاکستان کا اندرونی مسئلہ ہے ۔واشنگٹن پوسٹ کے حوالے سے یہ اس خبر کو پاکستان سمیت دنیا بھر کے اخبارات نمایاں طور پر شائع کیا گیا۔میڈیا میں بڑا مقام پانے والی خبر میں امریکی انتظامیہ کے کسی ذمہ دار عہدیدار کا ذکر ہے اور نہ ہی حکومتی موقف ظاہر کیا گیا ہے بلکہ موضوع کی نزاکت کی وجہ سے یہ ساری معلومات فراہم کرنے والے سینئر امریکی اہلکار کا نام بھی خبر میں شائع نہیں کیا گیا ۔اپنا نام ظاہر نہ کرنے والے اہلکار نے بھی بڑے محتاط انداز میں بات کرتے ہوئے صرف اتنا کہا ہے کہ ہم نے نفی میں جواب نہیں دیا ،جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ امریکہ نے پاکستان سے ڈرون حملوں میں کمی کا کوئی وعدہ کیا ہے اور نہ پالیسی تبدیل کی ہے ،جبکہ پاکستان ڈرون حملوں میں کمی نہیں بلکہ مکمل بندش کا مطالبہ کررہا ہے ۔آنے والے دنوں میں واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والی اس خبر کے حوالے سے کئی طرح کے شک و شبہات جنم لیں گے ۔یہ کوئی پہلا واقع نہیں ہے جب امریکہ نے پاکستان کو ڈرون حملے نہ کرنے کا عندیہ دیا ہو لیکن یہ پہلی مرتبہ ہو رہا ہے کہ پاکستانی حکمرانوں

نے ماضی کی طرح اس عندیے کو یقین دہانی قرار نہیں دیا بلکہ ڈورن حملوں میں کمی کی بجائے مکمل بندش کی بات کی ہے۔ واشنگٹن پوسٹ کی خبر میں یہ بات بہت واضح طور پر تحریر ہے کہ امریکہ افغانستان کے میدان جنگ اور اس کے اطراف میں متحرک دشمن کو ختم کرنے کی پالیسی پر عمل جاری رہے گا۔ خبر میں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ امریکہ نے پاکستان میں قیام امن یا طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمائت میں اپنی پالیسی تبدیل کرلی یا کرنے پر کسی قسم کا غور کیا جارہا۔ ایک ایسی خبر جس میں امریکہ نے اپنی ڈرون پالیسی کو تبدیل نہ کرنے مضبوط ارادہ ظاہر کیا کو موضوع بناکر یہ شور برپا کرناکہ امریکہ نے حکومت پاکستان اور تحریک طالبان کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے دوران ڈرون حملے کم کرے گا، اتنی اہمیت کا حامل نہیں جتناکہ صرف ایک ڈرون حملہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، اس لئے بہتر ہوگا اگر حکومت اور تحریک طالبان میڈیا مذاکرات کی بجائے جلد از جلد سنجیدہ اور بامقصد مذاکرات کی کوشش کریں۔ اب تک کی غیر یقینی صورتحال میں شروع ہونے والے مذاکرات کیا رنگ لاتے ہیں یہ تو وقت ہی بتا سکتا ہے لیکن یہ بات بہت واضح ہوچکی ہے کہ پاکستان کے عوام مذاکرات کے ذریعے قیام امن کے شدید حامی ہیں

ویلنٹائن ڈے اور مسلمان

چند دن قبل ایک انتہائی افسوس ناک اور درد ناک خبر سننے کو ملی جسے میں ویلنٹائن کلچر کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خبر کچھ یوں ہے کہ .برطانیہ میں 13 سالہ لڑکے نے فحش فلم دیکھ کر اپنی 8 سالہ معصوم بہن کو زیادتی کا نشانہ بناڈالا۔ لڑکے نے پولیس کو بتایا کہ اُس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر فحش فلم دیکھی جس کے بعد تجربہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، 8 سالہ بہن چھوٹی اور معصوم ہے اس لئے اُس کو تجربہ گاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ میرا (لڑکے) کا خیال تھا کہ اُس کی بہن یہ معاملہ جلد بھول جائے گی۔ آج میں اُن روشن خیال اور صاف ذہن افراد سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کتنا روشن خیال معاشرہ ہے جہاں بدکاری اتنے صاف ذہن کے ساتھ کی جاتی ہے اور جسے باآسانی بچے بھی دیکھ سکتے ہیں؟ کیا فائدہ ہوا اتنی روشن خیالی اور فراغ دلی کا؟ ایک معصوم کو اُس کے اپنے بھائی نے حیوانیت کا نشانہ بناڈالا۔ ایسے واقعات سن کر ہی ہماری تو روح تک کانپ اُٹھتی ہے کیا روشن خیال لوگوں کو تکلیف نہیں ہوتی ؟ قارئین محترم کس قدر خوش قسمت ہیں مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات سے محفوظ رکھنے کیلئے فحاشی اور بدکاری سے دور رہنے کا حکم صادر فرمایا اور شان دار زندگی بسر کرنے کیلئے مکمل ضابطہ عطافرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ

میں فرمایا۔ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرو جو پہلے ہی بھٹک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمدؐ سے کہلوایا کہ کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی، میرا جینا،اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ایک اور جگہ فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔قرآن مجید صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔لیکن اگر ہم بات کریں مسلمانوں کی تو مسلمانوں کی زندگی قرآنی تعلیمات کے مطابق ہونی چاہیے نشانیاں یا شعار وہ علامتیں ہوتی ہیں جن سے قومیں پہچانی جاتی ہیں۔وہ تہوار وہ عبادات جن کی اسلام اجازت دیتا ہے وہ ہم مسلمانوں کی پہچان ہیں۔اور کچھ ایسے تہوار بھی دنیا میں منائے جاتے ہیں جن کا نا صرف ہمارے دین میں دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ملتا بلکہ وہ جس طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ہمارا دین ہمیں منع فرماتا ہے۔لیکن افسوس کہ آج ہماری نوجوان نسل ایسے واہیات تہوار جوش وخروش سے مناتی ہے۔اس طرح ہم اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کررہے ہیں۔اگر ہم غیر مذہب لوگوں کی پیروی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کی پیروی کرلیں تو ہماری آخرت بھی خوبصورت بن سکتی ہے اور دنیا بھی۔جو تھوڑا سا وقت ہمیں ملا ہے اس دنیا میں گزارنے کے لیے اگر ہم اس کی قدر وقیمت سمجھ جائیں تو ہم کبھی ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔دنیا میں بہت سے لوگ وقت کی حقیقی قدر وقیمت کا احساس کئے بغیر ماہ سال گزارتے چلے جاتے

ہیں ۔ایسے لوگوں کو پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ۔وہ نہیں جانتے کہ وقت قدرت کا سب سے گراں قدر اور قیمتی تحفہ ہے ۔دنیا میں کسی کے پاس بھی لامحدود وقت نہیں ۔اور کوئی بھی اس دنیا میں سدا نہیں رہنے والا۔ ہم اس دنیا میں مختصر وقت کے لیے آئے ہیں اور ہمیں جلد اس دنیا سے جانا ہوگا۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت بھی ان کو بھول جاتا ۔جو لوگ زندگی کے قیمتی وقت کی قدر کرتے ہیں اور احتیاط شعور،اور اچھی عادتوں کے ذریعے وقت کو اچھے اور کامیاب طریقے سے گزارتے ہیں، ۔وقت بھی ایسے لوگوں کو ان کے جانے کے بعد تک یاد رکھتا ہے اور وہ لوگ مر کر بھی نہیں مرتے۔ وہ اپنے کارناموں میں زندہ رہتے ہیں ۔اچھائی اور برائی ہر جگہ موجود ہے بنیادی طور پر کوئی بھی انسان برا نہیں ہوتا ہر انسان اپنے عملوں کی وجہ سے اچھا یا برا بنتا ہے ۔جس کے (عمل) اچھے وہ اچھا ہوتا ہے اور جو کوئی برے عمل کرے تو وہ برا۔ دور حاضر میں ہمیں شدید ضرورت ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے ۔میں نے بھی اس موضوع پر بہت سوچا میری سمجھ میں ایک ہی بات آتی ہے ہم ساری دنیا کے مسلمان اللہ کے دین سے دور ہونے کی وجہ سے مشکلات میں گھر چکے ہیں اور ہمارے معاشرے میں دنیا کی وہ تمام برائیاں بھی موجود ہیں اسلام جن سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ جس طرح ہم ہر سال بڑے شوق سے ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں ۔جب کہ مسلمانوں کا اس دن سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا ۔ ویلنٹائن خالصتا غیر مذہب لوگوں کا تہوار ہے۔ اپنے مطالعے کے مطابق میں

ویلنٹائن کا ذکر کرتا چلوں کے یہ کب سے اور کیوں منایا جاتا ہے۔اس دن کے بارے میں سب سے پہلی روایت روم میں عیسائیت سے قبل کے زمانہ سے ملتی ہے۔وہاں کے بت پرست ، مشرقی لوگ ہر سال 15فروری کو ایک جشن مناتے جو کہ feastof the wolf کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہ جشن وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے اعزاز میں اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے مناتے تھے۔ان دیوی دیوتاؤں میں ، فطرت کا دیوتا، عورتوں اور شادی کی دیوی اور رومی دیوتا جس کی کئی دیویوں کے ساتھ عشق ومحبت والے تعلقات بتائے جاتے تھے کہ نام شامل ہیں۔بعدازیہ دن 14فروری 269ء کو ایک سائن ویلنٹائن نامی شخص کی نسبت سے منایا جانے لگا۔سان ویلنٹائن کو عیسائیت پر ایمان کے جرم میں پھانسی دے دی گئی تھی۔وہ عیسائیت کی مقررہ حدود سے بالاتر ہو کر خدمات انجام دیا کرتا تھااور سنا ہے پسند کی شادیاں کرواتے وقت اپنے مذہب کی حدود سے تجاوز کرتا تھا۔پھانسی کے بعد اس کے حامی یہ دن تعزیت کے طور پر منایا کرتے تھے ۔بعدازاں یہ دن یوم محبت کی شکل اختیار کرگیا کیونکہ پھانسی سے پہلے جب ویلنٹائن جیل میں تھا تو جیل میں اسے جیلر کی بیٹی سے عشق ہوگیااور وہ جیلر کی لڑکی کو عشقیہ خطوط لکھا کرتا تھا۔اور جیلر کی لڑکی سائن کے لیے گلاب کے پھول لایا کرتی تھی ۔سائن ویلنٹائن کے وہ خطوط اس کی پھانسی کے بعد منظر عام پر آئے تو.برطانیہ میں ان خطوط کو بہت پذیرائی ملی جس کے بعد.برطانیہ میں یہ دن تہوار کی شکل اختیار کرگیا۔شروع کے دنوں میں یہ تہوار صرف.برطانیہ میں

منایا جاتا تھااور پھر پھیلتا ہوا ہم تک بھی آ پہنچا۔برطانیہ کے نوجوان اس دن محبت کے گیت گاتے ہیں (غیر محرم عورت و مرد کی محبت میں)ایک دوسرے کو
پھول،کارڈاور عشقیہ خطوط لکھتے ہیں ۔ قصہ مختصر کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ جاننے ، سمجھنے کے باوجود کے یہ تہوار ہمارا نہیں ہے پھر بھی ہماری نوجوان نسل اس دن کو ویلنٹائن ڈے کے طور پر بھرپور طریقے سے مناتی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات بھی نہیں مانتے۔ ویلنٹائن ڈے مناکرلوگ اپنی نفسانی خواہشات کو عملی جامہ پہناتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے آج ہم بحیثیت مسلم قوم دنیامیں ذلیل و رسوا ہورہے ہیں۔ویلنٹائن ڈے جیسے واہیات تہوار منا کرہم صرف قیمتی وقت کاریاں ہی نہیں کر رہے بلکہ اس طرح ہماری نوجوان نسل تیزی سے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔یہ ہمارے لیے مقام فکر ہے ہم ہیں تو مسلمان لیکن غیر مذہبوں کے تہوار بڑے جوش وخروش کے ساتھ مناتے ہیں۔ قارئین یہ ویلنٹائن ڈے ہر سال 14فروری کو منایا جاتا ہے۔میری والدین سے اپیل ہے کہ اپنے بچوں کواس بد بخت تہوار سے دور رکھنے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کو اپنے مذہب یعنی اسلام کے قریب لانے کی کوشش کریں تاکہ نوجوان اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے میں خرچ کریں تاکہ ہمارا مستقبل روشن اور فحاشی وبدکاری سے پاک ہو۔چاہے کہ ہمارے ہاں بہت سی بُرائی جن میں فحاشی بھی شامل ہے موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ابھی ہمارا معاشرہ

.برطانیہ جیسے واقعات سے پاک ہے لیکن اگر ہم نے اپنے بچوں کو ویلنٹائن ڈے جیسے بے ہودہ تہوار منانے سے نہ روکا تو مشکل بڑھتی جائے گی۔

کون سا آئین؟

مضمون مکمل کرنے کے بعد پیش آنے والا ایک واقعہ اُن قارئین کی خدمت میں عرض کرتا چلوں جو ہم سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ سچ لکھنے والے صحافیوں کو ڈر نہیں لگتا؟میں نے کئی بار اس سوال کا جواب لکھنے کی کوشش کی مگر ہر بار ناکام رہا لیکن آج براہ راست ایک دوست نے جب یہ سوال اُٹھایا تو جواب خود بخود زبان سے بہہ نکلا۔ اس مضمون کو پروف ریڈنگ کے طور پڑھ رہا تھا کہ ایک دوست تشریف لے آیا، میں اُسے مضمون کی غلطیاں تلاش کرنے کا کہہ کر چائے کا کہنے چلا گیاواپسی پر میرا دوست پریشانی کے عالم بولا یار تم حکمرانوں کے ساتھ ساتھ طالبان پر بھی کھلے الفاظ میں تنقید نہ کیا کرو یہ بہت ظالم لوگ ہیں ۔میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا بھائی ظالم تو ہم سب ہیں لیکن زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور پھر اُس جینے کا کیا فائدہ جو حق بات کہتے وقت ڈر سے بھرا ہو۔وہ بولا یار پھر بھی احتیاط کیا کرو۔میں نے کہا ٹھیک ہے پر تم بتاؤ جو خاموش رہتے ہیں وہ مرتے نہیں ؟ میرے سوال پر سوائے خاموشی کے اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔اب بڑھتے ہیں آج کے موضوع کی طرف ۔آج کل اس سوال میں بہت شدت آئی ہوئی ہے کہ کون سی شریعت ،کون سا اسلام؟جبکہ یہ سوال کبھی کسی نے نہیں اُٹھایا کہ کون سا آئین پاکستان میں رائج ہے؟ایک آئین حکمران بتاتے ہیں اور دوسرا، تیسرا

رائج ہے ۔بتایا جانے والا آئین قرآن کریم کے تابع ہے جبکہ رائج شدہ آئین سود کے تابع ہے ۔ کون سی شریعت ، کون سا اسلام ؟ کون سا مذہب ؟ کون سا آئین ؟ کون سا قانون ؟ کون انسان، کون سی انسانیت ؟ کون سے عوام ، کون سے حقوق ؟ کون سی تعلیم ؟ کون سا ہنر ؟ کون سا روزگار ؟ ہمیں تو بس حکومت چاہئے ۔حکومت حاصل کرنے کیلئے ہمیں جتنی لاشیں گرانا پڑیں گی گرائیں گے۔جو مذہب اپنانا پڑا اپنائیں گے ۔ بھتہ خوری یا ظالمانہ ٹیکس ہم تو عوام کی کمائی پر شب خون ماریں گے۔ کوئی بھی قانون ،آئین، شریعت یا اسلام چلے گا صرف ہماری حکمرانی کی ضمانت ساتھ ساتھ چلنی چاہئے ۔ کوئی جیئے ، مرے یا مر مر کے جیئے کچھ فرق نہیں پڑتا بس ہر وہ چیز جو ہمیں حکومت اور طاقت سے دور کرے وہ خلاف شریعت،آئین اور اسلام ہونی چاہئے ۔اللہ کا قرآن کہتا ہے کہ سود انسانوں پر سختی سے حرام کر دیا گیا ہے ۔ جبکہ ہمارا پورا نظام سودی لین دین میں ڈوبا ہوا ہے پھر بھی سینئر سیاست دان اور سابق وزیر اعظم پاکستان چوہدری شجاعت سے لے کر جونیئر بھٹو (بلاول زرداری بھٹو)کے بقول ملکی آئین قرآن کے تابع ہے ،حالیہ دور میں نفاذ شریعت کے سب سے بڑے دعویدار طالبان ہیں لیکن وہ بھی شریعت کو حکومت کے ایوانوں میں بیٹھ کر انجوائے کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں ۔ اگر طالبان واقع ہی نفاذ شریعت کے حق میں ہیں تو میرے سوال کا جواب ضرور دیں گے ۔ سوال یہ کہ طالبان شریعت پاکستان کی کس چیز پر کرنا چاہتے ہیں ۔ (1) رقبے (2) پہاڑوں (3) جانوروں، درختوں، پرندوں، کیڑوں، مکھوڑوں

عدالتوں (5) تھانوں (6) فوج (7) سیاستدانوں، عوام پر یا پھر ان میں سے کسی پر (4 بھی نہیں ؟اگر جواب ان میں سے کسی چیز کے حق میں ہے ،تو معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ان میں سے صرف ایک چیز شریعت اور اُس کے قوانین کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہ ہے عوام یعنی انسان اور وہ بھی فی الحال شریعت سے بالکل ناواقف ہے ۔ایک اہم سوال یہ ہے کہ آخر پاکستان کے عوام کی اکثریت شریعت سے ناواقف کیوں ہے ؟ میرے پاس اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جو لوگ شریعت کی بات کرتے ہیں وہ فرقوں کے بعد صرف بم ،بندوق اور گولی کی زبان جانتے ہیں جبکہ شریعت پیار اخلاق، بھائی چارے، مختصر کہ انسانیت کے بہترین اصولوں کی بات کرتی ہے ۔جب یہ، سوال اُٹھتا ہے کہ کون سی شریعت یا کون سا اسلام تو مسلمانوں کو شرم کیوں نہیں آتی ؟مسلمان تو واحد دین اسلام کے پیروکار ہیں جو مکمل ہو چکا ہے، جس میں نہ تو کچھ شامل کرنے کا کسی فرد یا قبیلے کو اختیار ہے اور نہ ہی کچھ نکالنے کا۔جب ہم سب ایک اللہ اُس کے فرشتوں ،انبیاء اکرام ،قرآن کریم اور حدیث نبوی کے ماننے والے ہیں تو دوسری شریعت یا اسلام کی بات کیوں ہوتی ہے ۔ہر فرقہ اپنے جذبات اور خیالات کو شریعت میں شامل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے پاس اصلی شریعت ہے باقی سب کے پاس نقلی،ان حالات میں میرے جیسے عام مسلمان تو آج تک یہ نہیں سمجھ پائے کہ آخر اصلی شریعت کون سی ہے ۔تمام علماء اکرام اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اقرار،اللہ کے فرشتوں انبیاء اکرام اور قرآن کریم پر ایمان رکھنے کی بات کرتے ہیں لیکن پھر بھی فرقے الگ، الگ

بنا رکھے ہیں ۔طالبان اگر واقع ہی شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر جہاد، جنگ اور مذاکرات سے پہلے جن (عوام) پر نافذ کرنا چاہتے ہیں اُن کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں ورنہ اُن کی کامیابی بھی ناکامی بن جائے گی اور لوگ نظام شریعت سے بہت جلد بغاوت کردیں گے ۔ جیسا کہ موجودہ پاکستان کے آئین سے طالبان نے بغاوت کر رکھی ہے ۔اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ آئین پاکستان شریعت اسلامی سے متضاد نہیں ہے ۔ ٹھیک اسی طرح ہی اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ ہم نے کبھی آئین پاکستان پر عمل نہیں کیا۔یہی وجہ ہے جو آج طالبان نفاذ شریعت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور حکمران اور باقی سیاستدان پاکستانی آئین کو شریعت کے تابع بتا کر سچے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔جیسا کہ میں پہلے کئی بار کہہ چکا ہوں اگر حکمران شریعت کے تابع آئین کے تحت نظام ریاست چلا رہے ہیں تو پھر سودی نظام کیوں رائج ہے؟جبکہ سودی لین دین کرنے والوں کے خلاف اللہ اور اُس کے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔

ہائے مہنگائی ،ہائے ملاوٹ

مہنگائی اور ملاوٹ جہاں غریبوں کے لئے ہلاکت ہے وہی امیروں کے لئے بھی وبال جان بن چکی ہے ۔کوئی کتنی بھی کوشش کرلے مہنگائی اور ملاوٹ سے جان چھوٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا ہے ۔زیادہ آمدنی والے افراد کو مہنگائی کم اور ملاوٹ زیادہ پریشان کررہی ہے ۔ایک تازہ ترین رپورٹ میں بتایا گیا کہ پاکستان میں ہر سال 40 ہزار بچے پیدائشی طور پر دل کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جن کا پیدائش کے بعد ایک ماہ کے اندر آپریشن کرنا اُن کی زندگی کیلئے ضروری ہے ۔اگر والدین ملاوٹ زدہ غذا کھائیں گے تو کیا پیدا ہونے والے بچے صحت مند پیدا ہونگے ؟یقینا بیماریاں والدین کے ساتھ ساتھ اُن کے بچوں کو بھی اپنی آغوش میں لے کر موت کی میٹھی نیند سلانے کی کوشش کریں گی اور علاج کی طرف آئیں گے تو مہنگائی کا جن بڑا سا منہ کھولے ابن آدم کو چبانے کیلئے بیتاب نظر آتا ہے ۔فروری کے تیسرے مہینے کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس ہفتے مہنگائی میں 0.61 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ۔مرغی،کیلا،انڈا،گھی،پیاز، مسور کی دال، تیل،چائے،گیس ،دودھ ،دہی سمیت تمام ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہوا جبکہ مزدور کی آمدنی میں کہیں کوئی اضافہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ مہنگائی اور ملاوٹ کا چولی دامن کا ساتھ ہے جب

جب مہنگائی بڑھے گی زیادہ منافع کمانے کی غرض سے ملاوٹ بڑھتی جائے گی۔ میرے خیال میں ملاوٹ مہنگائی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جسمانی صحت کیلئے ضروری ہے کہ انسان جو غذائیں کھائے ،پیئے وہ ناقص ،۔ملاوٹ زدہ ، مضر، جلی ہوئی، کچی ،اتنی باسی کے بدبودار ہوجائیں اور بدذائقہ نہ ہوں بلکہ صاف ستھری ، عمدہ اور جسم کی ضرووت کے مطابق تعداد میں ہوں تاکہ جسم کو پوری توانائی میسر آسکے۔آج انسان جسمانی فٹنس کو برقرار رکھنے کے لئے حد سے زیادہ فکر مند ہے۔اپنے جسم کو آرام وسکون فراہم کرنے کیلئے ہم اپنے روحانی سکون کو تباہ کرچکے ہیں۔ہروقت جسم کی فکر میں زیادہ کمانے کی کوشش میں ایک دوسرے کو ملاوٹ زدہ اشیاء فروخت کرکے ہم نے جسم و روح دونوں کی صحت کو تار تار کررکھا ہے۔آج معاشرے میں عام پائے جانے والا لالچ، حسد، حرس، تکبر ،زر ،زمین اور دولت کے ساتھ حد سے زیادہ محبت نہ تو جسمانی صحت کیلئے اچھا ہے اور نہ ہی روحانی صحت کیلئے جبکہ انسان کے جسم و روح کی بہترین غذائیں جن میں ایمان، خلوص ،ایک دوسرے سے محبت ،اور سب سے بڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد آج مسلمان معاشرے میں بھی ناپید ہوتی جارہی ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن قریم میں فرماتا ہے کہ ’’بلکہ ان کے دلوں پر زنگ ہے ان کے گناہوں کے سبب‘‘ نبی کریمؐ کا فرمان عالی شان ہے کہ ’’جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔پھر جب وہ توبہ استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے لیکن جب وہ پھر گناہ کرتا رہتا ہے تو وہ سیاہ داغ پھیل کر سارے دل پر چھا

جاتا ہے پس یہ ہے زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن قریم میں فرمایا ہے ''ہماری دنیاوی ملاوٹ نے نہ صرف ہمارا دنیاوی سکون و راحت چھین لیا ہے بلکہ اس بے ایمانی نے ہمارے دلوں کو بھی سیاہ داغ بنا دیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ جب ہم کسی کھانے پینے کی چیز میں ملاوٹ کرتے ہیں تو اپنے اور دوسروں کے جسم و روح کو بیمار تو کرتے ہی ہیں اُس کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی سے بھی رد کر دیئے جاتے ہیں۔ یعنی ہماری صرف ایک ملاوٹ جو وقتی طور پر بہت فائدہ مند لگتی ہے سوائے خسارے کے کچھ نہیں۔ میری نظر میں کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے والا بھی بہت بڑا ظالم ہے، کسی شخص پر تشدد کرنے والا ظالم تو صرف ایک فرد پر ظلم کرتا ہے لیکن کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنے والا پورے معاشرے کی رگوں میں زہر گھول دیتا ہے۔ ہر ظالم اپنے ظلم کو چھوٹا اور کم تصور کرتا ہے یہی وجہ ہے جو ظالم کے ظلم کو تمام حدود سے تجاوز کرنے پر اُکساتی ہے۔ گوالا دودھ میں پانی کی ملاوٹ کرتے وقت اپنے آپ کو مخاطب کرکے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کرنا غلط ہی نہیں بلکہ گناہ بھی ہے، ابھی گوالے کے اندر کا اچھا انسان دودھ میں پانی کی ملاوٹ نہ کرنے کا فیصلہ نہیں کرپاتا کہ اندر کا طاقتور ظالم، لالچی، حرص، خبیث شیطان فوراً سینکڑوں دلیلوں کے ساتھ حملہ کردیتا ہے۔ دودھ میں پانی نہیں ڈالوگے تو جانوروں کا مہنگا چارہ کہاں سے خریدوگے؟ گاڑی خراب ہوگئی تو کہاں سے ٹھیک کرواؤگے؟ کل مہمان بھی آسکتے ہیں اُن کے کھانے پینے کا انتظام بھی تو کرنا

ہے ۔کل اگر گھر میں کوئی بیمار پڑ گیا تو بھیک مانگ کر علاج کرواؤگے ؟آنے والے دنوں میں دودھ کی ڈیمانڈ بڑھ جائے گی نئی گائے ، بھینس بھی تو خریدنا ہوگی؟ہاں پرسوں چچا کے بیٹے کو جیل میں ملنے بھی جانا ہے وہاں بھی دو چار ہزار کی ضرورت پڑے گی ؟اس برے انسان کے پاس اس کے علاوہ بھی کئی دلائل ہوتے جو اچھے لیکن کمزور انسان کو زیر کردیتے ہیں اور وہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کردیتا ہے بات یہاں ختم نہیں ہوتی جب گوالا دودھ فروخت کرتا ہے تو یہ بُراانسان پھر سے حملہ آوار ہوتا ہے اوراُسے بتاتاہے کہ اگر ایک لیٹر دودھ کے پیسے لے کر تھوڑا کم دوگے تو کسٹمر کو پتا بھی نہیں چلے گا اور تجھے اچھا حاصا فائدہ ہوجائے گا۔قارئین محترم یہ مثال تو میں نے آپ کے سامنے گوالے کے نام سے پیش کی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ آج ہمارے معاشرے میں ہر فرد اپنی حثییت کے مطابق دوسروں کوملاوٹ زدہ اشیاء ناپ تول میں بے ایمانی کے بعد فروخت کرتا ہے ،فروٹ والے کی سن لیں وہ اچھے فروٹ کا ریٹ طے کرنے کے بعد بھی اپنے طریقے سے ناقص فروٹ ڈال دیتا ہے۔ایک سال پہلے میرا ایک بیمار عزیز جناح ہسپتال میں زیرعلاج تھا میں اُس کی تیمارداری کیلیئے گیا تو مجھے ہسپتال پہنچ کر احساس ہوا کہ کوئی فروٹ ہی لے لوں بیمار کیلیئے ، میں ہسپتال کے گیٹ کے پاس موجود فروٹ سٹال پر پہنچا فروٹ والے سے آلو بخارے کا ریٹ پوچھا،اُس نے آلو بخارے کا ریٹ 200 روپے فی، کلو بتایا جو عام بازار اور سرکاری ریٹ لسٹ کے مطابق زیادہ تھا،پھر بھی میں نے اُسے کہا بھائی مجھے

کلوآلو بخارہ لینا ہے، میں آپ سے ریٹ بھی کم نہیں کرواؤں گا لیکن آپ مجھے ایک 3 بھی دانہ خراب نہ ڈال کر دینا۔اُس نے کہا جی ٹھیک ہے، یہ کہہ کر وہ تیزی سے کاغذ کے لفافے میں آلو بخارا ڈالنے لگا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے آدھے سے زیادہ خراب آلو بخارا ڈال دیا، جب میں نے وہ آلو بخارا لینے سے انکار کردیا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور کہنے لگا جناب یہ تو آپ کو لینا ہی پڑے گا۔ میں نے کہا بھائی میں نے آپ کی مرضی کا ریٹ دیا ہے جو بازار سے کہیں زیادہ بھی ہے پھر بھی آپ وعدے کے مطابق اچھا آلو بخارا دینے کی بجائے آدھے سے زیادہ خراب دے رہے ہیں لہٰذا میں یہ نہیں لو ں گا۔ اتنے میں فروٹ فروش نے فون کرکے دو پولیس ملازم بلا لئے جو آتے ہی کافی گرم سرد ہونے لگے میں نے اپنا تعارف کروائے بغیر ساری بات اُن کے گوش گزار دی لیکن فروٹ فروش کے ہمسائے اور حمائتی نکلے اور بولے جناب یہ آلو بخارا لیں اور دکاندار کے پیسے شرافت کے ساتھ ادا کردیں ورنہ آپ کو تھانے لے جا کر بند کردیا جائے گا۔ میں نے اُن سے کہا جناب آپ مجھے تھانے لے چلیں لیکن میں یہ آلو بخارا نہیں لوں گا، یہ فروٹ فروش سرکاری ریٹ لسٹ سے ڈبل ریٹ میں بھی اچھا فروٹ نہیں دے رہا اور آپ سرکاری ملازم ہو کر اس کی حمایت کر رہے۔ میری بات سن کر ان میں سے ایک نے میری جیب میں ہاتھ ڈالا اور پرس نکال کر چھ سو روپیہ فروٹ فروش کو دینے کے بعد پرس واپس میری جیب میں ڈالتے وقت میرا وزٹنگ کارڈ دیکھ کر بولا ان کو جانتے بھی ہو جن کا وزٹنگ کارڈ جیب میں لیئے پھرتے ہو؟ غصہ تو

مجھے بہت آ رہا تھا لیکن پھر بھی میں نے ہنس کر کہا جی نہیں ان کو اس لئے نہیں جانتا کیونکہ یہ میرا ہی وزٹنگ کارڈ ہے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ پولیس والے کے پسینے چھوٹ گئے اور مارے گھبراہٹ کے فروٹ فروش کو گالیاں دینے لگا، میرے پیسے واپس کئے اور معافی مانگنے لگا۔ قارئین محترم اگر میں باقی کہانی بھی سنانے بیٹھ گیا تو آج کے موضوع ہائے مہنگائی، ہائے ملاوٹ سے دور نکل جاؤں گا۔ملاوٹ ایک ایسا زہر ہے جو آج ہمارے معاشرے کی رگوں میں سرطان کی مانند پھیل چکا ہے۔شاید ہی کوئی فرد آج ملاوٹ کی لعنت سے محفوظ رہا ہو۔ہر فرد اپنی بے ایمانی چھوٹی اور کم تصور کرکے ملاوٹ اور ناپ تول میں بے ایمانی کرنے میں مصروف ہے۔حکومت ملاوٹ کو روکنے میں ناکام نہیں ہے کیونکہ ناکام تو تب ہوتی جب روکنے کی کوشش کرتی۔ حکومت نے کبھی بھی ملاوٹ کو جرم تصور کیا اور نہ ہی روک تھام کرنے کی کوشش کی۔شہری انتظامیاں ریٹ لسٹ صرف اپنی فیس وصول کرنے کی غرض سے دکانداروں تک پہنچاتی ہے اس کے علاوہ اُس ریٹ لسٹ کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی عوام کو کسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے۔

ڈرامہ بازی

جاندار چیزوں کی محبت انسانی فطرت میں شامل ہے۔خاص طور پر بچے پرندوں اور مچھلیوں سے کھیلنا بہت پسند کرتے ہیں۔اندرون لاہور اکثر کسی پیٹرول پمپ، سی این جی سٹیشن یا کسی بیکری شاپ کے باہر چھوٹی، چھوٹی مچھلیاں شاپر میں ڈالے محنت کش اپنے ہاتھوں میں لئے نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر شہریوں کے بچے مجبور کردیتے ہیں کہ اُن کو کچھ اور لے کے دیا جائے نہ جائے لیکن مچھلیاں ضرور لے کے دیں۔راقم کے ساتھ بھی یہ واقع کئی بار پیش آچکا ہے۔شہر میں فروخت ہونے والی رنگ.برنگی فارمی مچھلیاں کمزور جان ہوتی ہیں اس لئے بچوں کے ہاتھوں میں آتے ہی دم توڑ دیتیں ہیں اُن کے مقابلہ میں کسی گاؤں یا کھیت میں کھڑے پانی میں قدرتی طور پر پیدا ہونے والی (ڈھولا) مچھلیاں سخت جان ہوتی ہیں،یہ مچھلیاں شکاری سے اپنی جان بچانے کیلئے مردہ ہونے کاڈرامہ بھی کرتی ہیں۔ایک دن میرے چھوٹے بیٹے نے دودھ والے انکل کو اپنی مردہ مچھلیاں دکھا کر افسردہ لہجے میں کہا انکل عرفان میں جب بھی مچھلیاں لاتا ہوں یہ مرجاتی ہیں،آپ کو پتا ہے یہ کس طرح زندہ رہ سکتیں ہیں میرے
پاس؟عرفان نے اُسے بتایا کہ میں نہیں جانتا لیکن ہمارے گاؤں میں جو مچھلیاں ہوتی ہیں وہ جلدی نہیں مرتیں،آپ اپنے بابا کو ساتھ لے کر کسی دن گاؤں آجاؤ میں تمہیں بہت سی مچھلیاں پکڑ دوں گا پھر وہ جلدی نہیں مریں

گی۔ بس پھر کیا ہونا تھا بابا کی شامت آ گئی کہ چلو انکل عرفان کے گاؤں وہاں سے مچھلیاں لانی ہیں ۔ بابا نے بہت کہا کہ بیٹا میں بازار سے مچھلیاں لادوں گا لیکن بازار والی تو جلدی مرجاتی ہیں وہ اب کون لے ۔ تمام والدین کی طرح مجھے بھی ہار ماننا پڑی اور ہم سنڈے کو عرفان کے گاؤں جا پہنچے ۔ عرفان کے گاؤں کیا پہنچے یوں لگا جیسے صدر بن گئے ہوں اور صدارتی محل کے ملازمین خدمت میں حاضر ہوں ۔ اتنی محبت اور خاطر داری کبھی کسی رشتہ دار نے نہیں کی جتنی عرفان اور اُس کے گھر والوں نے کی۔ رخصت ہوتے وقت ہماری گاڑی سبزیوں جن میں شلجم، گاجر، مولی۔ لہسن اور خاص طور پر ساگ اور اُس سے بھی خاص جلدی نہ مرنے والی مچھلیوں سے پر تھی ۔ خوشی خوشی گھر پہنچے ، گھر والوں نے ساگ رشتہ داروں کے ساتھ ، ساتھ ہمسایوں کے گھر بھی بھیجا لیکن مچھلیاں صرف آپس میں تقسیم ہوئیں ۔ اگلے دن شدید سردی تھی صبح اُٹھتے ہی بچوں کو گرم کپڑوں سے لاد کر کمرے میں رہنے کی ہدایات جاری کی گئیں ، تھوڑی دیر بعد شاہ زیب اپنی مچھلیوں والی بوتل میرے پاس لایا اور روتا ہوا بولا بابا دیکھیں میری مچھلیاں تو مر گئی ہیں ۔ مجھے لگا جیسے مچھلیاں جان بچانے کیلئے مردہ پن کا ڈرامہ کر رہی ہیں ۔ اس لئے میں نے اُسے دلاسہ دیتے ہوئے بتایا کہ نہیں یہ مری نہیں مرنے کا ڈرامہ کر رہی ہیں ۔ لیکن وہ روتا ہی رہا جس پر میں نے اُسے مچھلیوں کو بوتل سے نکال کر کھلے برتن میں ڈال کر دیکھنے کا کہا ، مچھلیاں کھلے برتن میں آئیں تو میں نے اُن کو انگلی سے چھیڑ کر دیکھا تو پتا چلا کہ پانی بہت گرم ہے۔ میں نے شاہ

زیب سے پوچھا بیٹا آپ نے بوتل میں گرم پانی کہاں سے ڈالا ؟اُس نے بڑی معصومیت سے بتایا بابا سردی بہت ہے میں نے سوچا مچھلیوں ں کو سردی نہ لگ جائے اس لئے گیزر سے گرم پانی ڈال دیا۔ شدید گرم پانی میں مچھلیاں سچ میں مر چکی تھیں جبکہ میں سمجھ رہا تھا کہ مچھلیاں ڈرامہ کررہی ہیں۔اگلے دن عرفان نے شاہ زیب کو نئی مچھلیاں لا کردیں لیکن یہ واقعہ میرے دماغ میں پھنس کے رہ گیا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ کیا ہمارے حکمران بھی تو معصومیت کے عالم میں عوام کو دہشتگردی ،بدامنی، بے روزگاری، ناانصافی، قتل وغارت گری ،مہنگائی، کرپشن وغیرہ وغیرہ کی آگ میں دھکیل کر صحت و تعلیم کی بنیادی سہولتوں سے دور رکھنے کے بعد کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ عوام ڈرامہ کررہے ہیں ، عوام کا رونا، خودکشیاں کرنا اور اپنے جسم کے حصوں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد تک کو فروخت کرنا بھی تو کہیں ڈرامہ نہیں سمجھا جارہا؟ اگر ایسا ہے تو میں گرم پانی میں مچھلیوں کو مرتے دیکھ چکا ہوں اس لئے پیارے حکمرانوں سے گزارش ہے کہ عوام ڈرامے باز ہے یہ سوچ کر کہیں تنہا نہ رہ جانا۔ کبھی کبھی عوامی سطح پر زندگی کا کچھ وقت گزار کر محسوس کرلیا کرو کہ عوام کن مشکلات سے گزر رہے ہیں ۔ عوام کی اکثریت امن،انصاف، قانون کی حکمرانی، مہنگائی میں کمی،جرائم میں کمی ، صحت و تعلیم کی بہتر سہولیات، بجلی و گیس کی لوڈشیڈنگ کا خاتمہ، قتل وغارت کا خاتمہ، اور روزگار کی آسان فراہمی چاہتی ہے۔اگر یہ ڈرامہ بازی ہے تو پھر ہم ڈرامہ باز ہیں چاہے یہ ڈرامہ

بازی ہماری جان ہی کیوں نہ لے ہم یہ ڈرامہ بازی نہیں چھوڑ سکتے۔

سب سے اچھا کون؟

نئی کلاس میں ترقی ، نیا کلاس روم ، نئے ٹیچر ، نیا یونیفارم ، نیا سکول بیگ ، نئی کتابیں اور کاپیاں، کلاس کے پہلے دن ٹیچر کا بالکل نیا اور منفرد سوال ، بچو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ میں سب سے اچھا بچہ کون ہے؟ کلاس روم میں وہی پرانا شور برپا ہو گیا ٹیچر میں سب سے اچھا، اچھی ہوں ، کلاس کے 30 بچوں میں سے 29 نے اپنے آپ کو سب سے اچھا بتایا۔ شور زیادہ ہونے پر ٹیچر نے خاموش رہتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر جواب دینے کا کہا تو کچھ بچوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ ٹیچر نے بچوں کو 10 منٹ میں اپنے سب سے اچھے کی وجوہات تحریری طور پر پیش کرنے کا کہہ دیا۔ ٹیچر جی میں اس لئے سب سے اچھا ہوں کیونکہ میرا یونیفارم سب سے زیادہ صاف ستھرا اور نیا ہوتا ہے، میں اس لئے سب سے اچھی ہوں کیونکہ سکول سے چھٹی نہیں کرتی آپ کو تو پتا ہے کہ اس سال سب سے زیادہ حاضری کا انعام بھی مجھے ہی ملا ہے۔ میں کلاس روم میں شور نہیں مچاتا اس لئے سب سے اچھا ہوں ، میں ہر بار پوزیشن لیتی ہوں اس لئے میں سب سے اچھی ہوں ۔ میں والدین ، ٹیچرز اور سب بڑوں کی عزت کرتا ہوں اس لئے سب سے اچھا ہونے کا حق مجھے ہے۔ کچھ اسی قسم کے 29 جواب ٹیچر کے سامنے پڑی میز پر پہنچ گئے جبکہ 30 ویں بچی نے لکھا تھا کہ میں بہت اچھی ہوں لیکن

سب سے اچھی نہیں ہوں۔ ٹیچر نے اُس بچی کو اپنے پاس بلا لیا اور پوچھا کہ جب وہ بہت اچھی ہے تو پھر اُسے کیوں نہیں لگتا کہ وہ سب سے اچھی ہے؟ بچی ٹیچر میرے بابا کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھنا شروع کردیں گے تو ہمیں لگے گا کہ اب ہمیں اچھے کام کرنے کی ضرورت نہیں رہی جب ہم خود کو سب سے اچھا تصور کریں گے تو پڑھنے لکھنے میں محنت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ ٹیچر میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں بہت اچھی ہوں اور مجھے مزید اچھا بننا ہے۔اس لئے یہ سب بچے مجھ سے زیادہ اچھے ہیں اور میں یہ سوچ کر زیادہ محنت کرتی ہوں کہ مجھے ان سب سے آگے نکلنا ہے، ٹیچر جی بابا کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو سب سے اچھا ثابت کرنے کیلئے دوسروں کی خامیاں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی کے بُرے یا کم اچھا ہونے سے ہماری اچھائی میں ہرگز اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ہماری محنت اور قابلیت ہمارے اچھے ہونے کی دلیل ہے۔لہٰذا ہمیں کسی کو بھی کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ٹیچر نے بچی کی مثال دے کر بچوں کو بتایا کہ اچھا وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو اچھا سمجھتا ہے۔ قارئین محترم زندگی میں بہت سے مشاہدات سے گزرنا پڑتا ہے جن میں بہت سے انسان گمراہ کرتے ہیں جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کو انسان بنانے میں کردار ادا کرتے ہیں ۔ایک ایسا ہی مشاہدہ میں نے آج آپ کی خدمت پیش کیا ہے جس میں ایک معصوم بچی نے اپنے بابا کی بتائی ہوئی خوبصورت باتیں ٹیچر کو بتا کر نہ صرف اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا بلکہ اچھے ہونے کا معیار بھی سمجھا

دیا جو شاید اس سے پہلے ٹیچر بھی نہیں جانتی تھی ۔اگر ہر فرد یہی روش اپنا لے تو معاشرے میں حق تلفی، غیبت کا رجحان اور بہت سی معاشرتی بُرائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔افسوس کہ آج ہم نے جو روش اپنا رکھی ہے وہ صرف دوسروں کو بُرا کہنے پر صبر نہیں کرتی بلکہ یہ بات ثابت کرنے لئے اگر کوئی بُرائی اپنے پاس سے ڈالنا پڑے تو بھی ہم دوسروں کو بُرا ثابت کرنے لئے پیدا کرتے ہیں۔ہم اکثر دوسروں کی کردار کُشی کرتے وقت ایسے الزامات عائد کرتے ہیں جو شائد مخالف انسان کی زندگی تو کیا اُس کے خاندان میں بھی نہیں پائے جاتے ۔مثال کے طور پر اخبار کا پہلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں ابھی آپ محسوس کریں گے جیسے دوسروں کو بُرا کہنا ہی دنیا میں سب سے اچھا اور مفید کام ہے۔افسوس کے میرے صحافی بھائی بھی سیاستدانوں کی الزام تراشیاں تڑکا لگا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اُس سے بھی زیادہ افسوس کہ عوام بھی ایسی ہی خبروں کو پسند کرتے ہیں جن میں الزام تراشیوں کو مرچ مصالہ لگا کر پیش کیا جائے اگر یقین نہ آئے تو پھر کسی ایسے عالم دین کا کسی محفل میں ذکر کرکے دیکھ لیں جو کسی فرقے یا گروہ پر تنقید کرنے کی بجائے قرآن و حدیث کی بات عوام کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہو۔ محفل میں جتنے فرقوں کے ماننے والے موجود ہوں گے اتنی تنقیدی آراء فوری طور پر سامنے آجائیں گی یعنی اخبار تو کیا مذہبی محافل میں بھی دوسروں پر الزامات اور تنقید کی بارش پسند کرتے ہیں اور مولوں ہمارے بہت مہنگے بکتے ہیں جو یہ کام خوب مرچ مصالہ لگا کر گرم جوشی کے ساتھ

کرتے ہیں۔مذہبی علماء سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کسی کا بُرا ہونا ہمارے اچھے ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جو مولوی مجلس کی پسند کے موضوع کو انتظامیہ کی مرضی کے مطابق یعنی حاضرین مجلس کو خوش کرکے زیادہ پیسے بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ شائد یہ نہیں جانتے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے جرم میں روزِ آخرت اُن کو سزا مل سکتی ہے وہاں اُن کا کوئی واقف یا رشتہ دار کام نہیں آئے گا چاہے کتنا بڑا آفیسر یا وزیر، سفیر یا جنرل، کرنل ہی کیوں نہ ہو۔اُوپر جس بچی کی مثال پیش کرچکا ہوں اُس سے سبق سیکھ لیں جس نے دوسروں کو خود سے اچھا کہہ کر اپنا سب سے اچھا ہونا ثابت کردیا۔

پیغامِ حق

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تبلیغ کی اہمیت سمجھانے کی خاطر قرآن کریم میں کھلے اور واضح احکامات دیئے ہیں ۔اوراللہ کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق زندگی گزار کر ہمارے لیے عملی مثال قائم کی ہے ۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں گزرے ہوئے زمانے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے ، سوائے ان لوگوں کے جوایمان لائیں اور نیک عمل کرتے اور دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہیں۔اسلام مسلمانوں کواس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو بُرائی کے راستے سے روکیں اوراچھائی کی دعوت دیتے رہیں ۔ اس سے بڑھ کے بنی نوع کی کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ ان کو تباہی و بربادی ، ہلاکت اور کفر و شر سے بچاکر فلاح وکامرانی کے راستے پرلگایا جائے ۔اگرہم اپنے لیے فحاشی و بے حیائی ، بے راہروی ، ظلم وزیادتی، ناانصافی۔ لاقانونیت، دہشتگردی، اقرباپروری، رشوت ستانی، جاگیردرانہ نظام، سودی نظام ، اور منشیات وغیرہ سے پاک معاشرہ کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں توپھراپنی ذات کو برائیوں سے پاک صاف کرکے خود بھلائیوں کواختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھلائی کی دعوت دینا بھی ہمارافرض بنتا ہے ۔اسلامی حلقے اس عمل کو تبلیغ کہتے ہیں تبلیغ کے لفظی

معنی پیغام پہنچانے کے ہیں ۔ غرض یہ کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کو دوسروں تک پہنچائیں اور یہ کوشش کریں کے لوگ اُس چیز کی اچھائیوں کودل سے قبول کرلیں ۔ جس شخص کو اللہ تعالی نے اچھائی اور برائی کا فرق سمجھنے کے لیے عقل وشعور عطا کیا اس پر فرض ہوگیا کہ اچھائی کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے اور برائی سے روکنے کی کوشش کرے ۔ اللہ تعالی نے اپنے دین (اسلام) میں ہمارے لیے ہر جگہ آسانیاں پیدا کیں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ 'تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے ، اگر طاقت نہ ہو توزبان سے منع کرے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں بُرا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ معاشرے میں پھیلی کسی بھی بُرائی کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو اُس برائی کی وجہ سے ہونے والے دنیاوی اور آخروی نقصانات سے اچھی طرح آگاہ کیا جائے ، اگر کوئی کسی کو اتنا کہہ دے کہ تم جو کر رہے ہو یہ اچھا کام نہیں ہے تو وہ شخص وقتی طور پر توشائد برا کام چھوڑ دے لیکن جب منع کرنے والا چلا جائے گا تو وہ دوبارہ وہی کام کرنے لگ جائے گا ۔ اس حقیقت کی ایک مثال ہمارے ہاں بہت عام پائی جاتی ہے ۔ مائیں اپنے بچوں کو جب کسی بات سے روکنا چاہتی ہیں تو وہ بچے سے کہتیں ہیں ، آنے دو تمہارے باپ کو آج اُن کو بتا کر تمہیں خوب مار پڑواؤں گی یا پھر کہتیں ہیں بیٹا اب بس کردو تمہارا باپ آنے والا ہے اگر اُس نے دیکھ لیا تو تمہیں مار پڑ جائے گی ۔ میرے خیال میں سمجھانے کا یہ طریقہ انتہائی غلط ہے ۔ اس طرح بچہ یہ سمجھتا

ہے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ کام تو ٹھیک ہے لیکن باپ کو پتا نہیں لگنا چاہیے ۔اس طرح بچہ اکثر اچھے کام کرتے وقت بھی اس بات پر غور رکھتا ہے کہ کہیں اسے اس کا والد تو نہیں دیکھ رہا۔اس طرح باپ سے ڈرانے کی بجائے اگر مائیں بچوں کو اچھائی اور بُرائی کا بنیادی فرق سمجھانے کی کوشش کریں تو بہت بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں ۔بات چلی تھی تبلیغ سے اسلام میں تبلیغ کو بڑا مقام حاصل ہے۔آج دنیا بھر میں بہت سی دینی جماعتیں تبلیغ اسلام کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں ۔جس کے خاطر خواہ نتائج بھی ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں ۔لیکن اچھائی کی تبلیغ صرف دینی جماعتوں کا ہی نہیں بلکہ ہم سب کا فرض ہے ۔اگر برائی کا مقابلہ کرکے اسے نست ونابود کرنا ہے تو پھر ہمیں ہر اس طریقے کو اپنانے کی ضرورت ہے جو تیز ترین ہو۔آج ہمیں زبانی ، قلمی و تحریری تبلیغ کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی آلات ریڈیو، ٹیلیوژن، دیگر ذرائع ابلاغ اخبارات ورسائل انٹرنیٹ اور خاص طور پر فیس بک کو بھی اسلام کی تبلیغ کے لیے استعمال کرنے کی، ضرورت ہے ۔اگر فیس بک کو باطل نظریات و تصورات کی تشہیر کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ،اگر دنیا کی تمام برائیوں کو فیس بک پر شیئر کرکے گندگی پھیلائی جا سکتی ہے تو پھر دعوت حق دے کر لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کیوں نہیں کیا جاسکتا ؟؟فیس بک پر پھیلی فحاشی و عریانی کو دیکھ کر اسے بند کرنے کا مطالبہ کرنے کی بجائے ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو فحاشی و عریانی کے نقصانات سے آگاہ کرکے انہیں اچھائی کی دعوت اتنے اچھے انداز میں

دیں کہ وہ اس فحاشی و عریانی کو فیس بک تو کیا اپنی زندگی سے ہی نکال دیں۔ کسی کو برا کہہ دنیا بہت آسان ہے لیکن حاصل کچھ نہیں صرف وقت کا ضیاع ہے اگر یہی وقت جسے ہم دوسروں کی برائیاں تلاش کرکے ان پر تنقید کرنے میں ضائع کرتے ہیں اسی وقت کو لوگوں اچھائی کی طرف راغب کرنے میں صرف کریں تو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ بازار میں ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ دکاندار اپنا سامان فروخت کرنیکی غرض سے مختلف طریقے اپناتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دکاندار سارا دن دوسرے دکاندار کے سامان کی خامیاں خریداروں کو بتا کر اپنا سامان فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے سامان کے بارے میں کچھ خاص نہیں بتاتا، جبکہ دوسرا دکاندار سارا دن اپنے سامان کی تعریف کرتے ہوئے خریداروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپکے خیال میں دونوں میں سے کامیاب ہونے کے چانس کس کے زیادہ ہیں؟ میرے خیال میں تو جو دکاندار دوسرے کے سامان کی خامیاں تلاش کرنے میں اپنا سارا وقت ضائع کرے گا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جبکہ جو اپنے سامان کی خوبیاں بیان کرکے خریداروں کو متوجہ کرے گا اسے خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر کسی کے مذہب یا فرقے کو برا بھلا کہنے کی بجائے مسلمان صرف اسلام کی تبلیغ کریں۔ اور دنیا کو حق کا پیغام پہنچائیں اور اس کام کے لیے ہر پلیٹ فارم کو استعمال کریں؛ قارئین سے درخواست ہے کہ راقم، کوئی عالم دین نہیں ہے صرف اپنی ذاتی رائے پیش کر رہا ہے۔ راقم کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ہی حق ہے اور احکام

الٰہی پر عمل پیرا ہوئے بغیر ہمیں کبھی بھی فلاح و کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی جس کے لیے
ہمیں ملک سے پہلے اپنی زندگیوں میں اسلام نافذ کرنا ہوگا۔اللہ تعالی مجھے ،آپکو اور
ساری انسانیت کو حق سمجھنے ، سننے،کہنے ،دوسروں تک پہنچانے اور اس پر عمل کرنے کی
توفیق و طاقت عطا کرئے اور عالم اسلام پر اپنی رحمت فرما کر فلاح کامرنی عطا کرے :

تھر میں پیاسی زندگی

قحط تھر کے حالات میڈیا میں آنے کے بعد پاکستان میں زیر بحث بہت سے موضوعات پر گفتگو میں بہت حد تک کمی ہو چکی ہے خاص طور پر طالبان مذاکرات اور سابق فوجی صدر پرویز مشرف پر چلنے والا غداری کا مقدمہ ہے، جس طرف ہوا چلتی ہے ہمارے عوام بھی چل پڑتے ہیں۔پاکستانی عوام کو کسی بڑے صدمے سے نکالنا بھی کوئی مشکل کام نہیں رہا بس میڈیا میں اُس سے بڑے صدمے یا خوش خبری کی افواہ پھیلا دی جائے جو کچھ دنوں میں خود بخود منظر سے غائب ہو جائے گی لیکن عوام تب تک گزشتہ صدمہ بھول کر نیا صدمہ اُٹھانے کیلئے تیار ہو چکے ہوں گے۔ہم لوگ اکثر وقت گزر جانے کے بعد غور و فکر کرتے ہیں ۔جس واقع کے روح پذیر ہونے کے امکانات پہلے سے موجود ہوں اُس کی روک تھام کیلئے اقدامات کرنا ہمارے بس کی بات نہیں رہی البتہ واقع روح پذیر ہونے کے بعد ہم بہت زیادہ فکر مند نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی اخبار یا ٹی وی رپورٹ پر تبصرہ پہ تبصرہ آنے لگتا ہے یہ جانے بغیر کہ وہ مسئلہ نیا ہے یا پُرانا۔ قحط تھر جیسے سانحات پر جہاں سیاست دانوں کو ایک دوسرے پر تنقید کا موقع میسر آتا ہے وہیں انسانی حقوق کی ترجمان تنظیموں کو بھی فنڈ حاصل کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہاں میرے جیسے نام نہاد صحافیوں کو بھی صحافت

چمکانے کیلئے بہتر مواد ہاتھ لگ جاتا ہے۔ مجھے میرے خبری نے بتایا ہے کہ تھر میں پیدا شدہ قحط کو قحط سالی کہنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہاں سدا سے قحط ہے ۔غذائی قحط میں تو ہر سال کسی حد تک قدرتی طور پر ریلیف مل جاتا ہے لیکن حکومتوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے کبھی کوئی ریلیف دینے کی کوشش نہیں کی ۔ماضی میں میڈیا کم ہونے کی وجہ سے تھر میں قحط میں شدت آنے پر بھی کسی صحافتی ادارے نے اس قدر رپورٹنگ نہیں کی جس انداز میں رواں قحط کے دوران ہو رہی ہے۔

آج کل پاکستان کے صوبہ سندھ میں تھرپارکر کے اکثر علاقے شدید قحط سالی کی لپیٹ میں ہیں۔ گزشتہ دو، تین ماہ کے دوران غذائی قلت اور پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے وہاں کے رہائشی مختلف جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ یہ قحط اب تک 150 سے زائد بچوں کی جان لے چکا ہے ۔خبری کا کہنا ہے کہ تھر کے عوام اس درجہ معصوم ہیں کہ احتجاج کرنا بھی نہیں جانتے ،وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اُن کی شکایت سننا اور اُن کے مسائل حل کرنا اللہ تعالیٰ کے بعد حکومت وقت کے ذمے ہے۔آج میڈیا میں خبریں آنے کے بعد بہت سارے شہری تھر کے عوام کے حالات زندگی دیکھ کر رونے لگتے ہیں لیکن میری طرح کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ تھر سمیت پاکستان کے بہت سے غریب عوام بہترین زندگی بسر کر سکتے ہیں اگر ہم اسلام آباد، کراچی اور لاہور سمیت دیگر شہروں میں بسنے والے صرف فضول خرچی

چھوڑ دیں۔مجھے یہ رپورٹ دیکھ کر حالاتِ تھر سے زیادہ رونا آرہا ہے جس میں لکھا ہے کہ دنیا میں ہر سال خواتین 17ارب روپے میک اپ میں اڑا دیتی ہیں جن میں مقروض ، خیرات لینے والے پاکستان کی خواتین صرف 7ارب روپے اُڑاتی ہیں،آپ سمجھ تو گئے ہوں گے صرف 7ارب۔سمجھ نہیں آتی کہ اپنی میک اپ زدہ خوشحالی پر جشن مناؤں یا تھر سمیت پاکستان بھر میں بیڈ گورنس ،حکومتی نا اہلی اور قومی بے حسی پر ماتم کروں ؟ تھر کی قحط سالی چند دن زیر بحث رہنے کے بعد ہمیشہ کی طرح یہ موضوع بھی دفن ہوجائے گا جبکہ ہماری فضول خرچیاں مزید بڑھتی رہیں گی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جسے ہم قحط سالی کہہ رہے ہیں کہیں یہ ہماری بے حسی تو نہیں؟ہم پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جسمانی خوبصورتی پر اربوں روپے اُڑا دیتے ہیں اور ہمارے بہن ،بھائی، بچے اور بزرگ گندم کے ایک ایک دانے اور پانی کی ایک،ایک بوندھ کو ترس رہے ہیں۔اس حقیقت سے کون نا واقف ہے کہ حکومتی ایوانوں میں بیٹھنے والی خواتین کے میک اپ پر ایک سال میں خرچ ہونے والا سرمایہ تھر جیسے غریب علاقوں کے 10سال کے بجٹ سے بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے۔اب کوئی بتائے تھر میں آنے والا قحط قدرتی آفت ہے یا ہماری بے حسی ؟اگر یہ ہماری بے حسی ہے تو پھر تھر میں جاں بحق ہونے والے معصوم بچوں سمیت خواتین اور بزرگوں کی ہلاکت کے ذمہ دار (قاتل) بھی ہم سب ہیں ۔جانے یا انجانے میں قتل کرنے کے بعد ہم مقتولین کی موت اور بیماری پر آنسوں بہاتے ہیں۔حکمران کہتے ہیں کہ ہم حکومت پر صرف تنقید کرتے ہیں تو کیا ہم اُن کی

بے خبری اور بے حسی پر پھولوں کی مالا پہنائیں ؟میڈیا کا کام مسائل کی نشان دہی کرنا ہے حکمرانوں کے سہرے گانا نہیں ،اگر حکمران اس بار بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ تھر کے معاملے پر عارضی انتظامات کے بعد عوام بھول جائیں گے تو کسی غلط فہمی یا کسی خوش فہمی میں نہ رہیں کیونکہ اب ملک میں صرف سرکاری میڈیا نہیں بلکہ بڑی تعداد میں آزاد میڈیا بھی کام کر رہا ہے۔لہذا بہتر یہی ہے کہ انتظامیہ اپنا فرض پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کرے تاکہ تھر کے غریب عوام کی تکلیف کم ہو کر آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔

سوال

میرے سوال کا مقصد کسی کے عقیدے یا فرقے پر تنقید نہیں ہے بلکہ میں اپنے ساتھ ساتھ اُن تمام لوگوں کی اصلاح چاہتا ہوں جن کے ذہن میں ایسے کئی سوالات جنم لیتے رہتے ہیں لیکن وہ علم کی کمی کی وجہ سے بہت سوچنے اور کوشش کے باوجود اِن سوالات کے جوابات تلاشنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے میرا سوال بالکل ہی فضول ہو لیکن جب میرے جیسے عام مسلمانوں کو اللہ تعالٰی اور اُس کے پیارے رسول ﷺ کیساتھ منسلک سوالات کا درست اور تفصیلی جواب نہ ملے تو گمراہی کے رجحانات میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اس لئے میں نے آج یہ سوال علماء اسلام خاص طور پر سُنی عقیدہ رکھنے والے علماء اکرام کی خدمت میں بڑے ہی احترام کے ساتھ پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کسی دوسرے عقیدے پر تنقید کا موضوع نہ نکلے اس لئے یہاں یہ بتانا لازمی سمجھتا ہوں کہ میرا اپنا تعلق بھی اہل سنت سے ہی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے ہاں نقش پا نعلین پاک مختلف رنگوں اور سائزوں میں دستیاب ہے جس کو رسول اکرم ﷺ کی نسبت سے گھروں، بازاروں، مسجدوں اور جھنڈوں پر بھی سجایا جاتا ہے۔ مجھے نقش پا کی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نسبت کے متعلق کچھ علم نہیں ہے، لیکن کچے ذہن میں اُس وقت بڑی شدد کے ساتھ سوال اُٹھتا ہے جب میں نعلین مطلب جوتے کے نقشے پر (رسول ﷺ) لکھا دیکھتا ہوں۔ اگر

یہ نقش واقعہ ہی نبی کریم ﷺ کے نعلین پاک کا ہو پھر بھی کیا یہ مناسب اور جائز ہے کہ نعلین کے نقشے پر اللہ تعالی کے محبوب نبی ﷺ کو مخاطب کیا جائے؟ حضور ﷺ کی نسبت پر میری جان قربان مگر ادب واحترام کی حد میں رہ کر۔ راقم نقش پا نعلین مبارک کے نقشوں پر لکھی اس تحریر (نقش پا نعلین پاک رسول ﷺ) کو جائز، مناسب یا ناجائز، غیر مناسب کہنے کی پوزیشن میں نہیں اس لئے علماء کرام سے رہنمائی چاہتا ہے ۔لہذا علماء اکرام سے اپیل ہے کہ راقم کے ساتھ ساتھ تمام قارئین کو یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ سمجھا دیں۔

حکمران ہوں تو ملک ریاض جیسے

فرمان الٰہی کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ''تم نے کچھ خرچ کیا اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ اس کا علم رکھتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (البقرہ ۲۷۰) اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ذرے ذرے سے باخبر تھا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کون کہاں سے اور کس طرح کماتا ہے، کون حلال و حرام کی تمیز کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اللہ تعالیٰ سب کے کاموں سے واقف ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے ''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے پھر احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے'' مفہوم (البقرہ ۲۶۲) معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کے بعد اجر کی اُمید اپنے رب تعالیٰ سے ہی رکھنی چاہئے نہ کہ کسی غریب یا محروم پر احسان جتلانا چاہئے۔ ویسے تو اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لئے وہ ہی واحد قادر ہے کہ جسے چاہے جو چاہے عطا کر دے ۔ اپنے بندوں کو ان کی ضروریات سے زیادہ عطا فرمانے کے بعد اُن کے لئے دنیا کی بھلائی کے ساتھ ساتھ آخرت کے اَجر کا انتظام اللہ تعالیٰ یوں کرتا ہے کہ بندہ عطا ہونے والے مال و دولت اور رزق میں سے اللہ تعالیٰ کی غریب اور محروم مخلوق پر اس نیت سے خرچ کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی

رضا مطلوب رہے۔اللہ کے سخی بندوں کی اس دنیا میں کبھی بھی کمی نہیں ہوئی ،جہاں ضرورت ہواللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھیج کر غریبوں، محروموں اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔آج کل پاکستان میں ملک ریاض حسین سخاوت میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ملک میں امیر تواور بھی بہت ہیں لیکن کبھی کسی نے ملک ریاض کی طرح آگے بڑھ کر غریبوں کو گلے لگانے کی کوشش نہیں کی۔کراچی کی بختاور کے باپ کی سمندری قزاکوں سے رہائی کا معاملہ ہویازلزلے کے بعد بے یارومددگار انسانیت ہویا بحریہ دسترخوان پر غریبوں کو کھانا میسر آئے یا پھر قحط زدہ تھرپارکر ملک ریاض کی خدمات چمکتے ستاروں کی مانند روشن نظر آتی ہیں۔تنقید کرنے والے ہر دور میں موجود رہتے ہیں بنیادی طور پر راقم بھی تنقیدی ذہن رکھتا ہے لیکن ملک ریاض کی تھر میں امداد پہنچنے اور اُن کا یہ اعلان کہ وہ تھر کے صحرا میں پینے کے پانی کے کنوئیں کھدوائیں گے سننے کے بعد اپنے سینئر جناب ضیاشاہد صاحب کی طرح راقم بھی ملک ریاض کی انسانی خدمات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ضیاشاہد صاحب نے تو ملک ریاض کو آئندہ پاکستان کے صدر کے طور پر پسند کرلیا ہے۔اُن کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ ایوان صدر میں کسی کھلے دل کے انسان کو بیٹھنا چاہئے لیکن مجھے یہ بات پریشان کررہی ہے کہ کہیں ایوان صدر میں پہنچ کر سابق صدر آصف زرداری کی طرح کسی بختاور کے باپ کو قزاکوں سے چھڑوانے کے لئے کروڑوں روپے کی ضرورت پیش آگئی تواُس وقت کے صدر صاحب ملک ریاض) دوسرا ملک ریاض کہاں سے تلاش کریں گے ؟اور اگر کوئی ملک (

ریاض آگے نہ آیا تو اُس بختاور کے دل پر کیا گزرے گی جو ملک ریاض جیسے سخی صدر کی خدمت میں اپنے باپ کی زندگی کی بھیک مانگنے جائے گی؟ کہیں ایوان صدر کی مضبوط دیواریں ملک ریاض جیسے نرم دل انسان کو پتھر دل نہ کردیں۔ضیاء شاہد صاحب نے بالکل درست کہا کہ اُن کی طرح لاکھوں پاکستانی ملک ریاض یا اُن جیسے کھلے دل کے انسان کو اپنا صدر دیکھنا چاہتے ہیں، راقم بھی اُن لاکھوں افراد میں شامل ہے اس لئے اس خواہش کے ساتھ پلنے والے خدشات بھی پیش کررہا ہوں، اگر مستقبل میں ملک ریاض کو پاکستان کے عوام اپنا صدر منتخب کرلیتے ہیں اور وہ ایوان صدر میں پہنچ کر ماضی کے صدور کی طرح اس قدر مصروف ہوگئے کہ پھر عوام کی طرف پلٹ کر دیکھنے کے لئے بھی وقت نہ ملا تو پھر عوام کم از کم ایک ملک ریاض کھو دیں گے جو اُن کے دکھ درد میں شامل ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔اس خواہش کا اظہار ضیاء شاہد صاحب کے بعد میں بھی کررہا ہوں کہ ملک ریاض کو پاکستان کا آئندہ صدر منتخب کرلینا چاہے لیکن ابھی ملک ریاض سے یہ پوچھنا باقی ہے کہ کیا وہ بھی صدر بننے کے خواہش مند ہیں؟ یا پھر صرف انسانی خدمت کا جذبہ لئے زندگی کا سفر جاری رکھنے کے خواہش مند ہیں۔جناب ضیاء شاہد صاحب نے اپنے کالم میں ایک اور شخصیت کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے وہ شخصیت ہے ملک معراج خالد۔ملک معراج خالد سے میری ملاقات اُن دنوں ہوئی، جب وہ پاکستان کے نگران وزیراعظم تھے۔ضیاء شاہد صاحب ملک معراج خالد صاحب کے بہت قریبی دوستوں میں سے ہیں اس لئے وہ معراج صاحب کو راقم سے

زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کے ملک معراج خالد جیسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں، ملک معراج خالد صاحب کے ساتھ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات میں ملنے والی محبت مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ اُن کی محبت اور خلوص کا یہ عالم تھا کہ وہ عمر کے لحاظ سے مجھ سے کافی بڑے تھے لیکن مجھے اُن کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے چھوٹے ہوں میں اُن سے کئی سال بڑا ہوں، عاجزی اُن کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملک معراج خالد کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ضیاء شاہد صاحب نے لکھا کہ اُن کی ملک ریاض کے ساتھ پہلی ملاقات ملک معراج خالد صاحب نے کروائی اور وہ آج بھی ملک ریاض کو ملک معراج کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ راقم کے پاس ملک معراج خالد کی آنکھ تو نہیں لیکن اگر ضیاء شاہد صاحب کو ملک معراج خالد کی نظر سے ملک ریاض میں پاکستان کا آئندہ صدر نظر آتا ہے تو میں بھی تمام خدشات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اُن کے خیال سے متفق ہوں۔ حکمران ہوں تو ملک ریاض جیسے۔

جہاں بہت سے سخت دل اور کنجوس آزمائے جا چکے ہیں وہیں ایک نرم اور فراغ دل اور عوام کے دکھ درد محسوس کرنے والے کو بھی موقع دینا چاہئے۔ ملک ریاض پاکستان کے حکمران بنیں نہ بنیں جس طرح وہ غریب اور محروم کی مدد کر رہے ہیں ایک دن پاکستانی عوام کے دلوں پر حکمرانی ضرور کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنی

ذاتی کمائی سے دوسروں کی مدد کرتے ہیں اس لئے کسی کو بھی اُن کے اس عمل پر تنقید نہیں کرنی چاہیۓ۔ باقی رہا اَجر کا معاملہ تو وہ اللہ تعالی کے سپرد ہے۔ لیکن راقم کا ملک ریاض صاحب کو مشورہ ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کرتے وقت صرف اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی نیت کیا کریں تاکہ دنیاوی زندگی کے ساتھ ساتھ آخرت کا اَجر بھی مل جائے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ''اور تم جو کچھ بھی مال خرچ کرتے ہو اپنے لئے ہی کرتے ہو (البقرہ ۲۷۲) یعنی اللہ تعالی کے عطا کردہ مال و دولت میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرنے سے مالک حقیقی راضی ہو جاتا ہے اور اپنے بندے کو دین و دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرماتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا'' (مفہوم) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اسی کے پاس رہے گا، ہرگز نہیں وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ پھینک دیا جائیگا۔ اللہ تعالی ہم سب کو اُس چکنا چور کر دینے والی جگہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

اَب یاد آیا

نفسا نفسی کے اس دور میں انسان کو چاروں طرف سے کل کی فکر، فکر روزگار، مہنگائی، بدامنی، بچوں کی تعلیم وتربیت اور صحت کی فکر کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی پریشانیوں نے بُری طرح گھیر رکھا ہے۔پریشانیوں میں گھرا انسان تنہائی اور خاموشی کی تلاش میں رہتا ہے۔آپ نے اکثر دیکھا ہوگا، بھری محفل میں بھی کچھ لوگ اور کبھی کبھی ہم خود بھی محفل کی سرگرمیوں سے بے خبر دوسروں کی بجائے اپنے آپ سے گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ فکر روزگار نے آج کے انسان کو اس قدر مصروف کردیا ہے کہ اُسے اپنی بھی ہوش نہیں نہ بہن ،بھائیوں کیلئے وقت ہے نہ بچوں کیلئے اور نہ اپنے صحت اور ورزش کیلئے وقت ملتا ہے۔فارغ وقت اس سوچ میں گزر جاتا ہے کہ کل کیا کرنا ہے یا کل کیا ہوگا؟اسی نفسا نفسی میں زندگی تیزی سے گزرتی جارہی ہے۔لیکن اگر کچھ وقت نکال کر بہن ،بھائیوں اور دوستوں سے میل ملاپ قائم رکھا جائے تو انسانی صحت کیلئے کافی حد تک مفید ثابت ہوتا ہے۔میں بھی کافی دنوں سے گھر ،کام اور انٹرنیٹ تک محدود تھا جس کی وجہ سے طبیعت میں کچھ اُداسی سی محسوس ہورہی تھی۔جب کالمسٹ کونسل آف پاکستان پنجاب کے صدر حافظ جاویدالرحمٰن نے مجھے 23 مارچ کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دی تو میں چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کرسکا ۔23 مارچ کی صبح سے

ہی موسم کافی سہانہ ہوگیا تھا۔ صبح سے شام تک ہونے والی ہلکی بارش نے موسم انتہائی خوشگوار بنائے رکھا۔ دن کے ایک بجنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے کہ میں اور میرے اُستاد ایم۔اے تبسم مون مارکیٹ ہوٹل (بلیو فلیم) میں پہنچے۔ جہاں پر ہمارا استقبال چیئرمین ایکشن کمیٹی سی سی پی وسیم نذر نے کیا۔ کچھ ہی دیر میں باقی تمام دوست بھی تشریف لے آئے جن میں شیخوپورہ سے ساحر قریشی، حافظ جاوید الرحمٰن قصوری، عقیل خان آف جمبر جناب مرزا عارف رشید جو خصوصی طور پر اس پروگرام میں بہاولپور سے تشریف لائے ان کے ساتھ ساتھ حکیم کرامت علی اور بہت ہی شوخ و چنچل ملک ساجد اعوان بھی فیصل آباد سے تشریف لائے۔ سی سی پی کے جنرل سیکرٹری فیصل اظفر علوی اسلام آباد میں مصروف تھے اس لئے اُن کے ساتھ ٹیلی فون پر بات ہوئی اور کچھ دوست اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے نہ تشریف لا سکے۔ تین گھنٹوں سے زائد جاری رہنے والی اس ملاقات میں دوستوں نے گلے شکوے بھی کئے اور بہت سی محبتیں بھی بانٹی۔ دوستوں کے درمیان خوشیاں بانٹتے وقت کیسے گزر گیا پتا ہی نہیں۔ ملاقات کا وقت ختم ہوا تو سب دوست ایک دوسرے سے گلے ملتے ملاتے رخصت ہوگئے۔ ہوٹل سے باہر نکلا تو بہت دنوں بعد مجھے لاہور کی فضا صاف اور نکھری نکھری محسوس ہوئی۔ میری طبیعت پر اُداسی بھی کے سائے بھی مدھم مدھم محسوس ہوئے۔ جس طرح بارش میں نہا کر پھول، پودے اور فضا تازہ دم ہو چکی تھی اُسی طرح دوستوں سے ملاقات کے بعد میری طبیعت اُداسی سے خوشی تک کا سفر طے کر چکی۔ گھر پہنچ کر رات بھر یہی سوچتا رہا کہ

آخر اتنے مختصر وقت میں مہینوں کی اُداسی کس طرح دور ہو گئی؟ سوچوں کی کھڑکی سے
نرم سی آواز میں شاعر نے پکارا
دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا
بات سمجھ میں آ گئی کہ طبیعت پہ چھائی اُداس تاریخی کو دوستوں کی محبتوں کی روشنی نے
چاٹ لیا تھا اور اب موسم بالکل صاف تھا۔ اللہ تعالٰی میرے تمام دوستوں کو ہمیشہ خوش
رکھے (آمین)

رحمت الٰہی

چاروں طرف رشوت، سفارش، کرپشن ،اقربا پروری،ملاوٹ، مہنگائی اورناانصافی کا راج ہے۔ پاکستان آئے دن آئی ایم ایف سے سخت شرائط پر نیا قرض لے رہا ہے.آئی ایم ایف کے حکم کے مطابق بجلی کی قیمت میں اضافہ کیا جارہا ہے، گردشی قرضوں کا مزید بوجھ عوام کی خالی جیب پر ڈالا جارہاہے، شعبہ زراعت جو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے انتہائی خستہ حالی کا شکار ہے،ماہرین آنے والے دنوں میں پاکستان میں پانی کے شدید بحران کی پیشنگوئی کررہے ہیں،حالات کے ہاتھوں تنگ مائیں اپنے بچوں کو قتل کررہی ہیں،ہوا کی بیٹی انصاف نہ ملنے کی وجہ سے خود کوآگ لگا کر موت کے حوالے کررہی ہے پھر بھی صدر پاکستان جناب ممنون حسین کے بقول اللہ کو پاکستانی قوم پر رحم آگیا ہے اور حکومت کشکول توڑنے میں بھی کامیاب ہوجائے گی۔اُن کا کہنا ہے کہ معاملات درست سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں اور یقین ہے کہ توانائی بحران پر جلد قابو پالیا جائے گا۔صدر پاکستان جناب ممنون حسین کا تعلق کراچی کی تاجر برادری سے ہے اس لئے وہ سابق حکومت کی کارگردگی سے ناراض اور ناخوش تھے ،جس کی ناقص اقتصادی پالیسیوں اور عدم توجہ کی وجہ سے کراچی سے تعلق رکھنے والے تاجر طبقے کی کمر توڑ کر بے روزگاری میں بڑی حدتک اضافہ

کر دیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی ناقص پالیسیوں کا خمیازہ صرف تاجر ہی نہیں بلکہ پاکستان کا مزدور طبقہ بھی بھگت رہا ہے۔آج روزگار اس قدر نایاب ہوچکا ہے کہ پنجاب جیسے قدرے خوشحال صوبہ میں 100 میں سے 10 افراد برسر روزگار ہیں باقی 90 روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں جبکہ اُن میں سے کچھ لوگ جرائم پیشہ عناصر کے ہتھے بھی چڑھ جاتے ہیں۔یہ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ انسانی زندگی کی ضروریات انسان کو کسی بھی حد تک مجبور کر سکتی ہیں۔صدر محترم نے شائد دوست ملک سے ملنے والے ڈیڑھ ارب ڈالرز کو رحمت الٰہی سمجھ لیا، اس لئے پُر اُمید ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام آدمی کی زندگی میں ابھی تک کسی قسم کی بہتری نہ پیپلز پارٹی کے دور میں آئی اور نہ مسلم لیگ ن کے موجودہ دور حکومت میں۔جہاں تک بات بیرونی امداد اور قرضوں کی ہے تو یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔دوسری طرف دیکھا جائے تو باہر سے آنے والی ہر امداد حکمران طبقے پر ہی رحمت الٰہی بن کر برسی ہے جبکہ بیرونی مفادات پورے کرنے کیلئے عوام کا خون نچوڑا جاتا ہے۔حالیہ دنوں ڈالر کی قیمتوں میں ہونے والی کمی کا بھی ابھی تک عوام کو فائدہ نہیں پہنچا۔کہا جارہا ہے کہ یکم اپریل یعنی جھوٹوں کے دن سے مہنگائی میں کمی واقعہ ہونا شروع ہوجائے گی۔کون نہیں جانتا کہ جب بھی ڈالر کی قیمت بڑھنے کی افواہ آتی ہے تو پاکستان میں ہر چیز کی قیمت میں اس لئے اضافہ کر دیا جاتا ہے کہ ڈالر کی قیمت بڑھ گئی ہے جبکہ ڈالر کی قیمت کم ہوئے ہفتے بیت جانے کے باوجود ابھی تک کسی چیز کی قیمت اس لئے کم نہیں

ہوئی کہ ڈالر کی قیمت نیچے آنے سے عوام کو فائدہ پہنچ پاتا۔ صدر مملکت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پاکستانی قوم پر رحم آگیا ہے لیکن میرے خیال میں جس دن اللہ تعالیٰ کو پاکستانی قوم پر رحم آگیا اُس دن ہر خاص و عام پاکستانی حکمران طبقے کی طرح مراعات یافتہ ہوگا۔ صرف حکمران ہی نہیں بلکہ ہر پاکستانی شاہانہ زندگی بسر کرے گا یا پھر حکمران بھی عام پاکستانی کی طرح سادہ زندگی بسر کریں گے اور سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر میں مزدور کے طور پر مزدوری کرتے نظر آئیں گے۔ اس وقت تو حکمرانوں کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ جب صدر محترم ایک تقریب میں شرکت کے لئے فیصل آباد پہنچے تواُن کی سکیورٹی کیلئے 359 افسروں سمیت 3 ہزار سے زائد پولیس اہلکار تعینات کئے گئے۔ اس قدر سخت سکیورٹی حصار میں جبکہ میڈیا اور مسلم لیگ ن کے عام کارکن بھی اپنے ملک کے صدر کے قریب نہ پھٹک سکے۔ جس انسان کی حفاظت پر ہزاروں لوگ تعینات ہوں اُس پر ہونے والی رحمت الٰہی تو سمجھ آتی ہے۔ ایک طرف تھرپارکر میں پاکستانی عوام بھوک ،پیاس اور بیماری سے مر رہے ہیں دوسری طرف ایک تندرست شخص اپنی زندگی کو محفوظ بنانے کیلئے ہزاروں اہلکاروں کو تعینات کرتا اور پھر کہتا ہے کہ اللہ نے پاکستانی قوم پر رحمت کردی ہے بالکل سچ ہے لیکن اس رحمت کے ساتھ حکومت کا واسطہ نہیں ہے کیونکہ پاکستان کے 20.18 کروڑ عوام سدا سے رحمت الٰہی کی وجہ سے زندہ ہیں ورنہ حکمران طبقے نے تو ہر دور میں غریب مار مہم چلائی ہے۔ غریب پھر بھی زندہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے ؟حکومت

کا قرض پر قرض لینا اور دوست ملک سے ڈیڑھ ارب کا تحفہ لینا اور اُس پر جناب صدر کا کشکول توڑنے کا نیا دعویٰ عوام کے زخموں پر نئی نمک پاشی جیسا محسوس ہو رہا ہے۔ سنا ہے عشق اندھا ہوتا ہے لیکن سمجھ نہیں آتا حکمران ہیں یا عاشق جن کو کچھ نظر آتا ہے اور نہ ہی سمجھ آتا ہے، تیز ترین میڈیا کے دور میں جبکہ عوام پل پل کی خبر سے باخبر رہتے ہیں پھر بھی وہ بات کہہ جاتے ہیں جس کا حقیقت سے دور دور تک تعلق نہیں ہوتا۔ پھر بھی جناب صدر ممنون حسین کی اس بات کے ساتھ سو فیصد متفق ہوں کہ پاکستانی عوام پر اللہ کی رحمت ہو گئی ہے اور بہت سے اہم معاملات درست سمت میں چل رہے ہیں جن میں سے اہم ترین معاملہ طالبان سے مذاکرات کا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حکومت پاکستان کی امن اور ملکی سلامتی کے لئے کی جانے والی کوشش کامیاب ہو اور وہ دن جلد آئے جب پاکستان کشکول توڑ کر خود کفیل ہو جائے (آمین)

اپریل فول ،زندگی آپکی فیصلہ آپ کا

اگر آپ بھی اپریل فول منانے جا رہے ہیں تو پہلے یہ سوچ لیں کہ آپ کا مذاق میں بولا ہوا جھوٹ آپ کے پیاروں کیلئے دکھ اور تکلیف کے ساتھ صدمے کا باعث بن سکتا ہے اور آپ سکو آپ کے پیاروں سے دور بھی کر سکتا ہے۔زندگی آپکی فیصلہ آپ کا،اپریل فول منانے سے پہلے خود سے یہ سوال ضرور کر لیں کہ آپ کو اپنے پیارے عزیز ہیں یا اُن کو تکلیف دے کر حاصل ہونے والی چھوٹی، عارضی اور جھوٹی خوشی ؟

قارئین : اپریل فول ایک ایسا تہوار ہے جس میں زبان کا بہت بڑا کردار ہے مغربی اور غیر مسلم تہواروں کی طرح اپریل فول اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں انتہائی تیزی سے فروغ پا رہا ہے نوجوان نسل جہاں تفریح طبع کی خاطر تہذیب و ثقافت کو بھول رہی ہے وہیں بے مقصد و بے معنی تہوار کے ذریعے اپنے ہی دوستوں اور گھر والوں کو جانی ومالی نقصان سے دوچار کررہی ہے ایسے کتنے ہی دلخراش واقعات ہمارے گردوپیش میں واقع ہو چکے ہیں کہ اپریل فول کے نام پر ذرہ سے مذاق میں شدید ترین نقصان ہوگیا یہ کیسا خوشی یا تفریح کا تہوار ہے کہ جس سے خبردار کرنے کیلئے اخبارات ، ریڈیو اور ٹی وی سمیت دیگر نشریاتی سسٹم کا سہارا لیا جاتا ہے کہ ”خبردار ! آج اپریل فول ہے“ اس لئے چوکنے اور ہوشیار ہو جایئے ، کسی بھی خوشخبری پر

کان نہ دھریئے اور کسی بھی غمی یا افسوسناک خبر کو سنجیدگی سے نہ لیجئے، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ نہ ہوں ہمارے ہاں اپریل فول کی آڑ میں لوگ اپنی زبان کے ذریعے دوسروں کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتے ہیں، حدیث مبارکہ ہے کہ اکثر لوگ اپنی زبان کی وجہ سے جہنم رسید ہوں گے اپریل فول کب شروع ہوا اور کس نے آغاز کیا اس بارے میں حتمی طور پر کہیں بھی کوئی خاطر خواہ ذکر نہیں ملتا اپریل فول کے متعلق یہ ذکر ضرور ملتا ہے کہ اس قبیح رسم کا آغاز فرانسیسیوں نے کیا فرانس میں 1564ء میں نیا کیلنڈر جاری کیا گیا تو کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور نئے کیلنڈر کے حامیوں نے مخالفین پر طعن و تشنیع کی اور انہیں رسوا کرنے کیلئے مذاق کا سہارا لیا اور استہزاء کے ذریعے انکی تحقیر کی اس کے متعلق بھی یہی مشہور ہے کہ یہ کوئی ٹھوس دلیل نہیں بلکہ کچھ لوگوں کی ذہنی اختراع

ہے کہ جس طرح بہت سے دیگر خیال مشہور ہیں کہ 21 مارچ کو دن اور رات برابر ہوتے ہیں لہٰذا اس ماہ کے ختم ہوتے ہی اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو اپریل فول منایا جاتا ہے کچھ حضرات کے مطابق یہ تہوار بت پرست قوم کی ایجاد ہے بت پرست لوگ اپنی عبادت میں ایسا بھی کیا کرتے تھے مگر اس کے آثار ختم ہو گئے ان سے آہستہ آہستہ یہ رسم دیگر لوگوں تک پہنچی اور اب یہ مغرب کا تہوار بن گیا، بعض احباب اسے موسم کے ساتھ مناتے ہیں کہ مارچ اور اپریل میں پیار کا

موسم ہوتا ہے انسان کی اداسی ختم ہوتی ہے اور بہار اپنی تروتازگی کا پیغام سناتی ہے پھولوں پر تتلیاں اڑتی ہیں اور درخت سبزے کا لبادہ اوڑھ کر دلکش نظارہ پیش کرتے ہیں لٰہذا اس خوش کن منظر کی وجہ سے خوشی میں اپریل فول منایا جاتا ہے۔ اہل برطانیہ اور امریکہ یکم اپریل کو" آل فول ڈے "یعنی احمقوں کا دن کہتے ہیں چنانچہ وہ اس دن ایسے ایسے جھوٹ بولتے ہیں کہ جنہیں سننے والا سچ سمجھتا ہے اور بعد میں اس کا تمسخر اڑیا جاتا ہے اگر یہاں کچھ مغربی عامل فلکیات خیال کرتے ہیں کہ یکم اپریل کا دن ویسے ہی منحوس ہے اور اپنی رائے کی اہمیت کیلئے وہ دلیل دیتے ہیں کہ اس دن پیدا ہونیوالے افراد ذہنی استعداد اور صلاحیتوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں مثلاً ایک مغربی پروفیسر اور مشہور ماہر فلکیات اس کے بارے میں اپنے خیالات کو یوں سپرد قلم کرتا ہے کہ یکم اپریل کو پیدا ہونے والے افراد اپنے کام کی تکمیل کیلئے جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہوتے ہیں اپنی غلطیوں کو شاذ و ناظر ہی تسلیم کرتے ہیں اور ہر کام کی تکمیل میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں خطرات سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں مستقل مزاجی جیسی صفات سے محروم ہوتے ہیں اسی لئے اپنے کام کو ادھورا ہی چھوڑ دیتے ہیں اپنی رجاعیت پسندی کے باعث اکثر بیوقوف بن جاتے ہیں یہی ماہر فلکیات عورتوں کی عادات واطوار کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس دن پیدا ہونیوالی خواتین اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا نہیں جانتیں، بے سوچے سمجھے آگ میں کود جاتی ہیں کچھ ممالک

میں اپریل فول ڈے متفرق دنوں میں منایا جاتا ہے ایران میں اپریل فول ڈے 3اپریل کو منایا جاتا ہے یعنی نئے ایرانی سال کے تیرھوئیں روز۔ اس دن لوگ ایک دوسرے سے مذاق اور شرارتیں کرتے ہیں اسے سہہ اردہ بیدار کہا جاتا ہے اور اس دن لوگ 13 اعداد کی نحوست سے بچنے کیلئے گھروں سے باہر رہتے ہیں.برطانیہ، کینڈا، آسڑیلیا اور نیوزی لینڈ میں یکم اپریم کو بیوقوف بنانے کا سلسلہ دوپہر تک جاری رہتا ہے اگر کوئی دوپہر کے بعد کسی کو فول بنائے تو خود ہی بیوقوف کہلاتا ہے اب انٹرنیٹ آنے کے بعد ایک عام آدمی بھی گھر بیٹھے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو مذاق کا نشانہ بنا سکتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے چاہے مذاق میں بولا جائے یا سنجیدگی کے ساتھ ۔ جھوٹ بولنا کسی بھی حالت میں مناسب نہیں لہذا ہمیں ایسے کسی بھی تہوار کی زد میں آکر اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہئے۔

بچے، ہمارا مستقبل ہیں

تقریبا پورے ملک میں سالانہ امتحانات کے رزلٹ کا اعلان ہوچکا ہے۔پوزیشن لینے والے بچے اور اُن کے والدین بہت خوش ہیں ،اچھے یا کمزور نمبرز کے ساتھ پاس ہونے والے بھی ناخوش نہیں ہیں لیکن فیل ہونے والے بچے اور اُن کے والدین آنکھوں سے آنسو بہارہے ہیں۔سب سے پہلے اُن بچوں اوراُن کے والدین کو بہت بہت مبارک باد جنھوں نے پوزیشنز حاصل کیں۔جو بچے اس سال کسی وجہ سے پوزیشن حاصل نہیں کرسکے یا فیل ہوگئے وہ پریشان ہونے کی بجائے پڑھائی پر توجہ دیں اور کوشش کریں کہ جو غلطیاں اس سال سرزد ہوئی آئندہ اُن سے بچاجاسکے۔بچوں کی تعلیم وتربیت میں اساتذہ کا کردار کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا لیکن بدقسمتی سے ہمارے گلی محلوں میں کھلے چھوٹے چھوٹے پرائیوٹ سکول کم پڑھے لکھے اور ناتجربہ کار لوگوں کو صرف اس لئے ٹیچر بھرتی کرلیتے ہیں کہ وہ کم سے کم تنخواہ میں کام کرنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں ،یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ آج اَن پڑھ مزدور بھی 10ہزار ماہانہ سے زائد کمارہاہے جبکہ ان سکولوں ٹیچرز کو 3 سے 5ہزار ماہانہ دیا جاتا ہے۔اب فیصلہ قارئین خود کریں کہ یہ کس قدر کام چور ہوں گے جو انتہائی مہنگے دور میں 3 سے 5 ہزار تنخواہ میں کام کرتے ہیں؟راقم اساتذہ جیسے مقدس پیشے کی

شان میں گستاخی نہیں کرنا چاہتا اس لئے اس موضوع کو حکومت وقت سے اس اپیل کے ساتھ ختم کروں گا کہ کسی بھی سکول میں ٹیچرز کی تنخواہ کم از کم عام مزدور جتنی لازم کی جائے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ اُن کے بچے ہر سال اچھے نمبرز لے کر پوزیشن حاصل کریں وہ اپنے بچوں کو کم از کم وقت ضرور دیا کریں۔ جی ہاں یہ بات سچ ہے کہ بچے والدین سے وقت مانگتے ہیں جو والدین کے لیے دینا آج کے جدید دور میں مشکل ترین کام ہے، خاص کر والد کے لیے ہمارے ہاں مرد حضرات کام کے سلسلہ میں صبح سویرے ہی گھر سے نکل جاتے ہیں اور رات کو دیر سے گھر لوٹتے ہیں، والد کی کئی کئی دن بچوں کے ساتھ جاگتے میں ملاقات ہی نہیں ہو پاتی صبح سویرے بچے سو رہے ہوتے ہیں اور رات واپسی پر بھی سو چکے ہوتے ہیں۔ فکر روزگار نے ہمیں اپنے بچوں سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ ہم ان کی پرورش کے لیے انہیں اتنا وقت نہیں دے پاتے جتنا کہ ان کو درکار ہوتا ہے۔ پانچ سے چھ سال کی عمر کے بچوں کے لیے گھر ہی پہلا مدرسہ ہوتا ہے جہاں بچے والدین سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ چلنا، بولنا، اٹھنے، بیٹھنے کا طریقہ اور ہر طرح کا رویہ اختیار کرنا بچے اپنے والدین سے سیکھتے ہیں۔ والدین کی تو یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے ذمہ دار رؤیہ اختیار کریں گھر کے پر سکون ماحول میں پرورش پائیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک ہی چھت کے نیچے پرورش پانے والے تمام بچے ایک جیسا مزاج اختیار کریں، والدین کے لیے ایسی صورتحال یقینا باعث اطمینان ہوتی ہے کہ اگر ان کے بچے رقابت کی بجائے مل جل کر رہنا

پسند کریں۔تاہم یہاں والدین کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے کیونکہ بچوں میں اعتماد کا رشتہ قائم رکھنا یقینا مشکل ہے لیکن ابتدائی عمر یعنی پانچ سے چھ سال کی عمر سے ہی بچوں کی اخلاقی ذہنی اور تعلیمی تربیت کے ساتھ ساتھ ذمہ دار رویہ اختیار کرنے کی تربیت بھی دی جائے تو کافی فائدہ ہوسکتا ہے۔ یہ بہترین اور نہایت اہم وقت ہوتا ہے۔کیونکہ پانچ چھ سال کی عمر کے بچے زیادہ تر گھر میں والدین کے پاس ہی رہتے ہیں اس لیے اس عر صے میں بچوں کی تربیت کی زمہ داری بھی ساری کی ساری والدین پر ہی ہوتی ہے۔بد قسمتی سے والدین جب بچوں کے سامنے مثبت اور یکساں رویہ نہیں رکھتے تب بچوں کو مثبت اور یکساں رویہ قائم کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔یکساں رویہ اختیار کرنا شائد ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ہر انسان کوایک جیسا عقل وشعور عطا نہیں کیا ہوتا۔تاہم مثبت رویہ اختیار کرنا ممکن ہے،ہم لوگ جھوٹ کی وکالت کرنااپنی عادت بنا چکے ہیں، ہم بچوں کے سامنے سارا دن جھوٹ بولتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں ایک اور بیماری بہت عام ہے کہ ہم چھوٹی عمر کے بچوں کے بارے میں سوچتے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ سکول ومدرسے شروع ہوتا ہے۔یہ بڑی بیماری بھی ہماری ہاں کثرت سے پائی جاتی ہے وہ یہ کہ ہم بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔یعنی بچہ کسی وجہ روپڑے تو اسے چپ کروانے کے لیے مائیں کہتی ہیں،وہ دیکھوں بلی آئی،وہ دیکھو چھپکلی آئی وغیرہ وغیرہ جب کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔دیہاتوں میں زیادہ مائیں یہ بھی کہتی ہیں چپ کرجاؤ نہیں

تو باؤ آ جائے گا۔یعنی ایسی انجانی چیز کا نام جسے وہ خود بھی نہیں جانتی ، جس کا کہیں کوئی وجود تک نہیں ہوتا۔مائیں اس بات سے بے خبر ہوتی ہیں کہ یہ ساری چیزیں بچوں کے شعور میں بیٹھ ان کے وجود کا حصہ بن جاتی ہیں اور سکول و مدرسے میں پڑھانے والے اساتذہ بھی بہت کم بچوں کے شعور سے ان چیزوں کو جُدا کر پاتے ہیں۔راقم کے خیال میں پانچ سے چھ سال کی عمر کے بچوں کی تربیت اگر سچ اور مثبت حکمت عملی کے ذریعے کی جائے تو اساتذہ بھی بچوں کو بہتر انداز میں تعلیم دے سکتے ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچے کو والدین کہتے ہیں چپ کر جاؤ نہیں تو جن یا باؤ آ جائے گا تو اکثر بچے اس بات سے خوفزدہ رہنے لگتے اور اپنے ہی گھر میں ڈرتے رہتے ہیں ، اگر رات کے وقت بجلی بند ہونے کی وجہ سے اندھرا ہو جائے تو بچے بری طرح ڈر کر زور زور سے رونے لگتے ہیں ، اس ڈر کو ہم لاکھ کوشش کے باوجود بھی بچوں کے دل سے نہیں نکال سکتے۔ غور کریں ہماری چھوٹی سی غلطی ہمارے بچوں کو ساری زندگی کے لیے خوفزدہ کر دیتی ہے۔ایسا جھوٹ بول کر روتے ہوئے بچوں کو چپ کروانے سے بہتر نہیں کہ انہیں تھوڑی دیر کے لیے روتا چھوڑ دیا جائے ؟

پیارے بچو عہد کرو

پیارے بچو اسلام و علیکم: اُمید ہے کہ آپ سب نے سالانہ امتحانات میں پاس ہو کر اگلی جماعتوں میں ترقی پا چکے ہوں گے اور نئے سکول بیگ، نئی کتابیں ،کاپیاں اور کلرز ملنے پر بہت خوش ہوں گے۔پیارے بچو اللہ کرے آپ ہمیشہ ہنستے مسکراتے کامیاب زندگی بسر کریں اور بہت سا علم حاصل کر کے اپنا ،اپنے والدین کا نام روشن کرنے کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔بچو ویسے تو آپ سب بہت اچھے اور سمجھدار ہیں لیکن کبھی کبھی میری طرح آپ سے بھی انجانے میں ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ہمیں بڑی پریشانی اور پچھتاوے کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔آج میں آپ کو ایسا ہی ایک واقع سنانے جا رہا ہوں جس میں احمد کی چھوٹی سی غلطی نے اُس کو بہت رلایا۔احمد بہت ہونہار طالب علم ہے اور ہمیشہ پوزیشن لے کر امتحانات میں پاس ہوتا ہے اُس کے بابا غربت کے باوجود ہر وقت اس کی خواہشات پوری کرتے ہیں اور خاص طور پر جب وہ پوزیشن لیتا ہے تو اُس کی ہر چھوٹی بڑی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔اس سال بھی احمد نے چہارم جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل کی تو اُس کے بابا بہت خوش ہوئے اور احمد کو سیر کروانے چڑیا گھر لے گئے ۔جہاں احمد نے پہلی بار زندہ

شیر، چیتا، مور، ہاتھی، زرافہ، ہرن، شتر مرغ، بہت بڑا کچھوا، طوطے، لاما، مگرمچھ، ریچھ، بندر اور بہت سے جانور اور پرندے دیکھے۔ واپسی پر احمد کی نظر غبارے سے بنے بڑے کھلونے پر پڑی جو اُسے بہت پسند آیا، احمد نے بابا سے کھلونا دلوانے کے لئے ضد کی جس پر بابا نے احمد کو سمجھاتے ہوئے کہا احمد بیٹا اس مہینے کی ساری تنخواہ خرچ ہو چکی ہے اب صرف میری دواؤں کیلئے پیسے بچے ہیں آپ تو جانتے ہو اگر آپ کے بابا کو دوائیں وقت پر نہ ملیں تو طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ لیکن اُس دن احمد نے ایک نہ مانی اور وہ کھلونا لے کر ہی دم لیا۔ احمد کے بابا سانس کی کسی بیماری میں مبتلا ہیں جو ہر سال موسم بہار میں شدت اختیار کر جاتی ہے۔ پیسے ختم ہونے کی وجہ سے احمد کے بابا اپنی دوائیں نہ خرید سکے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ دوائیں نہ ملنے اور موسم بہار میں آنے والی شدت نے احمد کے بابا کو ہسپتال پہنچا دیا۔ جب 2 دن تک احمد کے بابا ہسپتال سے گھر نہ آئے تو احمد شدید پریشان ہو گیا اور اُسے بابا کی بہت فکر ہونے لگی۔ اُس نے روتے ہوئے اپنے چاچو سے کہا مجھے بابا کے پاس لے جائیں۔ چاچو، احمد کو اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا کر ہسپتال لے گئے جہاں اُس کے بابا کو ڈاکٹر نے نیند کی دوا پلا رکھی تھی اور وہ گہری نیند میں تھے۔ احمد نے بہت آوازیں دیں لیکن بابا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ڈاکٹر بھی آ گیا احمد نے اپنی جیب سے کچھ روپے نکال کر ڈاکٹر کے آگے کر دیئے اور بولا ڈاکٹر صاحب، میرے سارے پیسے لے لیں اور میرے بابا کو ٹھیک کر دیں۔ ڈاکٹر بولا، یہ پیسے تو بہت کم

ہیں آپکے بابا کا علاج تو بہت زیادہ پیسوں سے ہوگا،احمد بغیر کچھ سوچے سمجھے بولا ڈاکٹر انکل میرے بابا نے مجھے بہت سے قیمتی کھلونے خرید کر دیئے ہیں وہ سب بھی آپ لے لو پر میرے بابا کو جلدی سے ٹھیک کر دو، میرا دل نہیں لگتا اپنے بابا کے بغیر۔ڈاکٹر نہیں بیٹا ہمیں آپ کے پیسوں اور کھلونوں کی ضرورت نہیں ،وہ سب کچھ آپ اپنے، پاس رکھو،ہم نے آپ کے بابا کا علاج شروع کر دیا ہے اور اب وہ بہت بہتر ہیں،شام تک آپ کے بابا کو ہسپتال سے چھٹی مل جائے گی اور وہ آپ کے ساتھ گھر چلے جائیں گے لیکن تم ایک بات کا خیال رکھا کرو اپنے بابا کو دوا وقت پر کھلا دیا کروگے تو پھر آپ کے بابا کی طبیعت خراب نہیں ہوگی۔احمد ڈاکٹر کی بات سن کر گہری سوچ میں چلا گیا۔اُس کے ذہن میں وہ سارا منظر گھوم گیا جب اُس نے بابا سے ضد کرکے کھلونا لیا تھا جبکہ بابا نے بتایا تھا کہ اُن کے پاس صرف دوائیں خریدنے کے لئے پیسے بچے ہیں۔کچھ دیر بعد احمد کے بابا نیند سے جاگ گئے،احمد اپنے بابا کے گلے لگ کر بہت رویا اور بابا سے اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہوئے بولا مجھے پتا چل گیا ہے کہ آپ کی طبیعت میری فضول ضد نے خراب کی ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے میں کبھی کوئی ضد نہیں کروں گا بس آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں مجھے کسی کھلونے کی ضرورت نہیں بس آپ کی ضرورت ہے۔بابا نے احمد کے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا بیٹا آپ کی خوشی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔آپ پڑھو، لکھو اور کامیاب انسان بنو یہی میری زندگی کا خواب ہے۔شام کو احمد کے

بابا کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی ،احمد کی ماما، چاچو اور دیگر رشتہ دار خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔پیارے بچو اس واقع سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں کھلونوں سے زیادہ اپنے والدین کی ضرورت ہوتی ہے اور والدین کو اپنی جان سے زیادہ اپنے بچوں کی خوشیاں عزیز ہوتی ہیں۔آپ کی طرح احمد بھی بہت سمجھدار ہے لیکن انجانے میں اپنے بابا کی بات نہ سمجھ کرنا سمجھی کر بیٹھا۔ اس لئے آؤ پیارے بچو آج سے عہد کرو کہ آئندہ کبھی ماما، بابا سے فضول ضد نہیں کریں گے ۔تاکہ ہماری فضول ضد ہمارے دل و جان سے عزیز والدین کو کسی مصیبت میں گرفتار نہ کر پائے!

فریاد ہے فریاد، رحم عالم پناہ رحم

جہاں پناہ فریادی پہلے بھی کئی مرتبہ زنجیر دربار ہلا کر فریاد سنانے کی کوشش کر چکا ہے لیکن نجانے کیوں میری ہر فریاد بے سود رہی ؟جہاں پناہ! گزشتہ 5 سالہ دور حکومت میں ہمارے پنجاب اسمبلی کے حلقہ PP-159 اور قومی اسمبلی کے حلقہ NA-129 دونوں میں پیپلز پارٹی کے اُمیدوار کامیاب ہوئے اور پنجاب میں حکومت مسلم لیگ (ن) کی بن گئی جس کی وجہ سے کسی نے ان حلقوں کے مکینوں کی فریاد نہ سنی۔خادم اعلیٰ کبھی ہمارے گلی آؤ نا، اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے انتخابی حلقے کا اہم مسئلہ کے عنوان سے اور اس کے علاوہ متعدد بار کچا شہزادہ روڈ کاہنہ نو کی حالت زار کے متعلق فریاد کر چکا ہوں لیکن ہر بار بے اثر رہی میری فریاد۔ تقریبا 2 ماہ قبل کچا شہزادہ روڈ کی تعمیر نو کیلئے 40 لاکھ روپے کے فنڈ جاری ہوئے تو یوں لگا جیسے جہاں پناہ نے فریادی کی فریاد سن لی ہو اور اب سالوں پرانا کیچڑ، کھلے مین ہول، اور کھڈے ختم ہو جائیں گے لیکن ہماری قسمت ایسی کہاں، ٹھیکیدار آیا اور سیوریج کی چلتی ہوئی لائن کے ساتھ ایک نئی پائپ لائن بچھا کر روڈ کو ہموار کئے بغیر رخصت ہو گیا۔اہل علاقہ نے اپنی مدد آپ کے تحت راستے کو ہموار کیا لیکن 40 لاکھ کا فنڈ استعمال ہونے کے بعد روڈ کی حالت بجائے بہتر ہونے کے مزید خراب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بچوں کو سکول لے

جانے والی وین کے مالک نے کچا شہزادہ روڈ سے بچوں کو اُس وقت تک سکول پہنچانے سے انکار کر دیا ہے جب تک روڈ صاف اور ہموار نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ گزشتہ 30 سال سے دیکھ رہا ہوں اس روڈ کی حالت کبھی نہیں سدھری، مطلب یہ کہ اب بچوں کو محلے کے کسی کھوتی سکول میں داخل کروانا پڑے گا یا پھر سوچتے ہیں کسی چائے کے ہوٹل یا پنکچر کی دوکان پر کام سیکھنے بھیج دیا جائے تاکہ کھوتی سکول میں پڑھ کر کھوتے بننے کی بجائے چائے یا پنکچر کا کام سیکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ لیکن کیا کریں والدین ہیں دل کرتا ہے بچے پڑھیں لکھیں اور اپنے مستقبل کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کا مستقبل بھی روشن کریں۔اس لئے آج پھر جہاں پناہ کے دربار میں فریاد پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جو خوش قسمتی سے وزیر اعلیٰ پنجاب بھی ہیں اور ہمارے حلقے PP-159 سے ایم پی اے بھی اور اُس سے بھی بڑی خوش قسمتی یہ کہ اُن کے ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی کی وجہ سے پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ عالم پناہ جان کی امان پانے کے بعد عرض ہے کہ کچا شہزادہ روڈ کی تعمیر نو نہیں ہو سکتی تو کوئی بات نہیں سیوریج کا نظام ٹھیک نہیں ہو سکتا کوئی بات نہیں کم از کم روڈ کو ہموار ضرور کروا دیں، اہل علاقہ اُن کے بچے ،اُن کے تمام رشتہ دار اور خاص طور پر راقم عالم پناہ اور اُن کے بیوی بچوں اور تمام خاندان کو دعائیں دیں گے۔ عالم پناہ ہم عوام ہیں ہمارے حقوق بھی اور فرائض بھی ،فرائض تو حکومت ہم سے لائنوں میں لگوا کر ادا کروا لیتی ہے لیکن عوامی حقوق کا نام لینے پر حکومت کو

جان کے لالے پڑ جاتے ہیں اس لئے حق سمجھ کر نہیں مانگ رہا بلکہ فریاد کر رہا ہوں۔فریاد ہے جہاں پناہ فریاد ہے آپکا دربار سدا یونہی سجا رہے میرے بچوں کے سکول جانے کا راستہ ہموار کروادیں کولا خوش رکھے۔اگر فریادی کی پکار سن کر اُس کے مسئلے کا کوئی حل آپ کے پاس نہیں، تو پھر ایک اور فریاد سن لیں اگر میرے بچوں کیلئے آپ کے دربار میں تعلیم و صحت کیلئے کچھ نہیں تو نا سہی اُن کے سکول جانے کا راستہ ٹھیک نہیں کر سکتے تو خراب بھی نہ کیا کریں۔

مار نہیں پیار

آ ج کے بچے ہمارا آنے والا کل ہیں۔ مستقبل کے معمار ہمارا وقت مانگتے ہیں ، ہماری توجہ مانگتے ہیں ۔اُن کی تعلم وتربیت کرنا ہمارا فرض ہے ۔ والدین اور اساتذہ بچوں کو بیجاڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کرنے کی بجائے ہر وقت اُن کی حوصلہ افزائی اور انس و محبت کے ساتھ پیش آئیں تو یقیناً بچے کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں ۔ والدین کا غلط انداز تربیت اور اساتذہ کا نامناسب طرز تعلیم بچوں کو احساس کمتری کا شکار کردیتا ہے ۔ ہم اکثر جانے انجانے بچوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈانٹتے رہتے ہیں اور کبھی کسی موقع پر بھی اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے ۔ہمیشہ کی ڈانٹ ڈپٹ بچوں کوچڑچڑا اور نالائق بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے ۔بچے تو بچے ہوتے ہیں غلطی بھی کریں تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ پہلے اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُن سے سرزد ہونے والی غلطی کے نتیجہ میں ہونے والے نقصانات کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کریں اور آخر میں غلطی کرنے سے اس انداز میں منع کریں کہ وہ ہم سے خوف زدہ نا ہونے پائیں ۔اگر آپ اپنے بچوں کی بہتر پرورش کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں یا یوں کہہ لیں کہ بات بے بات ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے حوصلہ افزائی کیا کریں اور اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر اُن

کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا کریں اور ہاں ہر وقت نصابی گفتگو بھی بچوں کو تعلیم کا باغی بنادیتی ہے۔بچوں سے ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا کریں جن سے ہمارا روز واسطہ پڑتا رہتا ہے۔بچوں کو سوالات کرنے کا نہ صرف حق دیں بلکہ اُن کے سوالات کے جوابات دینا اپنا فرض سمجھیں اور اگر کسی وقت اُن کے کسی سوال کا جواب نہ آئے تو سچ بولتے ہوئے تسلیم کریں کہ آپ کو اُن کے سوال کا جواب نہیں معلوم ،اور اس بات کا وعدہ کریں کہ اُن کے سوال کا جواب تلاش کرکے بتائیں گے۔بچوں کو ذمہ دار اور کامیاب انسان بنانے کے لئے چھوٹی عمر سے ہی مناسب یعنی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں سونپا کریں اور اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اگر اُنھیں مدد کی ضرورت ہو تو ضرور کیا کریں ،کام مکمل ہونے پر سارا کریڈٹ بچوں کو دیا کریں ،اُن کی پسند کی چیزیں انھیں گفٹ کیا کریں تاکہ اُن کی حوصلہ افزائی ہو۔بچے بہت معصوم ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی سی بات پر خوش اور چھوٹی سے چھوٹی بات ناراض ہوجاتے ہیں لیکن اُن کی نارضگی عارضی ہوتی ہے۔ابھی آج ہی کی بات ہے کہ میں نے اپنے چار سالہ بیٹے کو خوب ڈانٹا وہ مجھ سے ناراض ہوکر روتے روتے سوگیا لیکن جب نیند سے جاگہ تو سب کچھ بھول چکا تھا۔ہمیشہ کی طرح میری گود میں بیٹھا میٹھی میٹھی باتیں کررہا تھا۔اگر ہماری ڈانٹ ڈپٹ لگاتار جاری رہے تو بچو ں کے ذہن میں نقش ہوجاتی ہے اور بچے آہستہ آہستہ والدین سے دور ہوتے جاتے ہیں۔بچوں کو مسلسل جسمانی سزائیں دینا یا ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ احساس کمتری کا شکار کرنے میں

اہم کردار ادا کرتے ہیں ، بچہ ڈرا ،ڈرا سہا رہنے لگتا ہے اور ذہین ہونے کے باوجود نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں سے دور چلا جاتا ہے ۔اُسے سکول اچھا لگتا ہے نا گھر وہ مسلسل چڑچڑے پن کا شکار رہنے لگتا ہے ۔ایسے بچے کسی بھی بات کا جواب مثبت نہیں دیتے ڈر اُن کے اندر تک رچ بس کر اُن کی شخصیت کا حصہ بن جاتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں اپنے بچاؤ کی خاطر جھوٹ کا سہارا لینے لگتے ہیں ۔اکثر ایسے معاملات میں جھوٹ بول کر اپنا کریڈٹ برباد کرلیتے ہیں ۔جس کام کی وجہ سے اُن کی حوصلہ افزائی ہونی ہوتی ہے جھوٹ بول کر اپنے لئے ڈانٹ ڈپٹ کااہتمام کرلیتے ہیں ۔بچے والدین کے یااساتذہ کے سخت رویوں کی وجہ سے سہم جاتے ہیں ، والدین کو مطمن کرنے کی کوشش میں اکثر جھوٹ بول کر وقت پاس کرتے ہیں تاکہ ڈانٹ ڈپٹ نہ ہو جائے ۔اس لئے ہمیں مار نہیں پیار کا فامولا اپنانے کی ضرورت تاکہ ہمارا مستقبل روشن اور کواعتماد ہو

ڈاکو والدین

ڈاکو والدین ،یقیناً والدین کے ساتھ ڈاکو کا لفظ جڑا دیکھ کر سب کو حیرانگی ہوئی ہو گی لیکن یہ آج کی حقیقت ہے کوئی خواب و خیال نہیں۔کچھ دن قبل گلشن اقبال کراچی سے پولیس نے ایسے والدین کو ایک ساتھ گرفتار کیا جو اپنے بچے کا دودھ خریدنے کیلئے ڈکیتی کرنے میں مصروف تھے ۔ڈاکوماں کے مطابق گھر میں بچوں کا دودھ خریدنے کیلئے پیسے نہیں تھے اس لئے ڈکیتی کرنے کی کوشش کی لیکن یہ معاملہ تھوڑا تھوڑا مشکوک بھی ہے کیونکہ پولیس کے مطابق ملزم اریب اور اُس کی بیوی افشاں کے ساتھ 2 لوگ اور بھی تھے جو رکشہ ڈرائیور سے لوٹ مار کر رہے تھے ۔پولیس کے آنے پر ڈاکووالدین کے 2 ساتھی موقع واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔گلشن اقبال کراچی کے ان والدین کی وجہ ڈکیتی مشکوک ہے لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو حالات کچھ اسی طرح کے ہیں ۔والدین بچوں کی پرورش ، تعلیم وتربیت اور صحت کے حصول کے لئے بے ایمانی،فراڈ،دھوکہ دہی،چوری ڈکیتی سمیت اپنے جسم کے اعضاء فروخت کرتے بھی نظر آتے ہیں،کچھ ایسے واقعات بھی نظر سے گزر چکے ہیں جن میں والد یا والدہ نے بھوک و غربت سے تنگ آکر اپنے بچوں کو قتل کرنے کے بعد خود موت کے حوالے کردیا۔میرے نزدیک اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ والدین اپنے بچوں کی پرورش کے لئے ڈاکو بھی بن سکتے ہیں،اپنی جان دے سکتے ہیں اور

دوسرے کی جان لے بھی سکتے ہیں۔لیکن افسوس کہ وہی بچے جوان ہو کر اپنے والدین کی عزت کرنا چھوڑ دیتے ہیں ۔چند روپوں کی خاطر اپنے بوڑھے والدین کا علاج نہیں کرواتے ۔اپنے بچوں کو تو بہترین غذائیں کھلانے کی کوشش کرتے ہیں اُن کو سیر و تفریح کیلئے مختلف مقامات پر لے جاتے ہیں لیکن جن والدین نے اپنی جوانی اُن کی پرورش میں صرف کردی اُن کو اپنے اولاد کے کھانے کے بعد بچنے والا کھانا دیتے ہیں،اپنی مصروف زندگی کے چند منٹ بھی اپنے والدین کیلئے نہیں نکال پاتے ہیں اور کچھ لوگ تو اپنے بوڑھے والدین کو گھر تک سے نکال دیتے ہیں ۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا اور تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرواور ماں باپ” کے ساتھ بھلائی کرتے رہو،اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنااور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنااور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہواور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پرودگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی ان پر رحمت فرما (سورۂ بنی اسرائیل) والدین کو جب اُمید ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اولاد جیسی نعمت سے نوازنے والا ہے تو وہ اپنی جائز و ناجائز خواہشات کو ترک کرکے اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنی اولاد کی بہتر پرورش کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں ۔خالق کائنات کے بعد انسان پر والدین کا احسان سب سے زیادہ ہوتا ہے ۔والدین اولاد کی پیدائش سے پرورش تک بڑی مشکلات سے گزرتے ہیں۔ایسی مشکلات جن کا اس وقت اولاد تصور بھی

نہیں کر سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کا بھی حکم دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی'' والدین جتنی مشکلات اپنی اولاد کے لیے اُٹھاتے ہیں۔ اس کے صلے میں انسان کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت کرے اس طرح انسان صرف والدین کی خدمت ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) اور اس کے رسول سرکار دو عالم حضرت محمدؐ کے احکامات پر عمل بھی کرتا ہے جو یقیناانسان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔ارشاد نبوی ہے کہ ''وہ شخص ذلیل ہوا جس نے والدین کا بڑھاپا پایا اور دونوں (یا ان میں سے ایک جو بھی زندہ ہو) کی خدمت کرکے جنت میں نہ پہنچ جائے۔کتنا خوبصورت فرمان ہے میرے اور آپ کے حقیقی رہنماء کا اور کس قدر افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے والدین کی خدمت کرنا۔اگر دیکھا جائے تو انسان اپنے والدین کے بے پناہ احسانات کا بدلہ ہی نہیں چکا سکتا چاہے ساری زندگی ان کی خدمت میں گزار دے اور اس پر جنت کے انعام کا وعدہ، کیا یہ ایک اور احسان نہیں میرے اور آپ کے خالق کا؟ ہوسکتا آج ہم جن بچوں کی پرورش کیلئے چوری،ڈکیتی اور جسم فروشی کی حد تک چلے جاتے ہیں کل جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے تو ہماری طرح ہمارے بچے بھی اپنے والدین (ہمیں) گھر سے نکال دیں۔ کسی نے کہا ہے کہ جیسا کرنا ویسا بھرنا، جیسا سلوک ہم اپنے والدین کے ساتھ کریں گے کل ویسا یا اُس سے بھی خراب ہمارے بچے ہمارے ساتھ کریں گے۔اگر ہم اپنے والدین کے ساتھ

بھلائی کرتے ہیں تو اصل میں ہم اپنے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔اللہ تعالی ہمیں اپنے والدین اور تمام بزرگوں کی عزت اور اُن سے محبت کے ساتھ پیش آنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

کیا صحافت جرم ہے؟

بیرون ملک سے شائع ہونیوالے ایک اخبار میں صحافیوں کے متعلق پاکستان کے خطر ناک ہونے کے بارے میں ایک رپورٹ میری آنکھوں کے سامنے تھی کہ بریکنگ نیوز چل پڑی کہ کراچی ایئرپورٹ پر حامد میر کی گاڑی پر فائرنگ ،حامد میر شدید زخمی حالت میں ہسپتال منتقل ۔ابھی کچھ دن قبل ایک خبر یہ ملی تھی کہ حکومت صحافیوں کو اپنی حفاظت کیلئے چھوٹے ہتھیار رکھنے کی اجازت دینے پر غور کررہی ہے ۔وزارت اطلاعات و نشریات نے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کو بتایا کہ صحافیوں اور صحافتی کارکنوں کے لئے تمام صوبوں میں خصوصی ہاٹ لائنوں کے قیام پر اگلے ہفتے سے کام شروع ہوجائے گا۔ کمیٹی میں صحافیوں کو ذاتی تحفظ کیلئے ہلکے ہتھیار رکھنے کی اجازت دینے پر غور کرنے کا بھی کہاگیا۔ہاٹ لائنوں پر صحافی اور صحافتی کارکن کسی بھی خطرے کی صورت میں فوری طورپر فون کرکے اطلاع دے سکیں گے قائمہ کمیٹی کی چیئرپرسن ماروی میمن کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں تمام صوبوں کے آئی جیز کو ہدایت کی گئی کہ وہ خصوصی ہاٹ لائنوں کے قیام کے لئے فوری اقدامات کرکے کمیٹی کا آگاہ کریں ۔اس بات سے تو ہم اچھی طرح باخبر ہیں کے پاکستان میں خبر دینے والے صحافی اکثر خود خبر بنے رہتے ہیں ۔ کبھی کسی صحافی کو اغوا کیا جاتا ہے

کبھی تشدد کیا جاتا ہے اور کبھی جان سے مار دیا جاتا ہے۔ صحافت ریاست کا اہم ستون، سمجھا جاتا ہے اور جب صحافی خود خبر بن جائے تو ریاست کیلئے فکر اور شرم کا مقام ہوتا ہے۔ صحافیوں کی عالمی تنظیم کمیٹی ٹو پروٹیکٹ جرنلسٹس کی ایک رپورٹ میں پاکستان کو دنیا میں صحافیوں کیلئے بدترین ملک قرار دیا گیا۔جہاں صحافیوں کو کسی قانونی گرفت کے خطرے سے بالاتر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی میں بیس صحافیوں کو قتل کر دیا گیا لیکن آج تک کسی کے قاتل کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا گیا۔ تین سال پر محیط ایک طویل قانونی جنگ، گواہوں اور تفتیشی افسروں کے قتل کے باوجود جیو نیوز کے صحافی ولی بابر کے مقدمہ قتل کا فیصلہ تو ہو گیا لیکن ان کے قاتل جن کو موت کی سزائیں سنائی گئی ہیں سو آج تک مفرور ہیں جن کے خوف سے ولی بابر کے گھر والے بھی روپوش ہیں اور اب ایک بار پھر جیو نیوز کے حامد میر پر قاتلانہ حملہ ہو گیا۔ کوئی وزیر کسی فوجی آمر کے کردار پر تنقید کرے تو قیامت برپا ہو جاتی ہے جبکہ نہ تو کسی کا قتل ہوتا اور نہ ہی کسی پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ عدلیہ کے متعلق بولا جانے والا لفظ شرم بھی توہین عدالت بن جاتا ہے لیکن صحافیوں اور عوام کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ پاکستان کے بڑے شہروں کی سڑکیں خون رنگ ہیں لیکن کہیں کوئی قیامت نہیں آتی۔ کیا صحافیوں اور عوام کو اس ملک میں جینے کا کوئی حق نہیں ؟ گستاخی معاف کیا یہ ملک صرف ججوں، سیاست دانوں اور فوجیوں کا ہے ؟ حکمرانوں، ججوں اور فوجیوں کو ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی

مراعات ملتی ہیں لیکن صحافیوں کو تمام خدمات صلہ کفن دیا جاتا ہے کیا ریاست کے اہم ستون کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیئے ؟جدوجہد آزادی پاکستان میں جتنی کسی سیاست دان یا جج کی خدمات ہیں اُتنی یا اُس سے زیادہ صحافت نے بھی خدمات انجام دیں ہیں قیام پاکستان سے قبل روزنامہ نوائے وقت، ڈان ،زمیندار سمیت دیگر صحافتی اداروں، نے برصغیر کے مسلمانوں اور پاکستان کی حمائت بھرپور آواز میں کی ، لیکن پاکستان آج تک صحافیوں کیلئے خطرناک ہے ایسا کیوں؟جبکہ دیگر لوگ موج مستی میں ہیں.کیا میرے وطن میں صحافت ہی سب سے بڑا جرم ہے؟

ہر پیر جعلی نہیں ہوتا

تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کے ولی ہمیشہ سے انسانیت کی خدمت کرتے آئے ہیں اور ولیوں کے ڈیرے سدا سے آباد ہیں ان ڈیروں پر لاکھوں مرید روزانہ حاضری دیتے اور اپنی مرادیں پاتے نظر آتے ہیں مرید اپنے پیر کو ملنے کی غرض سے سینکڑوں میل کا سفر طے کرتے ہیں اور پھر ڈیرے پر پہنچ کر بھی گھنٹوں اپنی باری کا انتظار خوشی سے کرتے ہیں غیر مذہب لوگ آج تک حیران ہیں کہ جب سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ انسان چاند تک پہنچ گیا ہے سمندروں کی گہرائیوں میں اتر چکا اور میڈکل میں اتنی زیادہ ترقی کی کہ آج ڈاکٹر انسان کا مصنوعی دل تک لگا دیتے ہیں اس کے مقابلے میں پیروں کے پاس نا تو جدید مشینیں ہیں اور نا ہی کسی میڈیکل کالج کی ڈگری ہر باشعور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ پھر کیوں یہ لوگ پیر خانوں پہ علاج کی غرض سے جمع رہتے ہیں۔ اور پیر کس طرح روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے علاج کرتے ہیں میں یہی بات سمجھنے کی غرض سے پیر سید زاہد حسین بخاری المشہور جھوٹلاں والے پیر کے آستانے پر چلا گیا۔ وہاں موجود سجادہ نشین پیر سید مجاہد حسین بخاری گولڑوی مریدین کے ہجوم میں گم تھے۔ زیادہ لوگوں کی موجودگی میں میں اُن سے کوئی بات نا کر سکا رات گئے جب پیر صاحب کے سارے مرید چلے گے تو میں

نے ہمت کرکے پیر صاحب سے پوچھا کہ وہ کس طرح لوگوں کا علاج کرتے ہیں وہ مسکراتے ہوئے بولے ہم کچھ بھی نہیں کرتے ہر بیماری کی شفا صرف اور صرف خدا کے پاس ہے جب چاہے جسے چاہے عطا کرتا ہے ہم تو بس سب کی بات سنتے ہیں انسان جب اپنے رب سے دور ہو جاتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے اور پریشانی سب سے بڑی بیماری ہے اس حالت میں جب انسان خدا کو نہیں پکارتا تو کسی غیر سے بھی اپنے دل کی بات نہیں کرپاتا۔وہ بات جو اپنے والدین بہن بھائیوں اور دوستوں سے نہیں کرپاتا یہاں تک کے خود سے بھی نہیں تو بے بس ہو کر ہمارے پاس آجاتا ہے اور ساری بات کہہ دیتا ہے ہم اس کی ساری بات سن کے اس کے دکھ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑی محبت سے تسلی دیتے ہیں ہم کہتے ہیں اللہ خیر کرے گا ہم بھی دعا کریں گے اور تم بھی نماز پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔وہی دکھ درد۔ دور کرنے اور شفا دینے والا ہے پیر صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ اُن کے پاس کچھ لوگ آئے انھوں نے حال ہی میں اپنے بیٹے کی شادی کی تھی اور بہو کی وجہ سے بڑے پریشان تھے ان کی بہو سب کو گالیاں دیتی

اور جو بھی چیز ہاتھ میں آتی کسی کو بھی مار دیتی سارے گھر والے زخمی ہو چکے تھے ان کا خیال تھا کہ لڑکی میں کوئی سایہ ہے ہم نے انھیں یہ کہہ کر گھر بھیج دیا کے ہم خود ان کے گھر آکر دیکھیں گے کچھ دن بعد ہم ان گھر گئے اور دیکھا وہ لوگ انتہائی گندگی میں رہ رہے تھے مگر ان کی بہو کسی صاف ستھرے خاندان کی لگتی تھی سو ہم نے سب کو کچھ فاصلے پر رہنے کو کہا اور لڑکی سے اکیلے میں پوچھا کے بیٹی

آپکا مسئلہ کیا ہے تو اس نے بتایا یہ لوگ مجھے گو‌ر اٹھانے کو کہتے ہیں جس سے میرے ہاتھوں میں خارش پڑ جاتی ہے اور مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے سو اس بات سے بچنے کے لیے میں ایسا کرتی ہوں اور کوئی بات نہیں ہے لڑکی کی یہ بات سن کر ساری بات ہماری سمجھ میں آ گئی ہم نے اس کی ساس کو بتایا کے تو بڑی مقدر والی ہے تیری بہو اللہ کی نیک روح ہے اس کا خیال کیا کر اور اسے گندگی سے دور رکھا کر خیر ہو جائے گی یہ کہہ کے ہم واپس آ گئے کچھ دنوں بعد وہ لوگ بڑے بڑے برتنوں میں دودھ اور ڈھیر ساری مٹھائی لے کر آستانے پر آئے اور بتایا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے آج اس بات کو تقریبا10 سال ہو گئے آج تک سارا معاملا ٹھیک ہے ۔پیر مرید کی بات سنتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا بس ، پیر سید مجاہد حسین بخاری کی یہ باتیں سن کر میں پوری طرح مطمین نا ہو سکا اور میں نے فیصلہ کیا کچھ اور ڈیرے دیکھنے کا اور نکل پڑا مگر میں حیران رہ گیا یہ دیکھ کر کہ جعلی پیروں نے دنیا کو پاگل بنا رکھا ہے دنیاوی شہرت اور دولت کمانے کے لیے ہر حد سے گزر جاتے ہیں یہ لوگ

کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ

لوگوں نے مجھے لقب تو لجپال دیا
مگر حیرت میں مریدوں نے مجھے ڈال دیا
ایک پیسہ نہ کیا پیش نذرانے میں
کمبخت نے ہاتھ چوم کر ٹال دیا

چلاک مرید

میں پیر کا عاشق ہوں قسم دیتا ہوں
دل و جان پیر کیلئے ہر قدم دیتا ہوں
ثابت ہو کہ میرا پیر لالچی نہیں
نذرانہ اس لئے کم دیتا ہوں

لیکن اکثر سادہ دل مرید جعلی پیروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ گھر سے اپنے دکھ درد سنانے جاتے ہیں اور پیر صاحب کا دھیان مریدوں کی جیب اور عزت پر ہوتا ہے۔ پیر کو کوئی غرض نہیں کے مرید حلال کماتا یا حرام مرید چاہے اپنی بیٹی کا جہیز بیچ کر پیر صاحب کو نذرانہ دے وہ قبول کرتے ہیں اور جلال میں آ کر مرید سے کہتے ہیں تیرے اپنے ہی تیرے دشمن ہیں پر تو فکر نہ کر اور ایک کالے بکرے کا انتظام کر باقی ہم خود سنبھال لیں گے اب مرید بیچارہ اپنی پریشانی کم کرنے آیا تھا ساری جمع پونجی بھی گئی اور ایک نئی پریشانی بھی مل گئی کے اپنے ہی دشمن نکلے ، ان جعلی پیروں نے اصل پیر خانوں کو اس قدر بدنام کردیا ہے کے آج سچے رہنماؤں کی پہچان ہی گم ہوتی جا رہی ہے۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلی پیر کی پہچان کیسے کی جائے میرے خیال میں آج ضرورت اس امر کی ہے کے ہم خدا کے ولیوں کو ان کے کردار سے پہچان لیں بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ تو دنیاوی شہرت کی کوئی ضرورت ہے اور نہ مریدوں کے نذرانوں کی اور اللہ

کے ولیوں کی زندگی کا ہر ایک پہلو شریعت کے عین مطابق ہوتا ہے وہ نہ صرف دوسروں
کو ایسے کاموں سے روکتے ہیں بلکہ خود بھی ایسا کوئی کام نہیں کرتے جو شریعت کے منافی
ہو۔اللہ کے ولی آج بھی انسانیت کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔میں آج اس نتیجے
پر پہنچا ہوں کہ بہت سے بے روزگار افراد روٹی کمانے کے لئے پیر کا روپ دھارے
عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں مگر ہر پیر جعلی نہیں ہوتا۔

یکم مئی، ایک دن مزدوروں کے نام

یکم مئی مزدوروں کا عالمی دن ۔جس دور میں مزدور کی اجرت سے زیادہ بھکاری کمائیں اُس دور میں مزدور ڈے منانے کا کوئی جواز نہیں بنتا لیکن پھر اپنے مزدور بھائیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنے کی خاطر قلم اُٹھائے کاغذ کے کچھ ورق سیاح کرنے چلا ہوں ۔ویسے تو مزدور کو میری اور آپ کی یکجہتی کی کم اور مہنگائی بھرے دور میں اجرت (وسائل) میں اضافہ کی زیادہ ضرورت ہے۔جس طرح امیر یعنی حکمران طبقہ اچھی غذا کے ساتھ اپنے بچوں کیلئے صحت و تعلیم کی سہولیات کا حق رکھتا ہے میری نظر میں مزدور کو اُس سے زیادہ حق حاصل ہونا چاہئے لیکن یہاں حق دیتا کون ہے؟مزدورڈے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یکم مئی کو منانے کی شروعات بھی اور بہت سے عالمی دنوں کی طرح امریکہ سے ہی ہوئی تھی جب 1884ء آج سے تقریبا 129 سال پہلے امریکہ کے صنعتی شہر شکاگو میں مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ ان کے اوقات کار 16 گھنٹے سے کم کرکے 8 گھنٹے کیے جائیں تو امریکن انتظامیہ نے مزدوروں کا یہ مطالبہ برے طریقے سے رد کر دیا جس کے بعد مزدوروں نے احتجاج کا فیصلہ کیا دو سال تک یہ معاملہ انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان جاری رہا۔1886ء تک مزدوروں کی احتجاجی تحریک زور پکڑ گئی 3 مئی کو مزدوروں نے اپنے مطالبات کے حق میں ایک

پرامن ریلی نکالی جس میں مزدوروں نے سفید پرچم اٹھا رکھے تھے جن کو امن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔مزدوروں کی اس پرامن ریلی پر مقامی پولیس نے گولیاں برسا دیں جس کے نتیجہ میں چار مزدور ہلاک ہوگئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے۔اس واقعے کے بعد پولیس نے یہ موقف اختیار کیا کہ مظاہرین کی طرف سے ایک دستی بم پھینکا گیا تھا جس کے نتیجہ میں ایک پولیس اہلکار ہلاک ہوگیا۔پولیس اہلکار کے قتل کا مقدمہ بنا کر آٹھ مزدور رہنماؤں کو پھانسی کی سزا سنادی گئی۔ جن میں سے چار کو 11 نومبر 1887ء کو پھانسی دے دی گئی اور ایک نے جیل میں خودکشی کرلی جب کہ باقی تین کو معافی دے کر رہا کردیا گیا۔تب سے یکم مئی کا دن آج تک دنیا بھر میں مزدوروں کی اس عظیم قربانی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ پچھلی ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے ہمیں یہ دن مناتے ہوئے۔ہم ہر سالہ یکم مئی کے دن مزدوروں سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔لیکن اس کے باجود مزدور آج بھی سولہ گھنٹوں سے زیادہ کام کرتا ہے۔لیکن پھر بھی مزدور کے گھر میں دو وقت کی روٹی مشکل سے ہی پکتی ہے۔اکثر مزدور اپنے گھر کے معالات چلانے کے اپنا خون اور گردے بیچتے ہیں۔اور جب اتنے سے بھی بات نہ بنے تو اپنے بچوں کو بھی فروخت کرتے نظر آتے ہیں اور اگر پھر بھی کام نہ چلے تو مزدور کے پاس ایک ہی راستہ بچتا ہے جی ہاں خودکشی کا راستہ۔اس پر لمحہ فکریہ کہ میرے وطن کا مزدور تو دو وقت کی روٹی کی خاطر اپنا خون، گردہ اور بچے تک بیچنے پر مجبور ہے۔لیکن حکمرانوں

کو دنیا کی سب سہولتیں دستیاب ہیں وہ بھی سرکاری خرچے پر یعنی عوام کی خون پسینے کی کمائی پر پلتے ہیں حکمران ۔کتنے مزے کی بات ہے کہ جب سے پاکستان آزاد ہوا ہے تب سے لے کر آج تک پاکستان اور پاکستانی عوام پر تو قرض بڑھتا رہا ہے ۔لیکن محب وطن اور قربانیاں دینے والے حکمران طبقے کے اثاثہ جات لگاتار بڑھتے ہی جارہے ہیں ۔غریب مزدور کے گھرمیں دو وقت کا کھانا دستیاب نہیں اور حکمران دنیا کے مہنگے ترین ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں ،مزدور غریب خون اور گردے بیچ کر راشن خریدتا ہے اور حکمران دنیا کے مہنگے ترین ہسپتالوں میں علاج کرواتے ہیں ۔مزدور غریب زندہ رہنے کی کوشش میں اپنے بچے فروخت کرنے پر مجبور ہے اور حکمرانوں کے بچے دنیا کے مہنگے ترین سکولوں اور کالجوں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔مزدور غریب فٹ پاتھ پر سوتا ہے اور حکمران ذاتی محلات ہونے کے باوجود سرکاری خرچے پر دنیا کے مہنگے ترین ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں ۔کچھ اور مہنگی ترین چیزوں کا ذکر کرنے سے پہلے میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ کیا پاکستان کا مزدور طبقہ یہ بات جانتا ہے کہ سرکاری خرچ کیا ہوتا ہے اور سرکار کیا ہوتی ہے ۔مجھے نہیں لگتا ہم پاکستانی عوام اس بات سے واقف ہیں ۔کیونکہ اگر ہم اس بات سے واقف ہوتے تو حکمرانوں کا پیٹ پھاڑ کر اپنا حق نکال لیتے ۔میرے نزدیک سرکار ملکیت ہے پاکستان کے 18 کروڑ عوام کی اور سرکاری خزانہ ہے سرکار کا یعنی عوام کا جس کو لوٹ کر حکمران عیاشیاں کرتے ہیں ۔دنیا کی مہنگی ترین گاڑیاں حکمرانوں کے

زیر استعمال ہیں اور عوام کو ایک سے دوسری جگہ سفر کرنے کے لئے گھنٹوں سڑک پر گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔غریب پاکستان کے امیر حکمرانوں کی عیاشیاں تو گنی ہی نہیں جاسکتیں لیکن سب سے زیادہ شرم کی بات یہ ہے کہ 18 کروڑ عوام تو ترستی ہے صاف پانی پینے کو اور (اسلامی جمہوریہ پاکستان) کے حکمران دنیا کی مہنگی ترین شراب پیتے ہیں ۔لیکن پھر بھی ہر سال یکم مئی کے دن یوم مزدور ضرور مناتے ہیں ۔ہر سال یکم مئی کے دن حکمران بڑے ،بڑے سیمناروں میں بڑی ،بڑی تقریریں اور شوشے چھوڑتے ہیں لیکن عملاجو کچھ کرتے ہیں اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں ۔مجھے لگتا ہے کہ مزدوروں کو اپنے حقوق کے لیے ایک بار پھر میدان میں آنا پڑیگا۔بہت ظالم ہیں یہ لوگ مانگنے سے کبھی بھی مزدور کا حق نہیں دینے والے مزدور کو اپنا حق چھیننا ہی پڑھے گا۔معاف کرنا میرے دیس کے عظیم حکمرانوں جذبات کچھ زیادہ اظہار یکجہتی کرگیا ۔مزدوروں کے ساتھ لیکن آپ لوگ پریشان نہ ہوں ابھی ایسا کچھ ہوتا نظر نہیں آتا

آخر رحم کرے گا کون؟

امریکی تھنک ٹینک نے قابل رحم ملکوں کی فہرست جاری کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا ہے کہ عوام کی اُداسی اور پریشانی کی وجہ بے روزگاری، غربت جیسے مسائل ہیں۔فہرست کے مطابق ایران اور وینزویلا انتہائی قابل رحم ملک ہیں،جاپان کا نمبر اس فہرست میں سب سے آخر میں درج کیا گیا۔پاکستان اور بنگلہ دیش بھی قابل رحم ممالک کی لسٹ میں شامل ہیں۔ڈیلی میل کی ایک رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیش میں 14 سال سے کم عمر کے 74 لاکھ بچے جبری مشقت کرنے پر مجبور ہیں،ان میں 5 سال کی عمر کے بچے بھی شامل ہیں،ان بچوں کو اجرت اتنی کم ملتی ہے کہ مشکل سے ایک وقت کا کھانا کھا پاتے ہیں۔اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر ایک تجزیہ نگار نے قاری کے سامنے یہ سوال رکھا ہے کہ یہ رپورٹ دیکھ کر دل میں درد محسوس ہوا کہ نہیں ؟اگر نہیں ہوا تو یقین کریں آپ کا نام اُداس لوگوں کی لسٹ میں شامل نہیں ہے۔بالکل درست اگر معصوم بچوں سے جبری مشقت لینے کے بعد بھی اتنی اجرت دی جائے کہ کم از کم 2 وقت پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ کھا سکیں تو انتہائی دردناک حالات ہیں لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کسی کے گھر میں بچوں کے کھانے کیلئے رزق تو موجود ہو لیکن اُس کا 5 سال سے بھی کم عمر بچہ کھلے مین ہول نگل گئے ہوں،ایسا بھی تو ممکن ہے کہ گھر سے

مزدوری کرنے گیا بچہ بوری بند لاش کی صورت گھر لوٹا ہو۔ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوکری نہ ملنے پر دل برداشتہ ہو کر زہریلی گولیاں کھا کر خودکشی کر چکا ہو، یہ بھی تو ممکن ہے کسی ماں کا صحافی بچہ سچ کی خاطر کسی جاگیردار وڈیرے یا حکمران کے سامنے ڈٹ کر ماں کی گود ویران کر گیا ہو۔ایسا بھی تو ممکن ہے کہ، کسی کی خوبصورت، خوبصیرت اور پڑھی لکھی بیٹی جہیز نہ ہونے کی وجہ سے دہلیز پر بوڑھی ہو گئی ہو۔کوئی بتائے کہ ایسے والدین امریکی تھنک ٹینک یا برطانوی اخبار کی رپورٹ میں کم عمر بچوں کو جبری مشقت کرتا دیکھ کر دل میں درد محسوس نہیں کرتے تو کیا وہ اُداس نہیں ہیں؟ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

امریکی تھنک ٹینک کی رپورٹ کے مطابق لوگ بے روزگاری اور غربت کی وجہ سے اُداس رہتے ہیں۔یہ بات کافی حد تک درست بھی ہے کہ انسان کو زندگی بسر کرنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف اچھا روزگار فراہم کرتی ہے۔مسلسل بے روزگاری انسان کو انتہائی قدم اُٹھانے پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔حالیہ دنوں ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ ملک بھر میں صرف ایک ماہ کے دوران 114 کے قریب خواتین سمیت 319 کے قریب افراد نے بے روزگاری اور گھریلو حالات سے تنگ آ کر

خود کشی کرنے کی کوشش کی جن میں سے 106 افراد کو فوری طبّی امداد دے کر بچالیا گیا۔ ایک اور رپورٹ میری نظر سے گزری جس کو پڑھنے کے بعد آپکو محسوس ہوگا کہ انسان کو اُداس اور پریشان کرنے والی بے روزگاری اور غربت کو پیدا کرنے میں بے حسی کارفرما ہے۔ اقوام متحدہ کی تازہ ترین رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں 4 کروڑ افراد بھوکے سوتے ہیں اور ہر سال ایک ارب تیس کروڑ ٹن خوراک ضائع کی جاتی ہے۔ قارئین محترم اب ذرہ غور کریں بے روزگاری اور غربت اپنی جگہ لیکن اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے رزق کی کمی نہیں رکھی۔ یہ معاشرتی بے حسی جو رزق انسانوں میں انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے کی بجائے کچرے کے ڈھیر پر پھینکنا زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ حاکم پنجاب کا کہنا ہے کہ عوامی خدمت میں خیانت کرنے والوں کا اُن سے برا کوئی دشمن نہیں۔ قدرت خُدا کی دیکھیں جس دن وہ یہ بیان داغتے ہیں اُسی روز پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں 2 معصوم بچوں کو کھلے مین ہول نگل جاتے ہیں۔ عوامی خدمت میں خیانت تو ایک طرف عوام کے قتل ہونے پر بھی ذمہ داران کے خلاف کسی قسم کی کوئی قانونی کارروائی ہوئی نہ ہونے کا امکان ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حاکم وقت کس چیز کو عوامی خدمت کہتے ہیں؟

بجلی نہ پانی ہر طرف مہنگائی کی من مانی
ایمان دار ہاتھوں میں ہے حکمرانی
بہار کا موسم اور چاروں طرف ویرانی

واہ کیا خوب کی مالی گلستاں کی نگہبانی
پہلے تیر لگا پھر شیر کھانے آگیا شکار
وہی عوام ،وہی حکومت جانی پہچانی

چلتے چلتے ایک اور بات آپ کی خدمت میں پیش کرتا چلوں ۔امریکی محکمہ دفاع کی طرف سے حال ہی میں جاری ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف مناسب اقدامات نہیں کررہا۔رپورٹ میں پاکستان پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ فاٹا اور بلوچستان کے مدارس افغانستان اور بھارت پر دہشت گردانہ حملوں کا سبب ہیں۔بھارت اور افغانستان میں ہونے والی دہشت گردانہ کارروائیوں کی ذمہ داری پاکستان پر بالواسطہ طورپر ڈالتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغان طالبان اور حقانی نیٹ ورک کی پاکستان میں محفوظ پناہ گاہیں موجود ہیں۔ایسی رپورٹس کے منظر عام پر آنے کے بعد تک عوام اُداس اور پریشان رہتے ہیں کہ اگر تمام دہشت گرد پاکستان میں پناہ لیتے ہیں تو پھر پاکستان میں پھیلی دہشتگردی کا ذمہ دار کون ہے؟کوئی بے وقوف تو نہیں کہ اپنی ہی پناہ گاہ کو غیر محفوظ بنانے کی کوشش کرے؟پاکستانی عوام کے اُداس اور پریشان رہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم دہشتگردی کیخلاف جنگ میں امریکہ سمیت پوری دنیاکے اتحادی بھی ہیں اور دہشتگردی میں ملوث عناصر کو پناہ بھی دیتے ہیں َہماری اصلیت کیاہے؟امریکی محکمہ دفاع کو الزام عائد

کرتے وقت یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ دہشتگردی کے خلاف جاری جنگ میں سب سے زیادہ معاشی ،اقتصادی اور جانی قربانیاں پاکستان کے حصے میں آتی ہیں ۔اگر پاکستانی دہشتگرد ہوتے تو پاکستان کو دہشتگردی کے خلاف جنگ میں کودنے کی کیا ضرورت تھی؟ بھارت،افغانستان اور پاکستان سمیت کئی ملکوں اور قوموں کو آپس میں اُلجھا کر اپنے مفادات حاصل کرنے والوں کا تھنک ٹینک کہتا ہے کہ پاکستانی عوام اُداس رہتے ہیں؟ مہنگائی،بدامنی،ناانصافی،بے روزگاری،غربت،کرپشن،بدعنوانی،اور الزامات کی دلدل میں پھنسے عوام اُداس نہ ہوں تو کیا کریں؟ایک اور سوال امریکی تھنک ٹینک نے یہ تو بتادیا ہے کون سے ملک کے عوام کس حدتک قابل رحم ہیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ آخر رحم کرے گا کون ؟

ماں کا عالمی دن

8 مئی ماں کا عالمی (مدرڈے) دن ساری دنیا میں منایا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انسان کی ہر سانس ماں، باپ کی مقروض ہے لیکن 8 مئی کے دن پوری دنیا میں ایک ساتھ یہ دن منا کر اُن لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑا جاتا ہے جو بد قسمتی سے والدین کی فرمابردای نہیں کرتے یا یوں کہہ لیں کہ جنہیں ماں، باپ جیسی عظیم ہستیوں کی قدر و قمیت کا ادراک نہیں اُن کو پیغام دینے کیلئے اس دن کو منانا چاہئے ۔ ماں جیسی عظیم کی تعریف کرنے کے لیے علم کا سمندر بھی کم پڑ جاتا ہے۔ اگر میں یوں کہوں تو بہتر ہوگا۔ کہ ماں وہ واحد رشتہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے محبت کی مثال دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو 70 ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ اس فرمان سے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے بعد ماں اپنے بچوں سے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو والدین کی خاص طور پر ماں کی اطاعت ،فرمابرداری اور خدمت کا درس دیتے نہیں دیکھا جیسا سید عرفان احمد شاہ صاحب کو دیکھا۔ ایک روزنامہ میں محمد رضا ایڈوکیٹ صاحب کا مضمون (سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست) پڑھنے کے بعد آستانہ پر حاضر ہو کر شاہ صاحب کے نورانی چہرے کی زیارت کی اور بہت کچھ سمجھنے اور سیکھنے کی کوشش کی ۔ خاص

طور پر والدین سے محبت اور سود سے نفرت کا درس دل میں اُتر گیا۔زندگی نے ساتھ دیا تو سود کے موضوع پر بھی بات کروں گا۔ماں کے عالمی دن کے موقع پر آج میں بات کروں گا ماں جیسی عظیم ہستی کے متعلق۔ایک مسلمان معاشرے میں ماں کی گود کو انسان کی پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ماں جس کے وجود کو خالق کائنات نے نئی زندگی کو تخلیق کرنے کے لیے چنا۔انسانی ماں نو ماہ تک بچے کو اپنے وجود میں پالنے کے بعد ایک جان لیوا مرحلے سے گزر کر خالق کائنات کی تخلیق کو پورا کرتی ہے۔جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اپنے لیے کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔نہ کھانے پینے کا ہوش۔نہ سردی گرمی کی پہچان۔یہاں تک کہ بچے کا باتھ روم بھی ماں کی گود ہی ہوتا ہے۔وہ ماں ہی ہے جو بغیر کسی لالچ کے بے لوث جذبے کے تحت ساری ساری رات جاگ کر اپنی صحت کا خیال کئے بغیر بچے کی صحت کا خیال رکھتی ہے اور، خوشی محسوس کرتی ہے۔اسی لیے مسلمان معاشرے میں ماں کو بڑا مقام حاصل ہے۔ہمارے ہاں اکثر گاڑیوں کے شیشوں اور عمارتوں پہ تحریر لکھی ہوتی ہے۔یہ سب میری ماں کی دعا ہے۔ماں کی دُعا جنت کی ہوا یہ جملے ہم بڑے فخر سے لکھتے ہیں اس میں نہ تو کوئی دباؤ ہوتا اور نہ ہی کوئی سیاسی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ماں اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی ہے۔اور بے پناہ محبت میں یہ بھول جاتی ہے کے اولاد کو دنیا میں سب جگہ ماں نہیں ملے گی۔ماں اپنے بچے کو جتنی شفقت سے دیکھتی دنیا میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جس میں اتنی شفقت ہو۔اسی لیے جب بچہ گھر سے باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے

تو پہلی منزل سکول یا مدرسہ ہوتی ہے جہاں وہ اپنی ماں کو ہر چہرے میں تلاش کرتا ہے ۔پھر جب نہیں پاتا تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی غیر محفوظ مقام پر پہنچ گیا ہو۔وہ اپنے آپکو تنہاں پاتا ہے اور سکول جاتے ہوے ڈرتا ہے۔اور پھر ماں کے لیے ایک اور امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ ماں روزانہ بڑی مشکل سے سکول بھیجتی ہے۔ہر روز نیا بہلاوا ،اور اک نیا بہانہ بنا کر سکول جانے کے لیے تیار کرتی ہے۔ مختصر کہ جتنی محبت اور خدمت ماں اُولاد کی کرتی ہے اُتنی اُولاد کرہی نہیں سکتی ۔لیکن اکثر لوگ ماں باپ کے احسان کو بھول کراُن کی محنت اور محبت کو فراموش کردیتے ہیں ۔اکثر لوگ، اپنے والدین کے اخراجات خوشی سے اُٹھاتے ہیں لیکن اُن کیلئے وقت نہیں نکال پاتے ۔ایسے لوگوں کو ماں کے عالمی دن کے موقع پر بتانا چاہتا ہوں کہ ماں ،باپ کو پیسوں یا دوسری چیزوں سے زیادہ اُولاد کے وقت، محبت اور خدمت کی ضرورت ہوتی ہے ۔والدین کی خدمت کرکے ہم دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں سمیٹ سکتے ہیں۔اللہ تعالی نے مسلمانوں کیلئے جنت کے حصول کو بہت آسان بنا دیا ہے۔وہ اس طرح کہ عبادات کے علاوہ اگرہم والدین کی خدمت اور دیکھ بھال کریں توجنت حاصل کرنا آسان سے آسان ہو جائے گا۔جن کے ماں باپ حیات ہیں اُن کیلئے یہ دنیا جنت سے کم نہیں یقین کریں ابھی تک کے مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ جنت میں ماں جیسی کوئی ہستی نہیں ۔ماں کے عالمی دن پر میں اُن تمام افراد کو سلام پیش کرتا ہوں جو اپنی ماں کی خدمت کرتے اور اُن کا حکم مانتے ہیں اور خاص طور پر سید

عرفان احمد شاہ صاحب کو سلام پیش کرتا ہوں جو صرف مدرڈے پر ہی نہیں ہر وقت
پوری انسانیت کو ماں ، باپ کی خدمت کا درس دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم
سب کو والدین کی خدمت اور فرمابرداری کی توفیق و طاقت عطا فرمائے (آمین)

آسام میں مسلمانوں کی قتل و غارت، بھارت کا اصل چہرہ

بھارت نے آج تک پاکستان کو دل سے تسلیم ہی نہیں کیا لیکن بھارتی انتہا پسند قبائل کی تازہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ اب کشمیر کے ساتھ ساتھ آسام میں بھی جدوجہد آزادی کی تحریکیں زور پکڑیں گی۔ دو قومی نظریے کو پوری دنیا تسلیم کر چکی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ مسلمان اپنی شناخت بھول کر بت پرستوں کے مذہب کو تسلیم کر لیں ۔اگر بھارتی چاہتے ہیں کہ بھارت مزید نہ ٹوٹے تو پھر مذہبی سیاست کو ترک کریں اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو مکمل جینے کا حق دیں۔ یہ کیسی جمہوریت ہے جہاں پر کسی کو اپنی مرضی سے اپنے پسند کے اُمیدوار کو ووٹ دینے پر قتل کر دیا جاتا ہے؟ بھارتی ریاست آسام میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی شدید دہشتگردی کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ۔آج مجھے وزیر اعظم پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف سے بھی ایک سوال کرنا ہے لیکن پہلے آسام میں مسلمان بہن ، بھائیوں،بزرگوں اور معصوم بچوں کی قتل و غارت پر آنسو بہاتا چلوں۔ گزشتہ جمعہ کے دن بھارتی ریاست آسام میں بودو قبائل نے آسام 2 اضلاع کھوکھرا جھار اور بجسہ میں سوتے میں مسلمانوں پر فائرنگ کی اور اُن کے گھروں کو آگ لگا دی ۔اس واقع میں 6 خواتین سمیت 3 بچے شہید ہوئے۔ایک اطلاع کے مطابق آسام میں انتہا پسند قبائل کے افراد نے مسلمانوں کے گاؤں پر حملہ کرکے

تقریباً22مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ایک اور رپورٹ کے مطابق بھارتی ریاست آسام میں اپنی حامی اُمیدواروں کو ووٹ نہ دینے پر انتہاء پسند باغی تنظیم کی طرف سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیاجس میں تقریباً32مسلمان شہید کئے گئے۔جس کے بعد وہاں کرفیو نافذ کرکے فوج بلالی گئی۔کشمیر ہو،آسام ہو یا کوئی اور علاقہ بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام معمول کی بات ہے۔انتہاء پسند ہندو اور دیگر قبائل کسی نہ کسی بہانے سے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے میں مصروف رہتے ہیں۔لیکن نجانے کیوں امریکی محکمہ دفاع کو یہ قتل و غارت نظر نہیں آتی۔بھارت نے تو ابھی تک مسلمانوں کی قتل و غارت کا الزام پاکستان پر عائد نہیں کیا لیکن مجھے خدشہ ہے کہ کہیں امریکی محکمہ دفاع یا کوئی اور ادارہ کشمیر اور آسام میں مسلمانوں کے قتل عام کا الزام بھی پاکستان پر عائد نہ کردے ۔بھارت اور امریکی خیال کے مطابق اگر دہشتگرد،انتہا پسند اور قاتل پاکستانی یا مسلمان ہی ہیں تو پھر کشمیر آسام اور بھارتی گجرات سمیت بھارت بھر میں مسلمانوں کا قتل عام کون کرتا ہے؟ووٹ تو ضمیر کی آواز ہوتا ہے یہ کیسی جمہوریت ہے بھارت والوں کی ؟کبھی پاکستان میں کسی تنظیم یا قبیلے نے ووٹ نہ دینے پر اقلیتی گاؤں یا قصبے پر حملہ کرکے بے گناہوں کو عورتوں اور بچوں سمیت جلایا؟نہیں ہر گز نہیں تقریباپورے پاکستان میں ووٹر اپنی مرضی سے اپنے ووٹ کا استعمال کرتا ہے۔نئی دہلی سے شائع ہونے والے ایک اخبار کے مطابق آسام میں مسلمانوں کے قتل عام پر ویلفیئر پارٹی نے سخت مذمت کی ہے۔اخبار لکھتا

ہے کہ آسام میں کھوکھرا جھار اور بسکہ ضلع میں گزشتہ کئی روز سے جاری فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ آسام کی حکومت کو فوری طور پر برخاست کرکے صدر راج نافذ کرکے متاثرہ علاقوں کو فوج کے حوالے کیا جائے۔اس رپورٹ کو پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ آسام میں مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام پر بھارت کے اندر سے بھی مذمت ہورہی ہے لیکن پھر کسی عالمی انتظامی یا صحافتی ادارے نے اس مسئلے کو اُس طرح اُجاگر نہیں کیا جس طرح پاکستان پر الزامات کی بارش کی جاتی ہے۔جہاں یہ بات قابل فکر ہے کہ بھارت اور امریکہ پاکستان کو عالمی سطح پر تنہا کرنے کیلئے پر تول رہے ہیں، وہیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پاکستانی حکمران خود تو بیرون ملک سرمایہ کاری کرتے ہیں جبکہ دوسرے ممالک کے سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دیتے ہیں۔اس بات انکشاف جناب شیخ رشید نے کیا ہے کہ وزیر عظم پاکستان میاں محمد نواز شریف خود تو برطانیہ کے صف اول کے غیر ملکی سرمایہ کاروں میں شامل ہیں۔غیر ملکی سرمایہ کار وزیراعظم پاکستان کی دعوت پر حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ اپنا پیسہ پاکستان میں کیوں نہیں لگاتے ؟ویسے تو جناب شیخ رشید صاحب بہت سے بیان داغتے رہتے ہیں۔اُن کے بیانات سے کبھی لگتا ہے وہ بہت بڑے نجومی ہیں اور آنے والے وقت کی خبر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔سابق آرمی چیف پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ قائم ہونے کے بعد تو محسوس ہوا جیسے شیخ صاحب پاک فوج کے ترجمان ہوں۔مجھے تو ماضی میں کبھی

بھی شیخ صاحب کے بیان میں سنجیدگی نظر نہیں آئی لیکن اُن کا تازہ بیان قابل غور ہے
۔ میری ناقص معلومات کے مطابق وزیراعظم پاکستان واقع ہی.برطانیہ اور کچھ دیگر
ممالک میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کی صف اول میں آتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں
وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے ساتھ ساتھ دیگر تمام سیاست دانوں کو شیخ
رشید کے سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ اگر پاکستان بیرون ملکی سرمایہ کاروں کیلئے
محفوظ ترین ملک ہے تو پھر وہ اپنا اور اپنے خاندان کا سرمایہ پاکستان کیوں نہیں لاتے
؟میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال صرف شیخ رشید کا نہیں بلکہ 20 کروڑ عوام کا ہے۔

قسم کھا کے کہو

مجھے فخر ہے کہ میں صحافت کی دنیا کا چھوٹا سا طالب ہوں ۔ مجھے صحافت میں اکثر عبادت کا مزا آتا ہے اور راقم ہر صحافتی ادارے کو اپنا ادارہ سمجھتا ہے۔ صحافت کے متعلق مولانا کے خیالات سننے کے بعد بہت گہرا صدمہ پہنچا۔ صحافت ایک مقدس پیشہ ہے لیکن بڑے ہی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صحافت میں بھی سیاست کی طرح بڑے بڑے چور گھس آئے ہیں۔ پیارے دوست عمر فاروق سردار کا کہنا ہے کہ میں نے بزرگوں سے یہی سُنا ہے کہ ہر چیز چوری ہو جاتی ہے لیکن علم چوری نہیں ہوتا۔ لیکن بڑی عجیب بات سامنے آئی ہے کہ علم بھی چوری ہو رہا ہے ۔ دوسروں کی محنت اور لگن سے لکھی ہوئی تحریروں (کالمز) کو کچھ لوگ اپنے ناموں کے ساتھ شائع کروانے کیلئے اخبارات کو بھیج رہے ہیں ۔ یہ کتنا گھٹیا عمل ہے ۔انہوں نے میرا کالم چوری ہونے کے بعد یہ تحریر فیس بک پر پوسٹ کر کے میرے ساتھ اظہار یکجہتی کیا اور بھی بہت سے دوستوں نے کالم چوری کی مذمت کی۔ قارئین محترم آپ کیلئے یہ بات نئی ہو سکتی ہے کہ کالم بھی چوری ہو جاتے ہیں لیکن یہ معمول کی بات ہے ۔آپ کے ذہن میں یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ پھر مجھے آج ہی کیوں یاد آیا کہ کالم چوری کی مذمت کے موضوع پر لکھوں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ اکثر کالم چور معافی مانگ کر آئندہ

باز آجاتے ہیں لیکن اس بار میرا پالا ایک مہان کالم چور کے ساتھ پڑا ہے۔ جس نے مجھے فون کرکے اُلٹا دھمکانے کی کوشش کی کہ میں نے اُس کی شکایت کیوں کی ہے۔ وہ کہتا ہے یہ کوئی چوری نہیں مجھے آپ کا کالم بہت پسند آیا اس لئے میں نے اپنے نام کے ساتھ شائع کروانے کیلئے اخبارات کو بھیج دیا۔ جب راقم نے مولانا سے سوال کیا کہ کیا مولانا صدیق مدنی کے بیٹے کی ولدیت میں مہر علی کا نام لکھا جاسکتا ہے تو کہنے لگا یہ اور بات ہے۔ جب میں نے اس کا نکتہ نظر تسلیم کرنے سے انکار کیا تو بد دعائیں دینے لگا۔ آپ یقیناً اُس مہان کالم نگار کا نام جاننا چاہیں گے۔ وہ مہان کالم نگار ہیں مولانا صدیق مدنی۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی اس عظیم ہستی نے شرمندہ ہونے کی بجائے اُلٹا مجھ سے قسم مانگی۔ کہنے لگا قسم کھا کہ کہو تم نے کبھی کسی کا کالم چوری نہیں کیا اور اس کے ساتھ ہی دعوت بھی دے ڈالی کہ آپ بھی دوسروں کے کالم چوری کرلیا کرو اس میں کوئی بُری بات نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ دعوت ہے یا مولانا کا فتویٰ؟ میسج میں دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہے کہ فیس بک سے وہ تمام پوسٹیں ہٹا دو جس میں اُسے کالم چور ثابت کیا گیا ہے اور دوسروں کے سامنے کہتا کچھ اور ہی کہتا ہے۔ آپ کے جانے پہچانے کالم نگار محترم جناب عقیل خاں کے ساتھ فیس بک پر چیٹ کرتے ہوئے مولانا کا کہنا تھا کہ ''جب بھی آپ کسی چیز پر کمنٹ دیں ذرا اس کی تصدیق کرلیا کریں۔ شائع کرنے والے امتیاز علی شاکر میرے کئی کالمز چوری کرکے شائع کرچکے ہیں۔ لیکن بار بار یاد دہانی پر اس

نے میرے خلاف یہ سازش چلادی اور یہ مضمون بھی میرا ہے جو 2013ء میں شائع ہوچکا ہے۔ محترم ایڈیٹر صاحب میں یہ بات اللہ تعالیٰ کو حاضر جان کر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہ صاحب صرف میرے چور ہوتے تو کبھی بھی شور نہ کرتا۔ میرے خیال میں یہ شخص ادارے کیلئے بھی باعث شرم ہے کیونکہ میرا جو کالم (ہم نجات چاہتے ہیں) کے عنوان سے 26 سے 30 جنوری 2014ء تک میرے نام کے ساتھ شائع ہوا تھا صدیق مدنی نے 8 مئی 2014ء کو وہی کالم پُرسکون زندگی کے عنوان سے اخبارات کو بھیج دیا جو بد قسمتی سے شائع بھی ہوگیا۔ آپ خود سوچیں قاری جب یہ ایک ہی کالم مختلف لوگوں کے نام سے پڑے گا تو ہم سب کو مجرم سمجھے گا اور اُس کا یہ سمجھنا بالکل درست ہوگا۔ اس طرح صحافت ہمارے لئے تو باعث فخر ہی رہے گی لیکن ہم صحافت کے لئے باعث شرم بن جائیں گے۔ لہٰذا میری اپیل ہے کہ ایسے تمام کالم چوروں کو بین کیا جائے بلکہ ان لوگوں کو عدالت میں لا کر سخت سزائیں بھی دلوائی جائیں۔ اگر ممکن ہو تو ادارہ ایسے کالم چوروں کو ادارتی صفحہ پر وارننگ بھی دے سکتا ہے۔

مشہور ہونے کا شوق

وہ گاؤں کے سرکاری سکول میں پہلی جماعت کا طالب علم تھا۔ اس وقت پہلی جماعت میں طالبعلموں کی کل تعداد 100 تھی اور ان کو پڑھانے کے لیے صرف ایک ٹیچر میسر تھا۔ وہ انتہائی ذہین لیکن راقم کی طرح کام چور اور انتہائی نالائق تھا۔ پڑھنے ، لکھنے میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی ، وہ بس والدین کی ضد اور چھینٹی کے ڈر سے سکول جاتا تھا۔ روزانہ سکول میں حاضر ہونے کے باوجود اسے 8 برس تک الف ب کی ٹھیک طرح سے پہچان نہ ہو پائی لیکن اپنی چالاقی اور مکاری سے وہ 8 جماعتیں پاس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان 8 سالوں میں اس نے ایک دن بھی ہوم ورک نہیں لکھا لیکن استاد کو روزانہ ہوم ورک چیک کروایا کرتا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ جب وہ ہوم ورک لکھتا ہی نہیں تھا تو پھر استاد کو چیک کیا کرواتا تھا ؟ آپ حیران نہ ہوں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کرتا کیا تھا۔ وہ بازار سے نئی کی بجائے پرانی کاپیاں خریدتا جن کے صفحات پہلے سے تحریر سے پُر ہوتے اور ان کو بدل بدل کر اور کبھی کبھی کسی ہم جماعت کی کاپی چوری کر کے اساتذہ کو چیک کروا دیتا ، طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے استاد صاحب کے پاس اتنا ٹائم نہ تھا کہ وہ بچوں کی کاپیاں غور سے دیکھ سکیں۔ اب بھی آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہو گی کہ پھر ہر مرتبہ وہ امتحان

کس طرح پاس کرلیتا تھا۔جناب عالی یہ بات بھی زیادہ حیران کن نہیں ہے کیونکہ امتحانات کی نگرانی بھی وہی اساتذہ کیا کرتے تھے جواس کو سال بھرپڑھایا کرتے تھے۔ میں آپکو پہلے ہی بتا چکاہوں کہ وہ انتہائی ذہین تھااپنی ذہانت کو وہ پڑھنے کی بجائے نکل کرنے میں استعمال کیا کرتا تھا۔ سکول میں طلبہ اسے بوٹی ماسٹر کہا کرتے تھے۔8 سال تک وہ اپنی تیز ترین بوٹی کی وجہ سے پاس ہوتا رہالیکن اسے پڑھنا لکھنا بالکل نہ آیا۔اُس نے سوچااس طرح تو وقت ضائع کرنے والی بات ہے،جب پڑھنا لکھنا ہی نہیں ہے تو سکول جانے کاکیا فائدہ بس اس نے سکول چھوڑ دیااور گھر والوں سے کہنے لگا کہ میں مزید نہیں پڑھ سکتا مجھے کام پرڈال دیں میں کام سیکھوں گا۔اس کے والدین کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ اس کوپڑھالکھاکر کسی سرکاری نوکری پر لگوانا چاہتے تھے۔لہٰذااس کے والدین نے آپسی مشورے کے بعد اسے چائے کے ہوٹل پہ یہ سوچ کر لگا دیا کہ شائد تنگ آکر خود ہی سکول جانے کے لیے تیار ہوجائے۔لیکن ایسا نہ ہواکچھ دن چائے کے ہوٹل پر کام کرنے کے بعد وہ کسی ٹرک ڈرائیور کے ساتھ شہر چلاگیا۔کیونکہ وہ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں سے باہر نکلا تھااس لیے شہر کا ماحول اس کے لیے بالکل نیااور انوکھا تھا۔تین دن بھوکا رہنے کے بعد اس نے مزدوروں کے ساتھ دہاڑی لگا کر شام کو کھانا کھانے کااہتمام کیا جو خاصا مشکل لگا،اس نے سوچا کسی دفتر میں کوئی کام مل جائے تو آسانی ہوسکتی اگلے دن وہ سارادن دفتروں میں کام تلاش کرتا رہا،اسے کسی کام میں مہارت نہ تھی،

اور کچھ پڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔اُس پر شہر کے لوگ اس سے ناواقف تھے لیکن انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود خوش قسمتی سے اسے ایک اخبار کے دفتر میں صفائی اور چائے پانی پلانے کی نوکری مل گئی ساتھ ہی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کیونکہ اخبار کے مالک نے اسے اس شرط پر نوکری دی کہ وہ رات کو دفتر میں ہی سویا کرے گا۔کچھ دن شہر میں گزارنے کے بعد اسے اپنے والدین تو یاد نہ آئے لیکن ہم جماعت بڑی شدت سے یاد آنے لگے خاص طور پر ان کا اسے بوٹی ماسٹر کہہ کر پکارنا بہت یاد آیا۔وہ واپس گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے اس نے سوچا کچھ ایسا کیا جائے کہ شہر کے لوگ بھی اسے بوٹی ماسٹر کہنا شروع کر دیں۔بہت غور و فکر کے بعد اس نے فیصلہ کیا وہ اپنے نام کے بوٹی ماسٹر لگالے لیکن اس طرح اس کا نام بہت لمبا ہوجاتا تھا۔قارئین محترم اسکا نام تھامیاں چندو لال دلنی، لہٰذا اس نے اپنا نام چھوٹا کرتے ہوئے چندو بوٹی کرلیا،اس طرح دفتر میں آنے جانے والے لوگ اسے چند بوٹی کی بجائے بوٹی بوٹی کہہ کر پکارنے لگے۔اس طرح اسے ایک سال اخبار کے دفتر میں کام کرتے گزر گیا،یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اخبارات کے دفاتر میں مشہور شخصیات کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔جن میں شوبز اور سیاست دانوں کی کثرت ہوتی ہے، مشہور لوگوں کو چائے پلا پلا کر اسے بھی مشہور ہونے کا شوق ہوگیا۔اس نے کوشش کی کہ اداکار بن جائے لیکن کامیاب نہ ہوسکا پھر اس نے سوچا سیاست دان بن کر مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی 6 ماہ بعد شہر میں بلدیاتی الیکشن ہونے والے تھے لہٰذا

اس نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ بد قسمتی سے الیکشن قریب آئے تو کونسلر کے اُمید وار کے لیے میٹرک کی شرط عائد کردی گئی۔ اسے شدید مایوسی ہوئی اور اس نے آئندہ الیکشن سے پہلے میٹرک پاس کرنے کا اردہ کرلیا۔ 4 سال تک وہ میٹرک کی کتابوں کے ساتھ ہاتھا پائی کرتا رہا لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آیا، پھر بھی آس نہ چھوڑی اور پرائیوٹ سکول میں میٹرک کی تیاری کرنے لگا۔ اب الیکشن میں جو ایک سال باقی تھا وہ بھی فورا ہی گزر گیا لیکن میٹرک کا نصاب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ خیر اس نے میٹرک کا امتحان دینے کے لیے داخلہ جمع کروادیا، اب ہونا کیا تھا، عادت سے مجبور چندو دلنی عرف بوٹی ماسٹر نے ہمیشہ کی طرح میٹرک کے امتحان میں بھی بوٹی کرنے کی کوشش کی اور پکڑا گیا، میٹرک پاس نہ ہونے کی وجہ سے سیاست دان بننے کی تمناء بھی دم توڑ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا اخبار نکالے گا اور اس میں اپنی خبریں اور تصویریں چھاپ چھاپ کر مشہور شخصیات میں شامل ہوجائے گا۔ اس طرح اس نے باقاعدہ صحافتی میدان میں چھلانگ لگادی اور چند ماہ بعد اپنے ایک دوست سے مل کر چلتا چلاتا اخبار خرید لیا، ماڑی قسمت معاملہ وہیں کا وہیں رہا کیونکہ اب اس کے پاس کوئی ایسی خبر نہ تھی جس میں روزانہ اپنا نام اور تصویر شائع کرسکے، کچھ دن پریشان رہنے کے بعد اس نے مذہبی روپ دھار کر کالم لکھنے کا فیصلہ کیا اور لکھنے بیٹھ گیا، مہینہ بھر کالم لکھنے کی سرتوڑ کوشش کے بعد ناکام رہنے پر اسے بوٹی لگا کر کالم اپنے نام سے شائع کرنے کی سوجی تو اس نے

پیج میکر سے کہا کہ روزانہ ایک کالم ڈھونڈ کر میری تصویر کے ساتھ شائع کیا کرو۔بس اس دن سے وہ مشہور ہونا شروع ہوگیا اور اب نہ صرف اپنے بلکہ اخبارات کے قاری کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ چندو دلنی عرف بوٹی ماسٹر کا لکھا کالم نہ پڑھ لے۔ چندو دلنی تو مشہور آدمی بن کر بہت خوش ہے لیکن جن کالم نویسوں کے کالم وہ چوری کرتا ہے۔وہ چند دلنی کو جن الفاظ میں یاد کرتے ہیں وہ بیان کرنا ممکن نہیں ۔بد قسمتی سے راقم بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کالم چندو دلنی چوری کرتا ہے ۔آخر میں صحافی برادری سے ایک سوال کیا آپکو نہیں لگتا کہ آج صحافی برادری میں بہت سے چندو دلنی پیدا ہو چکے ہیں ؟جن کی وجہ سے آج صحافی برادری بدنام ہو کے رہ گئی ہے۔اور اپنے آپ کو صحافی کہلوانے میں شرم محسوس کرتی ہے۔ میں کالم نویسی کی دنیا کاطالب علم ہونے کی حیثیت سے حکومت وقت سے مانگ کرتا ہوں کہ ان بد کردار لوگوں کے خلاف سخت سے سخت قانون سازی کرے جو قوم کو غلط اور بے بنیاد خبریں سناتے اور کالم چوری کرتے ہیں ۔مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد صحافی برادری متحد ہو کر ان ناپاک لوگوں کواپنی صفوں سے باہر نکال پھینکے گی۔اللہ تعالیٰ ہمیں حق لکھنے ،پڑھنے، کہنے ،سننے اور اس پر چلنے کی توفیق وطاقت عطا فرمائے (آمین

عورت پاؤں کی جوتی نہیں

ہر باشعور انسان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ بڑی قابل عزت ہستی ہے۔اسلام نے عورت کو کس قدر عزت دی ہے اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عورت (ماں)کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام کلی مساوات اور عدل وانصاف کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مردوعورت 'مذکر، مونث اور نرومادہ میں تفریق نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر عمل ہوسکے ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا کہ عدل کرو یہی بات تقویٰ سے نزدیک ہے''لڑکی کو لڑکے سے کمتر سمجھنے کی غلط ذہنیت کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔رسول اکرمؐ نے بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے۔آپؐ نے فرمایا''جس آدمی کے گھر دولڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ جوان ہوجائیں تو ایسا آدمی بالکل اسی طرح میرے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں (ترمذی) راقم جیسے گناہ گار شخص کو جنت کی تو خاص طلب نہیں لیکن اگر سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کا ساتھ ملے اور وہ بھی اس قدر سستے داموں تو

کون کم بخت ہے جو ایسی جنت نہ خریدے ؟اسلام سے پہلے اہل عرب بیٹی کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔اول تو بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیا کرتے یا پھر جب بیٹیاں چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں تو باپ انھیں کسی بہانے سے جنگل میں لے جاتے اور کسی گڑھے میں پھینک کر مٹی میں دفن کردیتے ۔اہل عرب کا یہ ظالمانہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا ناگوار گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ’’اور جب اس لڑکی جو زندہ دفن کردی گئی ہو پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی ۸۔۹‘‘ یہاں پوچھنے کا مقصد اس بچی کی گواہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا سنتا ہے ۔یقینا بچی گواہی دے کہ وہ تو معصوم تھی اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ جرم کیا ہے۔ اہل یونان کی طرح اہل عرب معاشرہ میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔لونڈیاں اور غلام بازار میں عام جانوروں کی طرح بیچے جاتے تھے ۔غلام کی قیمت ادا کرنے والے آقا اپنے غلاموں سے طرح طرح کے کام لیتے اور ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے ۔ایسے جاہل معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہوسکتا تھا۔ اہل شعور یہ بات.بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں ۔میں اس دور میں موجود نہ تھا اس لیے اندازہ ہی لگا سکتا ہوں ۔میرے خیال کے مطابق دور جہالت میں عورت صرف ایک جسم تھی جس کی کوئی قیمت بھی نہ تھی اور اسے اپنی ہی زندگی پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔جیسے کوئی بھیڑ یا بکری پالنے والا جب چاہے جہاں چاہے باندھ دے،جب چاہے جسے چاہے بیچ دے اور جب چاہے ذبح کردے۔ عورت دور جہالت میں عرب اور یونانی معاشرے کا

مظلوم ترین طبقہ تھی۔ جاہل لوگ بیٹیوں کو عار سمجھ کر پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے ۔ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرلیتا۔ باپ کی بیوہ ورثے میں بڑے بیٹے کی داشتہ بن جاتی، عورت کے لیے اس معاشرے میں کوئی عزت واحترام نہ تھا۔ عورت کا مقام پالتوں جانور سے بھی کم تھا۔ جائیداد میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ شعر وشاعری میں محبوبہ کا نام ننگے الفاظ میں لیا جاتا اور اس گندی حرکت پر فخر کیا جاتا۔ بے حیائی اور فسق وفجور کا بازار گرم تھا۔ پھر جب اللہ تعالٰی کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اہل عرب کو اللہ تعالٰی کا پیغام سنایا اور بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔اس وقت اہل عرب جو جانوروں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے اللہ کے نبیؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انسانیت کے تقاضے بتائے جس میں عورت کی عزت واحترام لازم کرکے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت میں ایسا مقام عطا فرمایا جسے قائم رکھنے اور دشمنوں سے بچاتے ہوئے باپ، بھائی اور خاوند اپنی جان تک قربان کرنے لگے ۔اسلام نے وراثت میں عورت کو حصہ دے کر اسے دنیا میں جینے کا حق دے دیا۔ وراثت میں حصہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عورت کو معاشرتی برائی بننے سے روکا جاسکے ،تاکہ عورت بے حیائی ، فحاشی ، بدکاری اور جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے ۔آج دور جدید میں صرف عورت ہی نہیں پوری انسانیت مشکل میں ہے لیکن میرا آج کا موضوع عورت ہے ۔بے شک عورت اس کائنات کا حسن ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا عورت پر ظلم صرف مرد کرتا ؟ میرا جواب ہے نہیں عورت پر

ظلم عورت ہی کرتی ہے۔آج بھی کئی مسلمان خاندانوں میں دور جہالت کی یہ روایت قائم ہے کہ بچی کی پیدائش پر باپ 40 دن تک سوگ میں رہتا ہے،اور باپ کی والدہ اور بہن یعنی پیدا ہونے والی بچی کی دادی اور پھوپھی بچی کی ماں کو سالہا سال بلکہ ساری زندگی دل کو چیر دینے والے طعنے دے کر سوگ مناتی ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کو تیسری عورت کی پیدائش پر طعنے کیوں دیتی ہے؟میرا خیال ہے کہ مال و دولت کی محبت اور خصوصا دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی فکر دادی اور پھوپھی کو عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی پوتی اور بھتیجی کا دشمن بنا دیتی ہے ۔بچی کے پیدا ہوتے ہی والدین کو یہ فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ اب بیٹی کی شادی پر اسے ڈھیر سارا جہیز دینا پڑے گا اور اس کی ساس اور نند کے نخرے و ناز برداشت کرنا پڑیں گے۔پہلی بات یہ کہ جہیز کو اسلام میں لعنت کہا گیا ہے۔دوسری بات یہ کہ ساس اور نند بھی مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔ قارائین محترم دور جہالت کی بات تو ہم سب ہی کرتے ہیں کہ دورجہالت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔میں آج اس بات کا ذکر کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج دورجدید میں ہم دور جہالت سے بھی زیادہ ظلم کررہے ہیں ۔جی ہاں دور جہالت میں لوگ بچی کو پیدا ہونے پر زندہ دفن کردیا کرتے تھے لیکن آج ہم بچی کو پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں دوران حمل ہی بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچیultrasound ۔آج ڈاکٹر بذریعہ ہے یا بچہ ۔اس طرح جب گھر والوں یعنی دادی اور پھوپھی کو اس

بات کا پتا چلتا ہے تو دور جدید کے جاہل لوگ ڈاکٹر کو اس ماں کا حمل ضائع کرنے کا کہتے ہیں جس کے پیٹ میں بیٹی پل رہی ہوتی ہے اور ڈاکٹر بھی چند روپوں کی خاطر اتنا بڑا گناہ کرتے وقت ذرا نہیں گھبراتے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو بچالیا۔ جس معاشرے میں عورت کا مقام صرف ایک جسم ہوگا وہاں عورت ماں ، بہن ، بیٹی اور بیوی کا مقام کس طرح حاصل کر سکتی ہے ۔آج سینکڑوں تنظیمیں خواتین کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں ۔ عورت کو بااختیار بنانے کی باتیں ہورہی ہیں ۔خواتین کے حق میں بہت سارے قوانین پاس ہوچکے ہیں۔لیکن سب بے کار عورت آج بھی دور جہالت کی طرح ایک کھلونا بن کے رہ گئی ہے اور جب تک عورت اپنے مقام کو نہیں سمجھے گی تب تک دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کا کھویا مقام واپس نہیں دلا سکتی ۔ عورت کا عزت واحترام والا مقام ایک ماں کی حیثیت میں ہے ایک بہن کی حیثیت میں ایک بیٹی کی حیثیت اور ایک نیک سیرت بیوی کی حیثیت میں ہے۔جب جب عورت ان رشتوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گی تب تب ذلیل و رسوا رہے گی۔آج ہی میں فیس بک پر ایک پیغام پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا کہ بیوقوف عورت اپنے شوہر کو غلام بناتی ہے اور خود غلام کی بیوی بنتی ہے ۔جب کہ عقلمند عورت اپنے شوہر کو بادشاہ بناتی ہے اس طرح وہ خود ملکہ بنتی ہے۔ایک اور کہاوت عام ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی نہ کسی کامیاب عورت کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ گویا مرد کی

کامیابی ہی عورت کی کامیابی ہے۔ایک ماں ایک معاشرے کو جنم دیتی ہے مانا کہ مرد بھی عورت پر ظلم کرتا ہے پر غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ اس مرد کی ماں جو خود بھی ایک عورت ہے نے پرورش ہی ایسی کی ہے کہ وہ مرد عورت خاص طور پر بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھتا ہے۔اگر مائیں اپنے بیٹوں کو بتائیں کے عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ عزت واحترام کے قابل ہے۔اور مرد بھی اس بات کو سمجھے کہ اسے دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت پڑھی تھی اور اسے اپنے خاندان کو آگے چلانے کے لیے بھی ایک یا ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت ہے۔تو پھر یقینا مرد کبھی بھی عورت پر ظلم نہ کرے۔میرے خیال میں عورتوں کے لیے علیحدہ قوانین بنانے کی بجائے عورت کو بھی مرد کی طرح بلا امتیاز انسان تصور کیا جائے تاکہ عورت کو حقیر سمجھنے کی روایت ختم ہو اور عورت کو مرد کے برابر حقوق ملیں۔قارائین محترم بیٹی اللہ تعالٰی کی عظیم رحمت ہے۔بیٹی کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور بہت کچھ باقی ہے۔

تنگ نظر معاشرہ اور راشد رحمان کا قتل

رجب مبارک ، حضرت علیؓ کی ولادت مبارک کا مہینہ ہے۔ایسی ولادت جو نہ پہلے ہوئی نہ قیامت تک ہو گی ۔ مسلمان رجب کے مہینے میں فرض عبادات کے ساتھ نفلی عبادات اور روزے رکھ کراللہ تعالی کی رحمت اور اَجر عظیم اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ میرے روزے اور تمام عبادات اس قابل نہیں کہ کل روزآخرت اللہ تعالی کی بارگاہ میں سرخرو ہوسکوں۔ماضی میں کئی بار حضرت علیؓ کی شان بیان کرنے بیٹھا لیکن ایک لفظ بھی نہ لکھ سکا۔میں اقرار کرنا چاہتا ہوں کہ آج بھی راقم حضرت علیؓ جیسی عظیم ہستی کی شان بیان کرنے کے قابل نہیں ہے ۔ سمجھ لیں بس حکم ہے حضرت علیؓ سے محبت کرنے والوں کا۔مجھے فخر ہے کہ میری نسبت حضرت علیؓ سے محبت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔جو ہستی آج میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت علیؓ کی شان بیان کروا رہی ہے اس کا تعارف بھی کرواؤں گا لیکن پہلے حکم کی تعمیل ہوجائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ۔رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہے'' ''جو مجھے دوست رکھتا ہے وہ علیؓ کو بھی دوست رکھتا ہے'' روایتوں میں آتا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا میرے علیؓ کو 73 علموں پر عبور حاصل ہے ۔یعنی حضرت علیؓ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کوئی علم کے شہر میں داخل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتااور نہ ہی اُس وقت تک سرکار دو عالم حضرت

محمد ﷺ کے ساتھ محبت کا دم بھرا جاسکتا ہے جب تک حضرت علیؓ کے ساتھ سچی، خالص محبت اور عقیدت قائم نہ کی جائے۔ نام علیؓ، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب اور لقب حیدر (شیر) والد کا نام ابوطالب تھا جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ حضرت علیؓ نے آغوش (نبوت میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو نوعمر افراد میں سے سب سے پہلے آپؓ ہی نے اسلام کی دعوت قبول کی اور ہر مشکل وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا کفار مکہ حضور ﷺ کو صادق وامین مانتے اور سخت دشمنی کے باوجود اپنی امانتیں حضور ﷺ کے سپرد کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت میں روانہ ہونے سے قبل کفار مکہ کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور فرمایا کہ یہ امانتیں جن کی کی ہیں اُن کو دیدیں اور خود میرے بستر پر سو جائیں۔تاریخ شاہد ہے کہ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ کفار مکہ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے اس لئے اس رات آپ ﷺ کے بستر پر سونا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا لیکن شیر خُدا بے خوف وخطر بستر رسول اللہ ﷺ پر سوگئے۔ صبح کفار کو صورتحال کا پتا چلا تو اُنھوں نے آپؓ رودوکوب کیا۔انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود آپؓ نے فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق تین دن تک مکہ میں قیام کیا اور تمام امانتیں لوگوں کو لوٹا کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے دوسرے سال میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا نکاح اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت

فاطمہ الزہرہؓ سے کر دیا۔ حضرت علیؓ کی زندگی مبارک کا ایک ،ایک پہلو قیامت تک مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ میرے جیسا کم علم اور کم ظرف عمر بھر آپؓ کی زندگی کے ایک پہلو پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج مسلمان حکمرانوں کو حضرت علیؓ کے دور خلافت کو کاپی کرنا چاہئے تاکہ کل روز قیامت ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں شمار کیا جاسکے۔ آپؓ نے خطبہ خلافت میں فرمایا ''اللہ بزرگ و برتر نے ہماری رہنمائی کیلئے ایک کتاب نازل کی ہے۔ جس میں خیر وشر کی تفصیل ہے۔ تم پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کیے ہیں وہ ادا کرو، تمھیں جنت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کو محترم ٹھہرایا ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں سوائے اس کے کہ کسی پر کوئی شرعی حد واجب ہو۔ مسلمانوں کی جان ہر چیز سے زیادہ، قیمتی ہے ۔ اہل اسلام کو خلوص اور اتحاد کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں ساتھ معاملہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، خیر کو قبول کرو اور شر سے اجتناب کرو'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو زندگی میں ہی جنت کی بشارت سُنا دی تھی لیکن جب اذان کی آواز آپؓ کے کانوں میں پڑتی تو آپؓ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا اور جسم مبارک کانپنے لگتا جب کسی نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو آپؓ نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر کا بلاوا آیا ہے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کمی نہ رہ جائے ۔ قارئین، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار نماز قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ

کو نماز کی تلقین فرمائی ۔انسانیت کی بقا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت،فرمابرادی،آل نبی سے عقیدت، محبت اور حلال و حرام کی تمیز کی جائے ۔خیر کے پیغام کو عام کیا جائے اور شر سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے ۔آج انسانیت کو خیر کی دعوت اور شر سے بچانے کیلئے زندگی وقف کرنے والی عظیم ہستی کے حکم پر قلم اُٹھایا تو حضرت علیؓ کی شان میں چند الفاظ لکھنے میں کامیاب ہوا ۔وہ ہستی ہیں سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست، گزشتہ اتوار آستانہ اویسیہ میں شاہ صاحب کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی سعادت نصیب تو پتا چلا کہ آپ تمام عقیدت مندوں کو نماز قائم کرنے، حرام سے دور رہنے ،حلال لقمہ کھانے اور کھلانے ،ماں ، باپ کی فرمابرداری اور اُن کے ساتھ محبت کا درس دیتے ہیں ۔ایک عقیدت مند سے شاہ صاحب نے پوچھا نماز پڑھتے ہو؟بولا سرکار کبھی پرھ لیتا ہوں اور کبھی نہیں پڑھتا جس پر شاہ صاحب نے فرمایا روٹی روز کھاتے ہو؟بولا جی۔شاہ صاحب نے فرمایا جس کا عطا کردہ رزق روز کھاتے ہوں اور جس کی رحمت کی بدولت اس کائنات میں سلامت ہو اُس کا حکم ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اُس (اللہ تعالیٰ)کے سامنے جھکو اس لئے جس دن نماز نہ پڑھو اُس دن روٹی بھی نہ کھایا کرو۔تمھارے لئے بہتر یہی ہے کے نماز کی پابندی کیا کرو۔شاہ صاحب نے فرمایا جب ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے ہیں اور صحابہ اکرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں تو وہ رحمٰن بھی رحمت فرماتا ہے اور ہماری مصیبتیں اور مشکلیں ٹل جاتی ہیں۔ قارئین

حضرت علیؑ کی ولادت کا مبارک اور محترم مہینہ ہے ہمیں چاہیے کے خوب عقیدت اور محبت کا اظہار کریں اور اُن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر زندگی کی مشکلات کو دور کریں۔

والدین اللہ تعالیٰ کی رحمت

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ’’اور تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجزو نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پرودگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی ان پر رحمت فرما (سورۂ بنی اسرائیل) والدین کو جب اُمید ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اولاد جیسی نعمت سے نوازنے والا ہے تو وہ اپنی جائز و ناجائز خواہشات کو ترک کرکے اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اپنی اولاد کی بہتر پرورش کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ خالق کائنات کے بعد انسان پر والدین کا احسان سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ والدین اولاد کی پیدائش سے پرورش تک بڑی مشکلات سے گزرتے ہیں۔ ایسی مشکلات جن کا اس وقت اولاد تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ’’میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی‘‘ والدین جتنی مشکلات اپنی اولاد کے لیے اُٹھاتے ہیں۔ اس کے صلے میں انسان کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت

کرے اس طرح انسان صرف والدین کی خدمت ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) اور اس کے رسول سرکار دو عالم حضرت محمدؐ کے احکامات پر عمل بھی کرتا ہے جو یقیناانسان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔ارشاد نبوی ہے کہ ''وہ شخص ذلیل ہوا، ذلیل ہوا جس نے والدین کا بڑھاپا پایا اور دونوں (یا ان میں سے ایک جو بھی زندہ ہو) کی خدمت کرکے جنت میں نہ پہنچ جائے۔کتنا خوبصورت فرمان ہے میرے اور آپ کے حقیقی رہنماء کااور کس قدر افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے والدین کی خدمت کرنا۔اگر دیکھا جائے تو انسان اپنے والدین کے بے پناہ احسانات کا بدلہ ہی نہیں چکاسکتا چاہے ساری زندگی ان کی خدمت میں گزار دے اور اس پر جنت کے انعام کا وعدہ، کیا یہ ایک اور احسان نہیں میرے اور آپ کے خالق کا؟ 11 مئی دنیا بھر میں ماں کا عالمی دن منایا گیا۔امریکہ میں ہر سال اس دن لوگ اپنی ماؤں کو یاد کرتے،اور ملاقات کرکے کچھ وقت ساتھ گزار کر ماں سے محبت کا اظہا کرتے ہیں۔مغرب میں بوھوڑے والدین اولڈ ہاوسز یا اُولاد سے دور دراز علاقوں میں تنہا زندگی گزارتے ہیں۔اکثریت لوگ میڈیا خاص طور پر سوشل میڈیا یا خط لکھ کرماں سے اظہار محبت کرتے ہیں۔سال میں ایک دن ماں کے ساتھ اظہار محبت اور پھر سال بھر چھٹی۔مغرب میں 11 مئی کا دن اُن ماؤں کے لئے غنیمت ہوتا جو زندگی بھر اولاد کی راہ تکتے گزار دیتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں مغربی تہذیب سے بچائے رکھے اور اپنے والدین سے محبت، اُن کی خدمت، فرمابرداری، اطاعت اور دیکھ بھال کرنے کی توفیق

وطاقت عطا فرمائے۔

بھتہ خوری

بھتہ خوری کی وباء نے روشنیوں کے شہر کراچی کو عرصہ دراز سے یرغمال بنا رکھا ہے ۔بھتہ خوری وہ لعنت ہے جو ہر روز معصوم انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل کرنہ صرف کراچی شہر بلکہ پورے ملک کی فضا کو سوگوار اور کاروبار زندگی معطل کر دیتی ہے۔اب تک کے تمام حکمران جن میں فوجی اور جمہوری دونوں شامل ہیں شہر قائد میں ہونی والی قتل و غارت گری اور بھتہ خوری کو قابو کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔جس کا آج نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ بھتہ خوری کی لعنت کراچی میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اب لاہور میں بھی عروج حاصل کر رہی ہے ۔شہر قائد کے حالات سے تو یہ بات ثابت ہوچکی کہ وہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ٹارگٹ کلنگ بھتہ خوری عام ہے ۔قاتلوں بھتہ خوروں اورڈاکوؤں کو روکنے والا کوئی نہیں ۔صوبہ پنجاب میں امن وامان کی صورتحال پاکستان کے دوسرے تمام صوبوں سے بہت بہتر رہی ہے ۔لاہور جو صوبہ پنجاب کا دارالخلافہ ہے آج کل بھتہ خوری کی لعنت وہاں بھی کراچی کی طرح قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہے۔اگر حکومت وقت نے بر وقت شہریوں کے ساتھ مل کر بھتہ خوروں کو جہنم رسید نہ کیا تو اللہ نہ کرے کراچی کی طرح لاہور بھی بھتہ خوروں کے رحم و کرم میں چلا جائے گا۔میں پچھلے بیس سال سے حکمرانوں کو کراچی کے حالات کا نوٹس لے کر سخت کارروائی کے احکامات

جاری کرتے دیکھ رہا ہوں لیکن شہر قائد میں بھتہ خوری اور قتل و غارت لگاتار بڑھتی ہی جارہی ہے۔اُس پر شہر لاہور میں بھتہ خوری کی وارداتوں کا آغاز ہوگیا ہے جو شہریوں اور حکومت کے لئے انتہائی پریشان کن ہے۔وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف اور آئی جی پنجاب کے سخت احکامات کے باوجود ملزم پولیس کی پہنچ سے دور ہیں۔اچھرہ میں بھتہ نہ دینے پر بھتہ خوروں نے 11اپریل کو کریکر دھماکے کرکے 13افراد کو زخمی کردیا تھا جس کے بعد سی سی پی او لاہور چوہدری شفیق گجر کے حکم پر اچھرہ کے تاجر ولی خان کی حفاظت کیلئے چار پولیس اہلکار مامور کردیئے گئے۔گزشتہ روز انتہائی افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں پولیس اہلکاروں کی موجودگی میں ولی خان کواُس وقت موٹرسائیکل سوار فائرنگ کرکے شدید زخمی کرنے کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے جس وقت وہ نماز فجر کیلئے گھر سے مسجد جارہے تھے۔ماضی میں بھی لاہور میں بھتہ خور اپنے آپ کو طالبان یافرار مجرم (اشتہاری) بتاکرفون کولڑکے ذریعے ٹرانسپورٹرز، فیکٹری مالکان ،دکانداروں اور زیادہ تر جیولرز سے بڑی بڑی رقوم طلب کرتے رہے ہیں۔رقم کی عدم ادائیگی کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دے چکے ہیں۔راوی روڈکے رہائشی کروڑ پتی ٹرانسپورٹرنے اسی قسم کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہوکر بھتہ خوروں کو ایک بڑی رقم ادا بھی کردی تھی۔جو بھتہ خوروں سے اس قدر خوف زدہ ہوا کہ رقم ادا کرنے کے بعد بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں کو کسی قسم کی معلومات دینے سے گریزاں رہا۔20جولائی2013ء

کو تھانہ مغل پورہ میں ایک ایف آئی آر نمبر 506/13 محمد امتیاز جیولر نے درج کروائی
امتیاز جیولر نے پولیس کو بتایا کہ نامعلوم افراد فون کال کے ذریعے 2 لاکھ روپے مانگ،
رہے ہیں اور بصورت دیگر اُن کی طرف سے سنگین نتائج کی دھمکیاں دی جارہی ہیں ۔اسی
طرح کے 2 مزید کیسز صدر کینٹ کے علاقہ سے بھی منظر عام پر آچکے ہیں ۔پولیس
ذرائع کے مطابق صدر کینٹ کے علاقے میں انبالہ جیولر کے مالک عقیل احمد اور سعید
جیولر کے مالک شان سعید کو نامعلوم موبائل نمبر سے آنے والی فون کالز پر نامعلوم
افراد کی طرف سے بھتہ طلب کیا جارہا ہے۔تھانہ شالی چھاؤنی لاہور میں ان دونوں
واقعات کے مقدمات زیر دفعہ D/25,506 درج ہوچکے ہیں ۔ تفتیشی آفیسر (سب
انسپکٹر رضوان اللہ) کا کہنا تھا کہ فون کالز کا ڈیٹا حاصل کرنے کے لئے متعلقہ ادارے کے
ساتھ رابطہ کر رکھا ہے جبکہ پولیس ہر پہلو سے ان کیسز کی تفتیش کر رہی ہے ۔ تفتیشی
آفیسر کا کہنا تھا کہ یہ امکان بھی موجود ہے کہ جیولرز کو ذاتی دشمنی یا رنجش کی وجہ سے
خوف زدہ کرنے کے لئے فون کالز کی گئی ہوں ۔ راقم کو پنجاب پولیس کی قابلیت پر کسی
قسم کا شک نہیں لیکن ڈراس بات کا ہے کہ کہیں شہر میں ہونے والی گداگری کی طرح
بھتہ خوری کے پیچھے بھی اہم شخصیات کا ہاتھ نہ ہو جن پر پولیس کو بھی ہاتھ ڈالنے کی
اجازت نہیں ہے ۔راقم کے خیال میں بھتہ خوری کو ختم کئے بغیر امن وامان کی
صورتحال کا بہتر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے ۔حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ
وہ ملک میں مکمل امن وامان قائم کرے ۔ کراچی ہو یا لاہور جب تک

پورے پاکستان میں امن قائم نہیں ہوتا تب تک جمہوریت بھی خطرے میں رہے گی ۔ملک دشمن طاقتیں کبھی بھی عوام کی حکمرانی کے حق میں نہیں رہیں ۔ لیکن اب ہمارے پاس مزید وقت نہیں ہے کہ بھتہ خوری میں ملوث یا دیگر جرائم پیشہ افراد کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں ۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف فوری طور پر پاکستان کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے تمام جرائم پر سخت ترین سزاؤں کا اعلان کریں اور اُن پر اتنی ہی سختی کے ساتھ عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ کیونکہ جب تک جرائم کو جڑ سے ختم نہیں کیا جاتا تب تک پاکستان ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی عوام خوشحال ہو سکتے ہیں۔ راقم کی وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے اپیل ہے کہ لاہور میں بڑھتے ہوئے جرائم جن میں چوری ،ڈکیتی اور بھتہ خوری سمیت دیگر کی روک تھام کے لئے محکمہ پولیس کو خصوصی احکامات جاری کرتے ہوئے مجرموں کی پشت پناہی کرنے والوں کو بھی مجرم تصور کرتے ہوئے سرعام سزائیں دے کر کاروباری طبقے کے ساتھ ساتھ عام عوام کے دلوں سے بھی بھتہ مافیا،چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف نکالا جائے اور تمام قانون شکن قوتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے ۔ وزیر اعلیٰ پنجاب جو صوبے کو قانون کی حکمرانی اور گڈ گورنس کے ذریعے مثالی صوبہ بنانا چاہتے ہیں اُن کو بھتہ خوری کی وباء کو پھیلنے سے روکنے کے لئے فوری طور پر اقدامات کرنے چاہئے ۔کاروباری طبقہ پہلے ہی بجلی وگیس کی لوڈشیڈنگ اور امن وامان کی خراب صورتحال کی وجہ سے شدید پریشان ہے اور اب بھتہ خوری کی وباء تیزی سے پھیل رہی ہے ۔

غلام کو اگر غلامی پسند نہ ہو'تو کوئی آقا پیدا نہیں ہو سکتا' واصف علی واصفؒ

لکھنے والے کس عذاب سے گزر کر پڑھنے والوں کے لئے بہتر رائے اور صاف ستھرے الفاظ جمع کرتے ہیں یہ بتانا بہت مشکل ہے۔اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اہل قلم لکھنے میں تمام تر محنت، توجہ کے ساتھ ساتھ اپنا وہ وقت صرف کرتے ہیں جسے اگر وہ اللہ کی یاد میں گزاریں تو کم از کم اُن کی بخشش ضرور ہو جائے اور اگر اپنے روزگار پر صَرف کریں تو اُس میں خاصی بہتری آجائے۔دماغ میں تو کچھ اور ہی گھوم رہا تھا لیکن لکھنے بیٹھا تو میرے محترم محمد رضا ایڈووکیٹ صاحب کا فون آگیا۔انہوں نے مجھے واصف علی واصف صاحب کے عرس کے مبارک موقعہ پر چادر پوشی کی تقریب میں شامل ہونے کی دعوت دی۔میں طبیعت کی خرابی کے باعث شامل نہ ہو سکا۔مجھے حضرت واصف علی واصف صاحب کا ایک قول یاد آگیا سوچا پڑھنے والوں کی نظر کرتا چلوں ''غلام کو اگر غلامی پسند نہ ہو'تو کوئی آقا پیدا نہیں ہو سکتا'' واصف صاحب کی بات میں اتنا وزن ہے کہ اُسے تولنے کے لیے بہت بڑی عقل و دانش والے ترازو کی ضرورت ہے، عام سے عام اور سادہ سے سادہ لوانسان یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر غلام غلامی نہ کرے گا تو آقا کس پر آقائی کرے گا؟اگر واصف صاحب کی بات کے تناظر میں دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم نسل در نسل غلامی پسند ہے۔چلو بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ہم اگر غلامی چھوڑ

نہیں سکتے تو پھر اپنے لیے آقا ہی اچھی نسل کے کیوں ڈھونڈ نہیں لیتے؟ ہم غلام ہی سہی لیکن آقا تو ایسے ہونے چاہئے جن پر شرم کی بجائے فخر سے کہا جاسکے کہ یہ ہمارے آقا ہیں۔آخر ہماری عقل و دانش اور خودداری کو کیا بیماری ہے جو غلیظ ترین آقاؤں کی غلامی کرتے ہیں؟واصف علی واصف صاحب کے فرمان کے مطابق۔میں کہتا ہوں غلام اگر غلیظ آقاؤں کی غلامی نہ کریں تو 'اچھے آقاؤں کی کمی نہیں ہے زمانے میں"لیکن سب سے پہلے ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ہم واقع ہی غلام ہیں؟اپنے حکمرانوں کی اصلیت اور آقائی کو دیکھیں تو صاف صاف اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ان پڑھ،جاہل لوگ میرے وطن میں حکمران تو بن سکتے ہیں لیکن پڑھے لکھے لوگ معمولی سے معمولی ملازمت کے اہل نہیں ہیں۔جس ملک میں قانون ساز اسمبلی کے ممبر بننے کے لئے تعلیم شرط نہ ہو وہاں تعلیمی ایمرجنسی لگانے کی بات کرنا کتنا بڑا مذاق لگتا ہے۔ویسے بھی اگر MNA.MPA اور پھر وزیر، سفیر اور وزیراعظم تک بن سکتا ہے تو پھر بندہ پڑھے لکھے بغیر پڑھ لکھ کر 12.10 ہزار کی نوکری کے لئے دھکے کھانے سے بہتر ہے کہ بندہ سیاست دان بننے کی کوشش کرے۔یہ سوچنا بھی بہت بڑا گناہ ہے کہ ان پڑھ لوگ اسمبلیوں میں بیٹھ کر تعلیمی بجٹ میں اضافہ کریں گے یا پھر تعلیمی نظام میں بہتری کی کوشش کرنے کے قابل ہیں۔پچھلے دنوں ایک دوست نے کہا ہمارے پرائیویٹ سکول میں ایک چوکیدار کی ضرورت ہے اگر کوئی بندہ چوکیدار کی نوکری کرنا چاہتا ہو تو بتانا۔میں نے اگلے دن ایک تیس سالہ شخص کو اُن کے سکول میں

بھیج دیا، وہ جاتے ہوئے مجھ سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ سر مجھے نوکری مل جائے گی نا؟میں نے اُسے بتایا کہ سکول والوں نے مجھے خود کہا ہے کہ چوکیدار کی ضرورت ہے تم جاؤاللہ تعالی نے چاہا تو تمھیں نوکری مل جائے گی ۔وہ چلا گیا اور کوئی تین گھنٹے بعد افسردہ ،لٹکا ہوا چہرہ لئے واپس آگیا کہنے لگا سر آپ نے مجھے وہاں بھیج کر اور بھی دکھی کردیا ہے ۔آپ اُن سے پوچھ تو لیتے کہ اُنہیں کتنا پڑھا لکھا چوکیدار چاہیے اور اُسے کتنی تنخواہ دیں گے ۔سکول والے کہتے ہیں کہ تنخواہ 7ہزار دیں گے اور انہیں کم از کم 12 جماعت (ایف اے) پاس چوکیدار چاہیے جو کسی ٹیچر کی غیر حاضری کی صورت میں بچوں کوپڑھا بھی سکے ۔سکول کی بلڈنگ کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرنا،چائے پانی کے ساتھ ساتھ سکول کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا بھی اُس کی ذمہ داری ہوگی اور اس کے علاوہ بھی اگر سکول میں کوئی اور کام نکلے تو کرنے سے انکار نہ کرے ۔ہاں 24 گھنٹے سکول میں رہنا ہوگا چاہئے اپنے بیوی بچوں سمیت سکول میں شفٹ ہو جائے سکول میں رہنے کا کرایہ اور بجلی و گیس کا بل نہیں لیا جائے گا۔امتیاز صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ میں پرائمری پاس ہوں اور پھر مہنگائی کے دور میں 10 ہزار تنخواہ میں گزارا نہیں چلتا تو7 ہزار میں کیسے گھر چلے گا؟میرے پاس اُسے دینے کے لئے کوئی جواب نہ تھا صرف اتنا کہہ پایا کہ چلو کوئی بات نہیں ہم کوئی اور کام ڈھونڈتے ہیں تم پریشان مت ہونا اللہ تعالی بہتر کرے گا۔بولا شکر ہے مالک کا جو غریب کا نظام چلاتا ہے ورنہ دس،بارہ ہزار میں تو گھر نہیں

چلتے ۔وہ چہرہ لٹکائے آنکھوں سے درد کے آنسوں ٹپکاتا ہوا اپنی نشست سے ایسے اُٹھا کہ میرا جسم اور روح دونوں کانپ اُٹھے۔میں اپنی ہی سوچوں میں غرق ہوگیا،وہ کب چلا گیا مجھے کچھ علم نہ ہوا،چند لمحوں میں ،میں نے خود سے لاکھوں سوالات کئے لیکن جواب کسی کا بھی نہ دے پایا۔قارئین محترم کتنے بے حس ہیں ہم لوگ اِن پڑھ لوگوں کو ممبر قانون سازاسمبلی بننے کی اجازت تو دیتے ہیں لیکن پرائمری پاس بندے کو 7ہزار کی نوکری نہیں دیتے ؟اہل شعور کہتے ہیں کے بغیر علم کے ترقی کرنا ممکن ہی نہیں۔کیا میرے وطن میں کوئی باشعور باقی نہیں رہا ؟اگر بستے ہیں تو پھر خاموش کیوں ہیں ؟آمر پرویز مشرف کے دور میں اِن پڑھ لوگوں کو الیکشن لڑنے سے منع کر دیا گیاتو یہی اِن پڑھ ،جاہل لوگ جعلی ڈگریاں لے آئے ۔جمہوری حکومت نے بڑی ایمانداری سے وہ قانون ہی ختم کردیا جو جاہلوں کو الیکشن لڑنے سے روکتا تھا۔خود مختار الیکشن کمیشن نے جعلی ڈگری والوں کوناااہل کردیا تو عدالت نے پھر سے اہل قرار دے کر الیکشن لڑنے کی اجازت دے دی ۔جمہوریت کے دعویدار حاجی نمازی لیڈروں نے بھی دھوکے بازوں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرکے ثابت کردیا کہ اس ملک میں تعلیم کی کوئی قدر ہے نہ ہی پڑھے لکھے افراد کی کوئی ضرورت ہے ۔اِن پڑھ جاہلوں کو ملک و قوم کے مستقبل سے کھلواڑ کرنے سے روکنے والا آمر آج مجرم ٹھہرا اور قانون ساز اسمبلی میں گدھوں کو بھرتی کرنے والے حاجی ۔اگر ملک کو چلانے والی قانون سازاسمبلی کا ممبر بننے کے لئے تعلیم شرط نہیں پھر بینک،پولیس،ریلوے،پی آئی

اے، فوج، ہسپتال اور دیگر سرکاری محکموں میں بھرتی ہونے کے لئے تعلیم شرط کیوں ہے؟ پارلیمنٹ پاکستان کا سب سے بڑا سپریم ادارہ ہے جب اُس سپریم ادارے میں بھرتی ہونے والوں پر پڑا لکھا ہونا لازم نہ ہے تو بند کر دو سارے سکول، کالج، یونیوسٹیاں اور مدرسے، کیا ضرورت پڑھنے لکھنے کی بن جائے ساری قوم گدوں کی ٹیم۔ پھر کیوں میرے وطن کا پڑھا لکھا نوجوان کسی جاہل کے در کا سوالی بنے۔ جاہل آقاؤں کی غلامی کرنے والوں پر ڈگری یافتہ ہونا کیوں لازم ہے، جاہلوں کی جمہوریت کی خوبصورتی تو یہی ہونی چاہئے کہ جیسا جاہل آقا ویسے ہی جاہل غلام ہوں۔ یہ کیسی جمہوریت ہے جو پڑھے لکھے باصلاحیت نوجوانوں کو اِن پڑھ جاہلوں کا غلام بناتی ہے ؟ بے شک جمہوریت میں عوام اپنے حکمرانوں کا انتخاب خود کرتے ہیں لیکن ووٹر کس کو منتخب کرے ؟

مذہب اسلام نے اپنی تعلیمات اور ضابطہ حیات میں انصاف پر بہت زیادہ زور دیا ہے اگر ہمارے حکمران مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات ، قانون ،ضابطہ حیات اور اصلی آئین یعنی شریعت محمدیؐ پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں تو معاشرے میں کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔آج ہمارے معاشرے میں وہ تمام برائیاں موجود ہیں ۔جو ایک مسلم معاشرے میں نہیں ہونی چاہیں ۔میرے خیال میں دنیا کی ہر برائی ناانصافی سے شروع ہوتی ہے ۔اگر معاشرے سے ناانصافی کا خاتمہ کردیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔لیکن اس کام کے لیے ہمیں پوراپوراسلام میں داخل ہونا ہوگا کیونکہ کائنات میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا ضابطہ حیات موجود نہیں ہے ۔اگر مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر مزید وقت ،طاقت اور قوت ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔دنیا میں ہر کام کے لیے حرکت ،طاقت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر کام کی انجام دہی محنت کہلاتی ہے ۔انسان کیلئے دنیا کی تمام ترخوب صورتی ،پائیداری محنت اور مشقت ہی کی بدولت ہے ۔ محنت اس کائنات کا ایک ایسا اصول ہے جس پر عمل کی بنیاد پر انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں ثمرات میسر آتے

ہیں ۔خود خالق کائنات نے بھی بڑے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ انسان کو زندگی میں وہی کچھ ملے گا جس کے لیے وہ محنت کرے گا ۔اور انسان کو وہی کاٹنا پڑے گا جو وہ اپنے ہاتھوں سے بوئے گا ۔طاقت اور قوت کا استعمال اگر غلط حکمت عملی کی نظر کر دیا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج تک دنیا میں کبھی بھی کسی بھی قوم کو درست حکمت عملی، بہتر سے بہتر دستور بنائے بغیر حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہو گی ۔اب سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دستور جس کا دوسرا نام منشور بھی ہو سکتا ہے اس کے بنانے والوں کی حیثیت کیا ہے وہ دنیا و آخرت کے کن امور میں مہارت رکھتے ہیں ۔ بیشک انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام مخلوقات، سے اعلیٰ افضل بنا کر اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشاء ہے ۔اس حقیقت میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کائنات کے وہ راز افشاں کیے جو کائنات کی کسی اور مخلوق پر نہیں کیے ۔اور سب سے بڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے ایک ایسا دستور عطا فرمایا ہے جس کا تا قیامت کوئی متبادل نہیں ہو سکتا جی قارئین آپ بالکل ٹھیک سمجھے میرا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہی ہے ۔میرا ایمان ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی موجودگی میں انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کسی دوسرے قانون کی بالکل کوئی ضرورت تھی نہ ہے اور نہ ہی قیامت تک ہو گی ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے بہتر کوئی قانون ہو ہی نہیں سکتا اور کون ہے جو خالق کائنات کے قانون کو بدل

سکتا ہے۔اللہ کے سوا کون ہے جو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے نکال سکتا ہے
۔کون ہے وہ جو بیمار کو شفاء دیتا ہے۔میرے خیال میں جو مسلمان ہو، جسے اللہ تعالیٰ کی
وحدانیت پر یقین ہواور جو قرآن کریم کو کلام الٰہی مانتا ہواسے کسی بھی دوسرے دستور
کی ضرورت نہیں۔لیکن بدقسمتی سے پچھلے 64.65 سالوں سے جب سے پاکستان آزاد
ہوا ہے تب سے آج تک ہمارے حکمران اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور بنانے اور بنا کر
بدلنے میں مصروف ہیں۔لیکن ان عقل کے اندھوں کو کون بتائے کہ مسلمانوں کے پاس
کائنات کا سب سے اچھا، سچا اور قابل عمل دستور قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے
۔اسی دستور کو نافذ کرنے کی ضرورت حضرت علامہ اقبالؒ نے محسوس کی اور مسلمانوں
کے لئے نہ صرف ایک آزاد ریاست کا تصور پیش کیا بلکہ ملک خداداد کا نقشہ بھی بتا دیا
۔اب ہمارے لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا پاکستان کے آزاد ہوجانے کے بعد ہمارے
لیے وہ دستور (قرآن کریم) نہ قابل قبول کیوں ہوگیا؟جس پر عمل پیرا ہونے میں
مشکلات کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک آزاد ریاست کے لیے جدوجہد کی تھی۔مجھے پورا
یقین ہے کہ اگر برصغیر کے مسلمانوں کے پاس ان کا اپنا دستور (قرآن کریم) موجود نہ
ہوتا تو کبھی بھی پاکستان آزاد نہ ہوتا۔حکمران 66 سال تو کیا قیامت تک بھی لگے رہیں
پھر بھی کوئی دستور نہیں بنا سکتے نہ صرف پاکستان کے حکمران بلکہ اگر پوری دنیا کے لوگ
بھی اکٹھے ہو کر بھی بنانا چاہیں تو بھی میرے اللہ کے قرآن کے مقابلے کا دستور نہیں بنا
سکتے۔قارئین اگر میں صرف حکمرانوں کو ہی

تنقید کا نشانہ بناؤں، تو انصاف نہ ہوگا کیونکہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران ہوں گے ۔حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ سلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا (یااللہ جب آپ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب تم دیکھو ملک کی حکمرانی نااہل اور بدکار لوگوں کے ہاتھ ہے۔اور دولت بخیلوں اور چوروں ڈاکوؤں کے پاس ہے تو سمجھ لینا کہ میں (اللہ)اس قوم سے ناراض ہوں۔حضرت موسیٰ علیہ سلام نے پھر سوال کیا یا اللہ جب راضی ہوتے ہو تو کیا ہوتا ہے ؟للہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کے ملک کے حکمران نیک ،ایمان دار ،انصاف پسند اور خوف خدا رکھنے والے ہیں تو سمجھ لو کہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ)اس قوم پر بہت راضی ہوں ۔پاکستان کی آزادی ہم نے اس لیے حاصل کی تھی کہ ایک ایسا معاشرہ ترتیب دے سکیں جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا دین نافذ ہو لیکن بد قسمتی سے آج مسلمان اصلی دستور یعنی اللہ کے قرآن کو جس میں ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے کو چھوڑ اپنے پاس سے نئے دستور بنانے میں اپنی طاقت اور قوت ضائع کر رہے ہیں ۔ہم نے پاکستان لاالہ کی بنیاد اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے حاصل کیا تھا جسے آج آزادی کے 66 برس گزرنے کے بعد بھی ایک خواب ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم وطن عزیز کے حالات دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم سے ناراض ہے۔۔جرائم پیشہ لوگ حکومتی ایوانوں ، عدالتوں ، تھانوں، شعبہ تعلیم و صحت اور دیگر تمام انتظامی محکموں پر راج کر رہے ہیں۔چاروں طرف سودی نظام کی فروانی

ہے۔ سود جسے اللہ تعالی نے اپنے (اللہ تعالی)اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ

- قرار دیا ہے جو پوری قوم پر مسلط کر دیا گیا ہے

قیام امن کا فارمولا

اقوام متحدہ کو وجود میں آئے کئی دہائیاں بیت چکی ہیں لیکن آج تک مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہے۔24اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کا باقاعدہ قیام وجود میں آیا۔بین الاقوامی تنظیم کے ابتدائی ارکان 150 تھے جن کی تعداد وقت کے ساتھ بڑھتی رہی۔اقوام متحدہ کے چارٹر کے بنیادی اُصول و مقاصد یہ تھے (1) بنی نوع انسان کی آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا (2) قوموں کے باہمی تنازعات کے حل کیلئے بین الاقوامی سطح پر موثر قانون سازی کرنا تاکہ امن کو لاحق خطرات اور جارحیت کو روکا جاسکے (3) انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے عالمی سطح پر بلاامتیاز رنگ و نسل مثبت اقدامات کرنا (4) انسانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا (5) ایک دوسرے کی آزادی اور خود مختاری کا احترام کرتے ہوئے قوموں کے درمیان دوستی کو فروغ دینا اور ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی سے روکنا۔آج اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی تعداد 192 کے قریب ہے۔دنیا کے 200 کے قریب امیر اور طاقتور ممالک مل کر آدھی صدی سے زیادہ وقت گزر جانے کے باوجود دنیا میں امن قائم کرسکے اور نہ ہی انسانیت کی فلاح و بہبود میں پیش رفت ہو سکی۔آج پوری دنیا دہشتگردی اور بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ہر کوئی قیام امن کی کوششوں میں مصروف ہے۔زمین سے فضا اور فضا سے پانی کی گہرائیوں تک دہشتگردی کے خلاف

جنگ جاری ہے۔ایک دوسرے کو دہشتگردی کا ذمہ دار قرار دے کر ہر کوئی اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کی کوشش میں ہے لیکن کبھی کسی نے اصل فارمولے پر عمل کی کوشش نہیں کی۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلم ممالک بُری طرح دہشتگری کی لپیٹ میں ہیں۔آسان اور ضروری اقدامات نہیں اُٹھا رہے۔یہاں میں اس بندر بادشاہ کی مثال دینا ضروری سمجھتا ہوں جس نے جنگل کو بچانے کیلئے بہت بھاگ دوڑ کی لیکن جنگل آفت سے نہ بچ سکا۔مختصر بیان کرتا ہوں۔جنگل کے تمام جانوروں نے شیر کی بادشاہت سے تنگ آکر متفقہ طور پر جنگل میں جمہوریت نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔الیکشن ہوا تو فیصلہ بندر کے حق میں ہوگیا۔اب جنگل میں شیر کی بجائے بندر کی حکمرانی قائم ہو گئی۔بندر کو بادشاہ بنے چند دن ہی گزرے تھے کہ جنگل میں آفت آگئی سب جانور اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی کہ جنگل کو آفت سے بچایا جائے۔بندر نے تسلی دیتے ہوئے کہا کوئی بات نہیں وہ دیکھ لے گا۔بندر نے ایک درخت سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں،جب آفت نے سارا جنگل تباہ و برباد کر دیا تو زندہ بچنے والے جانوروں نے بادشاہ سلامت سے کہا عالم پناہ آپ نے تو جنگل کو بچانے کی کوشش بھی نہیں کی۔بادشاہ سلامت بولے ہم نے تو بہت بھاگ دوڑ کی لیکن خُدا کو یہی منظور تھا۔میرے وطن کے حکمران قابل اور بہت محنتی ہیں لیکن اصل فارمولے پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔اُن کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد سر اُٹھا کر چلنے کی

بجائے مالیاتی ایمرجنسی لگاکرسنگین ترین غلطی کرنے کے بعد ڈالر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے والے حکمران اب ڈالر سے ہاتھاپائی کرکے خود کو اہل اور سچاثابت کرنے کی کوشش میں ہیں۔ایٹمی دھماکوں کے فورا بعد مالیاتی ایمرجنسی لگانے والے حکمران شائد یہ نہیں جانتے کہ مالیاتی ایمرجنسی اُس وقت لگائی جاتی ہے جب خُدانخواستہ ملک ٹوٹنے کاخطرہ پید اہوجائے۔امریکی ڈالر کو ناک آوٹ کرنے والے حکومتی پٹھا پہلوان آلو سے ہار گئے ۔جیساکہ آپ جانتے ہیں انہوں نے ڈالر کی قیمت کو نیچے لانے کے بعد آلو کی قیمت کو 60 سے 30 روپے تک لانے کی حامی بھری تھی لیکن آلو کی تمام سبزیوں سے واقفیت نے بچالیا۔آلوکے حق میں سبزیوں کی بے شمار سفارشات نے طاقت ور پہلوان کو زیر کردیا۔بات بھی سچ اگرآلو نے احتجاج شروع کردیا تو بیچاری سبزیاں کہاں جائیں گی؟ہمارے پہلوان ہرگز اعتراف نہیں کریں گے کہ وہ آلو سے ہار گئے لیکن بار بار دہشتگردوں کی کمر توڑنے کا دعویٰ کرنے والا امریکی محکمہ خارجہ اس بات کا اعتراف کررہاہے کہ دہشتگرد پہلے سے زیادہ منظم ہوچکے ہیں ۔امریکی محکمہ خارجہ کی تازہ رپورٹ میں ماضی کے اس دعوے کی تردید کردی گئی ہے کہ دہشتگردی کے خلاف دیگر القاعٔدہ رہنماؤں کے ساتھ اُسامہ بن لادن کی موت کے بعد القاعٔدہ کی کمر ٹوٹ گئی ہے ۔اُسامہ بن لادن کی موت کے بعد بڑی کامیابی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہاگیا تھا کہ اب دہشتگردی کو جڑسے اکھاڑنے میں دیر نہیں لگے گی ۔امریکی محکمہ خارجہ کی حالیہ رپورٹ میں میں کہاگیاہے کہ دنیااب

بھی دہشتگردی کی لپیٹ میں ہے۔رپورٹ کے مطابق القائدہ اب نئی حکمت عملی کے تحت کام کررہی ہے۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغانستان اور عراق میں القائدہ نے چھوٹے چھوٹے خودمختار گروپ تشکیل دے دیئے ہیں،جو پہلے سے زیادہ متحرک اور سنگین نوعیت کی دہشتگردی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان گروپوں نے یمن،افریقہ، صومالیہ شام اور عراق میں حالیہ دنوں میں موثر کارروائیاں بھی کی ہیں۔ہمیشہ کی طرح تازہ رپورٹ میں بھی فرقہ واریت کو موضوع بنا کر مسلم ممالک کو دہشتگرد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔رپورٹ میں عراق،یمن اور پاکستان کی صورتحال پر بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مسلم دنیا کے دو اہم ترین فرقوں کے درمیان کشیدگی نے القائدہ کو تقویت بخشی ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرقہ وارنہ کشیدگی سے منظم ہونے والی قوتیں آخر کار مغرب کو ہی نشانہ بنائیں گی۔راقم جیسے بہت سے کم عقل لوگوں کے ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر مذہبی فرقہ واریت سے پیدا ہونے والی کشیدگی کا مغرب کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کیوں مغرب اس بات سے خائف رہتا ہے کہ مسلمان اس کے دشمن ہیں؟اور کیوں مشرق اپنے ہر مسئلے کا ذمہ دار مغرب کو ٹھہراتا ہے؟ایسے بہت سے سوالوں کے جوابات میری کئی گزشتہ نسلوں کو نہیں ملے۔لیکن ایک بہت ہی اہم سوال کا جواب مجھے اُس وقت ملا جب آستانہ آوسیہ قصور میں راقم کی ملاقات روحانی شخصیت سید عرفان احمد شاہ صاحب سے ہوئی آپ نے پوچھا امتیاز کبھی امن کے موضوع پر لکھا ہے؟راقم نے جواب دیا شاہ جی لکھا ہے۔شاہ صاحب نے پوچھا

کیسے امن قائم ہوسکتا تو میں نے کہا مذاکرات ہی بہتر راستہ ہے۔شاہ صاحب نے فرمایا نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کے خلاف ہونے والی جنگ سے باہر نہیں نکلوگے امن قائم نہیں ہوسکتا۔چاہے جنگ کرو یا مذاکرات۔جہاں جہاں سودی نظام چلے کا بدمنی نہیں جائے گی ۔مثال کے طور پر کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا آج دہشتگردی، بھتہ خوری بدمنی سمیت قتل و غارت گری کے نرغے میں بُری طرح پھنس چکا ہے۔ کبھی کسی نے سوچا کہ انتظامیہ کی بھرپور کوششوں کے باوجود کراچی کا امن کیوں بحال نہیں ہوا؟جب تک کراچی کے تمام مالیاتی ادارے سودی نظام کے تحت چل رہے ہیں تب تک کراچی کا امن بحال نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو،اور چھوڑ دو جو کچھ سود میں سے باقی رہ گیا اگر تم مومن ہو،پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہوجاؤلڑنے کیلئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے (سورۃ البقرہ)‘‘سود کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔یہ خیال کہ سود سے مال میں اضافہ ہوگا یہ بھی ایک خام خیالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔سود سے بظاہر تو مال میں اضافہ ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اضافہ دنیا وآخرت کا بہت بڑا خسارہ ہے۔دنیا میں خسارے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی کمائی انسان کے ایسے کاموں میں لگ جاتی ہے جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ایسے امراض اور ناجائز مقدمات نیز مختلف قسم کی جو حادثاتی صورتیں ہیں۔ان میں وہ سودی روپیہ لگ جاتا ہے اور بندے کو مختلف الجھنوں میں پھنسا دیتا

ہے۔اورآخرت کا خسارہ یہ ہے کہ سود کا لین دین کرنے والوں کے اعمال مثلاً نماز روزہ، حج۔ عمرہ اور زکواۃ وصدقات سب ضائع ہوجائیں گے۔ سود کا گناہ اتنا ہے کہ، سرکاردوعالم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدتر فعل قرار دیا ہے اس میں سود لینے والے کو ہی تخصیص نہیں بلکہ سود لینے والا، سودی معاملہ کی کتابت کرنے والااور اس معاملہ کا گواہ بننے والاسب برابر ہیں نیزان سب پر سرکار دوعالمؐ نے لعنت فرمائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پراور فرمایا سب برابر ہیں (صحیح مسلم)''لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ خود بھی اس لعنت سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں ۔پاکستان کے حکمران قوم کے نام پر سود پر قرضہ لے کرپوری قوم کوسودی نظام کی دلدل میں دھکیل چکے ہیں ۔اگراب بھی حکومت نے ہوش کے ناخن نہ لئے توانجام دنیا وآخرت میں تباہی وبربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔بجلی وگیس کی لوڈشیڈنگ ہو عدلیہ یا فوج کے خلاف کسی قسم کی سازش ہو تو پوری قوم احتجاج کرنے لگ جاتی ہے لیکن افسوس کے ہمارے حکمران ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ میں بطور سپاہی استعمال کررہے ہیں اور ہم خاموشی سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کا حصہ بنے ہوئے ہیں ۔قارئین محترم راقم اس سے قبل بھی سودی نظام سے ہونے والے بہت سے نقصانات پر بات کرچکاہے لیکن قیام امن کا جو فامولا سید عرفان

احمد شاہ صاحب نے ایک جملے میں بتا دیا اس سے انکار میرے تو کیا کسی کے بھی بس کی بات نہیں ۔۔خاص طور پر کراچی میں قیام امن کے حوالے شاہ صاحب نے بتایا کہ سودی نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ حکومت سندھ اور اہل کراچی سمندر کو صاف ستھرا رکھیں تو بہت جلد امن قائم ہو جائے گا کیونکہ سمندر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھمے ہوئے ہیں ۔ قیام امن کا فامولا بہت سیدھا اور آسان ہے ۔اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ سے توبہ کرو اور دیکھو امن کتنی جلدی قائم ہوتا ہے۔۔اگر حکومت قیام امن کیلئے مخلص ہے تو پھر فوری طور پر مالیاتی اداروں سے سودی نظام ختم کرکے قرآن و سنت کا نظام رائج کیا جائے جس میں فلاح ہے جبکہ سود دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔اب فیصلہ عوام کے ہاتھ میں ہے ؟

تبادلہ خیال

ٹھہراؤ، پڑاؤ زندگی کا حصہ ہیں لیکن زندگی چلنے اور مسلسل چلتے رہنے کا نام ہے۔ زندگی میں انسان کو بہت سی خوشیوں، کامیابیوں، کامرانیوں اور آسانیوں کے ساتھ ساتھ آزمائشوں، مشکلوں، پریشانیوں اور مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کسی صورت رکتی نہیں موت آنے تک چلتی رہتی ہے۔ حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نا ہوجائیں ،انسان کو حقائق سے نظریں نہیں چرانی چاہیے ،ہم جتنی دیر حقائق کو نظرانداز کریں کرتے ہیں اُتنا وقت ضائع ہوجاتا ہے اور جتنی جلدی حقائق کو تسلیم کرکے درپیش مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُتنا ہی ہمارے حق میں بہتر اور مسائل کے حل میں موثر ثابت ہوتا ہے۔ بلی کو دیکھ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جہاں قدرت نے انسان کی زندگی میں مشکلیں اور آزمائشیں پیدا کیں وہیں ان کو حل کرنے کے لئے وسائل، مواقع اور امکانات بھی کثرت سے عطا فرمائے ہیں ۔ اگر آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ حوصلے اور بردباری سے کیا جائے تو انسانی زندگی میں مثبت تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کامیابیاں حاصل ہونے کے امکانات بھی روشن ہوجاتے ہیں ۔ انسان کتنی بھی کوشش کرلے آزمائشوں اور مشکلوں سے جان نہیں چھڑوا سکتا لیکن اُن کا مثبت انداز میں مقابلہ کرنے سے انسان مایوسی اور احساس کمتری سے بچا

رہتا ہے۔اگر ہم اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ کوئی آزمائش اور مشکل نہیں جس کا حل ناممکن ہے تو پھر مقابلہ کرنا قدرآسان ہوجاتا جبکہ مشکل آنے سے پہلے ہی فیصلہ کرلیں کہ اُس کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور نا ہی کوئی مددگار ثابت ہوسکتا ہے تو سوائے مایوسی اور ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔وقت صدا ایک سا نہیں رہتا لیکن جب کوئی فرد یا معاشرہ ناکامی اور مایوسی کے سمندروں میں غرق ہوجائے تواُس کا کامیابیوں کے ساحل تک پہنچنا ناممکن کے قریب تر چلاجاتا ہے۔ قدرت نے مسائل کے ساتھ ساتھ اُن کے حل کے لئے کائنات میں بے پناہ وسائل بھی پیدا فرمائے ہیں ضرورت اُن کو تلاشنے اور درست طریقے سے استعمال کرنے کی ہے۔میرے خیال میں درپیش مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے ضروری مواقع اور امکانات ہمارے آس پاس ہی موجود ہوتے ہیں جب ہم اُن کو پہنچان کردرست طریقے سے استعمال نہیں کرپاتے تب ہمارے مسائل اور مشکلات پیچیدہ ہوکر وبال جان بن جاتے ہیں اوراُن کا حل تلاش کرنا مشکل تر ہوجاتا ہے۔آزمائشیں اور مشکلات انسانی زندگی کا حصہ ہیں ۔جوان آزمائشوں پر گریہ زاری میں لگے رہتے ہیں اُن کی زندگی رُکے ہوئے پانی کی مانند زہریلی ہوجاتی اور جو لوگ ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔کامیاب لوگ زندگی کو حقائق ،مسائل اور وسائل کے ساتھ قبول کرتے ہیں ۔مثبت سوچ رکھنے والے لوگ زندگی میں پیش آنے والی مشکلوں اور آزمائشوں کو بھی زندگی کا حصہ تسلیم کرتے ہوئے شکوے اور شکایتوں کا

ڈھیر سر پر اُٹھائے پھرنے کی بجائے کامیابی کی طرف جانے والے راستے تلاشتے ہیں جن پر چل کر زندگی میں پیش آنے والی مشکلوں اور آزمائشوں کا مثبت اور دیرپا حل نکالنے میں مدد ملتی ہے۔ جو لوگ زندگی کے حقائق کو تسلیم کرتے اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں وہ دوسروں پر الزام دھرنے کی بجائے تمام تر توانائیاں پیش آنے والی مشکل کا حل تلاش کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان کی ہر کوشش اُن پر کامیابی کے دروازے کھول دے لیکن مسلسل جدوجہد اور محنت سے انسان کے لئے کامیابیوں کے راستے ہموار ہوجاتے ہیں۔ مثبت سوچ اور رویے جب عمل کے دھارے میں مسلسل بہتے ہیں تو مسائل اور مشکلات کے حل کے مواقع اور امکانات پیدا ہوتے ہیں لیکن جب مثبت سوچ اور رویے عمل کی لہروں میں بہنے کی بجائے ہمارے ذہن اور خیالات کے حد تک محدود رہ کر جمود کا شکار ہوجاتے ہیں تو ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند زہریلے ہوکر افراد اور معاشرے کو مایوسی اور ناکامی کے دلدل میں ڈبودیتے ہیں جس سے نکلنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ مثبت انداز فکر اور سوچ رکھنے والے افراد اور معاشرے کبھی بھی (short cut) کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ مثبت سوچ انسان کو عارضی کامیابی اور ترقی کی بجائے دیرپا اور یقینی کامیابی کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں عدم برداشت اور (short cut) کا رجحان عام ہے، ہمیں اَناپرستی اور حد سے زیادہ خوداعتمادی نے تبادلہ خیال یعنی بامقصد مباحثوں سے دور تر کردیا ہے۔ ہم خود کو عقل کل

تصور کرتے ہیں۔ کسی بھی موضوع پر بات چیت کے دوران دوسروں پر برتری حاصل کرنے کے لئے اکثر ہم حقائق اور مقصد سے ہٹ کر دلائل اور وضاحات بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے جو آج تبادلہ خیال کا اصل مقصد فوت ہونے کے قریب ہے۔تبادلہ خیال کا مقصد معاشرے میں پیدا ہونے والے بگاڑ، مسائل اور مشکلات کا آپسی مشاورت سے بہتر اور دیرپا حل تلاش کرنا، موجودہ وسائل کو صحیح جگہ اور درست وقت پر استعمال کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم تبادلہ خیال کے دوران اپنی ذاتی حیثیت کو منفرد اور برتر ثابت کرنے کی کوشش میں حقائق کی پٹری سے اتر کر بات کرتے ہیں تو نتائج مسائل کے حل کی بجائے انا پرستی اور لاسانیت کو ہوا دینے والے نکلتے ہیں جو مباحثے، مکالمے کی بنیادی حیثیت کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ آج معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو باشعور اور عقل مند سمجھتا اور ثابت کرنے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن اپنے شعور اور عقل کو تبادلہ خیال کے ذریعے مزید نکھارنے کی کوشش نہیں کرتا۔آپ کسی ایک بستی کے مکینوں سے فرداً فرداً بات کرلیں ہر فرد اپنی صفائی اور وکالت میں اپنی مثال آپ ہوگا اور اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کرتا نظر آئے گا لیکن جب بستی کے گلی کوچوں پر نظر ڈالیں گے تو جا بجا بگاڑ اور ایسے مسائل ملیں گے جو ہر فرد کے دعوؤں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ مثبت سوچ اور خیالات اگر ہمارے ذہن کے آنگن میں چپ چاپ پڑے رہیں تو ٹھیک ٹھہرے ہوئے گندے اور بدبودار پانی کے تالاب کی مانند ہیں، جس کو جوہڑ کہا جاتا ہے۔ مثبت سوچ، رویے

اور انداز فکر کو تبادلہ خیال کی چھانی میں چھان کر ہی اُن کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے
۔ایسا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم عدم برداشت کے رجحان کو کم کرکے ایک دوسرے
کی رائے کو اہمیت دیں اور تبادلہ خیال کی محفلوں میں غیر حقیقی دلائل کی بجائے
با مقصد اور حقائق پر مبنی گفتگو کے ذریعے درپیش مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنے
کو شش کریں گے ۔

اللہ کے نام پہ دے بابا

اللہ کے نام پہ دے بابا، خیر ہووے، اللہ بوتا دیوے ،اللہ تجھے زیادہ دے یہ الفاظ ہمیں گھر، گلی محلے، بازار، گاڑی، دفتر، دوکان ، تھانہ، کچہری سے لے کر مراکز صحت پر سننے کو ہر وقت ملتے ہیں ۔لیکن کل صبح ایک انوکھا واقع دیکھنے کو ملا، صبح سویرے ہی بچوں کے اصرار پر ناشتے کے لئے ڈبل روٹی ، بن خریدنے محلے کے جنرل سٹور پر پہنچا تو جنرل سٹور والا ابھی سٹور کے تالے کھول رہا تھا میں ایک طرف کھڑا ہو کر سٹور کھلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اُتنے میں ایک گداگر تشریف لے آیا۔ میں نے حسب توفیق اُسے کچھ پیسے دے دیئے ،پیسے لے کر گداگر دکان دار کی طرف متوجہ ہو کر بولا اللہ خیر کرے ،اللہ تجھے زیادہ دے ۔دُکان دار بڑی خوش مزاجی سے بولا اللہ تعالیٰ کی بڑی خیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اتنا دے رکھا ہے کہ اب زیادہ کی تمنا نہیں رہی تم جاؤ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اتنا ہی اعتبار ہے کہ تیرے کہنے سے وہ دوسروں کو نوازتا ہے تو پھر اپنے لئے بھی اُسی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، کیونکہ جو مالک عطا کرتا ہے اور جس کے سوا کوئی اور عطا کرنے کی حیثیت نہیں رکھتا وہ اپنے بندوں کو کسی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے سختی سے منع کرتا ہے ۔اگر تجھے اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا یقین ہے تو پھر اُس کی بارگاہ سے مانگ ۔جا اللہ تیری بھی خیر کرے اور تجھے بھی

زیادہ دے۔عام طور پر لوگ گداگروں پر غصہ ہو جاتے ہیں لیکن دکان دار نے سارا لیکچر بڑی ہی خوش مزاجی سے دیا اور گداگر بھی خاموشی سے سن کر آگے بڑھ گیا۔میں نے دکان دار سے کہا بھائی کیوں ان مانگنے والوں سے اُلجھتے ہیں روپیہ دو روپے دے دیا کریں۔دکان دار بولا بھائی اب اُس کو کیا بتاؤں کے دن بھر جتنا کماتے ہیں اُتنے میں تو گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور اُس پر کل 21ہزار روپے بجلی کا بل آگیا ہے۔پریشان ہوں کہ یہ بل کہاں سے ادا کروں گا؟دکان میں اتنا سامان نہیں ہے کہ 21 ہزار روپے نکالنے پر بھی چلتی رہے اور کوئی آسرا بھی نظر نہیں آتا۔ان مانگنے والوں کو کیا پتا کہ سفید پوش کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔آپ کے سامنے یہ گداگر سو پچاس کما چکا ہے جبکہ میں تو ابھی دکان کھول رہا ہوں ،ابھی ایک روپے کا بھی کام نہیں، کیااس کو کہاں سے پانچ دس دے دوں ؟رنجیدہ لہجے میں بولا بھائی میں تو سوچ رہا ہوں کہ میں بھی گداگر بن جاؤں کم از کم دکان کا کرایہ، بجلی و گیس کے بل ادا کرنے سے تو جان چھوٹ جائے گی۔ان گداگروں کا کوئی خرچہ نہیں ہوتا امتیاز بھائی بس کمائی ہی کمائی ہوتی ہے۔آپ یقین کریں ہمارے ملک میں اس وقت گداگری بہت بڑا کاروبار ہے۔دکان دار نے چونکا دینے والا انکشاف کیا کہنے لگا میرے ایک جاننے والے نے ایک سال پہلے اپنا گھر بیچ کرایک لاکھ روپے کے 2چوہے (چھوٹے سر اور منہ والے دبلے پتلے انسان) خریدے اور باپ بیٹا اُن کو لئے مانگنے نکل پڑے آج تین ، تین کنال کے دو گھر گاڑی ، بینک بیلنس اور ضروریات زندگی کی

ہر چیز خرید کر اپنے محلے کی امیر ترین شخصیت بن چکا ہے۔اس کے علاوہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے مزید چار چوہے خرید کر اُن کے ساتھ مانگنے کے لئے ملازم بھی رکھ لئے ہیں۔جبکہ میں اپنی بیوی کے زیور بھی بیچ کر دکان میں سامان ڈال چکا ہوں لیکن پھر بھی کاروبار کا کوئی حال نہیں ہے۔ میں انڈے اور ڈبل روٹی تھامے چپکے سے گھر کی طرف چل دیا لیکن میرا ذہن وہیں اٹکا رہا ابھی تک میرے کانوں میں گداگر اور دکان دار کے فقرے گونج رہے ہیں۔ہمارے ہاں گداگری اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر قدم پر ایک دو گداگر مرد، عورتیں، بچے اور خواجہ سرا پائے جاتے ہیں۔ سفید پوش طبقہ سب سے زیادہ پریشان ہے۔ تھوڑے پیسوں سے شروع ہونے والے تمام کاروبار تباہی کا شکار ہیں اور زیادہ پیسے سفید وں کے پاس ہیں نہیں۔بھیک بھی نہیں مانگ سکتے اور مزدوری سے آنے والی آمدنی سے کاروبار زندگی نہیں چلتا۔انہیں سوچوں میں گم تھا کہ میرے اُستاد محترم مشتاق احمد سلطانی صاحب کا فون آگیا، وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش لہجے میں بات کر رہے تھے۔سلام دعا کے بعد انہوں نے میرا حال پوچھا تو میں نے دکان دار اور گداگر کے درمیان ہونے والی گفتگو کا سارا واقع بیان کر دیا۔اُستاد محترم بولے تو تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟میں نے کہا سر جی میں بھی تو اسی ملک کا شہری ہوں آج دکان دار حالات کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہے تو کل مجھے بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ۔مشتاق صاحب کہنے لگے ارے بھائی یہ صرف ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کائنات میں جہاں جہاں انسان بستے

ہیں وہاں وہاں پریشانی کا عالم ہے۔سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا اور اُس کا شکر ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔امتیاز اس دنیا میں وہی انسان خوش ہے جو اپنے مالک کا شکر ادا کر رہا ہے باقی سب کہ سب پریشان ہیں چاہے کسی غریب کو دیکھ لو چاہے دنیا کے سب سے امیر کو دیکھ لو۔شاعر نے ساری حقیت بیان کرتے ہوئے کیا ’’ خوب بات کہی ہے کہ

کوئی تو تمنائے زر،و،مال میں خوش ہے
اور کوئی تماشائے خدوخال میں خوش ہے
پر ہم سے پوچھو تو نہیں کوئی بھی خوش حال
خوش حال وہی ہے جو ہر حال میں خوش ہے

اُستاد محترم کا فون بند ہوا ہی تھا کہ میرا بچپن کا دوست رمضان ملک آ گیا۔رمضان ملک کا شوق تھا کہ وہ فوجی بنتا لیکن قسمت نے ٹریفک وارڈن بنا دیااور آج کل وہ لاہور میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔حال احوال پوچھنے کے بعد بولا آج کل کون سا موضوع زیر قلم ہے؟میں نے کہا آج تو گداگری کے موضوع پر لکھنے کو دل کر رہا ہے ۔رمضان بولا یار گداگر تو آج کے شہنشاہ ہیں ،ابھی کچھ دن پہلے میں گلبرگ لاہور کی ایک سڑک پر ٹریفک کنٹرول کر رہا تھا کہ ایک گداگر وہاں بھیک مانگنے چلا آیا ،جب میں نے اُسے وہاں سے جانے کا کہا تو وہ بڑے شوخ انداز میں بولا صاحب جی 2 گھنٹے کام کر لینے دو 1 ہزار روپے آپ کو بھی دوں

گا۔ میں اُس گداگر کی بات سن کر بہت حیران ہوا کہ صرف 2 گھنٹے بھیک مانگ کر وہ مجھے بھی ہزار روپے کی رشوت دینے کو تیار ہے۔ میں نے کہا اس کا مطلب ہے کہ اُسے وہاں گھنٹے بھیک مانگ کر 1 ہزار سے زیادہ کمانے کی اُمید تھی؟ رمضان ،یقینا، لیکن میں نے 2 اُسے وہاں بھیک مانگنے سے منع کر دیا جس پر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ کوئی بات نہیں میں تو کہیں اور بھیک مانگ لو گا لیکن آپ کا ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ہے۔ میں جو پہلے ہی حیرت میں ڈوبا بیٹھا تھا رمضان کی بات سن کر اور بھی پریشان ہو گیا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ کیسا معاشرہ ہے جو اللہ کے نام پر بھیک تو دیتا ہے لیکن اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کی بجائے دینا ہی نہیں چاہتا؟ جس ملک میں مزدور کو دن بھر مزدوری کرنے پر صرف 300 روپے ملتے ہیں اُسی ملک میں گداگر صرف 2 گھنٹے بھیک مانگ کر ایک ہزار سے زیادہ کما لیتا ہے۔

کیا وہ انسان نہ تھی؟

پسند سے شادی کرنے والی خاتون کو انصاف کے چمن میں یوں روندا گیا جیسے کوئی بے جان گڑیا ہو یا کسی بدکردار کا پتلا۔ انسان خواہ باپ، بھائی، ماں، بہن ہو یا کسی اور رشتہ دار کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے پر تشدد کا نشانہ بنانے یہاں تک کہ اُس کی روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ جائے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ روز قیامت جب مقتول سوال اُٹھائے گی کہ مجھے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ آخر کیوں انسانیت کے ناطے بھی کوئی بچانے نہیں آیا؟ کیا میں انسان نہ تھی؟ آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیا وہ انسان نہ تھی؟ تو پھر نہ صرف اُس کے رشتہ دار جنہوں ظلم کیا بلکہ ہم سب سر جھکائے شرمندہ کھڑے ہوں اور کوئی جواب نہ دے پائیں گے۔ اپنی انا کو غیرت کا نام دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اب اُن غیرت مند رشتہ داروں کی غیرت کہاں جائے گی جب جیل میں اُن کی مائیں، بیٹیاں اور بہنیں ملنے آئیں گی؟ گھر کے غیرت مند مرد جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہوں گے تو اُن کے مقدمہ پر خرچ کرنے کیلئے سرمایہ اُن کی عورتیں کہاں کہاں سے اکٹھا کریں گی؟ ایسی باتیں تو سوچ کر ہی غیرت اپنی موت آپ مرجاتی ہے۔ پھر بھی غیرت کا نام لے کر اپنی ہی بیٹی یا بہن کو اس بے دردی کے ساتھ قتل کردینا جیسا کہ لاہور میں ایک خاتون کو مرضی کی شادی کرنے پر کردیا گیا اور وہ بھی کمرہ عدالت کے باہر

جہاں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے شیر جوان بھی موجود تھے ۔اس واقعہ کو یقینا معاشرتی بے حسی کہا جاسکتا ہے۔ چلو مان لیا کہ باپ اور بھائیوں کو غصے اور انا پرستی نے اندھا کردیا تھا پر سرعام ایک انسان کو قتل ہوتے دیکھ کر نہ صرف قانون نافذ کرنے والے ادارے کا کوئی اہلکار (جو عوام کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری کا حلف اُٹھا کر بھرتی ہوتے ہیں) آگے آیا اور نہ ہی کسی عام شہری نے انسانیت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی ۔ہم جانتے ہیں کہ یہ کوئی پہلا یا آخری قتل نہیں ہے ایسا ماضی میں بھی ہوتا آیا ہے اور جب تک انسان اور خاص طور پر مسلمان اپنی انا کے خول سے باہر نہیں آتا ایسا ہوتا رہے گا۔چیف جسٹس آف پاکستان نے اس معاملے کا نوٹس لے کر انسانیت کو مزید پامال ہونے سے بچانے کی جو کوشش کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مجرموں کو ماضی کی طرح سزائیں صرف سنائی جائیں گی یا اُن پر عمل کے بعد آئندہ کیلئے نشان عبرت بھی بنایا جاتا ہے ؟راقم تو صرف اس دل خراش سانحہ کی مذمت ہی کرسکتا ہے۔آج کے معاشرے میں عورت کی بے توقیری دیکھتا ہوں تو دور جہالت کے بدصورت رسم ورواج تصویروں کی صورت آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں، مجھے احساس دلاتے ہیں کہ تُو بھی کسی مہذب معاشرے کا فرد نہیں بلکہ دورجہالت سے ملتے جلتے دور میں پیدا ہوا ہے۔جس نسل کی ماں ظلم زیادتی ناانصافی کا شکار ہو وہ کس طرح پرامن ،باشعوراور باعزت معاشرہ قائم کرسکتی ہے۔جولوگ اپنی ماؤں ،بہنوں ،بیٹیوں اور بیویوں کو عزت وانصاف نہیں دے سکتے

وہ کیونکر دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے حقدار ہو سکتے ہیں۔غلام، بے توقیر اور ظلم کی چکی میں پسی ماں کس طرح بچوں کو خوددار، خودمختار، ایماندار اور باشعور بنا سکتی ہے؟جس معاشرے میں ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی کوئی عزت نہیں اُس معاشرے کے افراد کی دنیا کیا عزت کرے گی؟جن کی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو اپنے بیٹے، باپ، بھائی شوہر یا گھر پر کوئی حق نہیں وہ کس منہ سے دنیا سے اپنے یا انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں؟افسوس کہ اسلامی معاشرے کو غیر مذہب رسم ورواج نے یرغمال بنا کر ہمیں مفلوج کر کے حقائق سے اس قدر دور تر کر دیا ہے کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ بالغ مرد وعورت کو اپنی زندگی کا فیصلہ یعنی نکاح کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے تو پھر ہم کون ہوتے ہیں غیرت کا نام لے کسی کی جان لینے والے؟کس نے دیا ہے اختیار ہمیں کسی کو صرف اس لئے قتل کر دینے کا کہ اُس نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی؟افسوس اسلام سے پہلے معاشرے میں بھی عورتوں کی کوئی عزت اور قدر ومنزلت نہ تھی۔وہ ظلم وستم کا شکار تھی۔حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ مکہ میں عورتوں کو بالکل ناقابل توجہ سمجھا جاتا تھا،مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی پر اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔رسول اللہؐ نے حکم خُداوندی کے تحت عورت کو عزت واحترام کا وہ مقام بخشا جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریمؐ نے عورت کے حقوق وفرائض کا تعین فرمایا اور اسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی سمیت تمام رشتوں سے عزت عطا

فرمائی۔ارشاد نبوی ہے ’’تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو (اپنی) بیویوں سے بہتر سلوک کریں اور میں اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتا ہوں‘‘ خطبہ حجتہ الوداع میں بھی عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔آپؐ نے مسلمانوں کواس خطبہ کے ذریعے خواتین کے بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کا حکم دیتے ہوئے پابند کردیا کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آو،آپؐ نے فرمایا مردوں کا یہ مقام نہیں کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکری سمجھیں بلکہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تحت ہونا چاہئے اور انہیں ان کا جائز مقام ملنا چاہئے‘‘ افسوس آج مسلمان معاشرہ بھی ہندو و دیگر غیر مسلم معاشروں کے رسم ورواج اپناچکا ہے جن میں عورتوں کو نہ تو عزت دی جاتی ہے اور نہ انسان سمجھا جاتا ہے۔آج عورت پر ہر طرح سے ظلم وستم ہو رہے ہیں وہ ماں بھی ہے، بہن بھی، بیٹی بھی اور بیوی بھی ، ہمیں اُس کی ضرورت بھی بہت ہے لیکن اُس کی عزت کرنا ہمارے لئے باعث شرم بنتا جارہا ہے ۔ قابل ذکر بات کہ لاہور میں عدالت کے باہر ایک خاتون کے باپ اور بھائیوں کے ہاتھوں بے دردی سے قتل ہونے پر برطانیہ اور امریکی محکمہ خارجہ کی ترجمان کے مذمتی بیانات کے ساتھ مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ آنے کے بعد بہت سے پاکستانیوں کی خودمختاری مجروح ہورہی اور وہ سوچ رہے کہ یہ کھلم کھلا پاکستان کے اندورنی معاملات میں مداخلت ہے ۔میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کو سرحدوں میں قید نہیں کی کیا جاسکتا۔ بیرونی مطالبہ کہ مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا

جائے ناجائز اور نامناسب نہیں اور دوسری بات کہ جب ہم اپنے معاملات ٹھیک طریقے سے نہیں چلائیں گے تو پھر دوسروں کو مداخلت کا موقع ضرور ملے گا۔ ہماری یہ خواہش کہ ہمارے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہ ہو تب ہی پوری ہو سکتی ہے جب ملک میں قانون کی حکمرانی اور چاروں طرف انصاف کا بول بالا ہو۔

رحم دل بادشاہ

موسم گرما کی چھٹیاں ہو چکی ہیں، مجھے پکا یقین ہے کہ میری طرح آپ بھی خوب مستی سے چھٹیاں گزار رہے ہوں گے۔ ماموں، پھوپھی، خالہ کے گھر جانا یا پھر دادی ماں کے کمرے میں خوب اودھم مچانا۔ یاروں چھٹیاں ہوتی ہی مستی کیلئے ہیں پر خیال رکھنا ڈھوپ کے وقت باہر نہ نکلنا کہیں طبیعت خراب ہو گئی تو سارہ مزہ جاتا رہے گا۔ چھٹیوں کے 15.10 دن بیمار ہو کر گزارنے کا شوق مجھے تو بالکل نہیں تھا۔ میں تو ڈھوپ اور شدید گرمی کے وقت کمرے میں ہوم ورک کیا کرتا یا مزے مزے کی کہانیاں پڑھا کرتا تھا۔ حاضر ہے آپ کیلئے ایک سبق اور حکمت بھری کہانی۔ آپ نے مجھے ای میل کرکے ضرور بتانا ہے کہ کہانی پسند آئی یا نہیں، کہانی میں کہاں کہاں بوریت ہوئی اور کہاں مزہ آیا۔imtiazali470@gmail.com ۔پیارے بچوں انسان کو رحم دلی اور عقل مندی سے کالینا چاہیے۔آج میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں جس میں ایک شخص کی رحم دلی اور دوسرے کی عقل مندی پوری ریاست کو ایک.بڑی مشکل سے باآسانی بچالیتی ہے۔ کسی ریاست میں تین صدیوں تک ظالم حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آ کر عوام نے بغاوت کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام نے حکمران خاندانوں کے ایک ایک فرد کو چن چن کر مار ڈالا اور فیصلہ کیا کہ اب حکمران اس کو بنایا جائے جو ریاست کا

سب زیادہ نرم دل شخص ہو اور اُس کے خاندان میں بھی کبھی کسی نے ظلم نہ کیا ہو۔بڑی تلاش کے بعد آخرکار اُس ریاست کے عوام کو ایسا حکمران مل گیا جس کی پچھلی سات نسلوں میں کوئی ظالم پیدا نہیں ہوا تھا۔اُس کی رحم دلی کے چرچے دور دور تک پھیلے تھے پورا خاندان عدل انصاف کا پیکر تھا سو اُس شخص کو رحم دل کا خطاب دے بادشاہ، بنادیا گیا۔ جلد ہی آس پاس کی ریاستوں میں بھی رحم دل بادشاہ کی رحم دلی مشہور ہونے لگی اور ریاست تیزی سے ترقی کرنے لگی ،چاروں طرف بہار ہی بہار نظر آنے لگی عوام بہت خوش تھے کہ اُن کی ظالم حکمرانوں سے جان چھوٹ گئی ۔لیکن بدقسمتی سے چند برسوں میں ہی ریاست میں جرائم کا تناسب بڑنے لگا اور امن وامان کی صورت حال خراب ہونے لگی ۔حالات رحم دل بادشاہ کے قابو میں نہ رہے ۔وہ پریشان تھا کیونکہ اگر وہ سخت سزاؤں کا اعلان کرتا تو اُس کی رحم دلی پر حرف آتا تھا۔ مجرم کو سزا نہ دی جائے تو جرائم کی روک تھام ممکن نہیں رہتی ۔رحم دل بادشاہ نے اپنے وزیروں اور سفیروں کو مشورے کے لیے بلا لیا۔ تمام وزیروں اور سفیروں نے سخت سزاؤں کی حمایت کردی صرف ایک بزرگ مشیر چپ تھا،رحم دل بادشاہ نے اُس بزرگ مشیر کے علاوہ سب کو، جانے کا کہا جب سب چلے گئے تو بادشاہ نے مشیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا میاں جی میں کسی مجرم کو سزائے موت دوں تو میری رحم دلی کا بھرم قائم نہیں رہتا اور سزا نہ دی جائے تو جرم نہیں رکتا آپ ہی بتائیں میں کیا کروں ؟کیا مجھے حکومت چھوڑ دینی چاہیے ؟مشیر نے خاموشی توڑی اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ آپ سخت سزاؤں

کا اعلان کر دیں گے تو کافی حد تک جرائم کم ہو جائیں گے۔اور جو باقی بچیں گے وہ بھی کسی مجرم کو سزائے موت دیے بغیر ختم ہو جائیں گے۔اس طرح آپ کی رحم دلی کا بھرم بھی قائم رہے گا اور ریاست بھی جرائم سے پاک ہو جائے گی۔بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور اس نے حیران ہو کر مشیر سے پوچھا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سخت ترین سزاؤں کا اعلان کرنے کے بعد ان پر عمل کئے بغیر جرائم ختم ہو جائیں؟مشیر نے کہا بادشاہ سلامت میرا اعتبار کریں اور سخت ترین سزاؤں کا اعلان کر دیں میرا آپ سے وعدہ ہے کہ ایک بھی شخص کو مارے بغیر موت کی سزا پر عمل ہو جائے گا۔رحم دل بادشاہ نے اگلے ہی دن ریاست میں ہر چھوٹے بڑے جرم کی سزا موت کا اعلان کر دیا اور مشیر کے مشورے کے مطابق اگلے ہی دن 10 مجروں کا سر عام سر قلم کرنے کے بعد ان کی لاشیں جلا دیں۔اس دن کے بعد ہر مجرم نے جرم سے توبہ کر لی اور اس طرح ریاست میں ہر چھوٹا بڑا جرم ختم ہو گیا۔امن و مان کی صورت حال بحال ہو گئی اور ریاست پہلے کی طرح تیزی سے ترقی کرنے لگی عوام پھر سے خوشحال ہو گئے۔اب آپ حیران ہوں گے کہ 10 لوگوں کا سر قلم کرنے پر بھی سزائے موت پر عمل نہیں کیا گیا آخر یہ کیسے ممکن ہوا؟بچو مشیر بہت سمجھدار تھا اُس نے 10 کے 10 مجرم خود بنائے تھے جی ہاں وہ 10 انسان نہیں پتلے بنائے گئے اور ان کو اانسانی روپ اور جانوروں کا خون لگا کر مجرموں کو سبق سکھانے اور جرم سے دور رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔10 لوگوں کو سزا موت دی گئی لیکن ریاست میں کسی ایک گھر کا فرد بھی کم نہ ہوا،اتنی بڑی ریاست میں

عوام کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی کہ رحم دل بادشاہ نے اپنے عقل مند مشیر کے مشورے سے بغیر کسی کی جان لیے ریاست کو تمام جرائم سے پاک کر دیا۔پیارے بچو دیکھا آپ نے اگر ہم رحم دلی اور عقل مندی سے کام لیں تو مشکل سے مشکل مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو سکتا ہے:اب آپ نے عقل مندی اور رحم دلی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپکو دھوپ اور شدید گرمی سے بچانا ہے اور اپنے والدین کی ساری باتیں مان کر اپنے آسانیاں پیدا کرنی ہے۔زندگی رہی تو ایک اور کہانی لے کر آپ کی خدمت آؤں گا۔

مسلمان کا اچھی، بری تقدیر پر یقین رکھنا۔ ہر اچھے اور برے وقت میں اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی پیشانی خالق کائنات کے سامنے سجدوں میں جھکائے رکھنے کو اس کے سچے مسلمان ہونے کی دلیل کہا جا سکتا ہے۔ صحابہ اکرامؓ جب تقدیر کے معاملے میں جھگڑتے تو سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ ان سے بہت خفا ہو جاتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسئلہ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے ''تو آپ ﷺ جلال میں تشریف لے آئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دئے گیے ہوں ''پھر ارشاد فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے ''یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں ''تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلے میں جھگڑے کیے تو ہلاک ہی ہو گئے ''میں تم پر لازم کرتا ہوں' میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلے میں جھگڑا مت کرو:: تقدیر جیسی بھی ہو تقدیر بنانے اور بدلنے کی قدرت صرف اور صرف اللہ تعالٰی کو ہے۔ اس لیے ہمیں تقدیر کو دوش دینے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے چاہیے۔ موجودہ دور میں جب ہم ایک ہی وقت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ جن میں سودی نظام کی بدولت پھیلی ہوئی دہشتگردی، بے روزگاری ہے، مہنگائی، نا انصافی اور لاقانیت شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے جنگیں

کبھی بھی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں بنیں، بلکہ جنگوں میں اور زیادہ مسائل جنم لیتے ہیں ۔جس کی جیتی جاگتی مثال اس وقت آج ہمارے آنگن میں پھیلی دہشتگردی ہے۔اور اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ ہم لوگ دہشتگردی کا نشانہ بننے والے اپنے بہن بھایوں کی کوئی مدد کرنے کی بجائے ان کی جیبوں سے ان کے پرس "کلائیوں سے ان گھڑیاں' چوڑیاں اور دیگر قیمتی چیزیں چوری کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میرے نزدیک جو لوگ دہشتگردی کی واردات کرتے ہیں اور جو لوگ زخمی انسانوں کی مدد کرنے کی بجائے چوریاں کرتے ہیں۔ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ میرے خیال میں دونوں طرح کے لوگ کسی دوسرے سے نہیں اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہیں۔ حضرت واصف علی واصف صاحب کا یہ شعر بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہمارے حالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

میرے سر تے امبر ڈگیا، میں تارے چن دی جاں
میں اپنے آپ نوں ڈنگیا، میں سپاں دی وی ماں

ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔شعور و عقل کے ذریعے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانا ہوں گی ۔سب سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکتے ہوئے اپنی اصلاح کرنا ہوگی کیونکہ کسی دوسرے کی نسبت انسان اپنے آپ کو زیادہ قریب سے جانتا ہے اس لیے اگر ہم خود اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تو کامیابی کے امکان بہت زیادہ ہونگے ۔زاویہ نگاہ بدلنے سے منظر بدل جایا کرتے ہیں۔اسی طرح طرز فکر میں

تبدیلی سے زندگیاں بدل جایا کرتیں ہیں۔شعور انسانی جیسے جیسے بیداری کی منازل طے کرتا ہے ''زندگی کی راہیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔مثبت طرز فکر ہمیشہ امن وترقی کی راہیں کھولتا ہے۔جولوگ مسائل میں الجھے بغیر دستیاب وسائل کا بہتر طریقے سے استعمال سیکھ لیتے ہیں زندگی کی راہیں ان کے لیے آسان ہوجایا کرتی ہیں۔اگر غور سے دیکھا جائے تودنیا میں ہر شے کچھ بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔انسان چاہے کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو۔کوئی سی بھی زبان بولتا ہو۔وہ معاشرے کااہم حصہ ہوتا ہے ۔انسانی اکائیوں کے مجموعہ کو معاشرہ کہتے ہیں۔انسانی معاشرہ کو بھی کچھ ایسے اجزاء کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔جس میں اگر تمام اجزاء اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں تو معاشرے کی گاڑی بڑی کامیابی سے بہتری کے سفر میں رواں دواں رہتی اور کامیابی کی بہت سی منزلیں باآسانی طے کرتی ہے۔آج پاکستان میں بے پناہ قدرتی وسائل دستیاب ہونے کے باوجود پاکستانی عوام فاقہ کشی پر مجبور ہے۔وسائل سے مالامال پاکستان میں 80فیصد سے زیادہ لوگ انتہائی غربت کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ایسا کیوں ہے ؟کیا ہم نے آزادی کے 66برس گزار کر بھی اپنے وسائل کو صحیح طرح سے استعمال کرنا نہیں سیکھا؟کیا پاکستانی عوام آج بھی باشعور نہیں ہے؟کیا ہمیں آج اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت طرز فکر اپنانے کی ضرورت نہیں ہے ؟کیا ہم دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کی بجائے اپنا اپنا کام بہتر طریقے سے سرانجام نہیں دے

سکتے ؟ میرے عزیز ہم وطنوں ایسے اور بھی بہت سوالات ہیں ۔جو ہمیں خود سے کرنے ہیں نہ کہ کسی دوسرے سے ۔مثال کے طور پر ملک میں غربت میں کمی کیسے ہوگی؟اس سوال سے ہماری قومی ترقی جڑی ہوئی ہے ۔اس لیے یہ سوال بڑی زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔قوموں کے خوش حال مستقبل کا بچت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے
۔ سمجھدار لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر کچھ نہ کچھ وسائل زندگی میں آنے والے برے وقتوں کے لیے جمع رکھتے ہیں ۔تاکہ مشکل وقت میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے ۔غریبوں کے لیے مکان خریدنا'' کسی بیماری کی صورت میں علاج معالج یا بچوں کی شادیاں کرنا دنیاکے مشکل ترین کام ہیں ۔اس لیے غریب لوگ بچوں کے پیدا ہوتے ہی بچوں کے بہتر مستقبل'' تعلیم وتربیت کے لیے بچت کرنا شروع کردیتے ہیں ۔ دیکھا جائے تو یہ بھی ایک مثبت طرز فکر ہے ۔ہم بحیثیت قوم بچت کو اپنا شعار بناتے اور مثبت طرز فکر اپناتے تو یقیناآج ہمیں کمر توڑ مہنگائی'' بدترین کرپشن'' آسمان کو چھوتی ہوئی بدامنی معاشرے میں بڑھتی ہوئی ناانصافی،اقربا پروری ،' تیز رفتاری سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اورلوڈشیڈنگ کے دردناک عذاب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا ۔پاکستانی معاشرے کے تمام اجزاء اپنا اپناکام صحیح طریقے سے کرتے توآج ہم بھی دنیامیں ایک مہذب اور باوقار قوم کی حیثیت سے سر اٹھاکرزندگی گزار رہے ہوتے ۔بد قسمتی سے ایسا نہ ہوسکااور آج ملک میں فیکٹریاں اورکارخانوں کا پہیہ جام ہوچکا ہے ۔بے روزگاری اس قدر بڑھ چکی ہے

کہ غریب کا چولہا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔بے بسی کے عالم میں بے روزگاری اور تنگ دستی سے مجبور لوگ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔اپنے ہی معصوم بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو موت کے سپرد کر رہے ہیں۔حالات اس قدر خراب ہونے کے باوجود بھی ہم درپیش مسائل کے حل میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ایک دوسرے پر الزامات کی چھریاں چلانے کے سوا ہمیں کوئی کام نہیں آتا۔حکمران عوام کو اور عوام حکمرانوں کو برا بھلا کہہ کر وقت گزار رہے ہیں۔کسی معاشرے میں حکمران طبقہ ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دے تو عوام کو مجبوراً اپنے معاملات ٹھیک کرنے پڑتے ہیں۔حکمران ہی جھوٹ اور ٹال مٹول کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جائیں،عوام کو روٹی کے لالے پڑے ہوں تو پھر مثبت طرز فکر تو دور کی بات ہے مثبت سوچ بھی انسانی ذہن کے قریب سے نہیں گزرتی۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم کائنات کی بہترین قوم یعنی مسلمان اور آزاد پاکستان کے باسی ہو کر بھی ذلت و رسوائی کی دلدل میں روز بہ روز دھنستے چلے جا رہے ہیں۔آج ہمیں یعنی عوام کو حکمرانواں کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرنے کی اشد ضرورت ہے۔جب تک عوام خود کرپشن کرنا نہیں چھوڑتے تب تک ممکن ہی نہیں کہ حکمران کرپشن نہ کریں ۔میرے عزیز ہم وطنوں آج ہم نیک اور پرہیزگاروں کو بھی اپنا حکمران چن لیں لیکن خود کو تبدیل نہ کریں تو نیک اور پرہیزگار لوگ بھی حکومت میں آنے کے بعد بے ایمان اور کرپٹ ہو جائیں گے،بالکل اس مسلمان ریاست کی طرح جس کے حکمران جب

عوام پر ظلم کرتے تو عوام اللہ تعالیٰ سے کہتی کہ یا اللہ حکمران ظالم بن گیا ہے۔یااللہ اس ظالم حکمران کو بدل کر ہمیں نیک اور عوام کا درد رکھنے والا حکمران عطافرما۔قوم جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی وہ قبول ہوتی اور ان کا بادشاہ اگلادن آنے سے پہلے ہی مرجاتا اوراس طرح عوام کو نیا حکمران مل جاتا۔ایک موقع ایسا آیا جب حکمران خاندان کے سب ولی عہد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔اب قوم کو ریاست کے معاملات چلانے کے لیے ایک صاحب علم شخص کی ضرورت محسوس ہوئی۔عوام نے ریاست کے سب سے بڑے عالم دین کو ریاست کا بادشاہ مقرر کردیا۔عالم دین یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے عوام پر ظلم کیاتو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گی جس کے نتیجے میں اس کی موت لازم ہوجائے گی۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حکومت کے نشے میں حکمران کا مست ہونا فطری بات ہے۔اس نے ہمسایہ ریاست جو کہ غیر مسلم تھی سے سور کی کھال کے مشکیزے بنوائے اور اپنی ریاست کے سب پانی بھرنے والوں کو بلا کران سے پرانے مشکیزے واپس لے کران کو سور کی کھال کے بنے ہوئے نئے مشکیزے دے دیے اور کچھ عرصہ تک بڑی ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا۔اور پھر جب اس نے محسوس کیا کہ عوام کے رگوں میں حرام سرایت کرچکا ہے تو ان عوام پر ظلم ڈھانے شروع کردیے۔جب بادشاہ کے ظلم حد سے بڑے تو عوام نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا شروع کردیں لیکن قوم انجانے میں ایک عرصے سے سور کی کھال کی بنی مشکیزے کے ذریعے بھرا پانی پی رہے تھے جو کہ اسلام میں حرام ہے۔اس لیے

اس بار قوم کی دعائیں نہ قبول ہوئیں ۔اس ساری کہانی کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان قوم انجانے میں حرام کھاتی ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو اس کی دعائیں بارگاہ الہیٰ میں رد ہو جاتیں ہیں ۔تو پھر جان بوجھ کر حرام کھانے والوں کی دعائیں کس طرح قبول ہو سکتی ہیں ۔آج ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے نہ کہ دوسروں کے۔ خود سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم حرام تو نہیں کھا رہے ۔خود سے یہ جواب ملے کہ ہاں ہم حرام کھا رہے ہیں تو پھر مزید وقت ضائع کیے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ سے مافی مانگنے اور سچے دل سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہلال و حرام کی تمیز کرنے کے ساتھ ساتھ آج ہمیں دوسروں کو برا کہنا چھوڑ کر مثبت طرز فکر اپناتے ہوئے اپنی اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے ۔تاکہ ہم بھی خوشحال اور ترقی یافتہ پاکستان اور خوبصورت مسلمان معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرسکیں ۔سب سے اہم یہ کہ حکومت پاکستان سودی نظام کو ختم کرنے کے حق میں نہیں ، عوام ہی اس مسئلے کے خلاف نکلیں تو نکلیں یا پھر علماء اسلام اپنا کردار داد کریں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راہ حق پر چلنے کی ہمت عطا کرے ۔آمین

بابا یہ تو چیٹنگ ہے

بابا سوتے رہے ،شاہ زیب کی پٹائی ہوتی رہی۔شاہ زیب کی ہر غلطی پر بابا اُسے مما کی پٹائی سے بچایا کرتے ۔اُس روز بھی بابا گھر پر ہی تھے شاہ زیب نے مما کی بات ماننے سے انکار کردیا جس پر مما کو غصہ آگیا، ہمیشہ کی طرح وہ جانتا تھا کہ بابا بچالیں گے ،شاہ زیب کی بد قسمتی سے اُس دن بابا سو رہے تھے ۔جتنی دیر میں بابا نیند سے جاگ کر اُسے بچاتے اچھی خاصی پٹائی ہوچکی تھی۔اس بات پر شاہ زیب بابا سے بہت خفا ہوا، بابا نے اُس کی مما کو جھوٹ موٹ کا ڈانٹ کر شاہ زیب کو خوش کیا اور سمجھاتے ہوئے کہا بیٹا دنیا میں ہر جگہ بابا آپ کے ساتھ نہیں ہوں گے ۔آپ اپنے اخلاق کو بہتر کرو اور دوسروں کے ساتھ پیار محبت سے پیش آنا سیکھو۔آپ اپنی مما کی بات مان لیتے یا اُن کو پیار سے منا لیتے تو آپ کو پریشانی کا سامنا نا کرنا پڑتا۔بابا نے شاہ زیب کو بڑے ہی پیار سے سمجھایا کہ غلطی آپ ہی کرتے ہو۔بابا آپ کے ساتھ بہت محبت کرتے ہیں اس لئے آپ کو بچالیتے ہیں۔یاد رکھنا مما بھی آپ سے بہت پیار کرتیں ہیں اِسی لیے وہ آپ کو کامیاب انسان بنانا چاہتی ہیں ۔وہ چاہتی ہیں کہ آپ پڑھ لکھ کر بڑے آفیسر بن کر اپنا، اپنے بابا، مما اور پاکستان کا نام روشن کرو ۔دیکھو شاہ زیب آپکی مما آپکی دشمن نہیں بلکہ سب سے قریبی اور مخلص دوست ہیں اور مخلص دوست کبھی بھی اپنے دوست

کو تکلیف نہیں دیتے وہ تو بس آپ کو ڈرا کر آپکی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کرتی ہیں۔شاہ زیب بولا بابا مجھے پتا تھا آپ مجھے بچالیں گے اس لئے میں نے مما کی بات سنی ان سنی کردی پر آپ ایک منٹ میں کس طرح سو گئے اور میرے چیخنے پر بھی نہیں جاگے ؟بابا مسکراتے ہوئے بولے آپ ٹھیک کہہ رہے ہو میں جاگ رہا تھا،خاموش یہ دیکھنے کے لئے رہا کہ آپ کس طرح مشکل وقت کا مقابلہ کرتے ہو۔ بابا آج بھی ہمیشہ کی طرح آپ کو بچالیتے تو پھر م آپ کو سمجھانے کا موقع ملتا اور نا ہی آپ سنجیدگی سے بات سنتے ۔شاہ زیب دکھی انداز میں بولا بابا یہ تو چیٹنگ ہے ۔بابا چیٹنگ ہے چلو میں سوری کرتا ہوں ،آپ بھی اپنی مما سے سوری کرو اور وعدہ کروکے آئندہ اُن کی بات مانوگے ۔شاہ زیب بولا بالکل ٹھیک کہا آپ نے بابا۔ شروع شروع میں مجھے سکول میں ڈانٹ پڑا کرتی تھی تو میں وہاں آپ کو تلاش کیا کرتا تھا،اب مجھے سکول میں ڈانٹ نہیں پڑتی کیونکہ اب میں اپنا کام وقت پر اور ٹھیک ٹھیک کرتا ہوں ۔آپ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں ناں کہ جب میں اپنا کام ٹھیک اور وقت پر کروں گا تو پھر مجھے مما سے بھی ماریا ڈانٹ نہیں پڑے گی ۔بابا ،شاباش میرے مکھنا آپ بالکل ٹھیک سمجھے چلو اسی خوشی میں گلے لگو اور اپنی مما سے مشورہ کرکے کل سیر پر جانے کا پروگرام بناؤ۔پارک جائیں گے ،برگر اور آئس کریم کھائیں گے شاہ زیب خوش ہو کر بابا اس بار پارک نہیں چڑیا گھر چلیں گے ؟بابا، ہاں ٹھیک ہے جہاں آپ کہو ،اپنی مما کے ساتھ بات کرلو، وہ نا مانیں تو کیا کروگے ؟شاہ زیب یہ بات

آپ مجھ پہ چھوڑ دیں میں اُنہیں پیار سے منالوں گااور اب کبھی بھی مما سے مار نہیں کھاؤں گا۔اتنے میں شاہ زیب کی مما بھی کچن سے کمرے میں داخل ہوئیں ،وہ کمرے میں آتے ہی بولیں صرف چڑیا گھر نہیں عجائب گھر بھی چلیں گے اور صرف بر گر،آئس کریم ہی نہیں بلکہ شوارما بھی کھائیں گے ۔شاہ زیب کا سارا درد جو پٹائی کے بعد سے جاری تھاایک دم ہوا میں اُڑگیااور فورا یہ سب باتیں اپنے کزن صبور اور بسمہ کوبتانے بھاگ نکلا ۔چند منٹ بعد واپس لوٹا تو صبور اور بسمہ بھی ساتھ تھے ۔التجایا لہجے میں بولا بابا،مما صبور اور بسمہ کو بھی ساتھ لے چلوں ،بابا بولے بیٹا جانی صرف صبور اور بسمہ کو ہی ساتھ لے کر جاؤگے یاہمیں بھی لے چلوگے ،بابا کی بات سن کر سب کھلکھلا کر ہنس دیئے ۔

مصائب کی یلغار

گزشتہ کئی دہائیوں سے دنیائے اسلام پر مصائب کی یلغار جاری ہے جنگیں، مظالم ،بدامنی، خشک سالی، ناانصافی، سیلاب ، طوفان، مہنگائی وغیرہ مسلسل بڑھتے جارہے ہیں۔ چھوٹے اور کم ترقی یافتہ ممالک مقروض ہوچکے ہیں۔ مسلم ممالک کے حاکمین اور عوام سخت پریشانی کے عالم میں اس تحقیق میں مصروف ہیں کہ آخر مصائب سے نجات کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔قرآن مجید کی روسے یہ تمام مصائب ،مسائل ہمارے بُرے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں ۔جب قومیں گناہوں کی دلدل میں ڈوب کر ظلم کی انتہا کر دیتی ہیں تب مصائب حد سے گزر کر عذاب کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔آج ہم فحاشی، شراب نوشی، بدکاری، سودخوری،زنا،ناچ گانا،چور بازاری اور بے ایمانی وغیرہ میں زندگی کی حقیقی خوشحالی اور خوشیاں تلاش کررہے ہیں جبکہ خوشحالی تواچھے اور نیک اعمال کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالٰی ہے کہ بہت سے شہر تھے جنھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے سرکشی کی پھر ہم نے ان کا سخت حساب کیااور ہم نے ان کو سخت عذاب دیا،پس انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھااوران کاانجام خسارہ ہی ہوا (الطلاق: ۹) قرآن کریم میں انبیاء کرامؑ کی نافرمانی کرنے والی اور سرکش قوموں پر عذاب الٰہی کے واقعات کابار بار ذکر ہے ۔قوم نوح پر بارش و

سیلاب ، قوم صالح اور شعیب پر زلزلہ ، قوم عاد پر تیز ہوا کا طوفان ۔ قوم لوط کی بستیاں الٹا کران پر پتھروں کی برسات، فرعون پر طوفان ، ٹڈیاں، گھن ، مینڈک اور خون کا عذاب اور بلا آخر دریا میں غرق کرنا یہ سب وہ عذاب الٰہی ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے ۔یاد رہے کہ ان تمام قوموں پر پہلے مصائب نازل کئے گئے جب انہوں نے پرواہ نہ کی اور الٹا تکبر اور مذاق کیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان قوموں کو گھیر کر ہلاک کردیا۔ متکبر قوموں کو متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا" کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو (ان کے گناہوں کے سبب) ہلاک کردیا گیا، جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی الانعام: ٦) ایک جگہ ارشاد ہوا کہ "یقینا ہم ان کو دنیا میں چھوٹا عذاب چکھائیں گے) اس بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں (السجدہ: ٢١) آج اُمت مسلمہ کے حالات بتاتے ہیں کہ تمام چھوٹے عذاب نازل ہورہے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے رب کی طرف رجوع نہ کیا تو ہمیں بڑے عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔ آج دنیا بھر کے مسلمان مختلف مصائب کا شکار ہیں جن میں زیادہ تر جنگیں اور بدامنی ہے ۔میں آج امت مسلمہ کو دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ فوری طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی پیروی شروع کرکے فوری طور پر سودی نظام کو ختم کیا جائے تاکہ مصائب اور عذابوں سے جان خلاصی ممکن ہوسکے۔ دین الٰہی کے متعلق آگاہی پھیلانے کے لئے علماء اور دانشور اپنا فرض ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ان

ارشادات کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔ ”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دو مرتبہ آفتوں میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نصیحت نہیں لیتے“ (التوبہ:۱۲۶) ”اللہ کی پکڑ سے صرف وہی قوم بے فکر ہے جس کی شامت ہی آئی ہو“

مسائل کی جڑ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب عام لوگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو آپؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا،اے لوگو، میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں،اگر مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نافرمانی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارا امیر اور حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا۔لوگو،اللہ تعالی نے مجھے تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے،تم میں جونیک کام کرے گا میں اُس کے ساتھ نیک سلوک کروں گا اور جو بُرائی کا ارتکاب کرے گا اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔عرب کی مثال اس اُونٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہے،اس کے ساربان (رہنماء) کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جارہا ہے،میں (حضرت عمرؓ) اللہ تعالی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا"تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورخلافت میں چلنے والا مسلم حکومت کا نظام نا صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے اپنی مثال آپ ہے ۔وسیع تر سلطنت کے حکمران ہونے کے باوجود حضرت عمر نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی ،آپ اکثر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پیوند لگے لباس میں گشت کیا کرتے تھے،اکثر مقامات پر اینٹ کا تکیہ لگائے بلا تکلف سوجاتے،خود بھی سادگی پسند کرتے اور اپنے حکام کو بھی سادگی کی تلقین کرتے تھے،ایک لباس سردیوں کا اور ایک گرمیوں

کار کھتے ۔ کبھی کبھی صرف ایک جوڑا ہوتا جسے دھو کر پہن لیتے ،آپؓ گزر بسر کے لئے صرف دو ،درہم روزانہ بطور وظیفہ لیتے ۔ قارئین محترم کالم کے آخر میں آپ کو حضرت عمرؓ کا ایک قول سناؤں گا جو مسلم ریاست کے حاکم کی حیثیت اور ذمہ داری کا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے ۔ اگر پاکستان کے عوام اور حکمران حضرت عمرؓ کی طرح سادگی پسند ہوتے تو آج وی وی آئی پی کلچر اس قدر نہ پھیلتا۔ میں تو وی آئی پی کلچر کو تمام مسائل کی جڑ سمجھتا ہوں ۔آج ہر طرف سفارش ، رشوت ، کرپشن ،اقرباء پروری اور بے ایمانی کا بازار گرم ہے ۔ سرکاری محکمے تو اپنی جگہ پرائیوٹ مقامات پر بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے ۔کچھ دن پہلے میرے بیٹے کو تیز بخار ہوگیا ہر والد کی طرح میرا بھی دل چاہا کہ علاقے کے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرواؤں ،آپ جانتے ہیں کہ اچھے ڈاکٹر کی فیس بھی اچھی خاصی ہوتی ہے، بچے کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے کلینک پہنچا تو وہاں مریضوں کا کافی رش تھا، میں بھی ٹوکن لے کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ آپ کو یہ سن کر حیرانگی نہیں ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب ٹوکن والے ایک مریض کے ساتھ چار سے پانچ وی آئی پی مریض چیک کر رہے تھے ، کوئی دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا جو ڈاکٹر صاحب کا بھی دوست ہے ۔اُسے ڈاکٹر کو فون کرکے سفارش کرنے کو کہا،اُس نے فون کرکے میری سفارش کر دی ،سفارش کا اثر یہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی نرس نے آکر پوچھا کے امتیاز صاحب کون ہیں اور کمرے میں چلی گئی ،جب سفارش کے بعد ایک گھنٹا گزر جانے پر بھی میری باری نہ آئی تو میں نے ڈاکٹر

صاحب کے ایک ملازم کو پچاس روپے کے ساتھ اپنا وزٹنگ کارڈ دے کر کہا کہ پچاس روپے آپ کے ہیں یہ کارڈ ڈاکٹر صاحب تک پہنچادیں ،کارڈ کا ڈاکٹر صاحب کے سامنے جانا تھا کہ مجھے اندر بلا لیا گیا،ڈاکٹر صاحب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور فوری طور پر ٹھنڈے پانے کے بعد چائے کا آڈر بھی کر دیا۔ڈاکٹر صاحب کے عام مریضوں والے کمرے کے پیچھے ایک وی آئی پی مریضوں کو بیٹھانے والا کمرہ تھا،مجھے اُس کمرے میں بیٹھا کر پانی، چائے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے آدھا گھنٹا ٹائم دیا اور آئندہ میرے لئے ٹوکن سسٹم بھی بند کر دیا ،یہ سارا قصہ بیان کرنے کا مطلب یہ بتانا ہے کہ جب ایک مسیحا فیس لے کر بھی انصاف نہیں کرتا تو پھر واپڈا، سوئی گیس ، تھانے عدالتوں ۔سرکاری ہسپتالوں میں جہاں ایک بیڈ پر چار چار مریض ایک ہی وقت میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور دیگر محکموں میں انصاف کون اور کس کو فراہم کرے گا؟ جہاں نومنتخب حکومت کو بجلی بحران، مہنگائی، دہشتگردی، کرپشن ،امن وامان کی خراب صورت حال، بے روزگاری وغیرہ وغیرہ کا سامنا ہے وہاں سفارش ، کرپشن، رشوت ،اقرباء پروری اور وی وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کے چیلنج کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔میرے خیال میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف وی آئی پی کلچر، کرپشن، سفارش ،اقرباء پروری اور رشوت کے ساتھ ساتھ باقی تمام چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ،لیکن وہ رشوت ، کرپشن، سفارش ،اقرباء پروری اوروی، وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کو ختم نہیں ،کر پائیں گے ۔کیونکہ رشوت ، کرپشن

سفارش،اقرباء پروری اور اس کے علاوہ بہت سی خرابیوں کی فصل وی آئی پی کلچر کے کھیت میں اُگتی ہے اور وی آئی پی کلچر کے سارے کے سارے کسان میاں برادران کے ارد گرد جمع ہو چکے ہیں اور جو باقی بچیں ہیں وہ بھی بس آنے ہی والے ہیں۔ قارائین آپ جانتے ہیں کہ کوئی کسان اپنے کھیت کھلیان کو اُجڑتے نہیں دیکھ سکتا اور پھر وی آئی پی کھیت۔اِن کھیتوں میں کسی بھی فصل کا کوئی خاص موسم نہیں ہوتا بلکہ کرپشن، رشوت، سفارش،اقرباء پروری ایسے پھل پھول ہیں جوان کھیوں میں ہر وقت پکے ہوئے تیار ملتے ہیں۔وی آئی پی کلچر آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مضبوط ہوچکا ہے۔چیرمین ،ناظم،ایم پی اے یا ایم این اے گریڈ کے لوگ کبھی برداشت نہیں کرتے کہ اُن کے حکم کے بغیر کوئی ادارہ بھی کام کرے۔واپڈا، گیس، تھانے سے لے کر گلی کوچوں کی صفائی کرنے والا عملہ بھی کسی شہری کی جائز بات اُس وقت نہیں سنتا جب تک کسی ناظم ،ایم پی اے یا پھر ایم این اے کا فون نا آجائے۔اُس پر عوام کی خوش فہمی دیکھیں وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے کہنے پر اتنی بڑی شخصیت نے سیورج کھولنے والوں کو فون کرکے اُن پر خاص احسان کیا ہے۔آج کل بجلی بحران کے خاتمے کی بات ہر کوئی کر رہا ہے لیکن لوڈشیڈنگ کے خلاف ہونے والے احتجاج ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والے احتجاجوں کی بات کوئی نہیں کرتا۔جی ہاں آپ دیکھئے گا جب 18 سے 20 گھنٹے لگاتار بجلی دستیاب ہونا شروع ہو گی تو صارفین بل میں اضافے کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کریں گے۔ میرے نزدیک بجلی بحران کے ساتھ ساتھ بے روزگاری کے خاتمہ

کے لئے بھی ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔بجلی کی بندش ختم ہونے پر بازاروں اور چھوٹے کارخانوں کی رونقیں تو بحال ہوجاویں گی لیکن بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کو چلنے میں وقت درکار ہوگا،جب تک ہر پاکستانی کو مناسب روزگار میسر نہیں آتا تب تک حکومت کچھ بھی کرلے احتجاج ختم نہیں ہونگے۔آخر حکومت اٹھارہ کروڑ عوام کو کب تک سبسڈیوں پر پال سکتی ہے؟اگر سچ کہوں تو مجھے نہیں لگتا کہ ہم پاکستان کو اسلامی،فلاحی ریاست بنائے بغیر مسائل کے گرداب سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ہمیں موجودہ بحرانوں سے نکلنے کے سرکار دوعالم حضرت محمدؐ اور اُن کے غلاموں کی سادگی اور عاجزی کو کاپی کرنا ہوگا۔آج ہم جن مسائل کا شکار ہیں یہ سارے ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہیں جس نے ہمیں ہمارے دین سے دور کرکے تباہ،برباد کردیا ہے۔کتنی دردناک حقیقت ہے کہ ہم نے ایٹم بم تو بنالیا ہے لیکن اندرون شہر بلڈنگ کی نویں منزل پر لگی آگ میں جلتے ہوئے انسانوں کو بچانے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں؟مجھے یقین ہے کہ ایسی حقیقتوں پر ہر پاکستانی کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔قارائین اب میں آپ کی نظر حضرت عمرؓ کا وہ قول کرتا ہوں جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کے مال پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال پر متولی کا ہوتا ہے'' یہ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ قول فرمایا اُس وقت وہ مسلمانوں کی عظیم سلطنت کے عظیم حاکم تھے (بشکریہ روزنامہ رات لاہور)

خبر دار تمباکو نوشی مضر صحت ہے

دنیا میں سینکڑوں تنظیمیں انسانی حقوق کے تحفظ کی دعویدار ہیں۔قدرتی آفات اور بیماروں کی روک تھام کے لئے بہت سے احتیاطی طریقے اپنائے جاتے ہیں۔پولیو، خسرہ اور دیگر بیماریوں سے بچاؤ کی ویکسین گھر گھر فراہم کی جاتی ہے لیکن نشے کی لت میں مبتلا سسکتی بلکتی انسانیت نجانے کیوں ہمیں نظر نہیں آتی؟ہماری حکومتیں لوگوں کو پولیو سے تو بچانا چاہتی ہیں لیکن منشیات کی آسان اور سستے داموں فراہمی کی روک تھام نہیں کرتیں۔حکومتیں تو اپنی جگہ خاموش ہیں لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ اسلامی اور انسانی حقوق کی آواز بلند کرنے والی تنظیمیں بھی معاشرے کو منشیات کی لعنت سے بچانے کے لئے کسی طرح کی آگاہی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔آج حالت یہ ہے کہ پاکستان میں منشیات کے استعمال کا رجحان.بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔خاص طور پر نوجوان اور کم عمر بچوں، بچیوں کا نشے کی لت میں مبتلا ہونا تشویشناک حد تک.بڑھ چکا۔منشیات کے نقصانات کا علم ہونے کے باوجود حکمرانوں کا ان کی روک تھام کے لئے مناسب اقدامات نہ اُٹھانا انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ سگریٹ کے ہر پیکٹ پر یہ نصیحت درج ہوتی ہے کہ خبر دار تمباکو نوشی مضر صحت ہے لیکن سگریٹ سازی کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔ سگریٹ مضر صحت ہے تو پھر ریاست کا قانون شہریوں کی زندگیوں کو خطرے میں

ڈالنے والے زہر کو تحفظ کیوں فراہم کرتا ہے ؟آج دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی ایٹم سگریٹ ہے۔شہروں میں نوجوان نسل شیشہ کو فیشن کے طور پر اپنا چکی ہے۔منشیات انسانی زندگی کے لئے انتہائی خطرناک ہیں پھر بھی دنیا بھر میں ہر رنگ، نسل ،مذہب اور زبان سے تعلق رکھنے والے انسان دل کھول کر منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔دنیاکے تمام حکمران اس حقیقت سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں کہ منشیات کی پیداوار کہاں کہاں ہوتی ہے۔لیکن کبھی کسی نے منشیات کی پیداوار کو روکنے کے لئے اتنی سنجیدگی سے کام نہیں کیا جتناکہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کتنی بے دردی سے ایک انسان دوسرے انسان کو چند روپوں کی خاطر زہر دیتا ہے۔یہ ہے ترقی یافتہ دنیاکی اصل شکل انسان ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے چاند ستاروں تک پہنچ گیا،زمین کھود کر گیس ، تیل، کوئلے ، سونے ،تانبے سمیت نجانے کون کون سے خزانے اپنے نام کرچکا تیز ترین ذرائع ابلاغ کی ایجادکے بعد پوری دنیا کوایک ویلج کی شکل دینے میں کامیاب، ہونے کے ساتھ ساتھ اور بہت سی کامیابیاں سمیٹ چکا ہے لیکن منشیات کی روک تھام کرنے میں آج بھی بری طرح ناکام ہے۔آج یہ حال ہے کہ بھرے شہروں میں سرعام ابن آدم منشیات جن میں ہیروئن سرفہرست ہے،چرس ،شراب، گٹکا اور دیگرمنشیات کا استعمال کرتاہے۔ محبت اور پیار سے اس لعنت سے دور کرنے کی بجائے ہم حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں ،یعنی منشیات سے نفرت کی بجائے ہم منشیات کے عادی افراد سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ضرورت اس امر کی ہے

کہ ہم منشیات سے اتنی نفرت کریں کہ جب تک دنیا سے اُس کا خاتمہ نہ ہوجائے چین سے نہ بیٹھیں ۔ روسی ادارے آرٹی کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں ہیروئن کا نشہ خوراک سے سستا ہے ۔ پاکستان میں سالانہ ایک ارب ڈالر مالیت کی ہیروئن اور دوسری منشیات فراہم کی جاتی ہیں۔ اس صنعت کا انحصار تباہ حال افغانستان کی نشہ آور فصل سے ہے یہ انکشاف روسی ادارے نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے ۔رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ہیروئن خوراک سے سستی اور باآسانی دستیاب ہے۔پاکستان میں چالیس سے پچاس لاکھ لوگ منشیات کے عادی ہیں لیکن ان کو اس لعنت سے بچانے کے لئے میڈیکل کلینک 80 سے بھی کم ہیں ۔رپورٹ کے مطابق کراچی میں ہیروئن کے عادی افراد اپنی عادت کو چھپانے کی پروانہیں کرتے ۔ کراچی کے ایک مقامی نوجوان عبداللہ نے 2 ہفتے اپنے والد کو تلاش کیا جو ہیروئن کا عادی تھا بلاآخر کراچی کے سب سے بڑے مردہ خانے سے اُس کے والد کی نعش مل گئی ۔منشیات کے عادی افراد کی مدد منشیات کی فراہمی کو مشکل بنا کر کی جاسکتی ہے لیکن یہ لعنت کراچی ،لاہور سمیت تقریبا پاکستان بھر میں عام دستیاب ہے ۔روسی ادارے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہیروئن کے اہم جز وافیون کا سب بڑا پیدا کرنے والا ملک افغانستان ہے دنیا بھر میں 90 فیصد منشیات اسی ملک سے فراہم کی جاتی ہے ۔اور تقریبا 40 فیصد منشیات پاکستان کے راستے اسمگل ہوتی ہے ۔عالمی ادارے کی 2013ء کی ورلڈ ڈرگز رپورٹ کے مطابق پاکستان اور یوکرائن میں منشیات کے عادی افراد میں سب سے زیادہ ایچ آئی وی

کی موجودگی 22 فیصد تک پائی جاتی ہے جبکہ بھنگ پینے والوں کی تعداد میں پاکستانیوں میں 3.6 فیصد کے لحاظ سے اضافہ ہورہاہے۔رپورٹ میں یہ انکشاف بھی کیاگیاہے کہ دنیا بھر میں 2011ء میں منشیات سے 2لاکھ 11ہزار افراد موت کے منہ میں چلے گئے ۔اقوام متحدہ کی ڈرگز اینڈ کرائم کے مطابق ہیروئن اور افیون کی عالمی سطح پر تجارت 68 ارب ڈالر کی ہے۔جس میں صرف ہیروئن کی 61ارب ڈالر ہے۔سالانہ ایک کروڑ 60 لاکھ افراد افیون سے وابستہ منشیات استعمال کرتے ہیں دنیا میں اس وقت دو کروڑ دس لاکھ افراد ہیروئن کے عادی ہیں۔روسی ادارے نے اپنی رپورٹ میں شراب گٹکے اور مضر صحت تمباکو کی پیداوار،اسمگل اور استعمال کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جبکہ پاکستان میں ہیروئن سے بھی زیادہ شراب،چرس اور گٹکا استعمال ہوتا ہے جو زیادہ تر بھارت سے اسمگل ہو کر پاکستان پہنچتا ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سی نشہ آور ادویات میڈیکل سٹوروں سے باآسانی مل جاتی ہیں، نشہ آور انجکشن کا رجحان بھی بڑی تیزی سے پھیل رہاہے۔نشہ تیزی سے پھیلتی معاشرتی بیماری ہے۔معاشی بد حالی،بے روزگاری،مہنگائی کے ساتھ ساتھ محبت میں ناکامی سے پیدا ہونے والی مایوسی لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔غریب لوگ اپنی مشکلات سے گھبرا کر خود کو نشے کے حوالے کردیتے ہیں جبکہ امیر لوگ شوقیہ اور فیشن کے طور پر نشہ یعنی منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔زندگی میں پیش آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کی وجہ سے جب مایوسی حد سے بڑھتی ہے تو انسان کو کسی سہارے کی

ضرورت پڑتی ہے لیکن آج کے تیز ترین دور میں کسی کے پاس کسی کو سہارا دینے کے لئے وقت نہیں ہے۔جب انسان اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے اور کسی سے دل کی بات نہیں کہہ پاتا اُس وقت سب سے قریب نشہ نظر آتا ہے اور جب یہ لعنت باآسانی دستیاب ہو تو پھر انسان کا بچنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔جب ہمارے پیارے نشے کی لعنت میں غرق ہو جاتے ہیں تو ہم اُن کی نشہ کرنے کی عادت کی بجائے اُن سے نفرت کرتے ہیں جو جلتی پر تیل والی بات ہے۔روسی ادارے کی رپورٹ حقیقت کے بالکل قریب ہے۔پاکستان میں منشیات فروشی عام ہے اس بات سے تقریباً ہر پاکستانی واقف ہے۔ ایک شریف شہری ان موت کے سوداگروں کے ہاتھ کاٹنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ لوگ انتہائی طاقتور اور بااثر ہیں اس لئے ملک کو منشیات سے پاک کرنا حکومت کا کام ہے۔حکومت ملک کو منشیات سے پاک اور مستقبل کے معماروں کو نشے کی لت سے بچانے کے لئے جنگی بنیادوں پر کام کرنا ہوگا۔

مجرم ہوں

گزشتہ تحریر میں یہ اقرار کیا تھا کہ میں مجرم ہوں ،آج میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں جرم شوق سے نہیں کر بلکہ جرم کرنا میری مجبوری ہے۔مجھے پیدائشی ماحول ہی ایسا ملا ہے جو جرم کرنے پر مجبور کرتا ہے، میرے حصے میں ایسا معاشرہ آیا جس میں جرم کیے بغیر زندہ رہنا ممکن ہی نہیں تھا، میرے جرائم کی لسٹ میں سب بڑا جرم یہ ہے کہ میں ظلم سہتا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ اپنے مجرم ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود جرم کرتا رہوں گا، کیونکہ مجھے کسی قاتل کے خلاف گواہی دے کر خود کو خطرے میں ڈالنا منظور نہیں .سر عام قتل ہونا منظور ہے، جانتا ہوں کہ میری سچی گواہی کے باجود مظلوم کو انصاف نہیں ملے گا، وہ اس لیے کہ جہاں ظلم کی حکومت ہو وہاں عدل و قانون طاقتور کے گھر کی لونڈی ہوا کرتے ہیں اور کمزور کے پاس ظلم برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ظلم کی حکمرانی میں حرام عام اور حلال نایاب ہوجاتا ہے، میرے نزدیک ظالم حکمران کی بڑی نشانی یہ ہے کہ عوام کی حکمران تک رسائی ممکن نہ ہو، جس کے دور اقتدار میں عوام حالات سے تنگ آکر خودکشی اور اپنے بچوں تک کو فروخت کرنے پر مجبور ہوں اور حکمران کے گھر میں دنیا جہان کی تمام نعمتیں میسر ہوں، حاکم اپنی آنے والی 100 نسلوں کے لیے رزق اپنے گھر میں ذخیرہ کرلے اور محکوم کے گھر میں فاکے

رہیں ، محکوم دن رات محنت مزدوری کرے اور حاکم اپنے محل میں آرام و سکون کی زندگی بسر کرے ، محکوم سفر کرنے نکلے تو شدید سردی، گرمی کے باوجود گھنٹوں بس کا انتظار کرنا پڑے ۔ اور جب حاکم گھر سے نکلے تو شہر کی تمام سڑکیں بند کر کے قیمتی گاڑیوں کا قافلہ ساتھ چلے ۔ان حالات میں حاکم محکوموں کے مسائل کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ سمجھ ہی نہ پایا تو حل کیسے کرے گا؟ جبکہ حکمران کا فرض بنتا ہے کہ اپنی ریاست کے ہر مظلوم اور کمزور کی اس کے گھر جا کر داد رسی کرے اور جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو جائے امداد جاری رکھے ۔ مظلوم کے گھر پہنچنا تو درکنار، داد رسی تو دور کی بات اگر کوئی مظلوم آج کے حکمرانوں کے گھر یا دفتر جا کر فریاد سنانا چاہے تو اس کی فریاد تک نہیں سنتے ،پہلے تو ان کے محافظ اندر نہیں گھسنے دیتے اور اگر کسی طرح کوئی غریب اندر داخل ہو بھی جائے تو دھکے دے کر باہر نکال دیا جاتا ۔افسوس کہ جب الیکشن ہوتے ہیں تو یہی ظلم سہتے ہوئے عام عوام ماضی اور مستقبل کے حکمرانوں کو اپنے گھروں سے باہر نکل کر خوش آمدید کہتی ہے ،اُن کے گلے میں پھولوں کے ہار پہناتے ہیں اور پھر انھی کو ووٹ دیتے ہیں۔ نااہل لوگوں کو اپنا حکمران منتخب کرنا بھی تو بڑا جرم ہے جو میں بار بار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا،وجہ آپ بھی جانتے ہیں ، میرے خیال میں وجہ یہ ہے کہ اہل لوگ الیکشن میں حصہ ہی نہیں لیتے ان کو گندی سیاست سے نفرت ہے ۔ گندی مطلب جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہے ۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی ہو اس کا ورکر اپنے پارٹی لیڈر کو بھگوان

سمجھتا ہے اور ہر موقع پر اپنے لیڈر کو محب وطن، قابل، سچا، محنتی، ایماندار، انصاف پسند، غریب پرور، امن پسند، مختصر کہ ساری دنیا سے بہتر اور کرشماتی صفات کا مالک ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے پارٹی لیڈر میں ان میں سے کوئی ایک خوبی بھی موجود نہیں ہے۔ افسوس کہ سیاسی کارکن عوام کو باشعور کرنے کی بجائے چھوٹے موٹے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش میں نااہل لوگوں کو بھگوان بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جو ایوان اقتدار پہنچ کر سچ مچ بھگوان بن جاتے ہیں، یعنی پتھر کے بت نہ تو ان کو عوام الناس کے گرتے ہوئے لاشے نظر آتے ہیں اور نہ ہی مظلوموں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں، وہ اپنے اقتدار کے نشے میں ایسا گم ہوتے کہ سوائے لوٹ مار کے کچھ یاد نہیں رہتا۔ بات گھوم پھر کے پھر وہیں آ پہنچی ہے کہ لوٹ مار کرنے والوں کو لوٹ مار کا موقع کون فراہم کرتا ہے؟ عوام (یعنی میں) تو ایک بار پھر ثابت ہوا کہ میں مجرم ہوں: مجرم ہوں اپنے وطن کی مٹی کا، مجرم ہوں ہم وطنوں کا اور مجرم ہوں اپنے ہی ضمیر کا

خاکسار کے خیال میں انسان اس دنیا میں ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا ہے ۔انسان پیدا ہونے سے لے کر اپنی موت تک کے سفر میں ہر روز بلکہ لمحہ بہ لمحہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے ۔ موت آنے پر انسان تو دنیا سے چلا جاتا ہے پر علم باقی رہتا ہے۔ جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ چودہ سو سال بعد بھی علم دین یعنی اسلامی تعلیمات آج بھی باقی ہیں باقی ہیں جو تا قیامت زندہ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم اپنے پیغمبروں ،قرآن کریم اور احادیث نبویﷺ کے ذریعے بندوں کو عطا کیا وہی حق ہے اور بے شک حق باقی رہے گا۔ خاص ہستیوں پر تبصرہ کرنا میرے بس کی بات نہیں لیکن عام انسان کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتا اور اسے زمانہ طالب علمی میں ہی اس دنیا سے جانا پڑتا ہے۔ علم وہ چیز ہے جو حیوان اور انسان کا فرق ظاہر کرتا ہے ۔جاہل انسان بھی ایک طرح سے حیوان ہی بن جاتا ہے ۔جسے اس بات کا علم ہی نہیں کہ وہ اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے اور اس نے زندگی کن اصولوں کے مطابق گزارنی ہے ۔جاہل وہ ہے جسے اچھے ,برے کی تمیز ہی نہ ہو ہاں یہ یاد رہے یہاں بات جاہل کی ہے ۔ظاہری ان پڑھ کی نہیں بہت سے لوگ ظاہری طور پر ان پڑھ ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل و شعور کی بے پناہ دولت سے نوازا ہوتا ہے۔ اور وہ حق و باطل کو خوب جانتے ہیں ۔ہمارے لیے علم حاصل کرنے کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے۔ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'قرآن کریم میں بھی علم کی فضیلت و اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔علم کے معنی جاننا، معلوم کرنا، سمجھ لینا کے ہیں۔انسان کو سب سے پہلے اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اس کا خالق و مالک کون ہے اور اس نے انسان کو اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے ؟اس کائنات اور زندگی کو پیدا کرنے کے پیچھے اس عظیم خالق و مالک کا مقصد کیا ہے؟انسان کو اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے ؟زندگی بھر کس کی عبادت کرنی ہے؟اور سب سے خاص کہ انسان کو کون سا علم حاصل کرنا ہے ؟علم ذاتی تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عطا کردے۔اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں سب سے زیادہ علم انسان کو عطا کیا ہے اسی لیے انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے یعنی اشرف المخلوقات۔اور اس سے بھی بڑھ کراللہ تعالیٰ نے انسان کو قرآن و حدیث کے ذریعے اور بھی زیادہ علم عطا کردیا ہے۔اب ضرورت صرف اس علم کو حاصل کرنے کی ہے۔حقیقی علم یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔اس علم کو دینی اور روحانی علم بولتے ہیں۔اس علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے تاکہ وہ اپنی زندگی خُدا اور رسول ﷺ کے بتائے اصولوں کے مطابق گزار سکے۔جو شخص دینی اور روحانی علم حاصل نہیں کرتا وہ جاہل ہے (اللہ اکبر)اوراللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی کوئی قدرومنزلت نہیں ہے۔یاد رہے کہ علم صرف اور صرف اللہ ہی کا ہے اور کوئی بھی علم اس کائنات میں

نہیں ہے۔اس لیے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینی و روحانی علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جدید سائنسی علوم حاصل کرنا علم دین سے جدا ہیں تو میری نظر میں ان کا یہ سوچنا انتہائی غلط ہے کیونکہ ہر قسم کا علم اللہ ہی کا ہے اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم دین کے ساتھ ساتھ سائنس، ریاضی، میڈیکل، انجینئرنگ اور علم جہاد یعنی جنگ وغیرہ وغیرہ بھی ضرور سیکھے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت خاص علم اُتارا ہے ۔قرآن کا سیکھنا اور سیکھ کر دوسروں کو سیکھانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے ۔حدیث شریف ہے کہ 'تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سیکھایا'قرآن کریم اپنے بندوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا آخری کلام اور پیغام ہے ۔قرآن کریم تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ اور مکمل ضابطہ حیات ہے ۔انسان کی فلاح، نجات، سرخروئی اور کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات حاصل کرئے انھیں سمجھے اور ان پر عمل کرے۔اللہ تعالیٰ کو جاہل انسان اس قدر نہ پسند ہے کہ اس نے ہر دور میں انسان کو علم سیکھانے کی غرض سے اپنے پیغمبر تعینات کیے اور آخر میں مسلمانوں اور تمام کائنات کے لیے رحمت بنا کر حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں بھیجا جن کی ساری زندگی مسلمانوں کو عملی طور پر اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) سیکھانے میں گزری۔رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس قدر آسان طریقوں کے ذریعے علم دین سیکھایا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔صحابہ اکرامؓ کی موجودگی میں

اکثر اللہ تعالیٰ کے فرشتے (انسانی روپ میں) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایسے ایسے سوالات سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے جن کا صحابہ اکرام کو اس سے پہلے کچھ علم نہ ہوتا۔ایک مرتبہ ایک بدو رسول ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کہو۔دربار میں اس وقت دوسرے صحابہ اکرامؓ کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی موجود تھے۔انہوں نے یہ حدیث شریف تحریر کرکے اپنے پاس رکھ لی جو آج تک مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

س) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں امیر بننا چاہتا ہوں؟)

ج)فرمایا قناعت اختیار کرو،امیر ہو جاؤ گے)

س) میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں)

ج) تقویٰ اختیار کرو عالم بن جاؤ گے)

س) عزت والا بننا چاہتا ہوں)

ج) مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے بند کردو باعزت ہو جاؤ گے)

س)اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں)

ج)لوگوں کو نفع پہنچاؤ)

س) عادل بننا چاہتا ہوں)

ج) جسے اپنے لیے اچھا سمجھو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو)

س)طاقتور بننا چاہتا ہوں)

ج)اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)

س)اللہ تعالیٰ کے دربار میں خاص (خصوصیت کا) درجہ چاہتا ہوں)

ج) کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو)

س) رزق کی کشادگی چاہتا ہوں)

ج) ہمیشہ باوضو رہو)

س) دعاؤں کی قبولیت چاہتا ہوں)

ج) حرام نہ کھاؤ)

س) ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں)

ج) اخلاق اچھے کرلو)

س) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے پاک ہو کر ملنا چاہتا ہوں)

ج) جنابت کے فوراً بعد غسل کیا کرو)

س)گناہوں میں کمی چاہتا ہوں)

ج) کثرت سے استغفار کیا کرو)

س) قیامت کے روز نور میں اُٹھنا چاہتا ہوں)

ج) ظلم کرنا چھوڑ دو)

س) چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے)

ج)اللہ کے بندوں پر رحم کرو)

س) چاہتاہوں اللہ میری پردہ پوشی کرے)

ج)لوگوں کی پردہ پوشی کیا کرو)

س)رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں)

ج)زنا سے بچو)

س)چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں)

ج)جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو،اسے اپنا محبوب بنالو)

س)اللہ تعالی کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں)۔

ج)فرائض کا اہتمام کرو)

س)احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں)

ج)اللہ کی یوں بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

س)یارسول ﷺ (وہ)کیا چیز (ہے)دوزخ کی آگ ٹھنڈا کردے)

ج)دنیا کی مصیبتوں پر صبر)

س)اللہ تعالی کے غصے کو کیا چیز سرد کرتی ہے)

ج)چپکے چپکے صدقہ اور صلہ رحمی)

س)سب سے بڑی برائی کیا ہے)

ج)بداخلاقی اور بخل)

س)سب سے بڑی اچھائی کیا ہے)

ج)اچھے اخلاق،تواضع اور صبر)

س)اللہ تعالی کے غصے سے بچنا چاہتا ہوں)

ج) لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو)

قارئین محترم ذرہ غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ بدو نے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے جو سوالات رکھے وہ کوئی کم علم شخص کر سکتا ہے ؟؟ تمام کے تمام سوالات اتنے خاص ہیں کہ جن کا ہر مسلمان کے لیے سمجھنا ضروری تھا۔ خوش قسمتی سے احادیث مبارکہ کی صورت میں ہمارے پاس علم کا بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ اللہ تعالی ہمیں قرآن و حدیث کا علم حاصل کرکے اس پر عمل کرنے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے (آمین

اسلحہ کی نمائش

فوج اور پولیس کے جوانوں کے ہاتھوں سے لے کر فلموں، ڈراموں، ویڈیو گیمز، اور نیوز چینل پر چلنے والی اکثر خبروں میں اسلحے کی نمائش نے معاشرے میں اسلحہ کو فیشن بنا دیا ہے۔ ملک کی اہم شخصیات جن میں صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دیگر اُمرا کے گرد اسلحہ سے لیس محافظ بھی اسلحے کی نمائش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کا موضوع تو بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں لیکن آج دنیا میں اصلی ہتھیار بھی سرِعام کھلونوں کی طرح ہی بازاروں میں دستیاب ہیں۔ ریاستی قانون اور اداروں کی موجودگی میں بغیر لائسنس یعنی ناجائز اسلحہ کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لائسنس یافتہ ہتھیاروں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیر میرا آج کا موضوع بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں اس لئے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ گزشتہ چند برسوں سے بچوں میں کھلونا ہتھیار سے کھیلنے کا شوق بے حد تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ شہروں میں بسنے والے والدین کے لئے اس لئے حالات زیادہ مشکل ہیں کہ شہروں میں ہر گلی، محلے کی دکان پر ایسے کھلونا ہتھیار دستیاب ہیں جن کو دیکھ کر بچے انہیں خریدنے کی اتنی زیادہ ضد کرتے ہیں کہ والدین مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو بے فکری میں اپنے بچوں کو ایسے کھلونے خرید دیتے ہیں، کچھ سمجھدار قسم کے لوگ ایسی چیزوں سے بچنے کی

کوشش کرتے ہیں لیکن بچنا بہت ہی مشکل ہے اگر والدین بچوں کے ضد کرنے کے باوجود اُن کو ہتھیار کھلونے خرید کر نہیں دیتے تو بچوں کی ضد دیکھ کر دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، یا پھر تایا ابو یہ کہہ کر بچوں کو خرید دیتے ہیں کہ اتنی سی چیز کے لئے ہمارے بچے کیوں ترسیں؟ گاؤں اور دیہی علاقوں میں رہنے والے بھی اس اسلحہ کلچر سے محفوظ نہیں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دیہاتی علاقوں میں یہ کھلونے زیادہ تر عید یا کسی بزرگ کے عرس کے موقع پر دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے عام دنوں میں دیہاتی والدین کی جیب بھی بچ جاتی ہے اور بچے بھی اسلحہ کلچر سے کچھ دور رہ جاتے ہیں۔ایک سروے رپورٹ کے مطابق گزشتہ دو دہایوں سے عید، شب برات اور دیگر تہواروں پر بچوں میں جوتوں، کپڑوں، شوخ رنگ چشموں اور گھڑیوں کے ساتھ ساتھ کھلونا ہتھیاروں کی خریداری کا رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہمارے گھر، گلی محلے میں اکثر بچے اصل جیسی نظر آنے والی کھلونا پستولوں، کلاشنکوفوں، بندوقوں ٹینکوں سے لیس کھیل کھیل میں ایک دوسرے پر فائرنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ اُس وقت بچوں کی چال ڈھال اور چہروں کے تاثر دیکھ کر صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بچے اپنے آپ کو فوجی، پولیس مین یا پھر دہشتگرد کے کردار میں ڈھال کر اپنے کھیل میں مصروف ہیں۔ماضی میں ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہمارے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے امن کی علامت رکھنے والے روایاتی کھلونے ہوا کرتے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں پانچ سالوں میں کھلونا ہتھیاروں کی فرخت میں 70 سے 80 فیصد اضافہ

دیکھنے میں آیا ہے۔اس سال عید الفطر کے موقع پر چین سے تقریبا 7 کروڑ سے زائد مالیت کے کھلونا ہتھیار درآمد کئے گئے۔ کراچی میں کھلونا ہتھیاروں کے دس بڑے تاجر بازار کی ڈیمانڈ کے مطابق خصوصی آرڈر پر یہ ہتھیار جن میں ٹی ٹی پستول ،کلاشنکوف، ریوالور ایل ایم جی ،لیزر گنیں، رپیٹراور دیگر ہتھیار شامل ہیں چین سے درآمد کرکے بازار، میں سپلائی کرتے ہیں۔ مستقبل کے معماروں کے ہاتھوں میں قلم ،کتاب اور روایا ئتی کھلونوں کی بجائے خطرناک ہتھیار کھلونے دے کر ہم معاشرے میں جن رجحانات کو جنم دے رہے ہیں وہ کسی بھی امن پسند معاشرے اور ریاست کے لئے کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔کھلونا ہتھیار نہ صرف نفسیاتی طور پر بچوں پر بُرے اثرات مرتب کرتے ہیں بلکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ کھلونا ہتھیاروں کی بچوں میں مقبولیت معاشرے میں عدم برداشت اور شدت پسندانہ رویوں کو جنم دیتی ہے۔کھلونا ہتھیاروں میں گولی کی جگہ استعمال ہونے والے چھرلے کئی فٹ تک اپنے ہدف کونشانہ بناکر زخمی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان چھرلوں سے اب تک سب سے زیادہ نقصان آنکھوں کا ہوا ہے ۔ہتھیاروں سے لیس بچوں کی آپس لڑائی اگرچہ کھیل ہی ہوتی ہے لیکن اس کھیل میں اب تک کئی بچوں کی آنکھوں میں چھرلے لگنے سے اُن کی بینائی ضائع ہو چکی ہے۔جدید ہتھیاروں سے لیس کسی فلم،ڈرامے ،دودھ، صابن کی مشہوری میں دیکھایا جانے والا کمانڈریا ویڈیو گیم کا ہیرو بچوں کے معصوم ذہنوں پر ایسے نقوش چھوڑتا ہے جن کو مٹانا بہت مشکل کام ہے۔والدین اور اساتذہ بھی بچوں کو کوئی بات

منوانے کے لئے اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ اگر آپ نے بھی کمانڈر صاف صاف بننا ہے تو یہ کام کیا کرو، یہ کھایا کرو اور یہ پڑھا کرو۔ ہمارے بچے اکثر کمانڈر صاف صاف یا چھوٹا بین بن کر اُڑنا چاہتے ہیں۔بڑے۔بڑے خیالی جنوں ،چڑیلوں اور کڑماڑوں کے ساتھ زور آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو اچھے سکول اور مدرسوں میں پڑھنے بھیج کر فکر محسوس کرتے ہیں،اُن کو ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر تک رسائی دے کر معاشرے میں پھیلی بُرائیوں سے محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان سکولوں اور مدرسوں میں غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے ساتھ ساتھ اسلحہ سے لیس کمانڈر صاف صاف کی تصویر یں بطور ہیرو دیواروں پر لگی ہوتی ہیں اور گھروں میں ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر پر بھی وہی کردار بچوں کے دل کو بھاتے ہیں ۔یہی وہ حالات ہیں جو مستقبل کے معمار معصوم بچوں کے خیالات کو حقیقت کی دنیا سے دور اور اسلحہ سے لیس طلسماتی دنیا کے قریب تر کر رہے ہیں۔بچے حقیقت میں کمانڈر صاف صاف اور چھوٹے بین کی طرح ہوا میں اُڑنا چاہتے ہیں ،اُنہیں کی طرح چلتے، بولتے اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں ۔عام طور پر والدین اپنے بچوں کا کمانڈر صاف صاف بننے کا شوق پورا کرنے کے لئے اُنہیں کھلونا ہتھیار خرید کر دے دیتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ کمانڈر صاف صاف صرف ایک کارٹون ہے جو ہوا میں اُڑتا ہے اپنے جسم سے ہزاروں گنا بڑی چیزوں کو اُٹھا کر ایک سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے جبکہ ہمارے بچے کارٹون، کسی فلم ،ڈرامے یا کسی ویڈیو گیم کا فرضی کردار نہیں بلکہ ہمارا آنے والا کل ہیں

جسے ہم جس قدر حقیقت کے قریب رکھیں گے اُتنا ہی بہتر ہو گا۔

بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں

بیٹیاں گھروں کی رونق ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کی عزت بھی ہوتی ہیں۔ان کی معصومیت اور پاکیزگی والدین کا فخر و غرور ہوتی ہے۔لیکن جب بیٹیوں کی معصومیت کو زمانے کی ہوا لگ جائے اور پاکیزگی کو دور جدید کی دیمک چاٹ جائے تو دلوں کو سکون بخشنے والی یہ ہی بیٹیاں زندگی کا روگ بن جاتی ہیں۔آج کل ہمارے معاشرے میں طلاق کا تناسب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔اس میں بیٹیوں سے زیادہ قصور والدین کا ہوتا ہے جو ایک مشرقی اور اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے بیٹیوں کی پرورش مغربی طرز پر کرتے ہیں۔جس سے لڑکیوں میں خود غرضی بے حسی اور بے باکی پیدا ہوتی ہے۔والدین بیٹیوں کو کھلی آزادی اور زندگی کی آسائشیں دے کر ان میں خود نمائی اور اپنی ذات کا غرور تو پیدا کر دیتے ہیں لیکن خوش اخلاقی 'انکساری ،اخلاقی اقدار ، شعور، ایثار اور در گزر جیسی خوبیاں ان میں پیدا کرنے میں ناکام رہتے ہیں ۔دور جدید میں لڑکیوں کی شادی شدہ زندگی میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ گھریلو امور سے ناواقفی ہے۔مائیں بیٹیوں کو ان کی تعلیم کے دوران گھر کے کاموں سے دور رکھتی ہیں کہ ابھی صرف پڑھائی پر توجہ دو جب وقت آئے گا کام بھی سیکھ جاؤ گی ۔حالانکہ ان کو جس کام سے روکنا چاہیے اس سے نہیں روکتیں ٹیلی وژن پر بے ہودہ پروگرام دیکھتے

ہوئے یا موبائل فون پر فضول باتیں کرنے میں چاہے پوری رات گزر جائے مائیں نہیں روکتیں ۔ہم اس قدر مغربی تہذیب میں لت پت ہو چکے ہیں کہ ہمیں یاد ہی نہیں کہ اسلام میں غیر محرم لڑکی اور لڑکے کی دوستی کا کوئی تصور نہیں ہے۔آج کل ہماری بچیاں دن رات ٹیلی فون پر مرد دوستوں سے باتیں کرتی ہیں یہاں تک کئی کئی دن دوستوں کے ساتھ گھر سے باہر بھی رہتی ہیں ۔کیا جی ہم اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرنے کے لیے جا رہی ہیں۔والدین روکنے کی بجائے خود شاپنگ کرنے بھیجتے ہیں ۔افسوس کہ آج ہم اسلامی اقدار کو بھول کر رسوا ہو چکے ہیں ۔والدین کو چاہیے کہ بیٹیوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی سکھائیں تاکہ وہ کامیاب زندگی گزار سکیں۔بیٹیوں کے لیے اچھی تعلیم وتربیت بہت اہم ہے تاکہ ان کو کوئی بھی اپنا غلام نہ سمجھے ۔بیٹیاں بیٹوں سے زیادہ قابل فخر ہو سکتی ہیں اگر ان کی اچھی تربیت کی جائے ۔ہمیں اپنی بیٹیوں کو اچھی عادات سکھانی چاہیے کوئی بھی کام بنا کیے اور تربیت کے بغیر نہیں آتا کھانا پکانا ایک مشکل کام ہے جو ہماری بیٹیاں ہی کرتی ہیں ۔یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ایک دن میں سیکھ لیا جائے اس کے لیے تجربے 'مشاہدے اور شعور کی ضرورت ہوتی ہے ۔آج ہمارے گھروں میں ڈھیروں قیمتی سامان موجود ہے لیکن فضول کیونکہ ہر چیز کو اس کی موزوں جگہ پر رکھنے اور گھر کو سجانے کی صلاحیت لڑکی اپنی ماں کے اطوار اور سلیقے سے سیکھتی ہے۔یاد رکھیں گھر سلیقے اور ذہانت سے چلائے جاتے ہیں ۔تعلیم کی بے جان ڈگریوں سے نہیں جس تعلیم کو

حاصل کرنے کے بعد بھی سیرت دھندلی رہے اور روح پر سیاہی چھائی رہے تو ایسی تعلیم تو بے ثمر ہی رہتی ہے۔آج کے دور سے پرانے زمانے کا وہ دور اچھا تھا جب لڑکیوں کو دنیاوی تعلیم تو واجبی دلوائی جاتی تھی لیکن ان کی شخصیت اور کردار کی تربیت بھی کی جاتی تھی ۔انہیں مشرقی اقدار اور روایات کی پابندی کی تلقین بھی کی جاتی تھی۔مائیں بچیوں کو بچپن ہی سے گھر داری سکھاتی تھیں دوسروں کی عزت واحترام کرنا اور رشتوں کو محبت واعتماد کی ڈور سے باندھنے کے گر بتائے جاتے تھے۔اس وقت کی لڑکیاں اپنے میکے کی عزت وآبرو برقرار رکھنے اور اپنے گھر کو آباد رکھنے کے لیے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا بڑی خوشی سے کرتیں تھیں۔لیکن گھروں کو ٹوٹنے نہیں دیتی تھیں ۔آج کے والدین اگر اپنی بیٹیوں کو ان کی شادی کے بعد ان کے گھروں میں خوش وخرم دیکھنا اور معاشرے میں طلاق جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے کو کم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنا محاسبہ کریں بیٹیوں کی تربیت اس ڈھب سے کریں کہ ان کی شخصیت متوازن رہے ۔انھیں اعلیٰ تعلیم ضرور دلوائیں کیونکہ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن بے جا آزادی کو بے راہ روی ہرگز نہ بننے دیں ۔ بچیوں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ ان کا اصل گھر ان کا سسرال ہے جہاں جاکر انھیں وہاں کے ماحول میں ڈھلنا ہوگا۔ان کے طور طریقوں اور رسم ورواج کو نبھانا ہوگا اپنی عادتوں اور روز شب کے معمولات کو ان کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا کہ اسی میں بیٹیوں کی ازدواجی زندگی کی کامیابی ہے ۔

فقیر بادشاہ

اسلام سے پہلے ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔جاہل لوگ اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے ان کا ماضی و حال نہ ختم ہونے والی قبائلی جنگوں تک محدود تھا۔ان جاہل قوموں کی سوچ کے مطابق جنگوں کو جاری رکھنے کے سوا ان کا کوئی مستقبل نہ تھا۔جو لوگ ظلم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے انہیں ظلم سہنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔لیکن جب اسلام آیا تو یہی مظلوم لوگ ایک نئے دور کے مشعل بردار بن گئے۔کارساز فطرت نے اپنی رحمت کی گھٹاؤں کے نزول کے لیے ایک بے آب وگیاہ صحرا کو منتخب کیا۔عرب کے ظلمت کدہ سے نور کا ایک سیلاب نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے مختلف قبائل اور اقوام کو اپنی آغوش میں لیتا ہوا چاروں طرف چھا گیا۔اور تب اسلام تپتے ہوے صحرا میں ٹھنڈے ، میٹھے پانی کا چشمہ ثابت ہوا۔ خلق خُدا جو جہالت کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی اور معاشرے میں عدل انصاف کا تصور تک نہ تھا۔جب انسانیت ظلم و جبر کی چکی میں پس رہی تھی ۔اسلام نے پسی ہوئی انسانیت کو عدل و مساوات کا پیغام دیا۔زندگی گزارنے کے لیے ایسا ضابطہ عطا کیا جس میں اسلام کی حکمرانی کے تصور کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمرانوں کو انسانیت کے بلند ترین مسند پر بیٹھایا۔افسوس کہ جس مسلم سلطنت کا خواب برصغیر کے مسلمانوں نے دیکھا تھا۔اس ملک خُداداد میں آج 67برس آزادی کے گزار کر بھی

اللہ تعالیٰ کا دین اسلام نافذ نہیں ہو سکا۔ دور جہالت کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر ہم چاہتے ہیں کہ معاشرے میں عدل انصاف کی حکمرانی قائم ہو۔ جب میں تحریک آزادی پاکستان میں مسلمانوں کی عظیم قربانیوں کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کوئی افسانہ پڑھ سن رہا ہوں وہ اس لیے ملک میں نہ تو عدل انصاف کی حکمرانی ہے، نہ حکمران دین حق کی سمجھ رکھتے ہیں اور نہ حکمران انسانیت کے تقاضوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے وطن کے حکمران بھی اس کہانی کے فاتح بادشاہ کی سی حکمرانی کرتے ہیں جو مجھے بچپن میں میرے بھائی اشفاق علی شاکر سنایا کرتے تھے ۔ میں جب بھی کہانی سنانے کی ضد کرتا تو بھائی مجھے وہی ایک کہانی سنایا کرتے جس کا خلاصا کچھ یوں ہے ۔ کسی ملک میں بادشاہ چننے کا طریقہ یہ تھا کہ سال کے پہلے دن صبح سب سے پہلے جو بھی اجنبی ملک میں داخل ہوتا اسے ملک کا بادشاہ بنادیا جاتا اور پہلے بادشاہ کو ویرانے میں لے جا کر بے یارومددگار مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا۔ ایک مرتبہ سال کے پہلے دن سب سے پہلے اس ملک میں ایک اجنبی فقیر آ گیا اور وہاں کی عوام نے اپنے دستور کے مطابق اس فقیر کو ملک کا بادشاہ بنا دیا ۔ وہ فقیر بہت سمجھدار تھا بہت حیران ہوا کہ یہ کیسی قوم ہے جس نے ایک اجنبی فقیر کو اپنا بادشاہ بنا دیا۔ اس فقیر نے خود کو خطرے میں محسوس کیا اور کچھ سوچ کر اپنے وزیر کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر کہا تم لوگوں کا وہ بادشاہ کہاں ہے جو مجھ سے پہلے تھا وزیر کے نہ بتانے پر فقیر بادشاہ نے اسے کہا کے اگر اس نے

نہ بتایا تو بادشاہ اس کو سزائے موت کا حکم سنادے گا جس پر یہ راز فقیر بادشاہ کو بتا دیا کہ وہ لوگ اپنے ملک کے تمام سابق بادشاہوں کو ایک ویرانے میں پھینک آئے ہیں اور جب نیا بادشاہ آے گا تو اس فقیر بادشاہ کو بھی اسی ویرانے میں بے یارومددگار چھوڑ دیا جاے گا۔ فقیر کونکہ بہت سمجھدار تھا اس نے ایک سال میں اس ویرانے میں بہت سی نہریں کھدوا کر وہاں بہت سے باغات لگوا دیئے بہت سے میٹھے پانی کے کنویں نکلوا دیئے اور بہت سی عالی شان عمارتیں بنوا کر اس ویرانے کو ایک عالی شان شہر میں بدل دیا اس طرح اس فقیر نے نہ صرف اپنی جان بچا لی بلکہ ساری زندگی سکون سے بسر کرنے کا بھی انتظام کرلیا۔ شائد پاکستان کے عوام بھی اس کہانی کے عوام جتنے ہی ظالم ہیں جن کے حکمران بھی پچھلے 65 برس سے اس کہانی کے فقیر کے جیسے ہی ملے ہیں جو باہر سے آتے ہیں اور دوران حکمرانی ملکی وسائل کا بے دریغ استعمال کرکے اپنے محلات باہر ہی بناتے ہیں پاکستان پر صرف حکمرانی کرتے ہیں اور قوم کی دولت لوٹ کر دوسرے ملکوں کے بنکوں میں جمع کرتے رہتے ہیں وہ بھی غیر ملکی کرنسی میں۔ کیا یہ جہالت نہیں کہ ہم روشنی دستیاب ہونے کے باوجود اندھروں میں غرق ہیں ؟ اسلام سے پہلے والی قومیں جہالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور تھیں کیونکہ ان کے پاس کوئی ضابطہ حیات ہی موجود نہ تھا۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اسلام، سیرت نبوی اور قرآن کریم کی صورت میں مکمل ضابطہ حیات عطا کر دیا ہے پھر کیوں ہم بھی جہالو کی طرح زندگی گزار رہے ہیں ؟

جشن آزادی پر، پرندے آزاد کریں

جشن آزدی پاکستان کا دن قریب ہے، جبکہ میرے وطن کے حالات انتہائی پیچیدہ ہیں ۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ پیارے پاکستان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمیں حقیقی معنوں میں آزادی کی قدر کرنے کی توفیق عطا ہو اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو ہدایت فرما کر کامیابی و کامرانی نصیب ہو ۔ تقاضاوقت تو تھا کہ 14 جشن آزدی کے موضوع پر لکھوں پر حالات اتنے درد ناک ہیں کہ راقم کیلئے بیان کرنا ممکن نہیں رہا۔ سوچا پرندوں کی آزدی کے ساتھ اپنی آزدی کا ذکر کرتا چلوں ۔آزادی کی قدر و قیمت تو وہی جانتے ہیں جنہوں نے اپنے گھر کھیت اور عزتوں کو لٹتے دیکھا ،غلامی کاٹی ہو یا کاٹ رہے ہیں۔ ہمیں تو پیارا پاکستان بنا بنایا ملا ، ہم نے تو آنکھ آزاد وطن میں کھولی اس لئے ہمیں آزادی کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ۔ یہاں تو عجیب منظر نظر آ رہا ہے ، کوئی انقلاب کے نام پر لوگوں کو تشدد پر اکسا رہا ہے ، کوئی ہوس اقتدار کی پیاس بجھانے کی جلدی میں ملک کو کھیل کا میدان سمجھ بیٹھا اور کوئی اپنا اقتدار بچانے کیلئے سری لنکن اور دیگر جاؤ گروں سے مدد مانگ رہا ہے۔ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ خیر میرا آج کا موضوع ہے پرندے آزاد کریں ہے ۔پرندے آزاد کریں شاید اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ہمیں بھی حقیقی آزادی نصیب فرما دے۔ یہ بتانا

ضروری ہے کہ راقم اُن پرندوں کی بات کر رہا ہے جو ہم نے اپنے بچوں کی خوشی کیلئے گھروں میں قید کر رکھے ہیں ،ویسے تو اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بے کار اور بد صورت نہیں بنائی ۔قدرت کے حسین کارخانے میں ہر شے اپنا مقام رکھتی ہے اور کسی بھی مخلوق کی اہمیت کو کم کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔قدرت کے اس خوبصورت کارخانے میں پرندے اللہ تعالیٰ کی بہت ہی خوبصورت اور معصوم مخلوق ہیں ۔اللہ تعالیٰ کی یہ خوبصورت تخلیق دنیا بھر میں پائی جاتی ہے۔پرندے جنگلوں میں رہیں یا شہروں میں ان کی خوبصورتی انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔پرندوں کے رہنے کا اصل مقام تو جنگل ہی ہے لیکن آج بہت سے پرندے شہروں میں بسیرا کر چکے ہیں جن میں جنگلی کبوتر سرفہرست ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جو ان کو جنگل چھوڑ کر شہروں میں رہنے پر مجبور کرتیں ہیں ،ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیاآج انسانوں کے لیے شہر چھوڑ کر جنگلوں میں رہنا ممکن ہے ؟اگر جواب نہیں ہے تو پھر پرندوں نے جنگل چھوڑ کرشہروں کا رخ کیوں کیا؟ جنگلی پرندوں کا جنگل چھوڑ کرشہروں میں ڈیرے ڈالنا اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ شہری لوگ مہمان نواز ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شہروں میں بسنے والوں نے کبھی اپنے ہمسائیوں کا حال نہیں پوچھا مگر آپ جانتے ہیں کہ شہر میں جگہ جگہ جنگلی پرندوں کے کھانے اور پینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔شہر میں کچھ لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر پرندوں کے لیے پانی اور دانے کا اہتمام کرتے ہیں اور باقاعدگی سے شہر کے چوراہوں میں رکھے ہوئے

برتنوں میں گندم، چاول، باجرہ اور مختلف قسم کے اناج ڈالے جاتے ہیں ۔شہر کے ان چوراہوں میں نہ تو کوئی ان پرندوں کا شکار کرتا ہے اور نہ ہی پکڑ کر قید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ حکومت نے ان پرندوں کے شکار پر پابندی لگا رکھی ہے۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ اتنی زیادہ مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ان پرندوں پر ظلم بھی وہی لوگ کرتے ہیں جو ان کے لیے کھانے پینے کا اہتمام بڑے شوق سے کرتے ہیں ۔شہروں کے اندر جنگلی پرندوں پر ظلم کرنے والے لوگ فطری ظالم نہیں ہیں لیکن بے خبری میں ان سے اکثر ظلم ہوتا رہتا ہے۔آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب وہ لوگ ظالم نہیں تو پھر ظلم کیوں کرتے ہیں اور اگر ظلم کرتے ہیں تو پھر وہ لوگ ظالم کیوں نہیں ہیں ؟بات کچھ یوں ہے کہ جب پرندوں کو پنجروں میں قید دیکھتے ہیں تو ان کی قیمت ادا کرکے ان کو قید سے رہائی دلاتے وقت لوگ اپنی طرف سے ان پرندوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں لیکن میری نظر میں وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں دراصل انجانے میں ظلم کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ جو لوگ پرندوں کو قید کرتے ہیں وہ اس بات سے باخوبی واقف ہیں کے لوگ پرندوں کی قیمت ادا کریں گے اگر ہم لوگ پرندوں کو خریدنا بند کردیں تو کوئی اُن کو پکڑ کر قید نہیں کرے گا۔اس طرح پرندوں کو قید کرنے والا اور خرید کر آزاد کروانے والا دونوں ہی ظالم بن جاتے ہیں ۔پرندوں کو رہائی دلانے والوں کو میں معصوم ظالم کہتا ہوں ۔لیکن ظالموں کی اور نسل بھی انہی شہروں میں پائی جاتی ہے۔جس نے ان جنگلی پرندوں کو اپنا ماحول چھوڑ کر شہروں

میں بسنے پر مجبور کیا۔اس ظالم نسل میں وہ لوگ شامل ہیں جو شہروں سے آئے پرندوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں لیکن جنگلوں میں بندوقیں لیے شکار کا شوق پورا کرتے ہیں ان لوگوں کو شکار کھانے میں کم اور مارنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔شائد یہی وجہ ہے جس نے پرندوں کو جنگل چھوڑ کر شہروں میں بسیرا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔کیا اچھا ہو اگر ہم لوگ ان جنگلی پرندوں کی خرید وفروخت کے ساتھ ساتھ ان کا شکار کرنا بھی ترک کر دیں۔جب میں انسان کو جنگل میں پرندوں کا شکار کرتے اور شہروں میں مہمان نوازی کرتے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ کیسی مہمان نوازی ہے؟جو کسی کو اس کے گھر سے بے دخل کرنے کے بعد کی جاتی ہے؟یہ کیسی محبت ہے جو محبوب کو گولی کی نوک پہ رکھتی ہے؟کیا اچھا ہو اگر ہم جنگل میں خولی بند کر کے معصوم پرندوں کو ان کے قدرتی ماحول میں جینے دیں۔کیا ہی اچھا ہو اگر ہم جنگلوں کو برباد کرنے کی بجائے آباد کریں درخت بلاوجہ نہ کاٹیں اور اگر بوقت ضرورت ایسا کرنا پڑے تو کٹنے والے درخت کی، جگہ ایک نیا درخت لگا کر پرندوں کو آشیانے بنانے میں مدد کریں۔اور پھر یہ کیسی انسانیت ہے کہ انسان تو کمزوری اور بے بسی کی حالت میں فٹ پاتھ پر پڑے رہتے ہیں لیکن ہم ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے اور پرندوں کو زبردستی مہمان بنا کر ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں؟اگر ہم پرندوں کی خدمت اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں تو ہمیں اس پہلو پر بھی غور وفکر کر لینا چاہیے کہ کہیں یہ کاوش رائیگاں تو نہیں چلی جائے گی۔آخر میں راقم اُن تمام دوستوں سے

درخواست کرنا چاہتا ہے جنہوں پرندوں کو اپنے گھروں میں پنجروں کے اندر یا پر کاٹ کر قید کر رکھا ہے وہ جشن آزادی پاکستان 14 اگست 2014 کی خوشی میں آزادی کی قدر و قیمت کا ادراك کرتے ہوئے پرندوں کو آزاد کر دیں تاکہ وہ بھی اپنی فیملی میں جا کر آزادی کا جشن منا سکیں۔ خاص طور پر اپنے استاد محترم مشتاق احمد سلطانی صاحب سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے گھر میں قید طوطے کو آزاد کر دیں، تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اگر اُن کے گھر میں کوئی پرندہ قید ہے تو اُسے اپنی آزادی کا صدقہ آزاد کر دیں اور 03214927260 پر ایك چھوٹی سے کال کر کے مشتاق صاحب کو بھی طوطہ آزاد کرنے کی درخواست کریں۔ اللہ تعالی ہمارے وطن کو اپنی پناہ میں رکھے (آمین

میاں صاحب کہاں ہے میرا وہ پاکستان

آج مجھے رہ رہ کر وزیراعظم پاکستان کے وہ جملے یاد آرہے ہیں جو انہوں پچھلے سال جشن آزدی کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بیان کئے اور رہ رہ کر رونا آرہا آج جشن آزادی کے موقع پر وطن عزیز کے حالات دیکھ کر۔چاروں طرف آگ،دھواں اور افرتفری کا عالم ہے۔رات میاں صاحب نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے الیکشن 2013ء کوانتہائی شفاف اور غیر جانبدار قرار دیا ور دھاندلی کی تحقیقات کرنے کیلئے سپریم کورٹ کے تین محترم جج صاحبان کی کمیٹی بنانے کا بھی علان کردیا۔عوام سوچ رہے ہیں اگر الیکشن صاف شفاف تھے،دھاندلی بالکل نہیں ہوئی توپھر کس بات کی تحقیق ؟اور میاں صاحب کو اس بات کا یقین ہی نہیں تو پھر الیکشن 2013ء کو شفاف کیوں قرار دے دیا۔گزشتہ سال جشن آزادی کے موقع پر اپنے وزیراعظم کاخطاب سن کر انتہائی خوشی ہوئی جبکہ اس سال اُن کے بیان کے ناقص اور تازہ خطاب جو انہوں نے 12اگست 2014ء کی شب عوام سے کیاکے انتہائی مایوس کن ہونے پرآزادی کا جشن منانے کی بجائے ماتم کناں ہونے پر مجبور ہوں۔گزشتہ سال 14اگست کے وزیراعظم پاکستان میاں میں محمد نواز شریف نے جشن آزادی کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہاتھاکہ آنے والی نسلوں کو محفوظ پاکستان دیں گے۔پاکستان ہماری پہچان ہے۔بے شک پاکستان ہماری پہچان اور آنے والی نسلوں کی امانت ہے۔پاکستان

میرا ہے آج یہ بات میں ہر گز نہ کہہ پاتا اگر میرے بڑوں نے انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی نہ حاصل کی ہوتی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے پر امن جدوجہد سے دنیا پر واضح کردیا تھا کہ وہ اپنے لئے ایک آزاد ریاست کے حق دار ہیں جس میں اپنے دین اسلام کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنے ذاتی مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے حصول آزادی کی خاطر اپنے تن، من اور دھن کی قربانی کے جذبے کے ساتھ جدوجہد جاری رکھی تو بلا آخر 14 اگست 1947ء کے دن برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی مل گئی۔ آج ہم اُسی آزادی کو پاکستان کے نام سے جانتے ہیں۔ آج میں بڑے فخر کے ساتھ سر اُٹھا کر خود کو پاکستانی کہتا ہوں اور کیوں نہ کہوں پاکستان میرا وطن ہے۔ وقت اچھا ہو یا برا میرا جینا مرنا پاکستان کے ساتھ جہاں کہیں بھی میرے وطن کو میری ضرورت پڑی ہر محب وطن پاکستانی کی طرح جان حاضر کردوں گا۔ آج دشمن مختلف طریقوں سے میری پاک سرزمین پر اپنی ناپاک نظر جمائے بیٹھا ہے۔ آج میرے وطن کو ہر قدم پر کسی نہ کسی محاذ کا سامنا ہے جن میں ڈرون حملے، خودکش دھماکے، دہشتگردی، توانائی بحران، بھتہ خوری اور دیگر کے ساتھ بھارت کا جنگی جنون سرفہرست ہے۔ صدقے جاؤں پاکستان کے سیاست دانوں کی معصوم خواہشات پر جن کو سوائے اقتدار کے کچھ نظر ہی نہیں آتا وہ آزادی مارچ، انقلاب مارچ کرنے جارہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ دشمن ہماری صفوں میں موجود ہے لاکھوں افراد کا مجمع جمع کرکے معصوم انسانوں کو خطرات کے حوالے

کرنے جا رہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے ہمارے سیاست دان اپنی تہذیب کو سمجھتے ہی نہیں جو آج ہمارا دشمن ہمارے خلاف تہذیبی جنگ چھیڑ کر کامیابی کی طرف گامزن ہے۔ پاکستان کے دشمن بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ میدان جنگ میں پاکستانی فوج اور قوم کو شکست نہیں دے سکتے اس لئے اُنھوں نے ہمارا اتحاد توڑ کر ہمارے خلاف تہذیبی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ شراب نوشی ،زنا، سود خوری، ناچ گانا، عوتوں کا فحش لباس اور فحش گفتگو یہ تمام چیزیں ہندوتہذیب کا حصہ ہیں۔ بھارت نے اپنے میڈیا کو استعمال کرتے ہوئے یہ تمام لعنتیں مسلم معاشرے میں پھیلانے پر خوب زور دے رکھا ہے جس میں اُسے کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ اس ہندوتہذیب کے یہ رنگ ہمیں اکثر پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے جلسوں اور دیگر پروگرامز میں بھی نظر آتے ہیں جہاں مرد خواتین فحش لباس اور گفتگو میں نظر آتے ہیں، پاکستانی امن پسند قوم ہیں ہمارا یہ دعویٰ اس سال جشن آزدی کے موقع پر جھوٹ ثابت ہونے جا رہا ہے جب وطن عزیز کی سڑکوں پر تشدد اور خون خرابے کی صورتحال پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم صرف اپنے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے امن کی خواہش رکھتے ہیں ،راقم آج ایک سوال اپنے وزیراعظم محترم جناب میاں محمد نواز شریف کے دربار عالیا میں پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہے کہ کیا یہ وہی محفوظ پاکستان ہے جس کا ذکر انھوں نے گزشتہ سال جشن آزادی 14 اگست 2013 کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا تھا۔، نہیں تو پھر کہاں ہے میرا وہ پاکستان ؟آپ ہمارے منتخب وزیراعظم ہیں اس

لئے ہمارے پاکستان کو محفوظ، خوشحال اور ترقی یافتہ بنانا آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔حالات جیسے بھی ہوں پاکستان ہمارا ہے اور ہم آزاد قوم ہیں اس لئے راقم کی طرف سے پورے پاکستان کے زندہ دل عوام کو دلی جشن آزادی مبارک ہو۔پیارے دوست سینئر کالم نگار اور شاعر محترم ساحر قریشی کی سالگرہ بھی 14 اگست کے دن ہوتی اس لئے اُن کو بھی راقم کی جانب سے بہت بہت مبارک ہو۔آخر میں ایک اپیل کہ خواہ آپ کسی بھی سیاسی یا مذہبی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اپنے پیارے پاکستان کی حفاظت کریں اور کسی صورت بھی خون خرابے کا حصہ نہ بنیں

ہر گز نہیں

جسے زندگی ملی اُسے موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔انسان اس دنیا میں مسافر کی حیثیت سے آتا ہے ، یہ دنیا ہر گز ہماری منزل نہیں ہے ۔یوں کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ہمارا اصل گھر قبر ہے، قبر جس سے ہم عمر بھر خوف کھاتے رہتے ہیں، ہمارے عزیز و رشتہ دار ایک دن ہمیں میت کہیں گے اور اندھیری قبر میں اتار کر منوں مٹی ڈال کر روتے ہوئے گھر کو لوٹ جائیں گے ،تب ظاہری طور پر ہمارا ایک ہی (قبر) ساتھی ہو گا۔ کوئی باشادہ ہو یا وزیر ، سخی ہو یا فقیر سب کو ایک دن مرنا ہے، دنیا کی ہر چیز سے نجات مل سکتی ہے پر موت سے ہر گز نہیں ۔انسان پیدائشی طور پر بہت ہی معصوم پیدا ہوتا ہے ۔انسان چاہے کتنا بھی سخت دل کیوں نہ بن جائے لہو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے ،دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر دل میں اک لہر سی ضرور اُٹھتی ہے ۔ ہوس ولالچ میں آ کر دوسروں کو بے دردی سے کاٹنے والے بھی کہیں نہ کہیں اپنے آپکو شرمندہ شرمندہ محسوس کرتے ہیں ،اگر یوں کہوں کہ ہر انسان کے اندر برائی سے بچنے اور اچھائی کو اپنانے کا جذبہ موجود ہے تو زیادہ مناسب بات ہو گی لیکن حالات سازگار نہ ملنے کی وجہ سے اکثریت برائی کی دلدل سے نکل نہیں پاتی ۔۔انسان کی معصومیت اس قدر نایاب ہو چکی ہے کہ قتل وغارت گری کے ماحول میں چاروں طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔نہ قاتل خوش نہ مقتول اور نہ ہی آس پاس بسنے

والے معصوم انسان اس دہشت بھرے نظام میں پر سکون زندگی بسر کرنے کے قابل ہیں ۔ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ پھر بھی انسان کی معصومیت پکار رہی ہے۔انسانیت کی اس پکار کی کوئی آ واز نہیں لیکن میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ جیسے انسانیت سسکیوں کی آ واز میں پکار رہی ہو ہم نجات چاہتے ہیں ،نجات چاہتے ہیں چاروں طرف پھیلی دہشتگردی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں قرضہ جات سے،ہم نجات چاہتے ہیں نسل در نسل پھیلی غلامی سے،ہم نجات چاہتے ہیں دھوکہ دہی سے،ہم نجات چاہتے ہیں انسانیت سوز نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں جہالت سے، ہم نجات چاہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں جاگیر داری سے، ہم نجات چاہتے اس نظام سے جس میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ،ہم نجات چاہتے ہیں ظلم کی حکمرانی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بدامنی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بے روزگاری سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بے ایمانی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں گمراہی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بے راہ روی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں دنیاکے تمام جھگڑوں سے ،ہم نجات چاہتے ہیں غربت سے ،ہم نجات چاہتے ہیں ہوس ولالچ سے ،ہم نجات چاہتے ذاتی واجتماعی بے غیرتی سے،ہم نجات چاہتے ہیں قتل وغارت گری سے،ہم نجات چاہتے ہیں ناانصافی سے،ہم نجات چاہتے ہیں خودکشیوں سے،ہم نجات چاہتے ہیں نفرتوں بھرے ماحول سے،ہم نجات چاہتے ہیں خودکش حملوں سے ،ہم نجات چاہتے ہیں ڈرون حملوں سے ،ہم نجات چاہتے ہیں تمام دہشتگرد عناصر سے،ہم نجات چاہتے ہیں جھوٹ سے،ہم نجات چاہتے ہیں کفرکے نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں ظالم

حکمرانوں سے ہم نجات چاہتے ہیں، ہم نجات چاہتے ہیں سازشی سیاست سے، انسانیت کی یہ سسکیاں نجانے اور کن کن چیزوں سے نجات چاہتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان تمام تکالیف سے انسان کو نجات کون دلا سکتا ہے؟ جبکہ یہ تمام مسائل انسان ہی کے پیدا کردہ ہیں جن کی وجہ سے انسانیت نایاب اور حیوانیت سرعام ہو چکی ہے۔ اے انسان سوچ۔ قاتل کون؟ مقتول کون؟ دہشتگرد کون؟ دہشتگردانہ حملوں میں جان سے جانے والا کون؟ ظالم کون؟ مظلوم کون؟ جھوٹا کون؟ دھوکے باز کون؟ ناانصاف کون؟ نفرتوں کے بیج بونے والا کون؟ لالچی کون؟ حریص کون؟ سرمایہ داری، جاگیرداری سے ناجائز فائدہ کون اُٹھاتا ہے؟ ان تمام سوالات کا ایک جواب ہے انسان) یعنی انسان خود ہی ظالم ہے، خود نفرتوں کے بیج بوتا ہے اور خود ہی لہو کی فصل) کاٹتا ہے۔ معصوم انسان اپنے خالق کی عظیم تخلیق کی تذلیل کرتا ہے جو خالق حقیقی کو پسند نہیں ہے۔ انسان، انسان کا دشمن ہے اور انسان سے اپنی جان بچانے کے لئے انسان ہی کو اپنا محافظ مقرر کرتا ہے۔ کیسی دردناک حقیقت ہے کہ انسان ہی انسان کی جان کا دشمن ہے اور انسان ہی انسان کا محافظ تصور کیا جاتا ہے۔ انسان کی وحشت ثابت کرتی ہے کہ انسان معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ظالم بھی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا ناممکن ہے کہ انسان پیدائشی طور پر معصوم ہی پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کا حرص اور لالچ اسے ظالم اور فسادی بنادیتے ہیں۔ دولت و عیش کے لئے انسان اپنے وجود پر تشدد کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ بات اشرف المخلوقات کے لئے باعث فکر ہی نہیں

بلکہ قابل شرم بھی ہے۔انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ انتہائی نفسا نفسی کے عالم میں بھی ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پیش آتی ہے۔انسان دوسرے انسانوں کے بغیر زندگی بھر تو کیا ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔پھر کیوں انسان ،انسان سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے؟ میری نظر میں انسان دنیا کے ہر قبیلے ،ہر گروہ،ہر زبان،ہر علاقے

ہر ریاست،ہر فرقے اور ہر مذہب سے زیادہ اہم ہے اور ہمیں دنیا کے تمام انسانوں کی، ضرورت پڑتی ہے جن میں تمام قبیلوں اور مذاہب کے ماننے والے شامل ہیں۔انسانی فطرت ہے کہ جب کسی انسان سے اپنا مقصد حاصل ہو رہا ہوتا ہے تب وہ دوست ہوتا ہے ،تب اُس کے قبیلے ،فرقے اور مذہب سے ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن جب کوئی انسان ہمارے مفادات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ،تب ہم اُس کے قبیلے ،فرقے اور مذہب کے دشمن بن جاتے ہیں۔حالات و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ انسان کسی قبیلے فرقے یا مذہب کی وجہ سے قتل و غارت نہیں کرتا بلکہ اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کیلئے، دوسروں کے گلے کاٹتا ہے ،یا یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا کے طاقتور افراد اور قبیلے عام لوگوں کو قبیلوں ،فرقوں اور مذاہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑا کر اپنی پوزیشن اور طاقت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔تاریخ انسانی بتاتی ہے ہر قبیلے ،فرقے اور مذہب کے افراد نے دوسروں کے گھر، کھیت اور ملک طاقت کے زور پر ہتھیانے میں کسر نہیں چھوڑی۔یہ حقیقت اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ پیدائشی معصوم انسان کو طاقت کا نشہ انتہائی ظالم بنا دیتا ہے اور اسی نشے کی مستی کو قائم رکھنے

کی کوشش میں انسان، انسان کا گلا کاٹتا ہے۔ لیکن افسوس کہ دنیا بھر کی طاقت حاصل کرنے کے باوجود انسان اپنی سانسوں پر قادر ہو سکتا ہے اور نہ ہی جسم و روح کے رشتے کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب موت آتی ہے تب دولت، طاقت، قبیلہ فرقہ اور مذہب کوئی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اُس وقت یقیناً انسان موت سے نجات، چاہتا ہوگا۔ جو ہرگز ممکن نہیں۔ جسے زندگی ملی اُسے موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔ انسان اس دنیا میں مسافر کی حیثیت سے آتا ہے، یہ دنیا ہرگز ہماری منزل نہیں ہے، یوں کیوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ہمارا اصل گھر قبر ہے، قبر جس ہم عمر بھر خوف کھاتے رہتے ہیں، ہمارے عزیز و رشتہ دار ایک دن ہمیں میت کہیں گے اور اندھیری قبر میں اتار کر منوں مٹی ڈال روتے ہوئے گھر کو لوٹ جائیں گے، تب ظاہری طور پر ہمارا ایک ہی (قبر) ساتھی ہوگا۔ کوئی باشادہ ہو یا وزیر، سخی ہو یا فقیر سب کو ایک دن مرنا ہے، دنیا کی ہر چیز سے نجات مل سکتی ہے پر موت سے ہرگز نہیں۔

سالگرہ

پیر سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست کی زندگی کا ہر پہلو نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ قابل فہم و عمل بھی ہے۔ سالگرہ کے متعلق علماء کرام کی رائے مختلف ہے، کسی کے خیال میں سالگرہ منانا جائز ہے جبکہ کسی کے مطابق سالگرہ غیر مسلم رسومات میں سے ہے۔ 11 اگست کے دن پیر سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست سرکار کی سالگرہ تھی ۔جس طرح آپ نے سالگرہ منائی اُسے دیکھ ، سُن اور سمجھ لینے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ سالگرہ سمیت کوئی بھی رسم غیر مسلم نہیں ہوتی بلکہ اُس کو منانے یا نبھانے کا طریقہ اسلامی یا غیر اسلامی ہو سکتا ہے۔ پیر سید عرفان احمد شاہ کی سالگرہ کے دن انہوں نے خود اور اُن کے عقیدت مندوں نے روزہ رکھا ،افطاری داتا دربار لاہور پر کی گئ ، بعد نماز مغرب غرباء میں لنگر تقسیم کرکے شاہ صاحب نے اپنی سالگرہ کی خوشی منائی اور ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ سالگرہ ناچ ،گانے، کیک کاٹنے، رشتہ داروں کو گھر بلا کر خوب ہلا گُلا کرنے یا دیگر فضول کاموں میں وقت اور پیسہ ضائع کرنے کا نام نہیں بلکہ سالگرہ سمیت ہر خوشی اور غم کے وقت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنا چاہیۓ۔ قابل فکر اور قابل ذکر بات کہ آپ نے اپنی سالگرہ کے موقع پر بھی ہمیشہ کی طرح خود بھی وہی لنگر کھایا، اپنے عقیدت

مندوں کو بھی وہی لنگر کھلایا جو دوسرے غرباء میں تقسیم کیا گیا۔آپ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمدہ سے عمدہ چیز دینی چاہئے۔جس کی سادہ مثال یہ ہے کہ جو کھانا خود کو پسند ہو ویسا ہی غرباء میں تقسیم کرنا ضروری ہے ۔ایک ضرورت بات یہ کہ خوشی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں لنگر تقسیم کرنے والے کے رزق میں برکت ہوجاتی ہے اور لنگر کھانے والوں کے رزق میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں خوشی کے اظہار کیلئے مختلف قسم کے طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں جن میں ناچ گانا، شراب نوشی، اسلحہ کی نمائش اور استعمال ، فحش گفتگو اور لباس ،بلند آواز میں میوزک ،شامل ہیں، یہ تمام چیزیں غیر اسلامی ہیں ، پیر سید عرفان احمد شاہ صاحب نے اپنی سالگرہ کے موقع پر مجھے بتایا کہ ہر وہ چیز جو قرب الٰہی سے نکال کر جہالت کے اندھیروں کی طرف گامزن کرے وہ کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ،انھوں نے کہا امتیاز بیٹا ہم اس دنیا میں کچھ وقت کیلئے مہمان ہیں ،ہماری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے ،پانچ وقت نماز پڑھا کرو، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر درود وسلام بھیجا کرو،اُن کی آل سے اُسے انداز میں محبت کیا کرو جیسا سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے آستانوں پر ادب اور احترام سے حاضر ہوا، کرو، والدین سے شفقت اور محبت سے پیش آیا کرو۔اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ ،انبیا ،کرام

اُولیا اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو والدین کے گستاخ ہوں یا والدین کی خدمت اور احترام میں کمی کرتے ہیں ،جنت اور جہنم کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ہے پر اس دنیا میں اُن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں جو والدین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔والدین کی گستاخی کو معاشرے میں بہت معمولی خیال کیا جاتا ہے، خاص طور پر نوجوان نسل والدین کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایسا لہجہ اختیار کرتی ہے جو انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی والدین کے ساتھ دوستی ہے، یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ والدین اپنے بچوں کے بہترین اور مخلص دوست ہوتے ہیں اور اولاد کی ایسی باتوں پر بھی درگزر سے کام لیتے ہیں جو گستاخی کے زمرے میں آتی ہوں پر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اُن کی عزت و توقیر میں کمی کردی جائے ۔اُن کا مقام ہر صورت اعلیٰ و ارفع رہتا ہے چاہے وہ اولاد کے اچھے دوست ثابت ہوں یا نہ ہوں ،ترقی یافتہ دور کا انسان دنیا کی تمام نعمتیں پالینے پر بھی بے چین و بے قرار نظر آتا ہے جس کی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری، حقوق والدین کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے، راقم نے سید عرفان احمد شاہ صاحب کی صحبت نصیب ہونے کے بعد یہ شدت سے محسوس کیا ہے کہ جو علم و دانش اُولیا اللہ کی صحبت میں نصیب ہوتا ہے وہ کتابوں کے مطالعہ اور تقریروں سے نہیں ملتا۔شاہ صاحب کی سالگرہ کی حقیقی خوشی میں شامل ہو کر جو رہنمائی کے عملی سُچے موتی اور انمول ہیرے عنایت ہوئے اُن کو اپنی ذات تک محدود رکھنا انتہائی نا

انصافی سمجھتے ہوئے اپنے قارئین کی نظر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین سے محبت، شفقت اور احترام کا سلوک کرنے اور ہر لمحہ اُن کی خدمت کرنے کی توفیق و طاقت، اُولیا اللہ کی صحبت اور اُن کا ادب و احترام کرنا نصیب فرمائے۔ آمین

زَن مرید

آج کے معاشرے میں عورت کی بے توقیری دیکھتا ہوں تو دورِ جہالت کے بدصورت رسم ورواج تصویروں کی صورت آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں، مجھے احساس دلاتے ہیں کہ تُو بھی کسی مہذب معاشرے کا فرد نہیں بلکہ دورِ جہالت سے ملتے جلتے دور میں پیدا ہوا ہے۔جس نسل کی ماں ظلم زیادتی ،ناانصافی کا شکار ہو وہ کس طرح پرامن ،باشعوراور باعزت معاشرہ قائم کرسکتی ہے۔جو لوگ اپنی ماؤں ،بہنوں ،بیٹیوں اور بیویوں کو عزت وانصاف نہیں دے سکتے وہ کیونکر دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے حقدار ہو سکتے ہیں ۔غلام ،بے توقیر اور ظلم کی چکی میں پسی ماں کس طرح بچوں کو خوددار، خودمختار، ایماندار اور باشعور بنا سکتی ہے؟جس معاشرے میں ماں ،بیٹی ،بہن اور بیوی کی کوئی عزت نہیں اُس معاشرے کے افراد کی دنیا کیا عزت کرے گی ؟جن کی ماں ،بہن،بیٹی اور بیوی کو اپنے بیٹے ،باپ،بھائی ،شوہر یا گھر پر کوئی حق نہیں وہ کس منہ سے دنیا سے اپنے یا انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں؟افسوس کہ اسلامی معاشرے کو غیرمذہب رسم ورواج نے یرغمال بنا کر ہمیں مفلوج کرکے ہمیں حقائق سے دور تر کردیاہے۔اسلام سے پہلے معاشرے میں بھی عورتوں کی کوئی عزت اور قدرومنزلت نہ تھی ۔وہ ظلم وستم کا شکار تھی ۔حضرت عمرفاروقؓ فرماتے ہیں کہ مکہ میں عورتوں کو بالکل ناقابل توجہ سمجھا

جاتا تھا،مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔رسول اللہ ﷺ نے حکم خُداوندی کے تحت عورت کو عزت و احترام کا وہ مقام بخشا جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریمؐ نے عورت کے حقوق و فرائض کا تعین فرمایا اور اسے ماں،بیٹی،بہن اور بیوی سمیت تمام رشتوں سے عزت عطا فرمائی۔ارشاد نبوی ہے ''تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو (اپنی) بیویوں سے بہتر سلوک کریں اور میں اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتا ہوں'' خطبہ حجتہ الوداع میں بھی عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی

ہے۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس خطبہ کے ذریعے خواتین کے بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کا حکم دیتے ہوئے پابند کردیا کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ،آپؐ نے فرمایا مردوں کا یہ مقام نہیں کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکری سمجھیں بلکہ سار معاملہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تحت ہونا چاہئے اور انہیں ان کا جائز مقام ملنا چاہئے۔افسوس آج مسلمان معاشرہ بھی ہندو و دیگر غیر مسلم معاشروں کے رسم و رواج اپنا چکا ہے جن میں عورتوں کو نہ تو عزت دی جاتی ہے اور نہ انسان سمجھا جاتا ہے۔آج عورت پر ہر طرح سے ظلم وستم ہو رہے ہیں وہ ماں بھی ہے،بہن بھی،بیٹی بھی اور بیوی بھی ،ہمیں اُس کی ضرورت بھی بہت ہے لیکن اُس کی عزت کرنا ہمارے لئے باعث شرم بنتا جارہا ہے ۔عام طور پرجب کوئی مرد اپنے گھر میں جھاڑو دیتا ہے،برتن،کپڑے دھوتا،فرش صاف کرتا یا پھر بچوں کو واش روم لے کے جاتا ہے تو معاشرہ اُس کا مذاق اُڑاتا ہے لیکن جب یہی مرد

لمبے بال رکھتا ہے، ریشمی کپڑے پہنتا ہے یا عورتوں سے زیادہ فیشن کرتا ہے، جب عورتیں کام کرنے کیلئے کارخانوں کا رخ کرتی ہیں تب اسی مرد کی مردانگی پر معاشرہ کوئی فتویٰ نہیں دیتا۔آخر عورت بھی انسان ہے وہ سارا دن گھر، بچوں، مرد کے رشتہ داروں اور مہمانوں کی خاطر داری سمیت کئی دیگر کام کرنے کے بعد رات کو مرد کا بھی خیال رکھتی ہے۔جب یہی عورت گھر سے باہر کمانے نکلتی ہے اسے اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر ایک مرد کو برتن یا کپڑے دھونے پر کیا جاتا ہے۔مرد چھٹی والے دن بھی اپنے دوستوں اور دوسیتوں کے ساتھ وقت گزار سکتا ہے یعنی مرد کو کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ کس کس سے ملتا ہے کیا کیا کرتا ہے، وہ کسی بھی وقت کہیں بھی آجا سکتا ہے لیکن عورت صرف کپڑے، برتن، فرش دھو سکتی ہے، کھانا پکا سکتی ہے، مرد کے خاندان والوں کی فرمانبرداری کرسکتی ہے یہ سب کام کرنے کے بعد بھی اگر اُونچا بولے گی تو وہ اچھی عورت نہیں بلکہ بدسیرت ہوجائے گی۔وہی مرد جو گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا وہ سارا دن دفتر میں برتن بھی دھوتا ہے اور فرش بھی، چائے بھی بناتا ہے اور کھانا بھی گرم کرتا ہے اگر باس کے بچے دفتر آجائیں تو اُن کی نیپی بھی تبدیل کرتا ہے۔یہ تمام کام کرتے وقت شرم کی بجائے فخر محسوس کرنے والا مرد ساری مردانگی گھر کی چاردیواری میں قید ایک عورت پر نکالتا ہے کیا اپنی بیوی دفتر کے باس کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے؟عورتوں کی طرح لمبے بال رکھے، سرخی، پوڈر اور کاجل لگائے والدین کو بیٹا خوبصورت لگتا ہے لیکن اگر یہی بیٹا اپنی

بیوی کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے گھر کا کوئی چھوٹا موٹا کام کر دے تو اُسے چوڈو، رن مرید، بڈی تھلے لگا اور نجانے کون کون سے خطابات سے نواز دیا جاتا ہے۔ یہ مرد عورتوں کی طرح بیوی کو جہیز کم لانے کا طعنہ تو دے سکتا ہے لیکن خود کما کر اپنے گھر کی چیزیں پوری نہیں کر سکتا۔ ہمارے معاشرے کو دیکھ کون یقین کرے گا کہ ہم رسول ﷺ کے اُمتی ہیں؟ جنہوں نے خود بھی خواتین کی عزت کی اور ہمیں بھی حکم فرمایا ہے۔ جس بے غیرت تہذیت سے آزادی پانے کیلئے ہمارے بڑوں نے آزاد ریاست پاکستان حاصل کیا تھا ہم آج بھی اُسی تہذیب کے دل دادا ہیں۔

غیر یقینی صورتحال

پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دھرنا دینے والے پاکستان تحریک انصاف کے آزادی مارچ اور عوامی تحریک کے انقلاب مارچ کے حکومتی ٹیموں سے مذاکرات کے بعد صورت میں اگرچہ سیاسی درجہ حرارت میں کمی کے امکانات پیدا ہوئے ہیں پر ابھی غیر یقینی صورتحال ختم نہیں ہوئی۔ جس کرب سے عوام گزر رہے ہیں اُن نہ تو کبھی مارچی قائدین گزرے ہیں نہ ہی حکمران۔ پوری قوم کئی روز سے غیر یقینی حالات کی اسیر ہو کر جس کربناک صورتحال سے دوچار ہے جبکہ حکومت اس انتظار میں ہے مارچ والے خود ہی تھک کر لوٹ جائیں اور مارچ والے للکار یہ کہہ رہے ہیں وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے استعفوں سے کم کوئی بات نہیں ہوگی۔ استعفوں کے سوال پر دونوں طرف سے آنے سخت بیانات کے تناظر میں باضابطہ مذاکرات کا آغاز خود بخود ممکن نہیں رہا تھا، پس پردہ حکومت اور مارچ والوں کے درمیان سنجیدہ مذاکرات کی کوششوں کی نشاندہی گورنر پنجاب چودھری سرور کے بیان سے بھی ہوتی ہے تاہم فریقین کو فوج کی طرف سے دیئے گئے مشورے نے بھی لچک پیدا کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی جی ایچ کیو میں آرمی چیف سے ہونے والی ملاقات میں بھی بامقصد مذاکرات پر زور دیا گیا۔ تمام سیاسی و غیر سیاسی جماعتیں اور شخصیات حکومت اور مارچ الیونز کو سنجیدہ اور با

مقصد مذاکرات کا مشورہ دے رہی ہیں پھر بھی نجانے کون سے عناصر حکومت اور احتجاجیوں کو مذاکرات کے عمل سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ آزادی اور انقلاب مارچ والوں سے راقم آج یہ سوال پوچھے گا جس پر وہ صرف دلائل دے سکیں گے جواب نہیں۔ پہلے کچھ قصہ عوامی حالات کا مہنگائی، لوڈشیڈنگ، بدامنی، ناانصافی دہشتگردی کی چکی میں پسے عوام کو آزادی اور انقلاب مارچ کیا تحفہ دیں گے یہ تو وقت بتائے گا، راقم تو فقت اتنا جانتا ہے کہ اس وقت پورا پاکستان بند پڑا ہے، کاروبار انتہائی مندی کی طرف گامزن ہیں۔ عوام کو نیا پاکستان دینے والے کب عوام کی حالت زار پر توجہ دیں گے؟ حکومت اور اپوزیشن دونوں کے پاس اپنا اپنا نیا پاکستان ہے جبکہ عوام اپنے پرانے پاکستان میں مہنگائی، بدامنی، دہشتگردی، ناانصافی، بے روزگاری سے جان چھڑوا کر انصاف، امن و امان، بہتر روزگار، صحت و تعلیم اور خوشحالی کے متلاشی ہیں جو اُن کا بنیادی حق بھی ہے۔ آج سب قائدین نیا پاکستان بنانے جا رہے ہیں تو یہ بھی بتاتے چلیں کہ اُن کے نئے پاکستان میں بسنے والے انسانوں کو وہ تمام سہولیات میسر آسکیں گی؟ جو پرانے پاکستان میں نہیں آسکیں؟ کیا نئے پاکستان میں لوڈشیڈنگ نہیں ہو گی؟ کیا نئے پاکستان میں یہ پرانے کرپٹ حکمران و سیاست دان کرپشن ختم کر پائیں گے؟ کیا نئے پاکستان میں یکساں نظام تعلیم رائج ہو سکے گا؟ کیا نئے پاکستان میں کوئی آزادی اور انقلاب مارچ نہیں کرے گا، راقم کے پاس ان تمام اور اس جیسے دیگر سوالات کا جواب ہے، نہیں، وجہ پوچھیں تو بڑی سادہ سی بات ہے، جو قوتیں

ماضی کے حکمرانوں پر وقت اور پیسہ خرچ کیا کرتی تھی وہی آج بھی کر رہی ہیں۔آزادی مارچ کے ذریعے نیا پاکستان بنانے والے 16 سال سیاست کرنے کے بعد عوام تو کیا اپنے ورکرز کو بھی یہ بات نہیں سمجھا سکے کہ سول نافرمانی کس بلا کا نام ہے۔میرا عمران خان سے سوال ہے کہ جب وہ سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا ارادہ رکھتے تھے تو انہوں نے پہلے عوام کو آگاہی کیوں نہ دینے کی کوشش کی؟ پہلے سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان اور بعد میں آگاہی ،عمران خان اس بات کا خود اعتراف کیا کہ پہلے دن تو لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ سول نافرمانی کیا ہوتی ہے،میرا عمران خان سے سوال ہے کہ پہلے دن عوام کو کیوں سمجھ نہیں آئی کہ سول نافرمانی کیا ہوتی ہے۔جہاں تک بات ہے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے مطالبات کی تو اُن کے جائز یاناجائز ہونے کے چکر میں پڑے بغیر کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے مطالبات میں ایک مطالبہ سودی نظام کے خاتمے کا بھی شامل کرلیں۔آخر میں آزادی اور انقلاب مارچ والوں سے سوال کہ آزادی کی قدر کون سی قومیں کرتی ہیں،باشعور یا وہ جن کو سول نافرمانی کے متعلق کسی قسم کی آگاہی نہیں؟ ایسی قوم کا انقلاب کیسا ہوگا جس کے قائدین یہ نہیں جانتے کہ عوام کو باشعور بنانا اُن کی ذمہ داری ہے؟

آخر کیوں

دنیاوی محب کی محبت اتنی گہری ہو سکتی ہے کہ اُسے اس دنیا کی عورت جنت کی حوروں سے زیادہ حسین نظر آنے لگے ۔وہ اس کی محبت میں دنیا کو جنت تصور کر سکتا ہے تو پھر اُس خالق حقیقی کی محبت کا عالم کیا ہوگا ؟جس نے خوبصورت محب، محبوب ،دنیا، جنت اور اس میں حوریں تخلیق فرمائی ہیں؟ یہ ممکن نہیں کہ انسان دنیا اور جنت سے محبت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے۔اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تمام محبتوں سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا لازم و ملزوم ہے۔اللہ تعالیٰ کے انبیاء اکرام ،خاص طور پر سرکار دوعالم حضرت محمد ﷺ،آپ ﷺ کی آل پاک اور تمام اولیاء اللہ کا ادب و احترام ، اُن کے ساتھ خاص محبت ہونا بھی ضروری ہے۔پیرو مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست سرکار کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بزرگ دیدہ بندوں کا احترام اور مخلص محبت کیا کرو، جیسا اس دنیا میں جس کے پاس کوئی سفارش نہ ہو آفیسر اُس کی بات نہیں سنتے ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بھی مخلوق کے سفارشی بن جاتے ہیں تو اللہ پاک رحمتیں نازل فرماتا ہے۔یہ بات حقیقت ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے یہ ممکن نہیں کہ گندم کی فصل بو کر آم کے پھل توڑے جائیں اور انگور

وں کی بیل اگا کر کھجور حاصل ہو سکے۔ ظلم و زیادتی اور حد سے تجاوز کرنے والی قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونا لازم ہو جاتا ہے۔ آج ہم اپنے اعمال درست کرنے کی بجائے دوسروں کو الزام دے کر اپنے لئے راہ نجات تلاش کر رہے ہیں۔ زلزلے کی صورت میں بار بار نازل ہونے والا عذاب الٰہی ہمیں خبردار کر رہا ہے کہ اب بھی وقت ہے سمجھ جاؤ ڈرو اس بڑے عذاب سے جو ظالموں پر نازل کیا جانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے "اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں" (البقرۃ: ۴)

مسلمان کا روز آخرت پر یقین ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اُس دن کی تیاری کیلئے دنیا میں کچھ وقت کی مہلت دے رکھی ہے۔ جو لوگ اسی دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور دن رات حتیٰ کہ ساری زندگی دنیا کی طلب میں گزار دیتے ہیں آخرت کے دن کی کوئی تیاری نہیں کرتے جس دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سجے گی اور، سب کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اُس دن ایسے لوگوں کے حصے میں صرف خسارہ آئے گا۔ اور وہ سوائے پچھتانے کے کچھ نہ کر سکیں گے۔ اسلام سے پہلے کسی مذہب میں بھی آخرت کا تصور نہ تھا جس کی وجہ انسان اپنی زندگی کی قدر و قیمت سمجھے بغیر غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ عرب لوگ آخرت کے قائل نہ تھے چنانچہ جب سرکار دو عالم حضرت محمدؐ آخرت کے بارے میں بات کرتے اور ان سے فرماتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو وہ چونک جاتے اور تعجب سے سوال کرتے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیاں پھر سے زندہ ہو جائیں؟ آج

کا مسلمان بھی دنیا کی حد سے زیادہ طلب میں تصور کرلے کہ جو وہ بسر کر رہا ہے وہی مکمل اور آخری زندگی ہے تو اُسے ظالم بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔حرص ولالچ کا اس قدر پجاری ہو جائے گا کہ ساری کائنات کا رزق اپنے گھر میں جمع کرنے کی خواہش کرے گا ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کے اندر موجود ہر طرح کی نعمتیں بھی اُسی کی ہیں جسے چاہے جتنا چاہے عطا کردے اور عطا کرنے کے بعد پھر واپس لے لے۔انسان اس دنیا میں کتنی ہی زیادہ دولت،اُولاد،زر، زمین اور جائیداد کا مالک بن جائے اُسے ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔یوں ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے زمین جائیداد سے انسان کو بے دخل کر دیتا ہیں ، جن لوگوں کے پاس اچھے اعمال ہوں گے اُنہیں اللہ تعالیٰ اس دنیا کے مال ودولت سے بہتر عطا فرمائے گا،یہ وہی خوش نصیب لوگ ہوں گے جنہیں آخرت کا یقین ہوا اور انہوں نے دنیا کی زندگی کو عارضی سمجھ کر روزآخرت کی تیاری کی ہوگی۔ کیونکہ روزحشر یعنی قیامت زیادہ دور نہیں جسے ہم بہت طویل سمجھ رہے ہیں درحقیقت وہ زندگی بہت مختصر ہے وہ دن دور نہیں جس دن اللہ تعالیٰ تمام عالم اور اس میں بسنے والی مخلوقات کو مٹا دے گا اور پھر سب کو ایک دوسری زندگی بخشے گا اور اس دن سب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔لوگوں نے جوکچھ دنیاوی زندگی میں کیا ہوگا اس کا پورا اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ہر فرد کے اچھے اور بُرے اعمال کا وزن کیا جائے گا،اچھے اعمال والوں کو اجر عظیم اور جنت کا انعام ملے گا اور بُرے اعمال والوں کو سزا دی

جائے گی۔بس ہمیں آج اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں صرف دنیا چاہیئے یا دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام بھی چاہیئے ؟اگر ہم اپنی موجودہ زندگی پر غور کریں تو صاف صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہمیں جو مصائب اور مشکلات درپیش ہیں وہ تمام ماضی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والی ظالم قوموں پر نازل ہو چکے ہیں ۔ہم سمجھ رہے ہیں کہ دہشگردی ،بدامنی،ناانصافی،مہنگائی،لوڈشیڈنگ،بے روزگاری ،بیماریوں کی یلغار،سیلاب جیسے مصائب ہمارا ہمسایہ ملک بھارت یا امریکہ یا کوئی دشمن ملک پیدا کر رہا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟مان لیا کہ بھارت نے دریاؤں میں اضافی پانی چھوڑ کر پاکستان میں سیلابی ریلے بھیجتا،مان لیا کہ دہشتگردی میں ڈرون حملوں کی وجہ سے شدت آئی تھی، یہ بھی مان لیا کہ دہشتگرد جو بارود استعمال کر رہے ہیں اسرائیل،بھارت یا امریکہ سے آتا ہے ۔زلزلے تو بھارت ،اسرائیل یا امریکہ نہیں پیدا کرتے ۔دوسروں کو الزام دینے سے ہمارے اعمال درست نہیں ہونگے جن کی وجہ سے آج ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہیں۔ہمیں مصائب اور مشکلات سے نجات حاصل کرنے کیلئے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ کر آئندہ کیلئے توبہ کرنی ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز عذاب نہیں دے گا اگر وہ گناہوں سے بخشش مانگتے رہیں“ (انفال: ۳۳)البتہ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا مگر وہ لوگ نہ تو اپنے رب کے سامنے گڑگڑائے اور نہ ہی عاجزی کی

یہاں تک جب ہم سخت عذاب کادروازہ کھول دیں گے تووہ حیرت زدہ ہو جائیں گے
المومنون:۷۶،۷۷) ''ڈرو ایسے فتنے سے جو صرف جو تم میں ظالم ہیں تک محدود نہیں)
رہے گابلکہ دوسرے (نیک لوگ) بھی اس میں مبتلا ہو جائیں گے اور یقین کرلو اللہ تعالی
سخت عذاب دینے والا ہے''ایک جگہ اورارشاد ہوا کہ ''پس اگر وہ (یونس علیہ السلام)
تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تویقیناوہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے (الصفات :
اگر اللہ تعالی کے نبی بخشش مانگے بغیر مشکلات سے نہیں نکل سکتے تو پھر آج ہم' (۱۴۴
مسلمان کس بات کا انتظار کر رہے ہیں ؟ کیوں ہم اپنے گناہوں کی بخشش نہیں
مانگتے ؟ کیوں ہم اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو کر مصائب، مشکلات اور عذابوں سے
نجات طلب نہیں کرتے ؟ کیوں ہم نے آخرت کی خوبصورت زندگی کو بھلادیا؟ کیوں ہم
دنیاکے لالچ میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں ؟ کیو سودی نظام سے جان نہیں چھڑا
رہے ؟آخر کیوں ہم اللہ تعالی کے عذاب کو دیکھ اور پہچان کر بھی گناہوں سے توبہ نہیں
کر رہے ؟آئیں اپنے رب کے حضور توبہ کریں ،اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں ،نازل
ہو چکے مصائب، مشکلات اورعذابوں سے نجات طلب کریں ،آئیں ہم چھوٹے بڑے
تمام طرح کے ظلم کو روک دیں ۔آئیں ہم اللہ تعالی اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کے
۔مطابق زندگی بسر کرکے دنیا و آخرت کا انعام حاصل کرنے کی کوشش کریں

دھاندلی، دھرنے اور میڈیا کا کردار

آجکل سوشل میڈیا پر کچھ سیاستدانوں کی تصاویر لگا کر یہ پوچھا جارہا ہے کہ آپ پاکستان میں کس کی حکومت چاہتے ہیں؟ایسے تمام دوست سن لیں جو اس قسم کے سوالات اُٹھا رہے ہیں ،نہ صرف پاکستان بلکہ پوری کائنات پر صرف اور صرف اللہ تعالٰی کی حکمرانی قائم ہے باقی سب جھوٹ ہے۔بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک اہم سیاسی جماعت کے سربراہ اپنے ہی وطن کے شہروں کو آگ لگانے کی بات کر رہے ہیں ،ارے بھائی آگ لگانی ہے تو اُن کو لگاؤ جو دھاندلی کے ذمہ دار ہیں، کبھی کسی کو دھاندلی کا ذمہ دار کہتے ہو اور کبھی خوشامد پر اُتر آتے ہو، یہ درست رویہ نہیں خان صاحب یہ جو پبلک ہے یہ سب جانتی ہے۔ سربراہ تحریک انصاف عمران خان کے وکلاء نے سابق چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چودھری کے ہتک عزت کے نوٹس کا جواب دیتے ہوئے خوشامد بھی کی اور آئندہ بھی ایسے الفاظ برداشت کرنے کی اُمید ظاہر کی جن میں اُن کی ہتک عزت کا عنصر موجود ہوگا۔جواب میں کئی بار افتخار چودھری کو سلام پیش کیا۔ کئی مرتبہ بصد احترام لفظ استعمال کیا، خدمات کو سراہا گیاہے،ایک آمر کے خلاف علم جہاد بلند کرنے پر غیر سیاسی لیڈر بھی تسلیم کیا گیا ،پوری پاکستانی قوم کی طرف سے بھی سلام پیش کیا گیا اور ساتھ ہی کسی حد تک دھاندلی کا ذمہ دار بھی قرار دیا گیا ہے۔ عمران خان

کے وکلاء نے اپنے موکل کے بارے میں یہ اعتراف کیا کہ وہ الیکشن 2013ء میں ہونے والی دھاندلی اور پھر مسلسل ناانصافی کی وجہ سے انتہائی مایوس ہیں جس کی وجہ سے وہ سابق چیف جسٹس آف پاکستان کے خلاف زیادہ سخت الفاظ استعمال کر بیٹھے تھے ،جواب میں یہ بھی کہا گیا کہ افتخار چودھری کا نصب العین ملک کی خدمت رہا ہے نہ کہ پیسہ اکٹھا کرنا،اس بات کا بھی اقرار کیا گیا کہ اُنھوں نے ماضی میں خاص طور پر وکلاء تحریک کے دوران ذہنی اذیت اور اوچھے ہتھکنڈوں کا ایسے حوصلے اور صبر کے ساتھ مقابلہ کیا جو کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں، عمران خان کے وکلاء نے افتخار چودھری کے ہتک عزت کے نوٹس کے جواب میں الفاظ کا جال کچھ اس طرح بنا کہ کبھی تو سابق چیف جسٹس آف پاکستان کو عام انسان کی بجائے فرشتے کا درجہ دے دیا اور کبھی الیکشن 2013ء میں ہونے دھاندلی کا ذمہ دار بھی ٹھہرا دیا۔ جس طرح گزشتہ روز عمران خان نے دھرنے میں خطاب کرتے ہوئے ایک بار پھر افتخار چودھری کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے دھاندلی کی ذمہ داری اُن کے سر ڈالی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہتک عزت کے نوٹس کے جواب میں بذریعہ خوشامد بار بار سلام پیش کرنے کا مقصد سابق چیف جسٹس کو عمران خان کے خلاف مقدمات سے دور رکھنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ جب عمران خان اس حد تک مایوس ہو چکے ہیں کہ اُن کو ایک محب وطن ، قوم کے بے لوث خادم اور خاص طور پر آمر وقت کے سامنے ڈٹ جانے والے باعزت سابق چیف جسٹس آف پاکستان کی شخصیت پر الزمات لگاتے وقت یہ احساس

نہیں رہتا کہ وہ کیا بول رہے ہیں تو معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اُن کو اس وقت دھرنے کی قیادت کرنے کی بجائے نفسیاتی ڈاکٹرز کے پاس زیر علاج ہونا چاہئے ،دوسری صورت میں اُن کو اپنے بیان پر ڈٹ جانا چاہئے کہ سابق چیف جسٹس آف پاکستان دھاندلی کے ذمہ دار ہیں،جہاں تک بات ہے الیکشن 2013ء میں ہونے والی دھاندلی کی تو ہر پاکستانی جانتا ہے کہ الیکشن میں دھاندلی نہیں ہوئی بلکہ دھاندلی میں الیکشن ہوئے ہیں ۔دھاندلی کی ذمہ داری کسی ایک فرد پر ڈالنے کا مطلب یہ ہوگا کہ باقی 20.18 کروڑ عوام کی کوئی غلطی نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق کردار ادا کیا ہے۔میرے الفاظ کا ہر گز یہ مطلب نہیں کے میری سیاسی ہمدردیاں کسی خاص جماعت کے ساتھ ہیں راقم بلاامتیاز بات کرنے کا عادی ہے ۔بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خالی ن لیگ کے اُمیدواروں نے دھاندلی نہیں کی بلکہ تحریک انصاف سمیت دیگر تمام جماعتوں کے اُمیدواروں نے اپنی کامیابی یقینی بنانے کیلئے ہر جائزو ناجائز طریقہ استعمال کیا۔آخر میں وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے۔انتظامی ڈھانچے نے جس جماعت کو سازگار ماحول فراہم کیا اُس کے اُمیدوار کامیاب ہوگئے ۔عمران خان کے جواب میں یہ عنصر بھی ملتا ہے کہ الیکشن 2013ء میں ن لیگ کی طرح تحریک انصاف کو بھی کچھ زیادہ حصہ مل جاتا تو پھر دھاندلی قابل قبول ہو سکتی تھی۔دھرنوں اور الزامات کی برسات کا عمران خان کو کوئی فائدہ ہونہ ہوایک بات تو طے ہے کہ آئندہ الیکشن میں دھاندلی کے چانسز کم سے کم ہوجائیں گے

۔آئندہ الیکشن صاف، شفاف ہوجاتے ہیں تو بہت سارے اختلافات کے باوجود مجھے یہ کہتے ہوئے ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں کہ سارا کریڈٹ عمران خان اور اُن کی جماعت کو جائے گا۔اس بات نے پریشان بھی کیا کہ عمران خان مایوسی کا شکار ہوچکے ہیں پر ہوسکتا یہ اُن کا سیاسی بیان ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ آئندہ الیکشن میں اپنی جماعت کے اُمیدواروں کیلئے دھاندلی کے اختیارات حاصل کرنا چاہتے ہوں اور یہ دھرنے ورنے سیاست بازی ہوں ۔خیر جو بھی ہو راقم پاکستان اور پاکستانی عوام کے مستقبل کے حوالے سے کبھی مایوس نہیں ہوا اور نہ ہونا چاہتا ہے۔پاکستان اس دنیا کے نقشے پہ تاقیامت قائم رہنے کیلئے بنا ہے اور راقم کو اُمید ہے کہ پاکستانی عوام بہت زیادہ ترقی کریں گے۔جہاں تک بات ہے جمہوریت اور سیاست دانوں کی تو ان سے کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا بات تکلیف دے ہے پر حقیقت یہی ہے کہ ہم جمہوریت کے قابل ہی نہیں ،ہمارا مقدر، مارشل لاء ہی بنے گا اور دیکھنے والوں کو اس بار کا مارشل لاء انتہائی سخت دکھائی دیتا ہے ۔جس قوم کے قانون دان یعنی وکلاء خوشامدی ہوں وہ کیا آئین و قانون کی پاسداری کرے گی؟ قانون اور آئین کی پاسداری نہ ہوگی تو جمہوریت کیسے زندہ رہے گی؟ راقم کے خیال میں جمہوریت کو زندہ رکھنے کی اصل ذمہ داری عوام کے سر پر ہوتی ہے پر ہمارے عوام تو جمہوریت نہیں سیاسی جماعتوں کے ساتھ ہیں ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں جعلی ووٹ سابق چیف جسٹس آف پاکستان یا وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز، شریف یا پھر عمران خان اکیلے

تو نہیں ڈال سکتے ؟ قارئین محترم ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آج دھاندلی اور دھرنوں سے ایک یا دو افراد متاثر نہیں ہو رہے بلکہ پوری قوم یرغمال بنی ہوئی ہے اور ملک کا کاروباری ڈھانچا تیزی سے تباہ ہو رہا ہے یہ سیاستدان و حکمران تو اپنے مفادات حاصل کرنے کے بعد بیرون ملک عیاشیاں کرنے نکل جائیں گے بھگتنا تو عوام کو پڑے گا اس لئے اب عوام کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آئندہ کسی جماعت یا اُمیدار کو الیکشن میں دھاندلی نہیں کرنے دیں گے، چاہے وہ ہمارے حمایت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ صحافی ہونے کی حیثیت سے راقم کو اس بات پر فخر ہے کہ میڈیا بے پناہ مشکلات کے باوجود عوام کے سامنے سیاست دانوں کے پول کھول کر اپنا فرض پوری ایمان داری کے ساتھ نبھا رہا ہے۔ سابق چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری کے ہتک عزت کے جواب میں عمران خان کا اُن کو بار بار سلام پیش کرنا اور دھرنے میں اُن کو دھاندلی کا ذمہ دار ٹھہرانا ہمیں یہ بات سمجھانے کیلئے کافی ہے کہ سیاست دان جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں وہ کہتے نہیں ۔اب وقت آگیا ہے کہ کرپٹ سیاستدانوں کو عوام یہ بتا دیں کہ یہ جو پبلک ہے یہ سب جانتی ہے -

کچھ تو ہونے والا ہے

ہر پاکستانی کے دل کو ایک دھڑکا سا لگا ہوا ہے نجانے کب کیا ہونے والا ہے ،حکومت اور دھرنے والے اپنے اپنے موقف پر قائم ہیں کوئی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ۔دھرنے والے موجودہ حکومت کے خاتمے کے بعد خود اقتدار میں آنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں جبکہ حکمران حکومت چھوڑنے کو تیار نہیں ،دونوں میں سے کوئی ایک بھی ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں جبکہ ہر لمحہ ملک و قوم پر بھاری گزر رہا ہے۔کبھی کسی نے سوچا کہ جس دن مزدور کو کام نہیں ملتا اُس کے گھر چولہا نہیں جلتا ؟ہر گز نہیں سوچا ،یہ بات تو ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام آباد دھرنا دینے والے
تھرپارکر یا چولستان کے قحط زدہ لوگ یا کسی فیکٹری میں کام کرنے والے نچلے درجے کے مزدور نہیں بلکہ عالمی شہرت یافتہ لیڈرز ہیں اور اُن کے ساتھ لاکھوں نہیں کروڑوں لوگ اس احتجاج میں شامل ہیں ۔حکومت جانے کیوں بند گلی میں جانے کی کوشش میں مصروف ہے ؟جانے کس طرف سے مدد آنے کی منتظر ہے ؟ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے قائدین کو اپنے کارکنان کے ساتھ اسلام آباد کی سڑکوں پر دھرنا دیئے آج دو ہفتے ہو چکے ہیں ۔ تحریک انصاف نے قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی کی سیٹوں سے استعفٰے بھی دے دیئے ہیں جبکہ عوامی تحریک کے

سربراہ علامہ طاہرالقادری شہادت کی نیت سے غسل کرچکنے کے ساتھ وہ کفن بھی دیکھا چکے ہیں جو اُن کے مطابق یا تو وہ خود پہنے گے یا ن لیگ کی حکومت ۔ہم دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں نے پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے قبریں کھودنا شروع کردیا ہے۔ پچھلے دو ہفتوں سے پورے پاکستان میں کاروبار بند پڑا ہے، روپے کی قیمت کم ہوچکی ہے، عوام طویل اضطراب کا شکار ہو کر ذہنی مریض بنتے جارہے ہیں۔ غیر یقینی صورتحال نے قلی اداروں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ دوسری طرف حکومتی مشیران سمجھ رہیں علامہ طاہرالقادری اور عمران خان روٹھے ہوئے بچے ہیں جن کو جب جی چاہے گا لالی پوپ دے کر منالیں گے ۔حکمرانوں کو صرف حکومت نہیں بلکہ ملک و قوم کے ساتھ بھی مخلص ہونا چاہیے، اس وقت ملک جس شدید بحران کا شکار ہے اُس کی ذمہ داری حکومت پر ہی ڈالی جاسکتی ہے کسی اور پر نہیں ، وہ اس لئے کہ عوام کے جان ومال کی حفاظت اور ملک کو کسی بھی قسم کے نقصان سے بچانا حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں حکومت ذمہ دار نہیں تو پھر اب تک ذمہ داروں کو سزا کیوں نہ دی جاسکی ، وہ کون سی طاقت ہے جو حکومت سے بھی زیادہ اثر رکھتی ہے کہ جس کے حکم پر پولیس نے گولیاں چلادیں اور حکومت اُن کے خلاف کارروائی کرنے سے بھی گریزاں ہے ۔کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اور کچھ تو ہونے والا ہے ۔

تحریک انصاف الیکشن 2013ء میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف اور علامہ

طاہرالقادری سانحہ ماڈل ٹاؤن میں ہونے والے قتل عام کا بدلہ اور تبدیلی نظام کی خاطر دھرنا دیئے بیٹھے ہیں اور حکومت اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر آئین اور جمہوریت بچانے کا اعلان کر رہے ہیں کیا ہم عوام پوچھ سکتے ہیں کہ یہ کون سی جمہوریت ہے جس نے لاکھوں، کروڑوں شہریوں کو احتجاج پر مجبور کر دیا؟ جمہوریت ایک،ایک فرد کے حقوق کا تحفظ کرنے کا نام ہے۔ جمہوریت میں غریب اور امیر کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے، یہ کون سی جمہوریت جو عوام کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتی؟ یہ کیسی جمہوریت ہے جو سمجھ رہی ہے کہ لوگ اپنے گھروں کا سکون چھوڑ کر سڑکوں پر دھرنے خوشی خوشی دیئے بیٹھے ہیں؟ یہ کون سا آئین ہے جو غریب تو کیا ایک صوبے کی حکمران جماعت جسے ملک بھر سے ووٹ ملے، جس کی نمائندگی چاروں صوبوں میں موجود ہے اُس کے تحفظات دور نہیں کر سکتا؟ یہ کون سا آئین ہے جو 4 حلقوں میں دھاندلی کی شکایات دور نہ کر سکا اور پورے ملک کا سکون تباہ و برباد کر دیا گیا۔ میاں صاحب صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اپنی حکومت کو ہر صورت بچانے کی کوشش کروں گا چاہے عوام سڑکوں پر دھرنے دیں یا قبروں میں اُتر جائیں۔ ہم اپنی خواہشات کے دائرے میں قید دوسروں کی تکالیف کو دیکھ نہیں پاتے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خالق کائنات اس بات سے بے خبر ہے۔ ضروری نہیں کہ احتجاج کرنے والوں کے تمام مطالبات پورے ہو جائیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حکومت اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر احتجاج ناکام بنا دے۔ حکومت دھرنوں کا مقابلہ بڑی بڑی ریلیاں

نکال کر کر رہی، جیسے ملک کی تباہی میں کوئی کسر باقی رہ گئی تھی جو پوری کی جا رہی ہے۔لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ بقول حکومت جب دھاندلی نہیں ہوئی تو پھر 4 حلقوں میں تصدیق میں کیا قباحت تھی ؟حکومت کو آخر کس بات کا انتظار ہے؟کیا واقع ہی کچھ ہونے والا ہے؟زبان خلق نقارہ خدا ہوا کرتی ہے اور اس وقت زبان خلق سے ایک ہی آواز نکل رہی ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔

جیسے عوام ویسے حکمران

یہ بات درست ہے کہ ہمارے حکمران بہت اچھے نہیں ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکمران عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرتے ہیں یا نہیں؟جب ہم کسی امیدرار کو صرف اس لیے ووٹ دیتے ہیں کہ وہ ممبر اسمبلی بن کر ہمارے جائز ناجائز کاموں کو سپورٹ کرئے گا اور قانون کی گرفت سے بچائے گا تو پھر وہ حلقے کے ترقیاتی کام نہیں کرواتا یا ملک کی تراقی میں کوئی کردار ادا نہیں کرتا تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کے ہم اسے برا بھلا کہیں۔ کیونکہ ان کاموں کی اہلیت تو ہم نے اس میں ووٹ دینے سے پہلے دیکھی ہی نہیں تھی ۔جب ہم نااہل لوگوں کو منتخب کرکے اسمبلی بھیجتے ہیں تو پھر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ صرف حکمران ہی نااہل نہیں بلکہ عوام بھی (ڈیش ڈیش) ہیں، حکمران کسی اور دنیا کی مخلوق نہیں بلکہ وہ بھی ہم میں سے ہی ہیں۔اس لیے صرف حکمرانوں کو بد عنوان اور کرپٹ کہنے یا ثابت کرنے سے عوام کی ذمہ داریاں کم نہیں ہوتی بلکہ ایسے حالات میں عوام کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں، بدقسمتی سے پچھلے 67 سال سے پاکستانی عوام نے ہر حکمران کو غلط کہنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ جن حکمرانوں کو پاکستانی عوام غلط کہتے ہیں وہی لوگ بار بار الیکشن جیت کر پاکستان پر حکومت کرتے ہیں ۔ عوام جن کو غلط کہتے ہیں ووٹ بھی انھیں کو ہی دیتے ہیں ۔جب

منتخب کرنے والوں کے قول و فعل میں تضاد ہو گا تو پھر کیسے ان کے منتخب کیے ہوئے لوگ سچے اور ایماندار ہو سکتے ہیں۔ پھر کسی ملک یا کسی ریاست کو چلانے کے لیے صرف حکمران ہی توکافی نہیں ہوتے بلکہ عوام پر بھی حکمرانوں سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتیں ہیں کڑروں لوگوں پر چند حکمران تب ہی کامیابی سے حکومت کر سکتے ہیں جب وہ عوام کے صحیح ترجمان ہوں اورجہاں جمہوریت ہو وہاں صحیح ترجمان تلاش کرنا عوام ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔پاکستان کے عوام اگرچہ اپنے ہی منتخب کئے حکمرانوں کو برا سمجھتے ہیں، برا سمجھنے کے باوجود میری قوم کا حال یہ ہے کہ اپنی جیب میں انھیں برے حکمرانوں کے وزٹینگ کارڈ رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور خاص طور پر سیاسی ورکر اُن کا تعلق چاہے کسی بھی پارٹی سے ہو وہ اپنے آپکو خدا کی اعلیٰ مخلوق سمجھتے ہیں۔جس سمجھتا ہے اوراس حساب سے اگر کسیmpa کارڈ ہووہ اپنے آپکو ہیmpa کے پاس کسی سمجھتا ہے۔میرے ہم وطن جن حکمرانوںmnaکاکارڈ ہوتووہ بھی خود کو ہیmna کے پاس کوان کے دور حکومت میں بہت برا سمجھتے ہیں الیکشن کے دنوں میں انھیں کے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں جن کو، کرپٹ ،چور لٹیرے اور غدار کہا ہوتا ہے الیکشن کے دنوں میں انہی لوگوں کے ساتھ تصویریں بنوا کر اپنی بیٹھک کی دیواروں پر بڑے بڑے فریموں میں بڑے ہی فخر سے آوزاں کرتے ہیں۔ پاکستان میں اس شخص کو بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے جو چوروں ،ڈاکوں ،منشیات فروشوں ،کی پشت پناہی کرے اور جو رشوت خوروں کو اچھی طرح ڈیل کرسکے اور جس کی برادری بڑی ہو۔اس طرح

بڑی برادریوں سے تعلق رکھنے والے کرپٹ سیاست دان الیکشن میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جس برادری کا ایک فرد mnaیا mpa بن جاتا وہ ساری برادری اپنی گاڑیوں پر mnaاور mpaلکھی نمبر پلیٹ لگا کر اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ان حالات میں ہر خاص وعام کی دلی خواہش ہے کے وہ کسی نہ کسی طرح سرکاری عہدے پر فائز ہوجاے تاکہ وہ اپنے آپ میں سرکار ہوجاے۔ اقتدار کی بھوک ہمارے معاشرے کی رگوں میں اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنے آپکو راتوں رات بغیر محنت کئے بڑھا آدمی بنانا چاہتا ہے ہماری چھوٹی سی ننھی سی تمنا یہ ہوتی ہے کہ ہم کم از کم ملک کا، صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلی، یا پھر کم از کم کوئی نا کوئی وزیر بن سکیں۔ اور یہ سارے عہدے ہم ملک و قوم کی خدمت کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کا قد بڑا کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔جس قوم کا ہر فرد صرف اپنے لیے ہی سوچتا ہو اس کے حکمران کس طرح ملک و قوم سے مخلص ہو سکتے ہیں۔جس ملک کی عوام کے نزدیک سرکاری آفیسر بننے کا مقصد ملک و قوم کی ترقی کی بجائے اپنی عیاشیوں کے لیے خوب دولت کمانا ہو اس ملک میں صرف آفیسر شاہی ہی ترقی کرتی ہے۔اس ملک کے حکمران عوام کو سستی روٹی، بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی صورت بھیک اور اس سے ملتی جلتی کئی اور سہولتیں تو دے سکتے ہیں لیکن باعزت روزگار، مفت انصاف اور صحت و تعلیم کی سہولیات فراہم نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ وطن عزیز میں بسے والے لوگ ان بنیادی سہولتوں کی بجائے ووٹ بیچ کر چند روپوں کے عوض اپنے ضمیر کے ساتھ

ساتھ اپنی آنے والی نسلوں کا بھی سودا سستے داموں کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں ۔عوام اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ پہلے اپنی مرضی سے خوشی خوشی اپنے آپ کو سستے داموں فروخت کرتے ہیں ۔بعد میں خریدار کو برا کہنے لگتے ہیں ۔جو لوگ ووٹ نہیں بیچتے وہ ان لوگوں کو اپنے ووٹ کا حق دار سمجھتے ہیں جن کا تعلق وڈیرا ,سرمایہ دار، جاگیر دار یا ٹاؤٹ قسم کے خاندان سے ہو،اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ سیاست شریف آدمی کا کام نہیں ،سیاست تو بس بدمعاش قسم کے لوگوں کا کام ہے وہ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے پاس دولت و جاگیر زیادہ ہوتی ہے ۔دس ،بیس گاڑیاں ہر وقت ان کے گھر کے باہر کھڑی رہتی ہیں اور شریف آدمی کے پاس ایک بھی گاڑی نہیں ہوتی ،شریف آدمی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیا سیاست کرے گا اس کو تو کبھی تھانے نہیں دیکھا،اس کا تو خاندان بہت چھوٹا ہے ،وہ تو کسی سے لڑائی میں بھی نہیں جیت سکتا تو الیکشن کیا جیتے گا،اسے دے کر تو ووٹ ہی ضائع کرنے والی بات ہوگی۔اس کے مقابلے میں کھڑا امیدوار زیادہ مضبوط ہے اس کے پاس سرمایہ بھی ہے اور برادری بھی بڑی ہے ۔تھانے ،کچہری کے معاملات بھی اچھی طرح سمجھتا ہے اور بجلی و گیس کے کام بھی کروا سکتا ہے ۔مختصر یہ کہ عوام کو تمام تر خوبیوں کا مالک جاگیر دار قسم کا امیدوار ہی نظر آتا ہے۔کچھ لوگ اس کی جاگیر سے متاثر ہو کر اور کچھ پیسے لے کر اسے ووٹ دے دیتے ہیں ۔جس کے بعد ہوتا کیا ہے ۔وہ الیکشن جیت جاتا ہے ۔اب غور کریں جس نے الیکشن جیتنے کے لیے دو ،چار کروڑ یا اس بھی زیادہ خرچ کیا ہوگا وہ پانچ سال

اپنے پیسے پورے کرے گا یا ملک و قوم کی خدمت ؟پھر جب عوام کا منتخب نمائندہ اپنے پیسے پورے کرنے کے لیے لوٹ مار کرتا ہے تو عوام اسے برا کہتے ہیں ۔بے شک لوٹ مار کرنے والا ملک و قوم کا دشمن ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے لوٹ مار کی اجازت کس نے دی ؟کس نے اسے اتنا طاقتور بنایا کے وہ سر عام کرپشن کرے ؟سب سے اہم سوال کہ وہ طاقت ہے کون سی؟ میرے نزدیک وہ طاقت ہے عوام کے ووٹ کی اور اس حساب سے اسے لوٹ مار اور کرپشن کی اجازت عوام ہی نے دی ہوتی ہے۔ سیاست دان ایسے ہی تو نہیں کہتے کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہے۔ قارئین محترم ہم کتنے نادان ہیں اپنی طاقت کا استعمال اپنے ہی خلاف کرتے ہیں ۔ہمیں اس بات کا ہوش ہی نہیں کہ جس شخص کو ہم ووٹ دے رہے ہیں وہ اس کا اہل ہی نہیں ،اسے تو لوٹ مار اور کرپشن کے سوا کچھ آتا ہی نہیں ،وہ کس طرح غریب عوام کے مسائل حل کرے گا جب اس نے کبھی غربت دیکھی ہی نہیں ، کبھی غریبوں کے پاس بیٹھا ہی نہیں۔ جو لوگ منہ میں سونے چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں وہ کیا جانے کہ دو سیر آٹے کی قیمت کیا ہے ،جس کی ماں کو جہیز میں دو چار کلو سونا ملا ہو اسے کیا پتہ کہ غریب کی بیٹی صرف اس لیے گھر بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہے کونکہ اس کے پاس جہیز دینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے : جاری ہے

خیر دین تین بھائیوں میں سب بڑا تھا، کھیتی باڑی اُس کا پیشہ بھی تھا اور جنون بھی ،وہ اپنے والد کے ساتھ بچپن ہی سے کھیتوں میں کام کیا کرتا تھا،گاؤں کے پرائمری سکول سے پانچ جماعتیں پاس کرنے کے بعد والدین نے خیر دین کو وسائل کی کی وجہ سے مستقل کام میں لگا لیا،اُسے کام کے ساتھ سچی لگن کے ساتھ پڑھائی لکھائی کا بھی شوق تھا، بھایؤں میں سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے تعلیم کی قربانی دینا پڑی تو اُس نے سوچا کہ چھوٹے بھایؤں کو ضرور پڑھائے گا،ایسا ہی ہوا خیر دین نے والد کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی میں خوب محنت کی ، خیر دین بھایؤں کے تعلیمی اخراجات کے ساتھ ساتھ گھر کی ہر ضرورت پوری کرتا اور بھایؤں کو کبھی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیتا۔اُس کے خیال میں تھا کہ بھائی اُس کے ساتھ کام کروانے لگ گئے تو وہ لالچی ہو کر اُن کی تعلیم چھڑوا دے گا۔وقت گزرتا گیا خیر دین کے دونوں بھائی گاؤں کے مڈل سکول سے آٹھویں جماعت پاس کرکے اگلی پڑھائی کیلئے شہر چلے گئے،والدین کی خواہش پر خیر دین نے اپنی پھوپھی زاد کزن آمنہ سے شادی کر لی،آمنہ نیک سیرت اچھی بیوی ثابت ہوئی اور اُس نے کبھی خیر دین کو بھایؤں سے دور کرنے کو شش نہ کی،اللہ تعالیٰ نے خیر دین کو تین سال میں دو خوبصورت بیٹوں سے نواز دیا، خیر دین

بھائیوں کو ہر مہینے اُن کے تمام اخراجات کیلئے رقم بھیجتا رہا حتیٰ کہ دونوں بھائی گریجویشن کے بعد اچھی سرکاری نوکریوں پر فائز ہوگئے۔انھوں نے اپنے لئے شہر میں الگ الگ گھر خرید لئے ایک دن خیر دین کو اپنے بھائی کی شادی کی تقریب میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا تو اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔اُس نے سوچ رکھا تھا کہ اپنے بھائیوں کی شادیاں خوب دھوم دھام سے کرے گا جس کیلئے اُس نے خاصی رقم بھی جمع کر رکھی تھی خیر دین اپنے والدین اور بیوی بچوں سمیت پوری تیاری کے ساتھ شادی کی تاریخ سے ، دو دن پہلے ہی اپنے بھائی کے گھر پہنچ گیا۔اُس کے بھائی کا گھر خوبصورت پر گاؤں کے ماحول کے مطابق ،ٹرانہ تھا،ایک بیڈ روم ،ڈرائنگ روم اٹیچ ،کچن اور باتھ روم والے گھر میں خیر دین کے والدین ،بیوی دو بچوں سمیت ٹھہرنے کیلئے ناکافی تھا جس پر اُس کا بھائی سوچ میں پڑگیا، جیسے تیسے کرکے رات گزر گئی ، صبح ناشتے کے بعد خیر دین کے بھائی نے اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا امی یہاں اتنی جگہ نہیں کہ آپ سب رہ سکیں اور پھر آج مہندی کی رسم ہے میرے دوست آئیں گے تو وہ آپ لوگوں کو پینڈو کہیں گے اس لئے آپ لوگ واپس گاؤں چلے جائیں میں شادی کے بعد آپ کی بہو کو لے کر آؤں گا۔خیر دین اور اُس کے والدین خون کے آنسوں روتے اپنی حسرتوں کا جنازہ اُٹھائے گاؤں لوٹ گئے۔خیر دین کو معلوم تھا کہ اُن کا گناہ یہی تھا کہ وہ پینڈو تھے جبکہ اُس کا بھائی پڑھ لکھ کر شہری بابو بن چکا تھا۔اُس دن سے خیر دین احساس کمتری کا شکار ہوگیا دو سال بیمار رہنے کے

بعد خالق حقیقی سے جاملا۔ قارئین محترم اس طرح کی کئی کہانیاں آپ کے ارد گرد بھی موجود ہوں، یہ کوئی افسانہ نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کی ہڈ بیتی ہے۔ ہم شہر میں بسنے والے خود کو اللہ کی اعلیٰ اور گاؤں والوں (پینڈو) کو کمتر مخلوق تصور کرتے ہیں۔ پینڈو لفظ زبان پر آتے ہی پڑھی لکھی شہری آبادی کی اکثریت کے ذہنوں پر غرور کا ایک غبار سا چھا جاتا ہے جس میں پینڈو ہونا انتہائی جاہل، پاگل، غلیظ، بے وقوف، بے شعور اور کم عقل نظر آتا ہے جبکہ یہ سارے لقابات شہریوں کیلئے استعمال ہوں تو بات کسی حد تک درست لگتی ہے، فیصلہ کرنے کیلئے آپ اس بات پر غور کریں کہ شہری آبادی گاؤں والوں (پینڈوں) کو کون کون سے فوائد پہنچاتی ہے اور گاؤں والے (پینڈوں) شہروں میں بسنے والوں کیلئے کیا کرتے ہیں۔ شہر سے گاؤں جانے والی مفید اشیاء میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے جو بجلی، گیس یا پیٹرول پر چلتی ہیں، بجلی اور گیس مہنگی ہونے کے ساتھ ساتھ لوڈشیڈنگ کا عذاب شامل ہے جبکہ پیٹرول مہنگا ہونے کے ساتھ مضر صحت دھواں بھی پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر شہر سے جو نقصان دہ چیز گاؤں والوں (پینڈؤں) کو پریشان کرتی ہے وہ ہے احساس کمتری۔ شہر والے گاؤں والوں کو پینڈو کہہ کر احساس کمتری کا شکار کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف شہر میں بسنے والے اپنے کچن میں غور کریں تو اُن کو معلوم ہوگا کہ وہاں پڑی تمام کھانے والی صحت بخش اشیاء گاؤں سے آتی ہیں۔ جن میں پھل، گندم، سبزیاں، گوشت، دالیں اور دودھ بھی شامل ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جن کے بغیر شہری آبادی زندہ نہیں

رہ سکتی، جبکہ شہر سے گاؤں جانے والی اشیاء کی اکثریت کے بغیر پینڈو زندہ رہ سکتے ہیں ۔جو لوگ ہمارے لئے دن رات محنت مشقت کرتے ہیں ،ہمارے لئے صحت بخش پھل، سبزیاں، دالیں ، گوشت اور دودھ کی پیداور کے ساتھ دیگر کئی چیزوں کی فصل اگاتے ہیں، جن میں ہمارے گھر و دفتر کو خوبصورتی کے ساتھ سجانے والی لکڑی بھی شامل ہے، وہ کیسے کم عقل ،جاہل اور بے وقوف ہو سکتے، مٹی میں مٹی ہو کر جو لوگ ہمارے لئے زندگی کا سامان تلاش کرتے ہیں ہم اُن کو کم تر سمجھ کر کہاں کی عقل مندی کا ثبوت دیتے ہیں ، پینڈو کے میلے کپڑے دیکھ ہم اکثر وہ عزت اور مقام نہیں دیتے جس کے وہ حقدار ہیں۔ شیخ سعدیؒ کا قول ہے کہ رتبہ لباس سے نہیں علم سے ہوتا ہے ، پینڈو کے علم کا پیمانہ ناپنا ہے تو پھر وہ سارے کام کرکے دیکھیں جو پینڈو بڑی مہارت کے ساتھ کرتا ہے، بھینس پال کر صرف اپنے خاندان کیلئے دودھ حاصل کرکے دیکھیں،اپنے کچن کیلئے سبزیاں، دالیں اور مصالہ جات اگا کر دیکھیں،اپنے لیے صحت بخش پھلوں کے باغات اگا کر دیکھیں،اپنے گھر اور دفتر کو خوبصورت بنانے کیلئے لکڑی کی پیداوار حاصل کرکے دیکھیں ،یقین کریں آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ پینڈو خود سہولیات سے دور رہ کر ہماری زندگیوں میں کس قدر آسانیاں پیدا کرتا ہے،تپتی دوپہروں میں فصلوں کی دیکھ بھال کرتاہے رات کے اندھیرے میں زہریلے جانوروں کی موجودگی میں فصلوں کو پانی دیتا ہے۔آپ غور کریں کوئی جاہل بھلا کس طرح صحت بخش پھل، سبزیاں او دالیں اگاسکتا ہے، کوئی کم عقل کس طرح دودھ اور گوشت کی پیداور حاصل کر سکتا

ہے ، پھر بھی پینڈو کم عقل اور جاہل تصور کیا جاتا ہے تو پھر راقم یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ شہری لوگ میلے کچیلے، جاہل اور کم عقل پینڈو کی پیدا کردہ کوئی چیز استعمال نہ کریں تاکہ پینڈو کی جہالت ہمارے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بن سکے ۔

جمہوریت کا ماتم اور باغی کی پھر بغاوت

ہمارے ملک کے تمام سیاستدانوں نے جمہوریت کیلئے بہت قربانیاں دیں ہیں تاکہ جمہوریت کو عام کی بجائے خاص مقاصد کیلئے استعمال کیا جاسکے۔ میرے جیسے عام پاکستانی تو جمہوریت کو صرف نام سے جانتے ہیں شکل و صورت کبھی نہیں دیکھی۔ موجودہ ملکی حالات کا ذمہ دار کوئی بھی ہو، ہونے والے نقصانات کی تلافی ناممکن ہے۔ ہمارے سیاستدانوں نے ماضی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک بار پھر ثابت کردیا ہے کہ وہ جمہوریت کے دعویدار تو ہیں حامی نہیں، جمہوریت سب کو ساتھ لے کر چلنے کا نام ہے جبکہ سیاست دان جمہوریت کا راگ آلاپ کر صرف اپنے لئے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں سب کو قتدار میں آنے کی جلدی ہے چاہے لاشوں کی سیڑھی بنا کر ہی کیوں نہ کرسی اقتدار تک پہنچنا پڑے یہ لوگ نہ تو گریز کرتے ہیں اور نہ ہی شرم۔ ماضی میں لگنے والے تمام مارشل لا راقم کی ہوش سے پہلے کی بات ہے۔ جمہوریت کی خوبیوں کو دیکھ میں بھی ہمیشہ فوجی حکمرانوں کو بُرا سمجھا کرتا تھا پر سیاست دانوں کا موجودہ تماشہ دیکھ کر سمجھ آیا کہ دراصل یہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو حکمرانی کے فرائض سونپے جائیں۔ وطن عزیز کی اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے حفاظت کرنا فوجی جوانوں کی ذمہ داری ہے۔ ہر حال میں ملکی سلامتی اور بقا کی جنگ لڑنا افواج پاکستان کا فرض ہے۔ اسلام

آباد میں لگے سیاسی و جمہوری تماشے کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ حکمران اور دھرنوں والے ملک کے وسیع تر مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی معشیت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں ؟حکمران جماعت اپنی دھاندلی پر پردہ ڈالے پانچ سال حکومت کرنے کی خواہاں ہے جبکہ دھرنوں والے کسی صورت دھاندلی زدہ اسمبلی کو برداشت نہیں کر رہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھاکہ یہ کرپٹ سیاست دان ایوان میں بیٹھ کر اپنی بندر بانٹ کرلیتے جبکہ ان لوگوں نے پورا پاکستان جام کردیاہے ،پوری دنیا ہمارے حال پر ہنس رہی ہے۔ بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی لوگوں کا مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات ہونے والے ہنگامے میں درجن کے قریب لوگ جان بحق ہوئے جبکہ سینکڑوں لوگ زخمی بھی ہوئے۔ حکومت اور دھرنے دینے والوں کے مخلص پن کا اندازہ اس بات سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ حکومت ہونے والی ہلاکتوں سے بے خبری ظاہر کررہی ہے جبکہ دھرنے والے اپنے ساتھیوں کی ہلاکتوں کی تصدیق کرنے کے باوجود یہ نہیں جانتے کہ مرنے والے کون تھے۔ حکمران اپنی کرسی بچانے کیلئے اپنے ہی عوام کی جان لے سکتے ہیں اور اسی طرح دھرنے والے اپنے ساتھیوں کو قربان تو کرسکتے ہیں لیکن حکومت کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے معاملات کا حل تلاش نہیں کرسکتے۔ ایسے حالات میں کوئی ایک پاکستانی بھی ان سیاستدانوں سے بھلائی کی اُمید وابستہ نہیں کرسکتا۔ عوام مجبور ہوکر جمہوریت کے دیئے زخموں پر آمریت کا مرہم رکھنے کا سوچ رہے ہیں۔ آج ہر پاکستانی کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ یہ لوگ بازنہ

آئے تو پھر فوج کو مجبوراً اقتدار سنبھالنا پڑے گا۔آپ یقین کریں ان سیاستدانوں کا حال یہ ہے کہ اطلاعات کے مطابق حکومت مخالف لوگوں نے مٹھائی اور ڈھول والوں کو ایڈوانس بک کر رکھا ہے جبکہ حکمران اپنے پورے، پورے خاندان کے ویزے لگوائے ملک سے بھاگنے کیلئے تیار ہیں۔جہاں تک بات ہے آزادی اور انقلاب کی تو راقم کئی مرتبہ پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ ان کاموں کیلئے پہلے عوام کو تیار کیا جاتا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ جاوید ہاشمی ایک مرتبہ پھر بغاوت کر چکے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ جمہوریت کو نقصان پہنچا تو ذمہ دار عمران خان ہوں گے۔ہاشمی صاحب آپ بتائیں جب آپ خود عمران خان کے ساتھ دھرنے میں شامل تھے اُس وقت کتنی ہی بار وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے ملاقات اور مذاکرات کی دعوت دی تھی ؟ جسے آپ لوگوں نے قبول نہیں کیا اور اب نام نہاد جمہوریت کا سفینہ ڈوبنے کو ہے تو جناب نے ذمہ داری عمران خان پر ڈال کر راہ فرار حاصل کرلی ہے۔ساتھ ہی یہ بھی بتا دیں کہ جمہوریت ہے کہاں جس کا نقصان ہوتا دیکھ رہے ہیں آپ ؟۔معذرت کے ساتھ عرض ہے ہاشمی صاحب گھسی پٹی جمہوریت کے قتل کی ذمہ داری صرف عمران خان پر نہیں بلکہ آپ سمیت تمام سیاستدانوں پر عائد ہوگی اور اس بار سزا بھی سب کو ملے گی۔میڈیا نے تشدد برداشت کرکے تمام تر مشکل حالات کے باوجود عوام کو باخبر رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں سیاسی شعور آنے لگا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں وکلاء تحریک اور کسی حد تک عمران خان اور علامہ طاہرالقادری کا بھی کردار ہے۔اب کوئی یہ

نہیں کہہ سکتا کہ گزشتہ رات 2 بجے کے قریب نا معلوم حملہ آوروں نے جمہوریت پر خود کش حملہ کردیا، حملہ اتنا شدید تھا کہ جمہوریت موقع پر ہی دم توڑ گئی ، موقع وارادت سے کچھ دور حملہ آور کا سر مل گیا جبکہ اُس کے نا معلوم ساتھیوں کی تلاش جاری ہے۔اس بار عوام جمہوریت پر قابضین اور خود کش حملہ آوروں کو خوب پہچانتے ہیں ۔لہٰذا کوئی کسی غلط فہمی میں نہ رہے کہ عوام اُس کے کہنے میں آ کر بہک جائیں گے۔اب کہ مارشل لاء آیا تو عوام پھر بڑی دیر تک جمہوریت کا نام نہیں لیں گے ۔سیاستدانوں کا طرز عمل آنے والے مارشل لاء کو بہت قریب بتارہا ہے۔دھرنے میں مرنے والوں اور جمہوریت کے قتل کی ذمہ داری کوئی قبول کرے نہ کرے، ملک کو ۔پہنچنے والے نا قابل تلافی نقصانات کی ذمہ داری پوری قوم کو قبول کرنا پڑے گی

موت کا علاج نہیں

دین اسلام، عام آدمی اور پاکستان کے بھلے کی بات تو ہم سب کرتے ہیں عام آدمی اور
پاکستان کے حالات پر تجزیے بھی ہوتے ہیں اور تبصرے بھی بہت کیے جاتے ہیں
پاکستان کے گلی کوچوں سے لے کر اسمبلی ہال اور خاص طور پر ٹی وی چینلز پر ہر وقت
عام آدمی کی مشکلات ، مہنگائی، لوڈشیڈنگ ، بے روزگاری، پاکستان کی بگڑتی ہوئی سیاسی
معاشی واقتصادی حالت اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کے بارے میں ہم لوگ اس
قدر سنجیدہ ہوتے ہیں کے دیکھنے اور سننے والے کبھی سوچ ہی نہیں پاتے کے ہم یہ ساری
باتیں کیمرے کے لیے یا سامنے کھڑے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے کرتے ہیں
یہ ساری باتیں ایسے ہی ہیں جیسے ایک جوکر اپنا شو شروع ہونے سے پہلے میک اپ
کرے اور شو ختم ہوتے ہی وہ سارا میک اپ دھو کر اپنے اصل روپ میں آجائے ٹھیک
اسی طرح ہمارے ملک کے حکمران اپنی سیاست کو چار چاند لگانے کے لیے عام آدمی کے
حالات زندگی کو ایسا چہرہ اور لب ولہجہ بنا کر بات کرتے ہیں جیسے وہ واقع ہی غریب کی
مجبوریاں جانتے ہیں لیکن جو لوگ انڈے کی سفیدی اور انار کے جوس کا ناشتہ کرتے
ہیں اور ان کو نہ انڈے کا اور نہ ہی انار کے ریٹ کا پتا ہو، جن کے محلات میں دنیا
بھر کی سہولتیں دستیاب ہوں خدمت کے لیے سو سو نوکر چاکر ہوں

اور عمارتیں زلزلہ پروف ۔ بم پروف ۔ سیلاب پروف ہوں جن کے پاس درجنوں ذاتی گاڑیاں ہوں مختصر جنھوں نے کبھی ضروریات زندگی خریدی ہی نہ ہوں وہ صرف ٹی وی شو کے لیے تیاری کرتے ہیں اور میڈیا رپورٹوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپکو ہیرو ثابت کرتے ہیں۔ مگر افسوس انسانی تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ مال و دولت ، جاگیریں جائیدادیں ۔ طاقت۔ حکومت اور زیادہ سے زیادہ زندہ رہنے کی تمنا ہے اگر ہم اسلام، کی روح سے دیکھیں تو دین ہمیں کسی بھی قسم کی ہوس اور لالچ سے بچنے کا درس دیتا ہے رہی بات سدا زندہ رہنے کی تمنا کی تو وہ کبھی بھی کسی کی بھی پوری نہ ہوئی ہے اور نہ ہی ہو گی موت اٹل حقیقت ہے یہ بات دنیا کا ہر مذہب اور ہر قوم جانتی ہے کسی کے پاس بھی موت کا علاج نہیں آج تک بڑے سے بڑا ڈاکٹر بڑے سے بڑا حکیم موت کا علاج نہیں کر پایا اور نہ ہی کبھی کوئی کر پائے گا صرف اللہ تعالیٰ ہی مرنے کے بعد زندہ کرے گا اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کے خواہ کوئی کتنا بھی دولت مند ہو موت سے نہیں بچ سکتا ایک نہ ایک دن موت آئے گی اور جب موت آ گئی تو دنیا کی کوئی بھی چیز اسے نہیں روک پائے گی، نہ طاقت و حکومت نہ مال و دولت کام آئے گا اور نہ ہی کوئی رشتہ داریہ زندگی تو بس ایک آزمائش ہے سب کے لیے کوئی امیر ہو یا غریب خالق کائنات سب، کو آزماتا ہے کسی کو زیادہ مال دولت دے کر آزماتا ہے تو کسی کو کم دے کر۔ کسی کو حکومت اور طاقت دے کر آزماتا ہے تو کسی کو نہ دے کر اور کسی کو حکومت اور طاقت دینے کے بعد واپس لے کر آزماتا ہے۔ کسی کو اولاد۔ دے کر

آزماتا تو کسی کو نہ دے کر اور کسی کو دینے کے بعد واپس لے کر آزماتا ہے یہاں تک کہ آتی جاتی سانس بھی آزمائش ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا بھی ہے اور آزمائشوں میں کامیاب ہونے کا راستہ بھی خود ہی بتاتا ہے میری مراد شریعت محمدیؐ کا راستہ ہے۔ اور پھر مدد بھی فرماتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کسی کو بہت زیادہ عطا کرتا ہے کسی کو درمیانہ اور کسی کو بہت کم اگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک جیسا عطا کر دیتا تو سب کے سب ناشکرے ہو جاتے اب تو کچھ لوگ شکر کرنے والے بھی ہیں کیونکہ آج کے حالات میں زیادہ تر شکر صرف غریب آدمی ہی کرتا ہے امیر آدمی کا دولت کے نشے میں شکر کرنا تو دور کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو یاد بھی کم ہی کرتا ہے امیر آدمی اللہ سے اور زیادہ کی تمنا تو ضرور کرتا ہے لیکن شکر کم ہی کرتا ہے اس کے مقابلے میں غریب آدمی روز صبح سے شام تک اللہ کو یاد کرتا ہے جب گھر سے مزدوری کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے یا اللہ آج مجھے مزدوری مل جائے تاکہ شام کو اپنے بیوی بچوں کے لیے آٹا سبزی لے آؤں اور جب اسے کام مل جاتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرنا شروع کر دیتا ہے اور سارا دن شکر ہی کرتا رہتا ہے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے رزق عطا کیا اور جب شام کو راشن لے کر گھر جاتا ہے تو اس کے بیوی بچے بھی شکر ادا کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ صرف تین سے چار سو روپے عطا کرتا ہے وہاں آٹھ ۔دس لوگ شکر ادا کرتے ہیں اور جہاں لاکھوں کروڑوں عطا کرتا ہے وہاں یہ منظر کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے دولت

مندآدمی اللہ تعالی سے اورزیادہ کی تمنا کے ساتھ ساتھ ہزاروں گلے شکوے تو کرتا ہے لیکن شکر کرنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہوتا لیکن سب دولت مند ایک جیسے نہیں ہوتے ان میں ایمان والے بھی ہوتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ہر سانس کے ساتھ اللہ کا شکرادا کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ان ساری آزمائشوں میں وہ ہی پاس ہو سکتا ہے جو ہر مشکل میں اللہ تعالی کا شکرادا کرتا ہے اور اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے زیادہ مال ودولت جمع کرنے اور ۔زیادہ جائیداد بنانے سے سخت منع فرمایا ہے مومن ان ساری چیزوں سے دور رہتا ہے چاہے کتنا بھی مشکل وقت ہو مومن اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے نزدیک اللہ تعالی کے احکامات ہی سب کچھ ہوتے ہیں اور جس بات سے اللہ تعالی نے منع فرمادیا وہ بے شک بہت.بری ہے اللہ تعالی کا دین انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے ایک دوسرے سے جوڑتا ہے جبکہ دنیا کا مال و متاانسان کے ہاتھوں انسان کو کٹواتا ہے دور کردیتا ہے کبھی پاس نہیں آنے دیتا۔ اکثر جب انسان زیادہ دولت مند ہو جاتا ہے تو اپنے غریب ماں باپ اور بہن بھائیوں کو پہچانتا تک نہیں اور اپنی دولت ہی کو اپنا سب کچھ جان لیتا ہے مال و دولت کو انسانی رشتوں پر کبھی بھی ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ مال اور دولت دور جائیں تو کام آتے ہیں اور انسانی رشتے قریب آئیں تو کام آتے ہیں یہ توسب جانتے ہیں کے دنیا کی کوئی بھی چیز خریدنے کے لیے دولت کی ضرورت پڑتی ہے تو بات صاف ہے کہ انسان کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت

ہو تو دولت خرچ کرنی پڑتی ہے اور خرچ ہونے کا مطلب کسی دوسرے کو دے دینا جب تک ہماری دولت ہمارے پاس ہے تب تک ہمارے کام نہیں آ سکتی ضرورت سے زیادہ دولت انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے ایک زہریلے سانپ کی مانند کبھی بھی ڈس سکتی دولت مند کو ہمیشہ اپنی دولت کی فکر ہی لگی رہتی ہے گھر میں پڑی ہو تو دولت مند کو چوری ڈکیتی کا ڈر ہوتا ہے اگر بنک میں رکھی ہو تو دولت مند ہر وقت یہ سوچتا رہتا ہے کہیں بنک بند نہ ہو جائے کہیں بنک والے بھاگ نہ جائیں اس بات کا فکر ہی رہتا ہے پھر بھی دور قدیم سے دور جدید تک ہر طرف دولت کی چھل پہل ہے جسے دیکھو اسے دولت کمانے کی لگن ہے نہ اپنی خبر ہے نہ دنیا کی ہر شخص بس کسی نہ کسی طرح ساری دنیا کی دولت اپنے گھر لانا چاہتا ہے وہ بھی پل بھر میں جس کے گھر میں چار سال کا راشن پڑا ہے وہ بھی کہتا ہے بھوکے مر رہے ہیں کاروبار بند ہے مہنگائی بہت ہو گئی ہے ہزاروں روپے روز کمانے والا کہتا ہے مارے گئے جو جتنا زیادہ کما رہا ہے وہ اتنا ہی زیادہ رونا رو رہا ہے ۔انسان جو بھی کر لے جب تک اللہ کا شکر کرنا نہیں سیکھتا تب تک پریشان ہی رہے گا کیونکہ انسان کا من کبھی بھی دنیا کی دولت سے بھر نہیں سکتا۔

6ستمبر1965اور آج کا پاکستان

6 ستمبر1965اور آج کا پاکستان۔آج ہم اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں پاکستانی قوم کی کامیابی اور ترقی کا راز پنہا ہے۔یہ بات سمجھنے کیلئے ہمیں اپنے ماضی کی کھڑکی کھول کر پیچھے کی طرف جھانکنا پڑے گا۔آج سے 49برس پہلے ستمبر 1965 میں معرکہ حق و باطل ہوا جب نہ صرف فوج بلکہ پوری قوم فوج کے شانہ بشانہ ہو کر لڑی۔پاکستانی قوم و قیادت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔جس کی وجہ سے آج تک 6 ستمبر 1965کا دن پاکستان کی آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن مثال ہے جب قوم جد جہد آزادی کے بعد ایک بار پھر اتحاد کی زندہ مثال بنی ۔جب مکار دشمن کے سامنے قوم اپنی دلیر، محب وطن اور قربانی کے جذبہ سے سرشار افواج کے ساتھ مل کر سیسہ پلائی دیوار بن گئی،جب قوم نے بہادری ،شجاعت، عزم ویقین اور ہمت و حوصلے کی نئی داستانیں رقم کی، یوں تو اقوام عالم جنگی معرکوں سے بھری پڑی ہے لیکن 6 ستمبر1965 کی صبح بھارتی افواج نے جب بین الاقوامی اصولوں کے مطابق اعلان جنگ کیے بغیر دھوکہ بازی کرتے ہوئے لاہور باڈر پر حملہ کرکے آگے بڑھنے اور شہر لاہور کو زیر کرنے کوشش کی یہاں تک کے بھارتی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل چودھری نے تو اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ لاہور کے جم خانہ میں جشن منانے والا تھا اور

بی بی سی نے بھی کچھ ایسی ہی خبر نشر کی جیسے بھارتی افواج اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو گئی ہو۔اللہ کی رحمت سے پاکستان کی بہادر مسلح افواج نے مکار اور بزدل دشمن کا سامنا بڑی بہادری اور عقل مندی سے کیا اور نہایت شجاعت اور دلیری سے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے ایسا آتش وآہن برسایا کہ دشمن کو منہ کی کھانی پڑی اور دھوکے باز دشمن کے سارے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے۔اس معرکے میں قوم نے ایک لمحہ بھی نے اپنی افواج کو تنہا نہیں چھوڑا 17 روز تک پاکستانی قوم نے اپنی بہادر افواج کے ساتھ مل کرایک طاقتور دشمن کا سامنا کیا۔6 ستمبر 1965 کی جنگ نے پاکستانی قوم کے عزم کو دشمن کے دل میں ہمیشہ کے لیے امر کردیا اور اقوام عالم پر یہ ثابت کردیاکے ہم ایسی زندہ قوم ہیں جو اپنی پاک سرزمین کی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو بند کرنا جانتی ہے۔6 ستمبر 1965 میں بھی پاکستان میں ایک آمر کی حکومت تھی جسے ساری قوم ناپسند کرتی تھی لیکن جب دشمن نے وار کیا تو ہم سب ایک تھے اور انشااللہ آج بھی ہم ایک ہیں۔آج بھی قوم اپنی دلیر افواج کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے کھڑی ہے۔پاکستان کے جانب اٹھنے والی میلی آنکھ کو نوچ لینے کے لیے بیتاب ہے۔آج پھر وطن عزیز کو بہت سی مشکلات کا سامنا اس لیے ہے کہ دشمن نے ہمارے نااہل حکمران طبقے کو عوام سے دور کرکے اپنی گرفت میں کر رکھا ہے۔ان کے دل ودماغ میں یہ بٹھا دیا ہے کہ پاکستانی قوم کمزور ہے اور اقتدار صرف ان کو ملے گا جنہیں امریکہ کی حمایت حاصل ہو گی۔میں سلام کرتا ہوں

پاکستانی میڈیا کو۔اسی طرح سیاستدانوں کو بھی اپنا قردار ادا کرنا ہوگا.جس طرح ایک صحافی اپنی جان ہتھیلی پر لیے آنسو گیس ، لاٹھی چارج ،اور برستی گولیوں کی پروہ کیے بغیر سب سے پہلے اپنے پلیٹ فارم سے خبر بریک کرنا چاہتا ہے۔ٹھیک اسی طرح سیاست دانوں کو ہوش کے ناخن لیتے ہوے عوام کو سچ بتانے میں پہل کرنی چاہے جو سیاست دان قوم سے سچ بولے گا قوم اس کی عزت کرے گی اور قوم جس کی عزت کرے گی اسے پاکستان پر حکومت کرنے کے لیے امریکہ کہ طرف دیکھنے کی ضروت نہیں پڑھے گی۔ جب تک حکمران قوم کو ساتھ لے کر نہیں چلیں گے تب تک ہماری مشکلات بڑھتی ہی جائیں گی ،آج ہمیں آپسی معاملات کو بہتر سے بہتر بنانے کی اشد ضروت ہے کیونکہ جب تک ہم چھوٹے چھوٹے ذاتی مفادات کی بجائے قومی و ملکی مفادات کو ترجیح نہیں دیں گے تب تک ہم اپنے وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال نہیں سکیں گے ۔آج وطن عزیز کو بہت سے چلینجز کا سامنا ہے اس لیے آج پھر ہمیں 1965 کی طرح ہی یکجہتی کی ضرورت ہے اگر ہم مل کر بھارت جیسے طاقتور اورشاتر دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں توپھر کیوں ہم سب مل کر کراچی اور بلوچستان کے معالات کو ٹھیک نہیں کر سکتے ؟کیوں ہم الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کی روک تھام نہیں کر سکتے ؟پوری پارلیمنٹ عمران خان اور علامہ طاہرالقادری کو پاگل کہہ رہی ہے جبکہ اُن کی طرف سے لگائے گئے دھاندلی کے الزامات کی تائید بھی کر رہے ہے۔اگر قوم کے سامنے سچ بات کرنا پاگل پن ہے تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ عمران خان اور علامہ طاہرالقادری نے

پوری قوم کو پاگل کر دیا جس کا ثبوت آنے والے انتخابات دیں گے۔خیر میرا موضوع ایسا ہے کہ زیادہ تنقید کرنا مناسب نہیں اس لئے میں اس اُمید کے ساتھ کہ ہم باحیثیت قوم مستقبل قریب میں 14 اگست 1947ء سے قبل اور 6 ستمبر 1965ء جیسا اتحاد و یکجہتی بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اجازت چاہوں گا۔اللہ پاک پیارے پاکستان کو تمام تر مشکلات سے نکال کر کامیابی و ترقی کی راہ پر گامزن فرمائے۔آپ بھی میرے ساتھ مل کر خلوص دل سے نعرہ لگائیں۔پاکستان زندہ آباد

ڈیموں کی اشد ضرورت ہے

ہر سال کی طرح اس بار بھی پاکستان سیلاب کی زد میں آچکا ہے ہم ہر سال یہ کہانی دہرانے کے عادی ہو چکے ہیں کہ ہم تمام آفات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں ۔حالیہ بارشوں نے پنجاب ،آزاد کشمیراورکے پی کے اور دیگر علاقوں میں نظام زندگی درہم برہم کرکے رکھ دیاہے۔دریاؤں میں سیلابی صورتحال اور بھارت کی جانب سے اضافی پانی چھوڑے جانے کی اطلاعات بھی گردش میں ۔ محکمہ موسمیات کی پیشنگوئی کے مطابق بارشوں کا حالیہ سلسلہ مزید دو دن جاری رہنے کا امکان ہے۔اب تک سو سے زائد افراد جان بحق ،لاکھوں ایکڑزیر کھڑی فصلیں اور کثیر تعداد میں مال مویشی سیلابی پانی میں بہہ چکے ہیں۔حالات کا مقابلہ کرنے کی تیاری اور منصوبہ بندی تو درکنارحکومت ابھی تک غیر سنجیدہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ہمیں آزاد ہوئے 67 برس بیت چکے آج تک ہم برصغیر کے موسموں کی طرح غیر مستقل مزاج ہیں۔جس طرح موسم بدلتے رہتے ہیں ٹھیک اسی طرح ہم مزاج، سوچ اور وفاداریاں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔افسوس کے لوگ سیلابی اور بارشی پانی میں گھرے حکومتی امداد کے منتظر ہیں لیکن حکومت تو حکومت ہوتی ہے اپوزیشن بھی مصیبت زدہ عوام کے حق میں بولتی نظر نہیں آتی ۔ہمارے محترم سینٹر ،معروف قانون دان دھاندلی زدہ حکومت کا ساتھ دینے پر تو مجبور ہو سکتے ہیں مگر اپنی ذات پر

تنقید کی صورت میں حکومت اور اسمبلیاں ختم کر سکتے ہیں یعنی ملک و قوم کے ساتھ ہوتا ہوا ظلم تو برداشت کر سکتے ہیں ،اپنی ذات پر تنقید کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے ۔سچ تو یہ ہے کہ باحیثیت قوم ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں ملک و قوم کی بہتری کے علاوہ ۔ابھی ابھی خبر آئی کہ سیالکوٹ میں ریسکواپریشن کے دوران ایک فوجی جوان ڈوب کر شہید ہوگیا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ یہ کوئی نئی خبریا بات نہیں فوجی جوان تو ہمیشہ ملک وقوم پر اپنی جان قربان کرتے رہتے ہیں ۔کیا آپ نے کبھی یہ خبر سنی کہ کوئی سیاستدان عوام کے جان ومال کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوگیا؟نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگا۔6 ستمبر 1965ء کے دن بھی افواج پاکستان نے غیر ملکی جارحیت کے خلاف بے شمار قربانیاں پیش کرکے قوم کا سر فخر سے بلند کردیا تھا اور آج 6 ستمبر 2014ء کے دن بھی سیلاب میں گھرے انسانوں کی جان بچاتے ہوئے افواج پاکستان کے بہادر سپاہی جانوں کے نذرانے پیش کررہے ہیں ۔راقم سلام پیش کرتا ہے افواج پاکستان اوراُن ماؤں کو جن کے بچے اپنے ملک وقوم پر جان قربان کرتے ہیں۔پاک افواج کو سلام پیش کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ راقم جمہوریت کے خلاف ہے۔راقم جمہوریت کا شدید حامی ہے مگر موجودہ جمہوریت اور جمہوریت کے دعویدار حکمران و سیاست اپنی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ملک اندورنی و بیرونی مشکلات میں دھنستا چلا جارہا ہے ۔حالیہ بارشوں اور دریاؤں میں سیلابی صوتحال، شدید توانائی بحران،بے روزگاری، مہنگائی ۔بدامنی ، صحت و تعلیم کی سہولیات کا

فقدان اور حالیہ سیاسی غیر یقینی صورتحال نے عوام کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے جبکہ کوئی ایونوں میں مردہ ضمیروں کی منڈی سجائے بیٹھا ہے تو کوئی ایونوں کے باہر دھرنا دیئے بیٹھا ہے۔ جن پر حکومت کرنے کی تمناسب سیاست دانوں کو ہے وہ عوام مریں یا جئیں اس بات سے اُن کو کوئی غرض نہیں۔ کوئی ان کو سمجھائے کہ اگر حکمرانی کرنی ہے تو مخلوق کے دلوں پر کرو جو کبھی ختم نہیں ہوتی یہ ملکوں اور ریاستوں کی حکمرانی تو عارضی ہے۔ آئے دن دنیاکے حکمران بدلتے رہتے ہیں ،جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرتے ہیں،اُس کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں وہ اور اُن کی حکمرانی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ۔ہمارے حکمران آپس تو ہر لمحہ لڑتے رہتے ہیں لیکن کبھی کسی نے نہیں سوچا کہ بھارت ہر سال دریاؤں میں فاضل پانی چھوڑ دیتا ہے جو پاکستان میں داخل ہو کر شدید تباہی مچادیتاہے جبکہ عالمی قوانین کے خلاف خشک سالی کے وقت ان دریاؤں کا پانی روک کر پاکستان کو قحط سے دوچار کرنے کی کوشش کرتاہے۔ بھارت کی اس ازلی دشمنی اور آبی جارحیت کا مقابلہ کرنے کیلئے پاکستان کو چھوٹے بڑے بہت سے ڈیموں کی اشد ضرورت ہے کبھی کسی حکمران یا سیاستدان نے اس معاملے پر احتجاج یا دھرنا دیا؟ یہاں گنگا ہی اُلٹی بہتی ہے جتنا زور ڈیم بنانے میں لگانے کی کوشش میں لگنا چاہئے اُس سے کہیں زیادہ ڈیموں کی تعمیر روکنے میں لگایا جاتا ۔ بھارت تو بھارت ہم آپس میں بیٹھ کر آج تک کالا باغ ڈیم کا مسئلہ حل نہیں کرسکے۔ راقم یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ اگر کالاباغ ڈیم کا علاقہ

بھارت کی سرزمین پر ہوتا 50 سال پہلے ہی کالا باغ ڈیم تعمیر ہو چکا ہوتا۔ڈیم بنانا تو دور کی بات ہے انتظامیہ کے بلند و بلا دعووٗں کے باجود پنجاب کے دار لخلافہ اندرون لاہور میں بارش کے پانی نے نظام زندگی مفلوج کر کے رکھ دیا۔اگر نہایت محنتی اور ہونہار وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کہ دور حکومت میں اندرون لاہور بارش کے پانی میں ڈوب سکتا ہے تو پھر پورے پنجاب اور دیگر صوبوں کی صورتحال کیا ہوگی یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ حکمرانوں خُدارا سوچوں مٹ جائے گی خلق خُدا تو کس پر حکومت کروگے؟

توڑ دو بت

انقلاب اور آزادی مارچ کو اسلام آباد میں دھرنا دیئے مہینہ پورا ہونے میں ایک یا دو دن باقی ہیں۔ گزشتہ 27 روز سے دھرنے کے ساتھ حکومت، اپوزیشن، عمران خان اور علامہ طاہرالقادری کے درمیان مذاکرات بھی جاری ہیں جن میں چیف آف آرمی سٹاف جناب روحیل شریف نے بھی کردار ادا کیا۔ اس دوران درجنوں افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے ہیں۔ سربراہ تحریک انصاف عمران خاں نے سول نافرمانی تحریک چلانے کا اعلان بھی کیا جو بُری طرح ناکام ہو گئی۔ تاجر برادری سمیت دیگر عوامی حلقوں نے سول نافرمانی تحریک کے آپشن کو رد کر دیا۔ راقم نے سول نافرمانی تحریک کے بری طرح ناکام ہونے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عوام اس وقت آزادی اور انقلاب مارچ کیلئے تیار نہیں ہیں یا آزادی اور انقلاب مارچ والوں نے عوام کو اپنے خیالات سے اچھی طرح آگاہ نہیں کیا یا پھر عوام کی اکثریت ان کے خیالات کے ساتھ متفق نہیں ہے۔ چند ہزار یا چند لاکھ لوگوں کو ساتھ لے کر آزادی اور انقلاب کی باتیں کرنے والے شاید یہ بات بھول گئے ہوں گے کہ آزادی یا انقلاب تب آتے ہیں جب پوری قوم تیار ہو۔ قائدین کا یہ فرض بنتا ہے کہ پوری قوم کو ملکی آئین اور قانون کے متعلق معلومات فراہم کریں اور سب سے پہلے قوم کا ہر فرد ملکی آئین و قانون کو اپنی ذات پر لاگو کرے۔ کیا آزادی اور انقلاب مارچ کے

ساتھ اسلام آباد میں دھرنا دینے والوں نے قوم کو اپنے اغراض و مقاصد سے آگاہی فراہم کی ؟راقم پوری قوم کی طرف سے تو جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم مجھے تو اس سلسلہ میں کسی قسم کی آگاہی فراہم نہیں کی گئی۔ مخالف جماعتوں کی جانب سے حکومت مخالف بیانات تو قوم ہمیشہ سے سنتے آرہی ہے ۔بد قسمتی سے آج تک کسی سیاسی یا مذہبی قائد نے عوام میں شعور بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی جس کی وجہ سے آج حالت یہ ہے کہ راقم سمیت پاکستان کے 90 سے 95فیصد شہری یہ نہیں جانتے کہ با حیثیت شہری اُن کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا ہیں۔اس حقیقت کا اندازہ آپ عمران خان کے اعلان تحریک سول نافرمانی کے بعد پیدا ہونے والے سوالات سے بھی لگا سکتے ہیں ۔عوام کی اکثریت سول نافرمانی تحریک سے ناواقف نکلی ۔راقم کے نزدیک یہی ناواقفیت سول نافرمانی تحریک کی ناکامی کی بڑی وجہ بنی ورنہ عوام جس قدر پریشان ہیں عمران خان کے اعلان کرتے ہی عوام سول نافرمانی کی تحریک کامیاب بنا کر اب تک اپنے مقاصد حاصل کر چکے ہوتے ۔آپ سوچیں ایسے حالات میں آزادی اور انقلاب کی بات ایسے ہی ہے جیسے کہ بھینس کے آگے بین بجانا۔ سربراہ تحریک انصاف اور علامہ طاہر القادری بھی اسلام آباد میں پچھلے 27.28 دن سے کچھ اسی قسم کی بین بجا رہے ہیں ۔گھر بیٹھے نیوز چینل پر اُن کی تقریریں سننے والوں کی سنجیدگی کا اندازہ دھرنے میں شریک پی ٹی آئی کے کارکنان کی غیر سنجیدہ حرکات کو دیکھ کر باخوبی لگایا جاسکتاہے۔ مارے تکلیف کے گھر سے باہر سڑکوں

پر احتجاج کرنے والے روز رات کو میوزک لگا کر ایسے جشن مناتے ہیں جیسے کسی رشتہ دار کی مہندی کی تقریب میں شامل ہوں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اگر اتنے ہی خوش ہو تو پھر احتجاج کس بات کا؟آزادی اور انقلاب والوں سے معذرت کے ساتھ کہ عوام کو ابھی تک صرف یہی سمجھ آیا ہے کہ دھرنا دینے والے ن لیگ کی حکومت ختم کرکے خود حکمران بننے کے خواہش مند ہیں۔دوسری طرف عوام کے سامنے یہ حقیقت بھی کھل کر آ گئی ہے کہ پیپلز پارٹی اور ن لیگ میں باریاں لگا کر حکومت کرنے کا فارمولا طے پا چکا ہے۔پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں سابق صدر آصف زرداری کو جمہوریت کیلئے خطرہ اور عوام دشمن کہنے والی ن لیگی قیادت آج اپنی حکومت بچانے کیلئے نا صرف سابق صدر سے مدد مانگ رہی ہے، اُن کو جمہوریت دوست قرار دے رہی ہے بلکہ سڑکوں پر گھسیٹنے کے وعدے بھول کر سر آنکھوں پر بیٹھائے پھرتی ہے۔کاش جمہوریت بچانے کیلئے متحد ہونے والے ملک کو سیلاب سے بچانے کیلئے بھی متحد ہو جائیں۔ہر سال سیلاب کا پانی ہزاروں افراد کو نگل جاتا ہے،لاکھوں ایکڑ زیر کھڑی فصلوں کو بہا لے جاتا ہے، لاکھوں افراد کو بے گھر کرکے بے یارو مدد گار چھوڑ جاتا ہے۔حکمران سارا سال یہ رونا روتے رہتے ہیں کہ بارشیں کم ہوئیں جسکی وجہ سے پانی کی قلت نے بجلی کی پیداوار متاثر کر دی ہے۔عوام دُعا کریں کہ بارشیں ہوں تاکہ پانی کی کمی پوری ہو جائے ۔افسوس کہ جب بارشیں ہوتی ہیں تو ہمارے پاس پانی کو ذخیرہ کرنے کیلئے ڈیمز نا ہونے کے برابر ہیں۔وہی پانی جو ہمیں سال بھر بجلی فراہم کر سکتا ہے ،ہمارے کھیتوں کو

سیراب کرسکتاہے،ہماری جان کا دشمن بن جاتاہے۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے راقم کی وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف سے اپیل ہے کہ یہ لکا چھپی کے مذاکرات کو چھوڑ کروہ خود دھرنے والوں کے پاس جائیں اور اُن کو پاکستان کے بہتر اور روشن مستقبل کی خاطر ناراضگی ختم کرنے کی درخواست کریں کیونکہ دھرنے والے کوئی غیر نہیں بلکہ اپنے ہی ہیں ۔اس طرح جناب کی شان کم نہیں ہوگی بلکہ اور بڑھ جائے گی ۔دھرنے والوں کے تمام جائز مطالبات پورے کریں اور دھرنے والوں سے بھی اپیل ہے کہ وہ بھی رویے میں کچھ لچک پیدا کرنے کی کوشش کریں ،یوں سڑکوں پر معاملات حل نہیں ہونگے ۔ملک بہت سے بحرانوں کا شکار ہے ۔ہم وطنوں خُدارا توڑ دو بت انا کے توڑ دو بت خود غرضی کے،توڑ دو بت حکومت پرستی کے،توڑ دو بت اقرباپروری کے،۔نکل آؤ خود پرستی کے خول سے باہر اور ملک و قوم کے حال پہ رحم کرتے ہوئے اپنی اپنی ضد چھوڑ سب مل کر انسانیت کی خدمت کریں تاکہ وطن عزیز کو جلد از جلد بحرانوں سے نکال کر اخلاقی اور اقتصادی ترقی و خوشحالی کی طرف گامزن کیا جاسکے ۔

ہم دیکھیں گے

کیا واقعی ہی انقلاب آنے والا ہے ؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔ جواب ہے جی ہاں انقلاب ضرور آئے گا۔ وقت اور تاریخ بتانا مشکل ہے پر ایسا انقلاب آئے والا ہے۔ جب تخت گرائے جائیں گے۔ پی آئی اے کے طیارے میں رحمان ملک اور رمیش لال کے خلاف جو کچھ ہوا لوگوں نے اُسے تبدیلی اور انقلاب سے جوڑ کر وہ شور مچایا کہ جیسے بہت بڑی تبدیلی رونما ہو چکے ہے، جیسے واقعی ہی انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ خاص طور پر جو لہر سوشل میڈیا پر چلی اُس کی شان ہی نرالی رہی۔ کیا کہئے کہ ہم تو عادی ہو چکے ہیں افواہوں اور مباحثوں کے۔ چاروں طرف بے یقینی صورتحال کے باوجود تجزیوں اور تبصروں کا بازار گرم ہے۔ میرے خیال میں تو پی آئی اے کے طیارے میں رحمان ملک اور رمیش لال کے ساتھ پیش آنے والے واقع کا آزادی یا انقلاب کے ساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا، بات اتنی سی ہے کہ طیارے میں موجود کچھ وی آئی پیز نے دو وی وی آئی پیز کو تاخیر سے پہنچنے پر غصے میں آ کر زبردستی نیچے اُتار دیا۔ یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں کیونکہ طیارے میں سوار چند امیر طبقے سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ 20 کروڑ عوام کے ترجمان نہیں تھے بلکہ اُن کا ذاتی مسئلہ تھا جو اُنھوں نے اپنے طریقے سے حل کیا۔ آپ بتائیں کہ کتنے فیصد عوام اندرونِ ملک جہازوں میں سفر کرتے ہیں؟ مشکل سے چار، پانچ فیصد۔ وی

آئی پیز نے وی وی آئی پیز کے خلاف ایکشن لیا اس بات کو لے کر ہم ہر گز یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ تبدیلی یا انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ میرے خیال میں تبدیلی یا انقلاب کم از کم پچاس فیصد عوام کے باہر نکلنے پر ممکن ہو سکتے ہیں۔ایک طیارے سے دو سیاستدانوں کو اُتار کر وی وی آئی پی کلچر کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کلچر ایسی لعنت ہے جس نے تقریبا پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔زیادہ تر پسماندہ ممالک اس کلچر کے شکار ہیں۔یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ وی وی آئی پی کلچر نے کئی ممالک کو پسماندگی کے دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب عام لوگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو آپؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا،اے لوگو، میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں،اگر مجھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نافرمانی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارا امیر اور حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا،لوگو،اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے،تم میں جو نیک کام کرے گا میں اُس کے ساتھ نیک سلوک کروں گا اور جو بُرائی کا ارتکاب کرے گا اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔ عرب کی مثال اس اُنٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہے،اس کے ساربان (رہنماء) کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جا رہا ہے،میں (حضرت عمرؓ) اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا''تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں چلنے والا مسلم حکومت کا نظام نا صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے اپنی مثال آپ ہے۔وسیع تر سلطنت کے

حکمران ہونے کے باوجود حضرت عمر نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی ،آپ اکثر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پیوند لگے لباس میں گشت کیا کرتے تھے ،اکثر مقامات پر اینٹ کا تکیہ لگائے بلا تکلف سوجاتے ،خود بھی سادگی پسند کرتے اور اپنی ٹیم کو بھی سادگی کی تلقین کرتے تھے ،ایک لباس سردیوں کااور ایک گرمیوں کا رکھتے ، کبھی کبھی صرف ایک جوڑا ہوتا جسے دھوکر پہن لیتے ،آپؓ گزربسر کے لئے صرف دو ،درہم روزانہ بطور وظیفہ لیتے ۔قارائین محترم کالم کے آخر میں آپ کو حضرت عمرؓ کا ایک قول سناؤں گا جو مسلم ریاست کے حاکم کی حیثیت اور ذمہ داری کا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے ۔اگر پاکستان کے عوام اور حکمران حضرت عمرؓ کی طرح سادگی پسند ہوتے تو آج وی وی آئی پی کلچر اس قدر نہ پھیلتا۔میں تو وی آئی پی کلچر کو تمام مسائل کی جڑ سمجھتا ہوں ۔آج ہر طرف سفارش ، رشوت ، کرپشن ،اقرباء پروری اور بے ایمانی کا بازار گرم ہے ۔جہاں حکومت کو بجلی بحران ، مہنگائی ، دہشتگردی ، کرپشن ،امن وامان کی خراب صورت حال ، بے روزگاری وغیرہ وغیرہ کا سامنا ہے وہاں سفارش ، کرپشن ، رشوت ،اقرباء پروری اور وی وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کے چیلنج کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔معافی چاہتا ہوں غلطی ہو گئی قارئین یہ تمام چیزیں تو حاکمین کی پسندیدہ غذائیں ہیں۔ہمیشہ کی طرح ان تمام لعنتوں کا عذاب عوام کو بھگتنا ہوگا۔میرے خیال میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف وی آئی پی کلچر ، کرپشن ، سفارش ،اقرباء پروری اور رشوت کے ساتھ ساتھ باقی تمام چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں

پر وہ رشوت ، کرپشن، سفارش ،اقرباء پروری اور وی، وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کو ختم نہیں کرپائیں گے ۔کیونکہ رشوت ، کرپشن، سفارش،اقرباء پروری اور اس کے علاوہ بہت سی خرابیوں کی فصل وی آئی پی کلچر کے کھیت میں اُگتی ہے اور وی آئی پی کلچر کے سارے کے سارے کسان میاں.برادران کے ارد گرد جمع ہوچکے ہیں اور جو باقی بچیں ہیں وہ بھی بس آنے ہی والے ہیں ۔قارائین آپ جانتے ہیں کہ کوئی کسان اپنے کھیت کھلیان کو اُجڑتے نہیں دیکھ سکتا اور پھر وی آئی پی کھیت ۔اِن کھیتوں میں کسی بھی فصل کا کوئی خاص موسم نہیں ہوتا بلکہ کرپشن، رشوت، سفارش،اقرباء پروری ایسے پھل پھول ہیں جوان کھیوں میں ہر وقت پکے ہوئے تیار ملتے ہیں ۔وی آئی پی کلچر آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مضبوط ہوچکا ہے ۔چیر مین ،ناظم،ایم پی اے یا ایم این اے گریڈکے لوگ کبھی.برداشت نہیں کرتے کہ اُن کے حکم کے بغیر کوئی ادارہ بھی کام کرے ۔واپڈا، گیس، تھانے سے لے کر گلی کوچوں کی صفائی کرنے والا عملہ بھی کسی شہری کی جائز بات اُس وقت تک نہیں سنتا جب تک کسی ناظم ،ایم پی اے یا پھر ایم این اے کا فون نا آجائے ۔اُس پر عوام کی خوش فہمی دیکھیں وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے کہنے پر اتنی بڑی شخصیت نے سیورج کھولنے والوں کو فون کرکے اُن پر خاص احسان کیا ہے ۔سچ کہوں تو مجھے نہیں لگتا کہ ہم پاکستان کو اسلامی ،فلاحی ریاست بنائے بغیر مسائل کے گرد آب سے نہیں نکل سکتے ہیں ۔ہمیں موجودہ بحرانوں سے نکلنے کے سرکار دو عالم حضرت محمدؐ اور اُن کے غلاموں کی سادگی اور عاجزی کو کاپی

کرنا ہوگا۔آج ہم جن مسائل کا شکار ہیں یہ سارے ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہیں جس نے ہمیں ہمارے دین سے دور کرکے تباہ.برباد کردیا ہے۔ قارائین اب میں آپ کی نظر حضرت عمرؓ کا وہ قول کرتا ہوں جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کے مال پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال پر متولی کا ہوتا ہے'' یہ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ قول فرمایا اُس وقت وہ مسلمانوں کی عظیم سلطنت کے عظیم حاکم تھے ۔اللہ والے بتارہے ہیں کہ وہ وقت قریب ہے جب تخت گرائے جائیں گے اور سب تاج اُچھالے جائیں گے۔ حکمرانی کے نشے میں لوگوں کو پتا ہی نہیں چل رہا کہ دھرنا دینے والے کوئی بچے نہیں جو پچھلے سوا مہینے سے روٹھ کرڈی چوک بیٹھے ہیں ۔اہل دانش جانتے ہیں کہ عمران خان اور علامہ طاہرالقادری بیٹھے نہیں بلکہ اُن کو بیٹھایا گیا ہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا کہ آخر کس نے بیٹھا رکھا ہے؟اس سوال کا جواب وقت ہی دے گا ۔ہمیں بس انتظار کرنا ہے اُس وقت کا جب تخت گرائے جائیں ،جب جات اُچھالے جائیں ۔وقت اتنا قریب ہے کہ یہ کہنا بھی لازم ہوگیا ہے۔ہم دیکھیں گے لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں

بکرا بولا

تنگی حالات نے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس سال قربانی نہ کی جائے لیکن مولوی صاحب کے بیان نے قربانی ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ کی تو دل سے آواز آئی کہ سارا سال تیرے معاملات چل سکتے ہیں تو پھر سنت ابراہیمی کیوں پوری نہیں ہو سکتی ؟ بچوں کی عیدی، کپڑوں اور جوتوں کا بجٹ لے کر بکرا خریدنے بکرا منڈی پہنچے جہاں ہزاروں کی تعداد میں بکروں کو دیکھ کر دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ سارے بکرے خرید کر اللہ تعالی کی راہ میں قربان کر دوں۔جیب نے فوری طور پر دل کی خواہش کو رد کرتے ہوئے صدا دی تیرے پاس اتنی رقم نہیں ہے اس لئے صرف ایک بکرا خریدنے کی کوشش کرو سو ہم نے باقی تمام خواہش کے قبرستان میں ایک اور خواہش دفن کر دی اور ایک بکرا خریدنے کی کوشش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مولوں صاحب نے فرمایا تھا کہ قربانی کیلئے صحت مند، بے داغ اور سب سے خوبصورت جانور کا انتخاب کرنا چاہئے۔ منڈی میں موجود بکروں میں سب سے زیادہ خوبصورت بکرے کی قیمت 3 لاکھ سے اُوپر نکلی جبکہ اپنی جیب میں تو بامشکل 15 ہزار تھے سو ہم نے سب سے زیادہ خوبصورت بکرا خریدنے کی تمنا بھی وہیں دفن کر دی جہاں سارے بکرے خریدنے کی تھی اور اپنے بجٹ کے مطابق بکرا خریدنے کا ارادہ کرتے ہوئے تلاش شروع کر دی ۔ تقریبا ساری منڈی گھومنے کے بعد ایک ایسا بکرا ملا جو بجٹ کے

قریب تھا۔وہ بھی قریب تھا بجٹ میں نہ تھا۔بکرے کے مالک کو منانے کی بہت کوشش کی وہ بکرا 15 ہزار میں دے دے پر وہ اپنے بکرے کو 18 ہزار سے کم فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا میرے بہت اسرا پر بولا بھائی آپ بکرے سے پوچھ لو اگر وہ 15 ہزار میں قربان ہونے پر تیار ہے تو لے جاؤ ورنہ میں آپ کے ساتھ مزید بحث نہیں کرسکتا۔میں نے بکرے والے سے سوال کیا جب آپ انسان ہو کر میری بات نہیں سمجھ سکتے تو بے چارہ بے زبان بکرا کہاں سے سمجھے گا؟وہ بولا بھائی قربان تو بکرے نے ہی ہونا ہے پھر بھی اُسے بولنے کا کوئی حق نہیں اتنی دیر میں بکرا یوں بولا جیسے مجھے مخاطب کرکے کہہ رہا ہو۔بکرا بولا ابھی عید میں کچھ دن باقی ہیں اگر میں 15 ہزار میں قربان ہونے کی حامی بھر بھی لو تب بھی تیرے لئے مشکل ہوجائے گی کیونکہ تیرے پاس صرف 15 ہزار ہیں جو میرے مالک کو دینے کے بعد تو کنگال ہوجائے گا جبکہ میرا ایک دن کا معمولی سا چارہ بھی آج کل چار،پانچ سو روپے کا ملے گا۔اور تم اپنی حالت دیکھو،تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یہ 15 ہزار بھی کسی سے مانگ کر لائے ہو۔بکرے کی بات سن کر اپنی حالت پر غور کیا تو واقع ہی حالت بہت بُری ہوچکی تھی جانور منڈی میں دھکے کھاتے تین چار گھنٹے گزر چکے تھے۔کپڑوں جوتوں پر بے حد گرد جم چکی تھی سر میں ہاتھ پھیرا تو بالوں میں سے گرد دھویں کی مانند اُڑنے لگی۔میں نے بکرے سے التجاء کی اور کہا بکرا بھائی مجھے سنت ابراہیمی پر عمل کرنا ہے اور میرے پاس صرف 15 ہزار ہیں ساری منڈی گھوم لی تیری قیمت سے کم قیمت والا کوئی بکرا

نہیں ملا اس لئے تیری بڑی بڑی مہربانی ہو گی اگر تو 15 ہزار میں مان جائے، بکرا بولا پہلے تو میں تیرا بھائی نہیں ہوں۔ تو اپنے بھائی کی قربانی کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو بکرا منڈی کیا لینے آیا ہے؟ جا اپنے گھر عید پر اپنے بھائی کی قربانی کر کے سنت ابراہیمی پر عمل کر، میں منڈی میں سب سے کم قیمت بکرا ہوں اس لئے مجھے غریب سمجھ کر قربان کرنا چاہتے ہو؟ جاؤ جاؤ اب تم چاہئے 18 کی بجائے 20 ہزار بھی دو تب بھی میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا، جا کسی اور بکرے سے بات کر اور ہاں سن آئندہ کسی بکرے کو بھائی مت کہنا ورنہ سارے بکرے میری طرح شریف نہیں ہوتے۔ میں نے بکرے سے معذرت کرتے ہوئے کہا ٹھیک ہے اب بھائی نہیں کہوں گا تم مان جاؤ۔ بکرا بولا معاف کیا لیکن تم ایک بار مجھے بھائی کہہ چکے ہو اس لئے میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، تم انسان اپنے بھائیوں کے ساتھ بکروں سے بھی زیادہ بُرا سلوک کرتے ہو، انسانوں کی دنیا میں انسان کی کوئی قیمت نہیں لیکن میں بکرا ہوں اور میری ایک قیمت ہے

دیکھو اپنے آپ کو کیا تم نے کبھی اتنے اخلاق کے ساتھ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں، سے بات کی ہے جتنا میرے مالک اور میرے ساتھ کر رہے ہو؟ بکرے کی حقائق پر مبنی باتیں سن کر میرے اندر سکت نہ رہی کہ میں مزید بکرا تلاش کرتا سو چپکے سے گھر چلا آیا اور گائے کی اجتمائی قربانی میں حصہ ڈال دیا۔ مولوی صاحب کے بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے سنت ابراہیمی تو ادا ہو جائے گی پر بکرے کی سچی باتیں سن کر پیدا ہونے والا احساس شرمندگی شاید کبھی ختم نہ ہو پائے کیوں کہ

یہ حقیقت ہے کہ ہم انسان ایک دوسرے کی قدر نہیں کرتے اور اپنے بھائیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے ہیں۔پہلے قربانی عید پر چاروں طرف جانوروں کا خون دیکھ کرہم خوش ہوا کرتے تھے کہ مسلمانوں نے بڑی قربانیاں کی ہیں ۔اب تو سارا سال ہی خون کی ندیاں بہتی رہتی ہیں وہ بھی انسانی خون کی۔ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی جس کو ساری مخلوقات سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور اشرا لمخلوقات کا شرف بخشا وہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر جانوروں کی طرح زندگی بسر کررہا ہے یہاں تک کہ اب تو بکرے بھی انسان کو طعنہ دیتے ہیں کہ وہ بکرے ہیں انسان نہیں۔افضل ہونے کے باوجود انسان کی کوئی قدروقیمت نہیں اور بکروں کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں ۔بکروں کی قدر و قیمت دیکھ کر دل کرتا ہے کہ کاش میں بھی بکرا ہوتا تو میری بھی کوئی قیمت ہوتی ،قربانی عید پر مجھے بھی کوئی خریدنے آتا ۔انسان کا تو فروخت ہونا بھی ممکن نہیں ،عمر گزری گلے میں برائے فروخت کا کارڈ لٹکائے پھرتے ہیں پر بجائے قیمت ملنے کہ لوگ پوچھتے ہیں ،تمہیں خریدنے کا کیا فائدہ ؟پہلے اپنی روٹی پوری نہیں ہورہی تو تمہیں کہاں سے کھلائیں گے ؟اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی عید کی خوشیاں حقیقی طور پر منانے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے ،اہل وطن کو راقم کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے عید مبارک

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری یہ دُعا آپ نے بھی بچپن میں ضرور پڑھی ہوگی۔ماں کی بہت سی دُعاؤں کے ساتھ اساتذہ کی سرپرستی میں پڑھی گئی یہ دُعا بھی زندگی کا خوبصورت اور یادگار حصہ ہے۔ماں پڑھی لکھی ہو یا اَن پڑھ ،نیک سیرت ہو یا بد سیرت ، نمازی ہو یا ناچنے گانے والی، عقل والی ہو یا جاہل ماں چاہے جیسی بھی ہو ماں ہی ہوتی ہے اور ماں کی عزت کرنا اولاد پر فرض ہے۔ماں کی گود میں گزرا بچپن انسانی زندگی کا حسین ترین وقت ہوتا ہے۔کون ہے جو اپنے بچپن کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا ؟انسانی زندگی کا سب سے معصوم حصہ ماں کی گود میں گزرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں اولاد کے لیے اس قدر محبت رکھی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی بھی رشتہ ماں کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ہمارے ہاں والدین کی بچوں سے محبت کی مثال کچھ یوں دی جاتی ہے۔کہ اپنے بچے تے چڑیاں کانواں نو وی پیارے ہندے نے۔یوں تو پرندے بھی اپنے بچوں کو زندہ رہنے کے لیے سب ہنر سکھاتے ہیں پر انسان کی شان ہی الگ ہے۔والد بھی اپنے بچوں سے کم محبت نہیں کرتا۔ لیکن میں آج بات کرنے جا رہا ہوں انسانی ماں کی عظیم ہستی کے بارے میں۔ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کی شان میں کچھ بھی کہنے یا لکھنے کی میری اوقات نہیں ۔ماں کی

تعریف کرنے کے لیے علم کا سمندر بھی کم پڑ جاتا ہے۔اگر میں یوں کہوں تو بہتر ہوگا۔کہ ماں وہ واحد رشتہ ہے جس سے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق سے محبت کی مثال دی ہے ۔اللہ تعالی اپنے بندے کو70 ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔اس فرمان سے یہ بات بہت واضح ہو گئی کہ اللہ کے بعد ماں اپنے بچوں سے دنیا میں سب زیادہ محبت کرتی ہے۔ایک مسلمان معاشرے میں ماں کی گود کوانسان کی پہلی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ماں جس کے وجود کو خالق کائنات نے نئی زندگی کو تخلیق کرنے کے لیے چنا۔انسانی ماں نو ماہ تک بچے کو اپنے وجود میں پالنے کے بعد ایک جان لیوا مرحلے سے گزر کرخالق کائنات کی تخلیق کو پورا کرتی ہے۔جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اپنے لیے کچھ بھی کرنے کے کابل نہیں ہوتا۔نہ کھانے پینے کا ہوش ۔نہ سردی گرمی کی پہچان ۔یہاں تک کہ بچے کا باتھ روم بھی ماں کی گود ہی ہوتا ہے۔وہ ماں ہی ہے جو بغیر کسی لالچ کے بے لوث جذبے کے تحت ساری ،ساری رات جاگ کراپنی صحت کا خیال کئے بغیر بچے کی صحت کا خیال رکھتی ہے اور خوشی محسوس کرتی ہے۔اسی لیے مسلمان معاشرے میں ماں کوبڑا مقام حاصل ہے۔ہمارے ہاں اکثر گاڑیوں کے شیشوں اور عمارتوں پہ تحریر لکھی ہوتی ہے۔یہ سب میری ماں کی دعا ہے۔ماں کی دُعاجنت کی ہوا۔ایسے جملے ہم بڑے فخر سے لکھتے ہیں اس میں نہ تو کوئی دباؤ ہوتا اور نہ ہی کوئی سیاسی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ماں اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی ہے۔اور بے پناہ محبت میں یہ بھول جاتی ہے کے اولاد کو دنیا میں سب جگہ ماں نہیں ملے گی۔ماں

اپنے بچے کو جتنی شفقت سے دیکھتی دنیا میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جس میں اتنی شفقت ہو۔اسی لیے جب بچہ گھر سے باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو پہلی منزل سکول یا مدرسہ ہوتی ہے جہاں وہ اپنی ماں کو ہر چہرے میں تلاش کرتا ہے۔پھر جب نہیں پاتا تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی غیر محفوظ مقام پر پہنچ گیا ہو۔وہ اپنے آپکو تنہاں پاتا ہے اور سکول جاتے ہوئے ڈرتا ہے۔اور پھر ماں کے لیے ایک اور امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ ماں روزانہ بڑی مشکل سے سکول بیجھتی ہے۔ہر روز نیا بہلاوا،اوراک نیا بہانہ بناکرسکول جانے کے لیے تیار کرتی ہے۔ سکول میں اساتذا بچے کو جو نصاب پڑھاتے ہیں وہ اس قدر شان دار ہوتا ہے جیسے فرشتوں نے ترتیب دیا ہو۔انسایت کے سارے اصول اس میں شامل ہوتے ہیں۔ سکول میں بچہ پہلے ہی دن سے۔یہ دعاپڑنا شروع کردیتا ہے۔لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری۔زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری ۔دور دنیا کا میرے دم سے اندھرا ہو جاے۔ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جاے۔ یہ دعا پانچ سے چھ سال کی عمر کے بچے کی سمجھ میں کم ہی آتی ہے۔لیکن جب بچہ سمجھنا شروع کرتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا کے یہ دعا ہی سب سے بڑی مشعل راہ ہے۔اورلب پہ اآتی ہے جو دعا وہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہوتی ہے۔دوسروں کی زندگی کو روشن کرنے کے لیے خود شمع بنانے کے خیالات ، ماں کی شفقت،اساتذہ کی رہنمائی،اور سچ اور حق پر مبنی نصاب ملتا ہے ے۔امانت۔دیانت۔ تنظیم ۔اتحاد۔مساوات،فرمان الٰہی ، عطات رسول۔ وطن سے محبت۔

فرمان قائد۔ تصور اقبال۔ ہمیشہ سچ بولو۔ رشوت لینا اور دینا دنوں حرام ہیں۔ حلال و حرام کی پہچان ۔ کسی کو دھوکہ مت دو۔ سود اسلام میں حرام ہے۔ جھوٹ کی سزا۔ در گزر کرو۔ صبر سے کام لو۔ تقریباً دنیا وآخرت کی سب اچھی باتیں ہمارے نصاب میں شامل ہوتیں ہیں ۔ جسے پڑھ کر بچہ آسانی سے ایک انسان بن سکتا ہے جوں ،جوں بچہ پڑھتا لکھتا اور سمجھتا بھی ہے اور اس کے خیالات میں پختگی آتی جاتی ہے اور وہ اپنے خیالات کے تانے بانے بُنتا شعور کی منزلوں سے گزرتا ہوا اپنی تعلیم مکمل کرتا ہے تو اس کے پاس زندگی گزارنے کے لیے ماں کی محبت ،اساتذہ کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ چند کاغذ یعنی اس کی ڈگریاں ہوتی ہیں ۔ ماں کی شفقت ماں کی دعا۔اساتذہ کی رہنمائی میں جو کچھ سیکھا ہوتا ہے تو اس کے لیے جو وہی ساری دنیا کی حقیت ہوتا ہے وہ اپنے آپکو ایک سچا مسلمان ،اچھا انسان ثابت کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا وہ بڑا پرجوش ،نڈر، سچا، مخلص، ایماندار اور باصلاحیت ، باکردار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے آپکو وہی نوجوان سمجھتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے کہ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند، میرے ملک کا یہ نونہال بچہ اور میرے مستقبل کا سرمایہ اس دن پھر اپنے آپ کو اسکول کے پہلے دن کی طرح غیر

محفوظ،ڈرا، سہا اور تذبذب کا شکار پاتا ہے تب وہ ایک بار پھر اپنے آپکو تنہا پاتا ہے جب وہ پریکٹیکل لائف میں پہلا قدم رکھتا ہے جب ہاتھ میں ڈگری پکڑ کر کسی ملازمت کے حصول کے لیے نکلتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے ملازمت کے

لیے تعلیم نہیں بلکہ رشوت یا سفارش ضروری ہے، تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں جو نظام رائج ہے اس میں اس کی ڈگریاں سوائے ردی کے ٹکڑوں کی اور کچھ نہیں اور جب اس کی سولہ، سترہ برس کی محنت باسکٹ میں ڈال دی جاتی تو اس کے پاس دو راستے ہوتے ہیں یا تو اپنے اصولوں پر قائم رہے اور بھوکا مرے یا اپنے اصولوں کو توڑ کر اسی کرپٹ نظام کا حصہ بن جائے۔اور پھر آخر کار نا چاہتے ہوئے بھی زندگی گزارنے کے لیے اسے سچائی، ایمانداری اور سارے اصولوں کو خیر باد کہنا ہی پڑھتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں رائج نظام تعلیم ، پریکٹیکل لائف اور تھیوری میں بہت زیادہ تضاد ہے جو نصاب میں شامل ہے حقیقت میں وہ نظام دور ، دور تک نہیں ملتا۔

قربانی کا گوشت، اپنے غریب بہن بھائیوں کا خیال رکھیں

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے قربانی کی سعادت نصیب فرمائی۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر یونہی احسان فرماتا ہے تاکہ اُن کی بخشش کا سامان پیدا ہو۔دین اسلام بھی انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے اسلامی تہذیب وتمدن کی اپنی منفرد اور باوقار حیثیت ہے جس کو دنیا کی کوئی بھی طاقت جھٹلا نہیں سکتی بلکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ غیر مسلم اسلامی تعلمات پر عمل کرنے کو بہت زیادہ ترجیح دے رہے ہیں۔اسلامی تہذیب تمدن عقائد،اُصول و نظریات اور روایات ہی مسلم غیر مسلم معاشرے کے فرق کو واضح کرتیں ہیں ۔اسلام کاایک منفرد اور جداگانہ ضابطہ حیات ہے چنانچہ اسلامی تہذیب اسی ضابطہ حیات کی عکاسی کرتی ہے۔اسلامی تہذیب کا سنگ بنیاد حیات دنیا کا یہ تصور ہے کہ انسان کی حیثیت اس دنیا فانی میں عارضی لیکن عام موجودات کی سی نہیں ہے بلکہ وہ خالق کائنات کی طرف سے یہاں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔اس لیے انسان کا اصل نصب العین یہ ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک اور آقا (اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی حاصل کرے ۔اسلام انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کے امتیاز کی نفی کرتے ہوئے ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اس طرح بلاامتیاز جوڑتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اسلامی تمدن کی ایک بڑی خصوصیت

اسلامی اخوت یعنی بھائی چارے کا نظریہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رشاد فرمایا ہے۔ "بلا شبہ اہل ایمان بھائی بھائی ہیں ۔ سو تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرادیا کرو" اسلام سے پہلے انسان جو اشرف المخلوقات ٹھہرا جانوروں کی طرح جنس پرستی اور علاقہ پرستی کی زندگی بسر کررہا تھا۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح جانور اپنے علاقے میں داخل ہونے والے اجنبی جانوروں سے جنگ کرتے ہیں اور جس طرح طاقتور جانور قبیلے کا سردار ہوتا ہے جو اپنے قبیلے میں صرف ماداؤں کو رکھتا ہے کمزور نریا تو بھاگ جاتے ہیں یا پھر مارے جاتے ہیں یہاں تک کہ اکثر جانور اپنے نر بچوں کو بھی مار دیتے ہیں ۔اسلام نے طاقتور کے ساتھ ساتھ کمزوروں کو بھی جینے کا حق دیا ، مرد و عورت کو نکاح کے بندھن میں باندکر عورت کو معاشرے میں باعزت مقام دیا۔جب لوگوں (مسلمانوں) نے اسلامی تہذیب وتمدن کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کی تو چاروں طرف مسلمانوں کے عدل وانصاف کاچرچا ہوگیا، امن و بھائی چارے کے اعتماد کے ساتھ اسلام کا نور دینا کے کونے کونے میں پھیل گیا جو آج بھی ہے اور روزآخر تک رہے گا، کامیابیاں اُن کے قدم چومنے لگی ۔ بدقسمتی سے مسلم حاکموں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور جانور کی طرح جنس پرستی اور علاقہ پرستی کے اصول اپنالئے ۔ کبھی مسلم حاکم فجر کی نماز کے بعد کسی بیوہ غریب کے گھر کی صفائی کیا کرتے اُس کے بچوں کو کھانا پکا کر کھلایا کرتے تھے یہاں تک کہ کسی بوڑھے کے منہ میں دانت نہ ،

ہوتے تو اپنے منہ میں نوالا چبا کر کھلایا کرتے تھے ،حاکم ہونے کے باوجود نہایت غربت میں زندگی بسر کرنے میں فخر محسوس کرتے اور اُن کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ خود مظلوم کے گھر جاتے اور اُس کی داد رسی کرتے ۔اگر میں کہوں کہ ایک مسلم حاکم اپنی بادشاہت میں سب سے زیادہ عام آدمی کی حیثیت رکھتا تھا تو غلط نہ ہوگا۔بے شک اسلامی تعلیمات ہی انسان کیلئے مشعل راہ ہیں ۔اسلامی تعلیمات سے دوری کا مطلب کہ اانسان روشنے آنے کی باوجود اندھیرے پسند کرے اور اپنی بقاکے راستے کو چھوڑ .بربادی اور تباہی کو چنے۔عید قربان بھی ہمیں یہ درست دیتی ہے کہ اہل ایمان بھائی بھائی ہیں ۔قربانی کا گوشت اپنے کمزور اور غریب بہن بھایوں تک پہنچا کر ہی قربانی کے مقصد کو پایا جا سکتا ہے۔ہم اس بات پر تو بہت غور کرتے ہیں کہ کس نے بکرا،گائے یا ہونٹ کی قربانی کرنی ہے یا کس کا بکرا سب سے .بڑا ہے پر اس بات پر بہت کم لوگ غور کرتے ہیں کہ آس پاس کس کس نے قربانی کا جانور نہیں خریدا۔کوشش کریں کہ قربانی کا گوشت ہر اُس گھر میں ضرور پہنچے جہاں قربانی نہیں کی گئی۔بہت سے غریب لوگ قربانی والے گھروں میں پہنچ کر اپنا حصہ طلب کرتے ہیں جبکہ ایک بہت.بڑی تعداد ایسے سفید پوش لوگوں کی ہے جو اپنی غربت کے بھرم کے ٹوٹ جانے کے ڈر سے کسی کے آگے ذکر تک نہیں کرتے کہ وہ قربانی نہیں کر رہے ۔لہٰذا ایسے سفید پوش لوگوں کو ڈھونڈ کر اُن کے گھر گوشت پہنچانا ہم سب کی اول ذمہ داری ہے۔اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا کہ

ہمارے بچے تو قربانی کا گوشت کھائیں اور ہمسایے کے گھر عید والے دن بھی دال پکے ۔اللہ پاک دنیا بھر کے مسلمانوں کو عید کی خوشیاں صحیح معنوں میں نصیب فرمائے اور جن کو اس سال قربانی کی سعادت نصب نہ ہو سکی آنے والے سالوں میں اُن سب کو بھی قربانی کرنے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے۔(آمین) راقم کی طرف سے اہل ایمان کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک

زہریلی کچی شراب، ہلاکتیں اور نوٹس

کراچی میں زہریلی کچی شراب 23 افراد کو نگل گئی، درجن کے قریب افراد دیکھنے، سننے، بولنے کی قوت کھو بیٹھے اور کتنے ہی افراد زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ جن کی حالت ڈاکٹروں کے مطابق تشویشناک ہے۔ شراب یا دیگر منشیات کے ہاتھوں ہلاکتوں کی خبر نئی ہے اور نہ ہی لیا جانے والا نوٹس۔ کراچی می کچی شراب کی تباہ کاریوں کی یہ خبر یقیناً آپ کی نظر سے گزری ہوگی اور آپ نے ہمیشہ کی طرح یہی سوچا ہوگا کہ یہ کون سی نئی بات ہے۔ اس طرح کی خبریں نظرانداز کرنے والی نہیں کیونکہ میں اور آپ بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہیں۔ اسلام میں شراب نوشی سختی کے ساتھ منع ہے جبکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اندر اس زہر کے بنانے، بیچنے یا پینے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ ہے۔ اگر ہم نے شراب سمیت دیگر جان لیوا منشیات کے استعمال اور خرید و فروخت کے خلاف آواز اُٹھا کر اس لعنت کی روک تھام نہ کی تو کل میرے اور آپ کے جگر گوشے بھی منشیات کی لت میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ جب لوگ کہتے ہیں کہ زہریلی شراب پینے کی وجہ سے اتنے افراد ہلاک ہوگئے ہیں تو مجھے بہت عجیب لگتا ہے کہ شراب پینے والے فوری طور پر ہلاک ہوجائیں تو شراب کو کچی زہریلی قرار دے دیا جاتا ہے، جب یہی زہر شراب نوشی کرنے والے افراد کو دو تین سال بعد موت کی اندھیری وادی میں دھکیلتا ہے تب

شراب کو زہریلی کیوں نہیں کہا جاتا ؟ کراچی میں پیش آنے والے تازہ ترین واقع میں ہلاک ہونے والے افراد کے ورثا سے میرا سوال ہے کہ جب وہ جانتے تھے کہ شراب پینے سے ماضی میں بھی بہت لوگ ہلاک ہو چکے ہیں تو پھر اُنہوں نے اپنے پیاروں کو شراب یعنی موت کے قریب کیوں جانے دیا؟ مان لیا کہ ماضی میں پیش آنے والے واقعات کے ملزمان کے خلاف پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی ہو گی۔ مان لیا کہ شراب سرعام دستیاب ہے، مان لیا کہ محکمہ پولیس منشیات فروشوں کے ساتھ ملا ہوا ہے مان لیا کہ منشیات فروشوں کی پشت پناہی کرنے والے معززین علاقہ وزیروں اور، سفیروں کے قریبی ہیں، یہ بھی مان لیا کہ ملک میں عدل وانصاف نام کی کوئی چیز دستیاب نہیں، چلو یہ بھی مان لیا کہ حکومت منشیات کی کھلے عام خرید وفروخت کو روکنے کے لئے کچھ نہیں کرے گی۔ یہ کیسے مان لیا جائے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ شراب یا دیگر منشیاب کا استعمال کرنے سے موت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا؟ کیا پولیس یا حکومت پر تنقید کرنے سے مرنے والے زندہ ہو سکتے ہیں ؟ ماضی میں بھی شراب پی کر سینکڑوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور اب اس زہر نے 2 درجن افراد کی جان لے لی ہے اور مزید کی حالت تشویشناک ہے پھر بھی کراچی سمیت پورے ملک میں شراب کی فروخت اور شراب نوشی بدستور جاری ہے۔ ٹھیک ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمران اور محکمہ پولیس انتہائی بے حس ہو چکے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت یا پولیس نے گھر جا کر اُن افراد کو شراب نوشی کا مشورہ دیا تھا؟ قارئین محترم اپنی

اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کو نشے کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں خود ہی احتیاط کرنا ہوگی ۔ حکمران بیچارے کیا کریں آپ کے سامنے آئی جی سندھ غلام حیدر جمالی نے 23 افراد کی ہلاکت کا نوٹس لے کر رپورٹ جلد طلب کرلی ہے پھر بھی کراچی میں منشیات کی فروخت کھلے عام ہوتی رہے گی ۔ وہ اس لئے کے آئی جی سندھ نے صرف حالیہ واقع کا نوٹس لیا ہے منشیات فروشوں کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ حکومت بیچاری اور کر بھی کیا سکتی ہے جب ہم خود منشیات فروشی کے اڈوں پر جاکر شراب ، ہیروئن اور چرس طلب کرتے ہیں ۔ ہم منشیات کا استعمال ترک کردیں تو پھر نہ تو حکومت یا محکمہ پولیس کے نوٹس کی ضرورت رہے گی اور نہ ہی پولیس کی کارروائی کا انتظار۔ راقم کی اپیل ہے کہ وزیراعلیٰ سندھ منشیات کی سرعام خرید وفروخت کا نوٹس لے کر اس زہر کو صوبہ سندھ میں نایاب بنادیں تاکہ پھر زہریلی، کچی یا پکی شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز کسی ماں کا ۔بیٹا، کسی بہن کا بھائی ، کسی بیوی کا شوہر اور معصوم بچوں سے اُن کا والد نہ چھین پائے

بچیوں کا عالمی دن

11 اکتوبر بچیوں کا عالمی دن، حیران کن بات ہے کہ آج ہم کسی کی بیٹی کو اپنی بیٹی اور کسی کی بہن کو اپنی بہن نہیں سمجھتے۔ باعزت بیٹیاں اپنے گھر کی چاردیواری میں قید ہیں۔ بچیاں گھر سے بعد میں نکلتی ہیں ناپاک نظریں اُن کا تعاقب پہلے شروع کر دیتی ہیں پھر بھی ہم بچیوں کا عالمی دن مناتے ہیں۔ بچیوں کی باوقار تعلیم و تربیت اور کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے باعزت روزگار کے زیادہ مواقع دور حاضر کی سخت ضرورت ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم بچیوں کی ترتیب صحیح انداز میں کر رہے ہیں؟ بیٹیاں گھروں کی رونق ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کی عزت بھی ہوتی ہیں۔ ان کی معصومیت اور پاکیزگی والدین کا فخر وغرور ہوتی ہے۔ لیکن جب بیٹیوں کی معصومیت کو زمانے کی ہوا لگ جائے اور پاکیزگی کو دور جدید کی دیمک چاٹ جائے تو دلوں کو سکون بخشنے والی یہ ہی بیٹیاں زندگی کا روگ بن جاتی ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں طلاق کا تناسب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس میں بیٹیوں سے زیادہ قصور والدین کا ہوتا ہے جو ایک مشرقی اور اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے بیٹیوں کی پرورش مغربی طرز پر کرتے ہیں۔ جس سے لڑکیوں میں خود غرضی بے حسی اور بے باکی پیدا ہوتی ہے۔ والدین بیٹیوں کو کھلی آزادی اور زندگی کی آسائشیں دے کر ان میں خود نمائی اور

اپنی ذات کا غرور تو پیدا کر دیتے ہیں لیکن خوش اخلاقی 'انکساری ،اخلاقی اقدار ، شعور، ایثار اور درگزر جیسی خوبیاں ان میں پیدا کرنے میں ناکام رہتے ہیں ۔دور جدید میں لڑکیوں کی شادی شدہ زندگی میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ گھریلو امور سے نا واقفی ہے۔مائیں بیٹیوں کو ان کی تعلیم کے دوران گھر کے کاموں سے دور رکھتی ہیں کہ ابھی صرف پڑھائی پر توجہ دو جب وقت آئے گا کام بھی سیکھ جاؤ گی ۔حالانکہ ان کو جس کام سے روکنا چاہیے اس سے نہیں روکتیں ٹیلی وژن پر بے ہودہ پروگرام دیکھتے ہوئے یا موبائل فون پر فضول باتیں کرنے میں چاہے پوری رات گزر جائے مائیں نہیں روکتیں ۔ہم اس قدر مغربی تہذیب میں لت پت ہو چکے ہیں کہ ہمیں یاد ہی نہیں کہ اسلام میں غیر محرم لڑکی اور لڑکے کی دوستی کا کوئی تصور نہیں ہے۔آج کل ہماری بچیاں دن رات ٹیلی فون پر مرد دوستوں سے باتیں کرتی ہیں یہاں تک کئی کئی دن دوستوں کے ساتھ گھر سے باہر بھی رہتی ہیں ۔کیا جی ہم اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرنے کے لیے جا رہی ہیں۔والدین روکنے کی بجائے خود شاپنگ کرنے بھیجتے ہیں ۔افسوس کہ آج ہم اسلامی اقدار کو بھول کر رسوا ہو چکے ہیں ۔والدین کو چاہیے کہ بیٹیوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی سکھائیں تاکہ وہ کامیاب زندگی گزار سکیں۔بیٹیوں کے لیے اچھی تعلیم وتربیت بہت اہم ہے تاکہ ان کو کوئی بھی اپنا غلام نہ سمجھے ۔بیٹیاں بیٹوں سے زیادہ قابل فخر ہو سکتی ہیں اگر ان کی اچھی تربیت کی جائے ۔ہمیں اپنی بیٹیوں کو اچھی عادات سکھانی چاہیے کوئی بھی کام بنا کیے اور تربیت کے بغیر نہیں

آتا کھانا پکانا ایک مشکل کام ہے جو ہماری بیٹیاں ہی کرتی ہیں ۔ یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ایک دن میں سیکھ لیا جائے اس کے لیے تجربے' مشاہدے اور شعور کی ضرورت ہوتی ہے ۔آج ہمارے گھروں میں ڈھیروں قیمتی سامان موجود ہے لیکن فضول کیونکہ ہر چیز کو اس کی موزوں جگہ پر رکھنے اور گھر کو سجانے کی صلاحیت لڑکی اپنی ماں کے اطوار اور سلیقے سے سیکھتی ہے۔یاد رکھیں گھر سلیقے اور ذہانت سے چلائے جاتے ہیں ۔ تعلیم کی بے جان ڈگریوں سے نہیں جس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد بھی سیرت دھندلی رہے اور روح پر سیاہی چھائی رہے تو ایسی تعلیم تو بے ثمر ہی رہتی ہے۔آج کے دور سے پرانے زمانے کا وہ دور اچھا تھا جب لڑکیوں کو دنیاوی تعلیم تو واجبی دلوائی جاتی تھی لیکن ان کی شخصیت اور کردار کی تربیت بھی کی جاتی تھی ۔انہیں مشرقی اقدار اور روایات کی پابندی کی تلقین بھی کی جاتی تھی۔مائیں بچیوں کو بچپن ہی سے گھرداری سکھاتی تھیں دوسروں کی عزت واحترام کرنا اور رشتوں کو محبت واعتماد کی ڈور سے باندھنے کے گر بتائے جاتے تھے۔اس وقت کی لڑکیاں اپنے میکے کی عزت وآبرو برقرار رکھنے اور اپنے گھر کو آباد رکھنے کے لیے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا بڑی خوشی سے کرتیں تھیں۔لیکن گھروں کو ٹوٹنے نہیں دیتی تھیں ۔آج کے والدین اگر اپنی بیٹیوں کو ان کی شادی کے بعد ان کے گھروں میں خوش وخرم دیکھنا اور معاشرے میں طلاق جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے کو کم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنا محاسبہ کریں بیٹیوں کی تربیت اس ڈھب سے کریں

کہ ان کی شخصیت متوازن رہے۔انھیں اعلیٰ تعلیم ضرور دلوائیں کیونکہ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن بے جا آزادی کو بے راہ روی ہرگز نہ بننے دیں۔ بچیوں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ ان کا اصل گھر ان کا سسرال ہے جہاں جا کر انھیں وہاں کے ماحول میں ڈھلنا ہوگا۔ان کے طور طریقوں اور رسم ورواج کو نبھانا ہوگا اپنی عادتوں اور روز شب کے معمولات کو ان کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا کہ اسی میں بیٹیوں کی معاشرتی اورازدواجی زندگی کی کامیابی ہے۔وقت پڑنے پر اپنے تعلیم و ہنر کے ذریعے اپنے ملک شہر اور خاص طور پر گھر، خاندان کیلیے جدوجہد کرنا بھی بچیوں کا فرض۔ مختصر کہ بچیوں، کی کسی بھی پہلو سے بچوں سے کم تر نہ سمجھا جائے ،اُن کو گھر کی چادیواری میں قید کرنے کی بجائے معاشرے کا ماحول ایسا بنا دیا جانا چاہیے کہ بچیاں اپنے وطن، اپنے شہر کے گلی کوچوں کو اپنا گھر تصور کریں اور آزادانہ نقل و حرکت کر سکیں۔

ناکام کون ہوا؟

پی ٹی آئی کے جلسے میں 7 پاکستانی ناکامی کی زندگی گزار کر نظام تبدیل کرنے کی جدوجہد میں کامیاب شہادت پاگئے۔افسوس کہ کتوں کو شہید کہنے والے انسانوں کو ہلاک پکار رہے ہیں۔ شہید ہونے وزیراعلیٰ ،وزیراعظم یا صدر کے اُمیدوار نہیں بلکہ عام پاکستانی تھے اس لئے راقم اُن کو شہید کہہ رہا ہے۔وہ بے حسی کا نظام بدلنا چاہتے تھے۔اُن کو لگا کہ عمران خان کی قیادت میں پاکستان بہتری کی طرف جاسکتا ہے تو یہ کوئی جرم بھی نہیں جمہوریت اسی کو کہتے ہیں کہ جس کا ضمیر جہاں چاہئے وہ وہاں ووٹ اور سپورٹ کرے۔ مخالفین کچھ بھی کہیں ہم بات کرتے ہیں بلاامتیاز اور آج کی بات یہی ہے کہ عمران خان کے دھرنے اور جلسوں میں شامل ہونے والے عوام تبدیلی چاہتے ہیں جن کو بڑی تعداد میں خاموش اکثریت کی حمایت بھی حاصل ہے۔سابق گورنر پنجاب لطیف کھوسہ نے ایک اہم بیان میں اُس تبدیلی کا نقشہ بھی واضع کردیا ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ آئندہ سال انتخابی اصلاحات کے بعد قبل از وقت انتخابات ہونگے۔یوں تو بہت سے نجومی بہت سے انکشافات کرتے رہتے پر میں سمجھتا ہوں کہ لطیف کھوسہ سنجیدہ سیاست دان ہیں۔ قبل از وقت انتخابات ہوتے ہیں یا پھر لمبے عرصے کیلئے انتخابات کا باب بند ہوجائے گا اس بات کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے

گا۔آج اس بات کا رونا ہے کہ ہم سب کامیاب اور ہمارا وطن ناکام ریاست بنتا جارہا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ انتہائی مشکل حالات اور ناسازگار ماحول کے باوجود حکمران کامیابی کے ساتھ حکومت چلارہے ہیں جبکہ تحریکِ انصاف دھرنوں کے ساتھ کامیاب جلسوں کا سلسلہ بھی شروع کرچکی ہے، کراچی ،لاہور، میانوالی اور ملتان جہاں شہیدوں کا لہو بھی شامل ہوگیا۔بڑے۔بڑے رکارڈ توڑ جلسے بہر صورت اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ لوگ حکومت سے نالاں ہیں ۔علامہ طاہر القادری انقلابی منشور کو انتخابی شکل دے چکے ہیں ۔چاروں طرف یہی بحث جاری ہے کہ قبل از وقت عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ تحریکِ انصاف کی دھرنا پالیسی میں جلسہ ترمیم نوٹیفکیشن اور پھر اُس پر فوری عمل درآمد بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بقول جاوید ہاشمی بہت سے دیگر اشاروں کی طرح عمران خان کو کسی نے قبل از وقت الیکشن کا اشارہ دے دیا ہے۔ تحریکِ انصاف کے پیپلزپارٹی اورخاص طورپرن لیگ کی جانب سے شروع ہونے والا جلسہ سسٹم بھی قبل وقت الیکشن کی طرف توجہ دلاتا ہے ۔نجانے کیوں راقم کو یہ تمام کامیاب سیاست دان بشمول حکمران جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آرہے ہے۔اللہ تعالیٰ میرے وطن کی خیر اور میرے عزیز سیاست دانوں پر بھی رحمت فرما۔ماضی کی طرح آج بھی حکمران نام نہاد جمہوریت کے حق میں صرف بیانات سے کام چلا کر اپنے آپ کو بری ذمہ کررہے ۔بندہ پوچھے اخبار میں چھپے بیان سے کسی بے روزگار کو روزگار میسر آسکتا ہے؟؟ کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھانا مل سکتا ہے؟؟ کسی بیمار کو میڈیکل کی سہولت میسر آسکتی

ہے؟؟ کسی ماں کو اس کا بیٹا جسے ٹارگٹ کلنگ کھا گئی ہو واپس مل سکتا ہے؟ عام آدمی اس لیے زیادہ پریشان ہے کہ آٹا بہت مہنگا ہوگیا جبکہ حکمران بغیر جمہور، جمہوریت بچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔14 اگست 2014ء سے آج تک کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو حکومت نے بڑی سمجھداری کے ساتھ دھرنے والوں کو اُن کے تمام مقاصد سے دور رکھا ہے۔حکومت کی ایک بڑی کامیابی یہ رہی کہ باغی لوٹ آیا۔جاوید ہاشمی بڑے قابل احترام ہیں اس لئے راقم اُن کو لوٹا نہیں کہہ سکتا اور پھر اس بار تو انہوں نے جمہوریت کی کامیابی کیلئے تحریک انصاف جو حکومت حاصل کرنے کیلئے دھرنوں اور جلسوں میں اُلجھی ہوئی ہے کی صدارت ٹھکرا کر حکومت وقت اور اپنے پرانے قائد میاں نواز شریف کا ساتھ دیا ہے۔ مسلم لیگ ن یقینا باغی کا پرانا گھر ہے اور وہ اس گھر کی در و دیوار سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔ حکمران بھی کامیاب، عمران خان اور علامہ طاہر القادری کے دھرنے اور جلسے بھی کامیاب، باغی کی بغاوت بھی کامیاب رہی اور ماضی کی طرح اس سال بھی سیلاب انتہائی تیزی کے ساتھ اضافی تباہی مچاتا ہوا کامیابی کے جھنڈے گاڑ گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ سب کامیاب رہے تو پھر ناکام کون ہوا؟ میرا جواب ہے ملک اور عوام تیزی کے ساتھ ناکامی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ناکام ہوئے مہنگائی، بے روزگاری، بدامنی، ناانصافی، لوڈشیڈنگ کی چکی میں پسے اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث کھلے آسمان تلے بے یار و مددگار پڑے عوام۔ یہ وہی عوام ہیں جو انتخابات میں کامیابی کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کرتے وقت یہ نہیں

سوچتے کہ جن کو ووٹ ڈال رہے ہیں وہ اُن کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ہمارے حکمران ملک و قوم کو درپیش مسائل حل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے ورنہ 67 سال سے مسائل میں اضافہ نہ ہوتا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم پھر بھی کامیاب ہیں۔ ویسے یہ حیرت کی بات نہیں کہ حکومت اور مخالفین دونوں ایک ہی وقت میں کامیاب رہے۔ یہاں تو قصہ کچھ یوں ہے کہ ہر فرد اپنی کامیابی کے گیت گنگناتا ہوا سو جاتا ہے۔ وطن عزیز میں کوئی ایسا فرد نہیں جس نے اپنے پیچھے کامیابی کی ہزاروں، لاکھوں داستانیں نہ چھوڑی ہوں۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جب ہر فرد کامیاب ہے تو ملک و قوم کیوں ناکامی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں؟ باغی بتائیں کہ وہ جس حکومت اور جماعت کے خلاف 2013ء کا الیکشن لڑے اور پھر احتجاجی دھرنوں اور جلسوں میں شامل رہے آج وہ قائدین اور جماعت دودھ دھلے کیسے ہوگئے؟ مسلم لیگ ن سے بغاوت کرکے تحریک انصاف کے صدر بنے اور تحریک انصاف سے بغاوت کرکے پھر سے مسلم لیگ ن کی چھتری تلے پناہ لے لی، باغی جی یہ کیا گورکھ دھندہ ہے؟ جماعتوں اور قائدین سے بغاوت کرنے والا کبھی ظلم کی حکمرانی، مہنگائی، ناانصافی، بدامنی، سودی نظام، جاگیردارانہ نظام، کرپشن، چور بازاری، اقرباء پروری، رشوت، سفارش اور دیگر بداعمالیوں سے بھی بغاوت کرتا تو تیری بغاوت سمجھ آتی۔ جس نواز شریف کو بدعنوان کہہ کر 2013ء کا الیکشن لڑا 2014ء اُسی نواز شریف کی تصویر دیکھا کر ووٹ مانگ رہے ہو۔ یہ دورخی بغاوت ہمیں بس یہی بتا رہی ہے کہ

یہ باغی نہیں مفاد پرست ہے جہاں سے مفاد حاصل ہوتا نظر آتا ہے وہاں کا ہولیتا ہے۔ تمام تر صوتحال کے باوجود میں اپنے محترم جاوید ہاشمی کو لوٹا نہیں کہہ سکتا پر لوٹ آیا ضرور کہ سکتا۔ لوٹا اور لوٹا ایک ہی پڑھے جاتے ہیں اس لئے مجبوراً لوٹ آیا کا لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ خیر جی ہمیں اس بات پر فخر ہونا چاہئے کہ ہمارے حکمران بھی کامیاب، ہمارے دھرنے اور جلسے بھی کامیاب اور ہمارا باغی بھی کامیاب لوٹ آیا ہے:

ماں جی اکثر فرمایا کرتیں امتیاز بیٹا اللہ والوں کی محفل اختیار کیا کرو، بن مرشد منزل نہیں ملتی ، مرشد دے لڑ لگ جاؤ زندگی بن جائے گی ۔ مرشد خانوں کی طرف دیکھتا تو بہت دور نظر آتے ، عقیدت مندوں کے ہجوم میں گم پیر صاحب کی ایک جھلک بھی مقدر والوں کو نصیب ہوتی ۔ دور سے پیر صاحب کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کیلئے غریب مریدین کو کئی مشکل ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جبکہ وزیر، مشیر اور سفیر پچھلے دروازے سے سیکورٹی گارڈ سمیت داخل ہوجاتے ہیں ۔ پیر صاحب امیروں کو گلے لگا کر اپنے برابر سٹیج پر بیٹھاتے ہیں تو دوسری جانب پرانے مریدین نئے بیعت ہونے والوں میں نام لکھوا کر ملاقات کا اہتمام کرتے ہیں ۔۔ایسے حالات دیکھ کر اپنے تو طوطے اُڑ جاتے ہیں۔ جس پیر کی محفل میں بیٹھنے کا موقع نہ ملے اُس سے رہنمائی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے ''اور تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پرودگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی ان پر رحمت

فرما (سورۂ بنی اسرائیل) اللہ والوں کی محفل اختیار کرنے کیلئے ماں جی کا حکم تھا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ والدین کی فرمابرداری کرو۔ماں جی کا حکم ماننا بھی فرض ہے اور ایسے پیر صاحب جو غریب کو گلے لگائیں، پاس بیٹھا کر تربیت کریں۔ایسی پہچان اور تلاش کرنا میرے جیسے کاہل اور سست شخص کیلئے ناممکن سا معاملہ تھا۔ تھکے ہاروں اور بے سہاروں کو ایک ہی بارگاہ سے ہمیشہ مدد ملتی ہے۔میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا معاملہ پیش کر دیا۔دل میں پلنے والے تمام وسوسے جو میرا رب رحمان پہلے ہی جانتا ہے۔سارے ہاتھ اُٹھا کر سنا دیئے۔ بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کردی کہ یارب مجھے مرد حق مرد کامل کی صحبت عطا فرما جو میرے اندر کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل، دے۔ایسا مرشد کامل عطا فرما جو تیری بارگاہ میں مقبول اور آل رسول اللہ ﷺ ہو۔اس طلب میں کئی پیر خانوں تک کا سفر بھی کیا، کئی مرتبہ دل میں خیال آیا کہ بیعت ہو جاؤں پر ہر مرتبہ کوئی انجانی طاقت روک لیا کرتی تھی۔ میرے پاس نہ کوئی ایسا عمل ہے نہ علم جو مرد کامل کی پہچان کرنے میں مدد کرتا۔اللہ تعالیٰ نے عرضی قبول کرلی اور راستے خود بخود نکلنے لگے۔کچھ عرصہ قبل ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر بہت سے اہل علم لوگوں سے سمجھنے کی کوشش کی پر کوئی کچھ نہ سمجھا سکا۔خواب کی کیفیت کچھ ایسی تھی جیسے جاگتے میں دیکھا ہو۔کئی ماہ تک اس خواب نے مجھے بے چین و بے قرار کیے رکھا۔اُسی دوران والدہ محترمہ کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی مختلف ڈاکٹروں اور ہسپتالوں سے علاج کروانے کے باجود آرام نہیں آرہا

تھا۔ماں جی اکثر کہا کرتیں کہ اُن کے پھیپھڑے ختم ہو چکے ہیں تو میں پریشان ہو کر اُن سے عرض کرتا کہ ماں جی ایسے نہ کہا کریں۔آپ کوئی ڈاکٹر ہیں ؟ مجھے اُس وقت شدید جھٹکا لگا جب مجھے میرے با اعتماد دوست ڈاکٹر محمد اکرام نے ماں جی کا ایکسرے دیکھ کر بتایا کہ اُن کا دائیں طرف کا پھیپھڑا بہت حد تک خراب ہو چکا ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے ۔مجھے لگا کہ اس دنیا کے ڈاکٹروں کے بس کی بات نہیں ماں جی کی صحت وزندگی کیلئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کرنا پڑے گی۔ رب رحمان نے صدقہ آل رسول اللہ ﷺ کا اپنے بندے کی دُعا قبول فرمائی۔انہیں دنوں ڈاکٹر محمد رضا ایڈووکیٹ جو میرے بچپن کے محسن اور شفیق دوست ہیں ۔اُن کا پاکستان کے قومی اخبار روزنامہ پاکستان میں شائع ہونے والا مضمون پیر سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست پڑھ کر آپ کی روحانی شخصیت کے متعلق جاننے کا موقع ملا۔ جس کے بعد آپ سے ملنے کی جستجو ہونے لگی ۔کوئی انجانی طاقت مجھے آپ کی طرف کھینچ رہی تھی۔ایک دن مجھے پیر سید مجاہد حسین گولڑوی نے فون کرکے بتایا کہ آج پیر سید عرفان احمد شاہ آستانہ اُویسہ قصور پر تشریف لائیں گے ۔میں نے اُن کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی ۔ تجزیہ نگار وں والی عادت سے مجبوردل و دماغ میں بہت سے سوالات لئے صبح دس بجے کے قریب ہم آستانہ اُویسیہ قصور پہنچ گئے آپ پہلے سے وہاں موجود تھے۔آپ بڑی محبت وشفقت سے ملے یوں لگا جیسے میں اُن کو پہلے سے جانتا ہوں ۔آپ کے روحانی چہرے کو تکتے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا شام ہونے پر وقت ملاقات

بھی ختم ہوگیا۔سارے سوالات دھرے کے دھرے رہ گئے۔پہلی ملاقات میں معلوم ہوا کہ آپ سیگریٹ نوشی کو سخت ناپسند فرماتے ، نماز کی پابندی اور والدین سے محبت کادرس دیتے ہیں۔حیران کن طورپر میری سالوں پرانی سیگریٹ نوشی کی شدید عادت کچھ عرصہ پہلے ہی چھوٹ چکی تھی ۔کوئی ایک ہفتے بعد دوبارہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو راقم نے اپنا وہ خواب آپ کو سنایا جس کا درج بالا ذکر کرچکا ہوں۔اپنے بستر پر لیٹا فجر کی اذان سن کر سوچ رہا ہوں کہ نماز پڑھنے کیلئے اُٹھنا چاہئے اتنے میں ادھ کھلی نیند نے پھر سے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا (خواب) کیا دیکھتا ہوں کہ ” نماز فجر کیلئے مسجد کی طرف جارہا ہوں مسجد کے سامنے سے گزر کر پاس موجود جنازگاہ پہنچ جاتا جہاں پہلے بھی کافی لوگ موجود ہیں ،وضو کرنے کیلئے پانی کی ٹوٹیوں پر جابیٹھتا ہوں میرے سامنے کچھ لوگ وضو کررہے تھے جو اُسی وقت وہیں نماز پڑھنے لگے، میں سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ وضو کی ٹوٹیوں پر کیوں نماز پڑھنے لگ گئے ہیں یہاں تو سجدہ کرنے کی جگہ ہی نہیں ہے؟میں نے اُن کی طرف غور سے دیکھا تو اُن کے ہاتھ پاؤں لمبے لمبے ، رنگت انتہائی کالی اور نین نقش مٹے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر خوف سا طاری ہونے لگا اتنے میں سفید کپڑوں میں ملبوس ایک پُروقار شخصیت مسکراتے ہوئے میرے سامنے آ بیٹھی ٹوٹی کا پانی اُس کے گھٹنے پر گر رہا تھااور وہ میری طرف دیکھ کر لگاتار مسکرا رہے تھے۔حیران کردینے والی بات یہ رہی کہ پانی اُن کے کپڑوں کو گیلا نہیں کررہا تھا۔اُسی وقت ٹوٹیوں میں پانی آنا

بند ہوگیالوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے ،نماز کا وقت ہے اور پانی ختم ہوگیاہے،وضوکیسے کریں؟کسی نے آواز دی کہ وہاں سامنے نلکا ہے چلووہاں سے وضوکرآتے ہیں ،ہم اُس طرف چل دیئے کچھ دور جاکرایسا لگا جیسے کوئی پہاڑ نما چیز ہمارے راستے میں حائل ہوگئی ہوپھر نجانے کس طرح ہم نلکے تک پہنچ گئے جہاں سے وضوکرکے نماز کیلئے واپس مسجد کی طرف لوٹ آئے لیکن نماز پڑھنے سے پہلے ہی خواب ٹوٹ گیا'' میراخواب سن کر پیرومرشد سید عرفان احمد شاہ سرکار نے فرمایا بیٹا یہ خواب نہیں وقت گزرنے کے ساتھ یہ سارا معاملہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔اُس دن میں نے شاہ صاحب سے ماں جی کی صحت کے بارے میں بھی بات کی اوراُن کیلئے دُعاکی درخواست کی۔آپ نے فون پر ہی ماں جی کودم کردیا اور مجھے حکم فرمایاکہ ماں جی کو دیسی مرغی کا انڈہ حاف بوائل کرکے کھلائیں۔اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔میں نے آپ کو بتایاکہ ماں جی کا بلڈپریشر ہائی ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹرانڈہ کھانے سے منع کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا انڈہ ضرور کھلائیں کچھ نہیں ہوگا۔ایسا ہی ہوااب ماں جی کی تمام ادویات چھوٹ چکی ہیں اوراُن کی صحت بھی بہت بہتر رہتی ہے۔ایک ضروری بات آپ کو بتاتا چلوں کہ آپ فون پرہی دنیاکے مختلف ملکوں میں بیٹھے لوگوں کو دم کردیتے ہیں اوراُن کو مختلف تکالیف سے آرام آجاتا ہے۔آپ کے فرمان کے مطابق اب مجھے خواب والے معاملات بھی سمجھ آنا شروع ہوگئے ہیں۔جو لوگ وضو کی ٹوٹیوں پر نماز پڑھ رہے تھے وہ زندہ نہیں مردہ تھے یعنی میں مردوں کی جماعت

دیکھ رہا تھا اور جس شخصیت نے میرے سامنے بیٹھ کر میرا دھیان اپنی خوبصورت اور بارونق مسکراہٹ پر لگا کر مجھے وہاں سے نکالا وہ کوئی اور نہیں میرے پیرومرشد سید عرفان احمد شاہ ہی تھے کیونکہ خواب سے پہلے میں نے اُنہیں کبھی دیکھا نہ تھا اس لئے پہچان نہ سکا۔ یہ سارا واقعہ آپ کو سنانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ راقم کا باطن مردہ ہو چکا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست زندہ کر دیا۔

اللہ نے عطا میری طلب سے سوا کر دیا

مردہ تھا مرشد کی جھلک سے زندہ کر دیا

مردوں کی جماعت سے نکالنے کے بعد میری سگریٹ نوشی کی عادت چھڑوائی گئی پھر کہیں جاکہ آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک دن سگریٹ نوشی کے متعلق بات چلی تو ایک دوست نے بتایا کہ وہ پہلے سگریٹ پیا کرتا پر جب سے شاہ صاحب نے منع کر دیا تب سے سگریٹ پینا چھوڑ دیا۔ اُس کی یہ بات سن کر میں چونک گیا اور فوراً آپ کی خدمت میں سوال پیش کر دیا کہ مجھے تو آپ نے منع بھی نہیں کیا پھر کیسے سگریٹ نوشی کی عادت چھوٹ گئی؟ آپ نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے فرمایا منع کیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ میری تربیت خاموشی سے جاری ہے بس اُس دن سے میری کوشش ہوتی ہے کہ سوال کم سے کم کروں ۔ ماں جی کی دُعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے کامل مرشد نصیب ہوئے جن سے ملنا انتہائی آسان ہے ۔ پیرومرشد

امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں کرتے سب کو گلے لگاتے ہیں۔آپ ماں باپ سے محبت ، شفقت،اُن کا احترام ،خدمت ، فرمابرادی، اُن کے ہاتھ پاؤں چومنے اور نماز کی پابندی کا درس دیتے ہیں۔اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس دور میں پیر سید عرفان احمد شاہ جیسے لوگ نا ہونے کے برابر ہیں جبکہ راقم کا ایمان ہے دور کوئی بھی آل رسول اللہ ﷺ اسی طرح نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی فرمایا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ آل رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں اُن کی پہچان ، عزت واحترام کرنا نصیب فرماکے ہمارے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اُولاد کیلئے ذریعہ نجات بنائے (آمین)

کیونکہ میں لڑکی نہیں

ایک بین الاقوامی ادارے کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں نوجوان لڑکیوں کی اکثریت جنسی زیادتی کے خوف کی وجہ سے ڈری اور سہی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔لڑکیاں یہ سوچتی ہیں کہ انھیں دنیا میں آزادی کے ساتھ،اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے کا کوئی حق نہیں۔لڑکیوں کے حقوق اور بااختیار بنانے کے حوالے سے ایک تحقیق ''پلان انٹرنیشنل''کی جانب سے ''کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں''کے عنوان سے ہوئی۔حاصل ہونے والے نتائج میں جو حقائق سامنے آئے ہیں اُن کے مطابق پسماندہ، غریب ترین علاقوں میں رہنے والی لڑکیاں دنیا کی کم تر مخلوق تصور کی جاتی ہیں جنھیں صرف عورت ہونے کی وجہ سے اپنی بقااور ترقی کیلئے شدید ترین رکاوٹوں کا سامنا رہتا ہے۔۔ہیئر اوورواکسسز کے نام سے جاری ہونے والی رپورٹ میں ایشیا،جنوبی امریکہ اور افریقہ سمیت 11 ممالک میں 12 سے 16 سال عمر کی ہزاروں لڑکیوں کے روزمرہ کے تجربات اور اسکول میں صنفی مساوات کے بارے میں.براہ راست سوالات پوچھے گئے۔ تحقیق میں شامل لڑکیوں کی اکثریت نے بتایاکہ وہ روزمرہ کی ناانصافیوں،مشکلات اور جنسی تشدد کے حوالے اپنی تکالیف اور جذبات کا اظہار کرنے میں شرمندگی محسوس کرتی ہیں۔ تحقیق میں سامنے آیاکہ دور حاضر میں لڑکیوں کے حقوق میں بہتر قانون سازی کے باوجود عدم تحفظ اور جنسی

زیادتی کا خوف مسلسل برقرار ہے۔ بنگلہ دیشی 80 فیصد اور ایکواڈور سے تعلق رکھنے والی 77 فیصد لڑکیوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں لڑکیوں کو اپنے ماضی، حال اور مستقبل میں ایسے حالات کا سامنا رہتا ہے جو انھیں ہر وقت بے اختیار زندگی گزارنے پر مجبور رکھتے ہیں، انھیں اپنی زندگی میں چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے میں اس قدر مشکلات درپیش ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اُٹھ، بیٹھ بھی نہیں پاتیں، یہاں تک کہ شادی کے بعد جس گھر، خاندان اور شوہر کے ساتھ لڑکیوں کو زندگی گزارنی ہوتی ہے وہ شادی سے پہلے اُن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان پاتیں۔ اُن کی شادی کے بعد دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ دبے، سہمے ماحول میں پل، بڑھ کر جوان ہونے کے بعد ایک نیا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ ایک تہائی سے زائد لڑکیاں سکول جاتے وقت خائف رہتی ہیں، اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں، جنسی زیادتی کے ڈر سے بیت الخلاء استعمال کرنے سے ڈرتی ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ 3 میں سے 1 لڑکی کا کہنا ہے کہ وہ لڑکوں اور مردو کے سامنے بات کرنے یا اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتیں۔ دوران سفر آوارہ قسم لڑکوں اور مردوں کی طرف سے فحش الفاظ اور دیگر چھیڑ چھاڑ دنیا بھر میں معمول بن چکا ہے۔ رپورٹ میں بہت سے دیگر مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دور جدید میں عورت پر ہونی والی ناانصافیوں کو دیکھتے ہی اسلام سے پہلے کا دور جہالت یاد آیا جاتا ہے۔ دور جہالت میں عورت صرف ایک جسم تھی جس کی کوئی قیمت بھی نہ

تھی اور اسے اپنی ہی زندگی پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ جیسے کوئی بھیڑ یا بکری پالنے والا جب چاہے جہاں چاہے باندھ دے، جب چاہے جسے چاہے بیچ دے اور جب چاہے ذبح کر دے۔ عورت دورِ جہالت میں عرب اور یونانی معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ جاہل لوگ بیٹیوں کو عار سمجھ کر پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے۔ ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر لیتا۔ باپ کی بیوہ ورثے میں بڑے بیٹے کی داشتہ بن جاتی، عورت کے لیے اس معاشرے میں کوئی عزت واحترام نہ تھا۔ عورت کا مقام پالتوں جانور سے بھی کم تھا۔ جائیداد میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ شعر و شاعری میں محبوبہ کا نام ننگے الفاظ میں لیا جاتا اور اس گندی حرکت پر فخر کیا جاتا۔ بے حیائی اور فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اہل عرب کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس وقت اہل عرب جو جانوروں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے اللہ کے نبیؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انسانیت کے تقاضے بتائے جس میں عورت کی عزت واحترام لازم کر کے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت میں ایسا مقام عطا فرمایا جسے قائم رکھنے اور دشمنوں سے بچاتے ہوئے باپ، بھائی اور خاوند اپنی جان تک قربان کرنے لگے۔ اسلام نے وراثت میں عورت کو حصہ دے کر اسے دنیا میں جینے کا حق دے دیا۔ وراثت میں حصہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عورت کو معاشرتی برائی بننے سے روکا جا سکے، تاکہ عورت بے حیائی، فحاشی، بدکاری اور جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے۔ آج

دور جدید میں صرف عورت ہی نہیں پوری انسانیت مشکل میں ہے۔ جس معاشرے میں ماں کی عزت محفوظ نہیں وہ معاشرہ جنگل سے بھی بدتر ہے۔ جہاں بیٹیاں سکول و کالج جاتے وقت خوف کھائیں اُس معاشرے کی ترقی و خوشحالی کی مثال پیش کرنے کی آج ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں لڑکی نہیں اس لئے میں آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرتا ہوں جس میں مجھے ہر قدم پر عورت کا ساتھ چاہئے۔ جس نے مجھے جنم دیا وہ بھی ماں) عورت، جنہوں نے ماں کے ساتھ مل کر بچپن میں میری دیکھ بھال کی (بہنیں)) وہ بھی عورتیں اور آج جو بیوی کی شکل میں فری کی خادمہ میسر ہے وہ بھی عورت ہے۔ عورت اتنی اہم ہونے کے باوجود معاشرے کا نچلا طبقہ ہے وہ بھی آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ ہمارے لئے انتہائی شرمندگی اور نقصان کی بات ہے

سرکاری آسیب

باباجی ہم بہت پریشان ہیں ،بہت سے عالموں ،بزرگوں اور تعویز کرنے والوں کو اپنے گھر بلوا کر اُسے بھگانے کی کوشش کرچکے ہیں لیکن وہ آسیب کسی کے قابو نہیں آتا ۔ہم بڑی آس لیکر آپ کے پاس آئے ہیں ۔ساری جمع پونجی مکان خریدنے میں خرچ ہوگئی اب تو بڑی مشکل سے گھر کے اخراجات چل رہے ہیں اور اُوپر سے اُس آسیب نے ناک میں دم کررکھا ہے ۔کبھی کسی بچے کو پریشان کردیتا ہے اور کبھی مجھے آوازیں دے کر پوچھتا ہے میرا کام کیوں نہیں کیا ؟میں نے تمھیں کام کہا تھا کیا بنا اُس کا؟ باباجی ایک بات میں آپ کو بتادوں وہ آسیب ہمیں تو صرف آوازیں دے کر پریشان کرتا ہے لیکن اُسے بھگانے والے اب تک کے تمام عالم زخمی حالت میں گھر سے رخصت ہوئے ہیں ۔باباجی : بچہ پریشان مت ہو ہم اُس آسیب کو دیکھ لیں گے ۔لیکن باباجی ہمارے پاس اب آپ کو دینے کیلئے پیسے بھی نہیں ہیں ۔بابا: سخت ناراضگی کے عالم میں ،میں نے تم سے پیسے مانگے ہیں ؟نہیں باباجی لیکن سب لیتے ہیں ۔بابا: نہیں بچہ ہم پیسے نہیں لیتے لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا پڑھے گا آپ کو ،جب جیب اجازت دے تب کردینا ۔ٹھیک ہے باباجی آپ اُس آسیب کا کچھ کردیں ، ہم عمر بھر آپ کو دُعائیں دیں گے ۔بابا ،خاتون کے ہمراہ اُس کے آسیب زدہ گھر پہنچے اور آسیب کو اپنی زبان میں طلب کیا جس پر آسیب

حاضر ہوگیا۔ باباجی نے آسیب کو اپنی شکل دیکھانے کا کہا لیکن آسیب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا باباجی میں اللہ والوں کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن اگر کوئی مجھے پریشان کرے تو پھر اُس کی خیر نہیں لہذا آپ کیلئے بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے تنگ نہ کریں ۔میں یہاں سے کہیں نہیں جانے والا اور نہ کوئی مجھے مجبور کرسکتا ہے۔ باباجی نے کچھ عمل کیا اور ایک بار پھر آسیب کو مخاطب کرتے ہوئے بولے تم جو کوئی بھی ہو، جس مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتے ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔آسیب: میں نے پہلے کہہ دیا ہے کہ میں یہاں سے جانے والا نہیں اور اگر آپ نے مجھے مزید پریشان کرنے کی کوشش کی تو پھر اپنی حالت کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، میں نے پہلے کبھی کسی عامل کی اتنی عزت نہیں کی جتنی آپ کی کررہا ہوں اگر یقین نہ آئے تو گھر والوں سے پوچھ لو۔ باباجی: ٹھیک میں تمہیں پریشان نہیں کرتا لیکن تم یہ تو بتاؤ کے تم کون ہو؟ کیا کرتے ہو اور یہاں کب سے رہتے ہو ؟آسیب :زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے باباجی ساڈیاں تفتیشاں کروگے تو سیں؟ بابا: نہیں میں تفتیش نہیں کررہا لیکن ہوسکتا ہے تمہارے تعارف کے بعد ہمارے درمیان کوئی سمجھوتہ ہوجائے۔آسیب ایک بار پھر زور سے ہنسا اور کہنے لگا باباجی آپ بس اتنا جان لیں کہ میں 20 سال تک پنجاب پولیس میں بطور انسپکٹر نوکری کرچکا ہوں اور اگر اب آپ نے میری مزید تفتیش کی تو پھر آپ جانتے ہیں پنجاب پولیس کس طرح دھوتی ہے۔ میں عام

نہیں سرکاری آسیب ہوں جس قدر محتاط رہیں گے آپ کے حق میں بہتر
ہوگا۔ بابا: مسکراتے ہوئے ٹھیک ہے میں تمہاری تفتیش نہیں کرتا لیکن میری تمہاری
ملاقات رہے گی اور اُمید ہے ہم مل کر کوئی حل نکال لیں گے۔ یہ کہہ کر باباجی مسکراتے
ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔ گھر والے جواب تک پریشان بیٹھے تھے نے باباجی کو
سہی حالت میں مسکراتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ اُنھوں نے آسیب کو قابو کرلیا
ہوگا۔ خاتون نے باباجی سے سوال کیا، کیا ہوا باباجی آسیب چلا گیا ہمارے
گھر سے؟ بابا: نہیں بچہ لیکن جلد ہی چلا جائے گا۔ بابا: 8 دن بعد دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا
گیا۔ 8 دن بعد بابا اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا اور آسیب کو طلب کرنے کیلئے گھر کے
اُسی کمرے میں داخل ہوکر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ آسیب حاضر ہوا تو بابا نے اُسے
اپنی شکل میں ظاہر ہونے کو کہا اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ میں بھی ریٹائرڈ پٹواری
ہوں اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آج ہمارے درمیان سودا ہوجائے گا اگر آفر پسند نہ آئے
تو کوئی بات نہیں ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ آسیب: پٹواری،،،، تو پہلے کیوں نہیں
بتایا، آپ کا حکم سرآنکھوں پر لیکن آپ تو جانتے ہیں ہم پولیس والے کچھ دیتے نہیں اور
پٹواری بھی ہمارے طرح کچھ لئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے پھر ہمارے درمیان سودا کس
طرح ممکن ہوگا؟ بابا: درست کہا تم نے لیکن سودا صرف لینے کا نام نہیں بلکہ کچھ لینے اور
کچھ دینے کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے تم مجھے یہ چار مرلے کا گھر خالی کردو میں تمہیں اس
کے بدلے پرسکون علاقے

میں دو 2 کنال کا بہترین گھر دینے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ بات بتانا ضروری ہے کہ وہ گھر جس زمین پر تعمیر کیا گیا ہے وہ سینٹرل گورنمٹ کی ہے ۔آسیب : پٹواری صاحب آپ تو پولیس والوں سے بھی 2 ہاتھ آگے کی سوچتے ہو لیکن اس گھر سے میری کچھ یادیں وابستہ ہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتا۔ بابا : کوئی بات نہیں ہم تمہاری ہر چیز محفوظ طریقے سے وہاں شفٹ کردیں گے اور ساتھ ہی تمہاری ضرورت کی مزید چیزیں بھی مہیا کردیں گے ۔آسیب: ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتاؤ اتنی ضد کیوں کر رہے ہو اور چار مرلے کے گھر کے بدلے 2 کنال کا گھر کیوں دے رہے ہو؟ بابا : کیا بتاؤں سالے کی سفارش ہے ان لوگوں کی اور تم تو جانتے ہو کہ اک طرف ساری خُدائی ایک طرف جوروکا بھائی ۔اس جملے کیساتھ ہی آسیب نے زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے بابا جی کی بات مان لی اور گھر چھوڑنے پر رضامند ہوگیا۔ بابا : یہ تو بتاؤ تم نے مجھ سے پہلے آنیوالے عاملوں کو کیوں مارا ؟آسیب: دُکھی انداز میں، عامل ,,,,,,,,, پٹواری صاحب سارے جھوٹے بابے ہیں کوئی کچھ عمل کرتا ہے اور نہ ہی کسی کے پاس علم ہے سب کے سب جاہل ، ٹھگ ملے اس گھر والوں کو ۔ ٹھیک ہے میں پولیس والا ہوں لیکن پھر بھی دکھ ہوتا ہے مجھے جب کوئی اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے ۔خیر پٹواری صاحب آپ یہ بتائیں کہ آپ بابے کیوں بن گئے ؟ بابا : ساری زندگی گناہ میں گزارنے کے بعد ایک اللہ والے کی نسبت نصیب ہوئی جس نے مجھے جینا سکھا دیا اور میں نے انسانیت کی خدمت کیلیئے باقی زندگی وقف کردی بس جو کوئی اپنی تکلیف لے کر آتا ہے اللہ تعالی سے دُعا

کے ساتھ ساتھ اگر کچھ جیب سے خرچ کرنے پر بھی بات بن جائے تب بھی اللہ تعالیٰ
کا شکر ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں۔ آسیب
فکر مندی کے عالم میں پٹواری صاحب میں تو مر چکا ہوں اب کس طرح اپنے گناہوں کی
معافی طلب کروں؟ بابا: اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اُس کے خزانے بھرے پڑے ہیں
رحمت سے لیکن یہ جو تم مرنے کے بعد بھی انسانوں کو پریشان کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کی
رضا حاصل کرنے کی نیت سے چھوڑ دو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے۔ اللہ
تعالیٰ سے دُعا ہے میرے وطن عزیز کو بھی ایسا کوئی پٹواری عطا کر جو یہاں کے بگڑے
نظام کو نظام عدل میں بدل دے۔

تبدیلی اور نوجوان نسل

جس تبدیلی کی بات عمران خاں کرتے ہیں وہ اب سرعام نظر آنے لگی ہے،اکثر دوست ملتان کے ضمنی الیکشن میں جاوید ہاشمی کی شکست کو تحریک انصاف کی بڑی کامیابی قرار دے رہے ہیں جبکہ راقم کے خیال میں اُس سے بھی بڑی کامیابی یہ ہے کہ آج کا نوجوان اپنے مستقبل کو اپنے ہاتھوں میں لینے کیلیے تیار ہوچکا ہے۔پاکستانی نوجوان ماضی میں سیاست سے انتہائی دور تھا پر آج یہ عالم ہے کہ سیاسی قائدین نوجوانوں ترجیحی نشستوں پر بیٹھانے کو تیار ہیں۔ امتیاز صاحب تبدیلی آچکی ہے۔ن لیگ کی طرح ہر فیصلہ عمران خان اکیلے نہیں بلکہ تحریک انصاف کرتی ہے۔ تحریک انصاف عمران خان کا nick name نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو بنائے گی نیا پاکستان ۔اس ملک میں اب زرداری ، میاں ، سومرو، چوہدری اور دیگر باریاں باندھ کر حکومت نہیں کر سکتے۔ اب راج کرے گی خلق خُدا جو تم بھی ہو اور ہم بھی ۔ قارئین محترم یہ گفتگو ہے تحریک انصاف کے ایک نوجوان کارکن ڈاکٹر محسن علی رحمانی کی۔ محسن علی پڑھا، لکھا فکر مند نوجوان اور تحریک کا یو سی 146 کاہنہ نو لاہور میں منتخب صدر ہے۔اُس کا کہنا ہے کہ ماضی میں نوجوان سیاست سے بہت دور رہے جس کی وجہ سے پاکستان میں جاہل اور نااہل لوگ حکمران بنتے رہے ،اب وہ وقت گزر چکا ہے۔عمران خان نے دور حاضر کے نوجوان کو نہ

صرف سیاست کے میدان میں بلکہ اپنی ذات سے بھی متعارف کروا دیا ہے۔ محسن علی نے بڑے اعزاز کے ساتھ کہا کہ تحریک انصاف پاکستان کی پہلی سیاسی جماعت ہے جس کے قائد (عمران خان) نے یہ اعلان کیا ہے کہ جس دن میرا بیٹا تحریک انصاف کا لیڈر بنا میں پارٹی چھوڑ دوں گا آج تک کسی نے اتنی ہمت کی ہے بتائے ؟ پھر پارٹی الیکشن کروا کے عمران خان نے یہ اختیار عوام کو دے دیا ہے وہ جسے چاہے پاکستان تحریک انصاف کا سربراہ منتخب کرلیں۔بڑے بڑے ترم خاں آج تک پارٹی الیکشن نہیں کروا کے لیکن عمران خان نے پارٹی الیکشن کروا کر ثابت کر دیا ہے کہ تحریک انصاف پاکستانی عوام کی جماعت ہے۔انہوں نے بڑے پر عزم لہجے میں بتایا کہ اُمیدواروں کو پارٹی ٹکٹ جاری کرنے کا فیصلہ پارٹی قیادت حلقہ میں موجود پارٹی ورکرز کی مرضی کے بغیر نہیں کرے گی۔میں نے محسن علی سے سوال کیا کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ عمران خان برسراقتدار آ کر ملک کو درپیش مسائل حل کر سکیں گے ؟ وہ بڑے جوشیلے انداز میں بولا امتیاز صاحب ہوں ، عمران خان کی تمام policy lover نہیں بلکہ personality lover میں کو آج تمام روائتی سیاست دان بھی قابل عمل تسلیم کر رہے ہیں یہ الگ بات polices کہ وہ اپنے منہ سے کہہ نہیں سکتے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عمران خان ملک و قوم کے مسائل کو حل کر سکیں گے لیکن تحریک انصاف برسراقتدار آ کر اللہ تعالی کے فضل و کرم سے لٹیروں کا ایسا احتساب کرے گی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملے گی۔باقی رہی مسائل کی بات تو پاکستان کو اللہ تعالی نے ہر طرح کے وسائل سے

مالا مال کر رکھا ہے۔نہ کھانے پینے کی کمی ہے اور نہ ہی عقل و شعور کی کمی ہے۔کمی ہے تو بس ایماندار حکمرانوں کی جو عوام دوست ہوں ،جو خوف خُدا رکھتے ہوں ،جو پڑھے لکھے ہوں اور جن کے گریبان کرپشن اور لوٹ مار سے پاک ہوں ،جن کے ضمیر زندہ ہوں جن کی غیرت اور خوداری انہیں بے غیرتی کرنے سے روکے۔محسن علی کو اِس قدر پُر، اُمید اور پُرجوش دیکھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور فکر بھی۔اس موقع پر سینئر صحافی و کالم نویس جناب ایم اے تبسم بڑی خاموشی سے ساتھ موجود رہے۔والہانہ انداز میں بولے امتیاز بھائی میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تبدیلی آچکی ہے۔انہوں کہا میں عمران خان کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ مخلص اور ایماندار شخص ہے اور باقی سیاست دانوں کی طرح ہر عہدہ یا وزارت اپنے خاندان میں تقسیم نہیں کرے گا۔ایم اے تبسم صاحب نے کہا آج آپ نے محسن علی کی باتیں سن کر کیا محسوس کیا؟آپ کو لگتا ہے محسن ایم این اے یا ایم این اے کا اُمیدوار ہے ؟میں نے کہا نہیں۔تو پھر یاد رکھو امتیاز تبدیلی اسی کا نام ہے جس کی شروعات عمران خان نے کر دی ہے۔بذریعہ الیکشن تبدیلی آنی ہوتی تو کب کی آچکی ہوتی ،حقیقت یہ ہے کہ تبدیلی کے بعد ہونے والے الیکشن کے ذریعہ ملک و قوم کی حالت سنور سکتی ہے۔انہوں نے کہا میں آج پاکستانی قوم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اب پریشان ہونے کا وقت گزر چکا،اب نوجوان اپنے وطن کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہیں بلکہ بیتاب بھی ہیں اور نوجوانوں میں اس بات کا شعور اجاگر

کرنے کا سہرا عمران خان کے سر ہے۔ آپ دیکھنا انتیاز عمران خان جیتے نہ جیتے تحریک انصاف ضرور کامیاب ہوگی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اگر ملک کے نوجوان محسن علی کی طرح اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں میں لینے کا فیصلہ کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ترقی سے نہیں روک سکتی اور آج جن مسائل کی وجہ سے ہر پاکستانی پریشان ہے وہ سارے مسائل نوجوانوں کے جوش کے سامنے شائد کچھ پل ہی ٹھہر پائیں۔ فکر اس بات کی ہے کہ اگر عمران خان نے کل کرسی اقتدار پہ بیٹھ کر محسن اور محسن جیسے لاکھوں نوجوانوں کے جذبات کی قدر نہ کی تو پھر نارمل تبدیلی کا وقت گزر جائے گا۔ خیر میں بھی پوری قوم کی طرح دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ہمیں اہل ،محب وطن اور عوام کے دکھ درد سمجھنے والے نمائندے عطا فرمائے۔ تحریک انصاف کی کارکردگی کیا ہوگی یہ تو آنے والا وقت بتائے گا لیکن محسن کی پُرجوش اور اُمید بھری گفتگو سننے کے بعد مجھے اُمید سی ہو چلی ہے کہ اب پاکستان کی نوجوان نسل اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں میں لینے کیلئے تیار ہو چکی ہے، اور کسی صورت برداشت نہیں کرے گی کہ اب کوئی اس ملک میں لوٹ مار کرے۔

حالت جنگ

اَن پڑھ بیوی نے شوہر سے سوال کیا کہ بیوی، وائف اور بیگم میں کیا فرق ہے؟ شوہر نے جواب دیا، کچھ خاص نہیں یہ بھی انڈیا، بھارت اور ہندوستان کی طرح ایک ہی دشمن کے تین نام ہیں۔ لطیفے کی حد تک تو یہ بات مزے کی ہے پر حقیقت میں ہمیں ہمسایہ ملک بھارت کا امن و سلامتی بھی اُسی طرح عزیز ہیں جس طرح بیوی، بیگم اور وائف۔ ہمسائے کے گھر آگ لگی ہو تو اختلافات کے باجود بیٹھ کر دیکھا نہیں جاتا بلکہ یہ سوچ کر کہ ہمسائے کا گھر جلتا رہا تو پھر اپنے گھر کو آگ لگنے میں دیر نہیں لگے گی فوری طور پر اُس آگ کو بجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمسایہ کسی مذہب، فرقے یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اُس کی سیاسی ہمدردیاں کسی بھی جماعت کے ساتھ ہوں۔ ہمسایہ ہونے کے ناطے اُس کا سلوک انتہائی بُرا ہو۔ خراب تعلقات کی بدولت دل خیال آتا ہے کہ اس گھر جل ہی جائے تو بہتر ہے پر جب آگ کی لپٹیں ہمسائے کے گھر ہوتی ہوئی اپنے گھر کی طرف بڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں تو سب اختلافات ایک طرف رکھتے ہوئے ہر کوئی ہمسائے کے گھر لگی آگ بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی دشمن بھی اپنے ہمسائے کے گھر کو آگ میں نہیں جھونک سکتا۔ وجہ بڑی سیدھی سی ہے کہ جب ہمسائے کا گھر جلے گا تو اپنا گھر بھی جل سکتا ہے۔ آپ کے سامنے افغانستان کے حالات نے ہمسایہ ممالک کو بُری طرح متاثر کیا

ہے۔امریکہ ،افغان جنگ نے پُرامن پاکستان کو دہشتگردی کے حوالے کر دیا ہے۔ پچھلی ڈیڑھ دیہائی سے ہم تمام تر توانائیاں بروئے کار لانے کے باجود ابھی تک حالت جنگ میں ہیں ۔ہمارے کچھ جذباتی دوست بھارت کی طرف سے پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں سے دل برداشتہ ہو کر دونوں طرف کے عوام کو ایک دوسرے کا دشمن قرار دے رہے ہیں جبکہ حقیقت مختلف ہے ۔سرحد کے اس پار اور اُس بسنے والے دشمن نہیں آپس میں بہن بھائی ہیں ۔مفاد پرست حکمران اس لئے سرحدوں پر کشیدگی پیدا کئے رکھتے ہیں کہ عوام کے جذبات سے کھیل سکیں ورنہ پُرامن بھارت پاکستان کیلئے اور پُرامن پاکستان بھارت کی سلامتی اور ترقی کیلئے ناگزیر ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ پاک، بھارت تمام مسائل مل بیٹھ کر حل کئے جانے چاہئے ۔جہاں تک بات ہے مسئلہ کشمیر کی تو وہ کوئی بے جان ٹُکڑا نہیں ۔عالمی میڈیا کے سامنے کشمیری عوام کی رائے جان لی جائے اور اُن کو دنیا میں آزاد اور خود مختار زندگی گزارنے کا حق دے دیا جائے ،جو اُن کا قدرتی حق بھی ہے ۔وسائل پر جھگڑا کرنے کی بجائے مل کر نئے وسائل تلاش کئے جانے چاہئے ۔جو سرمایہ دونوں اطراف سے خطرناک ہتھیاروں کی خرد وفروخت پر خرچ کیا جاتا ہے وہی سرمایہ جب انسانی فلاح و بہبود پر خرچ ہوگا تو دونوں اطراف کے عوام کا معیار زندگی بلند ہوگا۔خوف کے سائے میں زندگی گزارنے سے کہیں بہتر ہے کہ دشمنی چھوڑ دوستی کا چلن اختیار کیا جائے ۔جیت ،ہار کے دائرے سے نکل کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ سے صرف تباہی حاصل ہوتی ہے۔پاکستان کی طرح

ہمسایہ ملک بھارت بھی افغانستان میں اپنی جارا داری قائم کرنے کی بجائے پُرامن اور ترقی کرتا افغانستان بنانے کی کوشش کریں تو نہ صرف پاکستان، بھارت ، چین بلکہ پوری دنیا کیلئے بہتر ہوگا۔ گزشتہ ڈیڑھ دیہائی سے افغانستان میں لگی آگ کی لپٹیں ہمسایہ ممالک کے چہروں کو جھلسا رہی ہیں۔افغان ،امریکہ جنگ میں پاکستان سب سے متاثر ہوا تو بھارتی معشیت پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔پاکستان کے مقابلہ
غربت، مہنگائی ،ناانصافی ، کرپشن ،لوٹ مار، غنڈہ گردی ، عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی سمیت دیگر بہت سے جرائم بھارت میں کہیں زیادہ ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ پاکستان کا میڈیا آزاد جبکہ بھارتی میڈیا کی حیثیت کٹ پتلی جیسی ہے۔بھارتی میڈیا بھی مفادپرست حکمرانوں کی زبان میں بات کرتا اور کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا جہاں پاکستان کے خلاف زہر اگلنے کی گنجائش نکلتی ہو۔پاکستان نے نہ صرف ہمیشہ اپنے ہمسایہ ممالک اور دنیا بھر میں قیام امن کی کوششوں میں بھرپور حصہ لیا ہے بلکہ اب تک سب سے زیادہ قربانیاں بھی پاکستانیوں کا مقدر بنی ہیں۔وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے مشیر برائے خارجہ امور و قومی سلامتی سرتاج عزیز نے حالیہ بیان میں کہا ہے کہ چین اور پاکستان مضبوط ، محفوظ اورپُرامن افغانستان دیکھنا چاہتے ہیں،اُن کا کہنا تھا کہ پاکستان اپنی سرزمین کسی بھی ملک کیخلاف دہشتگردی کیلئے استعمال نہیں ہونے دے گا،پاکستان اور ایران کے درمیان بہتر بارڈر مینجمنٹ کیلئے رابطے جاری ہیں پاک چین انسیٹیوٹ کے،

زیر اہتمام سہ ملکی سیمینار کے اختتامی سیشن سے خطاب کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ پاکستان افغانستان سمیت خطے کے ممالک کے معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر کار بند ہے ،انھوں نے اُمید ظاہر کی خطے کے دیگر ممالک بھی اسے پالیسی پر کار بند رہیں تو بہتر ہوگا۔انھوں نے کہا کہ وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف افغانستان میں استحکام چاہتے ہیں اور ملکی معیشت کی مضبوطی سمیت افغانستان میں بھی معاشی بہتی کے خواہاں ہیں۔وزیراعظم کے مشیر امور خارجہ و سلامتی سرتاج عزیز کی گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان میں لگی دہشتگردی کی آگ نے پاکستان کو جو نقصان پہنچا آئندہ اُس سے بچنے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہمسائے کے گھر میں لگی آگ کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے آگے بڑھ کر آگ بجھانا چاہیے تاکہ ہمسائے کا گھر خاکستر ہونے تک کہیں اپنا آشیانہ نا جل جائے ۔جبکہ دوسری جانب بھارتی حکمران کسی پنجابی فلم کے ہیرو کی طرح بڑکیں مار رہے ہیں۔بھارتی حکمران بھی پاکستان کی طرح لہجے میں نرمی پیدا کریں تومسائل کے حل میں مدد مل سکتی ہے۔راقم ایک محب وطن پاکستانی ہے،راقم بھی تمام ہم وطنوں کی طرح اپنے پیارے پاکستان کی خودمختاری اور سلامتی کے حوالے سے انتہائی جذباتی ہے پر جذبات میں آکر کوئی ایسا قدم اُٹھانے کا حامی نہیں جو ہمسائے کے گھر لگی آگ پر تیل کا کام کرے۔بھارتی حکمرانوں کی کھوکھلی بڑکیں اور پاکستان کا نرم لہجہ یہ بات واضع کررہا ہے کہ انتہاپسند کون ہے۔ خیر میں سمجھتا ہوں کہ اہل قلم کو جلتی پر

تیل ڈالنے کا کام چھوڑ آگ بجھانے میں اپنا قلمی کردار ادا کرنا چاہیئے ۔ قومی سلامتی اور خودمختاری کے فیصلے کبھی بھی جذبات میں آکر نہیں کیے جاتے لہذا کشمیر سمیت دیگر تمام مسائل کے حل کیلیئے پاک بھارت مذاکرات ناگزیر ہیں ۔ بھارت بھی پاکستان کی طرح ایک قدم آگے بڑھائے تو بہت جلد تمام معاملات پر اتفاق رائے کے ساتھ ساتھ دونوں اطراف کے عوام کا معیار زندگی بہتر ہونا شروع ہو جائے گا۔

والدین کے ساتھ بھلائی کرتے رہو

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی سے نبوت دی۔اور اپنی طرف سے مہربانی اور ستھرائی اور وہ کمال ڈر والا تھا۔اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا،زبردست و نافرمان نہ تھا۔اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا،وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے،بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیااور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکواۃ کی تاکید فرمائی،میں جب تک جیوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا (سورۃ مریم)اور تمھارے پروردگارکاارشاد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرواور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو،اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں توان کواُف تک نہ کہنااور نہ انہیں جھڑکنااور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنااور عجزونیاز سے ان کے آگے جھکے رہواور ان کے حق میں دعا کروکہ اے پرودگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا تو بھی ان پر رحمت فرما (سورۃ بنی اسرائیل) قارئین محترم گزشتہ روز خبر ملی کہ پیرومرشد پیر سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست کے والد محترم اور سیدہ عظمیٰ گیلانی ایڈووکیٹ کے سُسر سید ممتاز احمد شاہ

قضائے الٰہی سے وفات پاگئے۔ سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں گزشتہ روز اُن کی
چیچہ وطنی میں ادا کی گئی۔ سید محمد اصغر شاہ ایم این L-نماز جنازہ آبائی گاؤں 12/40
اے،ڈاکٹر محمد یعقوب، وسیم فاروق شاہد صدر پنجاب یونین آف جرنلیسٹ، جمیل
قیصر ایڈمنسٹیٹر روزنامہ پاکستان، ڈاکٹر محمد رضا ایڈووکیٹ چیرمین پاور گروپ آف
لائرز، محمد ناصر اقبال خاں مرکزی صدر ہیومن رائیٹس موومنٹ،، میاں محمد صدیق
ایڈووکیٹ، وسیم نذر چیف ایڈیٹر پاک نیوز لائیو،زاہد شفیق سب ایڈیٹر روزنامہ خبریں،
ڈاکٹر سرجن محمد اظہر، رانا محمد سلیم ایڈووکیٹ صدر راجپوت لائرز فورم، محمد ناصر خاں
ایڈووکیٹ صدر میو لائرز فورم ،ڈاکٹر محمود احمد ملک ایم ایس چیچہ وطنی، رضوان بلوچ
چیرمین امن کمیٹی ضلع جھنگ، شیخ محمد حسین جرنلیسٹ قصور، ناظم ملک روزنامہ جہان
پاکستان، جمیل احمد ملک جرنلیسٹ، علی رضا سندھو صدر پریس کلب چیچہ وطنی، مشتاق
احمد سلطانی چیرمین رحمانی ویلفیئر کے علاوہ سماجی و سیاسی ،مذہبی شخصیات نے اظہار
تعزیت اور مرحوم کے بلند درجات کیلئے قرآن خوانی اور دُعا کی۔ خبر پڑھ ایسی کیفیت
طاری ہوئی جسے لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ راقم لاہور اور پیرومرشد چیچہ وطنی
میں تھے۔بے چین و بے قرار ہو کر قرآن کریم کھول کر سکون و راحت تلاش کرنے لگا
تووالدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے احکام پڑھ کر وہ باتیں سمجھ آنے لگی جو پہلی
کبھی نہ آئی تھیں۔ خالق کائنات کے بعد انسان پر والدین کا احسان سب سے زیادہ ہوتا ہے
۔والدین اولاد کی پیدائش سے پرورش تک بڑی مشکلات سے

گزرتے ہیں۔ایسی مشکلات جن کا اس وقت اولاد تصور بھی نہیں کر سکتی۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کا بھی حکم دیا ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی“ والدین جتنی مشکلات اپنی اولاد کے لیے اُٹھاتے ہیں۔اس کے صلے میں انسان کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت کرے اس طرح انسان صرف والدین کی خدمت ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) اور اس کے رسول سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کے احکامات پر عمل بھی کرتا ہے جو یقیناانسان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے ۔ارشاد نبوی ہے کہ ”وہ شخص ذلیل ہوا، ذلیل ہوا جس نے والدین کا بڑھاپا پایا اور دونوں (یا ان میں سے ایک جو بھی زندہ ہو) کی خدمت کرکے جنت میں نہ پہنچ جائے ۔کتنا خوبصورت فرمان ہے میرے اور آپ کے حقیقی رہنماء کا اور کس قدر افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے والدین کی خدمت کرنا۔دیکھا جائے تو انسان اپنے والدین کے بے پناہ احسانات کا بدلہ ہی نہیں چکا سکتا چاہے ساری زندگی ان کی خدمت میں گزار دے اور اس پر جنت کے انعام کا وعدہ، کیا یہ ایک اور احسان نہیں میرے اور آپ کے خالق کا؟ کتنے بدقسمت ہیں ہم لوگ جو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرما۔

سسکیاں

چاروں طرف انسانیت کی سسکیاں سنائی دے رہی ہیں ،ہر طرف غریب لوگ مہنگائی، ناانصافی اور بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر خود کشیاں کر رہے ہیں ۔انسان رزق کے پیچھے اپنا ایمان بیچ رہے ہیں جبکہ دنیا پر حکمرانی کرنے والا شاہی طبقہ اپنی عیاشیوں کے بعد خطرناک بارود کو اہمیت دے رہا ہے ۔انسان کی بنیادی ضروریات کھانا، کپڑا اور چھت ہیں ،نہ تو ایٹم بم بھوک مٹاتا ہے اور نہ ہی کپڑے یا چھت کی کمی پوری کرتا ہے ۔وطن عزیز میں احتجاجی دھرنوں ، جلسوں کی سلگتی آگ ابھی پوری طرح ٹھنڈی نہیں اور بلوچستان میں دہشتگردی کے شعلے ایک بار پھر تیزی کے ساتھ بھڑک اُٹھے ہیں، جمعرات کے دن ملک کے حساس صوبہ میں پیش آنے والے دہشتگردی کے تین خوفناک واقعات نے پوری قوم کے دل دہلا کے رکھ دیئے ہیں۔ بلوچستان میں دہشتگردی کے تازہ واقعات کے بعد پاکستان میں چاروں طرف تشویش اور خوف کی نئی لہر دوڑ گئی۔ کوئٹہ میں مذہبی رہنماء اور بلند سیاسی شخصیت مولانا فضل الرحمٰن کے جلسے کے اختتام پر ان کی گاڑی زور دار بم دھماکے میں تباہ ہو گئی، دہشتگردوں نے مولانا فضل کو نشانہ بنانے کی پوری کوشش کی پر اللہ پاک کی مہربانی سے وہ محفوظ رہے ،اس بم دھماکے میں 2 افراد جان بحق اور 9 کے قریب زخمی ہوئے ۔ایک ہفتے کے دوران ہزارہ برادری کے افراد 2 بار دہشتگردی کا نشانہ

بنے ،ان واقعات سے 2 روز قبل حب میں شر پسندوں نسلی منافرت کے جذبات سے مغلوب ہو کر 9 محنت کشوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن امور کشمیر پر پاکستان کے مضبوط ترجمان کے طور پر جانے جاتے ہیں ایک طرف بھارت کی جانب سے پاکستانی علاقوں پر گولہ باری اور دوسری طرف مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ ایک ہی سلسلے کی 2 کڑیاں معلوم ہوتے ہیں۔ بلوچستان میں دہشتگردی میں ملوث بیرونی سازشیں بہت پہلے ہی بے نقاب ہو چکی ہیں ۔پوری دنیا جانتی ہے کہ بھارت دنیا کی توجہ آزادی کشمیر سے ہٹانے کیلئے بلوچستان اور پاکستان کے دیگر علاقوں میں مختلف قسم کی دہشتگردانہ سازشوں میں مصروف ہے ۔پاکستان نے ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا اور بھارت کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آزادی کشمیر ، کشمیری عوام کا حق ہے جو اللہ پاک نے اُن کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ بھارت چاہے کشمیر میں لاکھوں کی بجائے کروڑوں کی تعداد میں فوج تعینات کر دے، جتنے ظلم ڈھا سکتا ہے ڈھالے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آج نہیں تو کل کشمیر بھارتی تسلط سے آزاد ہو جائیگا۔ بھارت اپنی بزدلانہ کارروائیوں پاکستان کو اپنے کشمیر موقف سے ہٹانہ چاہتا ہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کشمیر تو پاکستان کے وجود کا حصہ ہے ،تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان دنیا کے دوسرے کنارے مشکل میں ہو تو مسلمان ہر ممکن اُس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ پاکستانی عوام اپنے کشمیری بھائیوں کو کسی صورت تنہا نہیں چھوڑ سکتے ۔ قارئین بھارت تو پاکستان کا ازلی دشمن ہے اس لئے اُس سے بھلائی کی اُمید کرنا بھی بہت بڑی بے وقوفی

ہوگی۔افسوس تو اپنے وطن کے حکمرانوں کی نااہلی پر ہے کہ بدقسمتی سے قیام پاکستان کے 67 برس بعد بھی کوئی مربوط قومی پالیسی وضع نہیں کی جا سکی۔سارے وسائل حکمران اپنی نسلوں پر استعمال کرتے ہیں جبکہ عوام مہنگائی ،ناانصافی اور غربت کے ہاتھوں تنگ آکر خودکشیاں کر رہے،ابھی آج ہی کی خبر ہے کہ اپنے ایک ماہ بیٹے کو چوتھی منزل سے پھینک کر معصوم بیٹی کو ساتھ لے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنے کی کوشش کرنے والی خاتون دم توڑ گئی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ غربت کے ہاتھوں تنگ آکر خودکشی کی خبروں کا انبار لگا رہتا ہے جبکہ کبھی ایسی خبر نہیں آئی کہ کسی ملک کے حکمران اُس کی بیوی بچوں یا ماں باپ نے حالات سے تنگ آکر خودکشی کرلی ہو۔حکمران بھی انسان ہیں، اور عوام بھی انسان پھر عوام ہی خودکشیاں کیوں کرتے ہیں؟کیا عوام کے خودکشیاں کرنے کے پیچھے بھی کوئی بیرونی سازش شامل ہے؟ چاروں طرف نفرت، قوم پرستی فرقہ واریت اور نسلی منافرت کا ماحول ہے آج کون تسلیم کرے گا کہ 1947ء سے، پہلے ہم ایک قوم تھے اور ملک نہیں تھا۔آج ملک ہے پر ہم قوم نہیں رہے۔ چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم ہوکر قومی وحدت کا وجود ہی کھو بیٹھے ہیں۔علاقائی ،صوبائی اور لسانی اکائیوں سے مذہبی منافرت اور مسلکی گروہوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں فیڈریشن اور صوبوں کے درمیان عدم تعاون کی فضا برقرار ہے۔کوئی ایک چیز بھی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری ہلاکت انگیز صورتحال نئی جگہ لے لیتی ہے۔دنیا بھر میں ہونیوالی تباہی کا ذمہ دار شاہی طبقہ ہے جو انسانوں سے زیادہ بارود کو اہمیت

دیتا ہے اور جتنی دیر تک بارود کو انسانیت پر ترجیح دی جاتی رہے گی تب تک دنیا کا امن بحال نہیں ہوسکتا۔ حکمران ریاستوں کی بجائے عوام کے دلوں پر حکمرانی کی پالیسی پر عمل کریں تو بہتری آسکتی ہے ورنہ انسانیت اسی طرح سسکتی رہے گی۔

کہا جاتا ہے کہ تندروستی ہزار نعمت ہے۔ مطلب کہ ہزنعمتیں بھی تندروستی کا بدل نہیں ہوسکتیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں جو غذائیں صحت کیلئے خرابی کا باعث بنیں ڈاکٹراور طبیب مریض کو وہ غذا کھانے سے روک دیتے ہیں۔ خرابی صحت آج ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ حصول صحت کی جدوجہد میں ہر کوئی دیوانہ وار ہر طرح کی کوشش کرتا رہتا ہے اور اکثر ہم ایسے مشوروں پر عمل کر بیٹھتے ہیں جو نقصان کا سبب بن جاتے ہیں۔انٹرنیٹ، رسائل ،اخبارات میں شائع ہونے والے ماہرین کے طبّی مشورے پڑھ کر ہم بہت سی غذائیں اپنے روزمرہ کے چاٹ میں شامل کرلیتے ہیں،اکثر لوگ سنے سنائے نسخہ جات بھی استعمال کرلیتے ہیں۔ جیسا کہ ماہرین صحت کے مطابق پودینہ سے کئی امراض کا اعلاج کیا جاسکتا ہے۔ماہرین نے پودینہ کو صحت کیلئے انتہائی مفید قرار دیاہے۔پودینے کی خوشبو لعب بنانے والے غدود متحرک کردیتی ہے جو کہ کھانے کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں اور معدے کو فعال رکھتے ہیں۔پودینے کے استعمال سے نہ صرف متلی اور سردرد کا فوری خاتمہ ہوتا ہے بلکہ یہ سانس سے متعلق تمام پیچیدگیوں ، حلق اور پھیپھڑوں کے انفیکشن کو دور کردیتا ہے۔پودینے کا روزانہ استعمال دمے کے مریضوں کیلئے بھی کارآمد ہے۔یہ دن بھر کی تھکن کو دور کرنے

اور آنتوں کی صفائی میں بھی مفید ہے۔ قارئین پودینے میں یقینا بہت سے فوائد موجود ہیں پر جب ماہرین صحت کے حوالے سے ایسی کوئی تحقیق سامنے آتی ہے تو ایک دم خیال آتا ہے کہ ڈاکٹر اور حکیم تو بغیر لیبارٹری ٹیسٹ ایک قدم آگے نہیں چلتے اور ہر مریض کو اُس کی جسمانی اور مرض کی کیفیت کے مطابق میڈیسن دیتے ہیں۔ پھر یہ کون سے ماہرین صحت ہیں جو ایک چیز کو بغیر مرض کی کیفیت دیکھے مفید قرار دے دیتے ہیں ؟ بیان کردہ رپورٹ میں پودینے کو کس مرض میں، کب اور کس حالت میں استعمال کرنا ہے یہ بالکل نہیں بتایا گیا۔ میں نے سر درد کی کیفیت میں پودینے کو کئی طرح سے استعمال کیا پر سر درد جوں کا توں رہا۔ میں طبیب نہیں پر اتنی بات سمجھتا ہوں کہ ہمیں بغیر تشخیص کے کسی بھی چیز کا زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ آج میں آپ کو ایسے طب کے متعلق بتانے جا رہا ہوں جس کے بارے میں میری طرح بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ انقلابی لیڈروں، دھرنوں، جلسوں اور بڑی بڑی تقریروں کے بعد اب پیش ہے انقلابی طب۔ انقلابی لیڈروں کی تو آج تک کوئی سمجھ نہیں آئی پر انقلابی طبیب کے خیالات بہت جلد سمجھ میں آنے والے ہیں اور اُن کا طریقہ علاج بھی قابل اعتبار اور قابل عمل ہے ۔ایسا طریقہ علاج جو ہماری صحت کے حوالے سے درپیش مشکلات کا دیرپا حل بغیر کسی دوا کے فراہم کرتا ہے ۔انقلابی طبیب حکیم محمد ہارون کا بیان کردہ طریقہ علاج قدرتی یعنی کائنات کی تخلیق سے لے کر آج تک جاری ہے ۔ایسا طریقہ علاج جو کبھی پرانا ہوا نہ ہوگا۔ انقلابی طبیب

انسانی صحت میں پیدا ہونے والی کسی بھی خرابی کو مرض نہیں علامت سمجھتے ہیں ۔اُن کا کہنا ہے کہ انسان اپنے مزاج کے حساب سے غذائیں کھائے تو بیماریاں اُس سے 98 فیصد تک دور رہیں گی۔جب اُن سے پوچھا گیا کہ کچھ ایسی غذائیں بتا دیں جو ہر انسان اپنے روز مرہ کھانے میں شامل کر سکے اور وہ بیماروں کے خلاف ڈھال کا کام کریں تو انھوں نے کہا کہ مختلف رنگ و نسل کے لوگ مختلف علاقوں میں بستے ہیں ،ہر علاقے کے موسم کا اپنا مزاج اور آب وہوا ہے، کسی علاقے کے موسم میں خشکی زیادہ ہے تو کسی میں تری، کہیں سردی زیادہ ہوتی ہے اور کہیں گرمی کی شدت زیادہ ہے اور پھر ایک ہی علاقے میں رہنے والے لوگ مختلف مزاج رکھتے ہیں اس لئے کسی بھی غذا کو ہم ہر ایک کیلئے متوازن نہیں کہہ سکتے۔شہر ہو یا گاؤں آج کل ہر فرد خرابی صحت میں مبتلا ہے، مختلف قسم کی دوائیں کھانے کے باوجود خرابی صحت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے یا اُس خرابی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ایسے میں انقلابی طبیب حکیم محمد ہارون کا بیان کردہ غذائی طریقہ اعلاج متاثر کن ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ ضرورت محنت اور لگن کے ساتھ کام کرنے کی ہے غذائی طریقہ علاج دنیا میں انقلاب برپا کر سکتا ہے ۔ہوا (خشکی) آگ (گرمی) پانی تری) اور مٹی (کیلشیم) اللہ تعالی نے انسان کو چار چیزوں سے بنایا ہے اور انہیں چار) چیزوں سے اس کی حیات ہے۔ پھل ،سبزی،اناج،معدنیات،مشروبات یا کھانے پینے کی دیگر چیزیں انسان جو کچھ بھی کھاتا،پیتا ہے تمام غذاؤں کے اندر انھیں چار چیزوں کے اثرات موجود ہوتے ہیں

۔خشکی، گرمی اور رطوبات انسانی جسم میں ان تین چیزوں کا اعتدال پر رہنا صحت جبکہ ان میں سے کسی ایک کا کم یا زیادہ ہونا مرض (بیماری) ہے۔انسانی جسم میں ان تینوں کے مراکز ہیں، ہم روز مرہ جو غذائیں کھاتے ہیں وہ تمام جسم کے اندر رطوبات، خشکی کے اثرات اور حرارت پیدا کرتی ہیں۔جب ہم ان میں سے کوئی ایک تاثیر رکھنے والی غذائیں زیادہ کھاتے ہیں تو وہ تاثیر جسم میں بڑھ جاتی ہے اور دوسری چیزوں کی کمی واقع ہو کر مرض کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ مثال کے طور آئس کریم، کسٹرڈ فرنی، سری پائے، کھیر، سیب کا جوس، دودھ یا دودھ سے بنی غذائیں زیادہ استعمال کی جائیں یا ایسے پھل یا سبزیاں جو رطوبات زیادہ مقدار میں پیدا کرتے ہیں، مثلاً کیلا، گاجر، مولی، کھیرہ یا پھر مکھن اور چاول وغیرہ زیادہ استعمال کریں تو جسم میں رطوبات کی زیادتی اور خشکی کی کمی واقع ہو جاتی ہیں۔جس کی علامات یہ ہیں۔نزلہ، زکام، قے، ہیضہ، کمزوری، بھوک کی کمی، بلڈ پریشر میں کمی۔ بالوں کا گرنا، تھوک کی کثرت پیاس کم لگنا، نیند زیادہ آنا، جسم میں چربی بڑھ جانا، جسم میں سستی اور کاہلی بڑھ جانا، عورتوں میں لیکوریا، پیشاب زیادہ آنا، حیض کم آنا، صبح بستر سے اُٹھنے کو دل نہ کرنا وغیرہ۔ حکیم محمد ہارون کی نظر میں یہ سب علامتیں ہیں بیماریاں نہیں۔وہ کہتے ہیں جو لوگ اپنے جسم میں ایسی علامات محسوس کرتے ہیں وہ اُوپر بیان کردہ غذاؤں میں کمی کرکے یہ چیزیں اپنی غذا میں شامل کرلیں تو بغیر کسی میڈیسن کے جلد اُن کی صحت اچھی ہو جائے گی۔ مربہ آملہ، مربہ تمہ، کشمش، دہی

ترش، دہی بھلے، آلو چھولے، فروٹ چاٹ، انڈا فرائی یا اُبلا، بھنے چنے، چنے کا سالن، بیسنی پکوڑے، شامی کباب، مچھلی، ٹماٹر، کڑھی، گوبھی، لوبیہ

مٹر، بڑا گوشت، کریلے، میتھی، پالک، دال چنا، سلاد میں لیموں، پیاز، سبز مرچ، مصالہ جات میں سرخ مرچ، لونگ، دار چینی، اور انار دانہ۔ قہوہ پتی، لیموں ڈال کر، ترش لسی، کانجی، جوس کینو، انار ترش، آلو بخارہ، ترش آم، ترش انگور، جاپانی پھل، فالسہ لوکاٹ، جامن اور سیب۔ اس لسٹ میں ترش چیزوں کی اکثریت ہے لہٰذا راقم اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسے مریض اُن چیزوں کو کثرت سے کھائیں جن میں ترشی کے اثرات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ راقم کا خیال ہے کہ اچھے معالج کی تشخیص کے بغیر علاج کرنا اپنے آپ سے زیادتی ہے، خاص طور پر بچے، بوڑھے یا زیادہ کمزور افراد کسی بھی صورت میں اپنی مرضی سے میڈیسن نہ کھائیں اور نہ ہی بغیر تشخیص کے اپنی غذاؤں میں کسی چیز کا اضافہ یا کمی کریں۔ اُوپر بیان کردہ مسائل اور اُن کا حل یقیناً قابل اعتبار اور قابل عمل ہے پھر بھی جب تک اچھے معالج سے تشخیص نہ کروالیں بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کا تجربہ نہ کریں:

کامیاب آپریشن

آپریشن کا نام سنتے ہی ہمارے ذہنوں میں فوری طور پر دنیا بھر میں جاری دہشتگردی کے خلاف ہونے والے آپریشنز کا خیال آتا ہے۔حکومتیں اکثر ایسے آپریشنز کی کامیابی کے حوالے سے بیانات بھی جاری کرتیں رہتی ہیں پر دہشتگردی کم ہونے کی بجائے تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔چاروں طرف خوف کا ماحول ہے۔پیشگی اطلاعات موصول ہونے کے باوجود لاہور واہگہ بارڈر پر ہونے والے خود کش بم دھماکے میں 60 سے زائد افراد جان سے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔عرصہ دراز سے پاکستانی علاقوں میں دہشگردوں کے خلاف آپریشنز جاری ہیں،حکومتی ذرائع ہمیشہ اِن آپریشنز کی کامیابی کے گیت گنگناتے رہتے ہیں پر سب فضول۔تیر،تلوار،بندوک،توپ اور میزائل سمیت کسی بھی جان لیوا ہتھیار سے کیا جانے والا آپریشن کسی کی جان کیسے بچا سکتا ہے؟لازم ہے کہ ایسے آپریشنز میں جن کے باپ،بھائی،بہنیں بچے اور دیگر عزیز رشتہ دار مارے جائیں گے وہ انتقام لیں گے۔یعنی جیسا عمل ہوگا ویسا ہی ردعمل آئے گا۔تناؤ بھرے ماحول میں کسی خوش خبری کو فراموش کردینا بہت بڑی حماقت ہوا کرتی ہے اس لیے تکلیف دے خبروں کے ساتھ ایسے کامیاب آپریشنز کی بات کرنا ضروری ہے جو خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں۔الائیڈ ہلتھ پروفیشنلز آرگنائزریشن ،لاہور جنرل ہسپتال لاہور کے سیکرٹری نشرو اشاعت محمد

اکرام نے مجھے بتایا کہ پروفیسر انجم حبیب وہرہ صاحب کی انتھک محنت، لگن اور انتہائی صلاحتوں کی بدولت ایل جی ایچ میں علاج معالجے کی سہولیات دن بدن بہتری کی طرف گامزن ہیں۔پروفیسر انجم حبیب وہرہ، پروفیسر آف نیوروسرجری ڈاکٹر خالد محمود ہمارا قومی سرمایہ ہیں۔قارئین خوشی کی خبر یہ ہے کہ رعشہ اورپٹھوں کے کھچاؤ میں مبتلا مریضوں کو اب علاج کی غرض سے بیرون ملک جانے کی ضرورت نہیں رہی۔پاکستان میں پہلی مرتبہ ڈی بی ایس کے ذریعے دماغ کے اندر توانائی پہنچا کر رعشہ اور پٹھوں کے کھچاؤ کی بیماری کے علاج کیلئے جنرل ہسپتال لاہور میں دو کامیاب آپریشن کئے گئے۔پریس کانفرس کرتے ہوئے پرنسپل پی جی ایم آئی و امیر الدین میڈیکل کالج پروفیسر انجم حبیب وہرہ نے میڈیا کو بتایا کہ جدید آپریشن کرنے والے پاکستانی نوجوان پروفیسر آف نیوروسرجری ڈاکٹر خالد محمود امریکہ اور برطانیہ سے خصوصی تربیت حاصل کر چکے ہیں اور وہ آئندہ بھی جنرل ہسپتال میں ایسے مریضوں کا معائنہ اور علاج کرتے رہیں گے ۔رعشہ اورپٹھوں کے کھچاؤ میں مبتلا افراد کو بیرون ملک جانے کی ضرورت نہیں اب 6 سے 8 گھنٹوں کے طویل جدید آپریشن کی سہولت ایل جی ایچ میں دستیاب ہے۔ترقی یافتہ امریکہ اور برطانیہ میں اس علاج پر تقریباً ایک کروڑ روپے تک خرچ ہوتے ہیں جبکہ پاکستان میں تقریباً 20 لاکھ میں علاج کیا جائے گا،انہوں نے میڈیا کو بتایا کہ DBS کے آپریشن میں استعمال ہونے والے طبّی آلات کیلئے حکومت پنجاب نے 5 کروڑ روپے فراہم کئے۔راقم اس کامیابی پر حکومت

پنجاب ،پروفیسر ڈاکٹر خالد محمواور پروفیسر انجم حبیب وہرہ سمیت اُن کی پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔کاش اس خوشخبری کے ساتھ یہ خبر بھی شامل ہو جاتی کہ اب صدر، وزیر اور مشیر بھی عوام کی طرح اپنا علاج پاکستان میں کروایا کریں گے تو خوشی دوبالا ہو جاتی۔انسانیت کی خدمت کرنے والے ڈاکٹرز کو مسیحا بھی کہا جاتا ہے پر جب یہی مسیحا چور بن جائیں تو کیا کیا جائے؟ایک اور خبر کے مطابق لاہور کے علاقہ چوہنگ میں پولیس نے گردہ فرشوں کا گرو گرفتار کرلیا ہے جس میں 2 سرجن ڈاکٹر بھی شامل ہیں ۔شاہ پور کانجراں کی رہائشی عائشہ نامی خاتوں نے تھانہ چوہنگ میں پولیس کو بتایا کہ کچھ نامعلوم افراد نے اُسے اغواکے بعد بے ہوش کرکے اُس کا گردہ نکال لیا ہے ،خاتون کی شکایت پر کارروائی کرتے ہوئے پولیس نے چھاپہ مار کر گردہ فروش گرو جس میں ماڈل ٹاؤن کے رہائشی سرجن ڈاکٹر ثنا اللہ ،ڈاکٹر عمران حسان سمیت ملزم یٰسین اور امجد شامل ہیں کو گرفتار کرلیا۔پولیس کے مطابق ملزم لوگوں کو نشہ آور اشیا کھلاکر اغواکرتے جس کے بعد اُن کے گردے نکال کر چھوڑ دیتے تھے۔ایک طرف ڈاکٹرز انسانیت کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کررہے ہیں تو دوسری جانب یہی مسیحا گردہ چوری میں جاہلوں کا ساتھ دیکر مسیحا کی مسیحائی پر سوالیانشان لگا رہے ہیں ۔مریض کی جان بچانے کیلئے ڈاکٹرزیادہ تر آپریشنز بے ہوشی کی حالت میں کرتے ہیں ۔اُس وقت ڈاکٹرز، مریض اور میڈیکل سٹاف کے علاوہ آپریشن تھیٹر میں کوئی موجود نہیں ہوتا تو کیااب آپریشن تھیٹر میں بھی سکورٹی گارڈ

ساتھ رکھنا پڑیں گے۔ہم جس مسیحا کو اپنے پیاروں کے جسم کاٹ کر آپریشن کرنے کی اجازت دیتے ہیں اُنھیں پر سے اعتبار اُٹھ گیا تو پھر جان بچانے کا کام کون کرے گا؟
حکومت وقت کو چاہئے کہ اس قسم کے انسانیت سوز واقعات سے بچنے کیلئے اس معاملے کی تہہ تک جائے اور معلوم کرے کہ آخر وہ کون سی وجوہات ہیں جنھوں نے ڈاکٹرز حضرات کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ جرائم پیشہ عناصر کے ساتھ مل کر لوگوں کے گردے چوری کرنے لگے؟یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آکر کم پڑھے لکھے اور بے ہنر افراد جرائم کی طرف راغب ہوجاتے ہیں پر ڈاکٹر بننے کے بعد چوری حکومت اور ترقی یافتہ معاشرے کے منہ پر ایسا زور دار تمانچہ ہے جس کی گونج صدیوں سنائی دیتی رہے گی۔آج کا طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ڈاکٹر بن کر بھی چوریاں ہی کرنی ہیں تو 30 سال ضائع کرنے کا کیا فائدہ ؟چور تو اَن پڑھ لوگ بھی بن جاتے ہیں پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے کیا حاصل ؟اللہ کرے یہ خبر غلط ثابت ہو کہ گردہ فروشی کے جرم میں گرفتار ہونے والے ملزمان میں ڈاکٹرز بھی شامل ہیں۔ شامل ہیں تو اللہ کرے ڈاکٹرز حضرات بے گناہ ثابت ہو جائیں تاکہ انسانیت کا اپنے مسیحا پر اعتبار قائم رہے اور وہ وقت بھی جلد آئے جب حکمران طبقہ بھی عوام کے ساتھ اپنے وطن میں علاج معالجہ کروائے۔یا اللہ میرے وطن میں ایسے ڈاکٹرز پیدا ہوں جو ترقی یافتہ ممالک کے حکمرانوں کو علاج کی غرض سے پاکستان آنے پر مجبور کر دیں۔اللہ کرے کہ رعشہ اور پٹھوں کے کھچاؤ کی بیماری کے علاج کیلئے

جنرل ہسپتال لاہور میں ہونے والے دو کامیاب آپریشنز کی طرح دہشتگردی کے خلاف ہونے والے آپریشنز بھی کامیاب ہوں اور دنیا بھر سے دہشتگری کا خاتمہ ہو جائے اور ہر ایک کو ایسا باعزت روزگار میسر آئے کہ پھر کسی کو بھی چوری چکاری یا خود کش بمبار بننے کی ضرورت ہی نہ رہے (آمین)

ترس

بچپن سے علماء کرام سے سنتے آئے ہیں کہ سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمت کیلئے بہت دُعائیں فرمائی حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو زبان پہ جاری تھا یا اللہ میری اُمت کو بخش دے،جب آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا اُس وقت بھی اُمت ہی کی فکر تھی۔جہاں بھی ذکر آیا اُمتی ہی کا آیا۔میں نے کہیں بھی یہ نہیں سنا،پڑھا کہ آپ ﷺ نے اپنے عاشق کیلئے بخشش کی دُعا فرمائی ہو۔مطلب صاف ہے کہ اُمتی سے غلطی یا غفلت ہو سکتی ہے پر عاشق رسول ﷺ غلطی یا غفلت کرنے سے آزاد ہیں یا یہ راز اللہ تعالیٰ،رسول اللہ ﷺ اور عاشق کا معاملہ ہے۔راقم یہ بات ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ ہم سب عاشق رسول ﷺ ہیں پر اُمتی نہیں۔ہم سب اُمتی ہیں۔عاشق رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ تو کیا خاکسار تو عاشق رسول ﷺ کے بلند مقام کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔عاشق کون ہے یہ بات اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔یہودی کو اپنا محسن تسلیم کرنے والے اس سماجی مسلمان کی رائے سے ایک بار پھر اختلاف کرنے جارہا ہوں جس کا کہنا تھا کہ ایک یہودی نے اُسے دو فقروں میں پورا اسلام سمجھا دیا۔اپنے مذہب پر ترس کھانے والے اس ''پرماتما'' کے مطابق ہم سب عاشق رسول ﷺ ہیں پر اُمتی نہیں۔کبھی اپنے مذہب کو مظلوم پکار کر ترس کھاتا ہے تو کبھی کہتا ہے کہ فتح شام سے پہلے اسلام میں طب اور فروغ تعلیم کا تصور

نہیں تھا۔مذہب اسلام مظلوم نہیں بلکہ انسان اسلام سے دوری کی وجہ سے گمراہ ہو کر اپنی تباہی کا انتظام کر چکا ہے۔یہودیوں اور عیسائیوں میں کوئی نبوت کا دعویٰ اس لئے نہیں کرتا کیونکہ اسلام کے پیروکار اس قسم کی سازش نہیں کرتے۔ترس کھانے والے ''پرماتما'' کا یہ کہنا سچ ہے کہ یہودیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی دوسرا موسیٰ پیدا نہیں ہوا،اور یہ بھی سچ ہے کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی دوسرا عیسیٰ نہیں آیا،یہ بھی مان لیا کہ مسلمانوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی نبوت کا جھوٹا دعویدار پیدا ہو جاتا ہے۔شاید ''ترس کھانے والا ''پرماتما'' یہ بات بھول گیا کہ مسلمانوں تو کیا پوری کائنات میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ سے پہلے یا بعد میں کبھی کوئی محمد ﷺ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ ختم نبوت کے بعد کبھی کسی مسلمان نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ مخالفین اسلام یہودیوں نے سازش کے تحت مسلمانوں کا روپ دھار کر جعلی اعلان نبوت کیا۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں معمولی دنیا کو خرید لیا تو نہ ان پر عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی (سورۃ البقرہ آیت نمبر 86) سراسر غلط ہے کہ کوئی بدبخت اسلام پر ظلم کرنے کا اہل ہوا ہے یا ہو سکتا ہے۔جو ظلم کرتا ہے وہ اصل میں اپنی جان پر ہی کرتا ہے۔انسان کی اتنی اُوقات نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین اسلام پر ترس کھا سکے۔کیونکہ ترس ہمیشہ اپنے سے کمزور اور محتاج پر کھایا جاتا ہے۔اسلام

نہ تو دنیا کی کسی طاقت سے کمزور ہے اور نہ ہی کسی کا محتاج ہے۔اسلام تو اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔کوئی یہ کہے کہ وہ مسلمان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ مجھے کبھی کبھی اپنے مذہب پر ترس آتا ہے (یعنی اسلام پر) اُسے اپنی حالت ایمان پر غور کر لینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتا وہ بارگاہ الٰہی میں بہت مقبول مسلمان ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ بظاہر کسی یہودی یا عیسائی کا کردار آج کے بھٹکے ہوئے مسلمان سے بہتر ہو لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میرا مذہب مظلوم ہے۔ہاں یہ بات سچ ہے کہ میں اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اپنے مذہب کے راستے سے بھٹک کر ظالموں کے ہتھے چڑھ چکا ہوں۔پھر بھی ابھی اتنا نہیں بھٹکا کہ یہودیوں کی باتوں میں آکر اپنے مذہب کو مظلوم یا مترس کہوں۔کیونکہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔اللہ تعالیٰ لاریب کتاب کے اندر ارشاد فرماتا ہے کہ ''اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے ہیں ،بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں'' ترس کھانے والے ''پرماتما'' تیرا مسلمان ہوتے ہوئے اپنے مذہب اسلام پر ترس آنے کی بات کرنا بڑا عجیب لگا۔میری معلومات کے مطابق نہ تو اسلام کو کسی انسان سے کوئی مفاد حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی انسان اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان کرنے کے قابل ہے۔محتاج ،کمزور اور ناتواں انسان اپنی سانس پر قادر نہیں اور بات کرتا ہے کہ مجھے اپنے مذہب (یعنی اللہ کے دین) پر ترس آتا ہے۔ترس کھانے والے ''پرماتما'' تو پہلے

یہ بتا کہ تُو کیا دے سکتا ہے اسلام کو ؟ تیرے ہر موضوع پر بات کرتے ہوئے یہودیوں اور عیسائیوں کی تعریف کے بعد مسلمانوں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنے کے پیچھے راز کیا ہے ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر ارشاد فرماتا ہے کہ ''وہ جو کافر ہیں کتابی یعنی یہود ونصاریٰ) یا مشرق ، وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اُترے ، تمہارے رب) کے پاس سے ،اوراللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے ،اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ' (سورۃ البقرہ،آیت نمبر 105)اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد ایک مسلمان کس طرح کسی یہودی کو اپنا محسن تسلیم کرنے کی جرات کر سکتا ہے ؟جہاں تک تعریف کی بات ہے جو مسلمان ہی نہیں اُس کی تعریف کیسی ؟کیا اللہ تعالیٰ کے دین کا باغی قابل تعریف ہو سکتا ہے ؟ہر گز نہیں اگر وہ اچھا بھی بن کر دیکھائے تو بھی اُس کا مقصد یقینا سازش ہوگا۔ کبھی مسلمانوں کی تشدد پسندی پر پی ایچ ڈی کرنے والے یہودی کو یہ کہہ کر کہ اُس نے مجھے دو فقروں میں پورا اسلام سمجھا دیااور کبھی کسی یہودی کو اپنا رہنماء بتا کر کیا ثابت کرنا چاہتا ہے ترس کھانے والا ''پرماتما'' ؟ علماء اسلام کے خلاف آگ اُگلنے اور یہودیوں ، عیسائیوں کو اپنی گفتگو میں حسن کردار کا نمونہ بنا کر پیش کرنے کا مقصد کیا ہے ؟حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی قوم میں اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آیا یہ کس دلیل کی بنا پر فرمادیا تو نے ؟اگر یہودی اتنے فرمابردار تھے اپنے نبی کے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے اللہ تعالیٰ سے اُن کیلئے عذاب کیوں طلب کیا؟کیا

یہودیوں اور عیسائیوں میں کبھی کسی فتنے نے جنم نہیں لیا؟ اگر موسیٰ علیہ اسلام کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا تو پھر اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کا اعلان کیوں نہ کیا ؟ترس کھانے والے ''پرماتما'' سن لے مسلمانوں کے نبی حضرت محمد ﷺ صرف مسلمانوں کیلئے نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام کی قوموں کے ساتھ ساتھ دیگر تمام مخلوقات کیلئے رحمت بن کر آئے۔ میرا ایمان ہے جو کوئی بھی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی محمد ﷺ یا آپ ﷺ کی اُمت کیلئے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمانین اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اپنی زندگی میں عملی طور پر اپناتے ہوئے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہودی چاہے کتنے بھی اچھے بن جائیں وہ مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے :

معیارِ تعلیم

سرکار دو عالم حضرت محمدؐ کی اس حدیث مبارکہ ہے ''علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے'' اور اسلام میں علم سیکھنے والے پر فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے علم کی روشنی دوسروں تک لازمی پہنچائے تاکہ علم کہیں ایک جگہ ساکت نہ ہو جائے۔آج ہمیں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم علمی میدان میں دنیا سے پیچھے کیوں ہیں ؟ کیا وجہ ہے جو ہم تمام تر کوششوں کے باوجود ترقی نہیں کر سکے ؟آج پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے۔قدرت نے پاک سرزمین کو ہر طرح کے وسائل سے مالامال کیا ہے پھر بھی ہم بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔بیرونی قرضوں نے ہماری آنے والی نسلوں کو بھی اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے علم وہنر کی قدر نہیں کی ؟ترقی وبہتر مستقبل کے دعوے کرنے والے حکمرانوں کی عملی سنجیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک میں معیار تعلیم کی حالت کیسی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ملک میں معیار تعلیم دن بدن گرتا ہی جارہا ہے جبکہ ہم صرف دعوے کئے جارہے ہیں۔ شعبہ تعلیم کے حوالے سے خدمات سرانجام دینے والی تنظیم 'الف اعلان' نے ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ پاکستان میں اڑھائی کروڑ بچے حصول تعلیم کے حق سے محروم ہیں۔ان بچوں میں 50 فیصد سے زائد کا تعلق پاکستان کے قدرے خوشحال صوبہ پنجاب سے ہے۔پاکستان میں 5 سے 16 سال کی عمر کے

بچوں کی تعداد تقریباً 5 کروڑ 30 ہے۔ جن میں سے 70 لاکھ کے قریب بچے سکول جاتے ہیں۔ جبکہ باقی ماندہ سکول جانے سے محروم ہیں۔ سکول جانے والے بچوں میں زیادہ ترریاستی اداروں میں زیر تعلیم ہیں جبکہ ایک بڑھتی ہوئی تعداد نجی سکولوں اور مدرسوں پڑھ رہی ہے۔اس رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ تقریباً اڑھائی کروڑ بچے سرکاری نجی سکولوں یا مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔رپورٹ میں پنجاب کو، فوکس کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ صوبے میں گزشتہ کئی دہائیوں سے پالیسی، فنڈز اور توجہ کا فقدان ہے۔ موجودہ دور حکومت میں حالات قدرے بہتر ہیں تاہم اعداد و شمار کے مطابق ایک کروڑ سے زائد بچے سکولوں اور مدرسوں سے باہر ہیں۔ان بچوں میں اکثریت اُن بچوں کی ہے جن کی عمریں 9 سے 10 سال تک ہیں ،ایسے بچے جو پرائمری تک تعلیم کا وقت گلیوں ، محلوں میں کھیل ، کود کر ضائع کر چکے ہیں یا پھر کسی ورکشاپ، ہوٹل، بھٹے ،کارخانے اور دیگر کاموں میں صرف چکے ہیں۔پاکستان میں 2 کروڑ بچے جو آج حصول تعلیم سے محروم ہیں یہ سکولوں اور مدرسوں میں پڑھتے تو سوچیں 20 سال بعد ان میں سے کتنے، ٹیچرز،

فوجی،ڈاکٹرز،انجینئرز،پائلٹز،ججز،وکیل، صحافی،بزنس مین بن کر ملکی ترقی وخوشحالی میں اپنا فعال کردار کرتے ؟اور پھر ایک پڑھی لکھی نسل اپنا علم وہنر آنے والی نسلوں میں منتقل کرتی تو مستقبل روشن تر ہو جاتا۔اب کیا ہو سکتا ہے یہ اڑھائی کروڑ بچے ساری زندگی کسی ورکشاپ ،کارخانے، ہوٹل یا بھٹے کے مقروض رہیں گے ۔پریشانیاں بیماریاں اور حادثے ان،

کا مقدر رہیں گے اور ذہنی طور پر مفلوج نسل ڈیپریشن زدہ نسل کو جنم دے گی۔ بچوں کے سکول نہ جانے کی سب سے بڑی وجہ حکومتی عدم توجہ ہے جسے ہم نااہلی بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسری وجہ غربت ہے جس کا دوسرا نام مہنگائی بھی ہے۔ تیسری بڑی وجہ شعور کی کمی ہے۔ دورحاضر میں کم آمدنی والے والدین کے لئے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا جارہا ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ مہنگائی کا پہاڑ کے ۔ ٹو پہاڑ سے بھی بلند ہو چکا ہے۔ سرکاری وغیر سرکاری چھوٹے ملازمین کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ بارہ پندرہ ہزار ہے۔یوں تو غریب آدمی کے لئے بارہ سے پندرہ ہزار بھی بہت بڑی رقم ہے پر جب اشیاء خوردونوش کی قیمتوں کے مطابق ضروریات زندگی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس رقم کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ روز مرہ کی ضرورتوں کے لئے بارہ سے پندرہ ہزار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ سات سے دس ہزار بجلی اور گیس کے بل آجاتے ہیں ۔اب جس گھر میں دو بڑھے اور دو بچے ہوں تو اس گھر کو کم از کم ایک کلو دودھ کی ضرورت تو ضرور ہوتی ہے ۔لاہور میں ایک کلو دودھ کی قیمت 75 روپے ہے اس حساب سے 2250 روپے ماہانہ بنتے ہیں ۔اب بارہ سے پندرہ ہزار کمانے والے کے پاس بچیں گے باقی قرضہ جات ۔ مہینے بھر کے لئے
آٹا، دال، سبزی، گھی، نمک، مرچ، تیل وغیرہ وغیرہ ہی پورے کرنے کیلئے قرض اُٹھانا پڑتا ہے۔ان حالات میں جب کہ بیچارہ غریب آدمی اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال پاتا تو پھر اس کے بچے کو تعلیم کی سہولت کہاں سے میسر آئے گی ۔ حکمران

وعوام یہ تسلیم کریں کہ پاکستان میں تعلیمی پسماندگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہوچکا ہے اور جلد از جلد ایسی قومی پالیساں مرتب کی جائیں جو شرح خواندگی میں تیزی کے ساتھ اضافہ کا سبب بنیں۔ شہر ہو یا گاؤں ہر بچہ سکول جانا چاہئے۔ حصول تعلیم کیلئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ تعلیمی اداروں سے کرپشن کا خاتمہ کیا جائے۔ میرے خیال میں حقیقی جمہوریت اس وقت تک دیوانے کا خواب رہے گی جب تک عوام تعلیم یافتہ اور باشعور نہیں ہوجاتے اس لئے تعلیم کو الیکشن اور جمہوریت سے زیادہ اہمیت دی جائے۔

خیر کا پیغام

انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی خیر وشر کی جنگ نے سر اُٹھا لیا جو آج تک جاری ہے ۔صحافت ہمیشہ سے خیر کی نمائندگی کرتی آرہی ہے ۔سچ کے حصول اور اشاعت کیلئے ہر قسم کے دباؤ کو کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا۔شر نے ہمیشہ دنیا میں جہالت پھیلائی اور صحافت نے ہمیشہ علم کی روشنی سے معاشرے کو روشن کیا اور معاشرتی بُرائیوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔صحافت کی اسی کوشش کو اہل شعور قلمی جہاد کا نام دیتے ہیں ۔خیر کا پیغام عوام تک پہچانے کیلئے ہمیں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہمیشہ مدد ملتی ہے ۔خیر کا جو پیغام آپ ﷺ نے دنیا کو دیا اُس کی مثال نہیں ملتی ۔ضرورت اس امر کی کہ ہم قرآن کریم ،احدیث نبی ﷺ اورآپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے فائدہ حاصل کریں۔رسول اللہ ﷺ نے خطبۃ الوداع دیتے ہوئے فرمایا'' لوگومیں جو کہوں سن لو، گو مجھے معلوم نہیں لیکن ممکن ہے کہ اس حج کے بعد پھر میں تم سے یہاں نہ مل سکوں۔لوگو جس طرح یہ دن ،یہ مہینہ اور یہ مقام محترم ہے اسی طرح جب تک تم زندہ ہو تمہاری جانیں، تمہاری عزتیں اور تمہارے مال بھی باہم ایک دوسرے پر حرام ہیں۔عنقریب تم اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جاؤگے اور وہ تمہارے اعمال کی بابت بازپرس کرے گا، خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، جاہلیت کی ہربات میں اپنے پاؤں پامال کرتا

ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں،بڑائی کا معیار نیکی اور خوف خُدا ہے تم سب اُولاد آدمؑ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے ،سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں،لوگو میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ،جب تک انہیں تھامے، رہوگے،ہرگز گمراہ نہیں ہوگے،وہ چیزیں کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سُنت ہے"قارئین محترم فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہمیں اپنی زندگی اور معاشرے کو گمراہی سے بچانے کیلئے جن دو چیزوں کو تھامے رکھنا تھا بدقسمتی سے ہم نے اُن سے دوری اختیار کرلی ہے۔یہاں تھامے رکھنے کامطلب ہرگز یہ نہیں تھاکہ پکڑے رکھنا بلکہ کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھ کر حرام سے ٹھیک اُسی طرح کنارا کرنے کا حکم ہے جس طرح فرمادیا گیا۔سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد یہ بات واضع ہو گئی ہے کہ ہمیں نہ صرف ایک دوسرے کی غلطی کو معاف کرنا ہے بلکہ ایک دوسرے کا خیال بھی رکھنا ہے۔اگر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی دشمن کو بھی بدعُانہ دے کر ہمارے لئے ایسی مثال قائم کی جسے ہم پوری کوشش کے بعد بھی فراموش نہیں کرسکتے۔فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے،کیونکہ وہ نہیں جانتے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اسلام کا بدترین دشمن تھا،جب وہ فوت ہوا تو رسول اللہ" ﷺ نے اُس کے حق میں دعائے مغفرت

کی اور اپنی قمیض مبارک عنایت فرمائی ۔اُس کی سرکشی اور منافقت کے سبب اسے فائدہ نہ ہوالیکن اُس کے قبیلے کے سینکڑوں افراد نے آپ ﷺ کی رحم دلی کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی اُمت سے پہلے نبیوں کی امتوں کو اُن کی نافرمانی اور سرکشی کے سبب مختلف عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔کسی قوم کی صورت مسخ کردی گئی ، کسی کی بستی کو اُلٹ دیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش کی گئی اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تو اپنی مسلسل نافرمانیوں اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پانی کے عظیم طوفان (عذاب) کی نذر ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ گئی لیکن میں قربان جاؤں اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان پر جن کی برکت سے کفار مکہ جو انتہائی سرکش اور نافرمان تھے پھر بھی عذاب عظیم سے محفوظ رہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''اور اللہ ہر گز اُن پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں'' بددعا ایسا ہتھیار ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یعنی بد دعا دینے میں ہر انسان خود کفیل ہے۔ہم اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غصے کی حالت میں ہر انسان کے پاس ایک ہتھیار ہر وقت موجود ہوتا ہے اور وہ ہے بدُعا۔دور حاضر میں اس ہتھیار کا زیادہ تر استعمال کمزور یعنی غریب لوگ کرتے ہیں لیکن امیر اور طاقت ور بھی دل کھول کر اس ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں ۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء نے اپنی قوموں کی

نافرمانیوں سے تنگ آ کر اسی ہتھیار کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوموں کے حق میں بدُعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن قوموں کو عظیم عذابوں کی نظر کر دیا۔ دشمن کے حق میں بدُعا کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے لیکن میں ایک بار پھر قربان جاؤں اپنے نبی کریم ﷺ کی نرم دلی پر۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود رسول اللہ ﷺ پر کفار نے جو مظالم ڈھائے تھے اُن کا ذکر سن کر آج بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اسی زمانہ میں ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول ﷺ دشمنوں کے حق میں بدُعا فرمایئے۔ یہ بات سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک مرتبہ ایک سے زیادہ صحابہ نے اسی قسم کی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں دنیا کیلئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جنگ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے، تلواریں چلائیں، تیر برسائے، دندان مبارک شہید ہوئے، جبینِ اقدس کو خون سے رنگ دیا گیا لیکن پھر بھی حضور اکرم ﷺ نے دشمنوں کے حق میں بدُعا نہیں کی بلکہ یہ دُعا فرمائی'' اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ وہ نہیں جانتے'' قارئین محترم ہمیں بھی سُنت نبوی ﷺ کو اپناتے ہوئے درگزر اور تحمل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ دشمن ہمیں آپس میں اُلجھا کر ہماری صفوں کا اتحاد برباد کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں آپس میں اتحاد قائم رکھ کر تمام دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے تاکہ ملک میں امن وامان قائم ہو پائے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی اپیل پڑھ کر خوشی ہوئی جس میں انہوں نے قوم سے کہا ہے

کہ راولپنڈی میں ہونے والے واقعہ پر ہر پاکستانی دکھی اور غمزدہ ہے۔اس واقعے میں ملوث افراد پاکستان اور اسلام دونوں کے دشمن ہیں۔

سودی نظام کب تک؟

بہت دنوں سے ذہن میں سود کے حوالے سے کچھ سوالات گردش کر رہے تھے جو اپنے ملک کی اسلامی خاص طور پر سیاست میں حصہ لینے اور حکومتوں میں شامل رہنے والی اسلامی جماعتوں کے امیروں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا تھا۔ علم و عمل کی کمی کی وجہ سے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ سودی لین دین کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) سختی سے ہر قسم کے حرام سے دور رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔ میں سود کے خلاف پہلے بھی قلم اُٹھا چکا ہوں آج میں اپنے علماء کرام کی خدمت میں کچھ اہم سوالات پیش کرنے کی جسارت کروں گا۔ سود کے خلاف متعلق کچھ کھری اور سچی دلیلیں پیش کروں گا ”نبی کریم ﷺ نے سود کے حرام ہونے کے حوالے سے فرمایا کہ یہ قانون پوری انسانیت کی تعمیر واصلاح اور فلاح کے لئے ہے۔ لہٰذا اس کا اطلاق نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں پر بھی ہوگا۔ نبی کریمؐ کے اس فرمان کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک جرم بن گیا ہے۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے نبی کریمؐ نے اُن کو اپنے اعمال کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ اب وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو اُن کے خلاف جنگ کی جائے گی ”یعنی سرکار دو عالم ﷺ نے سود کا

لین دین کرنے والوں کے خلاف اعلان جہاد (جنگ) فرما کر یہ بات واضح کردی کہ سود کا کاروبار کرنے والے اللہ تعالیٰ اور اُس کے دین کے دشمن ہیں۔ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت میں اندرونی خود مختاری دی گئی تو معاہدہ میں تصریح کر دی گئی کہ سودی کاروبار کروگے تو معاہدہ ختم ہوجائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہوجائے گی۔ سرکار دو عالمؐ نے جب اہل طائف کے ساتھ معاہدہ امن کیا تو سودی لین دین کے خاتمے کی شرط لگائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ جو شخص اسلامی مملکت میں سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اُس کی گردن اُڑادے۔" مختصر کہ سودی لین دین کرنے والوں اور اُن کے نظام حکومت کے خلاف اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ نے اعلان جنگ کیا ہے۔ میرا پاکستان کے تمام علماء خاص طور پر مولانا فضل الرحمٰن مفکر و شیخ اسلام مولانا طاہرالقادری، سید منور حسن، سراج الحق اور دیگر غیر سیاسی علماء، کرام کی خدمت میں یہ سوال ہے کہ سود کے خلاف خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب ﷺ نے اعلان جنگ کر رکھا ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کو ماننے والے سودی نظام کا حصہ اس قدر خاموشی سے کس طرح بن سکتے ہیں؟ جب ہماری حکومتیں آئی ایم ایف سے سود پر قرض لیتی اور اپنے ملک کے نوجوانوں کو سود پر قرض دیتی ہیں تو ہم مسلمان اور اہل علم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کیوں نہیں کرتے؟ آخر وہ کون سی

مجبوری ہے جس نے علماء کرام کو سودی نظام کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک رکھا ہے ؟آخر وہ کون سی زنجیریں ہیں جنھوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے ہیں؟ کیوں ہم اُن لوگوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں جن کا جینا مرنا،اُوڑھنا بچھونا ، کھانا پینا ، سونا جاگنا یہاں تک کہ ہر عمل سودی نظام میں لت پتھ ہے ؟ ہمارے علماء کرام نے کوئی نیا اسلام دریافت کرلیا ہے جس میں سود کو حرام کی بجائے حلال ہونے کا شرف حاصل ہے تو پھر علماء قوم کو اُس دین سے آگاہ کیوں نہیں کرتے ؟اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ لڑنے والوں کے ساتھ سودی نظام میں رہتے ہوئے کوئی امن معاہدہ طے پاچکا ہے تو پھر علماء صاحبان صاف صاف کیوں نہیں بتادیتے کہ اب سود اُس قدر حرام نہیں رہا۔مجھے لگتا ہے کہ اپنے سوالات کو مزید الفاظ دینے کی کوشش کروں گا تو ممکن ہے گمراہی کی حدوں سے گزر جاؤں اس لئے میں آج علماء کرام اور خاص طور پر مولانا فضل الرحمٰن ، مفکر و شیخ اسلام مولانا طاہرالقادری ، سید منور حسن اور دیگر تمام علماء کرام کی خدمت میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ سوال رکھتا ہوں کہ سرعام سود کا نظام چل رہا ہے ہم کب اللہ اوراللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق اس نظام حرام کے خلاف اعلان جنگ کریں گے ؟ کب تک ہم حرام کھانے کے بہانے تلاش کرتے رہیں گے ؟کب تک اس ظلم کے نظام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے ؟ علماء کرام سے سنا ہے کہ جو مسلمان غلطی سے (بے خبری میں)حرام کھالے بارگاہ الٰہی میں 40روز تک اُس کی دعا قبول نہیں ہوتی یعنی بے خبری میں حرام کھانے والا

مسلمان 40 روز تک بارگاہ الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔ ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ حرام نہ کھانے والے مسلمان کی جائز دعا بارگاہ الٰہی میں کبھی رد نہیں ہوتی۔ قارئین محترم ذرہ غور کریں بے خبری میں حرام کھانے سے انسان اپنے رب کی بارگاہ سے دور کر دیا جاتا ہے تو پھر جان بوجھ کر روزانہ حرام کھانے والوں کا کیا حال ہوگا؟ پوری کی پوری قوم نظام حرام کی دلدل میں سر سے پاؤں تک ڈوب چکی ہو، چاروں اطراف سودی لین دین جاری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی نافرمانی اور جنگ لڑے تو اُس قوم کو ذلیل و رسوا ہونے سے کون بچا سکتا ہے؟ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتا ہے؟ کون ہے جو ہمیں حرام کھانے کے باوجود بارگاہ الٰہی میں مقبول کر دے؟ کون ہے جو اس جنگ میں ہمارے لئے فتح کا انتظام کرے گا؟ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ہر نقصان کی ذمہ داری فوری طور پر امریکہ یا کسی اور ملک پر عائد کر دیتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ اور اُسکے نبی کریمؐ کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ جس کا چاہے ذکر بلند کرتا اور جسے چاہے عزت عطا فرماتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذکر بلند فرماتا ہے تو مخلوق بھی اُن سے فیض یاب ہوتی ہے۔ محنت یا اعمال کا معاملہ اور بات ہے اور رحمت الٰہی کا اور۔ میرے ،آپ کے اعمال اور محنتوں کا شمار ممکن ہے جبکہ رب تعالیٰ کی رحمت کی کوئی حد نہیں ۔ پیرو مرشد کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتا ہے تو پھر دنیا و آخرت کی کوئی منزل مشکل نہیں رہتی ۔ پیرو مرشد کی زندگی کے متعلق مضمون پیر سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست پڑھ کر ایک نقطہ سمجھنے کی کوشش کرتے کرتے یہ وقت آگیا ہے کہ نقطہ بیان کررہا ہوں۔ نقطہ بیان کرنے سے پہلے آپ کو مضمون میں تحریر واقعات کا انتہائی مختصر تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہوں۔ نمبر1 بچپن میں جھولے سے غائب ہونا 2 جسم کے عضاء کا علیحدہ علیحدہ ہونا 3 عالم مجذوبی کے دور کے واقعات 4 وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کے والد اور والدہ کی دُعا کی درخواست 5 کاغذ کے ٹکڑوں کا کرنسی نوٹ بن جانا 6 عبدالغنی چشتی سرکار سے ملاقات 7 محترمہ بے نظیر بھٹو کی دُعا کی درخواست 8 سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے صدر بننے کی پیشین گوئی 9 سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی موت کی پیشنگوئی 10 والدہ محترمہ کی دُعا 11 بابا جی محمد علی مست سرکار سے ملاقات 12 آپ

کے مرشد عبدالغنی چشتی سرکار کا دنیا سے پردہ کرنا13 بابا جی محمد یوسف سائیں سے ملاقات14 پیر صابر علی شاہ سے ملاقات15 پرویز نام کے بارے میں تحقیق16 ناپاک نظریں اور لقمہ حلال17 سودی نظام کے خاتمے کا میاں محمد شریف کا وعدہ18 ڈاکٹر کا مردے کو زندہ دیکھ کر دماغی توازن کھو دینا19 سابق وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کو وزیراعظم بننے کی پیشنگوئی20 سید سلامت علی شاہ المعروف چھتری والی سرکار سے گفتگو21 پیر سعید میاں شاہ کے آستانے پر امامت22 بچے کے سر پر زخم کا نشان نہ ہونا اقبال سائیں المعروف محبت سائیں کا نظر سے درخت کو ہلانا24 ڈاکٹر کا ہاتھ ملاتے 23 ہی کرنٹ لگنا25 حضرت خواجہ اُویس قرنیؓ کے آستانے کے لئے جگہ 26 سابق آئی جی پنجاب حاجی حبیب الرحمٰن سے ملاقات 27 شہد کی مکھی کا آپ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لینا میرے ذاتی نقطہ نظر میں بہت سے تضادات کی گنجائش موجود ہے پر جو نقطہ آج بیان'' کرنے جارہا ہوں وہ ذاتی نہیں عطائی ہے اِس لئے شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔قدرت کے کارخانے میں لاتعداد حقائق اور نقطے موجود ہیں۔دنیاوی حقائق کو سمجھنے والے صرف دنیاکے ہوکے رہ جاتے ہیں جبکہ روحانی نقطوں کی سمجھ بوجھ عطا ہو جانے پر انسان دنیاوی معاملات کے ساتھ وہ کچھ دیکھ ، سن ،بول ، سمجھ اور سمجھا سکتا ہے جو دنیاوی حقائق کی چھان بین کرنے والے صدیوں تک نہیں سمجھ پاتے ۔اس حقیقت کو چند الفاظ میں بیان کیا جائے تو کچھ یوں کہا جاسکتا ہے نقطہ وہی جو سمجھ آجائے ۔پیرومرشد کی زندگی کے موضوع پر رضا بھائی کا تحریر کردہ مضمون پیر سید

عرفان احمد شاہ المعروف ننگامست راقم مہینوں گزر جانے کے باوجود پورا نہیں پڑھ سکا۔جب بھی پڑھنا شروع کرتا ہوں دل ودماغ کے ساتھ ساتھ روح بھی اس ایک نقطے میں اٹک جاتے ہیں کہ جب پیرومرشد کے ماں جی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو صرف ساڑھے تین سال کی عمر میں لا محدود مدت کیلئے درگاہ سید علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا حضور دربار پر یہ سمجھا کر چھوڑا کہ آپ کو اللہ، رسول اللہ ﷺ اور صالحین کے سپرد کرتی ہوں اُس وقت اُن کے حوصلے کا عالم کیا ہوگا؟ماں جی کے حکم کی تعمیل میں ساڑھے تین سال کی عمر کا معصوم بچہ اپنی ماں کے پیچھے نہیں بھاگتا، واویلا نہیں کرتا، خاموشی کے ساتھ اُسی مقام پر تھم جاتا ہے جس پر ماں جی نے حکم فرمایا۔یہ بھی کسی عام بچے کے بس کی بات نہیں ۔یقیناایسا حوصلہ عام ماں بیٹا نہیں دیکھا سکتے ۔آپ کی والدہ محترمہ اور آپ کامقام امتحان دیکھ یہ نقطہ صاف صاف سمجھ آگیا کہ ایسی بے مثال قربانیاں آل رسول اللہ ﷺ ہی دے سکتی ہے جنہوں نے میدان کربلا میں قربانیوں کی ایسی بے مثل داستان رقم کی جس کی مثال کسی زمانے میں نہیں ملتی اور نہ آنے والے زمانوں میں پیدا ہوگی ۔بیٹا چاہے بوڑھا ہو جائے کوئی بھی ماں اُسے اپنی آنکھوں سے دور کرنا برداشت نہیں کرسکتی۔بات کردینا بہت آسان ہے ساڑھے تین سال کی عمر کے بیٹے کو خود سے دور کردینا بہت بڑاامتحان ہے ۔پیرومرشد کے ماں جی نے اس مشکل امتحان سے گزر کر میرے جیسے ناقص العلم لوگوں کیلئے یہ نقطہ سمجھنا آسان کردیا کہ آل رسول اللہ ﷺ آج بھی اُمت کی خیر خواہی کے مشن میں ہر طرح کی

قربانیوں اور امتحانات سے گزر رہے ہیں۔ عقل ایسے نقطوں کو کم ہی سمجھ پاتی ہے یہ تب ہی سمجھ آتے ہیں جب کوئی سمجھانے والی عظیم ہستی آپ کے دل کے پنہا خانوں میں اُتر کر اپنی چاہت، محبت اور ادب واحترام کی مہر ثبت کردے۔دل پہ جمے زنگ کو دست شفقت سے نہ صرف صاف بلکہ پاک بھی کردے۔آپ سوچیں یہ کام قلم یا کتابیں کرسکتی ہیں؟ہر گز نہیں کرسکتی۔مجھے کتاب کی حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے۔کتاب علم کو پھیلانے کا عظیم ترین ذریعہ ہے پر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے اللہ والوں کی محفل میں پہنچ کر علم اور عقل کام چھوڑ جائے تو نقطے سمجھ آنے لگتے ہیں۔ایسے نقطے جو انسان کو سچ میں انسان بنا دیتے ہیں۔ گزشتہ دنوں روحانیت کے موضوع پر ایک تحریر نظر سے گزری جس میں مضمون نگار نے کہا کہ روحانیت کی منازل پا لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے لکھنے لکھانے سے پرے اپنے آپ کو تلاشنے اور تراشنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ میرا خیال قدرے مختلف ہے میں سمجھتا ہوں کہ روحانیت کی منازل پا لینے والے لوگ انسانیت کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہو جاتے ہیں۔اُن کو میری طرح کاغذ و قلم کی ضرورت نہیں رہتی، میرے جیسے کئی لکھنے والے صدیوں تک اوراق سیاہ کرتے کرتے اسی سیاہی میں گم ہو جاتے ہیں پھر بھی کسی کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اپنی نگاؤں سے دلوں پر ایسے نقطے رقم کرتے ہیں کہ اہل دل کی دنیا بدل کے رکھ دیتے ہیں۔کتاب لکھنے اور پڑھنے والے اوراق کی خاک چھانتے رہ جاتے ہیں۔ اللہ والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے وہ علم حاصل کرتے ہیں

جن کا کسی کتاب میں ذکر تک نہیں ملتا، کہیں موجود بھی ہو تو کتابی لوگ اسے سمجھ نہیں پاتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ راقم خود کو روحانیت کے موضوع پر لکھنے کا اہل نہیں سمجھتا پھر بھی بعد اجازت پیرو مرشد اتنا ضرور کہوں گا کہ اللہ والوں کو بڑی بڑی تحاریر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کا اِک نقطہ نصیب ہو جائے تو زندگی بن جاتی ہے۔ ایک اور قیمتی بات آپ کو بتاتا چلوں جو پیرو مرشد کی صحبت میں وقت گزار کر سمجھ آئی۔ انسان کو آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اس دنیا کی زندگی کو خوبصورت بناؤ۔ آخرت میں جنت کی فکر کرنے والے یہ جان لیں کہ جنت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے دوسری بہت سی مخلوقات کی طرح جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ بے شک جنت اللہ تعالیٰ کا خوبصورت انعام ہے اپنے بندوں کیلئے۔ اپنے اعمال کا محور جنت کو بنانے کی بجائے رضائے الٰہی کے طلب گار بنو۔ جنت مانگ کر شرمندہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح سر جھکاؤ کہ جنت تیری طلب کرنے لگ جائے۔ پیرو مرشد کا فرمان ہے سجدے کے ساتھ سرنڈر بھی ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ سجدہ ہم سب سمجھتے ہیں سرنڈر کا مطلب ہے یااللہ میں ساری دنیا سے رشتہ توڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں مجھے ویسا بنا دے جیسا تجھے تیرے حبیب کو پسند آجاؤں، مجھ سے وہ کام لے جو اپنے مقبول بندوں سے لیا کرتے ہو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں سراپا خطا تو سراپا عطا ہے۔ مجھے دنیا کے جھمیلوں سے نکال کر اپنے برگزیدہ بندوں کی صحبت نصیب فرما۔ مجھے دانش و عقل کے جال سے

آزاد کر کے اُن نقطوں کی سمجھ عطا فرما جو تیری باگاہ میں مقبول بندوں کی خدمت میں پہنچا کر تیرے قرب میں حاضری کے اثباب پیدا کرتے ہیں۔اب تو لگتا ہے جیسے یہ زندگی بھی ایک نقطہ ہی ہے جسے سمجھ آ گئی وہ امر ہے باقی فانی۔رب رحمان کی کائنات میں نقطوں کی بھرمار ہے پر ہمارے لئے وہی نقطہ ،نقطہ ہے جس کی سمجھ آجائے یعنی نقطہ وہی جو سمجھ آجائے۔

الزام تراشیاں

نئی کلاس میں ترقی ، نیا کلاس روم ، نئے ٹیچر، نیا یونیفارم، نیا سکول بیگ، نئی کتابیں اور کاپیاں، کلاس کے پہلے دن ٹیچر کا بالکل نیا اور منفرد سوال ، بچو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ میں سب سے اچھا بچہ کون ہے؟کلاس روم میں وہی پرانا شور برپا ہوگیا ٹیچر میں سب سے اچھا، اچھی ہوں ،کلاس کے 30 بچوں میں سے 29 نے اپنے آپ کو سب سے اچھا بتایا۔ شور زیادہ ہونے پر ٹیچر نے خاموش رہتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر جواب دینے کا کہا تو کچھ بچوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ ٹیچر نے بچوں کو 10 منٹ میں اپنے سب سے اچھے ہونے کی وجوہات تحریری طور پر پیش کرنے کا کہہ دیا۔ ٹیچر جی میں اس لئے سب سے اچھا ہوں کیونکہ میرا یونیفارم سب سے زیادہ صاف ستھرا اور نیا ہوتا ہے، میں اس لئے سب سے اچھی ہوں کیونکہ سکول سے چھٹی نہیں کرتی آپ کو تو پتا ہے کہ اس سال سب سے زیادہ حاضری کا انعام بھی مجھے ہی ملا ہے۔ میں کلاس روم میں شور نہیں مچاتا اس لئے سب سے اچھا ہوں ، میں ہر بار پوزیشن لیتی ہوں اس لئے میں سب سے اچھی ہوں ۔ میں والدین ، ٹیچرز اور سب بڑوں کی عزت کرتا ہوں اس لئے سب سے اچھا ہونے کا حق مجھے ہے۔کچھ اسی قسم کے 29 جواب ٹیچر کے سامنے پڑی میز پر پہنچ گئے جبکہ 30 ویں بچی نے لکھا تھا کہ میں بہت اچھی ہوں لیکن سب سے اچھی نہیں ہوں ۔ ٹیچر نے اُس بچی کو اپنے پاس بلا

لیا اور پوچھا کہ جب وہ بہت اچھی ہے تو پھر اُسے کیوں نہیں لگتا کہ وہ سب سے اچھی ہے ؟بچی ٹیچر میرے بابا کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھنا شروع کر دیں گے تو ہمیں لگے گا کہ اب ہمیں اچھے کام کرنے کی ضرورت نہیں رہی جب ہم خود کو سب سے اچھا تصور کریں گے تو پڑھنے لکھنے میں محنت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ ٹیچر میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں بہت اچھی ہوں اور مجھے مزید اچھا بننا ہے ۔اس لئے یہ سب بچے مجھ سے زیادہ اچھے ہیں اور میں یہ سوچ کر زیادہ محنت کرتی ہوں کہ مجھے ان سب سے آگے نکلنا ہے ، ٹیچر جی بابا کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو سب سے اچھا ثابت کرنے کیلئے دوسروں کی خامیاں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی کے بُرے یا کم اچھا ہونے سے ہماری اچھائی میں ہرگز اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ہماری محنت اور قابلیت ہمارے اچھے ہونے کی دلیل ہے ۔لہٰذا ہمیں کسی کو بھی کم تر نہیں سمجھنا چاہئے ۔ ٹیچر نے بچی کی مثال دے کر بچوں کو بتایا کہ اچھا وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو اچھا سمجھتا ہے۔ قارئین محترم زندگی میں بہت سے مشاہدات سے گزرنا پڑتا ہے جن میں بہت سے انسان کو گمراہ کرتے ہیں جبکہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کو انسان بنانے میں کردار ادا کرتے ہیں ۔ایک ایسا ہی مشاہدہ میں نے آج آپ کی خدمت پیش کیا ہے جس میں ایک معصوم بچی نے اپنے بابا کی بتائی ہوئی خوبصورت باتیں ٹیچر کو بتا کر نہ صرف اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا بلکہ اچھے ہونے کا معیار بھی سمجھا دیا جو شاید اس سے پہلے ٹیچر بھی

نہیں جانتی تھی ۔اگر ہر فرد یہی روش اپنالے تو معاشرے میں حق تلفی، غیبت کا رجحان اور بہت سی معاشرتی بُرائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔افسوس کہ آج ہم نے جو روش اپنا رکھی ہے وہ صرف دوسروں کو بُرا کہنے پر صبر نہیں کرتی بلکہ یہ بات ثابت کرنے لئے اگر کوئی بُرائی اپنے پاس سے ڈالنا پڑے تو بھی ہم دوسروں کو بُرا ثابت کرنے لئے پیدا کرتے ہیں۔ہم اکثر دوسروں کی کردار کُشی کرتے وقت ایسے الزامات عائد کرتے ہیں جو شائد مخالف انسان کی زندگی تو کیا اُس کے خاندان میں بھی نہیں پائے جاتے ۔مثال کے طور پر اخبار کا پہلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں ابھی آپ محسوس کریں گے جیسے دوسروں کو بُرا کہنا ہی دنیا میں سب سے اچھا اور مفید کام ہے۔افسوس کے میرے صحافی بھائی بھی سیاستدانوں کی الزام تراشیاں تڑکا لگا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اُس سے بھی زیادہ افسوس کہ عوام بھی ایسی ہی خبروں کو پسند کرتے ہیں جن میں الزام تراشیوں کو مرچ مصالہ لگا کر پیش کیا جائے اگر یقین نہ آئے تو پھر کسی ایسے عالم دین کا کسی محفل میں ذکر کرکے دیکھ لیں جو کسی فرقے یا گروہ پر تنقید کرنے کی بجائے قرآن و حدیث کی بات عوام کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہو۔ محفل میں جتنے فرقوں کے ماننے والے موجود ہوں گے اتنی تنقیدی آراء فوری طور پر سامنے آجائیں گی یعنی اخبار تو کیا مذہبی محافل میں بھی دوسروں پر الزامات اور تنقید کی بارش پسند کرتے ہیں ہمارے ہاں ایسے مولوں بہت مہنگے بکتے ہیں جو یہ کام خوب مرچ مصالہ لگا کر گرم جوشی کے ساتھ کرتے ہیں ۔مذہبی علماء سے

معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کسی کا بُرا ہونا ہمارے اچھے ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جو مولوی مجلس کی پسند کے موضوع کو انتظامیہ کی مرضی کے مطابق یعنی حاضرین مجلس کو خوش کرکے زیادہ پیسے بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ شائد یہ نہیں جانتے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے جرم میں روزِ آخرت اُن کو سزا مل سکتی ہے وہاں اُن کا کوئی واقف یا رشتہ دار کام نہیں آئے گا چاہے کتنا بڑا آفیسر یا وزیر، سفیر یا جنرل، کرنل ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے لئے بہتر ہے کہ اُوپر جس بچی کی مثال پیش کرچکا ہوں اُس سے سبق سیکھ لیں جس نے دوسروں کو خود سے اچھا کہہ کر اپنا سب سے اچھا ہونا ثابت کردیا۔

میاں شہباز شریف کی توجہ درکار ہے

5 سالہ عائشہ اپنے گھر سے نکلی تو گلی کے سامنے کھلے مین ہول میں گر گئی۔بد قسمتی سے پر ہجوم راستے پر کسی نے بھی عائشہ کو مین ہول میں گرتے نہ دیکھا۔جب وہ دیر تک واپس گھر نہ پہنچی تو والدین نے پریشان ہو کر تلاش شروع کر دی۔قریبی مساجد میں اعلانات کروائے گئے۔آخر کار 4 گھنٹے گزر جانے پر ایک محلہ دار کو خیال آیا کہ کہیں عائشہ کھلے مین ہول میں نہ گر گئی ہو۔بذریعہ ٹارچ لائٹ تلاش شروع ہوتے ہی گھر کے باہر موجود کھلے مین ہول کے گندھے پانی پر تیرتے ہوئے جوتے نے عائشہ کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔معلوم ہوتے ہی اُسے مین ہول سے نکال لیا گیا پر تب تک بڑی دیر ہو چکی تھی۔تقریباً 4 سے 5 گھنٹے یخ ٹھنڈے، سیوریج کے گندے پانی میں ڈوب کر معصوم عائشہ جاں بحق ہو چکی تھی۔جنرل ہسپتال لیجانے پر ڈاکٹرز نے بھی موت کی تصدیق کر دی جس پر اہل علاقہ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور وہ مشتعل ہو کر مین فیروزپور روڈ پر پہنچ گئے۔عائشہ کی میت کو سڑک پر رکھ دیا گیا اور تمام اہل علاقہ احتجاجاً سڑک پر بیٹھ گئے اُس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ 5 دسمبر کے اخبارات میں پڑھ ، نیوز چینلز پر دیکھ اور سن چکے ہیں۔جن دوستوں نے ایسی کوئی خبر پڑھی یا سنی نہیں اُن کی معلومات کیلئے مختصر کہ مقامی پولیس نے مظاہرین کو سڑک سے ہٹانا چاہا پر رات دیر گئے تک کامیاب نہ

ہو سکی۔جس کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب کو واقع کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے نوٹس لے کر ذمہ داروں کے خلاف سخت کارروائی کے احکامات جاری کردیے۔ڈی سی او لاہور نے متعلقہ چیف کونسل آفیسر راؤعمر فاروق کو معطل جبکہ دیگر کے خلاف انکوائری کا حکم دے کاہنہ راؤعمر فاروق اور دیگر عملہ کے خلاف c o دیا۔عائشہ کے والد کی درخواست پر بجرم 322 ب،ت ''ایف آئی آر نمبر 14/135 درج کرلی گئی ۔عائشہ کے والد محمد'' عباس نے درخواست میں موقف اختیار کیا کہ اہل علاقہ نے متعدد بار چیف کونسل آفیسر راؤعمر فاروق کو دفتر جاکر درخواست کی کہ گٹروں کے ڈھکن لگوادیں پر انھوں نے کسی بات کی پروانہ کی، جسکی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے عرصہ دراز نے گٹروں کے ڈھکن نہیں لگائے گئے۔ ہماری بچی کی جان چیف کونسل آفیسر اور دیگر عملہ کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے گئی ہے۔ للہٰذا ذمہ داروں کے خلاف محکمانہ کارروائی کے ساتھ ساتھ مقدمہ درج کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ہم جانتے ہیں کہ کرپشن، غفلت اور لاپرواہی ہمارے سرکاری دفاتر کا معمول ہے۔جناب اعلیٰ عائشہ بد قسمت رہی کہ اُسے کھلے مین ہول میں گرتے کسی نے نہ دیکھا ورنہ کچا شہزادہ روڈ پر روزانہ بچے ،بزرگ اور عورتیں کھلے مین ہولز میں گرتے رہتے ہیں جن کو آس پاس موجود لوگ فوری طور پر نکال لیتے ہیں ۔گٹر میں گر کر چوٹیں لگنا تو ہمارے لیے معمول کی بات ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہمارے ملک میں سانحات اور حادثات رونما ہونے کے بعد حکومتی مشینری حرکت میں آجاتی ہے۔یہاں بھی ایسا ہی ہوا معصوم عائشہ کے جاں

بچی ہونے کے بعد سالوں سے کھلے درجنوں مین ہولز کو راتوں رات ڈھکن نصیب ہوگئے۔ صبح تک نہ صرف کچا شہزادہ روڈ بلکہ ارد گرد کھلے مین ہولز پر لگائے جانے والے ڈھکنوں کی پرانی اور استعمال شدہ حالت صاف بتا رہی تھی کہ اُنھیں کسی دوسرے علاقے کے گٹروں سے اُٹھایا گیا تھا۔ عائشہ کے والدین اور اہل علاقہ کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کیلئے وزیر اعلیٰ پنجاب نے نوٹس بھی لے لیا،ڈی سی او لاہور کے حکم پر متعلقہ آفیسر جو کچھ روز قبل کرپشن،خزانے میں خرد برد اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے معطل تھے کو ایک بار پھر معطل اور دیگر ذمہ داران کیخلاف مقدمہ بھی درج ہوگیا۔ آگے کیا ہوگا؟۔جی ہاں وہی کچھ ہوگا جو پہلے ہوا کرتا ہے۔سارے علاقے کے چوہدری غریب مدعی کے گھر جائیں گے اور چند دنوں بعد کچھ مالی امداد کے بعد مدعی تمام ذمہ داران کو معاف کردے گا۔قصہ مختصر پھر سے وہی کھلے مین ہولز کسی عائشہ کو نگلنے کیلئے تیار ہوجائیں گے۔بدقسمتی سے راقم بھی کاہنہ نو کچا شہزادہ روڈ کا رہائشی ہے۔یہ علاقہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کے انتخابی حلقہ PP 159 میں واقع ہے۔مقامی ایم این اے محترمہ شازیہ مبشر اقبال کی خدمت میں کئی بار اپنے مسائل پیش کرچکے ہیں جبکہ راقم کئی مرتبہ اپنے مضامین میں وزیر اعلیٰ پنجاب جناب میاں محمد شہباز شریف کو کچا شہزادہ روڈ کے مسائل کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرچکا ہے۔الیکشن 2013ء سے قبل 5 سالہ دور حکومت میں ہمارے پنجاب اسمبلی کے حلقہ PP-159 اور قومی اسمبلی کے حلقہ NA-129 دونوں میں پیپلز پارٹی کے

اُمیدوار کامیاب ہوئے اور پنجاب میں حکومت مسلم لیگ (ن) کی بن گئی جس کی وجہ سے کسی نے ان حلقوں کے مکینوں کی فریاد نہ سنی۔ راقم خادم اعلیٰ کبھی ہمارے گلی آؤنا، وزیراعلیٰ پنجاب کے انتخابی حلقہ کا اہم مسئلہ کے عنوان سے اور اس کے علاوہ متعدد بار کچا شہزادہ روڈ کا ہنہ نو کی حالت زار کے متعلق فریاد کرچکا ہے۔ میری فریاد ہر بار بے اثر رہی۔ کچھ عرصہ قبل کچا شہزادہ روڈ کی تعمیر نو کیلئے 40 لاکھ روپے کے فنڈ جاری ہوئے تو یوں لگا جیسے اب سالوں پرانا کیچڑ، کھلے مین ہولز، اور کھڈے ختم ہوجائیں گے پر ہماری قسمت ایسی کہاں، ٹھیکیدار آیا اور سیوریج کی چلتی ہوئی لائن کے ساتھ ایک نئی پائپ لائن بچھا کر روڈ کو ہموار کئے بغیر رخصت ہوگیا۔ اہل علاقہ نے اپنی مدد آپ کے تحت راستہ ہموار کیا۔ 40 لاکھ کا فنڈ استعمال ہونے کے بعد روڈ کی حالت بجائے بہتر ہونے کے مزید خراب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بچوں کو سکول لے جانے والی وین کے مالک نے کچا شہزادہ روڈ سے بچوں کو اُس وقت تک سکول پہنچانے سے انکار کردیا جب تک روڈ صاف، ہموار اور کھلے مین ہولز بند نہیں ہوجاتے۔ میں گزشتہ 30 سال سے دیکھ رہا ہوں کہ اس روڈ کی حالت کبھی نہیں سدھری، تازہ حادثے سے قبل ہم سوچ رہے تھے کہ بچوں کو محلے کے کسی کھوتی سکول میں داخل کروانا پڑے گا یا پھر سوچتے ہیں کہ کسی چائے کے ہوٹل یا پنکچر کی دوکان پر کام سیکھنے بھیج دیا جائے تاکہ کھوتی سکول میں پڑھ کر کھوتے بننے کی بجائے چائے یا پنکچر کا کام سیکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں۔ کیا کریں والدین ہیں دل

کرتا ہے بچے پڑھیں لکھیں اور اپنے مستقبل کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کا مستقبل بھی روشن کریں۔بلدیاتی الیکشن نہ ہونے کے باعث ہماری کہیں شنوائی نہ ہے۔اس لئے آج پھر اپنے حلقہ کے ایم پی اے میاں محمد شہباز شریف کے دربار میں فریاد پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں جو خوش قسمتی سے وزیراعلیٰ پنجاب بھی ہیں اور اُس سے بھی بڑی خوش قسمتی یہ کہ اُن کے ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی کی وجہ سے پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ کبھی اپنے انتخابی حلقے کا چکر لگا کر دیکھیں کہ وہاں لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں۔الیکشن 2013ء کے موقع پر مسلم لیگ ن کے رہنماؤں نے اہل علاقہ کو یقین دلایا تھا کہ میاں شہباز شریف اس حلقے سے ایم پی اے منتخب ہوگئے تو وہ اپنے حلقہ کے تمام ترقیاتی کام مکمل کرواکے علاقہ شیشے کی مانند صاف اور شفاف بنادیں گے۔آج حلقہ کے مسائل کو میاں شہباز شریف کی توجہ درکار ہے۔اللہ کرے کہ وہ وقت جلد آئے تاکہ پھر کوئی معصوم عائشہ کھلے مین ہول کی نظر نہ ہو۔

عرس مبارک سیدنا داتا علی ہجویری گنج بخشؒ

سید عرفان احمد شاہ

آپ کے دربار سراپا اقدس کو عرصہ نو سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود الحمدللہ مرجع خلائق ہے اور انشاءاللہ رہتی دنیا تک عالم کو اپنے فیض گنجینہ سے سرفراز کرتا رہے گا۔

اقلیم تصوف کے نیر، حجت الکاملین۔ سلطان طریقت، برہان شریعت، آفتابِ رشد، ہدایت، المخدوم، السید، ابوالحسن، علی بن عثمان ہجویری الغزنعی المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے سب سے پہلے سرزمین ہند میں قدم رنجا فرمایا۔ آپ کے یہاں تشریف لانے سے کفر کے گھنے سائے چھٹنے لگے۔ کفر سے آراستہ محلات میں لرزہ طاری ہوگیا۔ پیغام حق نے کفریہ طاقتوں پہ جیسے یلغار کردی۔ آپ 5 ویں صدی ہجری میں غزنی سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ نے لاہور میں اقامت فرمائی اور لاہور ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ گنج بخش کی وجہ سے تسمیہ خزینتہ الصیفاء میں یہ بیان کی گئ ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان سیدنا معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ آپکی مرقد مبارک پر چلہ فرمایا۔ کچھ عرصے متعکف رہنے کے بعد آپ کے لب مبارک پہ از خود یہ شعر

جاری ہو گیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

نا قصاں پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخش کا اسم گرامی علی اور کنیت ابو الحسن ہے آپکی ولادت با سعادت ا فغانستان کے ایک مردم خیز خطے غزنی میں ہوئی جو بت شکن سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کا آبائی وطن ہے۔ جس مٹی کی تاریخ غلامی پر موت کو ترجیح دے اس وطن سے آپ کا تعلق ہے۔ غزنی کے دو محلے تھے۔ ایک کا نام جلاب۔ اور دوسرے کا نام ہجویر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک محلے میں آپ کے دھدیالی اور دوسرے محلے میں آپ کی ظاہری حیات طیبہ کا کچھ عرصہ محلّہ جلاب اور کچھ عرصہ محلّہ ہجویر میں بسر ہوا۔ اسی لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ یہ دونوں نسبتیں مزکور ہیں۔ اپنی کتاب کشف ا لمجوب میں آپ نے اپنا نام نامی یوں رقم فرمایا۔ علی بن عثمان بن الجلابی الغزنی ظم ہجویری۔ سوانح نغاروں نے آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان فرمایا۔ علی ہجویری بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابو الحسن علی بن حسن اصغر بن زید بن امام حسن بن سیدنا علی المرتضی وجہہ کریم۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہاشمی اور سید اور حسینی ہیں۔ غزنی میں آپ کا خانوادہ مقدسہ وہاں عام و خاص کی آنکھوں کا مرکز نگاہ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ عابدہ زاہدہ سیدہ خاتون تھیں

گویا حسن جمال اور حسینی جلال کی جملہ رعنائیاں آپ کی ذات با برکات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ کے ماموں تاج الاولیاء کے لقب سے مشہور ہیں۔ داراشکوہ جب اپنے والد کے ہمراہ افغانستان کی سیر کے لئے گیا تو اس نے دربار پر انوار تاج الاولیاء پر حاضری دی۔ حضرت تاج الاولیاء کے مزار کے ساتھ ہی ان کی ہمشیرہ یعنی حضرت داتا گنج بخش کی والدہ ماجدہ کا دربار مبارک بھی ہے۔ تاریخ دانوں نے آپ کے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے اس لئے تفصیلات کی جستجو کرنے والوں کی تشنگی برقرار رہتی ہیں یہاں تک کہ آپ کے سال ولادت باسعادت کے بارے میں بھی تذکرہ نگاروں میں اتفاق رائے نہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کا سال ولادت 400 ہجری ہے۔ سیدنا داتا حضور نے اپنی ولادت باسعادت کے بارے میں کچھ نہیں تحریر فرمایا۔ آپ کے حالات زندگی سے متعلق باوثوق مرجع آپ کی تصنیف کشف المحجوب ہے۔ اسی کے مطالعہ سے آپ کی ظاہری حیات طیبہ پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ ارشاتا ارشاد فرمایا ہے کی آپ کو بچپن ہی سے حصول علم کا جنون تھا۔ آپ کو یہ جنون بے چین کئے رکھتا تھا۔ آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر علمائے حق کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے حصول علم کے لئے شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، آذربائیجان، طبرستان خودستان، خراسان، اور ماوراء النہان کے مشہور علما فضلاء حق سے شرف،

تلمذ حاصل کیا۔ حصول علم راہ میں آنے والی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ علوم و مصارف کے سمندر پی جانے کے باوجود شوق علم کے سفر میں ذرہ برابر کمی نہ آئی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔ کہ فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور انکے علم و حکمت کے پر بہار گلستانوں سے گل چینی کرکے اپنے پاک دامن مارک کو خوب بھرتا رہا۔ آپ کے بیشمار اساتذہ میں سے شیخ ابو العاس احمد بن محمد الاشقائی، شیخ ابو القاسم، علی گرگائی سر فہرست ہیں۔ پروفیسر نکلسن کیمبرج یونیوورسٹی نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمع کیا۔ وہ آپ کے شوق علم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے اسلامی مملکت کے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ شام سے ترکستان تک، سندھ سے بحر کیپسن تک کا علاقہ آپ کی دسترس میں رہا۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے مرشد کامل کی تلاش میں طویل سفر کئے۔ آپ کی طلب صادق پر رحمت الٰہی نے آپ کی رسائی اس شیخ کامل اکمل تک کر دی جن کے حسن تربیت اور فیض نظر کے باعث آپ پر معرفت آفتاب عالم تاب بن کر طلوع ہوے اور آج تک دنیا آپؒ کی ضوفشانیوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ اولیاء کاملین کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک بات ہمیں قدر مشترک نظر آتی ہیں کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت و کمال حاصل کرتے ہیں اور اسکے بعد جادواں عشق و محبت والٰہی پر قدم رکھتے ہیں اور اس وقت تک مصروف جہاد رہتے ہیں جب تک شاہد حقیقی ان شوق کی بے تابیوں پر رحافرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کے لئے کھول نہ

دے۔آپ کے مرشد کامل کا سم گرامی شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔جو سلسلہ منیدیہ کے شیخ کامل تھے۔آپ کئی سال شبانہ روز مرشد اکمل کی خدمت اقدس میں حاضر رہے یہاں تک کہ جب آپ کے مرشد نے دار فانی سے پردہ فرمایا تو ابو الفضل ختلی رحمتہ اللہ علیہ کا سر مبارک آپ داتا ری علی ہجویری کی گود میں تھا۔
حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں۔آپ کی عقیدت ، محبت وعشق امام ابو حنیفہ سے بے پناہ ہے۔ کشف المحجوب میں جہاں بھی امام اعظم کا ذکر مبارک آیا آپؒ نے معزز القابات کے ساتھ آپکو یاد فرمایا۔ کہیں آپؒ نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اماماں مقتدائے سنیاں کہاہے۔ تو کہیں فقہ کے معتبر ناموں سے یاد فرمایا۔ حضرت داتا گنج بخش مرشد کامل کے وصال کے بعد آپؒ نے اپنے آبائی وطن غزنی کو خیر باد کہا اور تبلیغ اسلام کی تڑپ آپ کو کشاں کشاں بت کدا ھند کی جانب لے آئی۔ اس وقت آپ کے ہمراہ دو دوست شیخ احمد سرجنی اور شیخ ابو سعید ہجویری بھی تھے۔ اسلام کے روشن اسلاف کے یہ روشن مبلغین اگرچہ تعداد میں صرف تین تھے پر باوجود اس کے ماحول کی امنیت سازو سامان کے فقدان ، مخالفین کا جور و جبر ، طوفان بد تمیزی ، تشدد ، تعصبالغرض کسی بھی چیز کو کبھی خاطر میں نہ لائے۔ ملت اسلامیہ کا یہ روشن مینار فریضہ دین ملت حنیفہ کیلئے لاہور کی جانب روانہ ہوئے تو راستے بھر کفر و ظلمت کے اندھیروں میں توحید کی شمع فروزاں کرتے ہوئے آئے۔

جب سرزمین لاہور ان نفوس قدسیہ کی قدم بوسی سے سرفراز ہوئی تو اس وقت لاہور کا حاکم مسعود غزنوی تھا۔ جو محمود غزنوی کا بیٹا تھا۔اس کا عہد حکومت 421 ہجری تا 432 ہجری ہے۔ لاہور میں آپ کی آمد کے سال کا تعین مشکل ہے اگر آپ کا وصال 465 ہجری تسلیم کیا جائے تو شہر خوش قسمت لاہور میں آپ کے قیام کی مدت عرصہ 30 سال سے زائد بنتی ہے۔اس تمام عرصہ مبارک میں شبانہ روز آپؒ نے تبلیغ دین ملت حنیفہ کو جاری و ساری رکھا۔آپ کی بے داغ، دلکش، خوبصورت اور پر نور شخصیت مبارکہ قول و فعال کی یکساں طور پر عملی مظاہر ہیں۔ ولی قلندر کے منصب کے سبب آپ کے وعظ کا ایک ایک لفظ مبارک لوگوں کے قلوب کو دین اسلام کے نور سے منور فرما دیا کرتا۔ کفر و شرک کی ضلالت سے نکل کر لوگ صراط مستقیم کے عظیم المرتت راستے پر گامزن ہوتے۔جن خوش نصیب لوگوں نے آپؒ کے دست مبارک اور ہدایت پر فلسفہ فکر دین اسلام پر بیعت کی آپ کے فیض کی برکت بیان کے لوح و قلب پر کلمہ توحید یوں نقش ہوا صرف تادم واپسی اس کی لزت سے سرشار نہیں رہے بلکہ آج ساڑھے نو سو سال بیت جانے کے بعد ان کی نسلیں بھی اسی ذوق کے ساتھ کلمہ توحید کا ورد کر رہی ہیں جب بھی کوئی ایسا وقت آیا تو انہوں نے پرچم توحید کو تھام کر بلاتامل بصد مسرت و ایکان اپنے سروں کے نذرانے پیش کئے اور انشاء اللہ عزوجل پیش کرتے رہے گے۔ ولی کامل کی یہی خصوصیت ہمیشہ تا قیامت بلکہ بعداز قیامت یعنی روز حشر ان کا پڑھایا ہوا سبق حق ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ گردش لیل و نہار، حوادثد ہر کے با

وجود اس کی سرمستیاں بڑھتی رہتی ہیں۔ بلکہ ہر گزرتے لمحہ کے ساتھ اور خصوصاً وقت آذان اس کی آب وتاب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک درویش کامل بظاہر جس کے پاس نہ خزانہ ہے، نہ لشکر نہ دنیاوی وسائل، نہ جاہ و حشمت، تن تنہا جنگل بیاں باں میں بغیر چھت و مکاں کے شبانہ روز معبود برحق کی یاد میں مشترق اللہ عزوجل کے انوار تجلیات کے نزول کے باعث اسے وہ شان دلربائی عطا کر دی جاتی ہے کہ لوگ جوق در جوق اس مرد حق کی جانب دیوانہ وار کھینچے چلے جاتے ہیں۔ لوگ ان کے رخ زیبا کو دیکھتے ہی اپنے نقار روڑ ڈالتے ہیں۔ اپنے آبائی عقیدوں کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دیتے ہیں۔ کل تک وہ جن بتوں کی پرستش کر رہے تھے اب اپنے ہاتھوں سے ان کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔ وہ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں یوں پیش ہوتے ہیں کہ انہیں اپنا ہوش ہی نہیں رہتا۔ انہیں سجدہ حق کے سبب جو کیف سرور، لطف انعام اکرام میسر آتا ہے اس پر وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ غزنوی خاندان کے باہمت جری، نڈر فاتحین نے ممالک فتح کئے، قلعے سر کئے، شاہی محلات پر پرچم لہرائے۔ مگر ہجویر سے آئی ہوئی اس ہستی مبارک، غریب الدایار درویش نے قلوب کی اقالیم کو مسخر کیا۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کے قلعوں کو پیوند خاک کیا۔ جہالت اور گمراہیوں کے پردوں کو سرکا کر حقیقت کے رخ زیبا کو یوں بے نقاب کیا کہ ہر صاحب قلب سلیم دیوانہ وار ان پر سو جان سے نثار ہونے لگا۔ آپ ایک بلند پایہ عالم، بالغ نظر، محقق اور معقول و منقول کے امام تھے۔ جبکہ آپ

باطن نور فرفان سے جگمگ تھا۔ کشف المحجوب، تصوف پر ایک انتہائی دستاویز ہے جو آپ کا قلمی شاہکار ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی مسلم اصول و قانون ہے۔ نیز فطرت بھی ہے کہ تصنیف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے منصف سے لگایا جاتا ہے۔ جس کتاب کے منصف مرد قلندر، ولی کامل، عارف کامل، عالم ربانی حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری االجلابی جیسی فقید المثال برگزیدہ ہستی ہوں اس کتاب کے بارے کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ہر زمانے کے اہل علم، ارباب طریقت کا بر ملا اعتراف کیا ہے۔ کشف المحجوب کے زندہ جاوید ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں جبکہ لوگوں کا مکمل ذہن مادہ پرستی کی جانب ہے اپنے اور بیگانے آج بھی اس کتاب کی تحقیق اور اس کی معیاری طباعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مشرقین میں سے پروفیسر نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے انھوں نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور خوب کیا۔ بلکہ یوں کہیں کے انھوں نے حق ادا کر دیا۔ اسی طرح روس کے مستشرق پروفیسر ژوفسکی نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے کشف الم جوب کو ایک قدیم نسخے کی تصحیح کے لئے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال صرف کئے۔ اور فارسی زبان میں ایک محققانہ مقدمہ لکھ کر اسے لنن گراڈ سے شائع کیا۔ وہ خطہ جو رب العزت کے وجود (نعوز باللہ) کا منکر ہے دین اور روحانیت کو لغو (معاذاللہ) اور فضول گرادنتا ہے۔ اس ملک کے ایک فاضل نے بھی

اس کتاب کی تحقیق صیح اور تشریح میں اپنا قیمتی وقت لگایا اور محققانہ مقدس کا اضافہ کیا ۔ اور اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا معترف ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کی ذات انور کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ رات دن طالبان حق کا تانتا باندھا ہوا ہے ۔ موسم کوئی بھی ہو ، سردی ، گرمی ، بارش ، طوفان ، رات ہو یا دن تشنگان لب ، بندگان خدا کا ہجوم ، اللہ عزوجل کے اس پیارے اور برگزیدہ بندے کی زیارت سے مستفید ہونا باعث خیر وبرکت وطمانیت گردانتے ہیں ۔ پروفیسر نکلسن نے آپ کے وصال مبارک کے بارے میں لکھا ہے کہ 456 ہجری تا465 کا کوئی درمیانی سال آپ کا وصال ہے ۔ جبکہ جامی لاہوری کا جو کتبہ آستانہ عالیہ کے دروازے پر نصب تھا ۔ اس میں وصال کی تاریخ لفظ سردار سے نکالی گئی ہے اور اس طرح وصال 465 بنتا ہے۔

آؤ کہ بدل دیں ظلم کا نظام

سانحہ پشاور کے بعد ہر طرف صدمے کا عالم ہے۔ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق انتہا درجہ درندگی کی مذمت کر رہا ہے۔ گزشتہ دو دنوں میں مجھے بہت سے پیغامات موصول ہوئے کہ میں ہر خاص و عام موضوع پر تو لکھ دیتا ہوں پر میری سانحہ پشاور کے بعد تادم تحریر پرنٹ میڈیا یا سوشل میڈیا کہیں پر کوئی مذمتی یا تنقیدی رائے سامنے نہیں آئی۔بہت سے دوست اس خاموشی کی وجہ پوچھ رہے ہیں۔ دوستوں وجہ کیا بتاؤں اپنے جگر گوشوں کی میت پر کیا لکھوں؟میں تو اپنے بچے کا چند لمحوں کیلئے آنکھ سے اوجھل ہونا برداشت نہیں کر سکتا یہاں تو میرے سینکڑوں لال موت کی وادی میں ہمیشہ کیلئے سلا دیئے گئے۔کیا لکھوں؟کیا پڑھوں؟کیا سنوں؟کیا بولوں،کیا سوچوں؟کیا کہانی بناؤں۔کون سی دُعا کروں معصوم شہدا کے حق میں؟کہاں سے وہ الفاظ لاؤں جو میری ماؤں کیلئے صبر کا انتظام کریں؟اپنی رائے میں تجزیاتی یا تحقیقاتی عناصر پیش کرنے کیلئے کہاں سے لاؤں ایسی معلومات جو اس ظلم کی جڑوں کی نشان دہی کریں؟جسم و روح مفلوج ہو گئے ہیں۔اخبار کی کسی خبر پر رائے کا اظہار کرنا بہت آسان ہے جبکہ انسانیت سوز سانحہ پر لفظوں کے تانے بانے بننا ممکن نہیں۔یہاں اپنے فن کو رنگوں میں لپیٹ کر کاغذ پر اُتارنا بہت مشکل ہے۔آج نہ صرف راقم بلکہ راقم کا فن تحریر بھی سسکیاں لے رہاہے۔سانحہ پشاور میں دہشتگردوں

نے جس طرح سکول میں داخل ہو کر خون کی ہولی کھیلی اُس کی منظر کشی کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اخبار کی خبر کے الفاظ ادھر اُدھر کرکے اپنے مضمون کو طول دینا مناسب نہیں اس لئے میں صرف اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہوں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا ان ظالموں کو کس لقب سے پکاروں۔ جانور، درندے، حیوان یا شیطان یہ القاب چھوٹے معلوم ہوتے ہیں مجھے سانحہ پشاور میں اپنے مستقبل کے بکھرے شرارے کو دیکھ کر۔ دنیا کا کوئی مذہب و آئین تو کیا کوئی حیوانی معاشرہ بھی ایسی کوئی مثال نہیں رکھتا جیسی سانحہ پشاور کے اندر جنت کے طلب گاروں نے قائم کردی۔ اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں جنت کا تصور نہیں ملتا پھر کیسے جنت کے دیوانوں کو غیر مسلم کہہ دوں؟ یہ دہشتگرد جنت کی طلب میں اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق پر جو ظلم ڈھا گئے اُسے دیکھ کر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جنت تو جنت ہے ایسے لوگوں کو جہنم بھی قبول نہیں کرے گا۔ جہنم بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کرے گا یا رب تعالیٰ رحم فرما۔ ایسے ظالموں کو مجھ (جہنم) سے دور رکھ کہ یہ ایسے ظالم ہیں جن سے مجھے (جہنم) کو بھی خوف آتا ہے۔ یہ لوگ جنت میں جانے کی جلدی میں یہ حقیقت نظر انداز کرچکے ہیں کہ جنت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اشرف اور عزیز ترین مخلوق کو شہید کرکے سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں گھسنے دے گا؟ بے گناہ انسان خاص طور پر عورتیں، بچے اور بوڑھے کسی ملک کی فوج کے آپریشن میں شہید ہوں یا امریکی ڈرون حملے میں شہید کردیئے جائیں یا

کسی اور طرح قتل کردیئے جائیں ظلم اور ناانصافی ہے ہم کسی بھی طرح غیر انسانی فعل کو درست قرار نہیں دے سکتے ۔ جبکہ اسلام کے نام پر جنت کی طلب میں انسانیت پر ظلم کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔جو ظلم سانحہ پشاور میں ہوا اُس پر مسلمان وغیر مسلم ہر کوئی ماتم کناں ہے۔ہر آنکھ نم ہے اور چاروں طرف سے ایک ہی آواز آرہی ہے کہ ختم کردیا جائے دہشتگردوں کو اس ظلم و بربریت پر ہر مذمت ولعنت کم ہے۔راقم تو فقط یہی کہتا ہے کہ آؤ متحد ہو کر ایسی ظالم سوچ کو کائنات سے ناپید کردیں۔جن کھوپڑیوں ، جن دماغوں سے فرعونی سوچ کا کاتمہ ممکن نہ ہو وہ سر تن سے جُدا کردیں۔آؤ مل کے بدل دیں ظلم کا نظام ،آؤ مل کے ناانصافی کو جڑ سے اُکھاڑ دیں کہ جب تک نظام نہیں بدلے گا دہشتگردی ختم نہ ہوگی چاہے کروڑوں دہشتگرد مار دیئے جائیں۔

قائد اعظم تیرا احسان ہے، احسان

25 دسمبر 2011 قائد اعظم محمد علی جناح کا 165 یوم ولادت ۔ قوم یہ دن ہر سال نہایت محبت ۔ عقیدت واحترام ۔ تزاک واحتشام اور قومی جذبے سے مناتی ہے ۔ آپ انتہائی جرات کے پیکر تھے ۔ آپ نے بلاخوف وڈر مسلمانان برصغیر کے مفاد کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ کی شخصیت تدبر۔ حوصلہ۔ احساس ذمہ داری۔ سالمیت۔ بے باکی۔ انصاف پسندی ۔ حقیقت پسندی اور با مقصد جدوجہد کی آئینہ دار تھی ۔ بابا قوم قائد اعظم محمد علی جناح کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی دل کرتا ہے کہ اپنے عظیم لیڈر کی شان میں کچھ کہوں ۔ میرے قائد نے برصغیر کے مسلمانوں کو دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان تحفے میں دیا، میرے اعظیم قائد نے اپنی ساری زندگی ،اپنا حال و مستقبل ۔ اپنا علم ،اپنی عقل ،اپنا جان ومال، یہاں تک کہ اپنی صحت اور نیند بھی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وقف کردی ۔ قائد اعظم محمد علی جناح عالم اسلام کی عظیم ترین اور مثالی شخصیت تھے ۔ محمد علی جناح کی صورت میں برصغیر کے مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کا خاص تحفہ ملا، میرے خیال میں اگر بابا قوم کو برصغیر کے مسلمانوں پر اللہ تعالٰی کا احسان کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ خالق کائنات نے محمد علی جناح کو تمام انسانی صفات سے نوزا تھا۔ دیانت،فراصت، عقل وشعور، عزم واستقامت، خلوص اوراصول پسندی ان کے

قردار سے عیاں تھی اصولی سیاست میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔نہ صرف مسلمانوں بلکہ وہ اقلیت آبادی کے حقوق کے بھی پاسبان تھے انھوں نے بارہا فرمایا پاکستان میں سب اقلیتوں کو اپنی مذہبی زندگی گزارنے کا پورا،پورا حق حاصل ہوگا۔لیکن بابا قوم پاکستان میں تمام غیر جمہوری رویوں کے شدید مخالف تھے،انھیں آفسر شاہی ،جاگیر درانہ نظام اور مارشل لا سے سخت نفرت تھی مگر بدقسمتی سے ہم آج تک قائد اعظم محمد علی جناح کے نقش قدم اور اصولوں پر عمل پیرانہ ہو سکے جس کی وجہ سے آج پاکستان میں تھوڑی بہت جمہوریت تو ہے لیکن جاگیرداری اور آفسر شاہی پہلے سے بھی زیادہ ہو گی ہے اور جو تھوڑی بہت جمہوریت ہے وہ بھی جاگیر دار اور آفیسر طبقے کے گھر کی لونڈی بنی پڑی ہے، غریب کا بچہ پڑھا لکھا ہونے کے باوجود سفارش حاصل کرنے کی غرض سے ان پڑھ جاگیر دار کے گھر کے باہر کھڑا دکھائی دیتا ہے، جاگیر دار کسی ایک شخص یا کسی فرقے کا نام نہیں بلکہ میرے خیال میں جاگیر داری صرف ایک سوچ کا نام ہے ایسی سوچ جو ساری دنیا کو کھا جانا چاہتی ہے۔اور یہ سوچ تقریباً پوری دنیا میں پائی جاتی ۔ کوئی گاؤں ہو یا شہر کوئی ترقی یافتہ ملک ہو یا ترقی پذیر ملک۔ یہ کمبخت جاگیر درانہ سوچ ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ یہ سوچ صرف اور صرف دولت اور طاقت کے نشہ میں مست لوگوں کی میراث ہے۔ دور حاضر میں سب سے بڑا جاگیر دار امریکہ ہے۔ اور ایک حقیقی مسلمان معاشرے سے اس کا دور، دور تک کوئی واستہ نہیں۔اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو جاگیر دارنہ سوچ اور نظام کی شدید

مخالفت کرتا ہے۔جس کی کھلی مثال یہ کے جب مسلمان نماز کے لیے صفوں کو درست کرتے ہیں تو سب کو کندھے سے کندھا ملانے کا حکم ہے۔اور یہ حقیقت دنیا سے ڈھکی چھپی نہیں کے جب لاکھوں مسلمان ایک ہی وقت میں اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں تو اس وقت نہ تو کوئی غریب ہوتا ہے اور نہ کوئی امیر ہوتا ہے۔نہ تو کوئی جاگیر دار ، وڈیرہ ہوتا ہے اور نہ ہی مزارہ اور کمی ہوتا ہے۔ اس وقت سب مسلمان ہوتے ہیں ۔جب بارگاہ الٰہی میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ نہ کوئی بندہ رہا بندہ نواز۔امیر ، غریب ،جاگیر دار،وڈیرے اور مزارے ، کمی کا فرق مٹانے والے دین اسلام کی حکمرانی کا خواب حضرت ڈاکٹر علامہ اقبال نے دیکھا۔اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد علی جناح کی قیادت میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اقبال کے خواب کی تعبیر کی صورت میں آزاد پاکستان عطا کردیا۔ محمد علی جناح سچے مسلمان تھے جو آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں ۔اور ان کی سوچ عین اسلام کے مطابق تھی ۔بابا قوم قایداعظم کی خواہش کے مطابق اگر ہم پاکستان کو نوکرشاہی، بدعنوان سیاست، اور جاگیر درانہ نظام ۔ سے پاک کرکے روزگار کے زیادہ سے زیادہ منصوبے بنا پاتے تو آج حالات کچھ اور ہوتے اور پاکستان ایک پرامن اور خوشحال مسلم ریاست ہوتا۔ میرے ہم وطنوں اگر آج بھی ہم پاکستان کی حقیقت اور اہمیت کا ادراک کریں اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں تو کچھ بھی مشکل نہیں ۔اگر ہم دین اسلام، کو سمجھنے والی، نظریہ پاکستان کی حقیقتوں سے شناسا،دلیر اور ایک مخلص قیادت لانے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم آج بھی

پاکستان کو دنیا کے نقشے پر حقیقی معانوں میں مثالی اور خوشحال ریاست بنا کے بابا قوم کے خوبوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ جیسے کے بابا قوم شروع سے ہی نوکر شاہی کے شدید مخالف تھے ان کو اس بات کی باخوبی اندازہ اور پختہ یقین تھا کہ جب تک نوکر شاہی ختم نہ ہوئی تب تک ،اسلامی جمہوریہ پاکستان ،نہ تو سہی معانوں میں اسلامی ریاست بن پائے گا اور نہ ہی جمہوریت پھل پھول سکے گی اور اگر جمہوریت نہ رہی تو اقتصادی معاشی، ترقی کرنا بہت مشکل ہو جائے گا، قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم کی سب سے، بڑی مشکل یہ تھی کے سرکاری ملازمین کی آفاقی ذہنیت کو کیسے بدلا جائے تاکہ وہ عوام کے آقا نہ بنیں بلکہ خدمت گزار رہیں۔ بابا قوم نے ایک موقعہ پر سرکاری ملازموں سے خطاب کرتے ہوئے کہا آپ حاکم نہیں ہیں آپ کا حکمران طبقے سے کوئی طالق نہیں۔ لیکن بد قسمتی سے جاگیر درانہ سوچ رکھنے والے سرکاری ملازمین بابا قوم کی خواہش کے برعکس آج تک اپنے آپ کو حکومت کا حصہ ہی سمجھتے ہیں علمیہ تو یہ ہے کے افسر تو افسر پاکستان کے کسی سرکاری دفتر کا چپڑاسی بھی اپنے آپ کو مجسٹریٹ سے اوپر کا افسر سمجھتا ہے۔ اور آج بھی بابا قوم کا خواب ادھورا ہے کے سرکاری ملازمین اپنے آپکو قوم کا خادم سمجھیں اور اپنے فرائض منصبی کو پوری ایمانداری سے سر انجام دیں۔ اسی طرح بابا قوم کو جمہوریت اور آمریت کے فرق کا بھی باخوبی اندازہ تھا اسی لیے انھوں بارہا افواج کے لوگوں کو یہ بات باور کروائی کے نظام پاکستان صرف اور صرف عوام کے منتخب نمائدے ہی چلائیں گے ،اور افواج

پاکستان ان کے تابے ہو گی،ایک موقعہ پر جب 5اگست 1947ء کو قائداعظم بھارتی افواج کے کمانڈرانچیف کے پرائیویٹ سیکریٹری شاہد حامد کی طرف سے ڈنر کی دعوت میں شامل ہوئے جس میں ہندوستانی، مسلمان، سول، عسکری آفیسر اور سیاسی قیادت شامل تھی ۔بابا قوم اس دن قدرتی طور پر بہت خوش تھے اور سب سے ہاتھ ملا رہے تھے وہاں ایک مسلمان فوجی آفیسر نے جب قایداعظم سے یہ سوال کیا کے پاکستان میں، ہماری ترقی (پرموشن)کا کیا ہوگا،تو قائداعظم نے پر وقار انداز میں کہا،آپ مسلمان یا تو آسمانوں سے باتیں کرتے ہو یا دھم سے زمین پر گرپڑتے ہو،آپ درمیانہ راستہ اختیار نہیں کرتے، تمام ترقیاں (پرموشنز)اپنے وقت پر ہوں گی اور پاگل پن سے جلد بازی میں نہیں کی جائیں گی،پاکستان کی منتخب حکومت سول افراد پر مشتمل ہو گی جو بھی جمہوری اصولوں کے پر عکس سوچ رکھتا ہو، اسے پاکستان کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے

حقیقی بلوغت

موسم چاہے کوئی بھی ہو سردی یا گرمی اچھا یا برا لگنے کا انحصار صرف زندگی پر منحصر ہے اگر دل ودماغ اور جسم تندرست وتوانا ہیں تو سبھی موسم اچھے ہیں ورنہ سردی اچھی نہ گرمی اور نہ موسم بہار اچھا لگتا ہے۔زندگی ایک حقیقت ہے۔انسان زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔انسان اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعے اچھا اور کامیاب انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی محنت سے زندگی کو کامیاب طریقے سے گزار سکتے ہیں۔اس بات کی سچائی میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ محنت کرتے ہیں وہ معاشرے میں باعزت اور باوقار طریقے سے جیتے ہیں۔لیکن اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ انسان جیسا جیسا سوچتا ہے اور کرنا چاہتا ہے زندگی میں سب ویسا ویسا نہیں ہوتا ہم رات کو یہ سوچ کر سوتے ہیں کہ صبح سویرے سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی کسی دوست کسی عزیز کا فون آجاتا ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہے اس لیے ہسپتال جانا ہے فوراہی چلے آؤ۔اب رات کو سوتے وقت ہم نے یہ سوچا تھا کہ صبح سیر کرنے پارک جائیں گے لیکن قدرت کو ہسپتال جانا منظور تھا۔مجھے لگتا ہے جیسے انسان زندگی نہیں بلکہ زندگی انسان کو گزارتی ہے۔اگر ایسا نہ ہوتوانسان اور زیادہ خودسر ہوجائے

۔انسان جو کچھ سوچتا ہے اگر سب ویسا ہونے لگے تو پھر انسان کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو تسلیم نہ کرے ۔انسان کی فطرت ایسی ہے جب دنیاوی مشکلات میں گر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرتا ہے لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مشکلات کم ہونے لگتی ہیں انسان کے رابطے اللہ تعالیٰ سے کم ہونے لگتے ہیں ۔یہی انسان کے نا بالغ ہونے کی دلیل ہے ۔ جس معاشرے میں صبر کرنے کی صلاحیت نہیں اس معاشرے میں حقیقی بلوغت نہیں ہے ۔جس معاشرے میں حقیقی بلوغت ناپید ہوجائے اس معاشرے میں انسانی اقدار کی پامالی معمول بن جاتی ہے ایسے معاشرے میں انسان کی قدروقیمت کم اور نفسانی خواہشات کی زیادہ قدر ہوتی ہے ۔بلوغت دو قسم کی ہے ۔جسمانی اور باطنی و حقیقی ۔جسمانی بلوغت سولہ سال کی عمر پر ہوتی ہے ۔جسمانی بلوغت سے تو سب ہی واقف ہیں ۔لیکن بدقسمتی سے حقیقی بلوغت کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں ۔بمشکل دو فیصد لوگ ہی حقیقی بلوغت کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں ۔ میرے خیال میں ذہنی و حقیقی بلوغت سے واقفیت اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا ۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے آسانیاں فرماتا ہے۔ خوش قسمتی سے ذہنی فکری بلوغت کے لیے عمر کی کوئی بھی حد مقرر نہیں ہے ۔بلکہ ذہنی و فکری بلوغت خالصتا اسلامی ذہن کی تشکیل سے ہوتی ہے۔اسلام میں جسمانی بلوغت کافی نہیں بلکہ روحانی بلوغت بھی ضروری ہے ۔بے صبری اور بے قراری تو بچپنے کی نشانیاں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ذہنی اور فکری طور پر نا بالغ ہے ۔ذہنی طور پر نا بالغ انسان

بچوں اور حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔اس میں ذہنی اور فکری صفات مفقود ہوتی ہیں۔ کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ اس چیز کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہ ہو۔ایسے انسان میں نفسانی خواہشات کے سوا کوئی اور تقاضا نہیں ہوتا حالانکہ خواہشات کی پیروی کا انجام عارضی مسرت اور بعد ازاں بربادی کے سوا کچھ نہیں۔یہ خوشی تو جلد ہی ختم ہوجاتی ہے لیکن گناہوں کا غم طویل مدت تک باقی رہتا ہے غربت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی بہت یاد آتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمدؐ نے غربت کو پسند فرمایا ہے۔دنیا کا مال دولت انسان کو حق سے دور کردیتا ہے۔دولت کے نشے میں انسان اپنے ارد گرد بسنے والے غریب لوگوں کو کم تر سمجھنا شروع کردیتا ہے۔ خاص طور پر سود کو اسلام میں بہت زیادہ ناپسند کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے۔جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں) سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا) تو جو پہلے ہوچکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔سورۃ البقرہ: ۲۷۵ اس طرح انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت

نہ پسند ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو پوری کائنات کی مخلوقات سے بہتر پیدا فرمایا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اس کی اصلاح کی خاطر اپنے پیغمبر بھیجے اور آخر میں سب پیغمبروں کے سردار حضرت محمدؐ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر ہماری اصلاح کے لیے بھیجا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ علم عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبیؐ نے اپنی ساری زندگی عمل کر کے واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک سانس لینا بھی غفلت میں شامل ہے۔کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم خود کو سرکار دوعالمؐ کا امتی کہتے ہیں لیکن قدم قدم پر جھوٹ بولتے ہیں ۔مسلمان اہل ایمان کی بجائے کفار کو اپنا عزیز رکھتے ہیں ۔بیگناہوں کو ناحق قتل کرتے ہیں ۔سود کا کاربار کھلے عام کرتے ہیں۔حق کی گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔حرام مال کماتے ہیں۔خود اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔الغرض کہ ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی حضرت محمدؐ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

زندگی کے آثار

زمین سے نکل کسی دوسرے، تیسرے سیارے پر زندگی بسر کرنے ،وہاں کے سکون و شانتی کو برباد کرنے کا خواہش مند انسان گزشتہ کئی دہائیوں سے مختلف سیاروں کی خاک چھان رہا ہے۔ سیارہ زمین پر انسان چند گز زمین کی ملکیت حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں ۔ بھائی ، بھائی کو اور باپ ،بیٹا ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں ۔ ریاستی و غیر ریاستی عناصر اقتدار کی جنگ لڑ رہیں ۔ کوئی حکومتی رٹ قائم کرنے اور کوئی حکومت حاصل کرنے کیلئے معصوم ،بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ ہر کوئی ترقی و خوشحالی کا خواں ہے جبکہ انسانیت لگاتار خسارے میں ہے۔ نجانے انسان کو یہ فکر کیوں لاحق ہے کہ آبادی تیزی کے ساتھ بڑے گی تو زمین تنگ پڑھ جائے گی ؟انسان نہ تو اپنی زندگی پر قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی دوسروں کی پیدائش پر۔ زمین پر زندگی موجود ہے تو کیا یہ انسان کی پیدا کردہ ہے ؟کیا ہوا انسان کی مرضی سے چلتی ہے ؟کیا بادل انسان کے حکم پر بارش برساتے ہیں ؟کیا سمندر انسانی خواہش پر تھمے ہوئے ہیں ؟کیا پہاڑوں کو انسان نے بلند کیا ہے ؟انسان کی حیثیت کیا ہے ؟حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ۔انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ۔تلاش ،سرچ انسانی فطرت میں شامل ہے پر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ ہم نئے نئے خیالات اور ایجادات پر

تو توجہ دیں پر موجودہ زندگی کو بہتر بنانے پر بالکل بھی دھیان نہ دیں۔فرض کریں اگر کسی دوسرے سیارے پر زندگی کے آثار مل جاتے ہیں تو کیا ہوگا؟وہی ہوگا جو زمین پر ہورہا ہے ۔طاقت ور کمزور کے حقوق پرڈاکہ ڈال کر محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں زمین سے کوچ کرجائے گا۔دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ زمین پر اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کرتے ہیں۔جن کے گرددرجنوں سیکورٹی گارڈ موجود رہتے ہیں وہ فوری طور پر ایک نئے سیارے پر رہائش پذیر ہو کر اپنی زندگی کو محفوظ بنانے کی کوشش کریں گے۔ماضی میں بھی کئی مرتبہ سننے میں آیا کہ سائنسدان مریخ یا چاند پر زندگی کی آثار تلاشنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ایک رپورٹ کے مطابق ناسا کے تحقیقاتی روبوٹ کی جانب سے موصول ہونے والی نئی معلومات میں انکشاف ہوا ہے کہ سیارہ مریخ پرزندگی کے آثار موجود ہیں۔ناسا کی جانب سے امریکی سائنسی جریدے میں شائع ہونے والی تحقیق میں دعویٰ کیا گیاہے کہ سرخ سیارے مریخ پر انسانی زندگی کے اثار کی موجودگی سامنے آئی ہے۔ناسا کے مطابق زندہ چیزں میں پائے جانے والے اہم عنصر میتھین کے ذرات مریخ کی فضا میں پائے گئے ہیں ۔ناسا کے سائنسدان جون کروٹ زنگر کا کہنا ہے کہ ابھی اسحوالے سے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔اُس کا کہنا ہے کہ مریخ پر زندگی کے متعلق ملنے والی معلومات انتہائی اہم ہیں۔کیونکہ عنصر میتھین کو سائنسدان گزشتہ کئی دہائیوں سے تلاش کررہے تھے لہٰذااب یہ بات انتہائی اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مریخ کی فضامیں مختلف ادوار

میں میتھین گیس موجود رہی ہے اور ساتھ ہی اس پر موجود چٹانوں میں بھی کئی جگہ آرگنک موجود ہے۔جون کروٹ زنگر کا کہنا ہے کہ تحقیقاتی روبوٹ کی جانب سے موصول ہونے والے میٹریل کے کیمیکل تجزے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ نہ صرف میتھین بلکہ آرگنک مالیکیول بھی مریخ کی چٹانوں میں موجود ہے۔سائنسدانوں کا گزشتہ کئی دہائیوں سے ماننا ہے کہ لاکھوں سال پہلے مریخ کی چٹانیں گرم اور گیلی تھیں جو بعد میں موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے سخت ہو کر جم گئیں۔قارئین ایک طرف تو انسان زندگی کے آثار تلاش کر رہا ہے اور دوسری جانب زندگی کو ختم کرنے کوشش۔بھارت کے شہر دہلی سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں اس تحقیقاتی رپورٹ کے ساتھ ایک خبر اور بھی شائع ہوئی جس میں لکھا تھا کہ یارکشائر کے علاقے رچمنڈ سے گزشتہ روز سہ پہر تین بجے ایک شہری نے پولیس کو فون کرکے بتایا کہ کچرے کی ٹوکری میں نومولود بچی کی نعش پڑی ہے۔سائنسدانوں کی رپورٹ کے مطابق مریخ پر لاکھوں سال قبل زندگی موجود تھی جو موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث ناپید ہو گئی ۔کیا آپ کو نہیں لگتا کہ مریخ سے زندگی کا خاتمہ موسموں نے نہیں کیا بلکہ وہاں بسنے والے انسانوں نے بے گناہ، معصوم نامولودوں کو کچرے کی ٹوکری میں پھینک کر کیا ہوگا؟مریخ کی زندگی کیسے برباد ہوئی یہ تو مجھے معلوم نہیں پر زمین پر لگاتار پھیلتی تباہی و بربادی دیکھ کر لگتا ہے کہ انسان زمین سے زندگی کے آثار ختم کرکے دم لے گا۔زمین ہو یا مریخ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ اپنی مخلوق پر ظلم پسند نہیں

کرتا۔ کچرے کی ٹوکری ہو، پشاور کا سکول ہو یا دہشتگردی کیخلاف جنگ میں بے گناہ معصوموں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا جائے۔ کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کوئی اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر قتل کرے یا کسی کو اللہ اکبر کا نعرہ لگانے پر قتل کر دیا جائے کسی بھی حالت میں بے گناہوں کا قتل انتہائی ظلم ہے۔ اپنے ذاتی مفادات کو مذہب یا فرقہ کا لباس پہنا کر کسی ملک یا قبیلے کیخلاف جنگ کا بہانہ بنانا اور پھر بے گناہ، معصوم بچوں، عورتوں اور بزرگوں جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے کو قتل کرنا کسی بھی انسانی معاشرے کی بدترین مثال ہے۔ مریخ پر زندگی کے آثار تلاش کرنے والا انسان زمین پر بسنے والی زندگی کو غنیمت جانے تو یقین کریں بہت کچھ ہے اس زمین پر زندہ رہنے کیلئے۔ سائنسدان مریخ پر زندگی کے آثار تلاش کر رہے ہیں جبکہ راقم کا ایمان ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں جان ہے اور ہر ذرے میں ان گنت جہان ہیں۔

تلاش انسانی فطرت میں شامل ہے اس لئے انسان ہر دور میں نئے جہان تلاش کرتا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے اور آنے والے نئے سال میں ہم پاکستانی بھی اپنے لئے ایک نیا پُرامن جہان تلاشنے میں کامیاب ہو جائیں۔ قارئین گزشتہ کئی سالوں کی طرح سال 2014ء بھی دہشتگردی کی نذر ہوگیا۔ چاروں طرف خون میں لپٹے انسانی عضاء اور بارود کی بدبو۔ سانحات، دہشت و وحشت، بھوک، افلاس، ناانصافی، بدامنی، سسکیاں اور آہیں دامن میں سمیٹے سال 2014ء اختتام پذیر ہوا چاہتا ہے۔ اللہ کرے آنے والا نیا سال زمین اور ساری کائنات پر بسنے والی مخلوق کیلئے

خیر وآفیت کا پیغام لائے۔ مریخ پر زندگی تلاشنے والوں کو بھی کامیابی نصیب ہو اور زمین
پر سسکتی زندگی کو بھی سکون ملے۔ اور نئے سال میں زندگی کے آثار قائم رہیں (آمین

کلمہ طیبہ کا ترجمہ ہے ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''کلمہ طیبہ سے سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔لفظ ''ہیں''پر غور کریں۔نبی کریم ﷺ،انبیاء کرام اور صالحین کے سوا کبھی کسی جگہ لفظ ہیں استعمال نہیں ہوتا ۔ابو جہل اور دیگر کافروں اور منافقین کو کبھی کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں؟نہیں میں نے تو آج تک ایسا نہ سنا اور نہ پڑھا ہے۔کافروں کے مرمٹ جانے کے بعد جب بھی ذکر آتا ہے اسی طرح آتا کہ فلاں بہت بڑا کافر تھا۔یعنی کافر اپنے کفر کے سبب مٹ گیااور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس دنیا فانی سے پردہ کرنے کے باوجود تھے نہیں بلکہ آج بھی ہیں۔فرض نماز میں ''تشہد''پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔جس کا ترجمہ یہ ہے ''تمام قولی عبادتیں اوربدنی اورمالی اللہ کیلئے ہیں۔اے نبی ﷺ آپ پرسلام ہواوراللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔سلام ہو ہم پراوراللہ کے نیک بندوں پر۔میں گواہی دیتا ہوں تحقیق محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''کلمہ طیبہ کی طرح یہاں بھی سامنے آیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام ترعبادتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور بارگاہ نبوت میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے

تمام نیک بندوں پر سلام پڑھنا چاہئے ۔ نماز کی حالت میں نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام پڑھا جاسکتا ہے تو پھر بارگاہ نبوت میں کسی بھی وقت سلام عرض کیا جاسکتا ہے ۔ میں تو کہتا ہوں کہ ہماری اوقات ہی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی حضرت محمد ﷺ کی شان بیان کر سکیں اور اُن کی خدمت میں اسلام پیش کر سکیں۔ آج ہم جو آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں تو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مہربانی ہے ہم پر۔ آپ نے کئی مرتبہ سنا، دیکھا ہوگا بلکہ کئی مرتبہ خود ہمارے ساتھ یہ واقع پیش آتا ہے کہ جب دنیا کے کسی بڑے (امیر) شخص کو سلام کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چل جا کام کر مجھے نہیں چاہئے تیرا اسلام۔ قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ کی شان پر کوئی شاہ ہو یا فقیر سب آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اپنے انبیاء خاص طور پر نبی کریم ﷺ اور اپنے نیک بندوں کا ذکر بھی بلند فرمایا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے وہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کلمہ طیبہ میں ساتھ، اذان میں ساتھ، نماز میں ساتھ اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید میں ساتھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذکر بلند کرے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُسی کے بندوں کا ذکر ہم بلند کرتے ہیں تو ایک گروہ پریشان کیوں ہو جاتا ہے؟ ڈاکٹر سے دوا لینا درست اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دُعا سے شفاء پانا شرک کیوں ہے کچھ لوگوں کے نزدیک؟ چند روز قبل میں لاہور سے شائع ہونے والے ایک روزنامہ کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ کرائم رپورٹر ہانپتا ہوا

آیا اور پریشانی کے عالم میں بتانے لگا کہ تین دن سے ہسپتالوں کے چکر لگا رہا ہوں پر درد ہے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔اُس نے چیف ایڈیٹر 'امین بھٹی' اور دیگر عملہ کی موجودگی میں اپنی کیفیت بیان کی اتنے میں وہاں موجود سجاد شاکر نے سر درد کی شکایت کی تو میں نے اپنے پیرو مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست سرکار کا فون نمبر ملا کر اُسے دیا اور کہا کہ دم کروالو ابھی آرام آجائے گا وہ دم کروا کر اپنا کام کرنے لگ گیا۔ نیوز ایڈیٹر مصطفیٰ حسن نے سجاد سے پوچھا سر درد ٹھیک ہوگیا تمہارا؟اُس نے کہا جی بالکل ٹھیک ہوگیا۔ کرائم رپورٹر یہ واقع دیکھ کر بولا یار مجھے بھی دم کروادو۔ میں نے ایک بار پھر پیرو مرشد کا فون نمبر ملایا اور سجاد کو کہا کہ اُن کا تعارف کروا کر دم کی درخواست کرو۔ پیرو مرشد نے کرائم رپورٹر کو دم کر دیا۔ دم کرنے کی دیر تھی کہ وہ ہشاش بشاش ہو کر بولا یار یہ تو کمال ہوگیا۔ میں نے تو ایسے ہی کہا تھا۔ میں تو مانتا ہی نہیں ایسی باتوں کو اور نہ میں شرک والے کام کرتا ہوں پر آپ کے مرشد تو کمال ہیں میں بالکل ٹھیک ہوگیا ہوں۔ بس اب اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں پھر درد نہ شروع ہو جائے۔ میں نے اُسے شاہ صاحب کا نمبر دے کر کہا اللہ نہ کرے پھر درد ہو تو فون کر لینا۔ قارئین غور کریں جب ڈاکٹر کے پاس جانا شرک نہیں تو اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے سے دعا کروانا شرک کس طرح ہوگیا؟ کسی حکیم ،ڈاکٹر سے دوا لی جائے یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندے سے دعا کروائی جائے کسی بھی حالت میں شفاء تو اللہ تعالیٰ ہی

دیتا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ رب رحمان اپنے بندوں کا ذکر اسی طرح بلند کرتا ہے جب مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے تب ہی مانتی ہے اور رب رحمان کیلئے کچھ مشکل نہیں جب چاہے جہاں چاہئے کسی سے بھی، کوئی بھی کام لے سکتا ہے۔ جس کو چاہے عزت عطا کر سکتا ہے۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں (صالحین) کا احترام کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے اپنی مشکلات بیان کرتے اور دُعا کی درخواست کرتے ہیں تو کوئی اس کا ہرگز یہ مطلب نہ لے کہ ہم اُن کو اللہ تعالیٰ کی مثل مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے تعلیم وتربیت حاصل کرنا۔ اُن کی دُعاؤں کے سبب اللہ تعالیٰ کا فیض پانا شرک نہیں ہو سکتا۔ آجکل دیوانے سرکار دوعالم حضرت محمد ﷺ کی ولادت کا جشن منا رہے تو کچھ لوگ اس پر بھی اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں۔ ارے بھائی تیری، میری سالگرہ منائی جا سکتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کی سالگرہ کے موقع پر خوب خوشی کر سکتے ہیں تو پھر اللہ کے حبیب نبی ﷺ کی والادت کی خوشی کیوں نہ منائی جائے؟ کیونکہ حضور ﷺ کل کائنات کیلئے رحمت بن کر آئے اس لئے آقا کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات مناتی ہیں۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادات کی خوشی مناتے وقت ادب واحترام کا دامن نہ چھوٹ جائے اور نہ کسی ایسے طریقے سے خوشی کا اظہار کیا جائے جس کی اجازت شریعت نہ دیتی ہو۔ نبی کریم کے دیوانے 12 ربیع الاول کے دن غسل کریں، ناخن کاٹیں، بال بنائیں، خوشبو لگائیں اور صاف ستھرا لباس پہن کر خوب سج دھج کر آقا کریم پر درود سلام پڑھیں اور اپنی حیثیت کے

مطابق لنگر تقسیم کریں۔ ممکن ہو تو آل رسول اللہ ﷺ کے آستانے پر حاضر ہو کر عظیم
الشان محفل میلاد میں شرکت کریں۔ آستانہ اویسیہ پیرووالا روڈ قصور نزد جناں والی
مسجد پر 12 ربیع الاول ، 4 جنوری بروز اتوار۔ دن 11 سے 2 بجے۔ زیر سرپرستی پیرومرشد
سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست سرکار ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد ہوگی
جس میں سرکار دو عالم کی ولادت کی خوشی بھی منائی جائے گی اور مخلوق کی بھلائی کا درس
بھی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی ادب واحترام کے
ساتھ منانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرک سے محفوظ رکھے (آمین

عید میلاد النبی ﷺ، مرحبا، مرحبا

کلمہ طیبہ کا ترجمہ ہے ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' کلمہ طیبہ سے سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لفظ ''ہیں'' پر غور کریں۔ نبی کریم ﷺ، انبیاء کرام اور صالحین کے سوا کبھی کسی جگہ لفظ ہیں استعمال نہیں ہوتا۔ ابو جہل اور دیگر کافروں اور منافقین کو کبھی کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں؟ نہیں میں نے تو آج تک ایسا نہ سنا اور نہ پڑھا ہے۔ کافروں کے مرمٹ جانے کے بعد جب بھی ذکر آتا ہے اسی طرح آتا کہ فلاں بہت بڑا کافر تھا۔ یعنی کافر اپنے کفر کے سبب مٹ گیا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس دنیا فانی سے پردہ کرنے کے باوجود تھے نہیں بلکہ آج بھی ہیں۔ فرض نماز میں ''تشہد'' پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ''تمام قولی عبادتیں اور بدنی اور مالی اللہ کیلئے ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں تحقیق محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں'' کلمہ طیبہ کی طرح یہاں بھی سامنے آیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر عبادتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور بارگاہ نبوت میں ہی نہیں بلکہ

اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام پڑھنا چاہیئے۔ نماز کی حالت میں نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام پڑھا جاسکتا ہے تو پھر بارگاہ نبوت میں کسی بھی وقت سلام عرض کیا جاسکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ہماری اوقات ہی نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی حضرت محمد ﷺ کی شان بیان کرسکیں اور اُن کی خدمت میں اسلام پیش کرسکیں۔آج ہم جو آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں تو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مہربانی ہے ہم پر۔آپ نے کئی مرتبہ سنا،دیکھا ہوگا بلکہ کئی مرتبہ خود ہمارے ساتھ یہ واقع پیش آتا ہے کہ جب دنیا کے کسی بڑے (امیر) شخص کو سلام کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چل جاکام کر مجھے نہیں چاہیئے تیرا سلام۔قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ کی شان پر کوئی شاہ ہو یا فقیر سب آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اپنے انبیاء خاص طور پر نبی کریم ﷺ اور اپنے نیک بندوں کا ذکر بھی بلند فرمایا ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے وہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر بھی ملتا ہے۔کلمہ طیبہ میں ساتھ،اذان میں ساتھ،نماز میں ساتھ اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید میں ساتھ۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذکر بلند کرے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُسی کے بندوں کا ذکر ہم بلند کرتے ہیں تو ایک گروہ پریشان کیوں ہوجاتا ہے؟ڈاکٹر سے دوالینا درست اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دُعا سے شفاء پانا شرک کیوں ہے کچھ لوگوں کے نزدیک؟ چند روز قبل میں لاہور سے شائع ہونے والے ایک روزنامہ کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ کرائم رپورٹر ہانپتا

ہوا آیا اور پریشانی کے عالم میں بتانے لگا کہ تین دن سے ہسپتالوں کے چکر لگا رہا ہوں پر درد ہے کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اُس نے چیف ایڈیٹر 'امین بھٹی' اور دیگر عملہ کی موجودگی میں اپنی کیفیت بیان کی اتنے میں وہاں موجود سجاد شاکر نے سر درد کی شکایت کی تو میں نے اپنے پیر و مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست سرکار کا فون نمبر ملا کر اُسے دیا اور کہا کہ دم کروالو ابھی آرام آ جائے گا وہ دم کروا کر اپنا کام کرنے لگ گیا۔ نیوز ایڈیٹر مصطفیٰ حسن نے سجاد سے پوچھا سر درد ٹھیک ہوگیا تمہارا؟ اُس نے کہا جی بالکل ٹھیک ہوگیا۔ کرائم رپورٹر یہ واقع دیکھ کر بولا یار مجھے بھی دم کروادو۔ میں نے ایک بار پھر پیر و مرشد کا فون نمبر ملایا اور سجاد کو کہا کہ اُن کا تعارف کروا کر دم کی درخواست کرو۔ پیر و مرشد نے کرائم رپورٹر کو دم کر دیا۔ دم کرنے کی دیر تھی کہ وہ ہشاش بشاش ہو کر بولا یار یہ تو کمال ہوگیا۔ میں نے تو ایسے ہی کہا تھا۔ میں تو مانتا ہی نہیں ایسی باتوں کو اور نہ میں شرک والے کام کرتا ہوں پر آپ کے مرشد تو کمال ہیں میں بالکل ٹھیک ہوگیا ہوں۔ بس اب اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں پھر درد نہ شروع ہو جائے۔ میں نے اُسے شاہ صاحب کا نمبر دے کر کہا اللہ نہ کرے پھر درد ہو تو فون کر لینا۔ قارئین غور کریں جب ڈاکٹر کے پاس جانا شرک نہیں تو اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے سے دعا کروانا شرک کس طرح ہوگیا؟ کسی حکیم ،ڈاکٹر سے دوا لی جائے یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندے سے دعا کروائی جائے کسی بھی حالت میں شفاء تو اللہ تعالیٰ ہی

دیتاہے۔ میرا ماننا ہے کہ رب رحمان اپنے بندوں کا ذکر اسی طرح بلند کرتا ہے جب مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے تب ہی مانتی ہے اور رب رحمان کیلیے کچھ مشکل نہیں جب چاہے جہاں چاہے کسی سے بھی، کوئی بھی کام لے سکتا ہے۔ جس کو چاہے عزت عطا کر سکتا ہے۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ ہم اللہ تعالی کے نیک بندوں (صالحین) کا احترام کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے اپنی مشکلات بیان کرتے اور دُعا کی درخواست کرتے ہیں تو کوئی اس کا ہرگزیہ مطلب نہ لے کہ ہم اُن کو اللہ تعالی کی مثل مانتے ہیں۔ اللہ تعالی کے نیک بندوں سے تعلیم وتربیت حاصل کرنا۔ اُن کی دُعاؤں کے سبب اللہ تعالی کا فیض پانا شرک نہیں ہوسکتا۔ آجکل دیوانے سرکار دوعالم حضرت محمد ﷺ کی ولادت کا جشن منا رہے تو کچھ لوگ اس پر بھی اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں۔ ارے بھائی تیری، میری سالگرہ منائی جاسکتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کی سالگرہ کے موقع پر خوب خوشی کر سکتے ہیں توپھر اللہ کے حبیب نبی ﷺ کی والادت کی خوشی کیوں نہ منائی جائے؟ کیونکہ حضور ﷺ کل کائنات کیلیے رحمت بن کر آئے اس لئے آقا کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات مناتی ہیں۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادات کی خوشی مناتے وقت ادب واحترام کا دامن نہ چھوٹ جائے اور نہ کسی ایسے طریقے سے خوشی کا اظہار کیا جائے جس کی اجازت شریعت نہ دیتی ہو۔ نبی کریم کے دیوانے 12 ربیع الاول کے دن غسل کریں، ناخن کاٹیں، بال بنائیں، خوشبولگائیں اور صاف ستھرا لباس پہن کر خوب سج دھج کر آقا کریم پر درود سلام پڑھیں اور

اپنی حیثیت کے مطابق لنگر تقسیم کریں۔ ممکن ہو تو آل رسول اللہ ﷺ کے آستانے پر حاضر ہو کر عظیم الشان محفل میلاد میں شرکت کریں۔ آستانہ اویسیہ پیرو والا روڈ قصور نزد جناں والی مسجد پر 12 ربیع الاول، 4 جنوری، بروز اتوار۔ دن 11 سے 2 بجے۔
زیر سرپرستی پیر و مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست سرکار ایک عظیم الشان محفل میلاد منعقد ہو گی جس میں سرکار دو عالم کی ولادت کی خوشی بھی منائی جائے گی اور مخلوق کی بھلائی کا درس بھی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی ادب واحترام کے ساتھ منانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرک سے محفوظ رکھے (آمین)

ایک شام صحافت کے نام

قلم کی طاقت کو دنیا کا ہر معاشرہ تسلیم کرتا ہے۔ قلم اور اہل قلم ہمیشہ معتبر رہے ہیں ۔معذرت کے ساتھ کہ ایسے لوگ جو مختلف ذرائع سے کاپی ، پیسٹ کرکے اپنی تشہیر کا اہتمام کرتے ہیں راقم اُن کو اہل قلم میں شمار نہیں کرتا۔ قلم ایک ایسا ہتھیار ہے جو اہل قلم کے خیالات کو تحریر میں ڈھال کر معاشرے میں اہم کردار ادا
کرتا ہے۔ تیر، تلوار، توپ، میزائل ، ایٹم بم اور ان جیسے کئی مختلف جان لیوا ہتھیار صرف اور صرف تباہی پھیلانے کے کام آتے ہیں جبکہ قلم کسی معاشرے کو تباہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور تباہی سے نکال کر کامیابی و کامرانی کی منازل تک بھی لے جاتا ہے ،فرق اس بات سے پڑھتا ہے کہ قلم ہے کس فرد کے ہاتھ میں ۔دنیا میں لسانیت،فرقہ پرستی اور نفرت جیسی لعنتیں بھی قلم کے ذریعہ پھیلائی جاتی ہیں جبکہ مساوات و بھائی چارے،اتحاد ویگانت اور انسانیت کے اصول بھی قلم ہی تحریر کرتا ہے۔ قلم ،اتنا طویل موضع ہے کہ اس پر سالوں بات کی جاسکتی ہے پر آج میں ذکر کرنے بیٹھا ہوں اہل قلم کے اعزاز میں ہونے والی ایک تقریب کا۔ایک ایسی شام جسے بہت سے صحافتی ستاروں نے دیگر سماجی شخصیات کے ساتھ مل کر سجایا۔ایک شام صحافت کے نام کی شاندار تقریب میں مہمان خصوصی ایڈیٹر روزنامہ سماء، جناب عاطف سعید فاروقی اورچیف ایڈیٹر

روزنامہ سرزمین، جناب صفدر علی خان نے دوران تقریب سے خطاب کرتے بہت خوبصورت بات کی کہ ہمیں مثبت سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے شکوے، شکایات سے نکل کر آگے بڑھنا چاہئے۔ انہوں نے کہاکہ انسانی اصولوں پر عمل پیرا ہوکراور وسائل کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے ہی دنیا میں امن قائم کیا جاسکتاہے۔ اس موقع پر جناب ایم اے تبسم، مرکزی صدر کالمسٹ کونسل آف پاکستان نے کہاکہ کالم نگاروں کی حوصلہ افزائی کے ممبران ملک وقوم کی (ccp) کیلئے ایسی تقاریب آئندہ بھی منعقد کرتے رہیں گے اور خیر خواہی کیلئے اپنا بھرپور قلمی کردار ادا کرتے رہیں گے۔ جناب محترم ایم اے جوزف فرانسس نے خطاب کرتے ہوئے مسیح برادری کی مشکلات اور حکومتوں کی بے حسی پر روشنی ڈالنے کیساتھ ساتھ جدوجہد آزادی میں کرسچن رہنماؤں کے اہم کردار اور پاکستان کے ساتھ محبت کے اصولی موقف پر بھی توجہ دلائی۔ اُنہوں نے مطالبہ پیش کرتے کہاکہ وہ مسیح ہیں عیسائی نہیں اس لئے اُنہیں عیسائی نہ پکارا جائے۔ تقریب میں اکثریت اور اقلیت کے موضوع پر اضافی گفتگو ہوئی۔ اکثریت اور اقلیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنے سے قبل تقریب کی مزید کارروائی پر ایک نظر ڈالتا چلوں۔ ایم ایم اے جوزف، (ممبر، (ccp) اے تبسم (مرکزی صدر کالمسٹ کونسل آف پاکستان اور چیرمین پاکستان کرسچن نیشنل پارٹی) مارٹن CLAAS برٹش ایمپائر، ڈائریکٹر جاوید مائیکل (سنیئر وائس چیرمین سی این پی، سرپرست اعلیٰ مائیکل ویلفیئر فاؤنڈیشن) اور اقبال کھوکھر (چیف ایگزیکٹو عوامی محبت گروپ آف پبلیکیشنز) کے

زیر انتظام کالمسٹ کونسل آف پاکستان کے ممبران کے عزاز میں ایک شاندار تقریب
منعقد ہوئی۔جس میں مہمان خصوصی صفدر علی خان،چیف ایڈیٹر روزنامہ سرزمین
اور عاطف سعید فاروقی،ایڈیٹر روزنامہ سماء تھے۔دیگر مہمانوں میں میاں
محمود نواز، سینئر کالم نگار ع۔م بدر سرحدی شامل تھے۔اس موقع پر جن دوستوں کو
تعریفی اسناد سے نواز کران کی حوصلہ افزائی کی گئی اُن میں میر افسر امان (کراچی)
محمد جاوید اقبال صدیقی (کراچی)،فرحین ریاض (کراچی)، عروبہ عدنان (کراچی)، صالحہ،
عزیز (کراچی)، عقیلہ حق (کراچی)، ملیحہ سید (لاہور)، راقم امتیاز علی شاکر (لاہور)
ساحر قریشی (شیخوپورہ)، وسیم نذر (چوکی)، سجاد علی شاکر (لاہور)، حامد قاضی (شیخوپورہ)،
احسان احمد گھمن (سانگلہ ہل)، تجمل محمود جنجوعہ (ملکوال)، عبدالرؤف چوہان (لاہور)،
ظاہر میرزئی (کوئٹہ)، عقیل خان (چوکی)،ڈاکٹر ایم ایچ بابر (شیخوپورہ)، حکیم محمد ہارون،
لاہور)، محمد عمران سلفی (مصطفیٰ آباد، للیانی)،ایم اے ایوب (لاہور)،ایس ایم
صابر، سعید احمد بھٹی ،اور محترم ع۔م بدر سرحدی (سینئر کالم نگار) کے نام نمایاں تھے ان
خوبصورت لوگوں کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا اور تقریب اختتام
پذیر ہو گئی۔میں سمجھتا ہوں کہ اکثریت اور اقلیت ایک وسیع موضوع ہے۔آج ہر کوئی
اپنے آپ کو بہتر جبکہ دوسروں کو کمتر سمجھے بیٹھا ہے پر حقیقت مختلف ہے،ہمارے مسائل
کا حل اس بات میں ہے کہ ہم دوسروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور کسی کے حقوق
سلب کرنے کی بجائے ، اپنے فرائض ادا کرتے رہیں۔میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ
کے فضل سے

مسلمان ہوں اور میرا یہ ایمان ہے کہ اسلام پوری انسانیت کیلئے بہترین ضابطہ حیات ہے۔آج چاروں طرف شکایات کی بھرمار ہے۔ہر کوئی پریشان حال ہے ۔ کسی کو بھی حقوق نہیں مل رہے۔ہم بات کرتے ہیں اکثریت اور اقلیت کی۔انسان خود کو تقسیم کرتا ہے مذہب ،فرقے، قبیلے ،رنگ ونسل،زبان ، تہذیب و تمدن اور ریاستی بنیادوں پر جبکہ اصل میں تقسیم تو طاقتور اور کمزور کی ہے،دولت منداور غریب کی ہے۔ حکمران اور عوام کی ہے۔اکثریت کی رائے کو تسلیم کرنا جمہوریت ہے تو پھر اقلیت کیوں دنیاپر حکمران ہے؟ بلا تفریق دیکھا جائے تواکثریت کے توحقوق پامال ہیں جبکہ اقلیت دنیاکے وسائل پر قابض ہے۔راقم نے اکثریت اور اقلیت کو کبھی مذہب ،فرقہ یا کسی دوسری بنیادپر تقسیم نہیں کیا۔میں سمجھتا ہوں کہ وسائل پر قابض چند خاندان اقلیت جبکہ کمزور نادار،مزدور،غریب طبقہ اکثریت ہونے کے باوجود جمہوریت کے ثمرات کی تلاش، میں صدیوں سے دربدر کی خاک چھان رہاہے۔میں اس اکثریت میں تمام مذاہب اورتمام انسانوں کو شمار کرتاہوں ۔وہ چاہے کوئی زبان بولتے ہوں، کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی مذہب کے پیروکار ہوں ۔وہ چاہے دنیاکے کسی خطے کے باسی ہوں ۔انسان ہر حال اور ہر مقام پر معتبر ہے۔ماضی میں جب بھی مخلوق گمراہی اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹک کر حقیقت سے دور ہو کر دکھ و درد میں مبتلاہوا کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول رہنمائی اور مسیحائی کیلئے بھیج دیا کرتا تھا۔ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور اُن کے بعد کوئی رسول آیا نہ آئے

گا۔پھر بھی ہم کسی مسیحا کی تلاش میں ہیں تو یہ ہماری کم عقلی نہیں تو اور کیا ہے ؟نبی کریم ﷺ کو اللہ پاک نے رحمتہ اللعالمین بنایا نہ کہ کسی گرو،فرقے اور نہ صرف انسانوں کیلئے بلکہ گزرے ہونے زمانوں سے لے کر ہر آنے والے دور کی تمام مخلوقات کیلئے آپ ﷺ رحمت بن کر آئے ۔ایسی رحمت جو پوری کائنات پر برستی ہے پر کم نہیں ہوتی ۔ہم کیوں اپنے گرد دائرہ بنا کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارا

مذہب، عقیدہ،زبان، نسل اور ہمارے خیالات افضل جبکہ باقی تمام کمتر ہیں؟میں سمجھتا ہوں کہ آج مذہب،فرقہ، قبیلہ ،رنگ و نسل اور علاقائی بنیادوں پر اقلیت اکثریت کو دبوچے ہوئے ہے۔غریب کو مذہب ، عقیدہ اور قبیلے یہاں تک کہ ریاست کی فکر ڈال کر امیر طبقہ وسائل پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔آپ غور کریں غریب پاکستانی کہتا ہے کہ میرا جینا مرنا پاکستان ہے جبکہ امیر کا عمل آپ کے سامنے ہے کہ اُس کا پاکستان پر حکومت کرنا وسائل کو بے دردی کے ساتھ خرد برد کرنا اور اپنے جائز و ناجائز وسائل کو بیرون ملک محفوظ کرنا اور نعرہ لگانا کہ اصل طاقت عوام (یعنی اکثریت) ہیں ۔آخر وجہ کیا ہے کہ اکثریت حقوق سے محروم اور اقلیت تمام تر وسائل پر قابض ہے ؟کیا ایسا تو نہیں کہ اکثریت اقلیت سے اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کی بجائے شکایات اور محرومیوں کو دامن میں سجائے کسی مسیحا کے انتظار میں ہے ؟کیا ایسا تو نہیں کہ ہم ظالموں سے رحم کی اُمید لگائے اپنے مطالبات پیش کئے جارہے ہیں ؟پاکستان کا قومی مذہب اسلام جبکہ دیگر مذاہب اور عقائد کے لوگ اقلیت جانے جاتے ہیں

جن میں مسیح برادری بھی شامل ہے۔ مسیح برادری اقلیتوں کیلئے برابری کے حقوق تسلیم کروانے کی خواں ہے جبکہ راقم کے خیال میں اصل مسئلہ مذہب یا ذات برادری نہیں بلکہ کمزور اور طاقتور کا ہے۔آج طاقتور کا کوئی مذہب ہے اور نا فرقہ ۔مثال کے طور آئین پاکستان کے مطابق حق حکمرانی صرف مسلمانوں کو حاصل ہے جبکہ آزادی پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان میں سودی نظام رائج ہے ۔پاکستان کے حکمران مسلمان ہیں تو پھر سودی نظام کون چلا رہا ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے روح گردانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سودی لین دین کو سخت ناپسند فرمائے اور مسلمان بذریعہ سودی نظام ریاست کو چلانے کی کوشش کریں؟اسلام پر تنقید کرنے والوں کو میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام صرف مسلمانوں کیلئے نہیں بلکہ بلا امتیاز تمام انسانوں کے حقوق کی نہ صرف بات کرتا ہے بلکہ حق دار کا حق اُس کی دہلیز پر فراہم کرنے کا درس دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں انسانیت کی بنیادوں پر حقوق کی تقسیم کرنا چاہئے نہ کہ مذہب ،فرقہ ،رنگ و نسل یا علاقائی بنیادوں پر۔جہاں جس کا جو حق بنتا ہے اُسے حاصل رہے۔ کوئی کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈالے تو تب ہی ایک متوازن معاشرہ قیام میں آسکتا ہے۔ کسی کو میری رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے پر انسانیت سب کیلئے برابر ہے۔آخر میں ، میں شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں تمام دوستوں کا جنھوں آج کے مصروف ترین دور میں قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کیلئے اپنا وقت اور پیسہ خرچ کیا اور ایک شام صحافت کے نام کی۔اللہ

تعالیٰ میرا اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔

اسلام کلی مساوات اور عدل وانصاف کا درس دیتا ہے

ہر باشعور انسان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ بڑی قابل عزت ہستی ہے۔اسلام نے عورت کو کس قدر عزت دی ہے اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عورت (ماں) کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام کلی مساوات اور عدل وانصاف کا درس دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت ٗمذکر، مونث اور نر ومادہ میں تفریق نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر عمل ہو سکے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا کہ عدل کرو یہی بات تقویٰ سے نزدیک ہے ''لڑکی کو لڑکے سے کمتر سمجھنے کی غلط ذہنیت کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔رسول اکرمؐ نے بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے۔آپؐ نے فرمایا ''جس آدمی کے گھر دو لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ جوان ہوجائیں تو ایسا آدمی بالکل اسی طرح میرے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں (ترمذی) راقم جیسے گناہ گار شخص کو جنت کی تو خاص طلب نہیں لیکن اگر سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کا ساتھ ملے اور وہ بھی اس قدر سستے داموں تو کون کم بخت ہے جو ایسی جنت نہ خریدے ؟اسلام سے پہلے اہل عرب بیٹی

کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔ اول تو بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے یا پھر جب بیٹیاں چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں تو باپ انھیں کسی بہانے سے جنگل میں لے جاتے اور کسی گڑھے میں پھینک کر مٹی میں دفن کر دیتے۔ اہل عرب کا یہ ظالمانہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا ناگوار گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”اور جب اس لڑکی جو زندہ دفن کر دی گئی ہو پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی ۸۔۹“ یہاں پوچھنے کا مقصد اس بچی کی گواہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا سنتا ہے۔ یقیناً بچی گواہی دے کہ وہ تو معصوم تھی اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ جرم کیا ہے۔ اہل یونان کی طرح اہل عرب معاشرہ میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔ لونڈیاں اور غلام بازار میں عام جانوروں کی طرح بیچے جاتے تھے۔ غلام کی قیمت ادا کرنے والے آقا اپنے غلاموں سے طرح طرح کے کام لیتے اور ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ ایسے جاہل معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہو سکتا تھا۔ اہل شعور یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ میں اس دور میں موجود نہ تھا اس لیے اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ میرے خیال کے مطابق دور جہالت میں عورت صرف ایک جسم تھی جس کی کوئی قیمت بھی نہ تھی اور اسے اپنی ہی زندگی پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ جیسے کوئی بھیڑ یا بکری پالنے والا جب چاہے جہاں چاہے باندھ دے، جب چاہے جسے چاہے بیچ دے اور جب چاہے ذبح کر دے۔ عورت دور جہالت میں عرب اور یونانی معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ جاہل لوگ بیٹیوں کو عار سمجھ کر پیدا ہوتے ہی قتل

کر دیتے ۔ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرلیتا۔ باپ کی بیوہ ورثے میں بڑے بیٹے کی داشتہ بن جاتی، عورت کے لیے اس معاشرے میں کوئی عزت واحترام نہ تھا۔ عورت کا مقام پالتوں جانور سے بھی کم تھا۔ جائیداد میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ شعر وشاعری میں محبوبہ کا نام ننگے الفاظ میں لیا جاتا اور اس گندی حرکت پر فخر کیا جاتا۔ بے حیائی اور فسق وفجور کا بازار گرم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمدؐ نے اہل عرب کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔اس وقت اہل عرب جو جانوروں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے اللہ کے نبیؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انسانیت کے تقاضے بتائے جس میں عورت کی عزت واحترام لازم کرکے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت میں ایسا مقام عطا فرمایا جسے قائم رکھنے اور دشمنوں سے بچاتے ہوئے باپ، بھائی اور خاوند اپنی جان تک قربان کرنے لگے ۔اسلام نے وراثت میں عورت کو حصہ دے کر اسے دنیا میں جینے کا حق دے دیا۔ وراثت میں حصہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عورت کو معاشرتی برائی بننے سے روکا جاسکے ،تاکہ عورت بے حیائی ، فحاشی ، بدکاری اور جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش نہ بنائے ۔آج دور جدید میں صرف عورت ہی نہیں پوری انسانیت مشکل میں ہے لیکن میرا آج کا موضوع عورت ہے ۔بے شک عورت اس کائنات کا حسن ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا عورت پر ظلم صرف مرد کرتا ؟ میرا جواب ہے نہیں عورت پر ظلم عورت ہی کرتی ہے ۔آج بھی کئی مسلمان خاندانوں میں دور جہالت کی یہ

روایت قائم ہے کہ بچی کی پیدائش پر باپ 40 دن تک سوگ میں رہتا ہے،اور باپ کی والدہ اور بہن یعنی پیدا ہونے والی بچی کی دادی اور پھوپھی بچی کی ماں کو سالہا سال بلکہ ساری زندگی دل کو چیر دینے والے طعنے دے کر سوگ مناتی ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کو تیسری عورت کی پیدائش پر طعنے کیوں دیتی ہے؟میرا خیال ہے کہ مال و دولت کی محبت اور خصوصا دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی فکر دادی اور پھوپھی کو عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی پوتی اور بھتیجی کا دشمن بنا دیتی ہے۔بچی کے پیدا ہوتے ہی والدین کو یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ اب بیٹی کی شادی پر اسے ڈھیر سارا جہیز دینا پڑے گا اور اس کی ساس اور نند کے نخرے و ناز برداشت کرنا پڑیں گے۔پہلی بات یہ کہ جہیز کو اسلام میں لعنت کہا گیا ہے۔دوسری بات یہ کہ ساس اور نند بھی مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔قارئین محترم دور جہالت کی بات تو ہم سب ہی کرتے ہیں کہ دورجہالت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔میں آج اس بات کا ذکر کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج دورجدید میں ہم دور جہالت سے بھی زیادہ ظلم کر رہے ہیں۔جی ہاں دور جہالت میں لوگ بچی کو پیدا ہونے پر زندہ دفن کر دیا کرتے تھے لیکن آج ہم بچی کو پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔آج ڈاکٹر بذریعہ ultrasound دوران حمل ہی بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچی ہے یا بچہ۔اس طرح جب گھر والوں یعنی دادی اور پھوپھی کو اس بات کا پتا چلتا ہے تو دورجدید کے جاہل لوگ ڈاکٹر کو اس ماں کا حمل ضائع

کرنے کا کہتے ہیں جس کے پیٹ میں بیٹی پل رہی ہوتی ہے اور ڈاکٹر بھی چند روپوں کی خاطر اتنا بڑا گناہ کرتے وقت ذرا نہیں گھبراتے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کو بچالیا۔جس معاشرے میں عورت کا مقام صرف ایک جسم ہوگا وہاں عورت ماں ، بہن ،بیٹی اور بیوی کا مقام کس طرح حاصل کرسکتی ہے۔آج سینکڑوں تنظیمیں خواتین کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں ۔عورت کو بااختیار بنانے کی باتیں ہورہی ہیں ۔خواتین کے حق میں بہت سارے قوانین پاس ہوچکے ہیں۔لیکن سب بے کار عورت آج بھی دور جہالت کی طرح ایک کھلونا بن کے رہ گئی ہے اور جب تک عورت اپنے مقام کو نہیں سمجھے گی تب تک دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کا کھویا مقام واپس نہیں دلا سکتی ۔عورت کا عزت واحترام والا مقام ایک ماں کی حیثیت میں ہے ایک بہن کی حیثیت میں ایک بیٹی کی حیثیت اور ایک نیک سیرت بیوی کی حیثیت میں ہے۔جب جب عورت ان رشتوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گی تب تب ذلیل و رسوا رہے گی۔آج ہی میں فیس بک پر ایک پیغام پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا کہ بیوقوف عورت اپنے شوہر کو غلام بناتی ہے اور خود غلام کی بیوی بنتی ہے۔جب کہ عقلمند عورت اپنے شوہر کو بادشاہ بناتی ہے اس طرح وہ خود ملکہ بنتی ہے۔ایک اور کہاوت عام ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی نہ کسی کامیاب عورت کا ہاتھ ہوتا ہے ۔گویا مرد کی کامیابی ہی عورت کی کامیابی ہے ۔ایک ماں ایک معاشرے کو جنم دیتی ہے مانا کہ

مرد بھی عورت پر ظلم کرتا ہے پر غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ اس مرد کی ماں جو خود بھی ایک عورت ہے نے پرورش ہی ایسی کی ہے کہ وہ مرد عورت خاص طور پر بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھتا ہے۔اگر مائیں اپنے بیٹوں کو بتائیں کے عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ عزت واحترام کے قابل ہے۔اور مرد بھی اس بات کو سمجھے کہ اسے دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت پڑھی تھی اور اسے اپنے خاندان کو آگے چلانے کے لیے بھی ایک یا ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت ہے۔تو پھر یقینا مرد کبھی بھی عورت پر ظلم نہ کرے۔میرے خیال میں عورتوں کے لیے علیحدہ قوانین بنانے کی بجائے عورت کو بھی مرد کی طرح بلا امتیاز انسان تصور کیا جائے تاکہ عورت کو حقیر سمجھنے کی روایت ختم ہو اور عورت کو مرد کے برابر حقوق ملیں۔قارائین محترم بیٹی اللہ تعالی کی عظیم رحمت ہے۔بیٹی کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور بہت کچھ باقی ہے ۔میرے دل میں بھی ابھی بہت سی باتیں ہیں۔اگر زندگی رہی تو کبھی آپ کے سامنے رکھوں گا۔میری ایک بہن نے مجھے گھر سے باہر کام کرنے والی عورتوں کے مسائل پر لکھنے کا حکم بھی دے رکھا ہے میں انشااللہ جلد اپنی بہنوں کے مسائل حکومت وقت کے سامنے لاؤں گا:

قیادت کی ذمہ داریاں

آج مسلمان پر مسلط پریشانیاں اپنے عروج پر ہیں ۔ہم ان پریشانیوں کا حل دنیا کی مختلف اور متعدد درسگاہوں میں تلاش کر رہے ہیں۔ کبھی ہمیں سیاسی اقتدار میں علاج نظر آتا ہے کبھی تجارت میں اور اکثر لوگوں کا خیال ہے علم حاصل کروو ہی ساری مشکلات اور پریشانیوں سے نجات دلائے گا۔اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قوم مسلم میں ایسے بہت سے اہل علم ،دانشور لوگ موجود ہیں جو خود اس پریشانی کا ایک حصہ ہیں ۔میری رائے یہ ہے کہ محض علم مسلمانوں کوزبوں حالی کی ذلت سے نہیں نکال سکتا ۔پوری دنیا اس بات کا اعتراف کرتی ہے اور تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔جس کا اعتراف دیگر مذاہب کے غیر مسلم علماء اور دانشوروں نے بھی کیا ہے۔ نجانے کیوں اہل اسلام نے دہشت گردوں کو اپنی صفوں میں شامل کرلیا؟ کسی بھی قوم کے نظریات ،تہذیت تمدن اور معاشرت کی ترقی یا زوال کی ذمہ داری ہمیشہ قیادت کے سر ہوا کرتی ہے۔ قیادت مخلص،اہل اور ایماندار ہو تو قومیں کبھی زوال پزیر نہیں ہوتیں جبکہ نااہل ، کرپٹ اور جاہل قیادت کے ہوتے کوئی قوم چاہے کتنی ہی ہنر مند اور محنتی ہو ترقی نہیں کرسکتی۔جب تک مسلمان قیادت سچے اور سُچے قائدین کے ہاتھ رہی تب تک اسلام امن و سلامتی،اخوت و مساوات اور عدل وانصاف کا پیغام بن کر دنیا کے

کونے کونے میں انسانیت کے اُصول متعارف کرواتا انسانی فلاح کا اہتمام کرتا رہا۔ سوال یہ ہے کہ آج مسلمان کو دنیا میں دہشتگرد کے طور پر جانا جاتا ہے تو اس بدحالی کی ذمہ داری کس کے سر ہے؟ میدان سیاست کے شیر ہوں، تیر بردار شکاری ہوں، کھلاڑی ہوں یا مذہبی قائدین ہوں سب کے سب اسلام کے ٹھیکدار ہیں۔ پاکستان کا آئین بھی قرآن وسنت کے تابے ہے اور سود کھانے والے سرمایہ دار حکمران فتویے بھی جاری کرتے ہیں۔ ٹریفک سگنل توڑنے والوں پر گناہ کبیرہ کا فتویٰ جاری ہو جاتا ہے جبکہ سود کو کبھی سروس چارجز اور کبھی شراکت داری کا نام دے حلال کیے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ٹیڈوں والے مولویوں کی موجودگی میں اسمبلی میں شرع سود میں اضافے یا کمی پر بحث کی جاتی پر مجال ہے جو اسلام کے نام پر ووٹ لے کر ممبر اسمبلی بننے والے سود کے خلاف ایک لفظ بھی بولیں۔ عمران خان کی شادی پر تو ٹوٹل میڈیا مداری بن جاتا ہے جبکہ بڑے بڑے مذہبی اسکالرز کبھی پردہ سکرین پر سود کے خلاف بات نہیں کرتے۔ دنیا بھر کی قیادت کرنے والی اقوام متحدہ کو وجود میں آئے کئی دہائیاں بیت چکی ہیں لیکن آج تک مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ 24 اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کا باقاعدہ قیام وجود میں آیا۔ بین الاقوامی تنظیم کے ابتدائی ارکان 150 تھے جن کی تعداد وقت کے ساتھ بڑھتی رہی۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے بنیادی اُصول و مقاصد یہ تھے (1) بنی نوع انسان کی آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا (2) قوموں کے باہمی تنازعات کے حل کیلئے بین الاقوامی سطح پر موثر قانون سازی کرنا تاکہ امن

کولاحق خطرات اور جارحیت کو روکا جاسکے (3) انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے عالمی سطح پر بلاامتیاز رنگ و نسل مثبت اقدامات کرنا (4) انسانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا (5) ایک دوسرے کی آزادی اور خود مختاری کا احترام کرتے ہوئے قوموں کے درمیان دوستی کو فروغ دینا اور ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی سے روکنا۔ آج اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی تعداد 192 کے قریب ہے۔ دنیا کے 200 کے قریب امیر اور طاقتور ممالک مل کر آدھی صدی سے زیادہ وقت گزر جانے کے باوجود دنیا میں امن قائم کرسکے اور نہ ہی انسانیت کی فلاح و بہبود میں پیش رفت ہو سکی۔ آج پوری دنیا دہشتگردی اور بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ ہر کوئی قیام امن کی کوششوں میں مصروف ہے۔ زمین سے فضا اور فضا سے پانی کی گہرائیوں تک دہشتگردی کے خلاف جنگ جاری ہے۔ ایک دوسرے کو دہشتگردی کا ذمہ دار قرار دے کر ہر کوئی اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کی کوشش میں ہے لیکن کبھی کسی نے اصل فارمولے پر عمل کی کوشش نہیں کی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلم ممالک بُری طرح دہشتگری کی لپیٹ میں ہیں۔ آسان اور ضروری اقدامات نہیں اُٹھا رہے۔ پوری دنیا دہشتگردی کے خلاف ہے پھر بھی دہشتگردوں کی کمر توڑنے کا دعویٰ کرنے والا امریکی محکمہ خارجہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ دہشتگرد پہلے سے زیادہ منظم ہو چکے ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ کی رپورٹ میں ماضی کے اس دعوے کی تردید کردی گئی ہے کہ دہشتگردی کے خلاف دیگر القائدہ رہنماؤں کے ساتھ اُسامہ بن لادن کی موت کے بعد القائدہ

کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔اُسامہ بن لادن کی موت کے بعد بڑی کامیابی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اب دہشتگردی کو جڑ سے اکھاڑنے میں دیر نہیں لگے گی۔امریکی محکمہ خارجہ کی حالیہ رپورٹ میں میں کہا گیا ہے کہ دنیا اب بھی دہشتگردی کی لپیٹ میں ہے ۔رپورٹ کے مطابق القائدہ اب نئی حکمت عملی کے تحت کام کررہی ہے۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغانستان اور عراق میں القائدہ نے چھوٹے چھوٹے خودمختار گروپ تشکیل دے دیئے ہیں، جو پہلے سے زیادہ متحرک اور سنگین نوعیت کی دہشتگردی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان گروپوں نے پشاور، چمن،افریقہ، صومالیہ شام اور عراق میں حالیہ دنوں میں موثر کارروائیاں بھی کی ہیں۔ہمیشہ کی طرح تازہ رپورٹ میں بھی فرقہ واریت کو موضوع بناکر مسلم ممالک کو دہشتگرد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔رپورٹ میں عراق، یمن اور پاکستان کی صورتحال پر بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مسلم دنیا کے دو اہم ترین فرقوں کے درمیان کشیدگی نے القائدہ کو تقویت بخشی ہے۔القائدہ ہو داعش یا پھر کوئی اورجب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے خلاف ہونے والی جنگ سے باہر نہیں نکلتے امن قائم نہیں ہوسکتا۔چاہے جنگ کرو یا مذاکرات۔جہاں جہاں سودی نظام چلے کا بدمنی نہیں جائے گی۔مثال کے طور پر کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا آج دہشتگردی، بھتہ خوری بدمنی سمیت قتل و غارت گری کے نرغے میں بُری طرح پھنس چکا ہے۔کبھی کسی نے سوچا کہ انتظامیہ کی بھرپور کوششوں کے باوجود کراچی کا امن کیوں بحال نہیں ہوا؟جب تک کراچی کے تمام مالیاتی

ادارے سودی نظام کے تحت چل رہے ہیں تب تک کراچی کا امن بحال نہیں ہو سکتا۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو،اور چھوڑ دو جو کچھ سود میں سے باقی رہ گیا اگر تم مومن ہو،پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کیلئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے (سورۃ البقرہ)''سود کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔یہ خیال کہ سود سے مال میں اضافہ ہوگا یہ بھی ایک خام خیالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔سود سے بظاہر تو مال میں اضافہ ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اضافہ دنیا وآخرت کا بہت بڑا خسارہ ہے۔دنیا میں خسارے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی کمائی انسان کے ایسے کاموں میں لگ جاتی ہے جن میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ایسے امراض اور ناجائز مقدمات نیز مختلف قسم کی جو حادثاتی صورتیں ہیں۔ان میں وہ سودی روپیہ لگ جاتا ہے اور بندے کو مختلف الجھنوں میں پھنسا دیتا ہے۔اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ سود کا لین دین کرنے والوں کے اعمال مثلاً نماز،روزہ،حج۔عمرہ اور زکواۃ وصدقات سب ضائع ہو جائیں گے۔ سود کا گناہ اتنا ہے کہ سرکار دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدتر فعل قرار دیا ہے اس میں سود لینے والے کو ہی تخصیص نہیں بلکہ سود لینے والا،سودی معاملہ کی کتاب کرنے والااور اس معاملہ کا گواہ بننے والا سب برابر ہیں نیز ان سب پر سرکار دوعالمؐ نے لعنت فرمائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور

سود دینے والے اور سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر اور فرمایا سب برابر ہیں (صحیح مسلم)''لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ خود بھی اس لعنت سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں۔پاکستان کے حکمران قوم کے نام پر سود پر قرضہ لے کر پوری قوم کو سودی نظام کی دلدل میں دھکیل چکے ہیں۔اگر اب بھی حکومت نے ہوش کے ناخن نہ لئے تو انجام دنیا و آخرت میں تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔بجلی و گیس کی لوڈشیڈنگ ہو عدلیہ یا فوج کے خلاف کسی قسم کی سازش ہو تو پوری قوم احتجاج کرنے لگ جاتی ہے لیکن افسوس کے ہمارے حکمران ہمیں اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ میں بطور سپاہی استعمال کر رہے ہیں اور ہم خاموشی سے اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کا حصہ بنے ہوئے ہیں ۔قارئین محترم راقم اس سے قبل بھی سودی نظام سے ہونے والے بہت سے نقصانات پر بات کرچکا ہے لیکن قیام امن کا جو فامولا سید عرفان احمد شاہ صاحب نے ایک جملے میں بتا دیا اس سے انکار میرے تو کیا کسی کے بھی بس کی بات نہیں ۔۔خاص طور پر کراچی میں قیام امن کے حوالے شاہ صاحب نے بتایا کہ سودی نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ حکومت سندھ اور اہل کراچی سمندر کو صاف ستھرا رکھیں تو بہت جلد امن قائم ہوجائے گا کیونکہ سمندر صرف اور صرف اللہ تعالی کے حکم سے تھمے ہوئے ہیں ۔قیام امن کا فامولا بہت سیدھا اور آسان ہے ۔اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ سے توبہ کرو اور دیکھو امن کتنی جلدی قائم ہوتا ہے۔۔اگر حکومت قیام امن کیلئے مخلص

ہے تو پھر فوری طور پر مالیاتی ادارں سے سودی نظام ختم کرکے قرآن و سنت کا نظام رائج کیا جائے جس میں فلاح ہے جبکہ سود دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔

قوم کو نیا قرض مبارک

کون جانتا تھا کہ قرض اُتارو ملک سنوارو کی بے پناہ مقبولیت کے بعد کشکول توڑنے کے دلفریب وعدوں کے بل بوتے پر الیکشن جیت کر حکومت بنانے والی جماعت مسلم لیگ ن کے قائدین قرض کی بھیک ملنے پر خوشیاں منائیں گے ؟اب حقیقت کھل کر سامنے آچکی ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں کشکول کو تنقید کا نشانہ بنانے والوں نے چھوٹے کی جگہ بڑا (میگا) کشکول تیار کر رکھا تھا۔کوئی بھلا انسان قرض اُترنے پر تو خوش ہو سکتا پر قرض پر قرض حاصل کرنا کبھی خوشی کا باعث نہیں ہوتا۔پہلے ہی پاکستانی قوم کا بچہ ،بچہ قرضوں کے بوجھ تلے دب چکا ہے جبکہ حکمران آئی ایم ایف سے نیا قرض ملنے کی نوید سنا کر قوم کو کامیابی کی مست راگنی چھیڑے جھومتے نظر آتے ہیں۔اطلاعات کے مطابق گزشتہ دنوں آئی ایم ایف نے پاکستان کو 51 کروڑ 80 لاکھ ڈالر قرض کی قسط دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔حالت دیکھیں آقا نے ابھی رضامندی ظاہر کی ہے اور ہم خوشیاں منا رہے ہے تو 51 کروڑ 80 لاکھ ڈالر قرض ملنے پر ہماری کیا پوزیشن ہو گی ؟ایک اور خوشخبری کہ آقا نے بڑی منت ساجت کے بعد پاکستان کی درخواست پر ریونیو کے ہدف میں کمی پر رضامندی بھی ظاہر کر دی ہے۔وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے تین سالہ توسیعی فنڈ کے حوالے سے جائزہ مذاکرات کامیاب ہونے پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ کہتے بھی سنائی

دیئے کہ بجلی و گیس کے نرخوں میں ردوبدل یعنی قیمتیں کم نہیں کرینگے۔ قوم جانتی ہے کہ آئی ایم ایف کی طرف سے بجلی و گیس کے بلوں میں اضافے کو قرض سے مشروط کیا جاتا ہے۔ وزیراعظم نے دو ماہ قبل بجلی کی قیمت میں 2 روپے نوے پیسے فی یونٹ کمی کا اعلان کیا تھا' آئی ایم ایف کے ساتھ کامیاب مذاکرات کے بعد یا سادہ لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آقا کا حکم بجالانے کی غرض سے اسحٰق ڈار وزیراعظم کے اعلان کے مطابق بجلی کی قیمت میں کمی نہیں کرنا چاہتے۔ ماضی ہی کی طرح ایک بار پھر اسحٰق ڈار قرض ملنے پر بے حد خوش نظر آتے ہیں کہ جیسے اُن کو کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔ جیسے آئی ایم ایف سے نیا قرض ملنے کے بعد پاکستانی قوم کا ہر فرد برسر روزگار ہوجائے گا، جیسے اب ہر بچہ سکول سے کالج اور پھر یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کریگا، جیسے ہر بیمار کو شفاء مل جائے گی، جیسے آئندہ الیکشن صاف وشفاف ہونگے کبھی دھاندلی سے جیت کر آنیوالے لوگ حکومت نہیں بناسکیں گے، جیسے اب ملک میں آئین و قانون کی حکمرانی قائم ہوجائیگی، جیسے انصاف امیر و غریب کی تفریق کئے بغیر ہر شہری کو اُس کی دہلیز پر دستیاب ہوجائیگا، جیسے اب کبھی پاکستان میں لوڈشیڈنگ نہیں ہوگی، جیسے اب کبھی سیلاب نہیں آئیں گے، جیسے، جیسے اور جیسے اب۔ حالانکہ قرض لیتے ہوئے شرمساری کا احساس ہوتا ہے پر موجودہ دورحکومت میں آئی ایم ایف سے قرض کی پہلی قسط ملی تو اس پر وزیراعظم نے باقاعدہ قوم کو مبارک بادی تھی۔ اطلاعات کے مطابق سری لنکا نے آئی ایم ایف کے تمام قرض اُتارا کرجان

چھڑا لی ہے۔ایک ہم ہیں کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑتے جاتے ہیں اور خوشیاں مناتے جاتے ہیں۔ جیسے قرض لعنت نہیں بلکہ کوئی مبارک چیز ہو۔ جس طرح آج سری لنکا نے آئی ایم ایف کے تمام قرض ادا کرکے اپنی آنے والی نسلوں کی جان چھڑائی ہے ہمیں بھی اپنی توانائیاں .بروئے کار لاتے ہوئے قرض کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے ۔ حکومت قرض پر قرض لینے اور قوم کے گلے میں سود در سود کی لعنت ڈالنے کے بجائے لوٹ مار کے دو سو ارب ڈالر پاکستان لانے کی کوشش کرے جو دوسرے ممالک کے بنکوں میں پڑے ہیں تو بہتر ہوگا۔ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور اسلام میں سود قطعاًحرام ہے۔ سود کا گناہ اتنا ہے کہاللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔ (پارہ 3،آیت 275 سورۃ بقرہ) قارائین اسلام میں سود کو حرام قطعی قرار دیا گیاہے۔ جیسا کہ سرکار دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدتر قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مری ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ترجمہ یعنی) رباکے تہتر درجے ہیں ان میں سب سے ہلکا درجہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے) زنا کرے (شعب الایمان للبیھقی)اور پھر اس میں سود لینے والے کو ہی تخصیص نہیں بلکہ سود لینے والا، سودی معاملہ کی کتاب کرنے والااور اس معاملہ کا گواہ بننے والاسب .برابر ہیں نیزان سب پر سرکار دوعالمؐ نے لعنت فرمائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں یعنی رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے

اور سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر اور فرمایا سب برابر ہیں
صیحح مسلم) دنیا کے حالات بہت تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں ۔ کمزور، کمزور تر اور)
طاقتور مزید طاقت حاصل کر رہا ہے۔ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے ہمیں اپنے
زور بازو پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ دوسروں کے برتن میں جھانک کر کھانا تلاش کرنے کی
بجائے اپنے حصے کا اناج خود اگانا ہوگا۔ کسی غیر کے جوٹھے برتن کو چاٹنے سے بھوکے
رہنے کو ترجیح دینا ہوگی، قرض کے ایدھن سے جلنے والی شمع کی روشنی کی بجائے اپنا خون
جلا کر اپنی آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن کرنا ہوگا۔ میرے ذہن میں ایسی مثال
گردش کر رہی ہے جو میں تحریر نہیں کر سکتا، بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ قرض خوار کبھی
غیرت مندانہ طریقے سے زندگی بسر نہیں کر سکتا، ہمیشہ سر جھکا کر شرمساری اور احساس
ندامت تلے دب کر سہولیات حاصل کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اپنی چادر کے اندر پاؤں
رکھے جائیں ۔

ویلنٹائن ڈے؟

کسی بھی معاشرے میں پھیلتی ہوئی جسمانی، اخلاقی ،زبانی اور دیگر کئی قسم فحاشی و عریانی کے پیمانے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اُس معاشرے کی اکائیاں کس قدر باشعور ہیں۔ غیرت مند قومیں اپنی تہذیب اور وسائل کو مد نظر رکھ کر چلا کرتی ہیں۔ آج ہم سب کچھ بھول چکے ہیں کہ ہمیں اپنا وقت اور سرمایہ کہاں خرچ کر رہے ہیں اور کہا خرچ کرنے کی ضرورت ہے، کم وسائل اور زیادہ مسائل میں ندگی بسر کرنے کیلئے انتہائی سادگی اپنانے اور فضول خرچی سے ہر ممکن بچے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ نجانے ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم انتہائی فضول قسم کی سرگرمیاں اپناتے وقت اپنی اوقات تک بھول جاتے ہیں۔ گھر میں بوھوڑے والدین بیمار ہیں اُن کو بچوں کے وقت کی ضرورت ہے اُن کو دوا کی ضرورت پر اولاد کے پاس والدین کیلئے نہ تو وقت ہے اور نہ ہی اُن کے علاج پر خرچ کرنے کیلئے سرمایہ جبکہ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کے ساتھ ویلنٹائن ڈے منانے ،تحفے تحائف اور دعوت کھلانے کیلئے وقت بھی ہے اور سرمایہ بھی ۔ اظہار محبت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ اس بات سے باخوبی واقف ہو چکے ہیں کہ دنیا بھر میں ویلنٹائن ڈے 14 فروری کو منایا جاتا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں اس تہوار کی تیاری فروری کے مہینے کے آغاز سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ لوگ سرخ رنگ کے ملبوسات، کارڈز، مٹھائیاں، اور

دیگر تحائف وغیرہ خصوصی طورپر ویلنٹائن ڈے کیلئے تیار کرتے ہیں۔یونیورسٹیوں اور کالجز میں طلباء اور طالبات اس دن کو روایتی اور ثقافتی تہوار کی طرح منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔اس موقع پر خصوصی دعوتوں کا اہتمام کیاجاتا ہے اورارد گردکے ماحول کو سجانے کیلئے سرخ رنگ نمایاں ہوتا ہے۔گزشتہ کئی سالوں سے مغرب کے اس روایتی تہوار کو منانے میں پاکستانی نوجوانوں میں گرم جوشی نظرآتی ہے جبکہ گزرے سال میں 14کے دن پاکستانی بزرگ لوگ بھی خالصتاً اس مغربی تہوار کی حمایت کرتے نظرآئے۔بڑے شہروں کی معروف شاپنگ مارکیٹوں میں اس دن کی روایت کے حوالے سے تحائف، کارڈاور پھولوں کے خصوصی سٹالز لگائے جاتے ہیں۔فائیو سٹارز ہوٹلوں میں اس دن کی مناسبت سے خصوصی ڈنر ٹیبل لگائے جاتے ہیں اور ڈائننگ ہال کو سرخ غباروں اور سجاوٹ کی مختلف چیزوں سے ، کرسیوں اور میزوں پر بھی سرخ رنگ کے کپڑے کے ہوتے ہیں ۔تاریخ میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے دو تین روایات سننے میں آتی ہیں جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ 270ء میں روم کے بادشاہ نے اپنے فوجیوں پر شادی کرنے کی پابندی عائد کردی۔اس کا خیال تھا کہ میدان جنگ میں شادی شدہ فوجی کی نسبت غیر شادی شدہ فوجی زیادہ بہتر ندازمیں لڑتے ہیں۔ سینٹ ویلنٹائن نے اس پابندی کو بادشاہ کی ناانصافی سمجھااوراس نے خفیہ طورپر فوجی نوجوانوں کی شادیاں کروانی شروع کردیں۔جب یہ بات منظر عام پرآ گئی تو رومی بادشاہ نے سینٹ ویلنٹائن کواس کی اس حرکت پر سزائے موت کا حکم دے دیا۔سینٹ ویلنٹائن کو قید میں رکھاگیا

وہاں اسے جیلر کی بیٹی سے محبت ہو گئی سینٹ ویلنٹائن نے مرنے سے پہلے ایک خط کے ذریعے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ جس دن سینٹ ویلنٹائن کو سزائے موت دی گئی وہ 14 فروری کا دن تھا اس لئے دنیا بھر میں 14 فروری کو محبت کرنے والے سینٹ ویلنٹائن کی یاد میں یہ دن مناتے ہیں اور اس لئے اس دن کو ویلنٹائن کے نام سے ہی منسوب کیا گیا ہے۔ قارئین تھوڑا غور کریں شادی کسی بھی فرد کا ذاتی عمل اور سب حق ہے ۔شادی پر پابندی لگانا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے ۔جہاں تک رومی بادشاہ کی اپنے فوجیوں شادی پر پابندی لگانے اور سینٹ ویلنٹائن کی جانب سے اس پابندی کی مخالفت کے بات ہے تو اس میں یوم محبت اور اظہار محبت کا کہیں ذکر نہیں ہوتا۔ کیونکہ رومی بادشاہ نے شادی پر پابندی لگائی تھی نا کہ محبت یا محبت کی شادی پر۔ پھر یہ کہا جانا کہ سینٹ ویلنٹائن کو دوران قید جیلر کی بیٹی سی عشق ہوگیا اور پھر اُس نام لکھے جانے والے خط کے منظر عام پر آنے کے بعد 14 فروری کو یوم محبت یا یوم اظہار محبت کے طور منایا جاتا ہے۔ ایسا ہے تو پھر حالات حاضرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے سال کے تمام دن یوم محبت اور یوم اظہار محبت کے نام کر دیئے جانے چاہئے۔ میں ہر گز یہ نہیں کہہ رہا کہ محبت یا اظہار محبت پر پابندی عائد کر دی جائے بلکہ کہنے مطلب یہ ہے کہ ہمارا مذہب، تہذیب اور معاشرہ جس طرح اجازت دیتا ہے ہمیں اُسی انداز کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ نہ کہ اپنی تہذیت و تمدن اور اوقات سے باہر نکل کر اپنے پیسے اور وقت کو ضائع کر دینا چاہئے۔ ٹھیک ہے مغرب میں سینٹ ویلنٹائن کی یاد

میں منائے جانے والے ویلنٹائن ڈے کے موقع پر عام طور تو تحائف اور سرخ پھولوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے جبکہ مختلف ممالک کے لوگ اس موقع پر باقاعدہ تقریبات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔یعنی اہل مغرب اس تہوار کو ایک روایت کے طور پر مناتے ہیں تو ضروری نہیں کہ ہم بھی انھیں کی پیروی میں لگ جائیں۔ہماری اپنی تہذیب اور رہن سہن ہے۔اہل مغرب کی مائیں،بیٹیاں اور بہنیں کم کپڑے پہنتی ہیں،کئی کئی بوائے فرینڈ بناتی ہیں تو کیا ہم اہل مغرب کی ایسی روایات اپناتے ہیں؟جب ہم کسی غیر محرم عورت کو جنسی تعلق قائم کرنے کی نیت سے پھول،کارڈ یا دیگر تحائف دیتے ہیں تب ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وہ عورت کسی کی بہن اور کسی کی بیٹی ہے۔ہم اپنی بہن،بیٹیوں کو ایسی حرکات کی اجازت نہیں دیتے تو پھر یقینی طور پر جو عورتیں غیر مردوں سے تحائف وصول کرتیں ہیں وہ بھی اپنے ماں،باپ اور بہن بھائیوں سے چوری،چھپکے ویلنٹائن ڈے مناتی ہیں۔اہل مغرب کی نظر میں زنا جائز جبکہ ہمارے دین اور قانون فطرت کے مطابق یہ لعنت قطعی حرام ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل مغرب کے عقائد و نظریات اور ہمارے عقائد و نظریات ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں تو پھر ہم اُن کے تہوار کیوں مناتے ہیں؟مسلمان غور کریں تو اُنھیں معلوم ہو کہ کافروں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ ہمارے عقائد و نظریات کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ہم بات کرتے ہیں ادائیگی فرائض کی جبکہ اہل مغرب بات کرتے ہیں حقوق کی۔ادائیگی فرائض ایسا عمل جو انسانی حقوق

کی بحالی کا واحد راستہ ہے۔ خیر یہ الگ اور طویل موضوع ہے۔ ہر سال دوسرے مہینے یعنی 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے منانے کی روایت کے بارے میں تو کئی اور کہانیاں بھی موجود ہیں تاہم کچھ لوگوں کے خیال میں پاکستان میں ویلنٹائن ڈے کی روایت کو فروغ جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں ملا۔ ان کے دور حکومت میں جہاں دیگر متعدد ثقافتی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا وہیں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے تقریبات اور گہما گہمی بھی میڈیا کی بدولت دیکھی گئی۔ جبکہ راقم کا یہ ماننا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں میڈیا کو فروغ ملا اور میڈیا نے اظہار رائے کی آزادی کے نام اپنے نظریات کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

نئی نسل کی تعلیم وتربیت

نئی نسل کی تعلیم وتربیب ،اس موضوع پر تبادلہ خیال کے ساتھ عملی اقدامات اور نت نئے طریقے اپنانے کی ضرورت جس شدت سے آج محسوس ہو رہی ہے شائد پہلے کبھی نہ ہوئی ہو۔ہماری پسماندگی ، بے روزگاری، بدامنی، معاشرتی ناانصافی اور دیگر بہت سے مسائل کی ایک ہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کی بہتر انداز میں تعلیم وتربیت کو اُس قدر اہمیت نہیں دی جتناکہ اُن کا حق تھا یا ہے۔اُس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ کہ موجودہ حکومت بھی اس فریضے کو بڑی ہی سنجیدگی کے ساتھ پس پشت ڈال چکی ہے۔ تعلیم و صحت کے حوالے سے بہتری کا خواب دیکھ کر گورنر ہاؤس میں داخل ہونے والے چوہدری سرور اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر تحریک انصاف میں شامل ہو چکے ہیں پر ن لیگ کی حکومت نے پھر بھی تعلیم وصحت کے معاملے پر کوئی قابل ذکر اقدامات نہیں اُٹھائے۔مثال کے طور پر وفاق میں بہت سے عجیب و غریب قسم کے وزیر اور مشیر ہیں پر وزیر تعلیم نہیں۔ میری آج کا موضوع نئی نسل کی تعلیم وتربیت اس لئے حکمرانوں کی بقیہ سیوا کسی اور وقت کیلئے اُٹھائے رکھتے ہیں اور آج یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو قومیں آج دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں اُن کی کامیابی کے پیچھے کوئی کامیاب عورت ہے یا پھراُن کی نسل در نسل بہتر تعلیم وتربیت، قارئین یہ سچ ہے کہ آج ترقی پذیر ممالک کے مشکل ترین

حالات میں انسان جس طرح معاشی بدحالی کا شکار ہے اُس میں تعلیمی اخراجات پورے ہوتے ہیں نہ ہی وقت بچتا ہے۔ غریب کے بچے کو بچپن ہی سے محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے ۔کام کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے اور پھر سوچوں میں گم ذہن بھی کسی چیز کو جلدی سے قبول نہیں کرتا۔ تعلیم کا حصول خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو جائے ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے ۔جو قومیں علم حاصل نہیں کرتیں وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرتیں مطلب یہ کہ اُن کے ترقی پذیر ہونے کی وجہ علم سے دوری ہے۔ علم ترقی وخوشحالی کی ضمانت ہے۔ جن قوموں نے علم کے حصول میں آسانیاں پیدا کیں اور اپنی نسلوں کی تعلیم تربیت کی خاطر اپنے وقت اور وسائل کی قربانی دی آج وہی قومیں ترقی یافتہ کہلاتی ہیں علم دنیا کی واحد دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ علم انسان کو کائنات کی سب مخلوقات سے افضل کرتا ہے ۔آج انسان نے اپنے علم وشعور کی بدولت دنیا میں کامیابیوں کی بہت سی منزلیں طے کرلی ہیں۔ انسان اپنے علم کی بدولت پانیوں کی گہرائیوں میں اتر کر سمندروں کے بہت سے خزانے اپنے نام کرچکا ہے۔آج انسان اپنے علم کی بدولت آسمان کی بلندیوں میں پرندوں سے بھی اونچی پرواز کرتا ہے۔ چاند اور مریخ تک کا سفر انسان نے کامیابی کے ساتھ طے کرلیا ہے ۔سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اتنی زیادہ کامیابیاں حاصل کیں کہ ان کامیابیوں کا شمار کرنا مشکل ہے ۔اس سچ سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ بغیر تعلیم وتربیت حاصل کیے دنیا کی کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی ۔اس حقیت سے

انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ وہ علم ہی ہے جس نے انسان کو فرشتوں سے افضل کیا۔ علم ہی کی بدولت انسان اشرف المخلوقات ہے۔ دورحاضر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امریکی دنیا کی کامیاب ترین قوم ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ جب سے امریکی قوم نے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کو اہمیت دی تب سے وہ مسلسل کامیابی کی طرف گامزن ہیں۔ گزشتہ دنوں (میڈیاورلڈلائن) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ امریکی صدر براک اوباما نے تعلیم کا ایک ایسا منصوبہ تجویز کیا ہے جس کے ذریعے یہ بات یقینی بنائی جائے گی کہ اسکول سے فارغ التحصیل ہونے والے بچے اس قابل ہوں کہ وہ کالج، تعلیم اور مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہوں۔ انھوں نے کہا ہے کہ اب تک کے اعداد کے مقابلے میں، امریکی ہائی اسکول کے گریجویٹس کی شرح سب سے زیادہ رہی ہے۔ تاہم، اُن کا کہنا تھا کہ اکیسویں صدی کی معشیت میں طالب علم بہتر کارکردگی تب تک نہیں دکھا سکتے، جب تک پہلے کے مقابلے اُن کا تعلیمی معیار بہتر نہ ہو جائے۔ امریکی صدر نے کہا کہ وہ اس سال کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے کے خواہاں ہیں تاکہ 'نو چائلڈ لیفٹ بہائینڈ' نام کے قانون کی جگہ ایک متبادل نظام فراہم کیا جائے، جس میں معیاری ٹیسٹ کے بلاجواز استعمال کے معاملے کو نظر میں رکھا جائے گا، پرائمری اسکول کی سطح پر اصل سرمایہ کاری کی جاسکے گی اور ہر طالب علم کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ معشیت کو بڑھاوا دینے میں حصہ دار بنے۔ مسٹر اوباما نے ریپبلیکن کی قیادت کرنے

والے کانگریس کی طرف سے پیش کیے جانے والے تعلیمی بِل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اِس سے اسکولوں کے لیے مختص رقوم میں اگلے عشرے تک کٹوتیاں جاری رہیں گی۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر ایسی قانون سازی کو اختیار کیا جاتا ہے تو 2021ء میں تعلیم کے لیے 2012ء سے بھی کم رقوم میسر ہوں گی۔میڈیا ورلڈلائن کے مطابق گزشتہ ہفتے، تعلیم سے متعلق ایوان کی کمیٹی کے ریپبلیکن ارکان نے ایک ایسے بِل کا مسودہ پیش کیا، جس کی رو سے ریاستیں ناکام اسکولوں کی اصلاح سے متعلق خود ہی فیصلہ کر سکیں گی، جن کے لیے مقامی گرانٹ کا ایک لچک دار پروگرام لاگو ہوگا۔اس قانون سازی کے حامی یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے سنہ 2002 ء میں صدر جارج بش کی میعاد کے دوران دونوں ایوانوں کی طرف سے منظور کردہ 'نو چائلڈ لیفٹ بہائینڈ' میں بہتری لائی جاسکے گی۔ میڈیا ورلڈلائن ہی کی اور ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ذہانت ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو قدرت کی طرف سے عنایت ہوتی ہے اور ذہانت کو تعلیمی کامیابی کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔پر اب ایک نئے جائزے سے پتا چلا ہے کہ صرف ذہانت کے بل بوتے پر بچوں کی مستقبل کی کامیابیوں کا درست اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے بلکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ ذہانت کے مقابلے میں بچے کی شخصیت مستقبل کی کامیابیوں کے لیے زیادہ بڑی پیش گوئی ہو سکتی ہے۔ مطالعے سے وابستہ ماہرین نے والدین کو مشورہ دیا ہے کہ انھیں اپنے بچوں کی ذہانت پر توجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی شخصیت کو بہتر بنانے پر بھی بھر پور توجہ دینی چاہیے

کیونکہ تعلیمی کارکردگی کے ساتھ ساتھ طلبہ اور اساتذہ کے درمیان بہتر تعلقات کے لیے بچے کی شخصیت ذہانت سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ گریفتھ یونیورسٹی کے اطلاقی نفسیات کے پروفیسر ڈاکٹر آرتھر پوروپاٹ کے مطابق ان کے مطالعے سے تعلیمی کامیابی کے لیے ذہانت کی اہمیت کم نہیں ہوتی بلکہ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ آپ کا بچہ سماجی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیتا ہے اور زیادہ تر گم سم رہتا ہے پر اس کے ساتھ ساتھ ہوشیار بھی ہے تو ایسے بچے کو اس کے خود ساختہ ماحول سے باہر نکالنا اور مسلسل تعلیم میں مشغول رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مطالعے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ شخصیت کی پانچ خوبیوں میں سے 'ذہانت' اور 'کشادہ دلی' کی خوبیاں تعلیمی کامیابیوں کے لیے زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہیں کیونکہ یہ دونوں خوبیاں دوسرے الفاظ میں 'سخت محنت' اور 'تجسس' کا اظہار کرتی ہیں جن کی مدد سے ہم بہت سی چیزوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں شخصیات کی پانچ خوبیاں جن میں 'موافقت اور سماجی طور پر سرگرم ہونے کے علاوہ جذباتی استحکام شامل ہے، سیکھنے کے لیے حکمت عملی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہیں۔ ماہرین نے بتایا کہ 'کشادہ دلی' اور' ذہانت' کی خوبی کے لیے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طلبہ میں تعلیم میں مشغول ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں پھر وہ چاہے اساتذہ سے بات چیت کے ذریعے یا پھر دوستوں کی مدد کر کے تعلیم سے منسلک رہتے ہوں۔ بعض مطالعوں کے نتائج سے پتا چلتا ہے کہ ایسے طلبہ جو خود کو کافی ہوشیار تصور کرتے ہیں

اکثر زیادہ محنت سے جی چراتے ہیں جس کی وجہ سے کلاس میں پیچھے رہ جاتے ہیں پر اس کے برعکس مددگار شخصیت کے حامل طالب علم ایک اوسط طالب علم کے مقابلے میں اعلی گریڈ حاصل کر سکتے ہے۔ماہر نفسیات ڈاکٹر آرتھر نے بتایا کہ تجربے کے دوران طلبہ نے اپنی شخصیت کی درجہ بندی کے ذریعے یونیورسٹی کی تعلیمی کامیابیوں کے لیے پیشن گوئی کی جیسا کہ وہ اپنے امتحانی نمبر دیکھ کر کرتے ہیں پر جب ان کی پہچان کے لوگوں نے طلبہ کو شخصیت کی بنیاد پر نمبر دیئے تو ان کی کارگردگی متوقع گریڈ کے حوالے سے چار گنا زیادہ درست ثابت ہوئی۔دونوں تجزیات سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کامیاب ہونے اور مسلسل کامیابیاں سمیٹتے رہنے کیلئے میدان تعلیم میں لگاتار محنت اور نئے نئے تجربات کی ضرورت ہے۔

برطانوی یونیورسٹی کی تاریخ کے کم عمر ترین طالبہ

انسان کے اندر علم حاصل کرنے کی طلب شروع سے ہی موجود ہے۔شائد یہی وہ خاصیت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالی نے انسان کو فرشتوں سے بھی افضل کر دیا اور انسان پر وہ راز عیاں کیے جن سے فرشتے بھی واقف نہیں۔خالق کائنات نے انسان کے اندر ایک انوکھی جستجو رکھ دی جو کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہ ہو سکی۔جانوروں اور پرندوں کو دیکھ لیں ہر روز ایک ہی کام دہراتے ہیں کھایا پیا اور آرام کر لیا لیکن انسان ہر روز کچھ نیا کرنے کی جستجو میں رہتا ہے۔اس جستجو نے انسان کو بہت سی کامیابیوں سے ہم کنار کروایا ہے۔پر ان کامیابیوں میں سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔صف اول میں وہی لوگ نظر آتے جن میں علم حاصل کرنے کی طلب زیادہ رہی ہے اور جن کو بہترین تعلیمی و تربیتی ماحول ملا،ایسا معاشرہ ملا جس نے اپنے نظام تعلیم کو اپنی تہذیت کے مطابق رکھا اور طالب علموں کے لیے مشکلات کی بجائے آسانیاں پیدا کیں۔بدقسمتی سے میرے وطن کے حکمرانوں اور علماء کرام نے وطن عزیز کے معصوم طالب علموں کو بہتر نظام تعلیم دینے کی بجائے فرقوں کے چکر میں ڈال دیا ہے۔ جس کا انجام ہم بھگت رہے ہیں۔انسان جس وقت دنیا میں آتا ہے اُس وقت بہت معصوم ،گناہوں سے پاک اور مذہب و فرقوں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔اچھائی اور برائی کی پہچان کرنے کی صلاحیت خالق کائنات

ہر انسان کو پیدائشی طور پر عطا کرتا ہے۔اسی صلاحیت کو نکھارنے کے لئے انسان علم حاصل کرتا ہے۔انسان کی تعلیم وتربیت میں والدین اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔اگر کسی انسان کو باشعور والدین اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ صاف ستھرا معاشرہ دستیاب ہوجائے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ.برائی وگندگی کی طرف راغب ہو۔اپنے بچوں کو اچھا معاحول فراہم کرناوالدین کا فرض ہے۔شائد یہی فرض ہمارے.بڑوں نے پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے آج ہم گمراہی کی طرف تیزی سے .بڑرہے ہیں۔ ہم دنیا وآخرت میں سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس گمراہی و غفلت کی دلدل سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دلدل سے کیسے نکلا جائے ؟ ہمیں اس دلدل سے نکلنے کے لیے ایسے ضابطے کی ضرورت ہے جس پر کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہ ہواور وہ ضابطہ انسانیت کی فلاح و بقاء کا پاسدار ہو،جو امیر و غریب کو ایک نظر سے دیکھے ،جوسب کوانصاف فراہم کرے اور حق پر مبنی ہو۔مجھے نہیں لگتا کہ انسان کوئی ایسا ضابطہ بنا سکتا ہے جو سب کو انصاف فراہم کرسکے۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں اتنا جاتا ہوں کہ انصاف صرف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے اور اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی صورت میں ایک ایسا ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات کی تمام مخلوقات کو انصاف فراہم کرتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کواسلامی تہذیت سے آگاہ کریں اور ہر طرح کا علم سیکھنے میں اُن کی مدد کریں

۔مغربی ممالک میں حکومت اور عوام نے اپنی نسل کو علم و ہنر یکھانے میں محنت کی جس کا پھل آج کھا رہے ہیں ۔میڈیا ورلڈ لائن اور وائس آف امریکہ کی ایک رپورٹوں کے مطابق دس سالہ ہتھرا اوکاڈا کی عمر یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کرنے والے عام طالب علموں کے مقابلے میں لگ بھگ دس برس کم ہے اور نے کبھی اسکول سے تعلیم حاصل نہیں کی ہے، ریاضی کی جینئس اوکاڈا نے برطانیہ کی اوپن یونیورسٹی میں ریاضی کے ڈگری کورس میں داخلہ حاصل کرلیا ہے۔ریاضی میں خدا داد صلاحیتوں کی مالک ہتھر اوکاڈا برطانوی یونیورسٹی کی تاریخ کے کم عمر ترین طالب علموں میں سے ایک بن گئی ہیں۔اوکاڈا نے چند ہفتوں پہلے فاصلاتی نظام کی تعلیم کی ایک اوپن یونیورسٹی میں ریاضی کے تین سالہ کورس میں پڑھائی شروع کر دی ہے اور اس نے ابھی سے آنرز کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کرنے کا منصوبہ بھی بنا لیا ہے وہ بڑے بڑے خواب دیکھتی ہے اور ارب پتی بننا چاہتی ہے جبکہ مستقبل میں اپنا ذاتی بینک کھولنے کی خواہش رکھتی ہے ۔اوکاڈا کی والدہ اومونوفا نے بتایا کہ اگرچہ اوکاڈا کی یونیورسٹی کی پڑھائی شروع ہو چکی ہے اور وہ کلاس میں بہت اچھا کر رہی ہے بلکہ ایک حالیہ ٹیسٹ میں اس نے سو فیصد نمبر حاصل کیے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بالکل عام بچیوں جیسی ہے وہ آج بھی وہ اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیلتی ہے، لوم بینڈز بناتی ہے اور ڈزنی کی فلم فروزن اسے بہت پسند ہے۔اوکاڈا نے اسکول کے بجائے گھر میں اپنی والدہ سے اسکول کی تعلیم حاصل کی ہے، اس مقصد کے لیے اس کی والدہ

نے تین بیڈ روم کے گھر کے بیٹھک خانے کو عارضی طور پر کلاس میں تبدیل کر دیا تھا۔اوموئو فانت نے بتایا کہ جب ایستھر 4 سال کی تھی اس وقت پہلی بار اسے میں نے انگریزی کے حروف تہجی اور ریاضی میں جمع تفریق کرنا سکھائی تھی پر مجھے محسوس ہوا کہ وہ اشکال کے ساتھ زیادہ بہتر طریقے سے سیکھتی ہے لہٰذا بعد میں الجبرا بھی شروع کرائی اور اسے یہ جمع تفریق سے زیادہ پسند کرنے لگی۔6 برس کی عمر میں اوکاڈا نیجی سی ایس ای (میٹرک) کے ریاضی کے پرچہ سی گریڈ سے پاس کیا اور گزشتہ برس' اے لیول' کا ریاضی کا پرچہ بی گریڈ میں پاس کر لیا ہے لیکن اوکاڈا کے خاندان میں ان کے علاوہ ریاضی کا ایک اور استاد بھی موجود ہیں یہ اس کا چھوٹا بھائی ہیجو چھ سال کی عمر میں اے لیول امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔بقول اوموئوفا یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کرنے کا تجربہ کافی دلچسپ تھا کیونکہ وہ بہت کم عمر ہے لہٰذا ہمیں یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے اس کے داخلے کے لیے بات کرنی پڑی اور ایک فون انٹرویو، مضمون ٹیسٹ اور ریاضی کے انٹری ٹیسٹ کے نتائج کی بنیاد پر یونیورسٹی نے ایستھر کو ڈگری کلاس کے مطالعے کے لیے قبول کر لیا۔اوموئوفا کہتی ہیں اس خبر کو سننے کے بعد ایستھر ہواؤں میں اڑنے لگی اور بہت زیادہ خوش ہوئی کیونکہ وہ سات برس کی عمر سے یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی اور بلاآخر اس کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ اور ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ اپنے ریاضی کے شوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بچپنے کو بھی انجوائے کرے لہٰذا اوپن

یونیورسٹی اس مقصد کے لیے بہترین انتخاب تھی۔ویسٹ مڈ لینڈز میں والسال کی رہائشی اوکاڈا کے والد پاول نے کہا وہ اپنے بچوں کی کامیابیوں پر بے حد خوش ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے بچوں نے خاندان کی عزت میں اضافہ کیا ہے۔برطانیہ کی پہلی یونیورسٹی کی کم عمرترین طالبہ روتھ لارنس ہیں جنھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں دس سال کی عمر میں داخلہ حاصل کیا اور 13 سال میں ریاضی کی بچلر ڈگری مکمل کر لی تھی اور اب 43 برس کی عمر میں مس روتھ عبرانی یونیورسٹی میں ریاضی کی پروفیسر ہیں۔قارئین محترم ہمیں اسلامی تہذیب کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے بچوں کے نصاب کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور ہر قسم کی تفریحی سرگرمیوں میں اُن کا ساتھ دینا چاہئے اور اُنہیں کسی بھی وقت تنہائی اور اکیلے پن کا شکار ہونے بچانا چاہئے ۔پاک سرزمین کی طرح ہی ہمارے بچے ذہنی طور پر بہت زرخیز ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ اُن کو بروقت پانی، روشنی اور مناسب دیکھ بھال دستیاب ہو جائے۔ تعلیم کا موضوع بہت وسیع اور خاص ہے بندہ ناچیز خود کے اس موضوع کے لائق نہیں سمجھتا پھر اپنی رائے دینا ضروری محسوس کوتے ہوئے پہلے بھی اس موضوع پر لکھ چکا ہے اور آئندہ کوشش کرتا رہے گا ۔

خواتین آج بھی تشدد کا شکار ہیں

ساری دنیا یہ بات تسلیم کرچکی ہے کہ آج کی عورت زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ اپنا کردار نبھا رہی ہے۔اس کے باوجود مختلف اخبارات اور ٹی وی چینلز پر خواتین پر تشدد کے حوالے سے رپورٹس اور خبریں پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں، کبھی خبر آتی ہے کہ ایک معمر خاتون پر تشدد کیا گیا، اس کے بال مونڈ کر سر بازار منہ کالا کرکے گھسیٹا گیا۔ کبھی کسی نرس یا ہیلتھ ورکر خاتون پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے۔اسی طرح سینکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے ۔ہیں، خواتین کے عالمی دن پر لمبی لمبی تقاریر پھر بھی کی جاتی ہیں،پر ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔آج کی خواتین کو سب سے زیادہ گھر میں ہی عدم تحفظ کا شکار بنا دیا جاتا ہے، جس کی عام شکل
گھریلو تشدد ہے، پاکستان میں عورت کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے دو مختلف رخ ہیں، پہلے رخ میں عورت زندگی کے ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کرتی نظر آتی ہے، جبکہ دوسرے رخ میں اس پر ظلم کی انتہا کی جاتی ہے، لڑکیوں کو برا سمجھنا زمانہ جاہلیت کی گندی اور ناپسندیدہ روایات ہیں ۔آج کے معاشرے میں عورت کی بے توقیری دیکھتا ہوں تو دور جہالت کے بدصورت رسم ورواج تصویروں کی صورت آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں، مجھے احساس دلاتے ہیں کہ تُو بھی کسی مہذب معاشرے کا فرد نہیں بلکہ دورجہالت سے ملتے جلتے دور میں پیدا ہوا ہے۔جس نسل

کی ماں ظلم زیادتی، ناانصافی کا شکار ہو وہ کس طرح پرامن، باشعور اور باعزت معاشرہ قائم کر سکتی ہے۔ جو لوگ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو عزت و انصاف نہیں دے سکتے وہ کیونکر دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے حقدار ہو سکتے ہیں۔ غلام، بے توقیر اور ظلم کی چکی میں پسی ماں کس طرح بچوں کو خوددار، خودمختار، ایماندار اور باشعور بنا سکتی ہے؟ جس معاشرے میں ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی کوئی عزت نہیں اُس معاشرے کے افراد کی دنیا کیا عزت کرے گی؟ جن کی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو اپنے بیٹے، باپ، بھائی، شوہر یا گھر پر کوئی حق نہیں وہ کس منہ سے دنیا سے اپنے یا انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں؟ افسوس کہ اسلامی معاشرے کو غیر مذہب رسم و رواج نے یرغمال بنا کر ہمیں مفلوج کر کے ہمیں حقائق سے دور تر کر دیا ہے۔ اسلام سے پہلے معاشرے میں بھی عورتوں کی کوئی عزت اور قدر و منزلت نہ تھی۔ وہ ظلم و ستم کا شکار تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ مکہ میں عورتوں کو بالکل ناقابل توجہ سمجھا جاتا تھا، مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔ رسول اللہؐ نے حکم خُداوندی کے تحت عورت کو عزت و احترام کا وہ مقام بخشا جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریمؐ نے عورت کے حقوق و فرائض کا تعین فرمایا اور اسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی سمیت تمام رشتوں سے عزت عطا فرمائی۔ ارشاد نبوی ہے ”تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو (اپنی) بیویوں سے بہتر سلوک کریں اور میں اپنی بیویوں سے بہترین

سلوک کرتا ہوں" خطبہ حجتہ الوداع میں بھی عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔آپؐ نے مسلمانوں کواس خطبہ کے ذریعے خواتین کے بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کا حکم دیتے ہوئے پابند کردیا کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ،آپؐ نے فرمایا مردوں کا یہ مقام نہیں کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکری سمجھیں بلکہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے تحت ہونا چاہئے اور انہیں ان کا جائز مقام ملنا چاہئے۔

افسوس آج مسلمان معاشرہ بھی ہندو و دیگر غیر مسلم معاشروں کے رسم ورواج اپناچکا ہے جن میں عورتوں کو نہ تو عزت دی جاتی ہے اور نہ انسان سمجھا جاتا ہے۔آج عورت پر ہر طرح سے ظلم وستم ہورہے ہیں' وہ ماں بھی ہے، بہن بھی، بیٹی بھی اور بیوی بھی ہمیں اُس کی ضرورت بھی بہت ہے لیکن اُس کی عزت کرنا ہمارے لئے باعث شرم بنتا، جارہا ہے۔عام طور پرجب کوئی مرد اپنے گھرمیں جھاڑو دیتا ہے،، برتن، کپڑے دھوتا فرش صاف کرتا یا پھر بچوں کو واش روم لے کے جاتا ہے تو معاشرہ اُس کا مذاق اُڑاتا، ہے لیکن جب یہی مرد لمبے بال رکھتا ہے، ریشمی کپڑے پہنتا ہے یا عورتوں سے زیادہ فیشن کرتا ہے،جب عورتیں کام کرنے کیلئے کارخانوں کا رخ کرتی ہیں تب اسی مرد کی مردانگی پر معاشرہ کوئی فتویٰ نہیں دیتا۔آخر عورت بھی انسان ہے وہ سارادن گھر، بچوں، مرد کے رشتہ داروں اور مہمانوں کی خاطر داری سمیت کئی دیگر کام کرنے کے بعد رات کو مرد

کا بھی خیال رکھتی ہے۔جب یہی عورت گھر سے باہر کمانے نکلتی ہے اسے اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر ایک مرد کو برتن یا کپڑے دھونے پر کیا جاتا ہے۔ مرد چھٹی والے دن بھی اپنے دوستوں اور دوسیتوں کے ساتھ وقت گزار سکتا ہے یعنی مرد کو کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ کس کس سے ملتا ہے کیا کیا کرتا ہے، وہ کسی بھی وقت کہیں بھی آجاسکتا ہے لیکن عورت صرف کپڑے،، برتن، فرش دھوسکتی ہے، کھانا پکاسکتی ہے، مرد کے خاندان والوں کی فرمانبرداری کرسکتی ہے یہ سب کام کرنے کے بعد بھی اگر اُونچا بولے گی تو وہ اچھی عورت نہیں بلکہ بدسیرت ہوجائے گی۔وہی مرد جو گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا وہ سارا دن دفتر میں برتن بھی دھوتا ہے اور فرش بھی، چائے بھی بناتا ہے اور کھانا بھی گرم کرتا ہے اگر باس کے بچے دفتر آجائیں تو اُن کی نیپی بھی تبدیل کرتا ہے۔یہ تمام کام کرتے وقت شرم کی بجائے فخر محسوس کرنے والا مرد ساری مردانگی گھر کی چاردیواری میں قید ایک عورت پر نکالتا ہے کیا اپنی بیوی دفتر کے باس کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے؟ عورتوں کی طرح لمبے بال رکھے، سرخی، پوڈر اور کاجل لگائے والدین کو بیٹا خوبصورت لگتا ہے لیکن اگر یہی بیٹا اپنی بیوی کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے گھر کا کوئی چھوٹا موٹا کام کردے تو اُسے چوڈو، رن مرید، بڈی تھلے لگا اور نجانے کون کون سے خطابات سے نواز دیا جاتا ہے۔یہ مرد عورتوں کی طرح بیوی کو جہیز کم لانے کا طعنہ تو دے سکتا ہے لیکن خود کماکر اپنے گھر کی چیزیں پوری نہیں کرسکتا۔ ہمارے معاشرے کو دیکھ کون یقین کرے گا کہ

ہم رسول ﷺ کے اُمتی ہیں؟ جنہوں نے خود بھی خواتین کی عزت کی اور ہمیں بھی حکم فرمایا ہے۔ دُکھ تو اس بات کا ہے کہ اس برس بھی حقوق خواتین کا عالمی منایا تو جائے گا پر اُن کو حقوق دینے کیلیے کوئی بھی تیار نظر نہیں آتا۔ افسوس کہ ہمیں خواتین کا عالمی مناتے صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے پر آج بھی دنیا بھر میں خواتین تشدد کا شکار ہیں۔

خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام" درست اقدام"

کسی ملک کی ترقی کی رفتار کا اندازہ اُس کے ٹرانسپورٹ کے نظام سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ سڑکیں جس قدر کشادہ اور صاف ستھری ہوں گی اُن پر چلنے والی ٹرانسپورٹ بھی اُسی قدر تیزی سے رواں دواں رہے گی۔ جو قومیں اپنے ذرائع آمدرفت کی طرف توجہ نہیں دیتی اُن کے ترقی کرنے کے چانسز بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے صرف اچھی سڑکوں یاگاڑیوں کی وجہ سے ترقی کرنا ممکن نہیں ترقی کرنے کے لیے کچھ اور چیزیں بھی بہت ضروری ہیں جن میں توانائی کے بہتر سے بہتر ذرائع، روزگار کی فراہمی، عدل وانصاف کا عام آدمی کی پہنچ میں ہونا، رشوت وسفارش کا خاتمہ، صحت و تعلیم کی سہولیات کا غریب سے غریب فرد کی پہنچ میں ہونااور سب سے بڑھ کر عوام اور حکمرانوں کے درمیان قریبی رابطے رہناتاکہ حکمران عوامی مسائل سے آگاہ رہ سکیں۔ خادم اعلیٰ پنجاب کے میٹروبس منصوبے کو مخالفین تنقید کانشانہ بنایا پر عوامی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم میٹروبس سروس کو اچھا کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میاں شہباز شریف کے دوراقتدار سے پہلے بدقسمتی سے ذرائع آمدورفت یعنی ٹرانسپوٹ کے نظام کو بہت کم توجہ دی جاتی رہی ہے۔اس بات سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا واقف ہے کہ میاں شہبازشریف نے ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر بنانے پر نہ صرف بہت زیادہ توجہ دی

ہے بلکہ دن رات انتھک محنت بھی کی ہے۔جس کے نتیجہ میں وہ منصوبے جو کبھی سالوں میں مکمل ہوا کرتے تھے وہ دنوں اور مہینوں میں مکمل ہونے لگے ہیں۔وزیر اعلی پنجاب میاں شہباز شریف کو اگر اُن کی کارکردگی پر کریڈٹ نہ دیا جائے تو زیادتی ہوگی۔ چند دن قبل وزیراعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے پاکستان کی تاریخ کے دیہی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کے سب سے بڑے منصوبے ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کا باقاعدہ افتتاح کیا جس کے تحت آئندہ 3 برس کے دوران مرحلہ وار صوبہ پنجاب کی تمام دیہی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کی جائے گی جس پر تقریباً 150 ارب روپے کی خطیر رقم خرچ ہوگی۔ ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کے تحت صوئے آصل کی 8 کلومیٹر طویل سڑک لدھیکے بھلر تا پانڈوکی سڑک کی تعمیر و مرمت کا افتتاح کیا اور اس پروگرام کی کامیابی کیلئے دعا کی۔ وزیراعلیٰ محمد شہباز شریف نے ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کے تحت سڑک کی تعمیر و مرمت کے کام کے افتتاح کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں صوئے آصل میں ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کے تحت دیہی سڑکو ں کی تعمیر و مرمت کے کام کا باقاعدہ افتتاح کر رہا ہوں جبکہ پنجاب بھر میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کے اراکین قومی و صوبائی اسمبلی اپنے اپنے علاقوں میں اس پروگرام کے تحت دیہی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کے کام کا افتتاح کر رہے ہیں۔اس طرح دیہی علاقوں کی ترقی کیلئے تاریخ کا سب سے بڑا پروگرام آج شروع کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کے تحت''

تعمیر و مرمت ہونے والی تمام سڑکوں کے اعلیٰ معیار کو ہر قیمت پر یقینی بنایا جائے گا اور اس ضمن میں تھرڈ پارٹی آڈٹ لازمی ہوگا اور تھرڈ پارٹی آڈٹ کے بعد ہی ٹھیکیدار کو ادائیگی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اس پروگرام کے تحت سڑکوں کی تعمیر و مرمت کیلئے ٹھیکیداروں کا انتخاب انتہائی شفاف طریقے سے کیا گیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ ٹھیکیدار ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' کے تحت دیہی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کے حوالے سے محنت، دیانت اور ایمانداری سے کام کریں گے اور سڑکوں کی تعمیر کے دوران معیار پر خصوصی توجہ دیں گے۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ نے اعلان کیا کہ اس پروگرام کے تحت سب سے بہترین 3 ٹھیکیداروں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے گی اور انہیں انعام و تعریفی سرٹیفکیٹس دیئے جائیں گے جبکہ ان کنٹریکٹرز کی لیبر کو نقد انعام دیا جائے گا۔ اسی طرح 10 بہترین انجینئرز کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے گی اور انہیں بھی انعام اور تعریفی سرٹیفکیٹس دیں گے لیکن اگر کسی نے غلط کام کیا تو انہیں کڑی سزا ملے گی کیونکہ یہ پیسہ پنجاب کے عوام کا ہے اور عوام کے خون پسینے کی کمائی میں ایک پیسے کی بھی خیانت برداشت نہیں کی جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں ''خادم پنجاب دیہی روڈز پروگرام'' قدر دیر سے پر ایک درست اقدام ہے۔ راقم سمجھتا ہے کہ ذرائع آمد رفت کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے بطور وزیر اعلیٰ پنجاب جناب میاں شہباز شریف کی خدمات کو صدیوں یاد رکھا اور تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ اس خوشی کے موقع پر راقم اپنی

ایک پریشانی بھی خادم اعلیٰ پنجاب جو ہمارے حلقے پی پی 159 کے ایم پی اے بھی ہیں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔جناب عالی بندہ کچا شہزادہ رورڈ کاہنہ نو کا رہائشی ہے۔جس کے رہائشیوں نے آدھا راستہ تو غیر قانونی طور قبضہ کرکے اپنے گھروں کے اندر ڈال رکھا ہے اور باقی پر تھڑے بنا کر اُن کے ساتھ کچی مٹی ڈال رکھی ہے۔ تھوڑی سی بارش ہوجائے تو سڑک کا درمیانی حصہ زیر آب آجاتا ہے اور کنارے سلائیڈ (پسلن سیڑی) کا منظر پیش کرتے ہیں جس پر چلنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے۔ اکثر گھر پہنچتے پہنچتے ہم دو سے تین مرتبہ کیچڑ میں گر جاتے ہیں خصوصاً رات کے وقت۔کچی مٹی بارش کے پانی میں گھل کر سیورج کو بند کردیتی ہے اور پھر مہینہ ، مہینہ کیچڑ خشک نہیں ہوتا۔کیچڑ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ بچوں کی اسکول وین بچوں کو لینے نہیں آتی اس طرح بچوں کی تعلیم کا ہرج ہوتا ہے۔ نمازی نماز پڑھنے مسجد نہیں جاپاتے ، ہم لوگ گھر سے نکلتے وقت دھلے کپڑے اور صاف جوتے شاپر بیگ میں ڈال کر شہزادے رورڈ پر سفر کرتے ہیں کیونکہ جو کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں وہ باہر آتے آتے انتہائی گندے ہوجاتے ہیں۔ مسلسل کیچڑ کھڑا رہنے سے مختلف قسم کے امراض بھی پھوٹ پڑتے ہیں۔ایک ایسی مشکل جو بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے لیکن بتانا ضروری ہے۔جناب عالی ہمارے علاقے میں لوگ اپنے بچوں کے رشتے صرف اس لیے نہیں کرتے کہ راستہ بہت گندہ ہے۔میری وزیر اعلیٰ پنجاب جو کہ ہمارے حلقے PP 159 کے ایم پی اے بھی ہیں سے اپیل ہے کہ خادم اعلیٰ پنجاب دیہی روڈز پروگرام میں کچا شہزادہ روڈ کاہنہ نو کی تعمیر

و مرمت کو بھی شامل کرلیں

وزارت گداگری

غربت ، مہنگائی، لگاتار بے روزگاری، ناانصافی، بدامنی ، رشوت ستانی، اقرباپروری اور ان جیسی کئی اور فیکٹریاں بھیک منگے یعنی گداگر پیدا کرتی رہتی ہیں۔ وطن عزیز میں توانائی کے شدید بحران کے باوجود یہ کارخانے بہترین کارگردگی دیکھاتے ہوئے اپنی پروڈیکشن بڑھا رہے ہیں ۔ اکثر بھیک منگے نشے کے عادی ہوتے ہیں یا بھیک منگے بننے کے بعد نشے کے عادی ہو جاتے ہیں ۔ وزیر رشوت و کرپشن سازی کے ایک محتاط اندازے کے مطابق آج 70 لاکھ افراد چرس، افیون اور ہیروئن جیسی جان لیوا منشیات کے عادی ہو چکے ہیں منشیات کے نتیجہ میں نشہ آور شربت، پاؤڈر، گولیاں، کیپسولز اور انجکشنز چلتے ہیں اور انسان سسک سسک کر، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر، ذلت آمیز اور دردناک موت مرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نشے کے عادی افراد سے کہیں زیادہ لوگ گداگری کی لعنت میں مبتلا نظر آتے ہیں جن پر نہ تو وزیر رشوت و کرپشن سازی کی نظر پڑھتی ہے اور نہ ہی وزات اُن بڑھ کچھ توجہ دیتی ہے۔ خیر یہ ہمارا کام نہیں ۔ جس کا کام اُسی کو ساجھے کہہ کر آگے بڑھتے ہیں ۔ اور پھر ہم خود دنیا جہان کے نکمے ٹھہرے ہمیں کیا کوئی وزارت کام کرے نا کرے ۔ تعلیم جیسے اہم محکمے یا کسی اور وزارت پر کوئی وزیر ہو یا نہ ہو۔ ہمارا کام ہے لکھنا اور لکھتے جانا کوئی پڑھے نہ پڑھے ۔ سوچوں کی گھمن

گھیری میں زندگی بسر کرتے کرتے اب تو لکھتے لکھتے کہیں کے کہیں پہنچ جانا بھی عادت ہو چکی ہے۔اللہ کے نام پہ دے، خیر ہووے، اللہ بوتا دیوے، اللہ تجھے زیادہ دے یہ الفاظ ہمیں گھر، گلی محلے، بازار، گاڑی، دفتر، دوکان، تھانہ، کچہری سے لے کر مراکز صحت پر سننے کو ہر وقت ملتے ہیں۔لیکن کل صبح ایک انوکھا واقع دیکھنے کو ملا، صبح سویرے ہی بچوں کے اصرار پر ناشتے کے لئے ڈبل روٹی اور انڈے خریدنے محلے کے جنزل سٹور پر پہنچا تو جنزل سٹور والا ابھی سٹور کے تالے کھول رہا تھا میں ایک طرف کھڑا ہو کر سٹور کھلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اُتنے میں ایک گداگر تشریف لے آیا میں نے حسب توفیق اُسے کچھ پیسے دے دیئے، پیسے لے کر گداگر دکان دار کی طرف متوجہ ہو کر بولا اللہ خیر کرے اللہ تجھے زیادہ دے۔دکان دار بڑی خوش مزاجی سے بولا اللہ تعالی کی بڑی خیر ہے اور، اللہ تعالی نے پہلے ہی اتنا دے رکھا ہے کہ اب زیادہ کی تمنا نہیں رہی تم جاؤ اور اگر تمہیں اللہ تعالی پر اتنا ہی اعتبار ہے کہ تیرے کہنے سے وہ دوسروں کو نوازتا ہے تو پھر اپنے لئے بھی اُسی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، کیونکہ جو مالک عطا کرتا ہے اور جس کے سوا کوئی اور عطا کرنے کی حیثیت نہیں رکھتا وہ اپنے بندوں کو کسی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے سختی سے منع کرتا ہے۔اگر تجھے اللہ تعالی کے رازق ہونے کا یقین ہے تو پھر اُس کی بارگاہ سے مانگ۔جا اللہ تیری بھی خیر کرے اور تجھے بھی زیادہ دے۔عام طور پر لوگ گداگروں پر غصہ ہو جاتے ہیں لیکن دکان دار نے سارا لیکچر بڑی ہی خوش مزاجی سے دیا اور

گداگر بھی خاموشی سے سن کر آگے بڑھ گیا۔میں نے دکان دار سے کہا بھائی کیوں ان مانگنے والوں سے اُلجھتے ہیں روپیہ دو روپے دے دیا کریں۔دوکان دار بولا بھائی اب اُس کو کیا بتاؤں کے دن بھر جتنا کماتے ہیں اُتنے میں تو گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے اور اُس پر کل 21ہزار روپے بجلی کا بل آگیا ہے۔پریشان ہوں کہ یہ بل کہاں سے ادا کروں گا؟دوکان میں اتنا سامان نہیں ہے کہ 21ہزار روپے نکالنے پر بھی چلتی رہے اور کوئی آسرا بھی نظر نہیں آتا۔ان مانگنے والوں کو کیا پتا کہ سفید پوش کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔آپ کے سامنے یہ گداگر سو،پچاس کما چکا ہے جبکہ میں تو ابھی دوکان کھول رہا ہوں،ابھی ایک روپے کا بھی کام نہیں کیااس کو کہاں سے پانچ دس دے دوں؟رنجیدہ لہجے میں بولا بھائی میں تو سوچ رہا ہوں کہ میں بھی گداگر بن جاؤں کم از کم دکان کا کرایہ،بجلی و گیس کے بل ادا کرنے سے تو جان چھوٹ جائے گی۔ان گداگروں کا کوئی خرچہ نہیں ہوتا امتیاز بھائی بس کمائی ہی کمائی ہوتی ہے۔آپ یقین کریں ہمارے ملک میں اس وقت گداگری بہت بڑا کاروبار ہے۔دوکان دار نے چونکا دینے والا انکشاف کیا کہنے لگا میرے ایک جاننے والے نے ایک سال پہلے اپنا گھر بیچ کر ایک لاکھ روپے کے 2چوہے(چھوٹے سر اور منہ والے دبلے پتلے انسان) خریدے اور باپ بیٹا اُن کو لئے مانگنے نکل پڑے آج تین،تین کنال کے دو گھر گاڑی،بینک بیلنس اورضروریات زندگی کی ہر چیز خرید کر اپنے محلے کی امیر ترین شخصیت بن چکا ہے۔اس کے علاوہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے

کے لئے مزید چار چوہے خرید کر اُن کے ساتھ مانگنے کے لئے ملازم بھی رکھ لئے ہیں۔ جبکہ میں اپنی بیوی کے زیور بھی بیچ کر دوکان میں سامان ڈال چکا ہوں لیکن پھر بھی کاروبار کا کوئی حال نہیں ہے۔ میں انڈے اور ڈبل روٹی تھامے چپکے سے گھر کی طرف چل دیا لیکن میرا ذہن وہیں اٹکا رہا ابھی تک میرے کانوں میں گداگر اور دکان دار کے فقرے گونج رہے ہیں۔ ہمارے ہاں گداگری اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر قدم پر ایک دو گداگر مرد، عورتیں، بچے اور خواجہ سرا پائے جاتے ہیں۔ سفید پوش طبقہ سب سے زیادہ پریشان ہے۔ تھوڑے پیسوں سے شروع ہونے والے تمام کاروبار تباہی کا شکار ہیں اور زیادہ پیسے سفید وں کے پاس ہیں نہیں۔ بھیک بھی نہیں مانگ سکتے اور مزدوری سے آنے والی آمدنی سے کاروبار زندگی نہیں چلتا۔ انہیں سوچوں میں گم تھا کہ میرے اُستاد محترم مشتاق احمد سلطانی صاحب کا فون آ گیا، وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش لہجے میں بات کر رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد انھوں نے میرا حال پوچھا تو میں نے دوکان دار اور گداگر کے درمیاں ہونے والی گفتگو کا سارا واقع بیان کر دیا۔ اُستاد محترم بولے تو تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ میں نے کہا سر جی میں بھی تو اسی ملک کا شہری ہوں آج دوکان دار حالات کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہے تو کل مجھے بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ۔ مشتاق صاحب کہنے لگے ارے بھائی یہ صرف ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کائنات میں جہاں جہاں انسان بستے ہیں وہاں وہاں پریشانی کا عالم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ

کرنا اوراُس کا شکرادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔امتیاز اس دنیا میں وہی انسان خوش ہے جو اپنے مالک کا شکرادا کر رہا ہے باقی سب کہ سب پریشان ہیں چاہے کسی غریب کو دیکھ لو چاہے دنیاکے سب سے امیر کو دیکھ لو۔شاعر نے ساری حقیت بیان کرتے ہوئے کیا ’’ خوب بات کہی ہے کہ

کوئی تو تمنائے زر،و،مال میں خوش ہے
اور کوئی تماشائے خدوخال میں خوش ہے
پر ہم سے پوچھو تو نہیں کوئی بھی خوش حال
خوش حال وہی ہے جو ہر حال میں خوش ہے

اُستاد محترم کا فون بند ہوا ہی تھا کہ میرا بچپن کا دوست رمضان ملک آگیا۔رمضان ملک کا شوق تھا کہ وہ فوجی بنتا لیکن قسمت نے ٹریفک وارڈن بنا دیااور آج کل وہ لاہور میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔حال احوال پوچھنے کے بعد بولا آج کل کون سا موضوع زیر قلم ہے؟میں نے کہا آج تو گداگری کے موضوع پر لکھنے کو دل کر رہا ہے ۔رمضان بولا یار گداگر تو آج کے شہنشاہ ہیں،ابھی کچھ دن پہلے میں گلبرگ لاہور کی ایک سڑک پر ٹریفک کنٹرول کر رہا تھا کہ ایک گداگر وہاں بھیک مانگنے چلاآیا،جب میں نے اُسے وہاں سے جانے کا کہا تو وہ بڑے شوخ انداز میں بولا صاحب جی 2 گھنٹے کام کرلینے دو 1 ہزارروپے آپ کو بھی دوں گا۔میں اُس گداگر کی بات سن کر بہت حیران ہوا کہ صرف 2 گھنٹے

بھیک مانگ کر وہ مجھے بھی ہزار روپے کی رشوت دینے کو تیار ہے۔میں نے کہااس کا مطلب ہے کہ اُسے وہاں 2 گھنٹے بھیک مانگ کر1 ہزار سے زیادہ کمانے کی اُمید تھی ؟رمضان ،یقینا ،لیکن میں نے اُسے وہاں بھیک مانگنے سے منع کر دیا جس پر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ کوئی بات نہیں میں تو کہیں اور بھیک مانگ لوں گا لیکن آپ کا ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ہے۔میں جو پہلے ہی حیرت میں ڈوبا بیٹھا تھا رمضان کی بات سن کر اور بھی پریشان ہو گیا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ کیسا معاشرہ ہے جو اللہ کے نام پر بھیک تو دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کی بجائے دینا ہی نہیں چاہتا ؟جس ملک میں مزدور کو دن بھر مزدوری کرنے پر صرف 300روپے ملتے ہیں اُسی ملک میں گداگر صرف 2 گھنٹے بھیک مانگ کر ایک ہزار سے زیادہ کما لیتا ہے۔ویسے مجھے اپنے علاوہ کوئی لکھنے والا پسند نہیں پر پھر بھی جناب گل نوخیز اختر کی لکھی تحریر لئے پڑھ لیتا ہوں کہ کہیں کوئی مجھ سے اچھا لکھنے والا تو پیدا نہیں ہو گیا۔کچھ روز قبل اُن کا ایک کالم پڑھا جس میں انہوں نے امریکہ پاکستان کا تصور پیش کیا تھا۔زندگی نے موقع دیا تو امریکہ پاکستان کے تصور پر تفصیلی رائے بھی پیش کروں گا آج بس اتنی ہیں گزارش کرنا مقصود ہے کہ جناب غل نوخیز اختر صاحب گداگروں کی مشکلات کے حل کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے امریکہ پاکستان میں وزارت گداگری ضرور شامل کرنا،اللہ میرا اور میرا اور پھر آپ کا بھی حامی وناصر ہو۔

آخر موت آہی گئی

42 سال تک کوما میں رہنے والی بھارتی نرس کو بل آخر موت آہی گئی۔ وہ ارونا شنبا گ ممبئی کے کنگ ایڈورڈ میموریل اسپتال میں جونیئر نرس تھیں جنھیں 1973 میں ان کے ایک ساتھی نے جنسی زیادتی اور تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ زیادتی کی کوشش کے دوران ارونا کے سرپر سخت چوٹ آئی تھی جس کے باعث ان کے دماغ کو آکسیجن کی فراہمی متاثر ہوئی تھی اور وہ کوما میں چلی گئی تھیں۔ کنگ ایڈورڈ میموریل اسپتال کے سربراہ پراوین بنگر نے میڈیا ورلڈ لائن کو بتایا کہ ارونا پر گزشتہ ہفتے نمونیا کا حملہ ہوا تھا جس کے بعد وہ گزشتہ چند روز سے مشینوں کے سہارے زندہ تھیں۔ ارونا کی ایک سہیلی اور ان پر کتاب کی مصنفہ پنکی ویرانی نے 2011ء میں بھارت کی سپریم کورٹ سے انہیں ٹیوب کے ذریعے خوراک دینے پر پابندی عائد کرنے اور انہیں "ان کی تکلیف دہ زندگی سے نجات" دلانے کی استدعا کی تھی جسے عدالت نے مسترد کردیا تھا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران کنگ ایڈورڈ اسپتال کی نرسوں اور عملے نے اس درخواست کی سخت مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ارونا کی دیکھ بھال کریں گے۔ ارونا کے اہل خانہ نے کئی برس قبل ان کی نگہداشت کے اخراجات.برداشت کرنے سے معذرت کرلی تھی۔ اسپتال کی نرسوں اور عملے نے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی جسے انھوں نے 42 سال تک نبھایا۔ ارونا

شنبا گٹ جنسی زیادتی اور تشدد کا نشانہ بننے کے فوراً بعد دم توڑ جاتی تو دنیا میں خواتین کے حقوق کی آواز بلند کرنے تنظیموں اور حکمرانوں کی بچت ہو جاتی پر وہ بڑی بہادر خاتون نکلیں کو جو مر کر بھی 42 برس ترقی یافتہ معاشرے کے چہرے پر طمانچے مارتی رہیں ۔خواتین کے حوالے بات کرتے ہوئے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ماضی قریب تک عورت کا کام محض مردوں کے جنسی جذبات کی تسکین کرنا، بچے پالنا اور گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنا تھا جبکہ عورت کے حقوق کا کہیں ذکر نہیں تھا پر راقم کا یہ ماننا ہے کہ آج بھی جاہل معاشروں میں عورت صرف ایک جسم ہی ہے۔اسلام سے پہلے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔سب سے پہلے اسلام میں قرآنی پیغام کے ذریعہ پیغمبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کا علم بلند کیا اور انہیں معاشرے کا معزز فرد گردانہ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عملی کردار کے ذریعے عورت کے معاشرہ میں مقام کو بہت بلند کر دیا۔جب مغرب نے خواب غفلت سے انگڑائی لی تو ظلم وجبر کے دوسرے بہت سے پہلوؤں کی طرح عورتوں کے حقوق کی آواز بھی بلند ہوئی۔عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے نجی اور حکومتی سطحوں پر بہت کام ہوا اور بالآخر خواتین کے حقوق کو ملکی قوانین اور یو این او جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے چارٹر کے ذریعے تحفظ فراہم کر دیا گیا۔اگرچہ آج حالات ماضی سے بہت بہتر ہو چکے ہیں پر اب بھی حکومتی اور بین اقوامی اداروں کے ذریعے عورتوں کو

فراہم کئے گئے حقوق کو عملی شکل دینے کے لئے لمبی جدو جہد کی ضرورت ہے۔ عورتوں پر ہونے والے مظالم کا ایک بھیانک رخ ان کو جلا نا دینا ہے۔جلانے کے اس عمل میں عورت یا تو اس جہان فانی سے کوچ کر جاتی ہے یا پھر وہ زندگی بھر کے لئے معاشرے میں نا قابل قبول اور اچھوت بن کر رہ جاتی ہے۔پاکستان میں بھی اس قسم کے واقعات تواتر سے منظر عام پر آتے رہتے ہیں جس میں عموماً گھر پر چولہا پھٹ جانے سے یا کسی دوسری وجہ سے عورت جل جاتی ہے اور اکثر اوقات موت کے منہ میں چلی جاتی ہے۔1998 کے دوران پنجاب میں خواتین کے جلنے کے 282 واقعات رپورٹ کئے گئے۔ان واقعات میں متاثرہ 65 فیصد خواتین زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئیں۔راولپنڈی اور اسلام آباد کے ہسپتالوں میں 1994 ء میں لئے گئے تین سال کے اعداد وشمار کے مطابق 739 خواتین جلنے کا شکار ہوئیں۔یقیناً ان متاثرہ خواتین کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو گی جن کے واقعات رپورٹ نہیں ہوسکے یا وہ ہسپتال تک نہ پہنچ سکیں۔یہ بات بہت اہم ہے کہ گھریلو سطح پر خواتین پر تشدد عورتوں کے اعتماد اور عزت نفس کی نفی کرتا ہے اور انکی صحت خراب کرتا ہے جبکہ عوامی سطح پر تشدد کا خوف خواتین کو معاشرتی ترقی میں ان کے جائز کردار سے محروم کر دیتا ہے۔مختلف معاہدات کی روشنی میں یہ حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ گھریلو تشدد کی شکار خواتین کا مکمل تحفظ فراہم کرے۔پاکستان 1996 سے ’’عورتو

ں کے عالمی کنونشن ''کا ممبر ہے۔اس کنونشن کی رو سے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے سماجی طرز عمل اور رسم ورواج کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان بنیادی حقوق کے حوالے سے تفریق کرتے ہیں۔ پاکستان نے خواتین کے خلاف تمام اقسام کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن سی ڈی او پر بھی دستخط کر رکھے ہیں جس کے تحت ایسے تمام رسم ورواج جو خواتین کے خلاف امتیاز پیدا کرتے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے گا۔دفعہ 174 الف ضابطہ فوجداری پاکستان، یہ دفعہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔جلانے سے شدید زخ، جب کسی اایسے شخص جو کہ آگ، مٹی کے تیل ،کیمیاوی مادے یا کسی بھی اور ذریعہ سے جلنے کے سبب شدید زخمی ہوگیا ہو کو میڈیکل افسر کے رو.برو لایا جائے یا اگر جلنے کا کوئی واقعہ پولیس سٹیشن کے افسر انچارج کے علم میں لایا جائے تو وہ (میڈیکل افسر یا پولیس افسر انچارج) قریبی مجسٹریٹ کو اس واقعہ کی فوری اطلاع دینے کے پابند ہوں گے۔ساتھ ہی ساتھ ڈیوٹی پر موجود میڈیکل افسر فوری طور پر زخمی شخص کا بیان قلمبند کرگا تاکہ حالات و واقعات کا جائزہ لیا جاسکے نیز جلنے کی وجوہات کا تعین کیا جاسکے۔مجسٹریٹ کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ ایسے شخص کا بیان قلمبند کرے گا وہ اس وقت تک بیان دینے کے قابل رہا ہو۔ نمبر دو ڈیوٹی پر موجود میڈیکل افسر یا بصورت دیگر مجسٹریٹ بیان قلمبند کرنے سے قبل اس بات کا اطمینان کرلے گا کہ زخمی شخص کسی دھمکی

یا دباؤ کے زیر اثر تو نہیں ہے۔اس بیان کی نقول متعلقہ ایس پی ، سیشن جج اور افسر انچا
رج پولیس سٹیشن کو بھیجی جائیں گیا نمبر تین اگر مضروب شخص کسی وجہ سے اس قابل
نہیں رہا ہے کہ مجسٹریٹ کو اپنا بیان قلمبند کروائے تو ایسی صورت میں میڈیکل افسر کا
قلمبند کردہ بیان سر کرکے مجسٹریٹ کو یا ابتدائی سماعت کی مجاز عدالت کو ارسال کیا جا
ئے گا اور زخمی شخص کے انتقال کی صورت میں اس بیان نزعی کے طور پر شہادت / ثبو
ت کی حیثیت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔اگرچہ یہ قانون از روئے آرڈی نینس 66 ، مو
رخہ 17 نومبر 2001 سے نافذ العمل ہے لیکن عوام الناس کے علاوہ پولیس افسران
قانونی ماہرین ، مجسٹریٹ ،انسانی حقوق کے علمبردار ادارے اور میڈیکل افسران ،
بھی اس قانون سے کما حقہ آگاہی نہیں ہیں۔

افرادی قوت کی عالمی درجہ بندی

میڈیا ورلڈلائن کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق پاکستان افرادی قوت کی عالمی درجہ بندی میں 113 نمبر پر ہے اور پاکستان میں بدعنوانی کی شرح میں معمولی کمی آئی ہے : عالمی اقتصادی فورم کی طرف سے افرادی قوت انڈیکس سے متعلق جاری کردہ ایک تازہ رپورٹ میں بتایا ہے کہ پاکستانبد عنوانی کے سے حوالے سے دنیاکے 124 ملکوں میں سے 113 نمبر پر ہے جس کی ایک بڑی وجہ تعلیم کے شعبے میں اس کی خراب کارکردگی ہے۔پاکستان میں تعلیم کا شعبہ اس لحاظ سے حکومتی عدم توجہی کا شکار ہے کہ اس کے لیے سالانہ قومی بجٹ کا صرف دو فیصد ہی مختص کیا جاتا ہے جب کہ ماہرین مجموعی قومی پیداوار کا چار فیصد صرف کرنے پر زور دیتے ہیں۔اس کے علاوہ ملک میں اسکول جانے کی عمر کے تقریباً ڈھائی کروڑ بچے بھی اسکول نہیں جاتے جس کی وجہ غربت اور اسکولوں تک بہت سے لوگوں کی رسائی نہ ہونا ہے۔ موجودہ حکومت کا کہنا ہے کہ وہ اس شعبے پر خاص توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے اور اس کے منصوبے کے مطابق آئندہ برسوں میں تعلیمی شعبے کے بجٹ کو بتدریج چار فیصد تک بڑھانا بھی شامل ہے۔میڈیاورلڈلائن کے مطابق ماہر تعلیم ڈاکٹر اے ایچ نیئر نے عالمی اقتصادی فورم کی رپورٹ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ جب تک حکومتیں آئین میں درج شہریوں کے تعلیمی حقوق پورا کرنے کے لیے سرتوڑ

کوششیں نہیں کرے گی اس وقت تک صورتحال میں بہتری مشکل ہے۔ان کا کہنا تھا کہ صرف موجودہ صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے ہی قومی پیداوار کا چار فیصد سے بھی کہیں زیادہ سرمایہ درکار ہے۔جو 25 ملین 27 ملین بچے باہر ہیں ان سب کو تعلیم میں داخل کرنے کے لئے آج ارادہ کریں تو حکومت اتنے وسائل کی ضرورت ہو گی کہ جو ایک سال کے محصولات کا دو تہائی بنتے ہیں تو آپ کے پاس تقریباً 1600 ارب 1800 ارب روپے چاہیئں اس کے لیے اور ایک سال میں پاکستان کا جو اپنا تعلیم کا بجٹ ہے وہ چھ سو بلین کے قریب ہوتا ہے۔اسکول میں بچوں کے داخلے کی شرح کے علاوہ تعلیمی نظام میں بھی سقم کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے مختلف نظام تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبا عملی زندگی میں مسابقت کا بھرپور سامنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔وزیر مملکت برائے تعلیم بلیغ الرحمٰن کہتے ہیں کہ اس ضمن میں حکومت ایک نظام وضع کر رہی ہے۔عالمی اقتصادی فورم کی رپورٹ میں بھارت 124 ملکوں میں سے سویں نمبر پر ہے جب کہ ایشیا میں صرف جاپان کی صورتحال قابل ذکر ہے جس کا نمبر پانچواں ہے۔یہ سچ ہے کہ آج ترقی پذیر ممالک کے مشکل ترین حالات میں انسان جس طرح معاشی بدحالی کا شکار ہے اُس میں تعلیمی اخراجات پورے ہوتے ہیں نہ ہی وقت بچتا ہے۔غریب کے بچے کو بچپن ہی سے محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے ۔کام کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے اور پھر سوچوں میں گم ذہن بھی کسی چیز کو جلدی سے قبول نہیں کرتا لیکن تعلیم کا حصول خواہ کتنا ہی مشکل کیوں

نہ ہو جائے ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے ۔جو قومیں علم حاصل نہیں کرتیں وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرتیں مطلب یہ کہ اُن کے ترقی پذیر ہونے کی وجہ علم سے دوری ہے۔ یعنی علم ترقی کی ضمانت ہے۔ جن قوموں نے علم کے حصول میں آسانیاں پیدا کیں اور اپنی نسلوں کی تعلیم تربیت کی خاطر اپنے وقت اور وسائل کی قربانی دی آج وہی قومیں ترقی یافتہ کہلاتی ہیں علم دنیا کی واحد دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ علم انسان کو کائنات کی سب مخلوقات سے افضل کرتا ہے ۔آج انسان نے اپنے علم وشعور کی بدولت دنیا میں کامیابیوں کی بہت سی منزلیں طے کرلی ہیں ۔آج انسان اپنے علم کی بدولت پانیوں کی گہرائیوں میں اتر کر سمندروں کے بہت سے خزانے اپنے نام کرچکا ہے۔آج انسان اپنے علم کی بدولت آسمان کی بلندیوں پر ،پرندوں سے بھی اونچی پرواز کرتا ہے۔ چاند اور مریخ تک کا سفر انسان نے کامیابی کے ساتھ طے کرلیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اتنی زیادہ کامیابیاں حاصل کیں کہ ان کامیابیوں کا شمار کرنا مشکل ہے ۔اس سچ سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ بغیر تعلیم وتربیت حاصل کیے دنیا کی کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی ۔اس حقیت سے انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ وہ علم ہی ہے جس نے انسان کو فرشتوں سے افضل کیا۔ علم ہی کی بدولت انسان اشرف المخلوقات ہے ۔اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کی اس حدیث مبارکہ سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے ۔سرکار دوعالمؐ نے فرمایا ”علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے“ اور اسلام میں علم

سیکھنے والے پر فرض کر دیا گیا وہ اپنے علم کی روشنی دوسروں تک لازمی پہنچائے تاکہ علم کہیں ایک جگہ ساکت نا ہو جائے۔آج ہمیں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم علمی میدان میں دنیا سے پیچھے کیوں ہیں ؟کیا وجہ ہے جو ہم تمام تر کوششوں کے باوجود ترقی نہیں کر سکے ؟آج پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت ہے۔قدرت نے پاک سرزمین کو ہر طرح کے وسائل سے مالامال کیا ہے پھر بھی ہم بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔بیرونی قرضوں نے ہماری آنے والی نسلوں کو بھی اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے علم وہنر کی قدر نہیں کی ؟

میلاد مصطفیٰ ﷺ

راقم اس لائق نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت یا شان بیان کرے۔آج بحکم پیر و مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست میلاد مصطفیٰ ﷺ کی شان بیان کرنے کی ادنی سی کوشش کرنے جارہا ہوں ۔پیر و مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست ہر ماہ چاند کے دوسرے اتوار آستانہ عالیہ حضرت خواجہ اُویس قرنیؓ پیر و والا روڈ نزد جناں والی مسجد قصور پر عظیم الشان محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ملک بھر سے علماء کرام اور نعت خواں حضرات شرکت کرتے ہیں۔یوں تو درویش جس محفل میں موجود ہو روحانیت کے دروازے کھول دیتا ہے پر آستانہ عالیہ پر ہونے محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ میں خاص روحانیت محسوس ہوتی ہے۔ آستانہ حضرت خواجہ اُویس قرنی پر ہونے والی محفل میں شامل ہونی والی مخلوق انتہاء درجہ سکون حاصل کرتی ہے۔یہاں مخلوق کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ پیر و مرشِد کے پاس صرف انسان ہی نہیں بلکہ دوسری مخلوقات بھی فیض پانے آتی ہے ۔ماہ رمضان المبارک کے مہینے میں یہ پروگرام 28 جون 10 رمضان المبارک بروزاتوار نماز عصر تا مغرب ہوگا ہر سال کی طرح اس سال بھی پیر و مرشِد 5 جولائی کو عمرہ اور مسجد نبوی میں اعتکاف کی سعادت حاصل کرنے کیلئے سعودی عرب روانہ ہوں گے جہاں وہ سودی نظام کے خاتمے ،اُمت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی اور خاص طور پر پاکستان کی ترقی

اور خوشحالی کی دُعافرمائیں گے۔اس روح پرور محفل میلاد مصطفیٰ ﷺ میں
باربار شمولیت اور پیرومرشِد کی تربیت میں بہت قلیل وقت گزارنے پرآج یہ سعادت
نصیب ہورہی ہے کہ دنیاکے مختلف موضوعات پر فضول قسم کے تجزیے کرنے کے بعد
شان میلاد مصطفیٰ ﷺ بیان کررہاہوں۔دُعاگوہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ کی
شان میں خوبصورت الفاظ،ادب واحترام اور محبت کے ساتھ بیان کرنے کی توفیق
عطافرمائے اور غلطی کوتاہی کومعاف فرمائے۔''میلاد'کے معنی ہیں: ولادت کا وقت
یا عظیم الشان ولادت' مولد کے معنی بھی ولادت کا وقت ہے۔اہل اسلام کے مطابق
میلاد یا مولد سے مراد سرکاردوعالم حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہے۔محفل
میلاد یا جلسہ میلاد یا میلاد کانفرنس سے مراد ایسا روح پرور اجتماع ہے جس میں سرکارِ
مدینہ سرورقلب وسینہ حضرت محمد ﷺ کی ولادت طیبہ کے زمانے میں ظاہر ہونے
والے بابرکت اور رحمتوں بھرے واقعات کاتذکرہ کرکے برکات حاصل کی جائیں۔اللہ
تعالیٰ نے سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ سلام اور سورۃ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ
سلام کی ولادت اور ولادت کے وقت ان انبیاء کرام کی ظاہر ہونے والی عظمتوں اور
شانوں کاذکرکیاہے۔اسی طرح علماء اکرام کے مطابق سنت رسول، سنت صحابہ واہل
بیت اور سنت سلف صالحین سے بھی ذکرمیلادثابت ہے۔میلاد شریف کے بے شمار
فائدے اور برکات ہیں۔جن میں ذکرانبیاء سے ایمان مضبوط ہوتا ہے اور قلب میں
سکون پیداہوتا ہے۔قرآن مجید کے گیارہویں پارہ سورۃ یونس آیت نمبر 58 میں اللہ
تعالیٰ کاارشاد ہے: ''آپ فرمادیں اللہ

تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ساتھ پس اسی پر وہ (اہل ایمان) خوش ہوں۔ یہ خوشی اس دولت) سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت) پر مخلوق کو خوشی منانے کا حکم دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ جو تمام جہانوں، تمام زمانوں اور تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم الشان رحمت ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں جشن منانا چاہیئے۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ مناکر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسان پر خوشی اور شکر کا اظہار نہ صرف کرنا چاہیئے بلکہ کرتے ہی رہنا چاہیئے۔ کفار کے پاس فحش میڈیا بُرائی اور بے راہ روی پھیلانے کا جبکہ اُمت مسلمہ کے پاس میلاد شریف معاشرتی اصلاح، انسانی فلاح و بہبود، نیکی کی دعوت اور بُرائی سے ممانعت کا بہترین ذریعہ ہے، کیونکہ میلاد مصطفیٰ ﷺ کے پروگراموں میں فضائل نبوی اور سیرت مصطفیٰ کا تذکرہ انتہائی خلوص، محبت اور احترام کے ساتھ ہوتا ہے ہم جانتے ہیں کہ انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر عمل کیا جائے۔ شمع مصطفیٰ کے پروانوں کیلئے یہ خوشی سب سے بڑی ہے کہ میلاد شریف سے حضور اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ محفل میلاد میں قرآن مجید کی تلاوت بھی ہوتی ہے اور نعت خوانی بھی۔ نعت خوانی کو حضور اکرم ﷺ نے پسند فرمایا ہے، نعت خوانوں کو نہ صرف اپنی دعاؤں سے نوازا بلکہ ایک نعت گو صحابی حضرت کعب بن زھیر سلمی رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر مبارک بھی عطا فرمائی۔ جس سے مسلمان سات صدیوں سے زائد عرصہ تک برکات حاصل کرتے رہے۔ میلاد شریف میں کثرت کے ساتھ نعت خوانی ہوتی ہے، اور یہ

حضور ﷺ کی بارگاہ سے انعامات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔اللہ تعالی مجھے اورآپ کو راہ حق پر چلنے اور نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام کرنے کی توفیق عطافرمائے اورآپ ﷺ کے حیات مبارکہ اور تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف

اللہ تعالیٰ اتنا رحیم و کریم ہے کہ اپنے بندے کو ہر حال میں نوازتا ہے۔اب بندے کام ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رَب تعالیٰ کا شکرادا کرے اور حکم بجالائے۔ کہہ دو کہ میری سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں۔جو تمام کائنات کا خالق ومالک اور رازق ہے۔جو کسی کا نہیں مگر سب کا ہے۔جو میری جان پر ظلم نہیں کرتا ،جو میرے لیے آسانیاں پیدافرماتا ہے،جو آسمان سے پانی برساتا ہے،جو زمین پھاڑ کر میرے لیے اناج اگاتا ہے،جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی،بے شک سب تعریفیں اللہ تالیٰ ہی کے لیے ہیں، میرا رب رحمٰن تو تعریف کے قابل ہے پر میری اوقات نہیں کہ اس ذات پاک کی تعریف کرسکوں۔کائنات کی سب مخلوقوں میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے کائنات میں بے تحاشہ نعمتیں پیدافرمائیں ہیں، جن کا شمار بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔اللہ والے کہتے ہیں کہ اگرانسان کو طاقت ملے اور اس کائنات کے رنگوں میں اس صورت پاک کو دیکھ پائے جو ہر جگہ موجود ہے تو قسم پیدا کرنے والے رَب کی اسی جگہ ساکت ہو جائے اور دیکھ کر پہچان بھی لے توساری زندگی سجدے میں گزار دے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کتنی محبت کرتا ہے یہ جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔انسان بس اتنا سمجھ لے کہ انسان کا رشتہ اپنے خالق سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے

اور انسان اس کا مملوق۔اللہ تعالیٰ معبود ہے اور انسان اس کا عبد۔اللہ تعالیٰ آقا ہے اور انسان اس کا بندہ اور غلام بے دام ،غلام کا کمال یہ ہے کہ اس کا آقا اس سے خوش ہو مملوق کے لیے سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسے مالک کی خوشنودی حاصل رہے۔بندے کو اپنے رب تعالیٰ کی راہ میں لٹ کر بھی ایک لطف آتا ہے اور محب اپنے محبوب کے لیے کھو کر بھی پانے کی لذت محسوس کرتا ہے۔اسی محبت ' غلامی اور بندگی کے احساس کو عملی پیکر دینے کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے اور انسان کا اصل مقصد وجود قرار دیا گیا۔اسلام میں عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے ہیں۔ان میں قدم قدم پر اپنی بندگی ، نیستی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور شیفتگی کا اظہار ہے۔نماز کی کیفیت کو دیکھئے کہ غلام اپنے آقا کے سامنے نگاہ نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے۔بار بار اپنے رب کی کبریائی کا نعرہ لگاتا ہے۔کبھی کمر تک جھکتا ہے۔کبھی نگاہ جھکائے دوزانو بیٹھتا ہے۔کبھی اپنی پیشانی زمین پر رگڑتا ہے۔زکوۃ دیتا اپنی ذات اور اپنے مال پر خدا کی حکومت کا اعتراف کرتا ہے،روزہ ،حج بھی خدا کی بندگی ہے۔اس میں خوف سے زیادہ اپنے مالک کی محبت کا اظہار ہے۔روزہ دار کو دیکھئے بھوکا ہے،پیاسا ہے،دھوپ کی تمازت اور موسم کی شدت ہے۔اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے سب کچھ برداشت کرتا ہے۔روزہ گویا اللہ تعالیٰ سے کمال محبت اور علائق سے رشتہ توڑنے سے عبارت ہے۔بھوکے پیاسے رہنے کے باوجود روزہ کی حالت میں گھر سے کاروبار سے اور لوگوں کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے۔محبت

کا اوج کمال یہ ہے کہ آدمی ان تعلقات کو بھی خدا کے تعلق کے سامنے قربان کر دے۔ اس کے لئے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک اور عبادت رکھی گئی ہے جسے اعتکاف کہتے ہیں۔روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک ہر وقت یاد دلاتا رہتا ہے کہ روزے میں بے شمار حکمتیں ہیں ۔اس کی تہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین ہے۔آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی عدالت پر ایمان ہے۔روزے کی حکمتوں کا شمار کرنا تو بہت مشکل ہے پر روزے کا انعام اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔بات چلی تھی اعتکاف کی ۔اعتکاف کے معنی ٹھہرنے ،پوری قوت سے کسی چیز کا ساتھ پکڑے رہنے کے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں ایسی مسجد میں روزہ کے ساتھ قیام پذیر ہوجانے کا ہے۔جس مسجد میں پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہو۔گویا اعتکاف اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر سر رکھ دینے اور خدا کے دامن رحمت سے چمٹ جانے کا نام ہے۔جیسے بندہ اب اپنی مراد حاصل کئے اور منزل مقصود کو پائے بغیر اس در کو نہیں چھوڑے گا اور یہ مکمل حوالگی، خود سپردگی کا اظہار ہے۔اسی لیے رمضان المبارک کے تیسرے یعنی آخری عشرے کے اعتکاف کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے، وہ اعتکاف سے باہر جو نیکیاں انجام دیتا وہ نیکیاں بھی اس کے نام لکھ دی جائیں گی۔حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ کو اعتکاف، کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ ﷺ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔اور جس

سال وفات ہوئی اس سال دوسرے اور تیسرے دونوں عشروں کا اعتکاف فرمایا۔ایک سال آپؐ اعتکاف نہ فرما سکے تو آپؐ نے رمضان کے بدلہ شوال میں دس دنوں کا اعتکاف فرمایا۔اعتکاف کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں ۔ نفل، سنت اور واجب ،اعتکاف نفل کے لئے نہ روزہ ضروری ہے اور نہ وقت کی قید ،صرف اعتکاف کی نیت ہونی چاہئے ۔تھوڑی دیر کے لئے بھی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرلیا جائے تو نفل اعتکاف ہوجائے گا۔دوسری صورت واجب اعتکاف کی ہے ۔اعتکاف واجب ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ اعتکاف کی نذر ہو،دوسرے یہ کہ ایک دن یا اس سے زیادہ نفل اعتکاف کی نیت سے اعتکاف شروع کیا جائے لیکن مدت پوری ہونے سے پہلے اسے توڑ دیا تو اب جتنی مدت پوری کی اس نے نیت کی تھی شروع کرنے کے بعد توڑ دینے کی وجہ سے اتنے دنوں کا اعتکاف واجب ہوجائے گا۔اعتکاف واجب کے لئے روزہ ضروری ہے ۔اس لئے کہ اعتکاف روزہ کے ساتھ ہی ہے ۔ تیسری صورت جو اعتکاف کی اصل صورت ہے ،وہ اعتکاف سنت ہے ۔اعتکاف سنت رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے ۔یہ سنت علی الکفایہ ہے۔یعنی اگر شہر کے کچھ لوگوں نے اعتکاف کرلیا تو ثواب تو عتکاف کرنے والے کو ہوگا۔لیکن ترک اعتکاف کے گناہ سے سبھی لوگ بچ جائیں گے اور اگر بستی کے کسی بھی شخص نے اعتکاف نہیں کیا تو بستی کے تمام لوگ گناہگار ہوں گے۔اعتکاف بیسویں روزے سے شروع ہوتا ہے۔نماز عصر کے بعد مغرب سے پہلے یعنی بیسویں کی افطاری مسجد میں کی جاتی ہے جبکہ آخری روزہ افطار کرکے اعتکافی بعد نماز مغرب اعتکاف سے فارغ ہوتے

ہیں۔

مرشدِ پاک حضور" سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست "نے عمرہ اور رمضان المبارک کے آخرے عشرہ کے اعتکاف کی ادائیگی پر روانگی سے پہلے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ہر سال رمضان المبارک میں عمرہ کی ادئیگی اور آخری عشرہ کا اعتکاف مسجد نبوی میں بیٹھتے ہیں۔اُمت مسلہ کے نام اپنے پیغام میں انہوں نے کہاکہ دنیا سے سودی نظام کو جڑ سے ختم کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ سود کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے موجودہ حالات میں تمام مسائل سودی نظام کی پیدوار ہیں ۔عمرہ کی ادائیگی مسلم ممالک خاص طور پر پاکستان سے سودی نظام کے خاتمے کی دُعا ،اُمت مسلمہ کی کامیابی وکامرانی کیلئے کرتے ہیں ۔راقم کی خوش قسمتی رہی کہ آپ نے سودی نظام کیخلاف کالم لکھنے کا حکم صرف مجھے فرمایا۔راقم خود کو کسی قسم کی تبلیغ کے قابل سمجھتا ہے اور نہ ہی اس بات کا اہل ہے کہ کسی کو نصیحت کرئے۔پر یہ حقیقت اٹل ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تبلیغ کی اہمیت سمجھانے کی خاطر قرآن کریم میں کھلے اور واضح احکامات فرمائے ہیں۔ اللہ کے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق زندگی گزار کر ہمارے لیے عملی مثال قائم کی ہے۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں گزرے ہوئے زمانے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں

کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کرتے اور دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہیں۔ اسلام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو بُرائی کے راستے سے روکیں اور اچھائی کی دعوت دیتے رہیں۔ اس سے بڑھ کے بنی نوع کی کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ ان کو تباہی و بربادی، ہلاکت اور کفر و شر سے بچا کر فلاح و کامرانی کے راستے پر لگایا جائے۔ ہم اپنے لیے فحاشی و بے حیائی، بے راہروی، ظلم وزیادتی، ناانصافی۔ لاقانونیت، دہشتگردی، اقربا پروری، رشوت ستانی، جاگیردرانہ نظام، سودی نظام، اور منشیات وغیرہ سے پاک معاشرہ کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنی ذات کو برائیوں سے پاک، صاف کرکے خود بھلائیوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھلائی کی دعوت دینا بھی ہمارا فرض بنتا ہے۔ بھلائی کی دعوت دینا ہر مسلمان پر فرض ہے پر یہ فرض پورہ کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔ بھلائی اور نیکی کی دعوت دینے سے قبل خود کو اُن چیزوں سے دور کرنا ضروری ہوتا ورنہ کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالٰی اور رسول اللہ ﷺ کا خاص احسان اور کرم ہے کہ راقم سود کی لعنت سے آج تک محفوظ ہے۔ میں سمجھتا ہوں تبلیغ ہر کسی کے بس کی بات نہیں یہ معاملہ اللہ تعالٰی کے خاص بندوں کے ذمہ ہے جن کو اللہ تعالٰی کے دوست یا ولی کہا جاتا ہے۔ آج ہم جس نفسا نفسی اور بدامنی کے دور سے گزر رہے ہیں وہ صاف بتاتا ہے کہ دورجدید کی تمام ایجادات اور پالیساں دم توڑ چکی ہیں۔ ہر کوئی اپنا زور لگا رہا ہے پر دنیا کے کسی بھی کونے میں امن قائم نہیں ہو رہا۔ کہیں سرد جنگ جاری ہے تو

کہیں فوج چھپے ہوئے دشمنوں کا مقابلہ کررہی ہے۔ چھپے ہوئے سے میری مراد ایسا دشمن جس کا کوئی نام نہیں، جس کا کوئی ملک نہیں، جس کا کوئی مقصد نہیں اور خاص بات کہ جن کا کوئی موقف بھی نہیں۔ بس جس کے خلاف لڑنے کیلئے رقم فراہم ہو گئی محاذ کھول لیا اور پیسے ختم ہونے پر بھاگ نکلے یا ہتھیار ڈال دیئے ۔ کوئی یہ نہیں سوچ رہا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ دنیا بھر کے وسائل جنگوں کی نظر ہورہے ہیں ۔ لوگ بھوک ، سردی ، گرمی سیلاب سے مررہے ہیں ۔ بھرے ملکوں میں جہاں حکومت بھی موجود ہے اور حکمران، بھی ، حکمرانوں کا بنایا نظام بھی پوری آب وتاب کے ساتھ سرگرم عمل ہے ۔ ایک طرف لوگوں کو پینے کا صاف پانی تک دستیاب نہیں جبکہ دوسری جانب لوگ دودھ و شہد میں نہارہے ہیں۔ دورحاضر کے حکمران یا انتظامیہ رات کے اندھیرے میں جگمگانی والی مصنوعی روشنیوں کی مانند ہیں جو سورج نکلتے ہیں ہی بے اثر ہوجاتی ہیں۔ سورج کی غیر حاضری میں خوب روشیناں بانٹنے والے الات سورج کی کی موجودگی میں بالکل ماندپڑھ جاتے ہیں پر کچھ مقامات ایسے ہے جہاں سورج نکلنے کے باوجود یہ مصنوعی الات کام دیتے ہیں۔ جیسا کہ بیسمنٹ (تہ خانے) وغیرہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روشنی کی ضرورت کہاں زیادہ ہے ؟ جہاں سورج کی روشنی پہنچتی ہے یا پھر جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچ پاتی ؟ راقم کے خیال میں آج کا انسان بد اخلاقی اور جہالت کی بیسمنٹ (تہ خانے) میں رہائش پذیر ہوچکاہے۔ جہالت کی اندھیر نگری میں سورج کا کام اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے (اُلیاء اللہ) کرتے ہیں ۔ دنیا جن مسائل کے حل

تلاش کرنے میں ناکام ہو چکی ہے درویش جسے ہم اللہ تعالیٰ کا دوست بھی کہتے اور ولی بھی اُن کا بہت آسان اور سستا نسخہ بتاتا ہے۔یہی نسخہ بھلائی کی دعوت، یہی تبلیغ، یہی جہالت اور بداخلاقی کے تہ خانوں سے نکلنے کا واحد ذریعہ اور اسی ایک نسخے میں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی ہے۔یہی نسخہ دنیا بھر کے تمام مسائل، جنگوں اور بدامنیوں کا حل ہے۔یقیناآپ بے چین ہوں کہ آخر وہ کون سا نسخہ ہے جو دنیا وآخرت کی تمام بیماریوں کا علاج ہے؟درویش زمانہ، میرے مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں وہ نسخہ لوگوں تک پہنچاؤں۔ نسخہ یہ ہے کہ سودی نظام کو جڑ سے ختم کردو کیونکہ سود کو اسلام میں بہت زیادہ ناپسند کرکے حرام قرار دیا گیا ہے۔قرآن کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے۔جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں) سے اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لیپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو) جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔سورۃ البقرہ:۲۷۵ ''۔قارئین غور کریں آج ہم جن عذابوں میں مبتلا ہیں وہ سارے کہ سارے وہی ہیں جن کی نشان دہی اللہ تعالیٰ اور رسول

اکرم ﷺ نے سود خوروں کے بارے میں فرمائی ہے۔سب جانتے ہیں کہ موجودہ نظام امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کرتا ہی چلا جا رہا ہے۔ معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر لوگ پریشان بھی ہیں اور حل بھی تلاش کرتے ہیں۔درویش کا نسخہ ان مسائل کا آسان اور پختہ حل ہے۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ درویشوں کا سائیہ ہمارے سرپہ ہمیشہ قائم رہے،وہ ہماری مشکلات کا حل نکالتے رہیں اور ہمیں توفیق عطا ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات،رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اُولیا اللہ سے راہنمائی حاصل کرکے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

خیر کا پیغام

تخلیق کائنات کے ساتھ ہی خیر و شر کی جنگ نے سر اُٹھا لیا جو آج تک جاری ہے۔اُولیا اللہ ہمیشہ سے خیر کی نمائندگی کرتے آ رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔حق وسچ کے حصول اور اشاعت کیلئے ہر قسم کے دباؤ کو کسی خاطر میں نہ لانا اللہ والوں کی شان ہے۔شر نے ہمیشہ دنیا میں جہالت پھیلائی اور اولیا اللہ نے ہمیشہ علم و عمل کی روشنی سے معاشرے کو منور کیا اور معاشرتی بُرائیوں کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ۔سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ اللہ تعالٰی کے آخری نبی ہیں۔رب رحمان نے آپ ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت ختم کر دیا۔آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام مخلوق کو بھلائی کی دعوت اور بُرائی سے بچنے کی نصیحت کرتے رہے۔اُولیا اللہ ہر دور میں موجود رہے جبکہ سلسلہ نبوت بند ہونے کے بعد مخلوق کی بھلائی اور انبیاء کرام اور خاص طور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور احکامات کی روشنی میں اسلامی تہذیت کو زندہ رکھنا اور انسانیت کو شر سے بچا کر خیر کی طرف مائل کرنا اُولیا اللہ کی ذمہ داری ہے۔اپنے مرشِد،آل رسول ﷺ سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست،آپ کے مرشِد باباجی عبدالغنی چشتی سرکارؒ نے آپ کو شہزادے کا لقب دیا ،باباجی محمد علی مست سرکارؒ نے آپ کو معراجدین کا لقب دیا اور حضرت خواجہ اُویس قرنیؓ کی تعلیمات کے ساتھ خاص محبت کے باعث تحریک اُویس پاکستان کے

امیر پیر غلام رسول اُویسی صاحب نے آپ کو تحریکِ اویس پاکستان لاہور کے سرپرست اعلیٰ کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔اپنے مرشِد سید عرفان احمد شاہ اُویسی صاحب کی تربیت میں ایک طالب کی علم کی حیثیت سے حاضر ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ،رسول اللہ ﷺ اور اُولیااللہ کی تعلیمات کے انمول موتی حاصل ہوتے ہیں ۔اہل قلم کی حیثیت سے ان انمول موتیوں کی روشنی کو آپ تک پہنچاکر اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش بھی اکثر کرتا رہتا ہوں۔ خیر کا پیغام عوام تک پہچانے کیلئے ہمیں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہمیشہ مدد ملتی ہے۔ خیر کا جو پیغام آپ ﷺ نے دنیا کو دیا اُس کی مثال نہیں ملتی ۔ضرورت اس امر کی کہ ہم قرآن کریم ،احدیث نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے فائدہ حاصل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبۃ الوداع دیتے ہوئے فرمایا'' لوگو میں جو کہوں سن لو، گو مجھے معلوم نہیں ، ممکن ہے کہ اس حج کے بعد پھر میں تم سے یہاں نہ مل سکوں۔ لوگو جس طرح یہ دن ، یہ مہینہ اور یہ مقام محترم ہے اسی طرح جب تک تم زندہ ہو تمہاری جانیں، تمہاری عزتیں اور تمہارے مال بھی باہم ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ عنقریب تم اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جاؤگے اور وہ تمہارے اعمال کی بابت بازپرس کرے گا، خبر دار میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، جاہلیت کی ہر بات میں اپنے پاؤں پامال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر ، گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں، بڑائی کا معیار نیکی اور خوف خُدا ہے تم سب اُولاد آدمؑ اور آدم علیہ السلام مٹی سے

بنے تھے،سب مسلمان آپس میں بھائی ،بھائی ہیں،لوگو میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں،جب تک انہیں تھامے رہوگے،ہرگز گمراہ نہیں ہوگے،وہ چیزیں کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سُنت ہے"قارئین محترم فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہمیں اپنی زندگی اور معاشرے کو گمراہی سے بچانے کیلئے جن دو چیزوں کو تھامے رکھنا تھا بدقسمتی سے ہم نے اُن سے دوری اختیار کرلی ہے۔یہاں تھامے رکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ پکڑے رکھنا بلکہ کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھ کر حرام سے ٹھیک اُسی طرح کنارا کرنے کا حکم ہے جس طرح فرمادیا گیا۔سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد یہ بات واضع ہو گئی ہے کہ ہمیں نہ صرف ایک دوسرے کی غلطی کو معاف کرنا ہے بلکہ ایک دوسرے کا خیال بھی رکھنا ہے۔اگر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی دشمن کو بھی بددُعا نہ دے کر ہمارے لئے ایسی مثال قائم کی جسے ہم پوری کوشش کے بعد بھی فراموش نہیں کرسکتے۔فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ"اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے"رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اسلام کا بدترین دشمن تھا،جب وہ فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اُس کے حق میں دعائے مغفرت کی اور اپنی قمیض مبارک عنایت فرمائی۔اُس کی سرکشی اور منافقت کے سبب اسے فائدہ نہ ہوا لیکن اُس کے قبیلے کے سینکڑوں افراد نے آپ ﷺ کی رحم دلی کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا۔جیسا کہ اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں کئی جگہ

ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کے آخری اور محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی اُمت سے پہلے نبیوں کی امتوں کو اُن کی نافرمانی اور سرکشی کے سبب مختلف عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔ کسی قوم کی صورت مسخ کردی گئی، کسی کی بستی کو اُلٹ دیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش کی گئی اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تو اپنی مسلسل نافرمانیوں اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے پانی کے عظیم طوفان (عذاب) کی نذر ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ گئی لیکن میں قربان جاؤں اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان پر جن کی برکت سے کفار مکہ جو انتہائی سرکش اور نافرمان تھے پھر بھی عذاب عظیم سے محفوظ رہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ''اور اللہ ہرگز اُن پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں'' بددعا ایسا ہتھیار ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یعنی بددعا دینے میں ہر انسان خود کفیل ہے۔ ہم اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غصے کی حالت میں ہر انسان کے پاس ایک ہتھیار ہر وقت موجود ہوتا ہے اور وہ ہے بدُعا۔ دور حاضر میں اس ہتھیار کا زیادہ تر استعمال کمزور یعنی غریب لوگ کرتے ہیں لیکن امیر اور طاقت ور بھی دل کھول کر اس ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں ۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء نے اپنی قوموں کی نافرمانیوں سے تنگ آکر اسی ہتھیار کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالی سے اپنی قوموں کے حق میں بدُعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالی نے اُن قوموں کو اعظیم عذابوں کی نظر کردیا۔ دشمن کے حق میں بدُعا کرنا انسان کی فطرت میں

شامل ہے پر میں ایک بار پھر قربان جاؤں اپنے نبی کریم ﷺ کی نرم دلی پر۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود رسول اللہ ﷺ پر کفار نے جو مظالم ڈھائے تھے اُن کا ذکر سن کر آج بھی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔اسی زمانہ میں ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول ﷺ دشمنوں کے حق میں بددُعا فرمایئے۔ یہ بات سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ایک مرتبہ ایک سے زیادہ صحابہ نے اسی قسم کی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں دنیا کیلئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔جنگ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے ، تلواریں چلائیں، تیر برسائے دندان مبارک شہید ہوئے، جبینِ اقدس کو خون سے رنگ دیا گیا لیکن پھر بھی حضور، اکرم ﷺ نے دشمنوں کے حق میں بددُعا نہیں کی بلکہ یہ دُعا فرمائی'' اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے

سود کی حرمت اور اُولیا اللہ کی تعلیمات

بحکم مرشدِ پاک '' سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست، معراج دین '' بہت سارے مطالعہ کے بعد سود کیخلاف مضمون لکھنے بیٹھا تو یاد آیا کہ اُولیا اللہ کی تعلیمات بھی اللہ تعالٰی کے احکامات، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اور قرآن واحادیث کے عین مطابق ہوتی ہیں لہٰذا تھوڑا سا مطالعہ اُولیا اللہ کی تعلیمات کا بھی کرلیا جائے۔ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دل سے آواز آئی تیرے مرشِد تجھے سود کے خلاف لکھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہر ولی اللہ اپنے عقیدت مندوں اور مریدین کو اُن کی طاقت کے مطابق سود کی حرمت بیان کرنے اور عملی جہاد کا حکم دیتے ہیں۔ اُولیا اللہ اُن کو کہتے ہیں جو اللہ تعالٰی کے احکامات، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنت مبارکہ، قرآن و احادیث پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔ سود کی تعریف۔ سود کو عربی زبان میں '' ربا'' کہتے ہیں، جس کے لغوی معنی زیادہ ہونا، پروان چڑھنا، اور بلندی کی طرف جانا ہے۔ اور شرعی اصطلاح میں ربا (سود) کی تعریف یہ ہے کہ: '' کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا''۔ مثلاً کسی کو سال یا چھ ماہ کے لیے 100 روپے قرض دیے، تو اس سے یہ شرط کرلی کہ وہ 100 روپے کے 120 روپے لے گا، مہلت کے عوض یہ جو 20 روپے زیادہ لیے گئے ہیں، یہ سود ہے''۔ سود کی

حرمت۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :"اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے پاس باقی رہ گیا ہے ایمان والے ہو تو اسے چھوڑ دو ، تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کے لیے خبر دار ہو جاوے (البقرہ : 275)۔نیز فرمان باری ہے : " اے ایمان والو ! کئی گنا بڑھا کر سود نہ کھاو ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاو ، اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ، اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروتاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ (آل عمران : (132-131)
حجۃ الوداع کے موقع پر، جس میں تقریباً سارے صحابہ کرام عرب کے چپے چپے سے اُمنڈ آئے تھے ، اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ نے تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا :"سن لو ! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاوں تلے روند دی گئی اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ، اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔اب یہ سارا سود ختم ہے"۔ بخاری) سیدنا جابرکہتے ہیں : رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے ، اور اسے) کھلانے والے ، اور اس (دستاویز)کے لکھنے والے ،اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور پھر فرمایا کہ یہ تمام کے تمام گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔" (مسلم ۱۵۹۸) سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :" جس گاوں میں زنا اور سود رواج پاگیا ، تو وہاں کے باشندوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کرلیا۔ (صحیح ،المستدرک للحاکم) سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں : "محق " (

گھٹانا) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود خور بندے کا نہ حج قبول کرتا ہے، نہ صدقہ ، نہ جہاد ، اور نہ صلہ رحمی۔ (یعنی اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی)۔ (تفسیر قرطبی : ۲/۲۳۴) سیدنا ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا : ''جس شخص نے سود کے ذریعہ زیادہ (مال) حاصل کیا، اس کا انجام کمی پر ہی ہوگا (صحیح ، ابن ماجہ)ایک روایت میں ہے: ''سود اگرچہ بظاہر زیادہ نظر آتا ہے پر اس کا انجام کمی اور قلت ہے ۔(مستدرک حاکم) دنیا دار انسان سود کو نفع بخش اور زکوۃ کو مال میں کمی کرنے والا'' سمجھتا ہے، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، ایسے خام خیال افراد کی ہدایت کیلئے ، سود کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کا نظام پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مال کو بڑھانا ہو تو اسے رب کی بارگاہ میں زکوۃ اور صدقات کی شکل میں پیش کرو۔ ''اور تم لوگ جو سود دیتے ہو، تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہوجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم لوگ جو زکوۃ دیتے ہو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے، ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں''۔ (الروم : 39) سیدنا عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم ان گناہوں سے بچو جو (بغیر توبہ کے) بخشے نہیں جاتے :۱) خیانت : جس نے کسی چیز میں خیانت کی، اس چیز کے ساتھ اسے قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا۔ ۲) سود خوری : اسلئے کہ جو شخص سود کھائے گا قیامت کے دن پاگل شخص کی طرح جھومتے ہوئے اٹھے گا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت عقبہ بن عامر وابو مسعود انصاریؓ سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: ”میں تجھ سے زیادہ معاف کرنے کا حق دار ہوں۔ اے فرشتو! میرے اس بندے سے در گزر کرو۔“ تجارت اور خصوصاً سونے وچاندی کی تجارت میں بہت سی صورتیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو سود بن جاتی ہیں۔ جو خنزیر اور شراب کی طرح قطعی حرام ہے۔ اس کی حرمت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور حرام سمجھ کر لینے والا فاسق ہے۔ اس کی مذمت میں قرآن وحدیث میں بکثرت احکامات وارد ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں میں ایسے اُٹھیں گے، جس طرح وہ شخص اُٹھتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کردیا ہو۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا، بیع سود کی طرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ پس جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی اور باز آیا تو جو کچھ پہلے کرچکا ہے، اس کے لیے معافی ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ جو پھر ایسا کریں وہ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود مٹاتا ہے
اور صدقات بڑھاتا ہے اور ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔“ مزید فرمایا: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود باقی رہ گیا ہے، چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔“ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے: رسول ﷺ اللہ نے سود دینے والے، سود لینے والے، سود کا حساب کاغذ پر لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔“ ابن ماجہ نے اسی

حدیث کو عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کا گناہ ستّر حصہ ہے، ان میں سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔“ امام احمد اور ابنِ ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: ”رسول ﷺ نے فرمایا،شبِ معراج میں میرا گزرایک قوم پہ ہوا، جن کے پیٹ گھر کی طرح بڑے بڑے اوران میں سانپ ہیں ،جو باہر سے دکھائی دیتے ہیں، میں نے جبریل سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ سود خور ہیں۔“ امام احمد ودار قطنی وبیہقی عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے راوی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سود کا ایک درہم جان کر کوئی کھائے وہ چھتیس مرتبہ زنا سے بھی سخت ہے۔

آسیب زدہ

بابا جی ہم بہت پریشان ہیں ،بہت سے عالموں ،بزرگوں اور تعویز کرنے والوں کو اپنے گھر بلوا کر اُسے بھگانے کی کوشش کرچکے ہیں لیکن وہ آسیب کسی کے قابو نہیں آتا ۔ہم بڑی آس لیکر آپ کے پاس آئے ہیں ۔ساری جمع پونجی مکان خریدنے میں خرچ ہو گئی اب تو بڑی مشکل سے گھر کے اخرجات چل رہے ہیں اور اُوپر سے اُس آسیب نے ناک میں دم کرر کھا ہے ۔کبھی کسی بچے کو پریشان کردیتا ہے اور کبھی مجھے آوازیں دے کر پوچھتا ہے میرا کام کیوں نہیں کیا ؟میں نے تمھیں کام کہا تھا کیا بنا اُس کا؟ بابا جی ایک بات میں آپ کو بتادوں وہ آسیب ہمیں تو صرف آوازیں دے کر پریشان کرتا ہے لیکن اُسے بھگانے والے اب تک کے تمام عالم زخمی حالت میں گھر سے رخصت ہوئے ہیں ۔بابا جی : بچہ پریشان مت ہو ہم اُس آسیب کو دیکھ لیں گے ۔لیکن بابا جی ہمارے پاس اب آپ کو دینے کیلئے پیسے بھی نہیں ہیں ۔بابا: سخت ناراضگی کے عالم میں ،میں نے تم سے پیسے مانگے ہیں ؟نہیں بابا جی لیکن سب لیتے ہیں ۔بابا: نہیں بچہ ہم پیسے نہیں لیتے لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا پڑھے گا آپ کو ،جب جیب اجازت دے تب کردینا ۔ٹھیک ہے بابا جی آپ اُس آسیب کا کچھ کردیں ، ہم عمر بھر آپ کو دُعائیں دیں گے ۔بابا ،خاتون کے ہمراہ اُس کے آسیب زدہ گھر پہنچے اور آسیب کو اپنی زبان میں طلب کیا جس پر آسیب حاضر ہوگیا ۔بابا جی نے

آسیب کو اپنی شکل دیکھانے کا کہا لیکن آسیب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا بابا جی میں اللہ والوں کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن اگر کوئی مجھے پریشان کرے تو پھر اُس کی خیر نہیں لہذا آپ کیلئے بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے تنگ نہ کریں۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جانے والا اور نہ کوئی مجھے مجبور کر سکتا ہے۔ بابا جی نے کچھ عمل کیا اور ایک بار پھر آسیب کو مخاطب کرتے ہوئے بولے تم جو کوئی بھی ہو، جس مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتے ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ آسیب: میں نے پہلے کہہ دیا ہے کہ میں یہاں سے جانے والا نہیں اور اگر آپ نے مجھے مزید پریشان کرنے کی کوشش کی تو پھر اپنی حالت کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، میں نے پہلے کبھی کسی عامل کی اتنی عزت نہیں کی جتنی آپ کی کر رہا ہوں اگر یقین نہ آئے تو گھر والوں سے پوچھ لو۔ بابا جی: ٹھیک میں تمہیں پریشان نہیں کرتا لیکن تم یہ تو بتاؤ کے تم کون ہو؟ کیا کرتے ہو اور یہاں کب سے رہتے ہو؟ آسیب: زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے بابا جی ساڈیاں تفتیشاں کروگے تو سیں ؟ بابا: نہیں میں تفتیش نہیں کر رہا لیکن ہو سکتا ہے تمہارے تعارف کے بعد ہمارے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ آسیب ایک بار پھر زور سے ہنسا اور کہنے لگا بابا جی آپ بس اتنا جان لیں کہ میں 20 سال تک پنجاب پولیس میں بطور انسپکٹر نوکری کر چکا ہوں اور اگر اب آپ نے میری مزید تفتیش کی تو پھر آپ جانتے ہیں پنجاب پولیس کس طرح دھوتی ہے۔ بابا: مسکراتے ہوئے ٹھیک ہے میں

تمہاری تفتیش نہیں کرتا لیکن میری تمہاری ملاقات رہے گی اور اُمید ہے ہم مل کر کوئی حل نکال لیں گے۔ یہ کہہ کر باباجی مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔ گھر والے جواب تک پریشان بیٹھے تھے نے باباجی کو سہی حالت میں مسکراتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ اُنہوں نے آسیب کو قابو کرلیا ہوگا۔ خاتون نے باباجی سے سوال کیا، کیا ہوا بابا جی آسیب چلا گیا ہمارے گھر سے؟ بابا: نہیں بچہ لیکن جلد ہی چلا جائے گا۔ بابا: 8 دن بعد دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ 8 دن بعد بابا اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا اور آسیب کو طلب کرنے کیلئے گھر کے اُسی کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند

کرلیا۔ آسیب حاضر ہوا تو بابا نے اُسے اپنی شکل میں ظاہر ہونے کو کہا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ میں بھی ریٹائرڈ پٹواری ہوں اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آج ہمارے

درمیان سودا ہوجائے گا اگر آفر پسند نہ آئے تو کوئی بات نہیں ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ آسیب: پٹواری،،،، تو پہلے کیوں نہیں بتایا، آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن آپ تو جانتے ہیں ہم پولیس والے کچھ دیتے نہیں اور پٹواری بھی ہمارے طرح کچھ لئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے پھر ہمارے درمیان سودا کس طرح ممکن ہوگا؟ بابا: درست کہا تم نے لیکن سودا صرف لینے کا نام نہیں بلکہ کچھ لینے اور کچھ دینے کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے تم مجھے یہ چار مرلے کا گھر خالی کر دو میں تمہیں اس کے بدلے پرسکون علاقے میں دو 2 کنال کا بہترین گھر دینے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ بات بتانا ضروری ہے کہ وہ گھر جس زمین پر

تعمیر کیا گیا ہے وہ سینٹرل گورنمٹ کی ہے ۔آسیب : پٹواری صاحب آپ تو پولیس والوں سے بھی 2 ہاتھ آگے کی سوچتے ہو لیکن اس گھر سے میری کچھ یادیں وابستہ ہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتا ۔ بابا : کوئی بات نہیں ہم تمہاری ہر چیز محفوظ طریقے سے وہاں شفٹ کر دیں گے اور ساتھ ہی تمہاری ضرورت کی مزید چیزیں بھی مہیا کر دیں گے

۔آسیب : ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتاؤ اتنی ضد کیوں کر رہے ہو اور چار مرلے کے گھر کے بدلے 2 کنال کا گھر کیوں دے رہے ہو؟ بابا : کیا بتاؤں سالے کی سفارش ہے ان لوگوں کی اور تم تو جانتے ہو کہ اک طرف ساری خُدائی ایک طرف جورو کا بھائی ۔اس جملے کیساتھ ہی آسیب نے زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے بابا جی کی بات مان لی اور گھر چھوڑنے پر رضامند ہوگیا۔ بابا : یہ تو بتاؤ تم نے مجھ سے پہلے آنیوالے عاملوں کو کیوں مارا ؟آسیب : دُکھی انداز میں ، عامل ,,,,,,,,پٹواری صاحب سارے جھوٹے بابے ہیں کوئی کچھ عمل کرتا ہے اور نہ ہی کسی کے پاس علم ہے سب کے سب جاہل ، ٹھگ ملے اس گھر والوں کو ۔ ٹھیک ہے میں پولیس والا ہوں لیکن پھر بھی دکھ ہوتا ہے مجھے جب کوئی اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے ۔ خیر پٹواری صاحب آپ یہ بتائیں کہ آپ بابے کیوں بن گئے ؟ بابا : ساری زندگی گناہ میں گزارنے کے بعد ایک اللہ والے کی نسبت نصیب ہوئی جس نے مجھے جینا سکھا دیا اور میں نے انسانیت کی خدمت کیلئے باقی زندگی وقف کر دی بس جو کوئی اپنی تکلیف لے کر آتا ہے اللہ تعالیٰ سے دُعا کے ساتھ ساتھ اگر کچھ جیب سے خرچ کرنے پر بھی بات بن جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا

ہوں اوراللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں ۔آسیب فکر مندی کے
عالم میں پٹواری صاحب میں تو مر چکا ہوں اب کس طرح اپنے گناہوں کی معافی طلب
کروں ؟بابا: اللہ تعالی غفورورحیم ہے اُس کے خزانے بھرے پڑے ہیں رحمت سے لیکن
یہ جو تم مرنے کے بعد بھی انسانوں کو پریشان کر رہے ہو اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے
کی نیت سے چھوڑ دو ہو سکتا ہے اللہ تعالی تمہیں معاف فرما دے ۔اللہ تعالی سے دُعا ہے
میرے وطن عزیز کو بھی ایسا کوئی پٹواری عطا کر جو یہاں کے بگڑے نظام کو نظام عدل
میں بدل دے

کاش میں بکرا ہوتا

تنگی حالات نے سوچنے پر مجبور کردیا کہ اس سال قربانی نہ کی جائے پر مولوی صاحب کے بیان نے قربانی ابراہیم علیہ اسلام کی یاد تازہ کی تو دل سے آواز آئی کہ سارا سال تیرے معاملات چل سکتے ہیں تو پھر سنت ابراہیمی کیوں پوری نہیں ہو سکتی؟ بچوں کی عیدی، کپڑوں، جوتوں کا بجٹ لے کر بکرا خریدنے بکرا منڈی پہنچے جہاں ہزاروں کی تعداد میں بکرے دیکھ کر دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ سارے بکرے خرید کر اللہ تعالی کی راہ میں قربان کردوں پرجیب نے فوری طور پر دل کی خواہش کو رد کرتے ہوئے صدا دی تیرے پاس اتنی رقم نہیں ہے اس لئے صرف ایک بکرا خریدنے کی کوشش کر۔ سو ہم نے باقی تمام خواہش کے قبرستان میں ایک اور خواہش دفن کردی۔ ایک بکرا خریدنے کی کوشش کرنے میں مصروف ہوگئے۔ مولوں صاحب نے فرمایا تھا کہ قربانی کیلئے صحت مند، بے داغ اور سب سے خوبصورت جانور کا انتخاب کرنا چاہئے۔ منڈی میں موجود بکروں میں سب سے خوبصورت بکرے کی قیمت 3 لاکھ سے اُوپر نکلی جبکہ اپنی جیب میں تو بمشکل 15 ہزار تھے سو ہم نے سب سے خوبصورت بکرا خریدنے کی تمنا بھی وہیں دفن کردی جہاں سارے بکرے خریدنے کی تھی اور اپنے بجٹ کے مطابق بکرا خریدنے کا ارادہ کرتے ہوئے تلاش شروع کردی۔ تقریبا ساری منڈی گھومنے کے بعد

ایک ایسا بکرا ملا جو بجٹ کے قریب تھا پر وہ بھی قریب تھا بجٹ میں نہ تھا۔ بکرے کے مالک کو منانے کی بہت کوشش کی کہ وہ بکرا 15 ہزار میں دے دے پر وہ اپنے بکرے کو 18 ہزار سے کم فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ بہت اسرار پر بولا بھائی آپ بکرے سے پوچھ لو وہ 15 ہزار میں قربان ہونے پر تیار ہے تو لے جاؤ ورنہ میں تیرے ساتھ مزید بحث نہیں کر سکتا۔ بکرے والے سے سوال کیا جب تم انسان ہو کر میری بات نہیں سمجھ سکتے تو بے چارہ بے زبان بکرا کہاں سمجھے گا؟ بولا بھائی قربان تو بکرے نے ہی ہونا ہے پھر بھی اُسے بولنے کا کوئی حق نہیں اتنی دیر میں بکرا یوں بولا، میں میں میں، جیسے مجھے مخاطب کر کے کہہ رہا ہو۔ ارے ابھی عید میں چند دن باقی ہیں 15 ہزار میں قربان ہونے کی حامی بھر بھی لوں تب بھی تیرے لئے مشکل ہو جائے گی کیونکہ تیرے پاس صرف 15 ہزار ہیں جو میرے مالک کو دینے کے بعد تو کنگال ہو جائے گا جبکہ میرا ایک دن کا معمولی سا چارہ بھی آج کل تین سے چار سو روپے کا ملے گا۔ اور تم اپنی حالت دیکھو، تمہیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یہ 15 ہزار بھی کسی سے مانگ کر لائے ہو۔ بکرے کی بات سن کر اپنی حالت پر غور کیا تو واقع ہی میری حالت بہت بُری ہو چکی تھی جانور منڈی میں دھکے کھاتے تین چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ کپڑوں جوتوں پر بے حد گرد جم چکی تھی سر میں ہاتھ پھیرا تو بالوں میں سے گرد دھویں کی مانند اُڑنے لگی۔ بکرے سے التجاء کی اور کہا بکرا بھائی مجھے سنت ابراہیمی پر عمل کرنا ہے اور میرے پاس صرف 15 ہزار ہیں ساری منڈی گھوم لی

تیری قیمت سے کم قیمت والا کوئی بکرا نہیں ملا اس لئے تیری بڑی مہربانی ہو گی تو ہزار میں مان جا۔ بکرا بولا پہلے تو میں تیرا بھائی نہیں ہوں اور تو اپنے بھائی کی قربانی 15 کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو بکرا منڈی کیا لینے آیا ہے؟ جا اپنے گھر عید پر اپنے بھائی کی قربانی کر کے سنت ابراہیمی پر عمل کر۔ میں منڈی میں سب سے کم قیمت بکرا ہوں اس لئے مجھے غریب سمجھ کر قربان کرنا چاہتے ہو؟ جاؤ جاؤ اب تم چاہئے 18 کی بجائے 20 ہزار بھی دو تب بھی تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا، جا کسی اور بکرے سے بات کر اور ہاں سن آئندہ کسی بکرے کو بھائی مت کہنا ورنہ سارے بکرے میری طرح شریف نہیں ہوتے۔ میں نے بکرے سے معذرت کرتے ہوئے کہا ٹھیک ہے اب بھائی نہیں کہوں گا تم مان جاؤ۔ بکرا بولا معاف کیا پر تم ایک بار مجھے بھائی کہہ چکے ہو اس لئے میں تمارے ساتھ نہیں جاؤں گا، تم انسان اپنے بھائیوں کے ساتھ بکروں سے بھی بُرا سلوک کرتے ہو، انسانوں کی دنیا میں انسان کی کوئی قیمت نہیں پر میں بکرا ہوں اور میری ایک قیمت ہے، دیکھو اپنے آپ کو کیا تم نے کبھی اتنے اخلاق کے ساتھ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بات کی ہے جتنی میرے مالک اور میرے ساتھ کر رہے ہو؟ بکرے کی حقائق پر مبنی باتیں سن کر میرے اندر سکت نہ رہی کہ میں مزید بکرا تلاش کرتا سوچیکے سے گھر چلا آیا۔ بکرے کی سچی باتیں سن کر پیدا ہونے والا احساس شرمندگی شاید کبھی ختم نہ ہو پائے کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہم انسان ایک دوسرے کی قدر نہیں کرتے اور اپنے بھائیوں کو گاجر مولی کی طرح

کاٹ رہے ہیں۔ پہلے قربانی عید پر چاروں طرف جانوروں کا خون دیکھ کر ہم خوش ہوا کرتے تھے کہ مسلمانوں نے بڑی قربانیاں کی ہیں پر اب تو سارا سال ہی خون کی ندیاں بہتی رہتی ہیں وہ بھی انسانی خون کی۔ ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی جس کو ساری مخلوقات سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور اشرا لمخلوقات کا شرف بخشا وہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر جانوروں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے یہاں تک کہ اب تو بکرے بھی انسان کو طعنہ دیتے ہیں کہ وہ بکرے ہیں انسان نہیں۔ افضل ہونے کے باوجود انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور بکروں کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ بکروں کی قدر و قیمت دیکھ کر دل کرتا ہے کہ کاش میں بھی بکرا ہوتا تو میری بھی کوئی قیمت ہوتی ،قربانی عید پر مجھے بھی کوئی خریدنے آتا۔ انسان کا تو فروخت ہونا بھی ممکن نہیں ،عمر گزری گلے میں برائے فروخت کا کارڈ لٹکائے پھرتے ہیں پر بجائے قیمت ملنے کہ لوگ پوچھتے ہیں ، تمہیں خریدنے کا کیا فائدہ پہلے اپنی روٹی پوری نہیں ہو رہی تو تمہیں کہاں سے کھلائیں گے ؟اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی عید کی خوشیاں حقیقی طور پر منانے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے اہل وطن کو راقم کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے عید کی حقیقی خوشیاں مبارک، ہوں۔ عید کے مبارک موقع پر اپنے ارد گرد بسنے والوں خاص طور غریبوں اور مسکینوں کو اپنی خوشیوں میں شامل رکھئے گا تاکہ کل روز قیامت اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ شرمندہ نہ پڑے-

انسانیت کی معراج

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ ہر صاحب حیثیت پر زندگی میں ایک حج مرتبہ فرض ہے۔ حج سب سے افضل درجہ عبادت ہے اور اس میں تمام عبادتیں تسلسل کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں۔ سفر حج انسان صرف اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔ کیفیت و وجدان کی ایسی منزل ہے جس کی ہر ساعت انسان کو روحانی لذت سے ہمکنار کرتی ہے۔ بے مقصد زندگی سے بامقصد زندگی کی طرف، روحانی لذتوں سے سرشار ہو کر گناہوں سے مغفرت اور نجاستوں، غفلتوں اور بُری عادات سے نجات پا کر ایک نئی زندگی طرف ایک ہجرت ہے۔ انسان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور یہ خلیفہ کی اپنے آقا کے دربار میں حاضری ہے۔ جب انسان احرام باندھتا ہے تو اس بات کا اعلان کر دیتا ہے کہ اب وہ امیر، وزیر، بادشاہ، تاجر، عالم، صاحب جاہ و حشمت، جلالالملک، عالی جناب، ذی وقار، حضرت العلام، صاحب کشف و کرامات، پیر طریقت غرضیکہ وہ کچھ بھی نہیں رہا بس اللہ تعالیٰ کے دیگر بندوں کی طرح ایک بندہ اور آدم و حوا کی اولاد ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

ذوالحج تھی' میدان عرفات نفوس قدسیہ سے بھرا پڑا تھا۔ محسن انسانیت ﷺ نے 9 عظمت و احترام انسانیت کا وہ پیغام دیا کہ نہ تو روم و ایران کی سلطنتوں میں اس کا تصور تھا اور نہ ہی مصر و یونان کی تہذیبوں میں اس کا کوئی وجود تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ہر سسکتے اور پسے طبقے کو وہ عروج بخشا کہ انسانیت ہمیشہ اس عظمت و احترام پر نازاں ہے۔ انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے بارگاہ سے حاصل کردہ ایسا ضابطہ حیات تحفے میں دیا جس کی ماضی تو کیا مستقبل میں کوئی مثال پیدا نہ ہو سکے گی۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر انتہائے کائنات تک میگنا کارٹا' اور جنیوا کنونشن سمیت کوئی دستور اور ضابطہ اس کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔ حضرت محمد ﷺ اپنی اونٹنی (قصوی) پر سوار تھے۔ سنن ابی داؤد کی کتاب الحج کے باب صفتہ حجتہ النبیؐ میں ہے۔ آپؐ نے اعلان فرمایا زمانہ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں تلے ہیں۔ آپ ﷺ نے امتیازات' تفاخر' تصنع اور تکبر کا خاتمہ کرکے انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا۔ تاریخ یعقوبی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اللہ پاک نے ہمارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ پس جان لو کہ یہ حقیقت ہے کسی عربی کو عجمی' گورے کو کالے' سرخ کو سفید پر کوئی فضیلت نہیں۔ اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام اور معاشی' سماجی ناہمواریوں کے خاتمے کیلئے رسم و رواج کے استیصال کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے اپنے چچازاد ربیع بن حارث کا خون معاف کرنے کا اعلان فرمایا۔ معاشی ناہمواری کے

خاتمے کیلئے سود کو باطل قرار دیا اور آغاز اپنے چچا حضرت عباسؓ سے کیا۔ متمدن اور مہذب سلطنتوں اور معاشروں میں بھی عزت و عظمت کیلئے ترس کر رہ جانے والی صنف نازک کو وہ احترام اور مرتبہ عطا کیا کہ حوا کی بیٹی اس پر ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ سنن ابی داؤد میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرے اور میں (آپ ﷺ) اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں۔ احترام انسانیت اور عزت و عظمت بنی نوع انسان کیلئے نبی پیارے آقا ﷺ کی طرف سے نوازا گیا اعزاز بھی ہمیشہ اولاد آدم کے سر پر سنہرے تاج کی مانند سجا رہے گا۔ شافی محشر ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کیا کہ یہ کونسا شہر' کونسا دن اور کونسا مہینہ ہے۔ میدان عرفات پر سکوت طاری تھا۔ پھر آپ ﷺ نے استفہامیہ انداز میں خود ہی فرمایا کہ کیا یہ مکہ نہیں' کیا یہ ذوالحج نہیں؟ اور کیا آج یوم الحج نہیں تو صحابہ کرامؓ یک زبان پکار اٹھے کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ مکہ ہی ہے۔ ذوالحج کا ہی مہینہ ہے اور یوم الحج ہے۔ کائنات میں احترام انسانیت کی معراج نے فرمایا کہ تمہاری جان' تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے کیلئے اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح بیت اللہ مکہ' ذوالحج اور یوم الحج محترم ہیں۔ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کی روایات میں ہے کہ محسن کائنات نے اپنے مخاطبین سے استفسار کیا کہ اللہ تم سے میرے

بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دوگے تو جماعت صحابہؓ پکار اٹھی کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام کماحقہ پہنچا دیا تو خاتم المرسلین نے انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور کائنات کے واحد مالک و مختار، خالق ومالک اور حاکم سے مخاطب ہوئے کہ اے اللہ تو گواہ رہنا۔انسانیت کیلئے اس سے بڑا پیغام مسرت وانبساط کیا ہو سکتا ہے کہ دشمن بھائی بھائی بن گئے۔ غلام کو آقا کے برابر حقوق حاصل ہوگئے۔ حسب نسب کی فضیلت اور جاہلیت کی بڑائی پر تقویٰ اور قانون مساوات غالب آگیا۔ انسانی جان، عزت اور مال کے احترام اور سود خوری کے خاتمے سے معاشی ناہمواری ختم ہوگی۔آج بھی خطبہ حجۃ الوداع کو بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر کے طور پر نافذ کر دیا جائے تو اسلامی فلاحی ریاست تشکیل پا سکتی ہے۔ اس کیلئے ہر شخص کو کردار ادا کرنا ہوگا

قربانی کا فلسفہ

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی دنیاکے کونے کونے میں فرزندان اسلام نے دس ذوالحج کو سُنتِ ابراہیمی کی یاد تازہ کرتے ہوئے عیدالاضحیٰ کا دن بڑے تزک و احتشام سے منایا۔ فرزندِ توحید نے اس روز اربوں جانوروں کواللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا، ان کا گوشت خود کھایا، عزیزوں ، رشتہ داروں ، ہمسایوں اور مستحق افراد میں تقسیم کیا۔اس بات سے تو ہم باخوبی واقف ہیں کہ رب رحمٰن کے ہاں ہماری دی ہوئی قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ قربانی کے جانوروں کی خریداری کی قیمت اور دیگر اخراجات پہنچتے ہیں۔ اللہ کے حضور تو قربانی کرنے والے کے خلوصِ نیت کا حساب ہوگا۔ قربانی کا فلسفہ ہی ایثار اور دوسروں کیلئے خود کو وقف کر دینا ہے۔ افسوس کہ اس فلسفہ سے ہم بطور معاشرہ تہی دامن نظر آتے ہیں۔ بطور معاشرہ اخوت و بھائی چارے کے شدید فقدان سے دوچار ہیں۔ ہر طرف ایک افرا تفری اور انارکی کی کیفیت ہے۔ ہم جمہوریت کو بہترین سسٹم گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے ہم جن کی نقالی کرتے ہیں ان کی دیگر اقدار کو فالو نہیں کرتے۔ وہاں جمہوریت کے نام پر انسانی رائے کا اس طرح قتل نہیں ہوتا جس طرح ہمارے ہاں انتخابات کے نام پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج کل پنجاب بلدیاتی الیکشن کا شور ہے۔ شور چاروں طرف سے سنوائی دے رہا ہے۔اُمیدوار بھرپور تیاری کرنے کے ساتھ کسی حد

تک مایوسی کا شکار بھی نظر آتے ہیں کہ ماضی کی طرح ایک بار پھر الیکشن کی تاریخ میں توسیع ہونے کے امکانات بھی روشن ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں جمہوری حکمتوں نے بلدیاتی الیکشن کروانے سے ہمیشہ فرار حاصل کیا ہے۔ شائد یہ پہلا موقع ہو جب جمہوری دور میں بلدیاتی ادارے قائم ہو کر اپنے فرائض سرانجام دیں۔ جمہوری حکمران بھی اپنے اندر جذبہ قربانی زندہ رکھتے تو کبھی بھی بلدیاتی سے فرار حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ عید الاضحیٰ صرف جانوروں کو قربان کرنے کا نام نہیں بلکہ انسانیت کی جانب سے بندگی اور اللہ کی راہ میں قربانی کی لازوال مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہر مرد مجاہد اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہے پر حضرت ابراہیمؑ جیسی کوئی مثال کسی زمانے میں نہیں ملتی یہ تابندہ مثال ہے جو رہتی دُنیا تک صاحب ایمان لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ جذبہ قربانی قائم رکھتے ہوئے انسان کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ جب ہم نے ان اصولوں سے رد گردانی کی، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تصور کو اپنے دلوں میں کمزور کیا اور ملک و ملت کے بجائے اپنی ذات کو اولیت دی تو ہماری رسوائی کا دور شروع ہوا۔ آج بھی ہم قربانی کے اصولوں کو اپنا لیں تو ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی میراث حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے جب امت محمدی ﷺ کے نام لیواؤں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما تو کامیابیوں نے ان کے قدم چومے۔ لگاتار بے عملی کی سزا یہ ملی کہ بارگاہ الٰہی سے دعائیں بھی رد کر دی گئیں۔
مسلمانوں کو معاشی مشکلات نے

اپنے شکنجے میں جکڑلیا۔ جب برصغیر کے مسلمانوں نے مل کر جذبہ قربانی وایثار کا اظہار کیاتووطن عزیز کی صورت اللہ تعالیٰ نے احسان عظیم سے نوازا۔ پاکستان کا قیام بھی ہمیں لازوال قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ کسی حد تک ہم ان قربانیوں کو بھلا کر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے لے لی ہے۔ جو کڑی شرائط پر کمزور ممالک کو اپنے جال میں جکڑ رہے ہیں۔ عیش پرستی میں مبتلا اقتدار پرست حکمران صرف اپنے دام کھرے کر رہے ہیں۔ عوام کی تکالیف سے ان کا دور کا واسطہ نہیں۔ مشکلات کبھی ایک دن میں عروج حاصل نہیں کرتیں۔ قدرت کی طرف سے پہلے ہی اشارے ملنا شروع ہو جاتے ہیں پھر بھی ہم نہ سنبھلیں تو عذاب مقدر بن جاتا ہے۔ زلزلے اور سیلاب ہمارے لئے قدرت کی طرف سے تنبیہہ ہیں پر ہم نہیں سنبھل رہے۔ اقتدار کی مسند کا طواف کرنے والے اشرافیہ تو ہر بحران اور آفت سے بھی اپنے دام کھرے کرنے کے ماہر ہو چکے ہیں۔ آج کہیں سیلاب کی تباہ کاریاں ہیں تو کہیں دہشتگردی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں ۔ کہیں ڈینگی نے اپنے پر پھیلا رکھے ہیں۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے عذاب آتا ہے تو گناہ گار بے گناہ سب رگڑے جاتے ہیں۔۔ ہمیں اللہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ اس کے احکامات کو سمجھنا چاہیے۔ عید قربان محض جانور کی قربانی کا نام نہیں۔ اس قربانی میں اللہ کے پیغام کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی قربانی کہلاتا ہے۔ ہمیں اس فلسفے کو اپنانے کی

ضرورت ہے۔تب ہی ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

ضمیر کی آواز اور قوم کی امانت ہے

کچن میں ناشتہ جبکہ ذہن میں دن بھر کی سرگرمیوں کے حوالے سے ترتیبی خیالات بن رہے تھے کہ ایسے میں چھادو کی کال نے سارا نقشہ ہی بدل دیا،اشرف عرف چھادو ہمارے علاقے میں اپنی مزاحیہ طبیعت کی وجہ انتہائی شہرت رکھتا ہے، چھادو کی کال رسیو کی تو وہ مزاحیہ موڈ میں نہیں بلکہ بڑے پریشان اور فکرمند انداز میں بولا امتیاز بھائی جلدی سے میری طرف آجائیں مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔میں نے اُسے اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاتے ہوئے شام کو ملنے کا کہاتو وہ اور پریشان ہو کر بولا بھائی شام تک میں زندہ نہ رہاتو آپ کس کو مشورہ دوگے مجھے تو ابھی آپ کی ضرورت ہے چھوڑو سب کام آپ کا جتنا نقصان ہوگا مجھ سے لے لینا۔میں نے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن سے ہونے والے نقصانات پورے کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔چھادو جذباتی ہوگیا اور رونے کے انداز میں بولا ٹھیک ہے جناب شام تک زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔میں نے مجبور ہو کر کہا حضور ناشتہ کرنے کی اجازت ہے یا بغیر ناشتے کے آجاؤں وہ خوشی سے بولا ناشتہ اکٹھے کرتے ہیں بس آپ جلدی آجائیں۔عالم پناہ کوجب چھادو کی نظر میں اپنی اہمیت کااندازہ ہوا تو چھاتی دوفٹ مزید چوڑی ہو گئی۔پھر کیا عالم پناہ ناشتے اور دن بھرکے کاموں کا بائیکاٹ کرتے ہوئے اپنے قدر دان چھادو کی طرف

پہنچ گئے۔ چھادو بہت جذباتی انداز میں کہنے لگا بھائی پہلے تو میرے ساتھ وعدہ کرو کہ میرا مذاق نہیں بناؤ گے میں نے فوراً وعدہ کر لیا۔ چھادو نے اپنی گھر والی کو آواز دی بھاگ بھری جلدی سے ناشتہ بناؤ۔ کھڑکی دروازے بند کرکے قریب ہو کر بولا بھائی آپ تو جانتے ہیں کہ میرا تعلق ہمیشہ سے ایک ہی سیاسی جماعت کے ساتھ ہے، میں کبھی مشکل وقت میں لوٹا بنا اور نہ ہی پارٹی کے کسی فیصلے کی مخالف کی ہے۔ پر اس بار تو ایسی مشکل سر پر آن پڑی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ بلدیاتی الیکشن میں چیرمین کی نشست پر تین اُمیدوار ایسے ہیں جن کا تعلق میری پارٹی کے ساتھ جبکہ ٹکٹ ایک کے پاس بھی نہیں، تینوں قائدین کی تصویریں لگائے حمایت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ پارٹی کسی ایک کو ٹکٹ جاری کر دیتی تو آسانی ہو جاتی پر اب آپ بتائیں ہم ورکر کس کا ساتھ دیں اور کس کو ناراض کریں؟ عالم پناہ چھادو کی بات سن کر خود پریشان ہو گئے کہ اب کیا جائے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد چھادو کو مشورہ دیا کہ آپ کسی کے ساتھ بھی مت چلو بس جو زیادہ بہتر ہے اُسے ووٹ دے دو۔ اتنے میں چھادو کی گھر والی نے آواز دی سیاستدان صاحب ناشتہ تیار ہے آپ کے پاس سیاست سے وقت بچے تو ناشتہ کرکے کام پر چلے جائیں تاکہ ہمارے فاقوں میں کمی آجائے، یہ سیاستدان ہمیں کھانا نہیں دے سکتے ہم مزدور لوگ ہیں، مزدوری کئے بغیر اپنا گزارہ نہیں چلتا۔ چھادو جلدی سے اندر گیا، اپنی گھر والی کو آہستہ بات کرنے کی تلقین کے بعد ناشتہ لے آیا، چائے پاپے کے ناشتے کے دوران چھادو لگاتار سوالات کر رہا تھا جبکہ میرے پاس اُن سوالوں کا

کوئی معقول جواب نہ تھا۔ابھی ہم ناشتہ کرنے میں مشغول تھے کہ اچانک زور دار دھماکے ساتھ کپڑے کا بنڈل کمرے آ گرا اور اُس کے پیچھے گرجدار آواز آئی ،ابھی بچوں کی فیسیں دینا باقی ہیں ،روز سکول والے نکال دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور لیڈر صاحب نے سارے پیسے فلیکسوں اور بینرز پر خرچ کر دیئے ہیں ۔آج ان کو لے جاؤ اور جہاں لگانے ہیں لگا کر ہی آنا ورنہ آج ان کو جلا کر کھانا پکے گا سوئی گیس والے بھی بل ادانہ کرنے کی وجہ سے میٹر لیجا چکے ہیں۔ چھادو اُٹھا اور بینرز کھول کر مجھے دیکھانے لگا۔بینرز دیکھ میری حیرانگی کی انتہاء نہ رہی تین طرح کے بینرز پر تین مختلف امیدواروں کے نام الیکشن جیتنے کی مبارکباد تحریر تھی۔میں نے حیران ہو کر چھادو سے سوال کیا حضوران تینوں میں سے کوئی ایک توجیت سکتا ہے یہ تینوں کیسے جیتیں گے ؟وہ بولا مجھے پتا ہے ایک ہی جیتے گا پر میں نے اس بار فیصلہ کیا ہے کہ قیادت کی طرح سمجھداری کی جائے اور جیتنے والے اُمیداور کو مبارکباد دے کر چڑتے سورج کو سلام پیش کرکے اپنے کام نکلوائے جائیں۔میں نے سوال کیا چھادو جی آپ کے تینوں اُمیدوار ہار گئے اور کوئی چوتھا جیت گیا تو کیا کروگے ؟بولا اُس کا بھی حل یہی ہے بس پیسوں کی کمی کے باعث فیصلہ آنے پر فوری طور ایک نیا بینر تیار ہو گا جس پر جیتنے والے اُمیدوار کو مبارکباد پیش کرنے کی تیاری ہے۔میرے پاس اُس کی سوچ کو خراج تحسین پیش کرنے کے سوا کوئی چارانہ تھا کیونکہ وہ اپنی پارٹی قیادت کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کر چکا تھا بس میرے مشورے کا ووٹ اپنے فیصلے کے حق میں لینا

چاہتا تھا۔ میں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا جناب آپ کا ووٹ آپ کے ضمیر کی آواز اور ملک و قوم کی امانت ہے نہ کے پارٹی، برادری، رشتہ درای یا ذاتی تعلقات کی۔ میرے خیال میں ہمیں ووٹ دیتے وقت سب خدشات کو نظرانداز کرکے صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ کون سا اُمیدوار باکردار، بااخلاق اور سب سے بڑھ کر دین دار ہے، چھادو بھائی ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کسی کو دھوکے میں نہیں رکھتا۔ رشتہ داری یا تعلقات کی بناپر کسی کو ووٹ دینے کی جھوٹی تسلی دینا بھی میرے خیال میں شدید دھوکہ ہے۔ میرا آپ کو مشورہ ہے آپ اچھی شہرت کے حامل اُمیدار کو ووٹ دیں اور اُسی کو سپورٹ کریں اور سب سے پہلے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے اپنی مزدوری کریں بعد میں الیکشن میں دلچپی لیں۔ کون کس کو ووٹ دیتا ہے یہ مت سوچیں، کون جیتنے کے پوزیشن میں ہے اور کون عوام میں کم مقبولیت رکھتا ہے یہ باتیں سوچنا ہمارا کام نہیں، ہمیں تو صرف یہ کرنا ہے کہ ہماراووٹ کسی شرابی، زانی یا سود خور کے حصے میں نہ چلاجائے۔ اتنے میں چھادو کی گھروالی کی آوازآئی بھائی آپ کیوں اس شخص پر وقت ضائع کر رہے ہو یہ نہیں سمجھے گا ایسی باتیں، مجھے 20 برس سمجھاتے ہوئے بیت چکے ہیں پر یہ شخص بیوی بچوں کو کم اور پارٹی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے جبکہ پارٹی میں اس کی حیثیت ہی نہیں۔ میرے بھائی آپ بتاؤ غریبوں کی کون سی پارٹی ہے اس دنیا میں ؟ میرے پاس چھادو کی گھروالی کے سوال کا جواب تھا اور نہ ہی اُس نے مجھے جواب دینے کا وقت دیا۔ وہ بولی بھائی آپ ان سیاستدانوں کی باتوں میں مت آؤ یہ کہتے کچھ اور کرتے

سکتے ہیں۔

وہ ہم میں سے نہیں

ہلو بھائی کیا حال ہیں ؟میں برکت دین بات کر رہا ہوں ۔میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازم ہوں ۔ بھائی آپ اخبار میں لکھتے ہیں ؟ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ بھائی میں نے بھی کچھ لکھا ہے۔ میں نے پوچھا آپ نے کیا لکھا ہے ؟۔ میرے سوال پر برکت دین بولا میں ساری رات بیٹھا سوچتا رہتا ہوں کہ تبدیلی کیسے آئیگی ؟ باہر کے بنکوں میں پڑی ملکی دولت کیسے واپس آئیگی۔ ہم کب تک یہودیوں سے سود پر قرض لے کر ملک کا نظام چلائیں گے ؟کب تک ہمارا تعلیمی ڈھانچہ اسلام کے مطابق ڈھلے گا؟ باہر کی طاقتیں ہماری سرحدوں پر کب تک حملے کرتی رہیں گی اور خاص طور پر کب ہمارے بچوں کو خالص غذا کھانے کو ملے گی؟ہر طرف ملاوٹ کا راج ہے۔جان بچانے والی ادویات کا کوئی اعتبار نہیں،ناپ تول میں کمی ہمارا قومی فریضہ بن چکا ہے۔ایک دوسرے کو دھوکہ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ثواب کا کام ہو۔میں نے برکت دین سے دوبارہ سوال کیا آپ نے کیا لکھا ہے ؟وہ بولا بھائی میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو ذہن بہت سی باتوں میں اُلجھ جاتا ہے ۔ایسا الجھتا ہے کہ پھر لکھنا تو دور کی بات ہے کچھ پڑھنا بھی ممکن نہیں رہتا پر آپ میری فرمائش پر ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کے خلاف ایک کالم ضرور لکھنا۔میں سمجھ گیا برکت دین بھی میری طرح کچھ کہنا چاہتا ہے پر الفاظ اکھٹے کرنے میں ناکام ہے،کچھ کرنا چاہتا ہے

پر مقدر کے ہاتھوں مجبور ہو کر رہ جاتا ہے،کچھ لکھنا چاہتا ہے پر ابھی تک لکھ نہیں پایا۔ خیر جی راقم نے .برکت دین سے ناپ تو میں کمی اور ملاوٹ کے خلاف لکھنے کا وعدہ کر لیا ۔ایک سادہ دل انسان کی فرمائش بھی انتہائی سادہ رہی ،کیا جی ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کے خلاف لکھوں ،ارے بھائی میرے لکھنے سے آج کے تاجروں کو کیا فرق پڑے گا جبکہ ملاوٹ کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکمات موجود ہیں اور پچھلی قوموں پر ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کے باعث آنے والے عذاب بھی سامنے ہیں۔ایک دن نبی کریمؐ کا گزر مدینہ منورہ کے بازار سے ہوا۔ دونوں طرف بازار سجا ہوا تھا۔ ایک شخص گندم کا ڈھیر فروخت کیلئے سجائے بیٹھا تھا۔ گندم اتنی اچھی نظر آرہی تھی کہ خریداروں کو دور سے متوجہ کر رہی تھی۔ حضور ﷺ کے قدم مبارک بھی اس کے پاس جا کر رک گئے۔ آپ ﷺ نے گندم میں ہاتھ ڈالا تو وہ اندر سے گیلی تھی۔ آپ ﷺ نے گندم ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا ! کہ تم نے ایسا کیوں کیا، ؟اس نے جواب دیا، اچھا منافع کمانے کے لئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ! جس نے سچائی کو جھوٹ کے پردے میں چھپایا (ملاوٹ کی) وہ ہم میں سے نہیں۔ حضور پاک ﷺ نے جھوٹ بول کر مال بیچنے اور ناجائز منافع کمانے والوں کو اپنی اُمت سے خارج کر دیا۔ دین اسلام میں تجارت ایک مقدس پیشہ ہے جس سے انسان بہترین طریقے سے ملک و قوم کی نہ صرف خدمت کر سکتا ہے بلکہ اس کی ترقی میں بھی معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ سرکار دو عالم نے فرمایا، سچے اور امانت دار و دیانت دار تاجر کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ حضور

اکرم ﷺ نے فرمایا جو تاجر مشقت و تکلیف اٹھا کر کاروبار کرتا ہے اور قیمت میں زیادتی نہیں کرتا، اس کا درجہ صدقہ کرنے کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ رزق حلال کو عبات قرار دیا گیا۔ ہر معاشرے کے کچھ اصول اور رواج ہوتے ہیں۔ جوانکی تعلیمات کا حصہ یا انکے بڑوں کے تجربات کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ جب معاشرے اپنی بنیاد سے روگردانی کرتے ہیں تو ان کی تباہی لازم ہو جاتی ہے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے کم ناپ تول کرنے اور ناجائز منافع خوری کی وجہ سے قیامت تک کے لئے عبرت کا نشان بنایا دیا۔ جس معاشرے میں ناپ تول میں کمی اور منافع خوری عام ہو جائے اللہ اس سے خیر و برکت اٹھالیتا ہے، رحم و کرم کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ تجارت میں سچائی اور دیانت وہ نعمت تھی جس کے بل بولتے پر مسلمان تاجر جہاں بھی گئے وہاں اسلام کا بول بالا ہوا۔ اسلام بہت حد تک ان ایمان دار تاجروں کے حسن سلوک اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ستھرا مال بیچنے کی وجہ سے پھیلا۔ ذخیرہ اندوزی کرنا، ملاوٹ کرنا، ناپ تول میں کمی، کسی خریدار کو عیب والا مال بیچنا، جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنا یا عمدہ چیز بتا کر خراب چیز فروخت کرنا، ذخیرہ اندوزی کر کے چیزوں کی مصنوعی قلت پیدا کرنا۔ اور پھر چیزوں کو مہنگے داموں بیچنا، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی اسلام میں سختی سے نہ صرف ممانعت ہے بلکہ ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو ملعون قرار دیا۔ ملاوٹ کرنے والوں کے لئے رسول کریم ﷺ

نے فرمایا جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے (مسلم شریف)۔ ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو حضورﷺ اپنی امت سے خارج دیں اور ہم اسی شعار کو اپنالیں یہ انتہائی نقصان کا سودا ہے۔ ملاوٹ کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا اور پوری قیمت وصول کرنا، اچھامال دکھا کر خراب مال بیچنا کیا آج ہمارے معاشرے میں یہ چیزیں عام نہیں ہو گئی ہیں؟ یہ چیزیں اب ایک مافیا کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ آج ناصرف کھانے پینے کی اشیاء بلکہ ہمارے رویوں ،اخلاق، آپکی پیار و محبت اور بھائے چارے میں بھی انتہائی ملاوٹ ہو چکی ہے ہم بات بات پر جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں ، دوسروں کو نیچا دیکھانے کیلئے ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں ، خود غرضی کی حد کہ ہم ایک دوسرے کو خوشحال دیکھنا بھی نہیں چاہتے ہیں، دوسروں کو تکلیف میں پا کر جھوٹی ہمدردی کے ساتھ طنز کے نشتر چلانا معمول بن چکا ہے۔

خود پر اعتماد کریں

کچھ لوگ بظاہر بہت خود اعتماد دکھائی دیتے ہیں پر اندر سے اعتماد کی کمی کا شکار رہتے ہیں۔ اس کیفیت کو ماہرین خود اعتمادی کا دھوکا قرار دیتے ہیں۔ جبکہ خود اعتمادی برقرار رکھنے اور اُس میں اضافے کیلئے پہلا قدم یہ ہے کہ خود کو اندر سے پُراعتماد سمجھنے کی مشق کریں اور ماضی کے وہ چیلنج اور مشکلات یاد کریں جن پر آپ نے اپنی محنت اور لگن کے ذریعے قابو پالیا تھا۔ لوگ یہ بہت جلد بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے آپ سے ملاقات کی ہے۔ کوئی بھی ہمیشہ آپ کے متعلق نہیں سوچتا کیونکہ تیز ترین دور میں زندگی بہت مصروف ہوچکی ہے سب کے پاس بہت سے مسائل اور مصروفیات ہیں، خود کو یاد دلائیں کہ آپ کی غلطیوں اور خود اعتمادی کو آپ سے زیادہ کوئی اور نہیں جانتا اور آپ کو اس کی فکر کرنی چاہیے جب یہ احساس پیدا ہوجائے تو خود اعتمادی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ بچوں میں خود اعتمادی پیدا کرنا یا بحال رکھنا والدین اور اساتذہ کیلئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بچوں کو خود اعتماد بنانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ارد گرد بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد موجود ہیں جو بچپن سے جوانی اور پھر بڑھاپے تک خود اعتمادی کی کمی کا شکار رہتے ہیں۔ علم بڑی حد تک انسان کو باشعور بناتا ہے پر تربیت کے

پہلو کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے آج معاشرے میں خود اعتمادی کا فقدان پایا جاتا ہے۔ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور بہت کچھ کر گزرے ہوتے ہیں پھر بھی خود پر اعتماد کرنے سے قاصر رہتے ہیں ۔اپنے بچوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کیلئے ہمیں اپنے ماحول اور رویوں کا احاطہ کرنا ہوگا۔میڈیا ورلڈ لائن نیوز ایجنسی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ بچوں کی خود اعتمادی والدین کے رویے پر منحصر ہوتی ہے۔مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ بچوں کی خود اعتمادی والدین کے رویے سے متاثر ہوتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ آپ کے گھر میں والدین میں سے جس کا حکم چلتا ہے بچے کی خود اعتمادی پر اسی کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔برطانوی ماہرین نفسیات کی ایک ٹیم نے دریافت کیا ہے کہ ایک کثیر الثقافتی معاشرے میں آج بھی خاندانی ثقافت ایک انفرادی بچے کی خود اعتمادی کو متاثر کر سکتی ہے، خاص طور بچوں کی خود اعتمادی کو گھر میں غالب رویہ رکھنے والے ماں یا باپ کے برتاؤ کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے۔برطانوی یونیورسٹی سیسیکس سے منسلک تجزیہ کاروں کے مطابق، بچوں کی تربیت میں اگر والدین میں سے کوئی ایک کمزور ہے تو اس کی کمزوری یا لاتعلّقی کا بچے کی خود اعتمادی پر اتنا اثر نہیں ہوتا ہے کیونکہ، مضبوط اثر رکھنے والے باپ یا ماں کی طرف سے بچے کے لیے ٹھوس مشفق رویہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔پروفیسر ڈاکٹر ایلسن پائیک نے کہا کہ خود اعتمادی ایک انفرادی شخص کی کامیابیوں، قابلیت اور نمایاں ہونے میں دیکھی جا سکتی ہے، اسی لیے والدین بچوں کی پرورش کے دوران اس پر خاص توجہ

مرکوز رکھتے ہیں کیونکہ، اگر ان میں خود اعتمادی کی کمی ہے تو، وہ اپنی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور بد سلوکی کو چپ چاپ برداشت کر لیں گے۔ مصنفین نے 'جرنل آف کراس کلچرل سائیکولوجی' میں لکھا کہ خود اعتمادی پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح خاندانی ثقافت اس خصوصیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔انھوں نے کہا کہ خاندانوں کے اندر صنفی بنیاد پر طاقتور اختلاف پایا جاتا ہے، جو ثقافتی اختلافات کو جنم دیتا ہے اور یہ دونوں نظریات بچوں کی خود اعتمادی کو کم کرتے ہیں۔ماہرین نے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جنوبی ایشیائی خاندانوں میں ماں کا کردار باپ کے مقابلے میں کمتر سمجھا جاتا ہے اور اسی طرح وسیع معاشرے کے اندر بھی ایسا ہی نظر آتا ہے، جہاں گھر میں باپ کا حکم چلتا ہے، جو خاندان کے فیصلوں اور نظم و ضبط کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف انگریز یا مغربی ثقافت سے تعلق رکھنے والے گھرانوں میں گھر کے اندر ماں کا باپ کے مقابلے میں مرکزی کردار ہے، جہاں ایک عورت کے اوپر بچوں اور گھر کی دیکھ بھال اور نظم و ضبط کی ذمہ داری ہے۔ایک مشاہدے کے دوران پائیک نے مغربی لندن میں رہنے والے انگریز اور بھارتی گھرانوں کو شامل کیا جن کے بچوں کی عمریں سات سے دس 125 سال کے درمیان تھیں۔ بچوں میں ایک سوالنامے کے ذریعے خود اعتمادی کا انکشاف ہوا۔ تجربے کے دوران والدین نے ایک پیرینٹل منفی رویہ کے اسکیل کو مکمل کیا، جس میں محققین نے 24 سوالات کے ذریعے

والدین کے منفی رویوں کا اندازا لگایا، مثلاً کیا وہ بچوں پر ضرورت سے زیادہ حاوی ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کیا انھیں ڈرا دھمکا کر یا احساس ندامت کے ذریعے نظم و ضبط کا پابند بنانے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر حد سے زیادہ بچوں کی جاسوسی کرتے ہیں ۔نتائج سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کے تجزیے سے یہ بات سامنے آئی کہ انگریز اور بھارتی ماؤں میں زچگی کے بعد کے ڈپریشن کی وجہ سے پائے جانے والے منفی رویے کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔تاہم بھارتی والد میں ایک انگریز والد کی نسبت منفی رویے کا رجحان زیادہ تھا اور ان کے بچوں کی تربیت میں اس منفی رویہ کا اثر تھا، ان بچوں میں خود اعتمادی کی کمی تھی۔دوسری طرف انگریز خاندان سے تعلق رکھنے والے بچوں میں ماؤں کی زچگی کے ڈپریشن کا رویہ بچوں کے اندر خود اعتمادی کی کمی کے ساتھ منسلک تھا۔میڈیا ورلڈ لائن کی رپورٹ کے مطابق نتائج سے یہ ظاہر ہوا کہ ماں اور باپ کا مختلف ثقافتوں میں مختلف کردار ہے' مزید کہ نتائج سے یہ بھی نشاندہی ہوئی کہ مختلف ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے بچے نا صرف والدین کے تربیت کے مخصوص طریقوں سے متاثر ہوئے تھے، بلکہ اس بات نے بھی انھیں متاثر کیا تھا کہ گھر میں ان کی تربیت ماں نے کی ہے یا ان کی تربیت باپ کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ ماہرین خود اعتمادی کو بحال رکھنے کے کچھ طریقے بیان کرتے ہیں جیسا کہ خود کو یہ سوچ کر پر اعتماد رکھیں کہ لوگ نہیں جانتے کہ آپ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، احساسِ کمتری اور خود اعتمادی کی کمی سے مجمعے میں دل کی دھڑکن تیز

ہو جاتی ہے اور منہ خشک ہونے لگتا ہے پر لوگ نہیں جانتے کہ آپ کے دل میں کیا کچھ ہے اور دل و دماغ میں کیا ہو رہا ہے اس احساس کو پروان چڑھا کر بھی آپ خود اعتمادی کو بڑھا سکتے ہیں۔ ورزش سے اعتماد حاصل کریں۔ ورزش اور جسمانی مشقت سے بدن خاص قسم کے ہارمون خارج کرتا ہے جو نہ صرف اعتماد بڑھاتے ہیں بلکہ دل و دماغ کو سکون بھی فراہم کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر 40 منٹ واک کرنے سے ڈپریشن اور ذہنی تناؤ دور ہوتا ہے اس لیے مسلسل اور مستقل طور پر ورزش، واک یا جسمانی مشقت کی عادت پیدا کریں۔ اس سے جسم پر ظاہری اور اندرونی دونوں طرح کے مثبت اثرات پڑیں گے اور آپ کا دوران خون بھی بہتر رہے گا اسی لیے خود اعتمادی کے لیے جسمانی محنت کو کلیدی درجہ حاصل ہے۔

نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

علم ہر دور میں انمول رہا ہے۔یوں تو ہر انسان ہی افضل ہے پر تعلیم و ہنر پر عبور حاصل کرنے والوں نے ہمیشہ عزت و وقار کے بلند درجات پائے ہیں۔آج ہم ہواؤں میں اُڑتے ہیں، سمندر کی گہریوں میں اُتر جاتے ہیں، صحت کے حوالے سے ہونے والی ترقی ہمارے سامنے ہے، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، جدید ترین ایٹمی سسٹم اور دیگر یہ کامیابیاں تعلیم ہی کی بدولت ہے۔اردو میں تعلیم کا لفظ، دو خاص معنوں پر مشتمل ہے ایک اصطلاحی دوسرے غیر اصطلاحی ، غیر اصطلاحی مفہوم میں تعلیم کا لفظ واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے اور آدرش ، پیغام ، درسِ حیات، ارشادات، ہدایات اور نصائح کے معنی دیتا ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی تعلیم یا تعلیمات ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یا تعلیمات ۔ اصطلاحی معنوں میں تعلیم یا ایجوکیشن سے وہ شعبہ مراد لیا جاتا ہے جس میں خاص عمر کے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما، تخیلی و تخلیقی قوتوں کی تربیت و تہذیب ، سماجی عوامل و محرکات ، نظم و نسق مدرسہ ، اساتذہ ، طریقہ تدریس ، نصاب ، معیار تعلیم ،تاریخ تعلیم ، اساتذہ کی تربیت اور دیگر تعلیمی وتربیتی موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔افسوس کہ آج ہمارا میڈیا اور دیگر محافل میں عشق ،معاشقے پر تو بحث و مباحثے ہوتے ہیں پر تعلیم جیسے اہم موضع کو

بہت کم زیر بحث لایا جاتا ہے۔ انسان جب زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوتا ہے تو وہ حقیقت میں انسانی اقدار سے واقف ہوتا ہے۔ حیوان اور انسان میں فرق کرنے والی چیز کو علم کہتے ہیں ۔اللہ تعالی نے انسان کو علم ہی کے ذریعے تمام مخلوقات سے افضل کیا۔ علم حاصل کرنا اور لگاتار سیکھنے کی جستجوانسان کو دنیاوآخرت میں کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ ہر دور میں تعلیم یافتہ افراد کودنیا نے قدر کی نظر سے دیکھا ہے۔اس کائنات میں انسان نے جو بھی کارنامے سرانجام دیے اُن کے پیچھے علم ہی کا ہاتھ رہا،یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جس نے علم کا دامن تھامے رکھا علم نے اُسے کسی نہ کسی طرح امر کردیا۔ تعلیم کے بغیر ترقی و عروج کی خواہش بے بنیاد ہے۔ ملک وملت، مسلم معاشرے اور افراد کی بقاکے لیے دینی اور دنیاوی تعلیم تربیت لازم ہے۔ تعلیم وہ نسخہ کیمیا ہے جس سے مُردوں کی مسیحائی عمل میں آسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں دین کے ساتھ ساتھ دنیا کی ضروری تعلیمات کے حصول کی افادیت واہمیت کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کافرمان ہے ”تعلیم کا مقصد صرف نوجوان نسل کی علمی پیاس بجھانا نہیں بلکہ ساتھ ہی ان میں اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیداکرنا ضروری ہے“آج ہم اخلاقی ، معاشی، تعلیمی و دیگر قسم کی پستی اور زوال کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نئی نسل علم کی عطا کردہ بصیرت اور لذت سے محروم ہے۔ علم کے نتیجے میں نیک و بد اور خوب و ناخوب کی جو تمیز پیدا ہونی چاہئے' اس کا

فقدان ہے۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں فرق کرنا مشکل ہے۔ غرض یہ کہ علم جو اعتماد، قوت عملی اور اخلاق پیدا کرتا ہے ہم اُن سے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود نہ آشنا ہیں۔ اس حقیقت کا احساس عام ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم اپنی افادیت کھو چکی ہے اور ہمارے معاشی اور معاشرتی تقاضوں سے تعلیم کا ربط و رشتہ باقی نہیں رہا۔ اس طرح معاشرہ اپنی اقدار سمیت شکست کا شکار ہوتا چلا جارہا ہے۔ سنگین حالات ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔اس کے علاوہ آج ہمارے معاشرے میں عورت کی تعلیم پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی جبکہ حدیث مبارک میں ہے کہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔ معلوم ہوا کہ مرد کی طرح عورت پر بھی علم کا حصول فرض ہے۔ایسے معاشرے جس میں خواتین کو تعلیم سے دور رکھا جائے اُس کے مستقبل کے بارے میں علامہ اقبال نے یوں کہا کہ

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

خواتین پردے میں رہتے ہوئے کسی بھی سطح تک تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ اسلام نے انہیں تعلیم حاصل کرنے سے منع نہیں کیا۔ حدود توڑنے کی صورت میں بغاوت کے زمرے میں آئیں گی۔ عورت کے متعلق بات کرتے ہوئے سب حدود اللہ کی بات کرتے ہیں پر یہ بات بہت کم کی جاتی ہے کہ مردوں کیلئے بھی حدود قائم ہیں جیسا کہ عورت پر اپنی پاکیزگی کی حفاظت فرض ہے ویسا ہی مردوں کو بھی اپنی نیت اور آنکھ میں حیاء رکھنے کا حکم ہے۔ اور پھر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ جن بچیوں کو تعلیم سے دور رکھا جائے وہ عین اسلام یا کسی دوسرے مذہب کی تعلیمات کے عین مطابق زندگی بسر کریں گی؟ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تعلیم ہی حاصل نہیں ہوگی تو پھر تعلیمات پر عمل کیسا؟ خواتین کا تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ماں کی حیثیت سے انہیں آنے والی نسلوں کی تربیت میں سب سے زیادہ کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ میڈیا ورلڈ لائن کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے دیہی علاقوں اور شہری علاقوں میں ایک بڑا فرق ہے۔ سروے کے مطابق شہری علاقوں میں 60 فیصد مائیں بنیادی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں جبکہ دیہی علاقوں میں صرف 24 فیصد ماؤں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی ہے۔ خیال رہے کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی دو تہائی آبادی دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ تاہم، حکومتِ پاکستان کی پیشن گوئی ہے کہ شہری آبادی کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مدِ نظر 2030ء تک پاکستان کی آدھی آبادی شہری ہو گی۔ ضرورت اس

امر کی ہے شہری و دیہی دونوں مقامات پر نظام تعلیم کو بہتر بنایا جائے۔زمانہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین بہترین مائیں ثابت ہوتی ہیں جو اپنی اولاد کی بہتر پرورش کرکے معاشرے میں نکھار پیدا کرتے ہوئے ملکی ترقی میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔ خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا بہترین قوم کے پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ 2007ء میں اقوام متحدہ کے زیراہتمام ''اقوام متحدہ ٹاسک فورس برائے نوجوان خواتین'' (UNAGTF) بنائی گئی تھی۔اس ٹاسک فورس کا مقصد یہ ہے کہ بچیوں کی شادیاں کم عمری میں نہ ہوں اور انھیں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ایک سروے کے مطابق ترقی پذیر ممالک میں 60 کروڑ لڑکیاں کم عمری میں شادی کے بندھن میں بندھ جاتی ہیں۔ جنوبی ایشیا یعنی سارک کے خطہ میں یہ تناسب اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس میں بھارت بھی شامل ہے۔ یو این ایف پی اے، یونیسف سمیت اقوام متحدہ کے چھ ادارے اس ضمن میں کوشاں ہیں۔اس ٹاسک فورس کا 5 نکاتی پروگرام یہ ہے۔1 نوجوان لڑکیوں کو تعلیم کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا۔ 2 نوجوان لڑکیوں کے صحت سے متعلقہ مسائل کو حل کرنے کی تدبیریں کرنا۔ 3 نوجوان لڑکیوں کو پرتشدد ماحول سے چھٹکارا دلانے کے لیے جدوجہد کرنا۔ 4 نوجوان لڑکیوں میں لیڈرشپ کے مواقع کو بڑھانا۔ 5 نوجوان لڑکیوں بارے اعداد و شمار اکھٹے کرنا۔

خطرناک ہتھیار

فوج اور پولیس کے جوانوں کے ہاتھوں سے لے کر
فلموں، ڈراموں، ویڈیو گیمز، اور نیوز چینل پر چلنے والی اکثر خبروں میں اسلحے کی نمائش نے معاشرے میں اسلحہ کو فیشن بنا دیا ہے۔ ملک کی اہم شخصیات جن میں صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دیگر اُمرا کے گرد اسلحہ سے لیس محافظ بھی اسلحے کی نمائش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کا موضوع تو بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں پر آج دنیا میں اصلی ہتھیار بھی سر عام کھلونوں کی طرح ہی بازاروں میں دستیاب ہیں۔ ریاستی قانون اور اداروں کی موجودگی میں بغیر لائسنس یعنی ناجائز اسلحہ کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لائسنس یافتہ ہتھیاروں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیر میرا آج کا موضوع بچوں کے کھلونا ہتھیار ہیں اس لئے اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ گزشتہ چند برسوں سے بچوں میں کھلونا ہتھیار سے کھیلنے کا شوق بے حد تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ شہروں میں بسنے والے والدین کے لئے اس لئے حالات زیادہ مشکل ہیں کہ شہروں میں ہر گلی، محلے کی دکان پر ایسے کھلونا ہتھیار دستیاب ہیں جن کو دیکھ کر بچے انہیں خریدنے کی اتنی زیادہ ضد کرتے ہیں کہ والدین مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو بے فکری میں اپنے بچوں کو ایسے کھلونے خرید دیتے ہیں، کچھ سمجھدار قسم کے لوگ ایسی چیزوں سے بچنے کی

کوشش کرتے ہیں پر بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ والدین بچوں کے ضد کرنے کے باوجود اُن کو ہتھیار کھلونے خرید کر نہیں دیتے تو بچوں کی ضد دیکھ کر دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، یا پھر تایا ابو یہ کہہ کر بچوں کو خرید دیتے ہیں کہ اتنی سی چیز کے لئے ہمارے بچے کیوں ترسیں؟ گاؤں اور دیہی علاقوں میں رہنے والے بھی اس اسلحہ کلچر سے محفوظ نہیں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ دیہاتی علاقوں میں یہ کھلونے زیادہ تر عید یا کسی بزرگ کے عرس کے موقع پر دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے عام دنوں میں دیہاتی والدین کی جیب بھی بچ جاتی ہے اور بچے بھی اسلحہ کلچر سے کچھ دور رہ جاتے ہیں۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق گزشتہ دو دہائیوں سے عید، شب برات اور دیگر تہواروں پر بچوں میں جوتوں کپڑوں، شوخ رنگ چشموں اور گھڑیوں کے ساتھ ساتھ کھلونا ہتھیاروں کی خریداری کا، رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہمارے گھر، گلی محلے میں اکثر بچے اصل جیسی نظر آنے والی کھلونا پستولوں، کلاشنکوفوں، بندوقوں ٹینکوں سے لیس کھیل کھیل میں ایک دوسرے پر فائرنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ اُس وقت بچوں کی چال ڈھال اور چہروں کے تاثر دیکھ کر صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بچے اپنے آپ کو فوجی، پولیس مین یا پھر دہشتگرد کے کردار میں ڈھال کر اپنے کھیل میں مصروف ہیں۔ ماضی میں ہمارے بچوں کے ہاتھوں میں ہمارے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے امن کی علامت رکھنے والے روایاتی کھلونے ہوا کرتے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں پانچ سالوں میں کھلونا ہتھیاروں کی فرخت میں 70 سے 80 فیصد اضافہ

دیکھنے میں آیا ہے۔اس سال چین سے تقریباً7 کروڑ سے زائد مالیت کے کھلونا ہتھیار درآمد کئے گئے۔ کراچی میں کھلونا ہتھیاروں کے دس بڑے تاجر بازار کی ڈیمانڈ کے مطابق خصوصی آرڈر پر یہ ہتھیار جن میں ٹی ٹی پستول ،کلاشنکوف، ریوالور،ایل ایم جی لیزر گنیں، رپیٹراور دیگر ہتھیار شامل ہیں چین سے درآمد کرکے بازار میں سپلائی، کرتے ہیں۔ مستقبل کے معماروں کے ہاتھوں میں قلم ،کتاب اور روائتی کھلونوں کی بجائے خطرناک ہتھیار کھلونے دے کر ہم معاشرے میں جن رجحانات کو جنم دے رہے ہیں وہ کسی بھی امن پسند معاشرے اور ریاست کے لئے کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔کھلونا ہتھیار نہ صرف نفسیاتی طور پر بچوں پر بُرے اثرات مرتب کرتے ہیں بلکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ کھلونا ہتھیاروں کی بچوں میں مقبولیت معاشرے میں عدم برداشت اور شدت پسندانہ رویوں کو جنم دیتی ہے۔کھلونا ہتھیاروں میں گولی کی جگہ استعمال ہونے والے چھرلے کئی فٹ تک اپنے ہدف کونشانہ بناکرزخمی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان چھرلوں سے اب تک سب سے زیادہ نقصان آنکھوں کا ہوا ہے۔ ہتھیاروں سے لیس بچوں کی آپس لڑائی اگرچہ کھیل ہی ہوتی ہے پر اس کھیل میں اب تک کئی بچوں کی آنکھوں میں چھرلے لگنے سے اُن کی بینائی ضائع ہوچکی ہے۔جدید ہتھیاروں سے لیس کسی فلم،ڈرامے ،دودھ، صابن کی مشہوری میں دیکھایا جانے والا کمانڈریا ویڈیوگیم کا ہیرو بچوں کے معصوم ذہنوں پر ایسے نقوش چھوڑتا ہے جن کو مٹانابہت مشکل کام ہے ۔والدین اور اساتذہ بھی بچوں کو کوئی بات منوانے کے لئے اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ آپ

نے بھی کمانڈر صاف صاف بننا ہے تو یہ کام کیا کرو، یہ کھایا کرو اور یہ پڑھا کرو۔ ہمارے بچے اکثر کمانڈر صاف صاف یا چھوٹا بین بن کر اُڑنا چاہتے ہیں۔ بڑے بڑے خیالی جنوں چڑیلوں اور سڑماڑوں کے ساتھ زور آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں، کو اچھے سکول اور مدرسوں میں پڑھنے بھیج کر فکر محسوس کرتے ہیں، اُن کو ٹیلی وژن اور کمپیوٹر تک رسائی دے کر معاشرے میں پھیلی بُرائیوں سے محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں پر ان سکولوں اور مدرسوں میں غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے ساتھ ساتھ اسلحہ سے لیس کمانڈر صاف صاف کی تصویریں بطور ہیرو دیواروں پر لگی ہوتی ہیں اور گھروں میں ٹیلی وژن اور کمپوٹر پر بھی وہی کردار بچوں کے دل کو بھاتے ہیں۔ یہی وہ حالات ہیں جو مستقبل کے معمار معصوم بچوں کے خیالات کو حقیقت کی دنیا سے دور اور اسلحہ سے لیس طلسماتی دنیا کے قریب تر کر رہے ہیں۔ بچے حقیقت میں کمانڈر صاف صاف اور چھوٹے بین کی طرح ہوا میں اُڑنا چاہتے ہیں، اُنہیں کی طرح چلتے، بولتے اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ عام طور پر والدین اپنے بچوں کا کمانڈر صاف صاف بننے کا شوق پورا کرنے کے لئے اُنہیں کھلونا ہتھیار خرید کر دے دیتے ہیں پر وہ یہ نہیں جانتے کہ کمانڈر صاف صاف صرف ایک کارٹون ہے جو ہوا میں اُڑتا ہے اپنے جسم سے ہزاروں گنا بڑی چیزوں کو اُٹھا کر ایک سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے جبکہ ہمارے بچے کارٹون، کسی فلم، ڈرامے یا کسی ویڈیو گیم کا فرضی کردار نہیں بلکہ ہمارا آنے والا کل ہیں جسے ہم جس قدر حقیقت کے قریب رکھیں گے اُتنا ہی بہتر

ہوگا۔

ڈگری برائے فروخت

بے روزگاری ایسا درخت ہے جس کی ہر شاخ پر محرومیاں مجبوریاں، رسوائیاں، پریشانیاں اپنے آشیانے مضبوط تر کرچکیں ہیں، بد قسمتی یہ ہے کہ، جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بجائے ہم سب مل کر اس منحوس درخت کو پھلنے پھولنے کیلئے مناسب ماحول فراہم کر رہے ہیں۔ دنیا بھر میں تمام جرائم بے روزگاری، غربت اور مہنگائی کے باعث شروع ہوتے ہیں جو بعد میں افراد کی مجبوری اور عادت بن جاتے ہیں۔ بے روزگار افراد کے دلوں میں محرومی کا احساس پیدا ہوجائے تو پھر وہ اچھے بُرے کی تمیز بھول کر کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ قتل و غارت، چوری و ڈکیتی، لوٹ، کھسوٹ اور دھوکہ فریب اور ان جیسے دیگر جرائم کی تعلیم و تربیت بے روزگاری کی یونیورسٹی سے حاصل ہوتی ہے یہ دنیا کی واحد تعلیم ہے جس کی نہ تو کوئی سند، ڈگری یا سرٹیفکیٹ ہوتا اور نہ ہی کسی شفارش اور رشوت کی ضرورت پیش آتی ہے بس جرم کی دنیا میں قدم رکھا تو پھر واپسی بہت مشکل ہے۔ بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے کہ پاکستان میں بے روزگاری کی شرح دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ کسی قوم کے تمام افراد کا روزگار اچھا ہو تو ان میں خود کفالت کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے بیروزگاری دنیا کے ہر کونے میں پائی جاتی ہے اس مسلے کو حل کرنے کیلئے اقدامات کرنا عالمی حکمرانوں کی ذمہ اری ہے۔ پاکستان میں بیروزگاری کا مسئلہ مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے

کیونکہ یہاں روزگار کے مواقع بہت کم اور شرح خواندگی کا تناسب بھی بہت نیچے ہے ۔انٹر نیشنل نیوز ایجنسی 'میڈیا ورلڈ لائن' کی رپورٹ کے مطابق غربت کے حوالے سے کی گئی ایک تحقیق میں سامنے آیا ہے کہ ہر تیسرا پاکستانی غربت کی گرفت میں ہے یعنی اٹھارہ کروڑ کی آبادی میں سے پانچ کروڑ ستاسی لاکھ افراد غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ان افراد میں بلوچستان کی نصف سے زائد، سندھ کی 37 فیصد، خیبر پختونخواہ کی بتیس فیصد اور پنجاب کی 21 فیصد آبادیاں شامل ہیں۔ایس ڈی پی آئی کی تحقیق میں 20 غریب ترین اضلاع کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں سولہ کا تعلق بلوچستان سے ہے۔یہی وہ حقائق ہیں جو عوام کے سامنے لانے سے حکمران گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں۔

شاعر: ملک محمد جمشید اعظم نے غربت میں پیش آنے والی مشکلات کو معصومیت بھرے انداز میں یوں بیان کیا ہے

کتنا مجبور کتنا لاچار بنا دیتی ہے یہ غربت
انسان کو حیوان بنا دیتی ہے یہ غربت
عقلمند کو بے عقل بنا دیتی ہے یہ غربت
خوبصورت کو بدصورت بنا دیتی ہے یہ غربت
بے پناہ گھروں کو تباہ کر دیتی ہے یہ غربت
ہر کوئی پوچھتا ہے کہ کیا ہوتی ہے یہ غربت

نہ میں جانوں نہ تو جانے کہ کیا ہوتی ہے یہ غربت
دراصل وہی جانے جس نے دیکھی ہے یہ غربت

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حکمران ملک میں بڑھتی ہوئی غربت اور اُس سے پیدا ہونے والے بحران زدہ حالات سے واقف ہی نہیں ہیں، جیسے انھیں عام آدمی کے مسائل سے دلچسپی ہے اور نہ ہی ایوانوں میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی کے عام آدمی کے مسائل کے حل سے متعلق قانون سازی کی جائے۔ بھاری ٹیکسوں سے کچل
کر بیروزگاروں کو غربت کی لکیر سے نیچے رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے، مزدور طبقے اور عام آدمی کو بنیادی سہولیات جن میں اہم ترین تعلیم، صحت و علاج، صاف پانی، انصاف کی فراہمی ، غذائی ضروریات، ملازمت، روزگار، اور دیگر بنیادی ضروریات سے محروم کر دیا گیا ہے۔ مسلسل بے روزگاری اور غربت سے تنگ آ کر لوگ اپنا قدرتی وسائل سے مالامال وطن چھوڑ کر دیار غیر میں زندگی تلاش کرنے کی کوشش پر مجبور ہو جائیں تو یہ حکمرانوں ہی نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد کیلئے شرم اور فکر کی بات ہے۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن برائے مہاجرین UNHCR کے مطابق رواں سال جنوری سے اگست کے مہینے تک 13 ہزار سے زائد پاکستانی سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لے ترکی یونان کے راستے مغربی یورپ پہنچے۔ ایسے پاکستانی تارکین وطن کے بقول وہ اپنا گھر بار چھوڑنے کا فیصلہ غربت ، بے روزگاری مذہبی ، معاشرتی عدم برداشت، معاشی عدم استحکام اور بنیادی سہولیات کی عدم دستیابی جیسے مسائل سے نجات پانے کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے مقصد کے

حصول کے لیے پھر وہ انتہائی حد تک تکالیف اور خطرات کا سامنا بھی کرتے
ہیں۔خیر غربت اور بے روزگاری صرف پاکستان ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ اس وقت اِن
مصیبتوں کا سامنا پوری دنیا کو ہے۔آج پوری دنیا میں بے روزگاری اور مہنگائی کے پھلتے
ہوئے طوفان نے غربت کا دائرہ بڑھادیا ہے اور اسی تناسب سے غریبوں کی تعداد میں
بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ غربت اب صرف ترقی پذیر ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی
پاؤں پھیلا چکی ہے۔ وہ ممالک جو کبھی خوابوں کی سرزمین کہلاتے تھے یعنی امریکہ
اور یورپ بھی بے روزگاری کی بڑھتی شرح اور غریبوں کی تعداد میں اضافہ سے پریشان
ہیں۔جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ گزشتہ دنوں ایک ایسی خبر سامنے آئی جسے دیکھنے بعد
میرے جیسے کئی پاکستانی حیرانی کے سمندر میں ڈوب گئے ہوں گے۔فلوریڈا اسٹیٹ
یونیورسٹی کی طالبہ اسٹیفنی ریٹر نے گریجویشن کے بعد ملنے والی ملازمت سے غیر مطمئین
ہو کر اپنا چار سالہ تھیٹر کا ڈپلومہ فروخت کرنے کے لیے 'ای بے' پر اشتہار دیا
ہے۔ویب سائٹ نیوز فیڈ کے مطابق، اسٹیفنی نے 2011 میں تھیٹر میں ڈپلومہ کیا تھا
اور وہ اب تک بطور ایک اسسٹنٹ کے ملازمت کر رہی ہے، جب کہ اس کا تعلیمی قرضہ ،
ہزار ڈالر ہے۔اسٹیفنی نے ذرائع کو بتایا کہ ایک دن جب میں اپنے کمرے کی 40
صفائی کر رہی تھی، تو مجھے اپنے ہائی اسکول،کالج کی سند اور یونیورسٹی کا ڈپلومہ ملا، میں نے
سوچا کہ کاغذ کا یہ ٹکڑا بہت سے لوگوں کے لیے قیمتی ہو گا پر میرے لیے تھیٹر کی ڈگری کے
ساتھ اس شہر میں ملازمت کے مواقع ملنے کے امکانات کم

ہیں لہٰذا، میں نے اپنی ڈگری کو بیچنے کا فیصلہ کرلیا کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ تھیٹر کے ڈپلومے کی اہمیت کم نہیں ہے۔ فیڈرل ریزرو بنک آف نیویارک کی ایک حالیہ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ صرف 27 فیصد گریجویٹ طلبہ اپنی ڈگری سے متعلقہ ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔اس طرح کی صورت حال میں بہت سے گریجویٹ حد درجہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب وہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی ڈگری پر کتنا خرچ کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہزاروں ڈالر کے قرضوں میں ڈوب گئے ہیں۔ ای کامرس کی ویب سائٹ ’ای بے‘ پر اپنے اشتہار میں اسٹیفنی نے لکھا ہے کہ وہ اپنی فلوریڈا اسٹیٹ یونیورسٹی کی ڈگری 50 ہزار ڈالر میں فروخت کر رہی ہےاور 10 ہزار ڈالر اس میں قرضے کے علاوہ ہیں، جو وہ اپنے چار سالہ تجربے کے بدلے میں وصول کرنا چاہتی ہے۔ اسٹیفنی نے اشتہار میں اپنے تجربے کے حوالے سے تفصیل بیان کی ہے، جس میں یونیورسٹی کا دورہ شامل ہے، اس کے علاوہ یونیورسٹی کے فیس بک اور یونیورسٹی کی تمام یادوں کے ریکارڈ تک رسائی شامل ہے۔علاوہ ازیں اسٹیفنی اتوار سے جمعرات تک صبح سات بجے سے رات دس بجے تک ڈگری کے خریدار کے ساتھ براہ راست اپنی یادیں اور تجربہ شیئر کرنے کے لیے بھی تیار ہے اور ساتھ ہی وہ کرائے کی کار میں ڈگری خریدنے والے طالب علم کو شہر گھومانے کا ارادا بھی رکھتی ہے۔ اسٹیفنی نے کہا کہ کالج کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے طلبہ کو قرضے کے حوالے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ اپنی موجودہ صورت حال سے پریشان

ہونے کے باوجود، وہ دوبارہ سے یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی ہے پر اس بار وہ ایک ایسے شہر کی یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتی ہے، جہاں ملازمت کے مواقع زیادہ ہیں تاکہ وہ اپنے اخراجات کو باآسانی برداشت کرسکے۔ جن انسانی معاشروں میں اعلیٰ تعلیمی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی لوگ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے قابل نا ہوسکیں یا دوسرے لفظوں باعزت روزگار حاصل کرنے میں ناکام ہوجائیں وہاں کم تعلیم یافتہ یا اَن پڑھ افراد کو جینے کا کیا حق ہوسکتا ہے؟ امن وانسانیت کے علمبرداروں اب یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بے روزگاری کے جن کو بوتل میں بند کیے بغیر انسانیت کی فلاح وبقا کی باتیں بے بنیاد ہیں، آج بیروزگاری کے خاتمے کیلئے اقدامات نہ کیے گئے تو پھر انسانی مستقبل بہت تاریخ ہوگا۔

سود کی گنجائش، لعنت ہے

میاں محمد شریف (مرحوم) جن کا ایک بیٹا میاں محمد نواز شریف اس وقت وزیر اعظم پاکستان اور دوسر بیٹا میاں محمد شہباز شریف اوزیر اعلیٰ پنجاب ہے اپنی اہلیہ کے ساتھ اکثر رات کے دو بجے داتا دربار میں حاضری کے لیے آتے وہاں موجود راقم کے مرشد سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست جو اس وقت عالم مجذوبی میں تھے سے دعا کی درخواست کرتے، شاہ صاحب نے میاں محمد شریف سے فرمایا ! میاں صاحب آپ چوہدری نہیں بن سکتے حکمران بنیں ۔میاں شریف نے کہا کہ کسی بزرگ نے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ چوہدری نہ بنیں بلکہ حکمران بنیں ۔ایک موقع پر میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان کے والد میاں محمد شریف نے محمد رفیق باجوہ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کی موجودگی میں آپ سے وعدہ کیا کہ دوبارہ ہماری حکومت آگئی تو ملک سے سودی نظام ختم کر دینگے ۔پر دوبارہ حکومت ملنے کے باوجود ایسا نہ ہو سکا اسی وجہ سے آپ میاں محمد شریف سے ناراض ہو گئے۔آپ کا فرمان ہے ملک سے سودی نظام ختم ہو جائے تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور ملک امن کا گہوارہ بن جائے گا۔ سودی نظام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کھلی جنگ ہے ۔سود میں فلاح نہیں بلکہ تباہی ورسوائی ہے ہم ایٹمی طاقت بن کر بھی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ۔سود کا خاتمہ ممکن ہے درجنوں لوگوں کو زکوۃ دینے کی بجائے ایک شخص کو زکوۃ دی جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار شروع

کر لے اسی طرح دوسرے بندے کو بھی کاروبار کے لیے ذکوۃ دیں تاکہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔درویش وقت کے ساتھ کیا ہوامیاں محمد شریف کا وعدہ یاد لانے کا مقصدروزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف اور وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی توجہ سودی نظام کی طرف دلانا ہے تاکہ وہ اپنے والد کا کیا وعدہ وفا کرکے نہ صرف سید عرفان شاہ صاحب کو راضی کریں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھی سرخرو ہوجائیں۔میراآج کا موضع ہے ’سود کی گنجائش،لعنت ہے‘ ہے بہت دنوں سے ذہن میں سود کے حوالے سے کچھ سوالات گردش کررہے تھے جو اپنے ملک کی اسلامی خاص طور پر سیاست میں حصہ لینے اور حکومتوں میں شامل رہنے والی اسلامی جماعتوں کے امیروں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا تھا۔جناب صدرپاکستان کابیان جس میں انھوں نے علماء کو قرض پر سود کی گنجائش پیدا کرنے کی اپیل کی سن کراپنی اور علماء اکرام کی حالت پر شرم محسوس ہونے لگی ہے۔علماء دین حق اسلام) سود کیخلاف اعلان جنگ کو عملی شکل دے چکے ہوتے تو کوئی اُن سے قرض) پر سود لینے کی گنجائش پیدا کرنے کی بات نہ کرتا،اتنی بڑی بات وہ بھی میڈیاکے سامنے کسی اُمید پر ہی کی جاسکتی ہے۔اورپھر چار،پانچ دن گزر جانے کے باوجود کوئی سخت ردعمل نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ امیرآدمی چاہےاللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف بھی کرلے علماء ٹھنڈے رہیں گے ۔مسلمانوں کے ساتھ سود کیلئے گنجائش پیدا کرنے کی بات کوئی غیر مذہب بھی نہیں کرتا۔کون جانے ہمارے حکمرانوں کا تعلق ہی مذہب سود کے

ساتھ ہے؟ سوتے جاگتے سود کی تسبیح پڑھتے ہونگے یہ لوگ تب ہی تو ڑی جرات مندی کے ساتھ علماء سے سود کی گنجائش پیدا کرنے کی اپیل کرڈالی ورنہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کو اللہ تعالی کی قائم کردہ حدود پھلانگنے کی ہمت کیسے ہوتی؟ اتنا تو عام سے عام مسلمان بھی جانتا ہے کہ سودی لین دین کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے اوراللہ تعالی کا دین (اسلام) سختی سے ہر قسم کے حرام سے دور رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔ راقم سود کے خلاف اس قبل بھی کئی دفعہ قلم اُٹھا چکا ہے پر آج علماء کرام کی خدمت میں کچھ سوالات پیش کرنے کی جسارت کروں گا۔ سود کے خلاف کھری اور سچی دلیلیں پیش کروں گا "نبی کریم ﷺ نے سود کے حرام ہونے کے حوالے سے فرمایا کہ یہ قانون پوری انسانیت کی تعمیر واصلاح اور فلاح کے لئے ہے۔ لہٰذا اس کا اطلاق نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں پر بھی ہوگا۔ نبی کریمؐ کے اس فرمان کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک جرم بن گیا ہے۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے نبی کریمؐ نے اُن کو اپنے اعمال کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو اُن کے خلاف جنگ کی جائے گی "یعنی سرکار دو عالم ﷺ نے سود کا لین دین کرنے والوں کے خلاف اعلان جہاد (جنگ) فرما کر یہ بات واضع کر دی کہ سود کا کاروبار کرنے والے اللہ تعالی اور اُس کے دین کے دشمن ہیں۔ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت میں اندرونی خود مختاری دی گئی تو معاہدہ میں تصریح کر دی گئی کہ سودی کاروبار کروگے تو معاہدہ ختم ہو جائے گا اور

ہمارے تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہوجائے گی۔ سرکار دو عالمؐ نے جب اہل طائف کے ساتھ معاہدہ امن کیا تو سودی لین دین کے خاتمے کی شرط لگائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ جو شخص اسلامی مملکت میں سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اُس کی گردن اُڑا دے پر افسوس کہ ہمارے صدر صاحب تو علماء کو سود لینے دینے کی گنجائش نکالنے کا حکم صادر فرما رہے ہیں۔ کوئی صدر صاحب کو بتائے کہ علماء دین اسلام کے مالک نہیں جو گنجائش پیدا کرسکیں اور یاد رکھو اسلام میں کسی قسم کی تبدیلی تو یزید بھی نہیں کرواسکا۔ سودی لین دین کرنے والوں اور اُن کے نظام حکومت کے خلاف اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ نے اعلان جنگ فرمایا ہے۔ میرا پاکستان کے تمام علماء کرام کی خدمت میں یہ سوال ہے کہ سود کے خلاف خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب ﷺ نے اعلان جنگ کر رکھا ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کو ماننے والے سودی نظام کا حصہ اس قدر خاموشی کے ساتھ کس طرح بن سکتے ہیں؟ جس طرح آج ہم بن چکے ہیں ۔جب ہماری حکومتیں آئی ایم ایف سے سود پر قرض لیتی اور اپنے ملک کے نوجوانوں کو سود پر قرض دیتی ہیں تو مسلمان اور اہل علم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کیوں نہیں کرتے ؟آخر وہ کون سی مجبوری ہے جس نے علماء کرام کو سودی نظام کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک رکھا ہے ؟آخر وہ کون سی زنجیریں ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑ

رکھے ہیں؟ کیوں ہم اُن لوگوں کے ساتھ لین دین کرتے ہیں جن کا جینا مرنا، اُوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، سونا جاگنا یہاں تک کہ ہر عمل سودی نظام میں لت پت ہے؟ ہمارے علماء کرام نے کوئی نیا اسلام دریافت کرلیا ہے جس میں سود کو حرام کی بجائے حلال ہونے کا شرف حاصل ہے تو پھر علماء قوم کو اُس دین سے آگاہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ لڑنے والوں کے ساتھ سودی نظام میں رہتے ہوئے کوئی امن معاہدہ طے پاچکا ہے تو پھر علماء صاحبان صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ اب سود اُس قدر حرام نہیں رہا۔ صدر پاکستان نے سودی نظام کے حق میں گنجائش پیدا کرنے کی بات میڈیا کے سامنے کی ہے تو اندر کیا کیا ہوتا ہوگا؟ مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے سوالات کو مزید الفاظ دینے کی کوشش کروں گا تو ممکن ہے گمراہی کی حد سے گزر جاؤں اس لئے میں آج علماء کرام کی خدمت میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ سوال رکھتا ہوں کہ سرعام سود کا نظام چل رہا ہے ہم کب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اس نظام حرام کے خلاف اعلان جنگ کریں گے؟ کب تک ہم حرام کھانے کے بہانے تلاش کرتے رہیں گے؟ کب تک اس ظلم کے نظام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے؟ علماء کرام سے سنا ہے کہ جو مسلمان غلطی سے (بے خبری میں) حرام کھالے بارگاہ الٰہی میں 40 روز تک اُس کی دعا قبول نہیں ہوتی یعنی بے خبری میں حرام کھانے والا مسلمان 40 روز تک بارگاہ الٰہی سے دور ہوجاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ حرام نہ کھانے والے مسلمان کی جائز دعا بارگاہ الٰہی میں کبھی رد

نہیں ہوتی۔ قارئین محترم ذرہ غور کریں بے خبری میں حرام کھانے سے انسان اپنے رب کی بارگاہ سے دور ہوجاتا ہے تو پھر جان بوجھ کر روزانہ حرام کھانے والوں کا کیا حال ہوگا؟پوری کی پوری قوم نظام حرام کی دلدل میں پاؤں سے سر کے بالوں تک ڈوب چکی ہو، چاروں اطراف سے سودی لین دین کرے۔یعنی اپنے رب اوراُس کے رسولؐ کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ اُن سے جنگ لڑے تواُس قوم کو ذلیل و رسوا ہونے سے کون بچاسکتا ہے ؟کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتا ہے ؟کون ہے جو ہمیں حرام کھانے کے باوجود بارگاہ الٰہی میں مقبول کردے ؟کون ہے جو اس جنگ میں ہمارے لئے فتح کا انتظام کرے گا؟آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے ہر نقصان کی ذمہ داری فوری طور پر امریکہ یا کسی اور ملک پر عائد کردیتے ہیں پر کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم توخود اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ قرض پر سود کی گنجائش نکالنے کی کوشش کرنے والے سن لیں، وہ حرام کھاناچاہتے ہیں یا کھاتے ہیں تو کھاتے رہیں اسلام کے اندر اللہ تعالیٰ نے سود حرام کیاہے اور جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے دے، اُسے دنیاکے کسی مولوی کا فتویٰ حلال نہیں کرسکتا۔ سود کھانے والوں پر اللہ رسول ﷺ اور تمام مخلوقات کی لعنت ہو۔

چھوٹا بجٹ بڑا دھماکہ

وفاقی وزیر خزانہ نے سالانہ وفاقی بجٹ کے بعد منتخب ایوانوں کی موجودگی میں بغیر کسی بحث اور منظوری کے چالیس ارب روپے کا منی بجٹ پیش کرتے ہوئے بڑے دھڑلے کے ساتھ عام آدمی پر اس مہنگائی کا بوجھ نہ ڈالنے کا دعویٰ بھی کر دیا ہے۔ چھوٹا بجٹ بڑا دھماکہ کرتے ہوئے چالیس ارب روپے کے نئے ریونیو اقدامات مسلط کرنے والوں سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ رہا کہ آج اتنے ظالم نہ بنو کہ کل مظلوم کا خون تمہاری گردن پر آ جائے، دودھ، دہی اور صابن جیسی دیگر عام ضرورتوں پر ٹیکس نہ لگانے کا کوئی مطالبہ کرتا دکھائی نہیں دیتا، ہر کوئی اس کشمکش ہے کہ آخر یہ عام آدمی ہے کون جس پر انتہاء درجہ مہنگائی کا اثر نہیں ہوتا؟ کیا پڑھے، لکھے کیا اَن پڑھ، باشعور یا بے شعور سب کے سب اس بات کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ عام آدمی کو کیسے ریلیف مل گیا؟

وزیر خزانہ نے گزشتہ روز پریس کانفرنس میں منی بجٹ کا اعلان کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ نئے ٹیکسوں کا بوجھ عام آدمی پر نہیں پڑیگا۔ انہوں نے فرمان جاری کیا کہ بجٹ میں متعین آمدن کے اہداف پورے نہ ہونے کے باعث اضافی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ کوئی وزیر خزانہ سے پوچھے کہ کم از کم عوام کو اتنا ہی بتادیں کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے بجٹ میں متعین اہداف پورے نہ کئے

جاسکے؟کیا بجٹ پیش کرنے کے بعد جمہوریت کی بجائے آمریت قائم ہو گئی تھی؟شکر ہے انہوں نے ملکی ترقی کی طرح بجٹ میں متعین اہداف کے پورا نہ ہونے میں دھرنوں کو رکاوٹ قرار نہیں دیا ورنہ پی ٹی آئی والے تو اُس خاص آدمی کے ہاتھوں مارے جاتے جس پر بوجھ پڑنے والا ہے۔بقول وزیر خزانہ نئے ریونیو اقدامات میں وزیراعظم کی ہدایت کے مطابق عام آدمی پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا گیا جبکہ ریونیو اقدامات سے عام آدمی کی روزمرہ کی ضروریات جن میں مرغی' مچھلی' شہد' پنیر' بسکٹ' اچار' جوس' مکھن' چیونگم' کافی' چائے' چلغوزہ' صابن' شیمپو' ٹوتھ پیسٹ' شیونگ آئٹمز' پرفیوم' انڈرگارمنٹس' بے بی سوٹ' جراب اور ڈائپرز تک شامل ہیں جن کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ٹی وی' اے سی' فریج ،کوکنگ رینج' واٹر ڈسپنسر' آٹومیٹک مشینز' مائیکرو ویو اوون رکھنے والے خاص آدمی کا پریشان ہونا بنتا ہے جبکہ باقی عوام اب بس اُس عام آدمی کی تلاش کرے جو مرغی نہ کھاتا ہو،جو دودھ نہ پیتا ہو،صابن ،شیمپو،ٹوتھ پیسٹ استعمال نہ کرتا ہو،جس کے بچے کو ڈائپرز اور جرابے پہنے کا حق نہ ہو،ایسا عام آدمی ملتے ہی اُسے اپنی گرفت میں کریں اور تب تک نہ جانے دیں جب تک کھانے،پینے

اور نہانے،دھونے کے بغیر زندہ رہنا نہ سیکھ لیں۔ہوسکتا ہے یہ عام آدمی پاکستان کا شہری ہی نہ ہو جس پر پاکستان میں مرغی' مچھلی' شہد' پنیر' بسکٹ' اچار' جوس' مکھن' چیونگم' کافی' چائے' چلغوزہ' صابن' شیمپو' ٹوتھ پیسٹ' شیونگ آئٹمز' پرفیوم' انڈرگارمنٹس' بے بی سوٹ' جراب اور ڈائپرز اور دیگر ضروریات زندگی مہنگی ہونے

پر بھی بوجھ نہیں پڑتا، ایسا ہے تو پھر قربان جائیں اپنے منتخب حکمرانوں کے ضروریات زندگی کی اشیاء کو انتہائی مہنگا بھی کرتے ہیں اور عام آدمی کو بھی اس بوجھ سے بچالیتے ہیں ۔کہیں ایسا تو نہیں کہ عام آدمی آئی ایم ایف والوں کو کہا گیا ہو جن سے 50 کروڑ ڈالر لینے کیلئے اُن کی شرائط پر پاکستان کے بے بس اور مجبور عوام پر 40 ارب روپے کے نئے ٹیکس مسلط کئے گئے ہیں۔پاکستانیوں خوشیاں مناؤکہ وطن عزیزاتنا ترقی یافتہ ہوچکا ہے کہ اب یہاں کوایسا فرد نہیں رہتا جس پر دودھ، دہی، بسکٹ، گھی، مرچ اور دال سبزی جیسی ضروریات مہنگی ہونے پر بوجھ پڑتا ہو۔پاکستان کا عام آدمی اس قابل ہوگیا ہے کہ اب وہ مرغی' مچھلی' شہد' پنیر' بسکٹ' اچار' جوس' مکھن' چیونگم' کافی' چائے' چلغوزہ' صابن' شیمپو' ٹوتھ پیسٹ' شیونگ آئٹمز' پرفیوم' انڈرگارمنٹس' بے بی سوٹ' جراب اور ڈائپرز کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔حکمرانوں نے ہر وقت عام آدمی کا خیال رکھا پھر بھی کچھ کم عقل کہہ رہے ہیں کہ حکومت نے نئے ٹیکس لگا کر عوام دشمنی کا ثبوت دیا

ہے۔وزیر جنانہ اومعافی چاہتا ہوں وزیر خزانہ نے 2015-2016ء میں بھی وفاقی بجٹ پیش کرتے وقت عام آدمی پر ٹیکسوں کا بوجھ نہ ڈالنے کا دعویٰ کیا تھا۔نادان پاکستانیوں جس کا ہر وقت وزیراعظم کے حکم پر وزیر خزانہ خیال رکھے وہ عام کیسے ہو سکتا ہے ؟خواہ مخواہ اپنے آپ کو عام آدمی سمجھ کر خوش ہونے کی کوشش مت کرو۔وزیر خزانہ

دس، پندرہ ہزار یا اُس بھی کم کمانے والوں کا تو ہر وقت ذکر نہیں کر سکتے ناں یقیناً یہ عام آدمی آٹے دال کے بھاؤ سے بے

خبر ہوگا۔اس عام آدمی کی دوچار شوگر ملیں ،دوچار سٹیل ملیں،اور تو اور ہو سکتا ہے اُس کا ایک بھائی وزیر اعلیٰ پنجاب ہو جس کا ذکر وزیر خزانہ کرتے رہتے ہیں۔ مزدور عام آدمی نہیں ہوتا وہی تو آئی ایم ایف کا قرض سود سمیت ادا کریگا،وہی تو سالانہ اور منی بجٹ کا بوجھ خاموشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔جن حالات میں مزدور زندہ ہے اتنے بلند حوصلے کا مالک عام نہیں بلکہ بہت خاص ہوتا ہے۔وطن عزیز کے عام آدمی (حکمران) تو ہر وقت اللہ سے دُعا کرتے ہوں گے کہ اے اللہ ملک کے ہر عام خاص آدمی مزدر، عوام) کو سلامت رکھنا تاکہ وہ عام آدمی (حکمرانوں) کے گھر کو چلانے کیلیے دن رات محنت مشقت کے ساتھ اپنا خون پسینہ بہاتے رہیں۔

کرپشن سے پاک، صحت مند معاشرہ

دسمبر گزشتہ 12برس سے پوری دنیا میں کرپشن کے خلاف عالمی دن منایا جاتا ہے9 دنیا میں بڑھتی ہوئی کرپشن اور اس کے مضر اثرات کے پیش نظر دسمبر2003ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے9 دسمبر کو اینٹی کرپشن ڈے قرار دیا تاکہ اس دن لوگوں میں کرپشن جیسی لعنت کے خاتمے کیلئے شعور بیدار کیا جائے۔ کرپشن وہ ناسور ہے جو بنیادی انسانی حقوق ، معاشرتی ترقی وخوشحالی، عدل وانصاف، عام آدمی تک صحت و تعلیم کی سہولیات کی فراہمی اور دیگر جمہوری اقدار کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اب تکَ 150سے زائد ممالک اقوامِ متحدہ کے اس کنونشن پر دستخط کر چکے ہیں۔ پوری دنیا ہر سال 9دسمبر کو انسدادبدعنوانی کے عالمی دن کے طورپر مناتی ہے۔ ہمارے لئے مثبت بات یہ ہے کہ آج کل ملک کے اہم ترین اداروں میں کرپشن (بدعنوانی)کا ناسور اہم ترین موضوع بنا ہوا ہے۔ عزیز ہم وطنوں جب ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ بیمار ہونے کی صورت میں اچھے ڈاکٹر یا حکیم سے علاج کروانا ضروری ہوتا ہے تاکہ بیماری کی حالت میں کمزور سے کمزور تر ہونے سے پہلے بیماری سے نجات حاصل کر کے صحت مند زندگی بسر کی جاسکے۔اپنی ،اپنے بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کی صحت کے متعلق تو ہم بہت فکر مند ہو جاتے ہیں پر ملک کی رگوں میں مسلسل گردش کرتے کرپشن کے کینسر کا علاج کرنے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ذرہ سوچیں کہ کرپشن زدہ

ملک میں ہم کس طرح صحت مند زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ ہماری آئندہ نسلیں اس بیماری کی زد میں آنے سے کیسے بچ سکیں گی؟ ہم اپنے بچوں کو کرپشن سے پاک صحت مند معاشرہ دینا چاہتے ہیں تو پھر آج کرپشن جیسی لعنت کے خاتمے کیلئے سنجیدگی کیساتھ سچی لگن سے محنت کرنا ہوگی۔ یہ مسئلہ کوئی آج کی بات نہیں بلکہ صدیوں سے معاشرے کی جڑیں کاٹ رہاہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کرپشن گزشتہ چند سالوں میں پیدا ہونے والی بیماری ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کرپشن کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ کرپشن ہر دور موجود رہی ہے۔ دنیا کا کوئی معاشرہ نہیں جو یہ دعویٰ کرسکے کہ وہ کرپشن کے ناسور سے مکمل پاک اور محفوظ ہے یا تھا۔ یہ بات تو کسی حد تک ممکن ہے کہ پہلے اس کا دائرہ محدود ہوا کرتا ہو جبکہ تیز ترین ترقی کے حساب سے اس زہر نے اپنی سپیڈ میں اضافہ کردیاہے۔ کرپشن کا مسئلہ کسی ایک ملک، ریاست، شہر یا کسی خاص ادارے کا نہیں ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ کرپشن کا ناسور صرف کم ترقی یافتہ ملکوں ہی کو دیمک کی طرح چاٹ رہاہے بلکہ یہ مسئلہ ترقی یافتہ ملکوں میں بھی عروج حاصل کرچکا ہے۔ انتہائی دکھ کی بات ہے کہ پاکستان میں تو کرپشن کی انتہاء یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انتہائی

بااختیار ادارے بھی اس لعنت کے سامنے کمزور نظر آتے ہیں۔ ابھی چند روز قبل ہی قومی احتساب بیورو کے چیئرمین قمر زمان چوہدری نے اپنے ایک بیان میں تسلیم کیاکہ دہشت گردی کے بعد کرپشن دوسرا بڑا ناسور ہے۔ اُن کے خیال میں کرپشن کیخلاف سب کو مل کر جہاد کرنا ہوگا، کرپشن اور بد

عنوانی کے خلاف کسی ہتھیار سے کام نہیں لیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے آگاہی مہم چلانے کی ضرورت ہے ،پیار، محبت اور دلجوئی سے معاشرہ سے کرپشن کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے جس کیلئے نوجوان نسل ہی اپنا اہم کردار ادا کر سکتی ہے،انہوں نے درست کہا کہ کرپشن جیسی لعنت کے کاتمے کیلئے پوری قوم کو متحد ہو کر محنت کرنا ہوگی.جس طرح دہشت گردوں کے خلاف افواج پاکستان سمیت دوسرے سکیورٹی ادارے اور سول سوسائٹی فرائض سرانجام دے رہی ہے۔جہاں تک بات ہے متحد ہو کرلڑنے کی تواس سے بڑی حقیقت اور کوئی نہیں ہے۔پر راقم قمر زمان چوہدری کا ہم خیال نہیں اس لئے دہشتگردی کو نہیں بلکہ کرپشن اور حق تلفی کوپہلا ناسور خیال کرتا ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور میں تین بنیادی ستون بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں امن و سلامتی، انسانی حقوق اورترقی شامل ہیں۔ انسانی بنیادی حقوق کی فراہمی کے بغیر نہ امن و سلامتی قائم رہ سکتی اور نہ کوئی ملک یاریاست ترقی کی منازل طے کر سکتاہے۔جب انسان کوبنیادی حقوق حاصل نہیں ہونگے جن میں غذا، تعلیم اور صحت اہم ترین ہیں تواس کاشہر،ملک یاریاست کس طرح امن وسلامتی اورترقی کانمونہ بن سکتاہے۔ معاشرے سے حق تلفی کا عنصر ختم کردیا جائے تودہشتگری کے جن کو قابو کیاجاسکتاہے اور کرپشن کے خاتمے سے قبل حق تلفی کا خاتمہ ناممکن ہے۔ بد عنوانی ہمارے ملک کی ترقی و خوشحالی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے' کرپشن اور بدعنوانی کی وجہ سے تعلیم' صحت اور ریونیو کے معاملات جو کہ ہر شہری کی بنیادی سہولیات ہیں۔نیب لاہور نے 2015ء میں کل

درخواستیں وصول کیں۔ اس بڑی تعداد کا موصول ہونا لوگوں کے اس ادارے 4244 پر اعتماد کی دلیل ہے۔ نیب اب تک 264 بلین روپے نہ صرف وصول کر چکا ہے بلکہ ڈبل شاہ سکینڈل، ہاؤسنگ سوسائٹیز اور فاریکس کمپنیوں کے متاثرین اور قومی اداروں کو بھی ان کی امانتیں لوٹا چکا ہے۔ سربراہان نیب کی طرح ہی ملکی اداروں میں کرپشن کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہوئے لاہور ہائیکورٹ بار کی جانب سے دیئے گئے عشائیہ کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس انور ظہیر جمالی کا کہنا تھا کہ بد انتظامی اور کرپشن کے باعث ملک تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا ہے۔ اُن کا یہ کہنا بالکل حقیقت ہے کہ ملکی مسائل حل کرنے کے لیے آسمان سے کوئی نہیں اترے گا۔ ہم اپنے قومی وسائل ضائع کر رہے ہیں، لوگ بجلی پانی اور گیس چوری کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں۔ عام آدمی کو انصاف فراہم کرنے والے دو اہم ترین اداروں کے سربراہان کے کرپشن کیخلاف بیانات سامنے آنے کے بعد عوام کیا سوچتے ہوں گے ؟ چیف جسٹس آف پاکستان بے بس ہیں، قومی احتساب بیورو کے چیئرمین بھی لاچار ہیں تو پھر عام آدمی کیا کر سکتا ہے ؟ عام عوام کو انصاف فراہم کرنے والے بااختیار ادارے کرپشن کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے سے قاصر ہیں تو کیا اس بات کی اُمید کی جا سکتی ہے کہ ملک سے کبھی کرپشن اور بد انتظامی کا خاتمہ ممکن ہو سکے گا؟ کرپشن ایسا قاتل مرض ہے جو چھوت کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس موذی مرض نے ہماری معاشرتی، سیاسی اور روحانی زندگی کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ بین الاقوامی

غیر سرکاری تنظیم ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کے مطابق پاکستان میں ہر سال کرپشن میں اضافہ جبکہ قانون کی پاسداری میں کمی ہورہی ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی کرپشن کی لہر کی بڑی وجہ ملک میں موثر اور سخت احتساب کے قانون کی عدم موجودگی اور موجود قوانین پر عمل درآمد نہ ہونا ہے۔ پاکستان کا ہمسایہ ملک چین قیام پاکستان کے دو برس بعد آزاد ہوا۔ اس حساب سے چین پاکستان سے دو سال چھوٹا ہے۔ جب ترقی کے حساب سے دیکھا جائے تو پاکستان کئی صدیاں چین سے پیچھے ہے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ 1949ء کو آزاد ہونے والا چین نئی صدی میں دنیا کی سب سے بڑی معاشی و اقتصادی طاقت بن کر ابھرے گا۔ راقم کے خیال میں چین کی ترقی کا راز مشکل اور بڑے فیصلے اور ان پر سختی سے عمل درآمد ہے۔ چین میں نگرانی کا نظام موثر بنا کر کرپشن کی سزا موت مقرر کر دی گئی۔ شفافیت کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ان تمام حکمت عملیوں کے نتائج اور ثمرات سے عوام کو اچھی طرح آگاہ کیا گیا۔ انتہائی مشکل اور سخت فیصلوں پر بین الاقوامی دباؤ کے باوجود سختی سے عملدرآمد کیا گیا۔ کرپشن کی سزا موت اور باقی جرائم کی سخت ترین سزاؤں کے قانون پر سختی سے عملدرآمد کی وجہ سے ملک کالی بھیڑوں سے پاک ہوگیا۔ چین کے وسائل اور قومی خزانے پر بری نظر رکھنے والے چور، ڈاکو سمجھ گئے کہ وہاں اب دال نہیں گلنے والی اور وہاں سے غائب ہوگئے۔ اس طرح محب وطن محنت کش، فرض شناس، جفاکش اور وفادار طبقے کی حوصلہ افزائی ہوئی، ملک کے اہم، ترین انتظامی عہدوں پر ایمان دار اور محب وطن لوگوں

کو اپنا حقیقی کردار ادا کرنے کا موقع ملا جس کی بدولت ایک لاغر اور کمزور قوم نے ایسی ترقی کی کہ دنیا کو حیران کر دیا۔آج چین کا سکہ دنیا میں ہر جگہ چلتا ہے۔ معاشی لحاظ سے چیں جاپان کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ دنیا کی بہترین کمپنیوں میں امریکا کے بعد چین کا نام آتا ہے۔ میری نظر میں چین کی ترقی کا راز کرپشن کی سزا موت طے کرکے اس پر سختی سے عملدرآمد کرنے میں ہے۔ کیونکہ کرپشن ایسا درخت ہے جس کی ، رشوت سفارش ،اقربا پروری شاخیں ہیں۔ چین نے اس کرپشن کے پودے کو درخت کو بننے، سے پہلے ہی کاٹ دیا جس کی وجہ سے آج چینی قوم باوقار زندگی بسر کر رہی ہے ۔پاکستانی قوم نے شروع سے ہی کرپٹ لوگوں کو سزا دینے کی بجائے ملک کے اعلیٰ ترین ایوانوں میں بیٹھا دیا جس کی وجہ سے محب وطن طبقہ ذلیل ورسوا ہو کر خاموشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔آج پاکستان میں کرپشن کا درخت اتنا تناور ہو چکا ہے کہ اس کی شاخوں پر رشوت ، سفارش ، اقرباپروری ، بے روزگاری ،لوڈشیڈنگ دہشتگردی، مہنگائی، بدامنی، ٹارگٹ کلنگ، ناانصافی، کی شکل میں پھول اور پھل نکل، آئیں ہیں ، یہ درخت بہت سایہ دار ہو چکا ہے جس پر ہزاروں خون خوار پرندوں نے کنکریٹ سے اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں ۔اور بہت سے خون خوار جانوروں نے اس کی گہری چھاؤں میں اپنے محلات تعمیر کر لیے ہیں۔ یہ خون خوار پرندے اور جانور جن کا اوڑھنا بچھونا کرپشن ہے یوم پیدائش سے ہی پاکستان کے وسائل اور قومی خزانے کو گدھوں کی طرح نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، جس کی وجہ سے ملک میں کاروبار ختم معیشت برباد اورامن،

وامان تباہ ہوچکا ہے۔آج پاکستانی قوم بدترین بدحالی کے عالم میں خودکشیاں کرنے پر مجبور ہے۔پاکستان جیسے غریب ملک کے تمام حکمران ہی نہیں بلکہ ہم سب مل کر کرپشن کی بہتی گنگا میں صرف ہاتھ ہی نہیں دھورہے بلکہ ننگے نہارہے ہیں۔پاکستانیوں کی کیلئے خوشی کی بات یہ ہے کہ آج کل نیب کرپٹ افراد کیخلاف کارروائی کررہاہے۔جنھوں نے ملکی دولت،وسائل کو بے دردی سے لوٹایااپنے عہدے اوراختیارات کوغلط استعمال کرتے ہوئے حرام مال ودولت کمائی،نیب کی کارروائیاں حوصلہ افزاء تو ہیں پرابھی بہت کام باقی ہے کیونکہ چھوٹے چھوٹے چوروں کے ساتھ بڑے مگرمچھوں کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالاگیاتوپھرکوئی فائدہ نہیں ہوگا۔پاکستانی قوم چاہتی ہے کہ اب بلاامتیازاحتساب کیا جائے،سیاست میں کرپٹ لوگ موجودہیں توکیاہوا کوئی بھی پاکستان سے زیادہ اہم نہیں۔بلاتفریق سب کا احتساب ہونا چاہیے۔سیاستدانوں،سول وملٹری بیوروکریسی کسی کیلئے بھی دوہرامعیار نہ بنایا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دُعاہے کہ ہمیں مل کرسودی نظام،کرپشن،بدامنی،بے روزگاری سمیت تمام مشکلات کا سامنا کرنے اورپاکستان کو ترقی کے راستے پرگامزن کرنے کی توفیق وطاقت عطاہو،اے اللہ ہمارے پیارے پاکستان اوردنیا میں بسنے والے انسانوں پررحمت فرما۔

آپریشن غیر سیاسی اور بلا امتیاز ہے

گزشتہ روز میڈیا میں سابق صدر آصف علی زرداری کا بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے کراچی کے امن وامان کی صورتحال پر کھلے لفظوں میں بات کی۔اُن کا کہنا تھا کہ کراچی میں امن کے نام پر مذاق کا سلسلہ بند کیا جائے، طاقت کے ذریعے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید اُلجھتے ہیں۔امن وامان کی صورتحال بہتر بنانے کیلئے جمہوری عمل کو آگے بڑھنا چاہئے۔صرف منتخب حکومت ہی کراچی میں امن قائم کر سکتی ہے۔جناب آصف علی زرداری نے درست فرمایا کہ پائیدار امن صرف اور صرف جمہوری روایات پر عمل پیرا ہو کر ہی قائم کیا جاسکتا ہے پر حیرانگی اس بات پر ہوئی کہ جب وہ پانچ سال تک پاکستان پر حکومت کرتے رہے اُس وقت وہ اپنے خیالات کے مطابق کراچی کا امن بحال کیوں نہ کر سکے؟اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیااس وقت جمہوری حکومت موجود نہیں ہے؟کراچی آپریشن کومذاق کا لقب دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔جناب آصف علی زرداری صاحب آپ پانچ سال تک صدر پاکستان رہے اور اپنے دورحکومت میں آپ کراچی کی صورتحال میں بہتری نہیں لاسکے جبکہ حالات حاضرہ کے مطابق کراچی میں امن وامان کی صورتحال خاصی بہتر ہے اس لئے.برائے مہربانی آپریشن کو مذاق کہنے کی بجائے وفاقی حکومت اورافواج پاکستان کا بھرپور ساتھ دیں نہ کہ چند کرپٹ افراد کا کیونکہ ہم جن شرپسند عناصر کے خلاف لڑ رہے وہ جمہوریت کی

زبان سمجھتے ہیں نہ ہی آمریت کی وہ بم، گولی، بوری بند لاشوں کی زبان میں بات کرتے ہیں تو کس طرح درندوں کو کھلے عام قتل وغارت کرنے کی اجازت دی جائے؟ دہشتگردی کیخلاف افواج پاکستان اور پاکستانی قوم کی قربانیوں کو دنیا تسلیم کر رہی ہے جبکہ دوسری جانب دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والی دہشتگردی کے پیچھے پاکستان کو تلاش کیا جاتا ہے اس لئے اب وقت نہیں ہے کہ امن کے لئے ہونے والے آپریشن کو مذاق کہا جائے۔ دہشتگردوں کو یہ پیغام پہنچ چکا ہے کہ ہم متحد اور ہر وقت ہر میدان میں امن کے دشمنوں کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ انسانیت کی بقاء میں لڑی جانے والی ہر جنگ میں پاکستانی قوم ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہے اور اپنی قوم کے جانثاروں کی قدر کرتی ہے

خون دل دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

پیدائشی طور پر ہر انسان کے پاس جان، عزت وآبرو کی دولت ہوتی ہے جبکہ اس دنیا میں باوقار طریقے سے زندہ رہنے کیلئے مال ودولت کمانا بھی ضروری ہے۔ کسی بھی ملک کے عوام کی جان، عزت وآبرو اور مال و دولت کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دولت کسی بھی قسم کی ہو چور ڈاکوں ارد گرد اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں۔ آزدی ہر کسی کا حق ہے جبکہ جان، مال اور عزت پر بھی سب کا یکساں حق ہے کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی جان، عزت وآبرو اور مال دولت کو کسی مضبوط قعلے میں بند کرکے

آزادی کے ساتھ بھرپور زندگی نہیں گزار سکتا اس لئے انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین و قانون کی عمل داری کو اس قدر یقینی بنائے کہ عام سے عام شہری بھی تحفظ محسوس کرے۔میڈیا کو چوتھے ستون کی حیثیت حاصل ہے اس لئے میڈیا کو بھی مثبت انداز میں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہنا چاہیے۔امن وامان ،رواداری اور بھائی چارے کی مستحسن فضا کو فروغ دینے میں میڈیا کا کردار اور حکومت کے ساتھ تعاون کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔امن وامان کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ ریاست کے تمام اداروں کا عوام کے ساتھ مضبوط اور بااعتبار رشتہ قائم رہے اور عوام بھی اپنے فرائض میں غفلت نہ برتیں۔جہاں جمہوری نظام موجود ہو جیسا کہ وطن عزیز میں ہے وہاں عوام اپنے ووٹ کی طاقت سے امن پسند نمائندوں کو منتخب کرتے وقت کسی قسم کا دباؤ قبول نہ کرے تو منتخب حکمرانوں کیلئے مزید آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔گزشتہ روز چیف آف آرمی سٹاف جناب راحیل شریف اور وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے کراچی آپریشن کے حوالے جاری ہونے بیانات پر میڈیا کا مثبت کردار بھی قابل تحسین ہے۔پیر کے روز گورنر ہاؤس کراچی میں امن و امان سے متعلق جائزہ اجلاس ہوا جس میں وزیر اعظم نواز شریف، آرمی چیف جنرل راحیل شریف، گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد، وزیر اعلی سید قائم علی شاہ، وزیر دفاع خواجہ آصف، وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان،، ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر، کور کمانڈر کراچی لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار سمیت دیگر نے شرکت کی۔اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا تھا

کہ کراچی آپریشن سات 8 سال قبل شروع ہوجانا چاہئے تھاپر خراب حالات کے باوجود کسی نے کراچی پر کوئی توجہ نہیں دی۔ موجودہ حکومت نے کراچی آپریشن کا فیصلہ اتفاق رائے سے کیا جس میں تمام فریق شریک ہوئے اور اب شہر کے عوام جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی سے مطمئن ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کوئی معاشرہ بھتہ خوری اور دہشت گردی کو برداشت نہیں کرتا اس لئے جرائم کے خاتمے کے لئے کوئی سمجھوتا نہیں کیا جائے گا۔اجلاس میں وزیراعلی سندھ سید قائم علی شاہ نے بھی اس عزم کا اظہار کیا کہ کراچی میں آخری دہشت گرد کے خاتمے تک آپریشن جاری رہے گا جب کہ صوبے میں انسداد دہشت گردی کی 30 عدالتیں بھی بنائی جارہی ہیں تاکہ گرفتار ملزمان کی جزا و سزا کا عمل تیز کیا جاسکے۔ کراچی میں امن وامان سے متعلق ہونے والے اعلیٰ سطح کے اجلاس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا کہ شہر قائد میں جاری آپریشن غیر سیاسی اور بلا امتیاز ہے جو دہشت گردوں، ان کے ہمدردوں اور سہولت کاروں کے خاتمے تک بلا تفریق جاری رہے گا۔آرمی چیف نے کہا کہ کراچی میں امن کی بحالی کے لیے بے پناہ قربانیاں دے کر شہر میں کافی حد تک امن بحال کردیا ہے۔ اب کسی کو بھی کراچی کا امن دوبارہ خراب نہیں کرنے دیں گے۔ بلاشبہ کا کراچی میں جاری آپریشن کے بعد ابتک حالات میں بہت بہتری آئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مزید آپریشن کے بعد مزید بہتری آجائے پر اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ فوج کے جانے کے بعد بھی امن وامان کی صورتحال قائم رہے گی؟ صدا تو آپریشن نہیں ہو سکتا اس لئے

ضروری ہے کہ ہم بذریعہ آپریشن حالات کو بہتر کرنے کے بعد کی حکمت عملی پر بھی غور فکر کریں تاکہ جانوں اور وسائل کی شدید قربانی دے کر حاصل ہونے والا امن وامان پائیدار رہو۔اس امر کیلئے نہ صرف کراچی بلکہ ملک بھر میں دینی اور جدید تعلیم کو فروغ دیا جانا چاہئے،آنے والا کل کس قدر مشکلات لے کر آئے گا عوام کو اس سوال سے نجات دلائی جائے ، غذا، صحت اور تعلیم جیسی ضروری سہولیات فراہم کرنے والے اداروں کو کرپشن فری بنا کر ہر شہری کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔اب ضروری ہو چکا کہ ہر بچہ سکول جائے کیونکہ تعلیم دنیا میں امن وامان قائم کرنے کیلئے اہم کردار ادا کرتی ہے انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کیلئے ضروری ہے کہ نوجوان نسل کو تعلیمی نصاب سے بہرہ آور کروایا جائے۔ تعلیم صرف روزگار حاصل کرنے کیلئے کسی سند یا ڈگری والے کاغذ میں بند نہ کی جائے بلکہ تعلیم کی روح کا طالب علم کی روح سے تعارف کروایا جائے۔لمحہ فکریہ ہے کہ ہم روزگار کی شدید کمی کا شکار ہیں ،دہشتگردی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے شعور کے ساتھ ساتھ باعزت روزگار بھی انتہائی ضروری ہے لہٰذا حکومت وسیع پیمانے پر روزگار کے مواقع پید کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔امن قائم کرنا اور بات ہے جبکہ امن قائم رہنا اور بات ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے بندوق کی نوک پر بھی امن رہ سکتا ہے جبکہ مسلسل قیام امن کیلئے شہریوں کا باشعور اور برسر روزگار ہونا ضروری ہے ورنہ شرپسند عناصر اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کیلئے کسی بھی وقت بے شعور اور بے روزگار افراد کو استعمال کر سکتے ہیں۔

امن وامان کائنات میں ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ امن نہ ہو تو انسانیت کے ارتقاء کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔ دین اسلام اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے کہ معاشرے میں امن وسکون رہے تاکہ لوگوں کی سوچ متحرک ہو اور ترقی کے راستے کھلتے جائیں۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن وہی ہو سکتا ہے جس سے دوسرے لوگ اپنے جان ومال کو محفوظ سمجھیں'' آج نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کا ہر امن پسند انسان اضطراری کیفیت کا شکار ہے، ہر طرف قتل وغارت ،بدامنی اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے، کسی کو کسی پر اعتبار نہیں رہا، اچھائی اور بُرائی کی تمیز ختم ہو چکی ہے ،آج امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر ہر کوئی فکر مند دکھائی دیتا ہے۔

تاکہ تم پر رحم کیا جائے

دنیا میں امن و امان کے قیام اور قانون کی بالادستی کیلئے باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی مختلف صورتیں اہمیت کی حامل قدریں ہیں، یہ تعاون اور اشتراک عمل نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہونا چاہئے، باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی قوت شیطانی ذہن کی طرف مائل ہوجائے تو معاشرے فتنہ و فساد، شر، ظلم اور دہشتگردی کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ''نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو المائدہ، 5 : 2) ''بے شک مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے) درمیان مصالحت کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے'' (الحجرات معاشرے میں بھائی چارے اور باہمی تعلقات میں بہتری کیلئے بے لوث محبت (۴۹:۱۰ جذبہ درگزر جیسے جذبات کو اُجاگر کیا جائے اور منافقت کا خاتمہ ،غیبت جیسی برائی سے، نفرت ، سودی نظام سے دوری، حق تلفی کا خاتمہ اور دیگر وہ سارے عوامل جو بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے اسباب بنتے ہیں کا معاشرے سے خاتمہ ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی معاشرے میں بھائی چارے کی بنیاد باہمی محبت اور اخلاق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کے اندر ارشاد فرمایا ''اور اللہ کی مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے

کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اسکی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے'' (سورۃ:آل عمران ۳: ۱۰۳) نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن'' نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے'' محبت کی بنیاد یہ ہے کہ ایک دوسرے کی پسند نہ پسند کا خیال رکھا جائے اور دوسروں کے حقوق طلب کرنے سے قبل ہی اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے پورے کرنے چاہئے۔ عدل و انصاف کا راستہ اختیار کئے رکھنا چاہئے۔دین اسلام نے انسانی جذبات کے مطابق سب سے پہلے والدین، بیوی بچوں اور بہن بھائیوں کے بعد باقی رشتہ داروں دوستوں ،ہمسایوں اور پھر درجہ بدرجہ سب انسانوں کے ساتھ محبت واخلاق کے ساتھ، پیش آنے اُن کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔انسان کی اپنے والدین بیوی بچوں ، بہن بھائیوں ،رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ محبت فطری ہے اس لئے، خالق کائنات نے ہمارے لئے اور زیادہ آسانی اور سہولت فرما کر ان فطری رشتوں کے بعد دنیا کے تمام انسانوں خاص طور مسلمانوں پر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون اور محبت کا حکم فرمایا ہے۔دنیا میں مختلف مذاہب اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے ہیں اس لئے ہمیں دوسروں کے جذبات اور روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے حسن اخلاق سے پیش آ کر سب کے دلوں میں اپنے لئے جگہ بنانا چاہئے نہ کہ شدت پسندی ،کا رویہ اختیار کرکے نفرتوں کے بیج بونے کی کوشش کرنا چاہئے۔ معاشرے میں اخوت

اتحاد اور یگانت قائم رکھنے کیلئے اچھے اخلاق کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ متفق حدیث مبارکہ ہے کہ " تم میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں" دور حاضر میں غیبت کو ثواب کا کام سمجھ کر اختیار کر لیا گیا ہے۔ غیبت ایسی لعنت ہے جو معاشرے سے اخوت، بھائی چارے اور اتحاد کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے دیمک لکڑی کو چاٹ لیتا ہے۔ خود کو بلند اور دوسروں کو کم تر سمجھ کر اپنے ہر عمل سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ میں دوسروں سے بہتر یا منفرد ہوں یہ رویہ بھی معاشرے میں بھائی چارے کا مخالف ہے۔ معاشرے میں اخوت و بھائی چارے کے قیام کیلئے دوسروں کو خود سے بہتر یا کم از کم اپنے جیسا تصور کرنا بہت ضروری عمل ہے۔ ایک دوسرے پر رحم کرنا ہمدردی کرنا، غلطیوں کو نظر انداز کرنا، مروت برتنا اور حقوق سے زیادہ فرائض کی فکر کرنا لازم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا " اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا" قائداعظم محمد علی جناح نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کاربند ہوں اور اس ارشادِ خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کرسکتیں ہم فتح یاب رہیں گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو متحد ہونے کا، مل کر کفار کے خلاف صف آراء ہونے، ایک دوسرے سے محبت کرنے، بھائی بندی، درگزر کرنے، ایک دوسرے کی عزت، جان و مال کے محافظ بننے، سختی سے منتشر ہونے اور ٹکڑے

ٹکڑے ہونے سے گریز کرنے کے احکامات صادر فرمائے ہیں۔ہم ان احکامات پر عمل کریں تو دہشتگردی سمیت ہر قسم کی فرقہ واریت جڑ سے ختم ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ کے احکامات اور آپ ﷺ سے کی سنت مبارکہ پر عمل کر کے ہم معاشرے سے عدم برداشت، غیبت، سود، انتہاء پسندی، فرقہ واریت، ناانصافی، بے روزگاری، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری جیسی کئی اور بُرائیوں کا مقابلہ باآسانی کر سکتے ہیں۔آج بے سکون اور مضطراب انسانیت کو امن، عافیت اور سلامتی کی تلاش ہے۔جو لوگ واقع ہی امن وسکون حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ جھک جائیں مکین گنبد خضراء ﷺ کی چوکھٹ پر۔ایمان والوں (مسلمانوں) کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کریم آقا ﷺ کے دامان رحم و کرم کے ساتھ سچی اور ادبی وابستگی کے بغیر امن و عافیت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

بابا آپ ہمیں کیسے بچاؤ گے؟

دکھی دل کے ساتھ سانحہ پشاور کے موضوع پر لکھنے بیٹھا ہوں تو دل، دماغ، ہاتھ اور قلم سب ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے انکاری ہیں۔ ذکر ہے ننھے جان نثاروں کا، بر سی ہے شہیدوں کی تو شروع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پاک کلام سے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ (آل عمران آیت نمبر 169 اور 170) میں ارشاد فرمایا ہ "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں، انہیں تم مردہ تصور بھی مت کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنا فضل دیا ہے، وہ اس سے خوش ہیں۔ دنیا کی ہر قوم کو اپنی تہذیب، ریاستی سرحدوں، قومیت و مذہب کی آبیاری کیلئے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو ہنستے ہنستے اپنی جانوں کی قربانی پیش کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں اور ہمارے لئے دنیا کی زندگی عارضی ہے، ہمیں اس دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم ملک کی سرحدوں، اسلامی تہذیب و تمدن، تعلیمات اور مسلمان بہن بھائیوں پر جان قربان کرنے پر شہادت کا درجہ عطا کیا ہے۔ شہید کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قسم کے انعامات سے نوازا جائے گا اس سوال کے جوابات ہمیں قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے ملتے ہیں۔ اللہ پاک شہیدوں کے درجات میں مزید بلندی عطا فرمائے۔ ایک وہ دن تھا جب 16 دسمبر 1971ء کو سانحہ سقوط ڈھاکہ نے اہل پاکستان شدید صدمے سے دوچار کیا۔ پاکستان توڑنے کی کامیاب

کوشش پر 1971ء کی فاتحانہ تقریر میں بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے کہا ''آج ہم نے نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے اور مسلمانوں سے ایک ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ سانحہ سقوط ڈھاکہ راقم نے دیکھا نہیں بس سنا اور پڑھا ہے جبکہ سانحہ پشاور کے مناظر کو نیوز چینلز پر دیکھا جو ایک سال گزر جانے کے باوجود آج بھی تازہ محسوس ہوتے ہیں ,آج بھی جب اُن مناظر کو یاد کرتا ہوں تو روح کانپ جاتی ہے،ایسا لگتا ہے جیسے آج بھی کوئی میری وجود سے بوٹیاں نوچ رہا ہو۔معصوم بچے جب سوال کرتے ہیں کہ بابا آپ تو کہتے ہیں کہ پاکستان اسلامی دنیا کا واحد ملک ہے جو ایٹمی طاقت ہے،جس کے افواج دنیا کے تمام افواج سے زیادہ بہادر اور باصلاحیت ہیں، بابا آپ تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کیلئے دن رات محنت کرتے ہیں اور بابا آپ تو کہتے ہیں کہ والدین اپنے بچوں پر جان قربان کر دیتے ہیں پر اُن پر آنچ نہیں آنے دیتے تو پھر کیوں پشاور کے سکول میں معصوم بچوں کو قتل کر دیا گیا؟ ہمارے بہادر افواج اور والدین نے بچایا کیوں نہیں ؟دہشتگرد ہمارے سکول یا گھر میں گھس آئے تو کیا ہمارے بہادر افواج اُن پر ایٹم بم چلا کر ہمیں بچالیں گے ؟ بابا آپ ہمیں کیسے بچاؤ گے آپ کے پاس تو کوئی گن بھی نہیں؟کیا پشاور کے بچوں کی طرح کسی بھی وقت دہشتگرد کسی بھی سکول میں بچوں کو مار سکتے ہیں؟معصوموں کے معصوم سوالات کے جوابات کون دے سکتا ہے،کیسے بتائیں کہ ایٹم بم چلانے کیلئے نہیں بلکہ دیکھانے کیلئے بنتے ہیں،کیسے اُن

کو بتائیں کہ ہم خود ہی اپنے دشمن ہیں، کیسے کہیں کہ دشمن کے سب ٹھکانے جانتے ہیں پر کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے ہی لوگ کسی نہ کسی حوالے سے اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ دن ہم کیسے بھول سکتے ہیں جب سانحہ سقوط ڈھاکہ کی برسی کے دن درندہ صفت، سفاک دہشتگردوں نے پاکستان کے صوبہ خیبر پختون خواہ کے دارالحکومت پشاور کے انتہائی حساس علاقے کینٹ ایریا میں آرمی پبلک سکول کے معصوم بچوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کرکے پوری قوم کو کرب و دکھ میں مبتلا کر دیا۔ دل خراش سانحہ پشاور آرمی سکول 16 دسمبر 2014ء کو ایک سال مکمل ہو چکا جبکہ زخم ابھی تک تازہ ہیں، غم سے نڈھال ماؤں کے آنسو آج تک نہیں رکے، ماؤں کی آنکھیں آج بھی اپنے بچوں کی سکول سے واپسی کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتی ہوں گی، دہشتگردوں کی اُس خون کی ہولی کو یاد کرکے پوری قوم کے دل آج بھی خون کے آنسو روتے ہیں۔ غیرت مند دشمن جتنا چاہے کمینہ ہو جائے بچوں اور بزرگوں پر اس انداز میں حملہ نہیں کرتا جس طرح 16 دسمبر 2014ء کے دن پشاور آرمی اسکول پر شیطان کے پیروکار دہشتگردوں نے کیا، ہو سکتا ہے شیطان بھی اس الزام کو برداشت نہ کرے کیونکہ وہ بھی سامنے سے وار کرتا ہے۔ بے گناہ اور معصوم انسانوں کو بے دردی سے قتل کرنے والوں کا تعلق جب کسی مذہب خاص طور پر امن و سلامتی کے دین اسلام کے ساتھ جوڑا جاتا ہے تو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ اسلام کی ابتدا ہی اللہ کے نام سے ہوتی ہے جو رحم والا ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے تو ایسے کام کر سکتے ہیں پر دین اسلام کے ماننے والے ایسے درندے ہرگز نہیں بن

سکتے۔ سانحہ پشاور آرمی اسکول ملکی تاریخ کا انتہائی سیاہ دن ہے جسے بھلائے نہیں بھلایا جا سکتا یہ تاریخ انسانی کا المناک ،افسوسناک اور دل خراش سانحہ ہے۔ خون میں لت پتھ معصوم بچے ،روتے بلکتے والدین ،بہن بھائی اور رشتہ دار،16 دسمبر کا سانحہ یاد کرکے آج بھی دل بھر آتا ہے۔ پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر دہشتگردوں کے حملے میں شہید ہونے والے 132 بچوں سمیت اسکول عملے کے 146 افراد کی شہادت کا واقعہ آج بھی قوم کے ذہنوں میں نقش ہے،اس ہولناک دہشتگرد حملے نے ذہنوں پر ایک سیاہ تاریخ رقم کردی ۔شہیدوں کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا یہ سانحہ پشاور سے قبل بھی ہم سنا کرتے تھے پر بے گناہ بچوں کی عظیم قربانی کے فوراً بعد قوم جس طرح دہشتگردی کے کیخلاف یک جان ہو گئی اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اسی موقع کیلئے شاعر نے کہا ہے

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی ذکواۃ ہے

سانحہ پشاور نے جہاں قوم کو متحد کیا وہیں سیاسی و عسکری قیادت نے دہشتگردوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کا اعلان کیا، اسی سانحہ کے نتیجے میں سیاسی و فوجی قیادت نے دہشتگردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے فوجی عدالتیں قائم کیں اور 6 سال سے سزائے موت پر عائد پابندی کو ختم کرکے دہشتگردوں کو تختہ دار پر لٹکانے کا فیصلہ کیا جس پر عمل درآمد کرتے ہوئے ملک

کے مختلف شہروں میں اب تک سزائے موت کے کئی مجرموں کو تختہ دار پر لٹکایا جاچکا ہے جن میں سابق صدر پرویز مشرف حملہ کیس، جی ایچ کیو، آرمی کیمپ، پولیس افسر اور وکیلوں کے قتل کے مجرم بھی شامل ہیں۔سانحہ پشاور آرمی سکول کے بعد دہشتگروں کیخلاف قوم کو متحد کرنے اور امن وامان کی صورتحال کو بہتر بنانے کا سہرا چیف آف آرمی سٹاف جناب جنرل راحیل شریف اور وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے سر ہے۔اُن کی جگہ کوئی ہوتا تو شاید ہم دہشتگردی کے دیگر واقعات کی طرح سانحہ پشاور پر بھی آنسو بہا کر اپنے راستے ہو لیتے۔جنرل راحیل شریف نے دہشت گردی کیخلاف تمام سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں جمہوری حکومت کا مکمل ساتھ دیا اور نیشنل ایکشن پلان کا اعلان کیا، تمام سیاسی جماعتوں نے متفقہ طور پر وزیرستان، کراچی اور بلوچستان سمیت ملک بھر سے دہشت گردی کے فوری خاتمے کیلئے بھرپور آپریشن کی حمایت کی جس کے بعد اب ملک میں امن وامان کی صورتحال میں کافی بہتری آچکی ہے۔آج دنیا اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتی ہے کہ پاکستان نے دہشتگردی کی جنگ میں سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔یوں تو ساری دنیا ہی دہشتگردی کے خلاف ہے پھر یہ لعنت کم ہونے کا نام نہیں لیتی۔دہشتگرد اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔قاتلوں اور محافظوں کے درمیان جاری جنگ میں جیت محافظوں کی ہوگی۔ہم اپنے محافظوں کے ساتھ مل کر ہر محاذ پر دہشتگردوں کیخلاف جہاد کریں۔دہشتگردی کسی بھی صورت قابل قبول نہیں، کسی بھی ملک میں اور کسی بھی قوم کیخلاف ہو ہم

نہ صرف مذمت کریں گے بلکہ ہر فرد، ہر قوم کے ساتھ شانہ بشانہ ہو کر دہشتگردوں کیخلاف لڑیں گے۔ ہم آخری دہشتگرد کے خاتمے تک جنگ جاری رکھیں گے، دہشتگردوں کے کاتمے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے' جب سے ہوش سنبھالا اس قسم کے دعوے اور نعرے دنیا بھر کے حکمرانوں اور افواج کے بیانات میں پڑھ یا سن چکا ہوں پر افسوس صد افسوس کہ دہشتگردی کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر دہشتگردی ختم یا کم کیوں نہیں ہو رہی؟

پی پی 159 سے

حاضر ہوں پنجاب اسمبلی کے حلقہ پی پی 159 سے جو انتخابی حلقہ ہے وزیر اعلیٰ پنجاب جناب میاں محمد شہباز شریف کا۔ دنیا بھر کی طرح میں بھی میاں صاحب کی صلاحیتوں اور کاوشوں کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ مین فیروزپور روڈ کی تعمیر اور میٹرو بس سروس شروع کرکے میاں صاحب نے عوام اچھی سفر سہولت فراہم کی ہے۔ جہاں پہلے ہم گھنٹوں ٹریفک جام میں پھنسے رہتے اب وہیں سے بغیر کسی رکاوٹ سفر کرتے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ روزوزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے برطانوی ہائی کمشنر فلپ بارٹن کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور برطانیہ کے دوران تاریخی دوستانہ معاشی تعلقات ہیں ،جرائم پر قابو پانے کے لیے برطانیہ کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر برطانوی ہائی کمشنر نے کہا کہ وزیر اعلی پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی غیر معمولی صلاحیتوں کا بیرون ملک بھی اعتراف کیا جاتا ہے ، پنجاب حکومت نے وسائل کا رخ عوام کی فلاح کی طرف موثر رکھا ہے ، وزیر اعلیٰ نے پنجاب میں عوام کی خدمت کے نئے ریکارڈز قائم کیے ہیں'' اپنے منتخب وزیر اعلیٰ کی تعریف ترقی یافتہ ملک کے اہم حکومتی عہدار کے منہ سے سن کر خوشی کی انتہاء نہیں رہتی۔ دنیا تعریف کیوں نہ کرے ہمارے وزیر اعلیٰ نے بڑے بڑے منصوبے چھوٹی مدت میں کامیابی کے ساتھ پورے کرکے دیکھائے ہیں ، بڑے

بڑے منصوبوں کو تیز رفتاری سے مکمل کرتے دینانے دیکھا ہے پر نجانے کیوں چھوٹے چھوٹے منصوبے کیوں نظرانداز کر دیئے جاتے ہیں؟ جس طرح بڑے منصوبے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اُسی طرح چھوٹے منصوبے بھی عوام کے حالات زندگی بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ 15 فٹ کی گلی میں کھڑا 2 فٹ سیوریج کا گندہ پانی گھر سے نکلنے کی اجازت دے گا تو کوئی میٹرو بس یا ٹرین جیسی بڑی سہولتوں سے فائدہ اُٹھائے گا۔ بچے صاف پانی پی کر صحت و تندرستی کے ساتھ تعلیم و ہنر سیکھیں گے تو ملک و قوم کی خوشحالی اور ترقی میں حصہ ڈالنے کے قابل ہو سکیں گے۔ جناب وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف سے ایک عرض کرتا چلوں کہ بے شک پوری دنیا آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتی ہے پر حلقہ پی پی 159 جہاں آپ ایم پی اے ہیں کے عوام آپ کی صلاحیتوں اعتراف تو کیا یقین بھی نہیں کرتے۔ ابھی آج ہی ایک بزرگ کہہ رہے تھے کہ برطانوی ہائی کمشنر فلپ بارٹن کو ایک بار لاؤ کچا شہزادہ روڈ کاہنہ نو پر ہماری حالت دیکھنے کے بعد بھی میاں شہباز شریف کی تعریف کرے تو ہم بھی مان لیں گے۔ کاہنہ نو پی پی 159 یو سی کی سیاست کا مرکز جانا جاتا ہے۔ میاں شہباز شریف اس حلقہ سے ایم پی اے اور ن 247 لیگ کی ہی مسز رانا مبشر اقبال ایم این اے ہیں جبکہ ترقیاتی کام نہ ہونے کی وجہ سے یو سی کے عوام نے شیر کے نشان کو مکمل رد کر کے آزاد اُمیدوار بشارت علی کو چیئر میں 247 منتخب کر لیا ہے جو ن لیگ کی قیادت کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ عام انتخابات میں عوام نے میاں محمد شہباز شریف کی صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قومی

اسمبلی کے حلقہ این اے 129 اور صوبائی اسمبلی کے حلقہ پی پی 159 دونوں میں بھرپور کامیابی دلائی، بعد ازاں ضمنی انتخابات میں ن لیگ کے ٹکٹ پر مسز رانا مبشر اقبال ایم این اے منتخب ہوئیں جو یہاں کے عوام کے ن لیگ پر مکمل اعتماد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ الیکشن مہم کے دوران ن لیگی رہنماؤں نے اپنی تقریروں میں کہا تھا کہ میاں شہباز شریف کو ووٹ دے کر کامیاب کریں، وہ آپ کے حلقہ کے ایم پی اے اور ایم این اے بن گئے تو وہ اپنے حلقے کو پیرس بنادیں گے پر ایسا کچھ نہ ہوسکا۔ راقم اُن مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دلانا چاہتا جن کو بنیاد بنا کر عوام نے ن لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے والے اُمیدوار، سرائے چیئرمن محمد رمضان مستانہ جو ماضی میں مسلسل دو مرتبہ اسی حلقہ سے ناظم منتخب ہوچکا ہے کو ووٹ دینے کی بجائے آزاد اُمیدوار حاجی بشارت علی پر اعتماد کیا۔ محمد رمضان مستانہ ذاتی تعلقات اور ن لیگ کی ٹکٹ اور مقامی رہنماء رانا مبشر اقبال کی بھرپور حمائت کے باوجود ہار گیا جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وزیراعلیٰ کے حلقے سے جسے بھی ن لیگ کا ٹکٹ ملتا وہ بھاری اکثریت سے جیتتا پر یہاں تو وہ بھاری اکثریت سے ہار گیا۔ آج جب وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف ایم پی اے اور ایم این اے بھی ن لیگ کی موجود ہیں پھر بھی یو سی 247 سے شیر ہار گیا ہے تو پھر آنے والے عام انتخابات میں حالات کس طرف جائیں گے؟ اس بات کا فیصلہ آنے والے دنوں میں ترقیاتی کاموں کی سپیڈ دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ بلدیاتی الیکشن کا شڈول جاری ہونے کے بعد اس

یو سی میں بہت سے ترقیاتی منصوبے جن میں اکثریت سیوریج اور راستوں کی تعمیر کے منصوبے شامل ہیں شروع کئے گئے تاکہ ن لیگی اُمیدوار جیت کے پرایسانہ ہو سکا۔ عام انتخابات میں بھی یہی روش اختیار کی گئی تو پھر میاں صاحب ذرہ سوچ لیں کہ مخالفین کے ہاتھ بہت بڑا انتخابی ہتھیار لگ جائے گا۔ آپ کے مخالفین پورے ملک میں پی پی 159 کی مثال پیش کریں گے اور لوگوں کو دعوت دیں گے کہ ذرہ دیکھو وزیر اعلیٰ پنجاب کے حلقے کی حالت کو۔ ذاتی طور پر راقم پاکستان مسلم لیگ ن یا حکومت وقت کا مخالف ہے اور نہ ہی تنقید کا کوئی شوق ہے اس لئے میاں صاحبان کی قابلیت کا اعتراف کرتا ہوں جیسا کہ دہشتگردی کے واقعات میں کمی، بجلی کی لوڈشیڈنگ میں کسی حد تک کمی، کراچی اور بلوچستان میں امن وامان کی بحالی اور دیگر کئی ایسے منصوبے ہیں جن کا کریڈٹ ن لیگ کی حکومت کو جاتا ہے۔ کیونکہ راقم کا تعلق بھی پی پی 159 کے علاقہ کاہنہ نو سے ہے اس لئے یہاں کے مسائل کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ میاں محمد شہباز شریف نے اپنے حلقے پر توجہ نہیں دی۔ کاہنہ کے مسائل میں سر فہرست سیوریج، تنگ اور ٹوٹے پھوٹے راستوں کی تعمیر، پینے کا صاف پانی، خواتین اور بچوں کیلئے پارک، قبرستان کیلئے زمین، صحت کے حوالے سے 60 بیڈ پر مشتمل ہسپتال کا اعلان ہو چکا ہے جبکہ بچوں کی تعلیم کیلئے سرکاری سکولوں کی کمی ہے، نادرا آفس کا قیام اور شامل ہیں۔ میری وزیر اعلیٰ پنجاب سے پُرزور اپیل ہے کہ وہ اپنے حلقہ کو دوسروں پر چھوڑنے کی بجائے خود وقت نکالیں یا کسی غیر مقامی، غیر سیاسی بندے کو یہاں کے مسائل حل کرنے کیلئے تعینات کریں

تاکہ عام انتخابات سے پہلے پہلے ہمارے مسائل بھی حل ہو جائیں اور ن لیگ مقبولت بھی قائم رہے

رینجرز اختیارات اور کرپشن بچاؤ مہم

گزشتہ روز منتخب ایوان سندھ میں منظور کی جانے والی قرارداد کے مطابق رینجرز کے اختیارات میں 12 ماہ کی توسیع کی گئی جبکہ رینجرز کو صرف اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ اور دہشتگردی کیخلاف کارروائی کی اجازت ہوگی۔ حکومتی سرپرستی میں چلنے والی کرپشن بچاؤ مہم کی کامیابی کو مد نظر رکھتے ہوئے قرارداد میں شامل شرائط کے تحت رینجرز کرپشن کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کی اہل نہیں ہوگی اور نہ ہی چیف سیکریٹری کی اجازت کے بغیر کسی سرکاری دفتر میں چھاپہ مار سکتی ہے، کسی بھی اہم شخصیت کی گرفتاری، حکومتی دفتر پر چھاپہ اور کسی بھی شخص کے خلاف جو دہشت گردی میں براہ راست ملوث نہ ہو بلکہ صرف دہشت گردوں کا معاون ہونے کے شک کی صورت میں اسے گرفتار کرنے سے پہلے بھی وزیراعلی سے تحریری طور پر اجازت لینا ہوگی۔ قرارداد کے مطابق رینجرز اب صرف پولیس کے علاوہ کسی اور ادارے کی مدد نہیں کرسکے گی۔ یعنی دہشتگردوں کے سہولت کاروں، مددگاروں، مالی معاونت کرنے والوں اور خاص طور پر کرپشن کے بے تاج بادشاہوں کی جانب کسی کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی اجازت نہیں رہی۔ جیب کتروں کیخلاف کارروائی ہوگی اور گردن کاٹنے والوں کو گرفتار کرنے سے اُن کے فرار ہونے اور شواہد کے خاتمے تک تحریری اجازت نامے کا

انتظار کرنا ہوگا۔زیادہ بہتر ہوتا سندھ اسمبلی کی پاس کردہ قرارداد میں رینجرز کو ٹارگٹ کلرز، بھتہ خوروں، قاتلوں اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی کرنے کے اختیارت دیتے وقت یہ بھی بتادیا جاتا کہ بغیر تحقیقات کے کیسے ثابت ہوگا کہ کون ٹارگٹ کلر، بھتہ خور، قاتل یا جرائم پیشہ ہے کیونکہ 'مجرم' کسی کی پیشانی پر تو لکھا نہیں ہوتا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ مجرم سرکاری دفتر میں ہو یا غیر سرکاری کارروائی کرنے والے ادارے کو اُسے گرفتار کرنے کیلئے وزیراعلیٰ کی اجازت کا پابند کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟کیا وزیراعلیٰ سندھ سب ٹارگٹ کلرز، بھتہ خوروں، قاتلوں ،ان کے سہولت کاروں اور باقی جرائم پیشہ افراد کو اچھی طرح پہچانتے ہیں؟ یا پھر اپنے دوستوں کو بچانے کیلئے اجازت نامے کی شرط رکھی گئی ہے؟ کیونکہ ڈگری ،ڈگری ہوتی ہے جعلی ہو یا اصلی اسلئے دوستوں کی جان عزیز ہے تو پھر لیاقت علی خان کے کھاتے میں ڈال کر تمام
اقربا کو تاریخی کرپٹ ڈکلیئر کرتے ہوئے رینجرز کو اجازت نامے کا پابند کرنے کی بجائے اُن کے ناموں اور کرتوتوں کی لسٹ فراہم کرکے قبل از وقت ہی گرفتاری روک دیں اور باقی جرائم پیشہ عناصر کیخلاف آپریشن جاری رکھنے کیلئے رینجرز کو مکمل اختیارات دیئے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا، کراچی کے امن و امن کو تباہ کرنے والے ٹارگٹ کلرز، بھتہ خور، قاتل اور جرائم پیشہ عناصر اتنے ہی سادہ اور کمزور نہیں کہ بے اختیار رینجرز اُن کو کیفر کردار تک پہنچاسکے۔ عوام یہ باتیں سوچنے پر مجبور ہیں کہ سیاسی قیادت اتنی قابل یا مخلص ہوتی تو آج کراچی کے حالات

تباہی کا شکار ہونے کی بجائے ماضی کی طرح روشنیوں کا منظر پیش کر رہے ہوتے ۔ وزیراعلیٰ سندھ شہر قائد کا امن وامان بحال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر اپنے گزشتہ پانچ سالہ دور اقتدار میں کراچی کی خراب صورتحال میں بہتری کیوں نہ
لاسکے ؟ رینجرز وزیراعلیٰ سندھ سے اجازت لے کر آپریشن کرنے کی بجائے وزیراعلیٰ سندھ اور دیگر سیاسی کرداروں کو فرنٹ پر رکھے اور جہاں کہیں شہادت کی ضرورت پیش آئے اب فوجی جوانوں کی بجائے سیاست دانوں کی جان قربان کی جائے تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ دہشتگردوں کیخلاف جنگ لڑنا آسان نہیں جبکہ آگے پیچھے سیکورٹی فورسز کی گاڑیوں کے قافلے میں گھر یا دفتر سے نکلنا بہت آسان ہے ۔ سیاستدان ملک وقوم پر جان قربان کرنے والے افواج پر حکم چلا سکتے ہیں تو کیا جان قربان نہیں کر سکتے ؟ جتنا ایک فوجی جوان کا پاکستان پر حق ہے اُتنا یا اُس بھی زیادہ ایک سیاستدان کا ہے تو پھر گولیاں سینے پر کھانے کیلئے ہر بار فوجی جوان ہی کیوں آگے آئیں ۔ وفاقی حکومت کراچی آپریشن میں رینجرز کے اختیارات کے حوالے سے سنجیدہ ہے تو پھر جلد اقدامات کرے تاکہ اس معاملے کو لٹکا کر کرپشن اور دہشتگردوں کے سہولت کاروں اور ساتھیوں کیخلاف شواہد ختم کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو ۔ دہشتگردی صرف کراچی کا معاملہ نہیں بلکہ پوری دنیا اس آگ میں سلگ رہی ہے ۔ سعودی عرب نے 34 ممالک پر مشتمل عسکری اتحاد بنانے کا اعلان کر دیا ہے اور ہم ابھی تک ایک شہر کا امن وامان بحال کرنا تو دور کی بات ہے وہاں جاری آپریشن جو خاصی حد تک کامیابی کی طرف گامزن ہے کی راہ میں رکاوٹیں

ڈال رہے ہیں۔ عوامی حلقوں میں عام خیال پایا جاتا ہے افواج پاکستان کو بیرونی اوراندرونی دشمنوں کیخلاف کارروائی کرنے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، وہ ملک وقوم کی حفاظت کرتے وقت اپنی جانوں کی پروانہیں کرتے توپھر وزیراعلیٰ کی اجازت کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے۔ڈگری، ڈگری ہوتی ہے جعلی ہویا اصلی۔ دہشتگردی دہشتگردی ہوتی ہے اور کرپشن، کرپشن ہوتی ہے۔ لیاقت علی خان کے دور سے شروع، ہویا قائم علی شاہ کے دور میں اس لئے اب ہمیں یہ نہ سمجھایا جائے کہ دہشتگردی کب اورکیسے شروع ہوئی، اب توعوام یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دہشتگردی ختم کیسے ہوگی اور کون ختم کرے گا؟ میری عزیزسیاسی قیادت کو یہ یقین ہوچلاہے کہ کراچی آپریشن رینجرزکے ہاتھوں میں رہاتوپھر بہت جلد کراچی سے دہشتگردی کاخاتمہ ہوجائے گا اور دہشت ختم ہوگئی توپھر جانی کرپشن کرنا بھی مشکل تر ہوجائے گا۔ وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ صاحب کی خدمت میں ایک عرض کرتاچلوں کہ پاکستانی عوام دہشتگردی کاخاتمہ چاہتے ہیں دہشتگردوں کانہیں اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے جوساتھی یا آپ خودکوئی غلطی کربیٹھے ہیں تواعتراف جرم کرلیں یہ قوم بڑی سادہ اور سخی بادشاہ ہے معاف کردے گی، سوچنے کی بات ہے کہ جوقوم انتہائی کرپٹ لوگوں کو ووٹ دے کر حکمران بناسکتی ہے وہ اپنے حکمرانوں کی غلطی بلکہ غلطیاں بھی معاف کرسکتی ہے؟۔طاقتور قاتلوہاتھ پاؤں مارلوجتنے مار سکتے ہو، ہوسکتاہے آج بچ جاؤپر یہ مت سوچ لیناکہ ہم تمہیں چھوڑدیں گے اب تمہیں کیفر کرادر تک پہنچاکرہی دم لے گی

یہ قوم ۔ افواج پاکستان وہ طوطا ہے جس میں وطن عزیز کی جان ہے اس لئے اپنے افواج کے ساتھ پوری قوم شانہ بشانہ کھڑی ہے ۔ماضی میں فوج اقتدار پر قبضہ کرلیا کرتی تھی اور سیاستدانوں کو شہادت کا درجہ مل جاتا تھا اب ایسے حالات نظر نہیں آتے ،اب شہادت اُسے ہی نصیب ہو گی جو سینے پر گولی کھائے گا۔

لگے رہو کپتان لگے رہو

لگے رہو کپتان لگے رہو تمہاری محنت اور لگن رنگ لائے گی، ضروری نہیں جو انسان درخت لگائے وہ اُس کی چھاؤں، پھل اور پھولوں سے مستفید ہو پر درخت سے حاصل ہونے والی آکسیجن، چھاؤں، پھل، پھول اور لکڑی انسانی معاشرے کے کام ضرور آئے گی۔ نوجوان نسل ایسا درخت ہے جس کو بونے کی نہیں بلکہ دیکھ بھال کی ضرورت ہے، سیاسی شعور کی ضرورت ہے، اپنے حقوق سے آگاہی کی ضرورت ہے۔ آج ہم گلی کا بند گٹر کھلوانے پر انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے وال چاکنگ اور بینرز لگا دیتے ہیں ۔جس کام کیلئے ہم ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ورکرز تنخواہ لیتے ہیں اُس کام کیلئے نہ تو کسی سفارش کی ضرورت پیش آنی چاہئے اور نہ ہی شکریہ ادا کرنے کیلئے بینرز تک نوبت پہنچنی چاہئے۔ کسی پارٹی یا حکومت پر تنقید کرنے سے زیادہ اہم بات یہ کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت اس انداز میں کریں کہ وہ اپنے معاشرتی فرائض اور حقوق سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی سے بہتر ہے کہ ہم اچھے کاموں میں آگے نکلنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں ،جس طرح تعلیمی میدان میں مقابلے کا رجحان پیدا ہونے سے طلبہ کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے اُسی طرح حکومتی انتظامات میں بہتری لا کر آگے نکلنے کا رجحان خوشحالی اور ترقی کی نشاندہی ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے اور ہمیں مل کر اسے سجانا، سنوارنا ہے، تمام تر خرابیوں کو دور کرکے ترقی

اور خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ کا بیان سن کا خوشی محسوس ہوئی جہاں چاروں طرف نفرتوں کو فروغ دیا جارہا ہے وہاں انہوں نے سب کو ساتھ لے کر چلنے کی بات کی ،یہی وہ انداز سیاست ہے جسے فروغ دے کر ہم انتہاء پسندانہ ذہنیت کو باآسانی شکست دے سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن قومی اسمبلی میں وزارت داخلہ کی کارکردگی کے حوالے سے بحث سمیٹتے ہوئے وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کہاکہ دہشتگردی کے خلاف سیاسی و عسکری قیادت الگ الگ نہیں بلکہ دونوں نے ملک سے دہشتگردی کے خاتمے کا فیصلہ کیا ہے، سب نے مل کر ملک کی بہتری کیلئے فیصلے کیے، تحفظات کے باوجود سیاسی قیادت نے آپریشن کی حمایت کی۔انہوں نے یقین دلایا کہ فاٹا کی ترقی و خوشحالی توجہ کا محور ہے، فاٹا ارکان اور اپوزیشن کو اعتماد میں لیکر فاٹا کے حوالے سے فیصلے کرینگے۔ قوم کے ہر فرد کے اندر مل کر ملک وقوم کی خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو دہشتگردی سمیت کسی بھی مشکل کا مقابلہ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ بات جاری تھی مقابلے کا رجحان پیدا کرنے کے حوالے سے تو آپ جانتے ہیں کہ ایک مقابلہ خیبر پختونخواہ میں پی ٹی آئی کی حکومت اور پنجاب میں ن لیگ کی حکومت کے درمیان جاری ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش میں مگن ہیں ۔میڈیا رپورٹس میں پلڈاٹ کے حالیہ سروے میں ایک چونکا دینے والے انکشاف نے یہ مضمون لکھنے پر مجبور کر دیا۔ میاں محمد شہباز شریف کی قابلیت کے تذکرے تو ساری دنیا پہلے ہی کرتی ہے پر پی ٹی آئی بھی کسی کم نہیں رہی ۔ پلڈاٹ کی 2015ء کے دوران صوبائی حکومتوں کی کارکردگی

سے متعلق سروے رپورٹ کے مطابق خیبر پختونخوا میں امن وامان کی ریٹنگ 2014 ء کی نسبت 45 فیصد سے بڑھ کر 72 فیصد تک پہنچ گئی ہے جبکہ پنجاب میں 4 فیصد کمی کے ساتھ 55 سے 51 فیصد رہ گئی ہے۔ خیبر پختونخوا میں تعلیم کی ریٹنگ 58 فیصد اضافے کے بعد 28 سے 80 فیصد، صحت کی 30 سے بڑھ کر 75 فیصد تک پہنچ گئی جبکہ پنجاب میں تعلیم کی ریٹنگ 62 سے بڑھ کر 75 فیصد، صحت کی 4 فیصد اضافے کے ساتھ 60 فیصد رہی ،کے پی کے اور پنجاب دونوں حکومتیں بیروزگاری کے خاتمے میں قابل قدر ریٹنگ حاصل نہ کرسکیں اور خیبر پختونخواہ ریڈنگ 41 سے کم ہو کر 40 فیصد جبکہ پنجاب کی ریٹنگ 34 سے کم ہو کر 25 فیصد رہی۔ میرٹ پر تقرری اور تبادلوں پر کے پی کے کی ریڈنگ 19 فیصد سے بڑھ کر 68 فیصد ترقیاتی کاموں کی ریڈنگ 37 سے بڑھ کر 49 فیصد رہی دوسری جانب پنجاب میں میرٹ پر تقرری اور ترقی کی ریڈنگ 33 51 سے بڑھ کر 39 فیصد رہی جبکہ ترقیاتی کاموں کی ریڈنگ 3 فیصد کمی کے ساتھ فیصد رہی۔ محترم قارئین خیبر پختونخوا میں تعلیم کی ریٹنگ 58 فیصد اضافے کے بعد 28 سے 80 فیصد پر پہنچ چکی ہے ،یہی ہے وہ راستہ جس پر چل کر ہم اپنی آئندہ نسلوں کی بہتر تربیت کرسکتے ہیں۔ تعلیم ، شعور، آگاہی کے ذریعے اپنے ماضی، حال اور مستقبل پر گہری نظر رکھنے والی قومیں ہمیشہ سرخرو ہوا کرتی ہیں۔ عوامی رائے یہ ہے کہ اس طرح کی سروے رپورٹ کو منظر عام پر آتے رہنا چاہئے تاکہ انتظامیہ کے درمیان مقابلے کی فضاء قائم رہے اور وہ بہتر سے بہتر کارکردگی دیکھا کر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش

کرتی رہیں۔ بات شروع کی تھی لگے رہو کپتان لگے رہو سے تو اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان میں شروع سے دو ہی ایسی سیاسی جماعتیں ہوا کرتی تھیں جن کو پورے ملک جانا جاتا تھا یا یوں کہہ لیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ہی وفاقی جماعتیں تھی باقی تمام جماعتیں صوبہ یا ضلع تک محدود ہوا کرتیں تھیں۔ مسلم لیگ مختلف ادوار میں تقسیم ہوتی رہی ہے اور ن لیگ کے نام سے جانی جانے والی پاکستان مسلم لیگ نواز اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان میثاق جمہورت معاہدہ طے پانے کہ بعد عام رائے پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں جماعتیں آپس میں معاملات طے کر چکی ہیں جسے کپتان مک مکا یا باریاں باندھنے کا نام دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ ماضی میں ایک پارٹی کی مقبولیت میں دوسری پارٹی کی خراب کارکردگی کے باعث عوامی ناراضگی اور نفرت جیسے جذبات کارفرما ہوا کرتے تھے۔ پی ٹی آئی کے وفاقی جماعتوں کی لسٹ میں شامل ہونے پر تعداد دو سے بڑھ کر تین ہو گئی ہے۔ ماضی میں حکومتوں کے درمیان کارکردگی میں بہتری لانے میں مقابلے کے رجحان کی مثال نہیں ملتی جیسا کہ آج کل پیدا ہو چکی ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف اپنی کارکردگی کے حوالے سے عالمی شہرت رکھتے ہیں جبکہ عالیہ سروے نے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخواہ پرویز خٹک کی بھی حوصلہ افزائی کر دی ہے۔ پرویز خٹک پی ٹی آئی کا لگایا ہو پودہ ہے جبکہ پی ٹی آئی کا پودہ کپتان نے بویا تھا جو اب ایک تناور درخت بن چکا ہے اسلئے میں خیبر پختونخواہ میں حکومت کی بہتر کارکردگی کا کریڈٹ کپتان

کو دیتا ہوں اور ساتھ ایک بار پھر کہتا ہوں لگے رہو کپتان لگے رہو۔ پورے پاکستان میں پی ٹی آئی کی حکومت نہیں تو کیا ہوا پیغام تو پہنچ رہا ہے۔ ہم ذاتی انا کا مسئلہ نہ بنائیں تو کسی چور دروازے سے گزر کر دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کی ضروت پیش نہیں آئے گی۔ اب اُمید ہو چلی ہے کہ وہ دن ضرور آئے گا جب نوجوان نسل تبدیلی لائے گی اور ہو سکتا بقول کپتان نیا پاکستان بن جائے۔ ہمیں پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ نواز یا کسی اور جماعت کے ساتھ کوئی ذاتی اختلاف نہیں اور نہ ہم تنقید برائے تنقید کی پالیسی اپنانے کے حامی ہیں۔ ہم تو بات کرتے ہیں بلاامتیاز اس لئے ہم جس تبدیلی کی بات کرتے ہیں اُس میں کسی سیاستدان یا جماعت کی حمایت یا مخالفت کرنا نہیں بلکہ ملک و قوم کے حق میں کام کرنے والوں کو آگے لانے کی ضرورت پر زور دینا اہم ہے۔ تبدیلی حکمرانوں کی نہیں بلکہ ضرورت ہے ذہن تبدیل کرنے کی، ضرورت ہے شعور بیدار کرنے کی، ضرورت ہے، آگاہی پھیلانے کی، ضرورت ہے، تعلیم و ہنر میں بہتری لانے کی، ضرورت ہے اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا رجحان پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی جس کی ابتداء ہو چکی ہے۔

تجھ میں اُن کی ثنا کا سلیقہ کہاں

تجھ میں اُن کی ثنا کا سلیقہ کہاں، ربیع اول کا مبارک مہینہ شروع ہوتے ہی دیوانے اپنے اپنے انداز میں سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت، عقیدت،احترام جیسے پاکیزہ جذبوں کا اظہار کرنے لگتے ہیں ۔میں بھی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر اپنی حاضری پیش کرکے غلاموں میں نام درج کراونے کی تمنا لئے کئی مرتبہ لکھنے بیٹھا پر ہر بار اندر سے آواز آئی تجھ میں اُن کی ثنا کا سلیقہ کہاں۔ محسن انسانیت کہتا ہوں پھر سوچتا ہوں کہ آپ ﷺ تو دیگر مخلوقات کے بھی محسن ہیں،انسان اللہ تعالی کی لاڈلی مخلوق ہیں اسی لئے اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے اپنی رحمتوں کا نزول انسانوں پر زیادہ فرمایا۔اللہ تعالی کی حکمتوں اور دانشوں کو وہ ہی جانتا ہے ہمیں تو بس یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ ہمارے لئے دنیا وآخرت میں اللہ تعالی کی رحمت ہیں اور ہم اُن کے غلاموں کے غلام ۔آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے سب جہانوں کیلئے رحمت بنایا اور فرمایا کہ ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت سارے جہانوں کیلئے'' (الانبیآء: 107) اور پھر فرمایا (مفہوم) اللہ اور اللہ کے فرشتے آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا دیا مومنوں تم بھی نبی کریم ﷺ پر درود و اسلام پڑھا کرو۔سارے جہانوں اور زمانوں کیلئے رحمت بنایا اور تمام زمانوں اور جہانوں میں آپ ﷺ پر درود و اسلام کی ایسی ترتیب بنائی کہ اپنے محبوب کے درجات بلند

کرنے میں کمال ہی کر دیا۔اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے بات صاف ہو گئی کہ جو نبی کریم ﷺ پر درود نہیں پڑھتا وہ مومن نہیں اور جو کثرت سے درود و اسلام پڑھتا ہے وہ مومنوں میں شامل ہے۔ہم کسی کے ظاہری رنگ روپ کو دیکھ کر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں تو نہیں ہوتے کیونکہ عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور نیتوں کے راز اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر بھی ظاہری اعمال و کردار کافی حد تک انسانی جذبات کے عکاس ہوتے ہیں۔اللہ کے حبیب نبی حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے چاروں طرف جشن عید میلادالنبی کی خوشیاں منائی جارہی ہیں،ہر کوئی اپنی حیثیت سے بڑھ کر چراغاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے،درود و اسلام کی محافل سجائی جارہی ہیں ، گھر، گلیاں بازار اور گاڑیاں سج چکی ہیں۔12 ربیع اول کے جلوسوں کی تیاری زور شور کے ساتھ ، جاری ہیں ، ہر چہرہ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار ہے، چھوٹوں بڑوں کی زبانوں پر آپ ﷺ کی نعت جاری ہے ۔دیکھو مسلمانوں کتنے خوش قسمت ہیں ہم لوگ سارا جہاں ہمارے ساتھ خوش ہے ۔کائنات میں کوئی ایسا تہوار، رسم و رواج نہیں جس میں پوری کائنات ایک وقت میں یکجا ہوتی ہو۔دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے مسلمان ایک اللہ ایک قرآن کے ماننے والے حضرت محمد ﷺ کی اُمت ہیں یہی ہے ہمارے ، اتحاد کا مرکز۔ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہے، بہن بھائیوں کے ساتھ کیسا برتاؤں رکھنا ہے ؟، ہمسایوں کے حقوق کیا ہیں ؟ حق اور سچ کی گواہی دینی ہے ؟ظالم کا ہاتھ روکنا ہے ؟ مظلوم کا ساتھ دینا ہے ؟ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے ، ؟ کس طرح زندگی کے شب و روز بسر کرنے ہیں اور دیگر ہر مشکل کا حل آپ ﷺ

کی حیات طیبہ سے ملتا۔آپ سرکارﷺ کی زندگی مبارکہ نہ صرف ماننے والوں بلکہ نہ ماننے والوں کیلئے بھی مشعل راہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ مسلم وغیر مسلم کا خالق ومالک حقیقی ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے محسن انسانیت آپ ﷺ کو سب جہانوں کیلئے رحمت بنایاہے ،جس طرح اللہ پاک ماننے والوں اورنہ ماننے والوں میں ظاہری تفریق کئے بغیرپیدا کرتا اورپالتاہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی ﷺ کو کائنات کی ہر مخلوق کیلئے رحمت بناکراپنے اوراپنی مخلوقات کے درمیان مضبوط رابطہ اور تعلق قائم فرمایاہے۔ دورحاضر میں ہرطرف اتحاد کی طاقت کوتسلیم کیاجاچکاہے ،ملک ریاستیں اورقبائل آپس میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش میں ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر انسانیت کو اتحادکاایسافا مولا عطاکیاجس کی کوئی مثال ہی نہیں ۔بے مثل رب رحمٰن ،بے مثل نبی کریم اوربے مثل قران وحدیث ہمیں بے مثل اتحادکاکامیاب راستہ فراہم کرتے ہیں پھر بھی مسلمان شدید مشکلات کا شکارہیں ۔دنیا بھر میں مسلمانوں پرہونے والے مظالم کو بھی تسلیم کیاجاتاہے اوردنیا بھرمیں ہونے والے مظالم کاذمہ دار بھی مسلمانوں ہی کو ٹھہریاجاتاہے۔بے شک یہ دورامن ومحبت کے دین اسلام کے ماننے والوں کیلئے کڑی آزمائش کا وقت ہے۔آج ہی میں اخبار میں لندن سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں پڑھ رہاتھاکہ دہشتگردی کے شکار 10 سرفہرست ملکوں میں مسلمان ممالک سرفہرست ہیں۔ ہلاکتوں کے اعتبار سے عراق سرفہرست رہا۔ دہشت گردی کے واقعات دنیا بھر میں بڑھ رہے ہیں جس کے نتیجہ میں عالمی

بدامنی، بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے۔ گلوبل ٹیررازم انڈکس ظاہر کرتا ہے کہ عالمی طور پر 80 فیصد ہلاکتیں صرف پانچ ممالک میں ہوئیں۔ برطانوی اخبار انڈیپنڈنٹ کے مطابق جی ٹی آئی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ 2013ء میں 16 ہزار سے زیادہ ہلاکتیں ہوئیں اور گزشتہ سال کے مقابلہ میں ہلاکتوں کی تعداد میں 61 فیصد اضافہ ہوا۔ 2014ء میں دنیا بھر میں دہشت گرد حملوں میں 32658 افراد ہلاک ہوئے جو 2013 کے مقابلہ میں 80 فیصد زیادہ ہیں۔ 2014ء میں دہشت گردی کی مجموعی ہلاکتوں میں 78 فیصد ہلاکتیں پانچ مسلمان ممالک عراق، افغانستان، نائیجیریا، پاکستان اور شام میں ہوئیں۔ آپ کہیں گے موقع تو خوشی کا اور بات بھی خوشی سے شروع ہوئی پھر یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھ گیا ہوں۔ تو جناب خوشی کے موقع پر ہی پرانے درد نئے زخموں پر نمک پاشی کرکے آنکھوں کو شدت تکلیف سے تر کر دیا کرتے ہیں۔ ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ آج مسلمان اپنے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت پر جشن منا کر محبت و عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا اجتماع حج کے موقع پر مسلمانوں کا ہوتا ہے اور دنیا میں دہشتگردی کا شکار بھی سب سے زیادہ مسلمان ہیں ؟آج دنیا بھر کے غیر مسلم مسلمانوں کیخلاف متحد ہو کر مظالم ڈھا رہے اور ہماری قیادت صرف عسکری اتحاد میں پناہ لینے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ ہمیں اس وقت لاالہ کی بنیاد پر اتحاد قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے، ہمیں دشمنوں کیخلاف صرف میدان جنگ میں متحد نہیں ہونا بلکہ چاروں طرف پھیلی بے حیائی کیخلاف بھی متحد ہو کر لڑنا ہے، ہمیں

سود جیسی لعنت کیخلاف بھی اتحاد قائم کرنا چاہیۓ ۔ہم حضرت محمد ﷺ کے ماننے والے ہیں جن کو غزوہ اُحد میں لہو لہان کر دیا گیا، شدید ترین اذیت کے لمحات میں آنحضور نے دعا فرمائی۔''اے اللہ میری قوم کو بخش دے، یہ حقیقت کا علم نہیں رکھتے'' (مسلم)۔ طائف کے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ نا قابل بیان ہے پر ان کے حق میں بھی آنحضور ﷺ نے بد دعا نہیں فرمائی بلکہ اس توقع کا اظہار فرمایا کہ ان کی اولاد تو ایمان لے آئے گی، اللہ پاک نے اپنے حبیب کی توقع چند ہی سالوں بعد پوری بھی کر دی ۔ہمارے لئے یہ بات لمحہ فکریہ ہے کہ آج کریم آقا ﷺ کی اُمت کو دہشتگرد کہا جاتا ہے ۔میں آپ ﷺ کی شان میں کچھ لکھ سکوں یہ میری اوقات نہیں ۔

بیان کیسے ہو لفظوں میں شان
بے مثل ہیں آمنہؓ کے لال
آل نبی کے در کا گدا ہے شاکر
یہی شان میری یہی میرا جمال
تجھ میں اُن کی ثنا کا سلیقہ کہاں''
''وہ رحمت دو جہاں تو کہاں وہ کہاں

میرا وجود کہیں بھی نہیں وہ اللہ کی رحمت یہاں، وہاں ہر جگہ۔راقم کی جانب سے تمام مسلمانوں کو جشن عید میلاد النبی بہت بہت مبارک ہو، خوش رہیں اور دوسروں کیلیے

خوشیوں کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔اللہ تعالی کائنات کی ہر مخلوق

(پر اپنی رحمت فرمائے (آمین

قائداعظم کا پاکستان، اسلام کی تجربہ گاہ

25 دسمبر 2013ء کو تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن' ممتاز صحافی اور نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین ڈاکٹر مجید نظامی (مرحوم) نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے 137 ویں یوم ولادت کے موقع پر نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے زیرانتظام منعقدہ خصوصی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج سے زیادہ مبارک دن اور کوئی نہیں ہے،آج ہم اُس عظیم شخصیت کی سالگرہ منا رہے ہیں جس نے ہمیں آزادی جیسی عظیم الشان نعمت دلوائی۔برصغیر کے مسلمانوں کیلئے آزاداور خودمختاراسلامی جمہوریہ پاکستان اللہ تعالی کے تحفے سے کم نہیں' قائداعظم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے۔ میری اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ پاکستان کو قائداعظم،علامہ محمد اقبال اور مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کا پاکستان بنا دے۔ قائداعظم نے ہندو اور انگریز سے لڑ کر مسلمانوں کیلئے علیحدہ آزادملک حاصل کیا۔ ہندو اور انگریز بھارت ماتا کی تقسیم سخت کیخلاف تھے۔پنڈت نہرو کا لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ معاشقہ چل رہا تھااور ماؤنٹ بیٹن اتنے بے غیرت تھے کہ وہ نہرو کا پورا ساتھ دے رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ قیام پاکستان سے قبل یہاں ہندو اور مسلم پانی کی الگ الگ صدائیں لگتی تھیں۔ میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ پڑھا ہوا ہوں، میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم اگر ان کے گھروں میں چلے جاتے

توہمیں ان کے باورچی خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی، ہم غلطی سے وہاں چلے جاتے تو وہ اسکی اچھی طرح صفائی کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک ہمارے جانے سے باورچی خانہ ناپاک ہو جاتا۔آج کا پاکستان ویسا پاکستان نہیں ہے جس کا نظریہ ہمیں علامہ محمد اقبال نے دیا اور قائداعظم و مادرملت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی زندگی وقف کرکے اسے حقیقت بنایا۔علامہ محمد اقبال نے ہی اُس مردِ مومن کا انتخاب کیا جس نے پاکستان بنانا تھا۔ مادرملت محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کی دن رات تیمارداری کی اور انہیں اس قابل بنایا کہ وہ پاکستان بنا سکیں۔ پاکستان نہ بنتا تو آج ہمیں جو خوشحالی نظر آ رہی ہے یہ نہیں ہونی تھی۔ہم ایوان اقبال کے بعد اب ایوان قائداعظم بھی بنا رہے ہیں، پاکستان نہ ہوتا تو یہ عمارتیں بھی قائم نہ ہوتیں۔ ہم نے اپنی نالائقی سے ایک سے دو پاکستان بنا دیے۔آج بنگلہ دیش میں شیخ مجیب کی بیٹی ملّا عبدالقادر کو پھانسی دے چکی ہے جبکہ اس نے پاکستان کے حامیوں کی فہرست بھی بنا رکھی ہے۔انہوں نے کہا کہ شیخ مجیب الرحمٰن یہاں گرفتاری کے بعد رہا ہو کر واپس جا رہے تھے اور بنگلہ دیش بنانے پر تلے ہوئے تھے' وہ اس وقت ملک غلام جیلانی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے تو میری وہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ مجیب صاحب' پاکستان کی مخالفت نہ کریں، الیکشن ہونیوالے ہیں آپ کی اکثریت ہوئی تو آپ حکومت کریں۔ انہوں نے مجھ سے کہا مجید بھائی، یہ فوجی مجھے حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ (تمام بنگالی بھائی مجید بھائی کا لفظ

استعمال کرتے تھے)۔ میں نے کہا آپ ایک کی بجائے دو دارالحکومت بنالیں اور ڈھاکہ سے بیٹھ کر حکومت کریں لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی کیونکہ وہ بنگلہ دیش بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا امن کی آشا کے پجاریوں نے یہ رٹ لگا رکھی ہے کہ قائداعظم سیکولر تھے اور وہ پاکستان کو سیکولر ملک بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سو فیصد بکواس ہے۔ قائداعظم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے پر زندگی نے انہیں موقع نہ دیا۔ انہیں موقع ملتا تو وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایسا پاکستان بناتے جیسا علامہ محمد اقبال چاہتے تھے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پاکستان کو قائداعظم علامہ محمد اقبال اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا پاکستان بنا دے۔ اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ قائداعظم زندہ ہیں اور انشاء اللہ پاکستان قائد عظم کا پاکستان بن کر رہے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح بانی پاکستان کی شخصیت پر تاریخ نگاروں نے بے شمار کتب مقالے اور مضامین لکھے ہیں جن میں قاری کو اُن کی شخصیت بارے میں اہم معلومات اور دیگر کارناموں کے معلق کافی مواد ملتا ہے۔ قائداعظم کی سوانح عمری اُن کے افکار، اُن کی تقاریر پر نگاہ دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بلا شبہ وہ انیس ویں صدی کے عظیم ترین لیڈر تھے۔ انیس ویں صدی برصغیر کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کی حامل رہی۔ اس صدی میں چند ایسی مسلم ہستیوں نے اپنا لوہا منوایا جنہوں نے خطے کے مسلمانوں میں یگانت اور بھائی چارے کی نئی روح پھونک کر انہیں ایک وحدت میں منسلک

کر دیا۔ان عظیم ہستیوں میں شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال ، مولانا ظفر علی خاں،ڈاکٹر ضیاء، مولانا شوکت علی، سر سید احمد خاں ، مولانا محمد علی جوہر اور قائد اعظم محمد علی جناح کے نام نمایاں ہیں ۔ان رہنماؤں نے برصغیر کے مسلمانوں کو غلامی کی پستی سے نکال کر صیحح اور روشن منزل کا پتا دیا۔ وہ منزل قائد اعظم محمد علی جناح کی مدبرانہ اور ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانوں نے 14 اگست 1947ء کے دن پاکستان کی صورت میں حاصل کی ۔ بانی پاکستان قائداعظم نے چالیس سالہ جہد مسلسل سے بتدریج مختلف ارتقائی منازل اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنی معجزاتی و کرشاتی شخصیت کی بدولت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ہم ہر سال 25 دسمبر کے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا یوم ولادت قومی جوش وجذبے کے ساتھ مناتے ہیں ۔اس دن ہم اپنے قائد کی یاد تازہ کرنے کیلئے اُن کے اقوال اور پاکیزہ جذبے کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔ قائداعظم سمجھتے تھے کہ مسلمان مذہب کی رو سے ہندوؤں اور انگریزوں سے الگ قوم ہیں اس لیے ان کی آزادی اور خود مختاری کے لیے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کی ضرورت ہے۔ نظریہ اسلام کی بنیاد آزاد ہونے والے پاکستان کو سیکولر ثابت کرنے کیلئے جس انداز میں بانی پاکستان کو سیکولر قرار دینے کی کوشش ہو رہی ہیں اُن کے پیچھے گہری سازشوں کی بو آتی ہے۔ قائداعظم نے مسلمانوں کیلئے جسطرح علیحدہ آزاد اسلامی ریاست کی جدوجہد کی اسکی مثال نہ تو ماضی میں ملتی ہے نہ مستقبل میں ملنے کی

اُمید ہے۔ سیکولر نظریہ کامقابلہ کرنے کیلئے قائدا عظم کے اسلامی نظریات کے بارے میں ابھی تک بہت کم لوگوں نے قلم اٹھایا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ سیکولرذہنیت رکھنے والے دانشور حضرات مسلسل قائدا عظم کو سیکولر قرار دینے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ قائدا عظم نے تقسیم ہند سے پہلے اور بعد میں متعدد بار یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی بنیاد اسلامی اصولوں پر اٹھائی جائیگی اور پاکستان کے نظام آئین اور ملکی ڈھانچے کو اسلامی اصولوں پر استوار کیا جائیگا۔ قائدا عظم سیکولر ہوتے توپھر وہ برصغیرکے مسلمانوں کی قیادت کرنے کی بجائے ہندو بنئے کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تحریک آزادی کو کچلنے کوشش کرتے جبکہ انہوں نے ایسا نہیں کیااور مسلمانوں کی قیادت کی ذمہ داری اپنے سرلیتے ہوئے اس انداز میں دوقومی نظریہ کواجاگر کیاکہ پاکستان ایک آزادملک بن کردنیاکے نقشے میں شامل ہوگیا۔ قائدا عظم کا تعلق کسی سیکولر گھرانے سے نہیں بلکہ ایک مذہبی خاندان کے ساتھ تھاجب انہوں نے ہوش سنبھالا توان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کیلئے ان کے والد پونجا جناح نے سندھ مدرستہ الاسلام کا انتخاب کیا۔ معروف مصنف رضوان احمد مرحوم نے گہری تحقیق اور محنت سے قائدا عظم کی زندگی کے ابتدائی سالوں پر کتاب لکھی ہے ان کے مطابق قائدا عظم کو بچپن میں قرآن مجید پڑھایا گیا۔ جسطرح سارے مسلمان بچوں کو اس دور میں پڑھایا جاتا تھا۔ انکی ہمشیرہ شریں بائی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں ”قائدا عظم محمد علی جناح“ کے والد پونجا جناح مشن سکول کے معلم

تھے بیٹے کو سکول میں داخل کرنے کا وقت آیا تو اسے مشن سکول کی بجائے ''سندھ مدرستہ السلام'' میں داخل کروایا۔ پونجا جناح صرف تاجر ہی نہ تھے معلم بھی تھے بچپن کی تعلیم اور اسکے اثرات سے آگاہ تھے وہ جانتے تھے کہ ایک بچے کی ذہنی ساخت اور کردار سازی میں کون کون سے چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ وہ ان لوگوں کا ہاتھ بٹانے والے بھی تھے جنھوں نے سندھ مدرستہ الاسلام کے قیام کی ضرورت محسوس کی اور اسے قائم کیا۔ وہ خود گھر پر بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور ماں بچوں کو مذہبی تاریخی کہانیاں سنایا کرتی تھیں''۔ قائداعظم حقیقی مسلمان اور محبت رسول اللہ ﷺ سے سرشار تھے جس ثبوت یہ ہے کہ جب وہ انگلستان سے واپس بمبئی پہنچے نوجوانی کی عمر میں قائداعظم نے پہلی بار جس تقریب میں شرکت کی وہ عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب تھی اس وقت کوئی محمد علی جناح کو جانتا بھی نہ تھا۔ اگلے سال بھی وہ اس تقریب میں موجود تھے۔ کیا یہ سمجھنا مشکل ہے کہ بظاہر ولایتی سوٹ پہننے والے جناح کے باطن میں رسول ﷺ کی محبت کی روشنی موجود تھی جو انہیں ان تقریبات میں کھینچ لائی تھی۔

نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے

تمام تر نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ راقم کی طرف سے پوری دنیا کے انسانوں خاص طور اہل پاکستان کو نیا سال مبارک ہو۔زندہ دل قومیں آنے والوں کو خوش دلی کے ساتھ خوش آمدید اور جانے والوں کو رخصت کیا کرتیں ہیں ۔سال 2015ء کی آخری شام کی دہلیز پر کھڑے لاکھوں تکالیف سینے میں چھپائے آنکھوں میں سنہرے خواب سجائے سال 2016ء کو اس اُمید کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہیں کہ نیا سال خوشیوں کا پیغام لائیگا اور چاروں طرف پھیلی بداعمالیاں، بے ایمانیاں، وحشت ناک بدامنی، ناانصافی ، دہشتگردی، مہنگائی، بے روزگاری، بھوک ،ناپ تول میں کمی کا رجحان اور دیگر مسائل کا خاتمہ آئندہ سال ممکن ہوگا۔دنیا تیزی کے ساتھ تیسری جنگ عظیم کی طرف گامزن ہے، ہر طرف جنگی اتحاد قائم ہو رہے ہیں کوئی بھی انسانی اتحاد قائم کرنے کی طرف توجہ نہیں دے رہا حتیٰ کہ اسلام کے مرکز سعودی عرب سے بھی عسکری اتحاد کا نعرہ بلند ہوچکا ہے ۔خطرناک ہتھیاروں کی دوڑ بہت تیز ہو چکی ہے ،انسانوں کے منہ سے نوالہ چھین کر حکمران ایٹم بم بنانے پر خرچ کر رہے ہیں ۔جس رفتار کے ساتھ غربت میں اضافہ ہو رہا ہے اُسے دیکھ کر اُمید کی جا سکتی ہے کہ کسی کو بھی ایٹمی ہتھیار چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ،دنیا بھر میں لوگ بھوک اور بیماریوں کے ہاتھوں

مارے جائیں گے۔جس جنگی جنون میں انسان مبتلا ہو چکا ہے واپسی ممکن نہیں پھر بھی اُمید کا دامن ہاتھ نہیں چھوڑنا چاہئے۔جناب چوہدری عبدالخالق صاحب نے خوشی،اُمید، عدل وانصاف کے جذبے، صحت و تعلیم کی اہمیت اور مستقبل میں محنت اور لگن کے ساتھ کام کرنے کی خواہش کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں

سال نو کو خوش آمدید کہتے ہیں''

نویدِ مسرت ہمیں جو سنائے
نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے
غریبی کا رونا کوئی بھی نہ روئے
کوئی بھی بشر رات بھوکا نہ سوئے
پریشانی کوئی کسی کو نہ آئے
نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے
یہاں سر چھپانے کو اپنا مکاں ہو
یہاں روزگاری کا ملنا آساں ہو
بیکاری کسی کو کبھی نہ ستائے
نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے
یہاں ہر باشندہ،بڑا محترم ہو
یہاں ایک جیسا سبھی کا بھرم ہو
امیری غریبی کوئی نہ جتائے

نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے
ملے سب کو تعلیم یکساں معیاری
ترقی کی راہ پہ چلے قوم ساری
پڑھائی میں پیچھے کوئی رہ نہ جائے
نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے
صبح شام محنت کریں بندے سارے
تو جاگیں گے سوئے مقدر ہمارے
محبت کے نغمے ہر ایک شخص گائے
''نیا سال خوشیوں کا پیغام لائے

غور طلب بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سی بلا ہے جس نے ماضی اور حال میں انسان کے دل محبت کے جذبے کو نکال نفرت کے بیج بوئے اور پھر اُسے کھاد پانی بھی مہیاء کئے ؟کائنات میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں تخلیق فرما کر ہمارے لئے زندگی کا بہترین سامان پیدا کیا اور ہم دنیا بھر کے وسائل اپنے دامن میں سمیٹ کر آرام و سکون حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی سوچ نے انسان کو بے حد ظالم بنادیا ہوگا جو آج دنیا پر حکمران بن چکے ہیں۔ راقم یہ کہنے پر مجبور ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں کی طرح سال 2015ء میں بھی دنیا کی حکمرانی ظلم پسند ذہنیت کے نرغے میں رہی۔ظالم حکمران کہاں سے آتے ہیں ؟اس

سوال کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت کسی بھی مسلمان کو نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران مسلط ہوں گے۔ ہمارے بہت سے اعمال ایسے ہیں جو ہمیں مسلمان ثابت کرتے ہیں پر ہم ان کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی کرتے ہیں جن کے کرنے سے ہمارے وہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جو ہمیں قدرتی آفات، زلزلوں، وباؤں یعنی بیماریوں، قحط و مصیبت، ظالم حکمرانوں، غیر مسلم دشمنوں، آپسی لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ایسے حالات میں بیٹھ کر حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنے یا صرف یہ سوچنے سے کہ ظالم حکمران کہاں سے آتے مصیبتوں سے جان نہیں چھوٹتی۔ کیونکہ ظالم حکمران نہ تو آسمان سے گرتے ہیں، نہ زمین کھود کر نکالے جاتے ہیں، نہ سمندروں کی گہرائیوں سے دریافت ہوتے ہیں، نہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتے ہیں اور نہ ہی کوئی خلائی مخلوق ہیں۔ یہ ظالم حکمران بھی ہماری طرح ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں اور یہ پیدائشی ظالم بھی نہیں ہوتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ ظالم کس طرح بن جاتے ہیں؟ کیا کوئی سکول، کالج یا یونیورسٹی ہے جو ظلم و جبر کی تربیت دیتی ہے ان کو؟ ناقص عقل سے ان سوالات کے جوابات مانگیں گے تو ان سوالات کے جوابات ملنے کی بجائے بہت سے اور سوالات جنم لیں گے جو ہمیں گمراہی کی طرف بھی مائل کر سکتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے مسلمان اپنے دین اسلام سے ان سوالات کے جوابات مانگ لیں۔ کوئی غیر مسلم بھی اسلام سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو اسے بھی کھلی چھٹی ہے۔ وہ

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمدؐ کو دو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اسلام نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات میں موجود تمام مخلوقات کے حقوق کا نگہبان ہے۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں اور وہ تمام اعمال بھی باقاعدگی کے ساتھ دہراتے رہیں جن سے میرے اور آپ کے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے پناہ مانگی تو پھر ہم صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں پانچ چیزوں سے کہ تم ان کو پاؤ۔ جب کسی قوم میں فحاشی (یعنی شراب نوشی بدکاری ناچ گانا وغیرہ) اعلانیہ ہوں گے تو وہ طاعون یعنی وباؤں اور ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوگی جو ان سے پہلے لوگوں میں کبھی نہ ہوئی تھیں۔ جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی (یعنی تجارتی بدعنوانیاں، چوربازای وغیرہ) کرے گی تو ان میں قحط مصیبت اور ظلم ہوگا۔ جو کوئی قوم زکواۃ نہیں دیتی تو اللہ تعالیٰ ان پر بارانِ رحمت روک دیتا ہے، جانور نہ ہوں تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی۔ جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسولؐ سے عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیر قوم سے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کردیتا ہے جو ان کے مال (یعنی دولت، تجارت اور زرعت وغیرہ) کو زبردستی چھین لیتا ہے۔ جب مسلمان حاکم اللہ کی کتاب (یعنی قرآن کریم) پر عمل نہیں کرتے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں کرتے (شریعت نافذ نہیں کرتے) تو اللہ تعالیٰ ان میں لڑائی کرادیتا ہے (یہاں تک کہ خانہ جنگی ہوجائے) قارئین محترم غور کریں تو یہ تمام برائیاں آج ہمارے معاشرے موجود

ہیں اور وہ تمام مشکلات بھی موجود ہیں جن کے بارے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ ہم ان مشکلات (یعنی عذاب الٰہی) سے بچنا چاہتے ہیں تو پھر نئے سال کو غیر اسلامی طریقوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر خوش آمدید کہنا چاہے۔ کم از کم مسلمانوں کو ہیپی نیو ائیر نائٹ زنا، ناچ گانا، شراب نوشی، ہوائی فائرنگ اور نشے کی حالت میں اپنے ہی قومی اثاثوں کی توڑ پھوڑ کر کے نہیں منانی چاہے۔ اور یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ سے عہد شکنی نہیں کریں گے۔ بقول فیض احمد فیض

اے نئے سال بتا، تُجھ میں نیا پن کیا ہے؟"
ہر طرف خَلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے
روشنی دن کی وہی تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر ایک بات وہی
آسمان بدلا ہے افسوس، نا بدلی ہے زمیں
ایک ہندسے کا بدلنا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری، فروری اور مارچ میں پڑے گی سردی
اور اپریل، مئی اور جون میں ہو گی گرمی
تیرا مَن دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا

اپنی میعاد بسر کرکے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی، شام نئی
ورنہ اِن آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب لوگ دیتے ہیں کیوں مبارک بادیں
غالباً بھول گئے وقت کی کڑوی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر جہاں سے سب کی
فیض نے لکھی ہے یہ نظم نرالے ڈھب کی

یقیناً نئے سال میں کوئی بات بھی نئی بات نہیں ،ہر صبح سورج نکلے گااور شام کو ڈوب جائے گا،ہر سال کی طرح ہی 2016ء میں بھی کوئی پیدا ہوگااور کوئی رخصت ہو جائے گا،پھر بھی ہم اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں دُعاگو ہیں کہ نیا سال انسانیت کیلئے خوشیوں کا پیغام لائے اورانسان جنگوں کا سامان جمع کرنے بجائے امن وسکون کی تلاش میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کرزندگی گزارنے کی کوشش کریں،سودی نظام کے حامیوں پراللہ کی لعنت برسے اور زاکواۃ کا نظام رائج ہو

نئے سال کا جشن اور انسانیت کی سسکیاں

گزشتہ کئی دہائیوں کی طرح اس سال بھی دسمبر جاتے جاتے لاشوں کے تحفے ہماری جھولی میں ڈال گیا۔ہم سال 2016ء کا استقبال بھی ماضی کی طرح خود کش دھماکوں سے اُڑتے انسانی جسموں کے چیتھڑوں کی بارش میں خوب دھوم سے کریں گے۔پاکستانیوں کے گھروں میں صف ماتم بھی ہے اور خوب چراغاں اور ڈانس وانس بھی ہوگا۔جانور بھی اپنی نسل کے کسی جانور کی موت پر کچھ دیر افسردہ ہوجاتے ہیں پر انسان اپنی لاش پر بھی نئے اور پرانے سال کا جشن مناتا ہے۔دنوں کی گنتی کے ہیر پھیر کا جشن منانے سے پہلے ہمیں فیصلہ کرلینا چاہئے کہ جشن کسی خوشی کے حاصل ہونے پر منایا جاتا ہے یا پھر خود کش دھماکوں میں درجنوں بھائیوں کی موت کے باوجود سال کی تبدیلی کا جشن ضروری ہے؟جنازے آنگن میں سجا کر ماتم کیا جاتا ہے جشن نہیں ہوتا۔سال 2015ء میں بھی ماضی کی طرح لاکھوں انسان دہشتگردوں کے ہاتھوں مارے گئے،لاکھوں کو بیماریاں اپنے ساتھ لے گئیں،ہزاروں بیٹیوں کی عزتیں داغدار کردی گئی،ہزاروں نے حالات سے تنگ آکر خود کشی کرلی،کروڑوں بے روزگاری اور مہنگائی کے ہاتھوں پریشان خودکشیاں کرنے کو تیار ہیں،مہنگائی نے جیتے جاگتے انسانوں کو لاشوں میں تبدیل کرکے رکھ دیا ہے پھر بھی حکمران سال 2015ء میں اپنے حسین ترین کارناموں کی لسٹ بنا کر پیش کریں گے،جس میں بتایا جائے گا کہ دہشتگردی،بے روزگاری،لوڈشیڈنگ

مہنگائی، خود کش حملوں، کرپشن، ناانصافی اور دیگر مسائل میں اتنے فیصد کمی آئی جبکہ ملک، کے حالات بہتر ہونے کی وجہ سے سرمایہ کاری اور، اور، اور میں اتنے فیصد اضافہ ہوا۔ نئے سال کی مبارکباد اور وہ تمام دُعائیں جو راقم نے سوچ رکھی تو وہ کسی اور سال کیلئے بچا رکھتے ہیں اور آج بات کرتے ہیں کہ آخر خوبصورت انسان بے درد درندہ کیوں بن جاتا ہے؟ کیوں نفرت کے بیج بوتا ہے ؟ کیوں لہو کی فصل اُگتی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان پیدائشی طور پر بہت ہی معصوم پیدا ہوتا ہے پر اس کی فطرت میں خالق نے سرکشی رکھ دی ہے جو اسے انسان سے حیوان بنانے کیلئے کافی ہے۔ سرکشی، بغاوت اور حکم عدولی انسان کو اپنے خالق سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا مطلب اپنے مقصد سے روح گردانی۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو اپنی سرکشی یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ انسان کو رب رحمٰن کے احکامات پر کس حد تک عمل پیرا ہونا چاہئے اور سرکشی کس قدر نقصان دے ہے یہ الگ اور لمبی بحث ہے۔ آج کا موضوع تحریر ہے کہ انسان معصوم بھی اور انتہائی ظالم بھی ۔انسان چاہے کتنا بھی سخت دل کیوں نہ بن جائے لہو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر دل میں اک لہر سی ضرور اُٹھتی ہے۔ ہوس ولالچ میں، آکر دوسروں کو بے دردی سے کاٹنے والے بھی کہیں نہ کہیں اپنے آپکو شرمندہ شرمندہ محسوس کرتے ہونگے ، یوں کہوں کہ ہر انسان کے اندر برائی سے بچنے اور اچھائی کو اپنانے کا جذبہ موجود ہے تو زیادہ مناسب بات ہوگی پر حالات سازگار نہ ملنے

کی وجہ سے اکثریت برائی کی دلدل سے نکل نہیں پاتی۔۔دورجدید میں انسان کی معصومیت اس قدر نایاب ہوچکی ہے کہ قتل وغارت گری کے ماحول میں چاروں طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔نہ قاتل خوش نہ مقتول اور نہ ہی آس پاس بسنے والے معصوم انسان اس دہشت بھرے نظام میں پرسکون زندگی بسر کرنے کے قابل ہیں۔ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ پھر بھی انسان کی معصومیت پکار رہی ہے۔انسانیت کی اس پکار کی کوئی آواز نہیں پر میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ جیسے انسانیت سسکیوں کی آواز میں پکاررہی ہوہم نجات چاہتے ہیں سودی نظام سے ،نجات چاہتے ہیں چاروں طرف پھیلی مذہبی اور ریاستی دہشتگردی سے،ہم نجات چاہتے ہیں قرضہ جات سے،ہم نجات چاہتے ہیں نسل در نسل پھیلی غلامی سے،ہم نجات چاہتے ہیں دھوکہ دہی سے،ہم نجات چاہتے ہیں انسانیت سوز نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں جہالت سے، ہم نجات چاہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں جاگیرداری سے، ہم نجات چاہتے اس نظام سے جس میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ،ہم نجات چاہتے ہیں ظلم کی حکمرانی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بدامنی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں بے روزگاری سے ہم نجات چاہتے ہیں بے ایمانی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں گمراہی سے ،ہم نجات چاہتے، ہیں بے راہ روی سے ،ہم نجات چاہتے ہیں دنیاکے تمام جھگڑوں سے ،ہم نجات چاہتے ہیں غربت سے ،ہم نجات چاہتے ہیں ہوس ولالچ سے ،ہم نجات چاہتے ذاتی واجتماعی بے غیرتی سے،ہم نجات چاہتے ہیں قتل وغارت گری سے،ہم نجات چاہتے ہیں ناانصافی سے،ہم

نجات چاہتے ہیں خودکشیوں سے،ہم نجات چاہتے ہیں نفرتوں بھرے ماحول سے،ہم نجات چاہتے ہیں خود کش حملوں سے ،ہم نجات چاہتے ہیں تمام دہشتگرد عناصر سے،ہم نجات چاہتے ہیں جھوٹ سے،ہم نجات چاہتے ہیں کفر کے نظام سے،ہم نجات چاہتے ہیں مولویوں کے اسلام کے نام پر ذاتی جھگڑوں سے،ہم نجات چاہتے ہیں ظالم حکمرانوں سے ہم نجات چاہتے ہیں،انسانیت کی یہ سسکیاں نجانے اور کن کن چیزوں سے نجات چاہتی ہیں ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان تمام تکالیف سے انسان کو نجات کون دلا سکتا ہے؟جبکہ یہ تمام مسائل انسان ہی کے پیدا کردہ ہیں جن کی وجہ سے انسانیت نایاب اور حیوانیت سرعام ہوچکی ہے۔اے انسان سوچ ۔قاتل کون؟مقتول کون؟دہشتگرد کون؟ دہشتگردانہ حملوں میں جان سے جانے والا کون؟ظالم کون؟مظلوم
کون؟جھوٹا کون؟دھوکے باز کون؟ناانصاف کون؟نفرتوں کے بیج بونے والا
کون؟لالچی کون؟حریص کون؟سرمایہ داری،جاگیرداری سے ناجائز فائدہ کون اُٹھاتا ہے؟ان تمام سوالات کا ایک جواب ہے (انسان) یعنی انسان خود ہی ظالم ہے،خود نفرتوں کے بیج بوتا ہے اور خود ہی لہو کی فصل کاٹتا ہے۔معصوم انسان اپنے خالق کی عظیم تخلیق کی تذلیل کرتا ہے جو خالق حقیقی کو پسند نہیں ہے۔انسان،انسان کا دشمن ہے اور انسان سے اپنی جان بچانے کے لئے انسان ہی کو اپنا محافظ مقرر کرتا ہے۔کیسی دردناک حقیقت ہے کہ انسان ہی انسان کی جان کا دشمن ہے اور انسان ہی انسان کا محافظ تصور کیا جاتا ہے۔انسان کی وحشت ثابت کرتی ہے کہ انسان معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ظالم بھی

ہے پر اس حقیقت سے انکار کرنا ناممکن ہے کہ انسان پیدائشی طور پر معصوم ہی پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کا حرص اور لالچ اسے ظالم اور فسادی بنادیتے ہیں۔ دولت و عیش کے لئے انسان اپنے وجود پر تشدد کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ بات اشرف المخلوقات کے لئے باعث فکر ہی نہیں بلکہ قابل شرم بھی ہے۔ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ انتہائی نفسا نفسی کے عالم میں بھی ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ انسان دوسرے انسانوں کے بغیر زندگی بھر تو کیا ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں انسان ،انسان سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے؟ میری نظر میں انسان دنیا کے ہر قبیلے

ہر گروہ، ہر زبان، ہر علاقے ،ہر ریاست، ہر فرقے اور ہر مذہب سے زیادہ اہم ہے اور، ہمیں دنیا کے تمام انسانوں کی ضرورت پڑتی ہے جن میں تمام قبیلوں اور مذاہب کے ماننے والے شامل ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی انسان سے اپنا مقصد حاصل ہو رہا ہوتا ہے تب وہ دوست ہوتا ہے ،تب اُس کے قبیلے ،فرقے اور مذہب سے ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور جب کوئی انسان ہمارے مفادات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تب ہم اُس انسان اس کے قبیلے ،فرقے اور مذہب کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالات و، واقعات ثابت کرتے ہیں کہ انسان کسی قبیلے ،فرقے یا مذہب کی وجہ سے قتل و غارت نہیں کرتا بلکہ اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کیلئے دوسروں کے گلے کاٹتا ہے ،یا یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا کے طاقتور افراد اور قبیلے عام لوگوں کو قبیلوں ،فرقوں اور مذاہب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑا کر اپنی پوزیشن اور طاقت.برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاریخ

انسانی بتاتی ہے ہر قبیلے ،فرقے اور مذہب کے افراد نے دوسروں کے گھر، کھیت اور ملک
طاقت کے زور پر ہتھیانے میں کسر نہیں چھوڑی ۔یہ حقیقت اس بات کا منہ بولتا ثبوت
ہے کہ پیدائشی معصوم انسان کو طاقت کا نشہ انتہائی ظالم بنا دیتا ہے اور اسی نشے کی مستی کو
قائم رکھنے کی کوشش میں انسان ،انسان کا گلا کاٹتا ہے ۔افسوس کہ دنیا بھر کی طاقت
حاصل کرنے کے باوجود انسان اپنی سانسوں پر قادر ہو سکتا ہے اور نہ ہی جسم و روح کے
رشتے کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے ۔جب موت آتی ہے تب
دولت، طاقت، قبیلہ ،فرقہ اور مذہب کوئی کارگر ثابت نہیں ہوتا۔اُس وقت یقینا
انسان موت سے نجات چاہتا ہوگا۔

(کرپشن (ام الخبائث

کرپشن ''معاشرے میں عام استعمال ہونے والا لفظ بن چکا ہے، تعلیم یافتہ اوراَن پڑھ'' تمام لوگ کرپشن سے یکساں واقفیت رکھتے ہیں۔ کرپشن اوراُس کے رشتہ دار بدانتظامی، دہشتگردی، ناانصافی وغیرہ دنیاکے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں۔دنیا کا کوئی، معاشرہ بھی کرپشن کے حق میں آواز بلند نہیں کرتاسب کے سب کرپشن کیخلاف ہیں ۔دنیابھرکے ماہرین اس بلاکے خاتمے کیلئے قوانین بھی بناتے رہتے ہیں اوراُن پر عمل درآمد کرنے میں عوام کی خون پسینے کی کمائی بھی خرچ کی جاتی ہے پھر بھی آج تک جدید،ترقی یافتہ دورکاسائنسدان کرپشن کاکچھ نہیں بگاڑسکا۔دنیاکاہرفرد معاشرے میں پھیلے کرپٹ عناصر کی نشاندہی کرتاہے پر کبھی کسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ اپنے وجود کو کرپشن سے پاک کرلے۔ہرکوئی اپنی بدعنوانی کو معمولی قرارے کردوسروں کوذمہ دار ٹھہرتانظرآتاہے،ضرورت اس امر کی ہے کہ ہرفرد اس حقیقت سے آگاہ ہوکہ کرپشن ، کرپشن ہوتی ہے وہ چھوٹی ہویابڑی۔ قارئین کرپشن انگریزی زبان کا لفظ ہے۔اردو میں اس کے معنی بدعملی، بدعنوانی، بداخلاقی، خرابی،دھوکہ دہی عام استعمال ہوتے ہیں۔ کرپشن کا لفظ ہرزبان، ہر معاشرے میں منفی سمجھاجاتا ہے۔دنیاکاہرمذہب ہرفرقہ،ہرقبیلہ کرپشن کو ناپسندیدگی کی نظرسے دیکھتااوربیان کرتا ہے۔ کرپشن کی وجہ، سے معاشرے میں دہشتگردی،ناانصافی، حق

تلفی، بدامنی، عدم استحکام، دھوکہ دہی، منافقت سمیت بے بہا برائیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے اس کو ''ام الخبائث'' بھی کہا گیا ہے۔ کرپشن معاشرے میں موجود تہذیبی، آئینی اور دیگر اعلیٰ اقدار کی موت کا سبب بنتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کر اندر سے کھوکھلا کر دینے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ بات ہر باشعور انسان سمجھتا ہے کہ قوموں کی تباہی میں مرکزی کردار ہمیشہ کرپشن کا ہی ہوتا ہے۔ جو قوم جتنی زیادہ کرپٹ ہو وہ قوم اتنی ہی جلدی برباد ہو جاتی ہے۔ جس قوم کے رگ و پے میں کرپشن کا کینسر سرایت کر جائے وہ اپنی شناخت و ساخت اور مقام و مرتبے سے یوں ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، جس طرح کینسر کا مریض بغیر علاج تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ چند روز قبل آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی گفتگو جس میں ان کہنا تھا کہ ''پورا یقین ہے 2016 دہشتگردی کے خاتمے کا سال ہو گا۔ قوم کی حمایت سے انشاء اللہ دہشتگردی، جرائم پیشہ عناصر اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑ دینگے جس سے عدل و انصاف کی راہ ہموار ہو گی'' کا حولہ دیتے ہوئے ایک قومی اخبار نے اپنے اداریہ میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ '' دہشتگردی نے قوم کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ جس کیخلاف پاک فوج پوری قوت اور عزم و جرات کیساتھ لڑ رہی ہے۔ پاک فوج اور قوم اس مشن میں 60 ہزار سے زائد قیمتی جانیں قربان کر چکی ہے۔ کرپشن نے معیشت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور جرائم پیشہ عناصر نے معاشرے کو ظلم کا معاشرہ بنا دیا ہے۔ کرپشن اور جرائم کے ناسور کو ختم کرنا جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہے۔ آرمی چیف جب جرائم پیشہ

عناصر اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑنے جیسے بیانات دیتے ہیں تو سیاستدان بدک جاتے ہیں۔ جرائم اور کرپشن سے انکار ممکن نہیں۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مصلحتوں، دباؤ اور تعلقات سے بالا ہو کر ان پر قابو پا سکتی ہیں۔ ایسا ہو تو فوج کی طرف سے ایسی بیان بازی کی نوبت نہ آئے گو ایک جمہوری حکومت کا ماتحت ادارہ ہونے کے باعث ایسی بیان بازی مناسب نہیں ہے۔ آرمی چیف کی طرف سے جس طرح دہشتگردی، کرپشن اور جرائم پیشہ عناصر کا گٹھ جوڑ توڑنے کی بات کی گئی اس سے تاثر ملتا ہے کہ دہشتگردی کیخلاف اکیلے فوج لڑ رہی ہے۔ حالانکہ دہشتگردی اور دہشتگردوں کے خاتمے کیلئے پارلیمنٹ نے نیشنل ایکشن پلان منظور کیا اور اس پر مرکزی اور صوبائی حکومتیں عمل کر رہی ہیں۔ ان حکومتوں کے تعاون سے دہشتگردوں کا گھیرا مزید تنگ ہو رہا ہے' وہ کہیں فرار ہو رہے' کہیں فوج کے ہاتھوں اور کہیں پولیس و دیگر ایجنسیوں کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ رہے ہیں۔ ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ اسی تک محدود رہیں تو اس میں جمہوریت سمیت سب کی بقا ہے''۔بڑی شخصیات کی ہاں میں ہاں ملانے والے تو بہت ملتے ہیں آج کل پر اختلاف رائے کا اظہار کرنے والے نایاب ہوتے جا رہے ہیں جس انداز میں آرمی چیف کی گفتگو کو بیان بازی کا لقب نواز کر پیش کیا گیا اُس جرات مندی پر داد تو بنتی ہے پر اُس سے پہلے یہ فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ دہشتگردی اور کرپشن کے درمیان رشتہ کتنا گہرہ ہے؟ دہشتگردوں اور سیاستدانوں کا آپسی تعلق کس قدر مضبوط ہے؟ جرائم

پیشہ عناصر اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑنے کی بات پر سیاستدان کیوں بدک جاتے ہیں؟جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آخری دہشتگرد کے خاتمے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے یاد ہشتگردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے تب ہمیں اس حقیقت کا اعتراف بھی کرلینا چاہئے کہ دہشتگردی کی جڑیں کرپشن اور بدانتظامی ہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آرمی چیف نے کرپشن ناانصافی یا بدانتظامی کیخلاف بات کردی تو کیا جمہوریت کی مخالفت ہو گئی؟کیا جمہوریت عوام کو انصاف کی فراہمی، کرپٹ عناصر کیخلاف کارروائی کی مخالفت کرتی ہے؟جمہوریت ہر شہری کی رائے کا احترام کرتی ہے اس لئے آرمی چیف کی گفتگو کو جمہوریت مخالف سمجھ لینا کسی صورت بھی مناسب نہیں کیونکہ قوم بدامنی کرپشن اور بدانتظامی کی وجہ سے بدحال ہو چکی ہے اس لئے اب کرپشن کرنے والوں کا سخت احتساب ناگزیر ہو چکا ہے اُن کا تعلق کسی جمہوری پارٹی سے ہو یا کسی سیکورٹی ادارے کے ساتھ،جسطرح
دہشتگرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اسی طرح کرپٹ افراد کو کہیں پناہ نہیں ملنی چاہئے۔یہ بات سچ ہے کہ دہشتگردی کیخلاف جنگ میں فوج کو جمہوری حکومت کی مکمل حمایت اور تعاون حاصل ہیں پر اس بات کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے کہ دہشتگردی کی ماں کرپشن اور بہن بدانتظامی کا خاتمہ کون کرے گا؟جب تک پیدا کرنے والی ماں اور پرورش میں ساتھ دینے والی بہن موجود ہے تب تک تربیت یافتہ دہشتگردوں کی
پیداوار کو روکنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم اپنی افواج کی دہشتگردوں کیخلاف جنگ اور جانیں قربان کرنے کی حمایت کریں اور کرپٹ افراد کو جمہوریت میں

پناہ دیتے رہیں؟ہمیں ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بات تسلیم کرلینی چاہئے کہ کرپشن کیخلاف جنگ بھی مل کرلڑنا ہو گی۔دہشتگردی، کرپشن، ناانصافی اوربدانتظامی کیخلاف جنگ میں قومی اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ فوجی قیادت اور جمہوریت کو تقسیم کرنے کی۔جمہوری حکومت میں امن وامان کی فضاء قائم ہو، عوام کو جلد اور سستا انصاف ملے ،بدانتظامی پر قابوپایاجائے توپھر کسی کو بھی کسی قسم کی بیان بازی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔صحافی بھی اسی معاشرے کااہم حصہ ہیں جس میں قدم قدم پر کرپشن کاراج ہے اوریہ بھی یادرہے کہ آج صحافت جس معاشی بحران سے گزررہی ہے اُس کی وجہ بھی کرپشن اوربدانتظامی ہی ہے۔راقم صحافت کی دنیاکاطالب علم ہونے کی حیثیت سے صحافی برادری سے اپیل کرتاہے کہ دہشتگردی، کرپشن، بدانتظامی کیخلاف اُٹھنے والی ہرآوازاور تحریک کابھرپورساتھ دے کرملک وقوم کی بہتری کیلئے جدوجہد میں اپناکرداراداکریں۔

تاحیات چیف

بچپن میں ہم فوجی گاڑی یا قافلے کو دیکھتے ہی سلوٹ کیا کرتے تھے ۔عمر کے ساتھ شعور میں اضافے کے بعد دیکھا کہ پاک فوج کا وہ وقار وہ نہیں رہا جو بچپن ہوا کرتا تھا نہ صرف بچے سلوٹ کرنا چھوڑ چکے تھے بلکہ بڑے بھی طرح طرح کی باتیں کرتے سنائی دیتے۔ملک کے کونے کونے میں پھیلی دہشتگردی کے باعث پاک فوج کی قربانیوں کو قوم فراموش کرنے کی قریب تر تھی۔اس حقیقت سے ہم اچھی طرح آشنا ہیں کہ افواج پاکستان کی بدولت ہی ہماری آزادی قائم ہے ورنہ بھارت جیسا مکار دشمن ہماری آزادی اور خودمختاری کو کب کا نگل گیا ہوتا۔ہمیشہ عالمی دباؤ پر بھارت ،پاکستان کے ساتھ مذاکرات پر مجبور ہوتے ہی اپنی اخلاقی شکست دیکھ کر کوئی نہ کوئی ڈرامہ رچا کر مذاکرات سے فرار ہو جاتا، جیسا کہ حال ہی میں مودی سرکار نے پٹھان کوٹ والا ڈرامہ رچایا۔ماضی میں اندورنی ،بیرونی دشمنوں اور اُن کی سازشوں سے آگاہ ہونے کے باجود حکومتوں کی خاموشی انتہائی کمزوری تھی۔جب بلند عزائم، حوصلے اور ولولوں کے ترجمان اور سوز یقین کی دولت سے مالا مال، نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پُر سوز شخصیت کے حامل جنرل راحیل شریف آرمی چیف بنے تب دشمن ملکی سرحدوں کے باہر اور اندر انتہائی سرگرم تھے اور ہم خاموشی سے اُن کی سازشوں کو کامیاب ہوتے دیکھتے ،مذمت کرتے اور آگے نکل جاتے۔ملک کے اندر خودکش حملے، بم

دھماکے، گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور سرحد پار سے آنے والے ڈرونز نے ملکی سالمیت اور خود مختاری کو چیلنج کر رکھا تھا۔ جنرل راحیل شریف نے آرمی چیف بنتے ہی دہشتگردی کے ناسور کیخلاف کارروائیاں کیں جن کی بدولت آج نہ صرف ملکی امن وامان کی صورتحال خاصی بہتر ہے بلکہ افواج پاکستان کا وقار مکمل طور پر بحال ہو چکا ہے، پاک فوج کو قوم سلوٹ پیش کرتی ہے اور بیرونی دنیا بھی ہمارے جوانوں کی دلیری کے گیت گاتی نظر آتی ہے اس لیے آرمی چیف کی مدت ملازمت کے حوالے سے راقم بھی

دیگر پاکستانیوں کی طرح انتہائی سنجیدہ ہے۔کالم نگاروں، ماہرین کے تجزیے محض اُن کی ذاتی رائے ہوا کرتے ہیں جو حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے ظاہر کی جاتی ہے ۔آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کے حوالے سے سوال کے جواب میں روحانی پیشوا سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنرل راحیل شریف تاحیات آرمی چیف رہیں گے ، کوئی اُن کی مدت ملازم میں اضافے کو نہیں روک سکتا ہاں وہ خود جانا چاہیں تو پھر کوئی انہیں روک نہیں سکتا، آپ نے فرمایا جس طرح ذوالفقار علی بھٹو نے بزدلی کی زندگی سے بہادری کی موت کو خود پسند کیا اُسی طرح آرمی چیف جنرل راحیل شریف بھی دلیر اور قائدانہ صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت کے مالک ہیں جب تک پاک فوج کی کمان اُن کے ہاتھ میں رہے گی نہ صرف پاکستان کے امن وامان میں بہتری ہوگی بلکہ دنیا بھر میں امن قائم ہونے کی راہ ہموار ہوتی چلی جائے گی، ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کیلئے ایٹم بم کی بنیاد رکھی، قادیانیوں

کو اقلیت قرار دیا، اتوار کی چھٹی ختم کرکے جمعہ کے دن چھٹی کی منظوری دی ،ہمیشہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ذوالفقار علی بھٹو کے بعد جنرل راحیل شریف نے دشمن کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے۔راقم نے مرشِد حضور سے عرض کیا جب سے جنرل راحیل شریف پاک فوج کے چیف بنے تب سے ملک میں امن وامان کی صورتحال میں بہت بہتری آئی ہے اس لئے ہر پاکستانی یہ چاہتا ہے کہ اُن کی مدت ملازم میں توسیع ضرور ہو، جبکہ کچھ سیاسی لوگ اپنی کرپشن اور دہشتگردوں کے ساتھ تعلقات کو محفوظ رکھنے کی فکر میں اُن کی توسیع کیخلاف ہیں، موجودہ حالات میں آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع آسان نہیں لگتی؟ باباجی نے فرمایا جنرل راحیل شریف بے ادب نہیں باادب ہے اس لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجاہ کی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اُسے اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹاسکے،ہماری دُعا کو اللہ نے تعالیٰ قبول فرمایا ہے ،اب جنرل راحیل شریف کی مدت ملازم میں کمی یا اضافے کا فیصلہ کرنا اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے وہ چاہئے تو آج ہی عہدہ چھوڑدے چاہے توتاحیات آرمی چیف رہے۔ہم باباجی کی باتیں سچ ثابت ہوتے دیکھ چکے ہیں اس لئے پورے یقین سے جنرل راحیل شریف کے چاہنے والوں کو یہ خوش خبری دے رہے ہیں کہ اُن کی مدت ملازم میں توسیع ضرور ہوگی۔ ہر دل عزیز جنرل راحیل شریف کو اولیااللہ بھی پسند فرماتے ہیں۔جنرل راحیل شریف کا مختصر تعارف یہ ہے ،راحیل شریف 16 جون 1956ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام میجر محمد شریف ہے،بڑے بھائی میجر شبیر شریف 1971 کی پاک بھارت جنگ میں

شہید ہوئے اور انہیں نشان حیدر ملا، وہ تین بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں،ان کے دوسرے بھائی، ممتاز شریف، فوج میں کیپٹن تھے۔ایک 27 نومبر 2013 ء وہ خوش قسمت اور سنہرادن تھاجب وزیراعظم نواز شریف نے جنرل راحیل شریف کو ملک کی بری فوج کا سربراہ مقرر کیااورایک یہ دن جب دہشت گردوں کو نیست نابود کرنے میں جرات اور بہادری کی تاریخ رقم کرنے پر امریکی نشریاتی ادارے کی رپورٹ میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو ملک کے اندر اور باہر موجود دشمنوں سے انتہائی موثر انداز میں نمٹنے اور دہشت گردی کی جنگ میں اعلیٰ کارکردگی پر دنیا کا بہترین کمانڈر قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر پاکستانی اپنے آرمی چیف کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کسی قسم کی رپورٹ کے بغیرانہیں دنیاکا نمبر1 سپاسالار سمجھتا ہے پھر بھی جب دنیا تسلیم کرے توزیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جنرل راحیل شریف نے پاکستان کے استحکام کے لیے کئی کامیاب فوجی آپریشنز کیے اور دہشت گردی کے ناسور کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا۔ دنیاکے 10 بہترین جرنیلوں میں دوسرے نمبر پر امریکہ کے مارٹن ڈم پسے، تیسرے نمبر پر چین کے فینگ فنگ ہوئی، چوتھے نمبر پر روس کے والرے گراسیموف، پانچویں نمبر پر ترکی کے ہولوسی اکار۔ چھٹے نمبر پر برطانیہ کے نک ہوفٹن، ساتویں نمبر پر جنوبی کوریاکے چوئی یون ہی آئے۔ پاکستان کے روایتی حریف بھارت کے جنرل دلبیر سنگھ 10 بہترین جرنیلوں کی اس فہرست میں 8 ویں نمبر پر جگہ حاصل کرپائے۔ جاپان کے کاتسوتوشی کاوانو اور

جرمنی کے وولکر ویکر بالترتیب 9ویں اور 10ویں نمبر پر آئے۔ماضی میں پاکستانی حکومتیں فوجی سپاسالاروں کی مدت ملازمت میں توسیع کرتی رہی ہیں ،رواں سال آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت پوری ہونے والی ہے،ملک بھر میں اس سلسلے میں بحث و مباحثے جاری ہیں ،آیا وزیر اعظم اُن کی مدت ملازمت میں توسیع کرینگے یا نہیں؟ماہرین بھی ملے جلے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں ، کسی کے خیال میں وزیر اعظم نواز شریف آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع کریں گے اور کسی کا خیال ہے کہ ایسا کرنا انتہائی مشکل ہوگا۔چند ایک کا خیال ہے کہ حکومت جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع کرے گی پر آرمی چیف توسیع قبول نہیں کرینگے۔راقم کا خیال نہیں بلکہ یقین ہے کہ روحانی پیشوا سید عرفان احمد شاہ کا فرمان سچ ثابت ہوگا اور آرمی چیف اپنے عہدے پر قائم رہیں گے ۔جب جنرل راحیل شریف آرمی چیف بنے اُس وقت ملک دہشت و وحشت کے گرداب میں گھرا ہوا تھا ایسے میں وہ ایک مسیحا بن کر سامنے آئے اور قوم کو امن و امان کی فراہمی کیلئے مضبوط فیصلے کیے۔ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں محنت، لگن اور جذبہ حب الوطنی نے نہ صرف پاک فوج کی گرتی ہوئی ساکھ کو پھر سے اوج کمال بخشا بلکہ جمہوری حکومت کو ساتھ لے کر کچھ اس انداز میں دہشتگردی کے ساتھ کرپشن کے ناسور کیخلاف جنگ شروع کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے قوم کے ہیرو بن گئے۔دہشتگردی صرف پاکستان ہی کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔جنرل راحیل شریف عالمی برادری میں بھی ایک معتبر مقام پا چکے ہیں ،

انھوں نے ایک ایسا اعزاز اپنے نام کر لیا ہے جس سے پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند ہو گئے ہیں، وزیرستان' کراچی اور بلوچستان سمیت ملک بھر سے دہشتگردی کے فوری خاتمے کیلئے کامیاب آپریشنز کے بعد ملک کی مجموعی صورتحال دنیا کے سامنے ہے کل جہاں لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے تھے آج وہاں زندگی کی تمام سرگرمیاں پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہیں۔کچھ سیاستدانوں کی مخالفت کے باجود آج بلوچستان' وزیرستان اور کراچی سمیت ملک کے مختلف علاقوں میں بھتہ خوروں' قبضہ مافیا' ٹارگٹ کلنگ' فرقہ ورایت دہشتگردوں اوراُن کے سہولت کاروں، کرپٹ افراد سمیت دیگر ملک دشمن عناصر کیخلاف جو بلاامتیاز کارروائی جاری ہے وہ آرمی چیف کی حب الوطنی ،دلیری اورروشن سوچ کامنہ بولتا ثبوت ہے۔آج ہرپاکستانی کے دل کی ایک آواز ہے کہ جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع ہونی چاہیے ،یہاں تک وہ تاحیات چیف رہیں اوراللہ تعالیٰ اُن کی عمردرازفرمائے، میں سمجھتاہوں مرشِد حضورروحانی پیشواسید عرفان احمدشاہ المعروف نانگامست نے پاکستانی قوم کے دل کی بات کواللہ تعالیٰ کے بارگاہ پیش کیاہے۔اللہ تعالیٰ اپنے اولیاکاسایہ دنیاپر قائم رکھے، جمہوری حکمرانوں،افواج پاکستان،خاص طورپرآرمی چیف کومزید ہمت وحوصلہ عطافرمائے (آمین)

توازن

بے شک اللہ تعالیٰ نے کائنات کو توازن کے ساتھ قائم کیا ہے،جب تک معاشرے میں توازن قائم رہتا ہے تب تک خوشحالی کے در کھلے رہتے ہیں،کائنات کا توازن قائم رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں یہ کام صرف اور صرف خالق حقیقی کے اختیار میں ہے،اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کو درست راستے اور معاشرتی توازن کے قیام کا علم اپنے انبیاء اکرام کے ذریعے فراہم فرمایا،اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ اور اُن کی اُمت جو باقی تمام امتوں سے بہتر ہے کیلئے عالمگیر مذہب اسلام پسند فرمایاتاکہ خالق کی کائنات میں توازن برقرار رکھنے میں انسان کو آسانی رہے ،اسلام معاشرے میں توازن قائم رکھنے والا واحد ضابطہ حیات ہے، بلاامتیاز احتساب، عدل وانصاف اور وسائل کی درست تقسیم انسانی معاشرے کی اکائیوں کو جوڑے رکھنے کیلئے انتہائی لازم ہیں،ادائیگی فرائض کے ذریعے دوسروں کے حقوق اُن کے طلب کرنے سے قبل ہی حاصل ہوجاتے ہیں ، کسی معاشرے کی کامیابی یاناکامی کادارومدار قوانین اور اُن پر عمل پیرا ہونے میں ہوتاہے،درست قوانین پر عمل پیرا ہونے والے معاشرے کامیاب جبکہ باطل قوانین پر عمل پیرایادرست قوانین پر عمل نہ کرنے والے معاشرے ہمیشہ رسوائی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں۔ قابل عمل درست قوانین وہی ہو سکتے ہیں جو تمام شعبہ زندگی میں مددگار ہوں تمام انسانوں کو بلاامتیاز بنیادی حقوق کی فراہمی ممکن

بنائیں، جو سب کے عزت، جان و مال کا تحفظ یقینی بنا سکیں، جو اقلیتوں کو ساتھ لے کر چلیں اوراُن کو مذہب، فرقے، قبیلے اور رنگ و نسل کی تفریق کیے بغیر آزاد اور خود مختار زندگی گزارنے میں مددگار رہوں۔ ماضی و حال کے درست حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے تمام تر تحقیقات، مطالعہ اور تلاش کے بعد دنیا مذہب اسلام کے مرتب کردہ قوانین کو درست، قابل عمل اور انسانی حقوق کے پاسبان تسلیم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (مفہوم) 'اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں اور زمانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے' آنحضورﷺ کا مشن کسی ایک شعبہ زندگی کی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ احکامات الٰہی کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کی تطہیر و تعمیر کرنا ہے۔ آپ ﷺ کی تحریک ہمہ گیر ہے جس نے تمام شعبہ ہائے زندگی پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کرکے انسانیت کے تصور میں انقلاب برپا کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب، قبائلی جنگوں، سیاسی انتشار اور لامرکزیت کا شکار تھا۔ جنوبی عرب کے زرخیز علاقوں پر ایرانیوں کا قبضہ تھا جبکہ شمالی عرب رومیوں کے قبضے میں تھا۔ ایرانی اور رومی اہل عرب کو محکوم اور حقیر سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے بکھرے ہوئے قبائل اور ہمیشہ لڑنے والی قوم کو متحد کرکے اسلام جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ مزید برآں مدینہ منورہ میں اسلامی دولتِ مشترکہ قائم کرکے مدینہ منورہ کو مرکزی حیثیت دے کر ان بدوی قبائل کو ایک حکومت کے تحت متحد کر دیا اور ان کو نظم و ضبط اور اخوت و مساوات کا خوگر بنا کر ایران اور روم کی ترقی یافتہ اور عظیم قوموں کے دوش بدوش لا

کھڑا کیا۔ اُس وقت عرب معاشرہ اقتصادی بدحالی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا جس کی اہم وجہ غلط قوانین اور سودی نظام تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سودی نظام کو حرام ٹھہرا کر زکواۃ، صدقہ اور فطرانہ کے احکامات صادر فرمائے۔ آپ ﷺ نے لوگوں میں سماجی بہبود کا جذبہ ابھار کر دولت کو گردش میں لانے کا حقیقی انتظام کیا۔ آج دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں، ایک سرمایہ داری نظام اور دوسرا کمیونزم۔ سرمایہ داری نظام کا مزاج اِس قسم کا ہے کہ اُس سے چند ہاتھوں میں ہی دولت جمع ہو جاتی اور دوسری طرف تمام قوم بھوک وافلاس کی دلدل میں چلی جاتی ہے۔ اسی نظام کے ردعمل سے دوسرا نظام معاشی نظام اشتراکیت ظاہر ہُوا جس کا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں سب دولت حکومت کی ہے وہ تمام لوگوں کو ضروریات کے مطابق دے گی۔ یہ دونوں نظریات افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ پیارے آقا ﷺ نے اُس نظام کی بنیاد رکھی جس میں محنت کی توقیر اور عزت ہے۔ ملکیت کو بھی جائز قرار دیا ہے تاکہ محنت کا جذبہ زندہ رہے۔ تقسیم دولت کیلئے زکواۃ جیسا حکمتِ بالغہ پر مبنی قانون بنا دیا تاکہ ارتکازِ دولت کی بجائے انتشارِ دولت عمل میں لائی جائے جس سے معاشی اثرات کے علاوہ معاشرتی اثرات بھی مرتب ہوں۔ امراء اور غرباء کے تعلقات خوشگوار رہیں، دونوں طبقوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق و مواخات کی وجہ سے ملک اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رہے۔ سیرت و اخلاق کی اصلاح کے بغیر معاشرتی اصلاحات عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے سیرت و

اخلاق کی اصلاح کو مقدم سمجھا اور اُن بُرائیوں کا جو عرب معاشرے کو فسق و فجور اور بے راہ روی کی طرف لے جا رہی تھیں قلع قمع کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ معاشرے میں اجتماعیت کی سوچ پیدا فرمائی، نسلی اور طبقاتی امتیاز کی وہ تمام دیواریں گرا دیں جو معاشرتی ترقی، اتحاد اور خوشحالی کی راہ میں حائل تھیں۔ مسلم معاشرے کی اس سماجی اصلاح کے پیچھے دنیائے عالم کو وہ تاریخی سبق ملا کہ معاشرتی بہبود ساری انسانیت کو ایک قوم، ایک ملت اور ایک طبقہ کی صورت ایک پلیٹ فارم (اسلام) پر متحد رکھنے سے ممکن ہے۔ آپ ﷺ کی اِن نافذ کردہ سیاسی، مذہبی، اخلاقی، معاشی اور سماجی اصلاحات کا مقصد معاشرہ کو مربوط کرنا اور ہر قسم کی بُرائیوں سے پاک رکھنا ہے تاکہ انسان کی ذہنی اور باطنی قوتوں کو پاکیزہ اور پُرسکون فضا میں نشو و نما کا موقع مل سکے۔ تہذیب و تمدن کی تعمیر مستحکم بنیادوں پر ہو اور ایسا معاشرتی ماحول قائم ہو جائے جس میں انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے۔ آج کے زوال پذیر معاشرے میں ہمیں اسلامی اقدار کی تجدید کی ضرورت ہے جو آپ ﷺ نے عالمگیر اور بین الاقوامی سطح پر مرتب فرمائیں جہاں کوئی فرد کسی دوسرے کا حق غصب نہ کر سکے، کسی فرد واحد کو نسلی یا معاشی فوقیت حاصل نہ ہو، معاشرے میں ہر فرد کو اس کی ذاتی صلاحیتوں اور محنت کی بنا پر ترقی کے مواقع فراہم ہوں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے دلوں میں ایمانی روح کو زندہ کیا جائے، اخلاقی جرائم کے انسداد کیلئے تعزیری تدابیر اپنائی جائیں

تاکہ معاشرے میں اسلامی اقدار فروغ پائیں اور حقیقی توازن برقرار رہے۔ توازن زندگی ہے اور توازن میں بگاڑ موت۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں رسول کریم ﷺ کی سنت مبارکہ یعنی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وطاقت عطا ہو (آمین

غریب پاکستانی کا خط

اپنے ایک مجبور ہم وطن کا خط قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں جسے پڑھ کر سب کو ایسا لگے گا کہ یہ اُن کی اپنی بات ہے۔ ”اسلام و علیکم امتیاز علی شاکر بھائی ،اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے یا کم از کم میرے جیسے تو ضرور ہوں گے ،24 گھنٹے کی آپ بیتی آپ کے سامنے ہے ،وقت نکال کر غریب پاکستانی کا خط ضرور پڑھ لیجئے گا۔ فجر کے وقت مسجد میں اعلان ہوا کہ بجلی بند ہونے کی وجہ سے پانی ختم ہو چکا ہے لہٰذا نمازی گھر سے وضو کر کے آئیں ،جب گھر میں پانی کی ٹوٹی کو ہاتھ لگایا تو اس نے بھی اپنی زبان میں یہی اعلان کیا ،ایسا لگا جیسے ٹوٹی بھی سوالیہ انداز میں مذاق کر رہی ہو کہ جب مسجد میں پانی نہیں ہے تو گھر میں کوئی خاص بجلی آتی ہے ،جو میں آپ کو پانی فراہم کروں؟ خیر وضو کے لیے کسی نہ کسی طرح پانی کا انتظام ہو گیا اور نماز فجر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا موقع بھی مل گیا۔ نماز کے بعد امام صاحب نے ملک و قوم کے ساتھ ساتھ بجلی کی صحت یابی کی دعا بھی کی۔ میں نے بھی آمین کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے بجلی نہ ہونے کے باوجود میرے لیے پانی کا انتظام کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹا تو پتا چلا کہ گیس نہیں آرہی اور بچوں نے سکول بھی جانا ہے ،بچے کہہ رہے تھے ہمیں ناشتہ نہ ملا تو ہم اسکول نہیں جائیں گے ،آس پاس کے گھروں سے پتا کیا کہ کسی گھر میں آگ جلانے

کا کوئی انتظام ہے تو بچوں کے لیے ناشتہ تیار کرکے انھیں سکول جانے کے لیے تیار کیا جائے پر دور دور تک ایسا کوئی انتظام نہ تھاہر کوئی اسی مشکل سے گزر رہا تھا کسی نے بچوں کا ناشتہ تیار کرنا تھا، کسی کو کام سے دیر ہو رہی تھی اور بجلی بند ہونے کی وجہ سے کوئی غسل کے لیے پانی تلاش کر رہا تھا۔ فوری طور پر بازار سے بچوں کے لیے ناشتہ منگوایا تاکہ بچے وقت پر اسکول جا سکیں پر ایسا بھی نہ ہو سکا کیونکہ بچوں کی سکول وین لیٹ تھی میں نے وین والے بھائی کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ سی این جی نہ ہونے کی وجہ سے لیٹ ہیں، ان کو سی این جی مل گئی تو وین آ جائے گی ورنہ سوری، میں نے بھائی کی موٹر سائیکل نکالی اور بچوں کو سکول چھوڑ آیا، پریشانی کے عالم میں یہ بات بھول ہی گیا کہ مجھے بھی کام پر جانا ہے۔ میں نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور بغیر کچھ کھائے پیئے کام کے لیے نکل پڑا، بس سٹاپ پر پہنچا تو وہاں بہت رش تھا، سی این جی نہیں مل رہی اس لیے کافی دیر سے بس نہیں آئی ، کوئی ایک گھنٹے بعد بس آئی میں بھی دوسروں کی طرح دھکے دیتا لیتا کسی نہ کسی طرح بس میں سوار ہونے میں کامیاب ہوگیا، میرے ساتھ ہی ایک بزرگ بھی بس میں سوار ہوئے ،ان کو پریشان دیکھ کر میں نے ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کی جیب کٹ گئی ہے، میں نے ان سے پوچھا زیادہ نقصان تو نہیں ہوا وہ کہنے لگے زیادہ یا کم کی بات نہیں ہے میرا بیٹا بیمار ہے۔بزرگ کی یہ بات سن کر مجھے لگا یہ مانگنے کا طریقہ ہے پر بزرگ کی پوری بات سننے کے بعد میری سوچ غلط نکلی، بزرگ

نے بتایا کہ بچہ بیماری کی وجہ سے کچھ کھا، پی نہیں رہا اور اس نے ڈوسے بیکری کا بن کھانے کی حامی بھری تھی ،وہی بن میری جیب میں تھا جو کٹ گئی اب پریشانی اس بات کی ہے کہ گھنٹہ بھر بس سٹاپ پر کھڑے رہنے کے بعد بس ملی ہے اور ہمارے گاؤں میں ڈوسے بیکری بھی نہیں ہے اس لیے مجھے بن لینے کے لیے بس سے اترنا پڑے گا۔ میں اندر ہی اندر ،بزرگ کو غلط سمجھنے پر بہت شرمندہ تھا، خیر میں نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ کے پاس پیسے کم ہیں تو میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔ وہ بولے نہیں بیٹا میرے پاس پیسے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ اتنے میں میرے باس کا فون آگیا انھوں نے میری خیریت دریافت کرنے کے بعد میرے لیٹ ہونے کی وجہ پوچھی تو میں نے ان سے کہا جناب لمبی داستان ہے۔ پہنچ کر سناتا ہوں راستے میں ہوں۔ دفتر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور سوچا پہلے اپنا کام دیکھ لوں داستان سفر بعد میں سنا لوں گا، یہ سوچ کر میں نے اپنا کمپیوٹر آن کیا ابھی کمپیوٹر پوری طرح سٹارٹ نہ ہوا تھا کہ بجلی پھر بند ہو گئی، ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد مجھے یاد آیا ابھی تک ناشتہ نہیں کیا لہٰذا آفس بوائے کو چائے کے ساتھ اخبار لانے کو کہہ دیا۔ تھوڑی دیر میں چائے اور اخبار میرے سامنے تھے ،کیونکہ چائے ابھی گرم تھی اس لیے پہلے اخبار پڑھنے کا موقع مل گیا، سب سے پہلے جس خبر پر نظر پڑی اس میں لکھا تھا ''بجلی بحران 2018ء سے قبل حل نہیں ہو سکتا (خواجہ آصف) یہ خبر پڑھ کر لگا مجھے بھی 2018ء تک زندہ رہنے کیلئے حکمرانوں کے نقش قدم تلاش

کرنا ہوں گے ورنہ موجودہ حالات میں تو مزید 3 سال تک زندہ رہنا ممکن نہیں۔ میں اپنی سوچوں میں گم جبکہ شہر میں زندگی تیزی سے رواں دواں تھی اور شام ہونے کو تھی، اب مجھے یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ صبح پھر گیس بند ہوئی تو بچوں کا ناشتہ کیسے بنے گا؟ اسی فکر نے مجھے کوئی کام نہ کرنے دیا اور میں دفتر سے چھٹی لے کر صبح گھر میں آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کی تلاش میں نکل پڑا کافی تلاش کے بعد ناکام ہو کر گھر پہنچا تو ذہنی و جسمانی تھکاوٹ کی وجہ سے حالت غیر تھی۔ بجلی کی موجودگی کو غنیمت جانا اور جلدی سے پانی کی موٹر چلا کر صبح کے لیے پانی جمع کیا، گھر والی سے کہا کہ کھانے سے پہلے میرے اور بچوں کے کپڑے استری کر دیں تاکہ صبح بجلی بند ہونے کی صورت میں مشکل نہ ہو، کپڑے استری کرنے کے بعد گھر والی کھانا لے آئی ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ بجلی چلی گئی، موبائل فون کی ٹارچ لائٹ آن کر کے کھانا کھایا اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگا'' میری غریب وطن یہ بات درست ہے جدید دور کی مصروف زندگی میں بہت سے چیزیں اَن دیکھی رہ جاتی ہیں، آپ کا خط پڑھ بھی لیا اور کسی قسم کی رائے شامل کیے بغیر قارئین تک بھی پہنچا دیا۔ بس ایک بتاتا چلوں کہ جن وجوحات کی بنیاد پر آپ نے اپنے آپ کو غریب کہا ہے اُن حالات سے ہم سب گزر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم بحرانوں کی سیاست کرتے ہیں اس لئے 2018ء تک بجلی بحران ختم گیا تو یقیناً کوئی اس سے بھی بڑا بحران ہمارے سامنے ہوگا۔

پابندی اور موت کا پرمٹ ساتھ ساتھ

آپ کو یہ جان کر شائد حیرت ہو پر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان واحد اسلامی ملک ہے جہاں شراب بنانے کی قانونی طور پر اجازت کے ساتھ مسلمان شہریوں پر شراب نوشی پر پابندی عائد ہے۔ بیس کروڑ آبادی والے اس ملک میں شراب بنانے کے کئی کارخانے ہیں اور انہیں قانونی طور پر ملکی آبادی کے تین فیصد یا ستر لاکھ غیر مسلم شہریوں کو سرکار کے جاری کردہ پرمٹ کے تحت شراب فروخت کرنے کی اجازت ہے۔یعنی پابندی اور موت کا پرمٹ ساتھ ساتھ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں پر شراب پینے کی پابندی کے باوجود شراب کی طلب اقلیتوں کی آبادی سے نہ صرف زیادہ ہے بلکہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر شراب بنانے والے کارخانوں نے حالیہ چند برسوں کے دوران 'ووڈکا، جن، وھسکی، رم، برانڈی اور بیئر سمیت بہت سے فلیورز متعارف کروائے ہیں۔ قانونی اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد اور غیر قانونی طور پر شراب بنانے والے کارخانوں میں کوئی فرق نہیں ،ایک کے پاس انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا قانونی جواز موجود ہے جبکہ دوسرے کے پاس رشوت اور سفارش کی طاقت ۔ میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا زیادہ مشکل نہیں کہ انتظامیہ منشیات فروشوں کے سامنے بے بس ہے۔ اسی بے بسی کے سبب گزشتہ دنوں لاہور کے علاقہ یوحنا آباد میں افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں زہریلی شراب پینے سے

درجن سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے۔زہریلی شراب پی کر لوگوں کا مر جانا ویسے تو کوئی نئی بات نہیں،آئے دن دنیا بھر کی طرح پاکستان کے مختلف علاقوں میں اس طرح کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔پھر بھی مقام فکر تو ہے، سوچ وچار کی ضرورت تو ہے،انسانی بنیادوں پر آگاہی مہم کی گنجائش تو موجود ہے۔صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں پیش آنے والا سانحہ ایک بار پھر ہمارے شعور کو منہ چڑا رہا ہے۔لوگ اپنی مرضی سے زہریلی شراب پی کر جاں بحق ہو گئے تو کیا انتظامیہ کی کوئی ذمہ داری نہیں بنتی بنتی ہے نہ صرف انتظامیہ بلکہ ہر اک شہری کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول پر گہری نظر رکھے اور ہر ممکن کوشش کرے کہ لوگوں کو اچھائی اور بُرائی سے آگاہ کرے۔ مرنے والوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی ہے تو کیا اس میں اُن کی غلطی نہیں؟شراب کسی صورت بھی انسانی صحت کیلئے بہتر نہیں ،زہریلی نہ بھی ہو تب بھی تادیر سہی موت ہی کا سبب بنتی ہے، حیرت کی بات ہے ملک پاکستان میں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی بھی ہے اور ہوٹلوں سے پرمٹ پر ملتی بھی ہے۔سنا ہے،بڑے ہوٹلوں میں بکنے والی شراب کافی مہنگی ہوتی ہے اِس لئے غریب شرابی دیسی ٹھرے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ایک خبر کے مطابق دیسی ٹھرا بنانے والے زیادہ منافع کمانے کے لالچ میں نشہ آور زہریلے کیمیکلز استعمال کرکے شراب پینے والوں کی جان کے درپے ہوتے ہیں۔زیادہ تر اجتماعی اموات بھی انہیں ٹھرروں کی زہریلی شراب پینے کے سبب ہوتیں ہیں۔سانحہ یوحنا آباد کی ابتدائی رپورٹ میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ شراب میں

سپرٹ کی ملاوٹ کی گئی تھی جو اموات کا سبب بنی۔اکثر لوگ ایسے واقعات کو حادثات کا نام دیتے ہیں پر میں نہیں سمجھتا کہ یہ حادثات ہیں۔حادثہ تو اُسے کہتے ہیں جو انجانے میں پیش آ جائے،جس کے ہو جانے سے قبل کچھ اندازہ نہ ہو پائے جبکہ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ شراب پینے یا دیگر منشیات کے استعمال سے جلد موت لازم ہے۔جب شراب کو زہریلی کہا جاتا ہے تب بھی حیرانگی ہوتی ہے۔سوچو یار و زہر،زہریلا نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ زہریلی شراب نے درجن سے زائد افراد کی جان لے لی،یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ درجن سے زائد افراد نہیں زیادہ زہریلی شراب کو اپنی جانیں دے دی۔دیکھا جائے تو حکومت اور محکمہ پولیس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے پیاروں کو ہر طرح کے زہر سے دور رکھنے کی کوشش کرے۔عام آدمی شراب اور دیگر منشیات کی فیکٹریوں کو بند کروانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے یہ ذمہ داری خالصتاً انتظامیہ کی ہے پر افسوس کہ یہاں انسانیت کی بقاء کیلئے شراب کے کارخانوں کو بند کرنے کے بجائے مذہب کی بنیاد پر پرمٹ جاری ہوتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ منشیات کے نقصانات کو مذہب کی بجائے انسانی بنیادوں پر دیکھا جائے۔مذہب کوئی بھی ہو انسان بنیادی طور پر ایک ہی مشین کا نام ہے۔آپ دنیا کے کسی ڈاکٹر یا حکیم سے بات کر لیں کوئی بھی شراب کو انسانی صحت کیلئے بہتر قرار نہیں دے سکتا۔آئے دن منشیات ماؤں سے اُن کے بچے چھین لیتی ہیں،ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے پیارے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں،ہنستے کھیلتے گھروں

میں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور ہم منشیات کے خاتمے میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے ،ہم نے شراب سمیت دیگر جان لیوا منشیات کے استعمال اور خرید و فروخت کے خلاف آواز اُٹھا کر اس لعنت کی روک تھام نہ کی تو اللہ نہ کرے کل میرے اور آپ کے جگر گوشے بھی منشیات کی لت میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔جب لوگ کہتے ہیں کہ زہریلی شراب پینے کی وجہ سے اتنے افراد ہلاک ہو گئے ہیں تو مجھے بہت عجیب لگتا ہے کہ شراب پینے والے فوری طور پر ہلاک ہو جائیں تو شراب کو زہریلی قرار دے دیا جاتا ہے اور جب یہی زہر شرابی افراد کو دو تین سال بعد موت کی اندھیری وادی میں دھکیلتا ہے تب شراب کو زہریلی کیوں نہیں کہا جاتا؟ مان لیا کہ اولین ذمہ داری حکومت کی ہے،مان لیا کہ شراب سر عام دستیاب ہے، مان لیا کہ پولیس منشیات فروشوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے، مان لیا کہ منشیات فروشوں کی پشت پناہی کرنے والے معززین علاقہ وزیروں اور سفیروں کے قریبی ہیں ، یہ بھی مان لیا کہ ملک میں عدل وانصاف نام کی کوئی چیز دستیاب نہیں پر یہ کیسے مان لیا جائے کہ ہم خود اپنے بچوں کے دشمن ہیں؟منشیات جیسی لعنت سے اپنے بچوں کو محفوظ رکھنے کیلئے انتظامیہ پر ساری ذمہ داری ڈالے کے ساتھ ہمیں خود بھی کوشش کرنی چاہئی۔ہمیں شراب کے قانونی وغیر قانونی کارخانوں کو بند کروانے کیلئے حکومت پر عوامی دباؤ ڈالنا چاہئے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، فلاحی، بچوں، خواتین،بزرگوں مختصر کہ انسانی حقوق کی پاسبان تمام تنظیموں کو آگے بڑھ کر اس کارخیر میں حصہ ڈالنا چاہئے

چھاتی کا سرطان

چھاتی کے سرطان کے حوالے سے اکتوبر کے مہینے میں چلائی جانے والی آگاہی مہم ناکافی اور سست رفتار ہے، جس تیزی کے ساتھ یہ مرض پھیل رہا ہے اُسے مد نظر رکھتے ہوئے آگاہی مہم کا دائرہ بڑھانے ، رفتار تیز کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ محکمہ صحت کی جانب سے چلائی جانے والی مہم صرف شہری علاقوں تک محدود ہے اس لئے دیہی خواتین اس مہم سے بالکل بے خبر ہیں ۔ خواتین شہری ہوں یا دیہی خاص طور پر مسلم خواتین شرم وحیاء کے غلاف میں لپٹی پاکیزہ نعمت کی مانند ہیں۔ چھاتی خواتین کیلئے شرم وحیا کا مقام ہے اس لئے زیادہ تر خواتین تکلیف برداشت کرتیں رہتی ہیں ،ڈاکٹر تو دور کی بات ہے اکثر اپنی فیملی ممبر خواتین کے ساتھ بھی شیئر نہیں کرتیں۔ خواتین کو اس مرض کے حوالے سے مکمل آگاہی دی جائے تو اس خطرناک مرض کو کنٹرول جا سکتا ہے ۔ماہرین صحت کے مطابق دیگر کئی امراض کی طرح چھاتی کے سرطان کو ابتدائی دنوں میں تشخیص کر لیا جائے تو مریض کے صحت مند ہونے کے امکان بہت زیادہ ہوتے ہیں۔اس مرض کی تشخیص بہت آسان ہے ۔ خواتین چھاتی میں تکلیف محسوس کریں، کوئی ایسا زخم ہو جس میں خون یا پانی جیسا مادہ رسنا بند نہ ہو، ایک چھاتی کا سائز بہت بڑا ہو جائے، گلٹی محسوس ہو، سوجن ہو، چھاتی کا رنگ اور ساخت بدل جائے،اس میں درد ہو، . نپل میں درد تکلیف، خارش، یا زخم ہو تو فوری طور پر ڈاکٹر کو دکھائیں، چھاتی میں

بننے والی اکثر گلٹیاں درد نہیں کرتی اس لئے جس وقت کینسر کا پتہ چلتا ہے تب تک مرض بہت حد تک پھیل چکا ہوتا ہے۔پاکستانی خواتین میں اس مرض کے تیزی کے ساتھ پھیلنے کی وجہ صرف شرم وحیا نہیں بلکہ صحت کے حوالے سے نامناسب انتظامات طبّی سہولیات کی کمی اور بنیادی تعلیم کی کمی بھی اہم وجوہات میں شامل ہیں۔واشنگٹن کی، پنک ربن' نامی ایک تنظیم کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال 90 ہزار خواتین چھاتی کے سرطان میں مبتلا ہو جاتی ہیں، جن میں سے 40 ہزار موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں زیادہ تر خواتین چھاتی کے سرطان کی بیماری اور علاج کے بارے میں معلومات کے فقدان کا شکار ہیں۔اِس لیے، زیادہ تر واقعات میں مریضوں میں بیماری کی تشخیص ایسے مرحلے پر ہوتی ہے جب اِس مرض کا علاج ممکن نہیں رہتا، خواتین کی اکثریت اِس بیماری کو دوسروں سے چھپا کر مسلسل تکلیف برداشت کرتی رہتی ہیں جس کے باعث بروقت علاج شروع نہیں ہو پاتا۔چھاتی کے سرطان کے متعلق آگاہی مہم مزید موثر ہونی چاہئے تاکہ خواتین اس بیماری کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ہر بیماری اور مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے اس لئے مشکل وقت میں پریشان ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیماری اور مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔اس حقیقت سے تو ہم اچھی طرح آگاہ ہیں کہ ہمیں آخرکار موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔راقم کا چھاتی کے سرطان جیسے اہم موضوع پر قلم اُٹھانے کا مقصد آگاہی مہم میں اپنا موثر کردار ادا کرتے ہوئے اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو یہ پیغام

دیناہے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ، اُوپر بیان کردہ علامات میں سے کوئی ایک یازیادہ ظاہر ہوں توفوری طور پراپنی ماں، بہن، بیٹی، بھابی یا کسی بھی بااعتماد رشتے کے ساتھ شیئر کریں ،اچھے معالج سے رابطہ کریں،اللہ نہ کرے آپ اس مرض میں مبتلاء ہوجائیں توپریشان ہوکررونے کی بجائے حوصلہ رکھیں اور سوچ کو مثبت رکھتے ہوئے اپنے اندر مشکل کاسامنا کرنے کی قوت پیدا کریں، میری جو مائیں بہنیں، بیٹیاں چھاتی کے سرطان کا علاج کروارہی ہیں ، وہ یہ بات اپنے دل ودماغ میں بیٹھالیں کے اس مرض کو شکست دینا ممکن ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ آپ مکمل اعتماد سے اِس کا مقابلہ کریں، مثبت رویہ اور سوچ رکھیں اور ہر وقت یہ سوچیں کہ آپ کا ہر قدم تندرستی کی طرف ایک اور قدم ہے، مسلمان مریض اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا کردعامانگیں نماز،تلاوت قرآن کریم،اللہ تعالٰی کی حمدوثنا،رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں،

درودسلام کے نذرانے پیش کرتی رہیں اوراچھے معالج سے علاج جاری رکھیں ۔حکومت بھی زیادہ موثرکردار ادا کرے، خواتین میں اس مرض کی آگاہی کے لئے ضروری معلومات لیڈی ہیلتھ ورکرز، طبّی مراکزصحت پر مہیا کرے، اس مرض کی تشخیص اور علاج کو عام آدمی کی پہنچ تک لائے ، اس کے علاج کے خرچ کو حکومت اس حدتک کم کرے کہ غریب لوگ بھی اس بیماری کا باآسانی علاج کرواسکیں، ایک صحت مند عورت ہی صحت معاشرے کی بنیاد رکھ سکتی ہے اس لئے باپ، بھائی اور شوہر حضرات بھی خواتین کی صحت کا خیال رکھیں، ماہ سے چھاتی کے سرطان کے حوالے سے آگاہی حاصل کرگھرکی خواتین

کو آگاہ کریں۔ اللہ پاک ہم سب پر اپنا رحم فرمائے، چھاتی کے سرطان اور دیگر امراض اور پریشانیوں میں مبتلا مخلوق کو جلد اور مکمل صحت اور پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے

(آمین)

سچ بولنا سیکھو

سچ بولنا سیکھواس قبل کہ زندگی جھوٹ ہوجائے ۔ قارئین منافقت بھرے دور میں روزہ مرہ زندگی میں جھوٹ اور سچ میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہوچکا ہے ۔ جھوٹے کا پتہ لگانے کے بارے میں کئی روایات ہیں، ماہرین کا خیال ہے کہ جھوٹ بولتے وقت جھوٹا شخص آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے سے گریز کرتا ہے، اپنے پاؤں ہلاتا یا پھر اپنی ناک کھجاتا ہے۔ ماہرین کو یہ بات جان کر شائد زیادہ خوشی نہ ہو کہ اب جھوٹے کو کسی بات کا ڈر نہیں رہا وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے اعتماد کے ساتھ بڑے بڑے جھوٹ بولتا ہے اور سننے والے سچ مانتے ہیں۔ بقول سقراط یاد رکھو فتح طاقت کی نہیں بلکہ سچ کی ہوتی ہے سچائی کامیابی کا باعث جبکہ جھوٹ رسوائی کا موجب ہے۔ جس جدید دور میں اہم زندہ ہیں ہمیں یہ بھی سمجھ آچکا ہے کہ سچ سے بڑی کوئی طاقت نہیں جو جنگ دنیا کی کوئی طاقت نہ جیت سکے اُسے سچائی جیت سکتی ہے۔ جھوٹ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جھوٹ ہی رہتا ہے۔ چھوٹا سا سچ ساری دنیا کو قائل کرسکتا ہے جبکہ بڑے سے بڑا جھوٹ دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈال سکتا۔ جھوٹ کہیں، مصلحت کہیں، نظریہ ضرورت کہیں یا پھر ڈنگ ٹپاؤ پالیسی کہیں کسی بھی حالت میں سچ کو پشت پیچھے ڈالنا عقل مندی تصور نہیں کیا جا سکتا پھر بھی نجانے کیوں ہم جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ چند روز قبل کی بات ہے ڈیووس میں سرمایہ کاروں اور تاجروں

سے گفتگو کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ قدرتی وسائل اور جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے پاکستان کاروبار کیلئے بہترین ملک ہے' ہم ملک میں پائیدار ترقی کیلئے معاشی اصلاحات کر رہے ہیں' معیشت کی بہتری کیلئے سرمایہ کاری' توانائی اور علاقائی استحکام ہماری ترجیحات ہیں۔ ہم غیر ملکی سرمایہ کاروں کو فول پروف سکیورٹی سمیت تمام سہولیات فراہم کر رہے ہیں، پاکستان میں دہشت گردی اور انتہاء پسندی کیخلاف موثر اقدامات سے امن عامہ کی صورتحال بہتر ہوئی ہے اور آپریشن ضرب عضب کے نتیجہ میں دہشت گردوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے' دہشت گرد اب بھاگ رہے ہیں' اب پاکستان ایک پراعتماد اور محفوظ ملک ہے' ہم دہشت گردی کو مکمل ختم کرکے ہی دم لیں گے۔ ایک اور مقام پر گفتگو کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں اس وقت غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر بلند ترین سطح پر ہیں جبکہ سرمایہ کاروں کے اعتماد اور مضبوط معیشت کی بنیاد پر یہ ذخائر تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ ہمارا وژن ایسا پاکستان ہے جو تاجر دوست ہو اور جہاں غیر ملکی سرمایہ کار خود کو محفوظ تصور کریں۔ اس سے قبل کے راقم وزیراعظم کے بیانات پر رائے کا اظہار کرے میاں صاحب کے محفوظ پاکستان کی جھلک دیکھانے کیلئے آپ کے سامنے ایک خبر رکھتا چلوں ۔ 20اور21 جنوری، دنیا بھر کے اخبارات اور نیوز چینلز پر اہم خبر تھی، باچا خان یونیورسٹی چارسدہ میں دہشت گردوں کے حملے کے نتیجے میں اسسٹنٹ پروفیسر، 18 طلبہ سمیت 20 افراد شہید اور 11 زخمی ہوگئے جبکہ پاک فوج کے کمانڈوز نے

جوابی کارروائی کرکے 4 دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا، زخمیوں کو چارسدہ اور پشاور کے مختلف ہسپتالوں میں منتقل کر دیا گیا جہاں کئی کی حالت تشویشناک ہے۔ ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ڈاکٹروں اور دیگر طبی عملے کی چھٹیاں منسوخ کرکے طلب کر لیا گیا۔ باچا خان یونیورسٹی چارسدہ میں قوم پرست رہنما باچا خان کی برسی کے موقع پر مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں شرکت کیلئے طلبا، اساتذہ اور مہمانوں کی بڑی تعداد موجود تھی صبح ساڑھے 9 بجے کے قریب دہشت گردوں نے یونیورسٹی میں داخل ہو کر اچانک فائرنگ شروع کر دی جس سے خوف وہراس پھیل گیا اور بھگدڑ مچ گئی، اس دوران دو دھماکوں کی آوازیں بھی سنی گئیں حملے کی اطلاع ملتے ہی پولیس اور پاک فوج کے کمانڈوز نے چارسدہ یونیورسٹی کا محاصرہ کر لیا جس کے بعد فورسز اور دہشت گردوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ ذرائع کے مطابق حملہ آور عقبی راستے سے یونیورسٹی میں داخل ہوئے، حملے کے بعد یونیورسٹی میں موجود طلبہ شدید خوف وہراس کا شکار رہے اور کئی طلبہ بھگدڑ کے نتیجے میں بھی زخمی ہوئے۔ بعدازاں فوج کی نگرانی میں سرچ آپریشن کیا گیا۔ ہسپتال ذرائع کے مطابق زخمیوں میں بیشتر طالب علم ہیں۔ جناب جی دہشتگردوں کی تو صرف کمر ٹوٹی ہے ہمارا تو سارا جسم لہو لہو ہے، دہشتگرد کمر ٹوٹنے کے باوجود اپنے مشن پر قائم جبکہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُلجھ رہے ہیں۔ کیا دیواریں اُونچی کرکے خود کو محفوظ تصور کیا جا سکتا؟ 26 جنوری 2016ء پنجاب حکومت نے سردی کا بہانہ بنا کر دہشتگردوں کے

ہاتھوں شکست قبول کرتے ہوئے سرکاری اور نجی سکول ایک ہفتے کیلئے بند کرنے کے احکامات کے ساتھ سردی سے بچاؤ کیلئے سکیورٹی بڑھانے اور دیواریں اُونچی کر کے خاردار تاریں لگانے کی ہدایات کر دی ہیں۔ اپنے بچے دہشتگردوں کے ہاتھوں مارے جا رہے ہیں اور وزیراعظم پاکستان غیر ملکی سرمایہ کاروں کو فول پروف سکیورٹی سمیت تمام سہولیات فراہم کر رہے ہیں۔ پاکستانی عوام کے پاس بجلی نہیں، گیس نہیں، پینے کا صاف پانی نہیں، صحت و تعلیم کی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں، لوگ بے روزگاری، غربت کے ہاتھوں خودکشیاں کر رہے ہیں، پاکستانی سرمایہ کار اپنا سرمایہ باہر لیجا رہے ہیں، ان حالات میں غیر ملکی سرمایہ کار کیونکر آئیں گے؟ کبوتر بلی کو دیکھ آنکھیں بند کر لے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بلی اسے دیکھنے سے قاصر ہو جائے گی۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو نظر نہیں آتا کہ یہاں دہشتگردی کے ڈر سے ایسے وقت میں سکول بند کر دیئے گئے ہیں جب بچوں کے سالانہ امتحانات سر پر ہیں۔ وزیراعظم پاکستان بچوں کے سوال کا جواب دیں کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو فول پروف سکیورٹی سمیت تمام سہولیات فراہم کر سکتے ہیں تو پھر ہمارے سکول بند کر کے اپنے مستقبل کو تاریخ کرنے کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ کیا غیر ملکی سرمایہ کاروں پر اُن دہشتگردوں کی گولیاں، بم اور خودکش دھماکے اثر نہیں کرتے جو آئے دن کسی سکول، کالج، یونیورسٹی، مسجد، درگاہ یا بازار میں لوگوں کو شہید کر دیتے ہیں؟ غیر ملکی سرمایہ کار بھی عام انسان ہیں تو وزیراعظم اُن کو کس بنیاد پر فول پروف سکیورٹی سمیت تمام سہولیات فراہم کر

سکتے ہیں جبکہ ہمارے سکول تو دہشتگردی کے خطرے کے پیش نظر بند کر دیئے ہیں؟ایک معصوم بچے کا وزیر اعظم کے نام پیغام ہے کہ اپنے بچوں پر توجہ دیں، صحت و تعلیم کی سہولیات فراہم کریں،آج تھوڑی سی سرمایہ کاری ہم پر کریں کل ہم پاکستان کو ترقی یافتہ بنا کر لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ غیر ملکی ہم سے سرمایہ کاری مانگیں،طاقت کے بل پر قیام امن دیرپا نہیں ہوا کرتا،دنیا سے سچ بولیں، بھیک کے بجائے تعلیم،ترقی اور خوشحالی کے ذریعے دہشتگردی کا مقابلہ کریں،اندھیرے کو کبھی اندھیرا دور نہیں کرتا،دنیا پر چھائی انتہاء پسندی کی تاریخی کو دور کرنے کیلئے تعلیم کی شمع روشن کریں،امیر اور غریب کے درمیان بڑھتے فاصلے کو کم کریں۔مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ایک معصوم بچہ وزیر اعظم کے اندر بھی ہوگا پر وہ اُس کی بات نہیں سنتے ہوں گے۔اب ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ غیر ملکی تاجروں اور سرمایہ کاروں کو وطن عزیز کا جو پر امن اور خوشحال چہرہ دکھایا جا رہا ہے' بدقسمتی سے حقائق اسکے قطعی برعکس ہیں۔ہم سردی کا بہانہ بنا کر سکول بند کر رہے ہیں جبکہ حقیقت میں دہشتگردوں کا خوف ہمیں ایسے بزدلانہ فیصلے کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف خود سرمایہ دار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں،پاکستان غیر ملکی سرمایہ کاروں کیلئے محفوظ ہے تو پھر غیر ملکیوں کو دعوت دینے سے پہلے وہ اپنا اور اپنے خاندان کا سارا سرمایہ پاکستان کیوں نہیں لاتے؟سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کب تک ہم کبوتر بلی کا کھیل کھیلتے رہیں گے۔جدید ایجادات نے دنیا کو ایک گاؤں بنا دیا ہے، کسی ایک کونے میں

بیٹھ کرپوری دنیاکے حقائق جانے جاسکتے ہیں اور جانے جارہے ہیں۔بیانات اور حقائق الگ الگ سمت میں جارہے ہیں جبکہ سرمایہ کاربیانات نہیں حقائق کومد نظر رکھتے ہیں۔دنیادہشتگردی کی آگ میں جل رہی ہے اور حکمران ڈنگ ٹپاؤپالیسی پر عمل پیرا ہیں۔جھوٹ اور دھوکہ دہی کے راستے پر چل کر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی،امن بحال کرنا ہے تو،ترقی کرنا ہے تو،دہشتگردی کو شکست دینا ہے تو،غیر ملکی سرمایہ کاروں کودعوت دینا ہے توپہلے سچ بولنا سیکھوں،جھوٹ کے بل بوتے پر کبھی بھی دیرپاامن،ترقی وخوشحالی نہیں آیا کرتے۔سچ ایسی طاقت ہے جودشمن کودوست بنادیتی ہے اور جھوٹ وہ لعنت ہے جوخون کے رشتوں میں بھی دراڑیں ڈال دیتاہے۔

محبت کے رنگ شرم وحیاء کے آنچل کے پیچھے سے جھانکے تو اور بھی خوبصورت لگنے لگتے ہیں، محبت فطرت ہے، محبت ایسا جذبہ ہے جو رنگ و نسل،مذہب وفرقہ، عمر، وقت سمیت کسی سرحد کی قید قبول نہیں کرتا۔ محبت انسان کی زندگی کا ایسا جز ہے جس کے بغیر زندگی باقی نہیں رہتی،اپنے ارد گرد کے ماحول پر غور کریں آپ کو محبت ہی محبت نظر آئے گی ،اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ جسم و روح کے درمیان محبت کا رشتہ ٹوٹتے ہی زندگی دم توڑ دیتی ہے۔ گو کہ آج محبت کے تمام رشتوں پر نفرتوں کی گرد جم چکی پھر بھی دل تسلیم نہیں کرتا۔ بہت ہو چکیں تنقید،اختلافات کی
باتیں،بدامنی، دہشتگردی، کرپشن ،ناانصافی ،مہنگائی جیسی کئی دیگر بیماریوں کو موضوع بنے عمر بیت چلی ،آج مزاج یار کچھ الگ چاہتا ہے۔ چلیں چھیڑتے ہیں باتیں محبت کے کچھ خوبصورت رنگوں کی، حقیقتوں سے دور کسی افسانوی دنیا کی سیر پہ چلتے ہیں،کچھ وقت خونخوار جنگلوں سے نکل کر نظارے دیکھتے ہیں محبتوں کے شہر کے گلی کوچوں میں گلاب رنگ وخوشبو جیسے رشتوں کے۔ پیش خدمت ایک ادھوراسا افسانہ۔
رضیہ مذہبی خاندان میں پیدا ہو کر گاؤں کے ماحول میں پلی ،نیک سیرت اور بہت خوبصورت لڑکی تھی ،اُس نے پرائمری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں ہی کے

مدرسے میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے کر قرآن کریم ابھی حفظ کیا ہی تھا کہ اُس کے والد نے اُس کا رشتہ اپنے بھائی کے بیٹے فیصل کے ساتھ طے کردیا جو حال ہی میں مغرب کے ترقی یافتہ شہر سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے وطن لوٹا تھا۔ رضیہ اور فیصل بہت خوش تھے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بچپن سے ہی بہت پسند کرتے تھے۔ فیصل مغرب میں وقت گزارنے کے باوجود نیک سیرت اور باحیاء لڑکا تھا۔ 2 مہینے بعد اُن کی شادی ہو گئی سارا خاندان شادی میں خوشی خوشی شامل ہوا اور سارا دن ہنسی خوشی شادی کی تقریب چلتی رہی ، رات گئے تک دلہن کے کمرے میں بہن بھائیوں کا رش رہا، ہنسی مذاق میں وقت اس طرح گزرا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا، آخر میں وہی ہوا جو ہونا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور رضیہ جو زندگی میں پہلی مرتبہ خوب سج سنور کر دلہن بنی اور بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی فیصل کے ساتھ کمرے میں اکیلی رہ گئی ۔ صحن میں رات کی رانی کی مسحور کن مہک نے بھنورے کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ بھنورا سوچ رہا تھا کہ رات کی رانی کو بھی اُس کے ساتھ شدید محبت ہے اور اُس نے بھنورے کی موجودگی بھانپ کر اپنی مہک میں شدت پیدا کردی ہے ۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ابھی رات کی رانی آگے بڑھ کر اُسے اپنی آغوش میں لے لے گی، اور وہ رات کی رانی کے پھولوں کا خوب رس چوس کر اپنی محبت کی پیاس بجھائے گا۔ رات کی رانی بھی دل میں یہ تمنا لیے اپنی مہک کو لگاتار تیز کرتی جا رہی تھی کہ بھنورا آگے بڑھ کر اظہار محبت کرے اور اپنی بانہوں میں لے

کر محبت کے سادہ جذبوں میں اپنی.بربت کے رنگ بھرے پر بھنورہ دیوانے پن میں یہ بات بھول گیا کہ رات کی رانی اپنی جگہ پر ہی رہے گی اُسے خود ہی آگے.بڑھ کر اپنی دیوانگی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بچپن میں رضیہ اور فیصل دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہا کرتے اور خوب چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے شادی سے پہلے دونوں نے اپنے ذہنوں میں سوچ رکھا تھا کہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو،پر بہن بھائیوں کے کمرے سے جانے کے بعد دیر تک کمرے میں ایسی خاموشی رہی جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو،جیسے دو اجنبی مسافر ٹرین کے ڈبے میں سفر کر رہے ہوں ،ایک دوسرے سے نظریں چرانے کے لیے خاموشی سے باہر کے منظر سے نظریں نہ ہٹائیں۔رضیہ مشرقی تہذیب کے مطابق اس انتظار میں تھی کہ فیصل بات کرنے میں پہل کرے اور فیصل مغربی تہذیب میں وقت گزار کر یہ محسوس کر چکا تھا کہ عورت بھی مرد کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھا سکتی ہے اور رضیہ تو پھر اب اُس کی بیوی بن چکی تھی ،ایک سچ یہ بھی تھا کہ فیصل کی رگوں میں بھی مشرقی خون دوڑ رہا تھا اور وہ بھی کچھ شرما سا گیا تھا کہ اب کہاں سے بات شروع کرے۔فیصل نے کھڑکی سے صحن میں جھانکنے لگا۔ چاند کی مدھم چاندنی میں بھنورا رات کی رانی کے گرد دیوانہ وار گھوم رہا تھا کبھی دور چلا جاتا اور کبھی انتہائی قریب چلا آتا۔ بھنورے کی بے تابی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ وہ رات کی رانی کے دامن میں سمٹ جانا چاہتا تھا اور رات کی رانی بھی بھنورے کو اپنی آغوش میں لینے کیلئے بے تاب سی لگ رہی تھی رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی ،فیصل دیر تک

بھنورے کو رات کی رانی کے گرد گھومتے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا وہی رضیہ جو بچپن میں اُس کے ساتھ انتہائی بے تکلف تھی آج وہی کوئی بات نہیں کر رہی اور وہ خود بھی ابھی تک کوئی بات نہیں کر پایا، فیصل نے کافی دیر کے بعد دیکھا تو بھنورا رات کی رانی کے آس پاس نظر نہیں آ رہا تھا اور رات بالکل خاموش ہو چکی تھی اُس نے حوصلہ کیا اور رضیہ سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے رضیہ کی طرف بڑھا پر وہ تو انتظار کرتے کرتے نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔فیصل دیر تک رضیہ کے چہرے کو دیکھ کر سوچتا رہا کہ کتنا فرق ہے مشرقی اور مغربی تہذیب میں ۔مشرقی تہذیب میں پرورش پانے والے مرد و عورت میاں بیوی ہونے کے باوجود شرم وحیاء کے دائرے میں قید رہتے ہیں اور مغرب میں نامحرم مرد و عورت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح چپکے پھرتے ہیں جیسے عزت وآبرو کی کوئی قیمت ہی نہ ہو، یہاں تک کہ 4/2 بچوں کی پیدائش کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انہیں شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔فیصل اپنی سوچوں میں گم تھا کہ موذن نے آذان دی۔اُس نے فجر کی نماز ادا کی اور اللہ تعالی کا شکر ادا کیا کہ اُسے خوبصورت، باحیاء اور نیک سیرت شریک حیات ملی۔

"مرشدِ حق" سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد قرآن مجید میں تزکیہ قلب بیان ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "وہی ذات ہے جس نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے" (سورہ جمعہ، آیت: ۲) "تزکیہ قلب دل کی پاکی کو کہا جاتا ہے یعنی انسان کے دل و دماغ کو بے حیائی اور دنیوی آلائشوں سے پاک کرکے اس میں خالق حقیقی، رب رحمان کی محبت، رسول اللہ ﷺ کا عشق پیدا کیا جائے، عام طور پر انسانی نفس کا رجحان جن عوامل کی طرف جلد مائل ہوتا ہے اُن میں زیادہ تر خلاف شریعت ہوتے ہیں، جن میں نفس لطف محسوس کرتا ہے، نفس کی نفی کرتے ہوئے رشد وہدایت اور خیر کی طرف پلٹنے کی محنتوں کو تصوف و تزکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تزکیہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، انسان کا دل پاک ہوجائے، سوچ و فکر اسلامی اصولوں کے سانچے میں ڈھل جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرہ صالح اور نیک نہ ہو،انسانی دل پاکیزہ ہو تو رب رحمان کا حجرہ جبکہ زنگ آلودہ ہو تو شیطان کا ڈیرہ، جس طرح گھر کا مالک گھر چھوڑ جائے تو اُس میں چور، ڈاکو، منشیات کے عادی، زانی، ظالم قبضہ کرلیتے ہیں ٹھیک اسی طرح اللہ رب العزت کی یاد، محبت رسول ﷺ سے خالی دل میں سود، زناکاری، شراب نوشی، ظلم وزیادتی، چوری، ڈاکہ زنی سمیت ہزار طرح کے

مجرمانہ خیالات سے پر رہتا ہے۔ تزکیہ قلب ایسا مرحلہ ہے جسے عبور کر لینے والے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ دل کی صفائی آپ ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوئے بغیر ممکن نہیں، جو لوگ آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیتے ہیں انہیں ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ ولی کامل کی تربیت اور نسبت کے بغیر بھی تزکیہ نفس ممکن نہیں، ولی کامل آنکھوں کے سامنے ہو، ہاتھوں میں ہو تو پھر ذاتی محنت (جد جہد) کی ضرورت پیش نہیں آتی، اولیاء اللہ کی ایک نظر مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہے، زنگ آلودہ دلوں کو آئینے کی مانند شفاف بنا دیتی ہے۔ مجھ جیسے جاہل کی ہی مثال لے لیں، مرشدِ حق سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست (معراج دین) کی نسبت حاصل ہوتے ہی دنیا بدل گئی۔ جو مزہ مرشدِ پاک کی محفل میں آتا ہے وہ کسی دوسرے مقام پر حاصل نہیں ہوتا۔ بے شک اللہ پاک نے زمین پر زنگ آلودہ قلوب کی صفائی و ستھرائی کا اہتمام اپنے ولیوں کے آستانوں پر کیا ہے، جب لوگوں کی نسبت ولی اللہ کے آستانے کے ساتھ ہو جاتی پھر وہ اس طرح سنور جاتے ہیں کہ رات کے سناٹے میں بھی ان کا ذہن کسی برائی کی طرف مائل نہیں ہوتا، دولت کے خزانے میں راہ کر بھی دل میں خیانت کا تصور نہیں آتا۔ بے حیائی کے تمام اسباب و وسائل موجود ہوں، پھر بھی طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوتی، اللہ تعالٰی قرآن مجید میں فرماتا ہے "تحقیق کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا" (سورہ الاعلٰی آیت ۱۴) نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اولیاء اللہ کی صحبت میں وہ تاثیر پائی جاتی ہے جس سے سخت سے سخت انسان کا دل

بھی موم بن جاتا ہے، اللہ کا خوف اور آخرت کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ انسان کے دل میں تکبر ہے، حسد ہے، بغض ہے، حب دنیا ہے، آخرت سے بے فکری ہے، گناہوں میں دلچسپی ہے، اس طرح کے تمام گندے اوصاف شیطانوں کے مکروفریب اور ان کے بہکاوے سے پیدا ہوتے ہیں، بزرگان دین مدتوں ریاضت سے جن کے نفوس منجھے ہوئے ہوتے ہیں، وہ شیطان کے مکروفریب کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان بزرگوں کی صحبت جو اختیار کرتا ہے اور ان کے توسط سے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے یہ نفوسِ قدسیہ ان کو شیطان اور نفس سے بچنے کی تدبیریں بتاتے ہیں، ان کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو بہت جلد نفس کے عیوب کا ازالہ ہوجاتا ہے ، ان کی صحبت سے انسان اخلاقِ فاضلہ ، معرفت الٰہی، محبت الٰہی، آخرت کی طرف رغبت کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ پھر وہ کہیں بھی رہے اللہ کی قوتِ گرفت کا احساس ہمیشہ ساتھ رہتا ہے اس کو صوفیا کی اصطلاح میں تصوف وسلوک کہا جاتا ہے۔ جس طرح دینی ودنیاوی تعلیم وتربیت کیلئے اساتذہ کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح تزکیہ بھی اللہ رب العزت کے خاص بندوں کی نسبت میں آنے پر سمجھ آتا ہے۔جب سے مرشِد پاک نے مجھ نکمے کا ہاتھ تھاما ہے تب سے جنت کا شوق ہے نہ دوزخ کا خوف، بہت خوبصورت کلام ہے ”نہ دل دوزخ منگے نہ شوق بہشتی راضی ہو۔اللہ کے ولی دنیا کو جنت سے خوبصورت بنادیتے ہیں ہمیں جس زندگی سے نفرت ہوا کرتی تھی مرشِ پاک نے اُس میں ایسے رنگ بھر دیئے، ہیں کہ اب جینے میں مزہ آتا ہے اور موت بھی یاد ہے ۔ مرشِد پاک سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگامست کا ذکر میں پہلے بھی

کر چکا ہوں ۔ دوستوں کے اسرار پر آج اُن کا مختصر تعارف کرواتا چلوں۔ آپ روحانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں، آپ عرصہ تیرہ سال تک عالم مجذوبی میں رہے اسی وجہ سے لوگ انہیں ننگا مست کے نام سے جانتے ہیں۔ مجذوب کا مطلب ہے جذب ہو جانا۔ آپ 13 برس کے طویل عرصہ تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی یاد میں جذب رہے، آپ نے قرب الٰہی کے حصول میں طویل عرصہ ریاضت کی اس ریاضت میں خلوص دل سے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے آدمی سے انسان کا رتبہ پانے کی جستجو کی۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی والدہ ، بزرگوں اور صالحین کی دعاؤں سے آپ کی خواہشات اور توقعات سے بہت زیادہ عطاء کر دیا۔ اللہ پاک نے آپ کو عالم انسانیت کی فلاح وبقاء کیلئے پسند فرمایا جس کے بعد آپ نے خود کو خدمت انسانی کیلئے وقف کر دیا۔ آپ کی روحانی خدمات کا اعتراف صوفی ازم پر یقین رکھنے والا ہر ذی روح کرتا ہے آپ کا فیض داتا گنج بخش فیض عالم حضور کے نگر لاہور سے پوری دنیا میں جاری ہے۔ آپ سادہ شخصیت کے مالک ہیں ، روائتی پیروں والی کوئی بات آپ کے قریب سے بھی نہیں گزرتی ۔ آپ کی توجہ ہوتے ہی شدت درد سے تڑپتے مریض سکون حاصل کرتے ہیں ۔ بارگاہِ الٰہی میں آپ کی مخلصانہ دعا بہرحال قبولیت کی تاثیر رکھتی ہے، شائد یہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ انسان جس طرح کی صحبت اختیار کرتا ہے، مزاج، طبیعت، رجحانات اُسے کے مطابق ہوتے جاتے ہیں، اولیا اللہ کی صحبت میں کوئی مکمل بزرگی اختیار نہ بھی کرے، تب بھی دل میں اللہ رب العزت کی محبت اور عشق رسول اللہ ﷺ پیدا ہو جاتا ہے، بندے کو اپنے گناہوں پر

شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ بزرگوں کی نظر میں وہ کیمیائی اثر ہے جو بہت جلد انسان کو متاثر کرتا ہے۔ آپکو یقین نہ آئے تو خود آزمالیں۔

پہلی محبت دوسری شادی

پہلی محبت اور دوسری شادی اکثر جان لیوثابت ہوتی ہیں ، دوستوں محبت اور شادی دونوں ہی جرم نہیں پر شرط یہ ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل اور شرم وحیاء کادامن نہ چھوڑاجائے،پہلی محبت اور دوسری شادی دراصل دوالگ موضوع ہیں ، جن لوگوں کاان دونوں کے ساتھ ابھی پالانہیں پڑااُن کیلئے یہ موضوع بڑالذیذ ہیں،پہلی محبت کاجو تصور پیش کیاجاتاہے اُس میں حقیقت نہیں سچ تو یہ ہے کہ پہلی محبت انسان کسی دوسرے سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے کرتاہے ،اس اعتبار سے جسے عام طورپر پہلی محبت کہاجاتا ہے درحقیقت وہ پہلی نہیں دوسری ہوتی ہے جو اکثر ایسی شخصیات کے ساتھ ہوجاتی ہے جنہیں محب میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے زیادہ ترپہلا محبوب بے وفانکلتاہے، جلد یادیر سے چھوڑجاتا ہے،ہمیشہ کیلئے ٹھکرادیتاہے۔یہ جودوسری جسے ہم پہلی محبت تصور کرتے ہیں یہ پہلی کے وجود کودیمک کی مانند چاٹ جاتی ہے۔دوسری رخصت ہوتے وقت پہلی کو بھی ساتھ لے جاتی ہے۔پہلی اوردوسری محبت کے چھوڑجانے پرکچھ اس طرح کی حالت ہوجاتی ہے جیسی ''امجد شیخ'' نے اپنے اندازمیں بیان کی ہے

آج کے بعد میرے گھر میں
کبھی شام نہیں آئی گی

آج کے بعد ہوا

کوئی پیغام نہیں لائے گی

نہ تمہاری یاد مجھے

رات بھر رلائے گی

آج سے پہلے عجب جانکنی میں

عمر گزری ہے

تیرے خیال سے کٹ گیا خزاں کا موسم

مجھے تکلیف تو بہت ہوئی

جب دل پر لکھا تمہارا نام

ایسے بکھر چکا کہ خود میری انگلیاں

لہو لہو ہیں تمام

اور تمہارے نام میں شامل وہ دو نقطے

دور۔۔۔۔۔۔۔تک دل میں اتر گئے تھے

بمشکل انگلیوں سے کھینچ کر نکالے گئے

اب یہ مت پوچھنا

اس ساری واردات کے بعد

کتنا نڈھال ہے دل

محبت میں حادثات کے بعد

بس اتنا جان لو
شکستہ دل کے کسی کونے سے
زندگی کی تمنا اُبھر رہی ہے
اداسی آہستہ سہی
بکھر رہی ہے

اسی طرح بات کریں دوسری شادی کی تو موجودہ معاشرے میں یہ بھی دوسری محبت کی طرح خوشیوں کی قاتل بن جاتی ہے۔ مشکل ترین حالات کے باوجود بیگمات سے خفا شوہر حضرات اور ازدواجی زندگی سے مطمئن مرد دونوں میں دوسری شادی کی خواہش مشترک پائی جاتی ہے۔ خوش مزاج، خوبصورت، نیک سیرت، مخلص بیوی اور اولاد کی موجودگی میں بھی دوسری شادی کا ذکر آتے ہی دل مچل جاتا ہے، جبکہ فضول خرچ، کم عقل، زبان دراز، بدصورتی اور دیگر خامیوں کے باعث ناپسندہ بیوی والے بھی ہمیشہ دوسری شادی کیلئے پر تولتے رہتے ہیں۔ پہلی کے سلوک سے خوش مرد حضرات اسلامی دلیل پیش کرکے نیکی کمانا چاہتے ہیں جبکہ پہلی بیوی سے تنگ شوہر حضرات دوسری شادی اس لئے کرنا چاہتے ہیں کہ اب کی بار حسین و جمیل، خوش اخلاق، خوب سیرت عورت کے ساتھ شادی کرکے زندگی کے باقی شب و روز کو پر سکون اور حسین بنایا جاسکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیوی، بیوی ہوتی ہے پہلی ہو یا دوسری، شادی شادی ہوتی ہے پہلی ہو یا دوسری یا پھر تیسری۔ دور حاضر میں دو بیویوں کا ایک ساتھ ایک گھر میں رہنا ممکن

نہیں ،الگ گھر،اضافی اخرجات اور تقسیم وقت جیسے چیلنجز سے پریشان حضرات کے پاس مشکلات کا کوئی حل ہو نہ ہو تیسری شادی کا خیال ضرور آتا ہے۔اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے پر شرط نہیں ،جو لوگ ایک شادی کے بعد اپنی ازدواجی زندگی سے مطمن ہوں ،اللہ پاک نے اولاد جیسی نعمت سے نوازر کھا ہو وہ اللہ تعالی، رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلیۓ دوسری شادی کے بجائے اپنے وسائل، وقت، محبت،اخلاق ماں، باپ، بہن بھائیوں دوستوں،ہمسایوں اور معاشرے میں کمزوروں ،ناداروں اور حق داروں میں بانٹ سکتے ہیں ۔جہاں تک بات ہے دوسری یا تیسری شادی کے ذریعے خواہشات کی تکمیل کی تو انسان کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ دنیا میں مال ودولت، محبت، مختصر کہ پرآسائش زندگی اس لئے ممکن نہیں کہ ہم اس دنیا میں مسافر کی حیثیت سے آئے ہیں ،زندگی کبھی بھی ایک مقام پر ٹھہرنے کا نام نہیں ہمیشہ چلتے رہنے آگے بڑھنے اور سکھ دکھ کی لہروں کے آنے جانے کا نام ہے۔شادی ہر دکھ کا علاج ہوتی، تو پھر ایک بیوی بھی ہر زخم پر مرہم کا کام کر سکتی تھی ۔بے شک شادی ایک اہم فریضہ ہے پر اس زندگی میں اور بھی بہت کام ہیں کرنے کیلیۓ۔حضرت عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے عبداللہ! کیا میں نے یہ ٹھیک سنا ہے کہ تم مستقل روزے رکھتے ہو اور رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے درست فرمایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اب ایسا مت کیا کرو، روزہ رکھو بھی اور نہ بھی رکھو اور راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت بھی

کیا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر ایک حق ہے۔ تمھارے پاس ملاقات کے لیے آنے والوں کا بھی تم پر ایک حق ہے''۔ (متفق علیہ) معلوم ہوا کہ کسی دوسرے سے پہلے انسان کا اپنے وجود پر حق ہے تب ہی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ روزے بھی نہ رکھو اور ہمیشہ عبادت بھی نہ کیا کرو، فرض عبادت کے ساتھ کچھ وقت اپنے آپ کو دیا جائے، کچھ ماں، باپ، بیوی، بچوں، بہن بھائیوں دوستوں اور ہمسایوں کیلئے وقف کیا جائے اور کچھ ملاقات کیلئے آنے والوں کے نام بھی، کیا جائے۔ دوسری شادی کے خواہش مند مسلمان بھائی آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرکے دیکھیں اُن کے پاس دوسری شادی کے حق میں دلائل باقی نہیں رہیں گے۔ جہاں تک بات ہے کسی کمزور یا بے سہارا کو سہارا دینے کی تو اپنے وسائل میں سے کچھ اُن پر خرچ کرکے اُن کا نکاح غیر شادی شدہ حضرات کے ساتھ کروانے سے معاشرے میں مایوسی اور نمائش جیسی لعنتوں می کمی واقع ہوگی، نیک بیوی اور اولاد کی موجودگی میں دوسری یا تیسری شادی کرنا نہ تو واجب ہے اور نہ ہی ایسا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی کا باعث۔ معلوم ہوا کہ دوسری محبت ہو یا شادی دونوں سے قبل انسان کے وجود کا حق ہے۔ دوسری محبت اور شادی کے بعد لوگ کچھ اس طرح سے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بقول شاعر

سنگ دل ہے وہ تو کیوں اس کا گلہ میں نے کیا''

جب کے خود پتھر کو بت، بت کو خدا میں نے کیا

کیسے نا مانوس لفظوں کی کہانی تھا وہ شخص
اس کو کتنی مشکلوں سے ترجمہ میں نے کیا
وہ میری پہلی محبت ، وہ میری پہلی شکست
پھر تو پیاں وفا سو مرتبہ میں نے کیا
ہوں سزا وار سزا کیوں جب مقدر میں میرے
جو بھی اس جان جہاں نے لکھ دیا ، میں نے کیا
وہ ٹھہرتا کیاکے گزراتک نہیں جس کے لیے
گھر تو گھر ہر راستہ آراستہ میں نے کیا
مجھ پہ اپنا جرم ثابت ہو نا ہو لیکن فراز
''لوگ کہتے ہیں کے اس کو بیوفا میں نے کیا

لوگ پہلی محبت کو پہلی شکست اور خود کو مجرم قرار دیتے ہیں اس لئے بڑی پریشانی کے عالم میں خود سمیت تمام مردوں کو مشورہ مفت ہے کہ اپنی زندگی کو فلم یا طویل مدتی ڈرامہ نہ سمجھیں بلکہ حقیقت میں رہتے ہوئے پہلی محبت اور پہلی شادی دونوں کے ساتھ مخلص ہو کر اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں تاکہ کم از کم اپنے وجود کے ساتھ تو حقیقی رشتہ قائم رہے۔پہلی محبت دوسری شادی، موضوع جس قدر لذیذ ہے راقم کے پاس اُس قدر مزیدار الفاظ کا خزانہ نہیں ورنہ اپنے مضمون کو مزید چٹخارے دار بناتا، آخر میں اتنا ہی کہوں گی کہ خبردار دوسری محبت اور دوسری

(شادی صحت کیلئے زیادہ مفید نہیں (وزارت محبت وشادی

ویلنٹائن کے پس منظر میں جانے کی ضرورت نہیں

ہر سال 14 فروری کے ارد گرد ملتی جلتی معلومات والے بے شمار مضامین اخبارات کے صفحات کی زینت بنتے ہیں، اُن میں زیادہ تر مذہب کو بنیاد بنا کر ویلنٹائن ڈے کی مخالفت والے مضامین ہوتے ہیں، حاصل کچھ بھی نہیں صرف سفید کاغذ کالا ہو جاتا ہے اور کچھ میرے جیسے شہرت کے بھوکے لوگ اخبار میں اپنی تصویر دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں، آج کل اخبارات کے ادارتی صفحات پر کیا بیت رہی ہے یہ الگ بحث ہے زندگی رہی تو اس پر بھی بات ہوگی ۔بے شک دین اسلام واحد ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔اسلام ناصرف ویلنٹائن ڈے بلکہ ہر طرح کی بے حیائی سے منع فرماتا ہے۔آج کل بھی ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے مباحثے عروج پر ہیں ،راقم کا خیال ہے اس تہوار سے آج تک کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوا اس لئے ویلنٹائن ڈے کے پس منظر میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ،آپ نے کبھی کہیں سنا یا پڑھا ہے کہ مشرقی ویلنٹائن ڈے منانے والے چاند پر پہنچ گئے؟زلزلوں کی قبل از وقت اطلاع دینے والی کوئی مشین ایجاد کر لی؟ بادلوں کا رخ موڑنے کا کامیاب تجربہ کر لیا؟کینسر کا علاج دریافت کر لیا یا کوئی اور بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا ہے؟حقیقت تو یہ ہے کہ ویلنٹائن ڈے منانے والے مرد وخواتین گھر والوں کو بازار سے سبزی تک لا دینے کے قابل نہیں ہیں، ویلنٹائن ڈے کس کے

نام سے منسوب ہے، کب اور کیوں شروع ہوا؟ فضول قسم کی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ماضی کی کھڑکیاں کھول کر طویل وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ حال اور مستقبل کا سوچیں، غور کریں آج کیا ہو رہا ہے جس کے کل نتائج آئیں
گے، دور حاضر میں اپنی مذہبی، معاشی اور تہذیبی اقدار کے مطابق مناسب تعلیم و تربیت وقت کا اہم تقاضا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کب اور کیوں شروع ہوا؟ کس فرقے، مذہب یا قبیلے کی تہذیت کا عکاس ہے؟ اسلام مخالف ہے یا نہیں؟ ایسے بہت سارے سولات ہر سال فروری کے مہینے میں سر اُٹھاتے ہیں، فروری کا مہینہ جاری ہے اور 14 فروری سر پر، چاروں طرف ایک شور مچا ہوا ہے، کوئی ویلنٹائن ڈے منانا چاہتا ہے تو کوئی اس دن کو منائے جانے کے سخت خلاف اور کوئی خاموش تماشائی ہے۔ میڈیا پر موجود مواد، مطالعہ کیلئے دستیاب کتب ویلنٹائن ڈے کی اصل حقیقت بتانے سے قاصر ہیں، ہر کسی کا اپنا خیال ہے اور اپنے سوال و جواب۔ عرصہ دراز سے اس سلسلہ میں کوشش کرنے کے باوجود کوئی تسلی بخش معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے کیا اور کیوں کے قید خانے سے نکل کر سوچیں تو بات سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس دن کو یوم محبت کے طور پر منانے میں کیا فوائد اور کیا نقصانات ہیں؟ مجھے لگتا ہے کہ مذہب سے زیادہ یہ معاملہ معاشرتی ہے۔ ایک قرض دار ملک کے عوام ہونے کے ناطے ہمیں ہر قسم کی فضول خرچی کرنے سے قبل اپنے بچوں کے آنے والے کل کے بارے میں سوچنا چاہئے، جو آج ہم بوئیں گے کل ہمارے بچوں کو کاٹنا پڑے گا، جس تہذیب کا پرچار کریں گے اُس کے زیر اثر تربیت پانے والے

نوجوان کل کن مشکلات کا شکار ہو سکتے ہیں یہ سوچنا ہمارا فرض ہے۔ ویلنٹائن ڈے یا اس جیسے کسی اور تہوار میں شامل ہونے سے قبل یہ ضرور دیکھ لیں کہ ہماری تہذیب، حالات اور موجودہ معاشرہ اُسے کس تناظر میں دیکھتا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کے معاملے پر چند روز کے بجائے اس بحث کو طویل کرنے سے کوئی حل برآمد ہو سکتا ہے ٹھیک اسی طرح اسلامی اقدار و تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے خاص مذہبی دنوں، کو صرف ایک دن تک محدود کرنے کے بجائے ہر وقت ، ہر لمحہ بطور تربیت اپنے اخلاقیات میں شامل کرنے سے معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ نوجوان نسل پر سختی کرنے کے بجائے ویلنٹائن ڈے کے اخلاقی، معاشی اور مالی نقصانات سے آگاہ کریں ، اُن کو بتائیں کہ اس طرح کے تہوار منانے سے معاشرتی اقدار پامال ہوتی ہیں، کسی کی بہن بیٹی کو محبت جتانے کیلئے تحائف دینا یا ایسے الفاظ اور القابات سے نوازنا جن میں بہن ، بیٹی کے مقدس رشتوں کا تقدس پامال ہو کسی صورت قابل قبول نہیں ۔ مشرقی معاشرے میں ماں بہن، بیٹی اور بیوی سمیت قریبی رشتہ دار خواتین کی طرف اُٹھنے والی بُری نظر مردوں، کی غیرت کو للکارتی ہے، جس طرح ہم اپنی ماں ، بہن ، بیٹی اور بیوی کی عزت محفوظ رکھنا پسند کرتے ہیں اسی طرح جس لڑکی کو ویلنٹائن ڈے یا ایسے کسی اور تہوار یا پھر عام دنوں میں اظہار محبت جسے ہمارے ہاں ناجائز تعلقات کہا جاتا ہے قائم کرنے کو شش کرتے ہیں تو پھر اُن کے باپ اور بھائی بھی اپنی عزتوں کے رکھوالے ہوتے ہیں، جس طر ح آپ اپنی عزت و وقار کے متعلق حساس ہیں اسی طرح دوسروں کو سمجھیں تاکہ ہم سب مل کر معاشرے میں قیام حیاء کا

اہتمام کریں۔ایسے مضمون نگاروں سے گزارش ہے جو ہر سال میڈیا میں موجود معلومات کے مطابق ویلنٹائن کے موضوع پر تحاریر لکھتے ہیں وہ بجائے پرانے خیالات کو دوبارہ پیش کرنے کے قاری کیلئے کوئی نیا پہلو تلاش کریں تاکہ ایک مثبت تبادلہ خیال کا آغاز ہو اور کوئی مناسب حل تلاش کیا جاسکے ۔معاشرے کی بے شمار اکائیوں کا کسی بھی موضوع پر ہم خیال ہونا ممکن نہیں پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش ترک کردی جائے۔مثبت بحث و مباحثے اور بروقت تبادلہ خیال کے ذریعے ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا، صدیوں سے پھیلی وباء کا علاج منٹوں، گھنٹوں، مہینوں یا سالوں میں نکل آئے یہ بھی ضروری نہیں اس لئے ہمیں صبر کا دامن تھامے طویل جدوجہد کرنا ہوگی۔والدین، اساتذہ، علماء کرام اور صحافی کا باشعور ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔بدقسمتی سے ہمارے ہاں نہ تو والدین کی اکثریت باشعور ہے اور نہ اساتذہ کتابی نصاب سے باہر نکلنا پسند فرماتے ہیں، صد افسوس کہ سیاسی مفادات حاصل کرنے کیلئے صحافت کا استعمال کرنے والوں کی بہتات ہے،ان حالات میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اپنے آنے والے کل کے حوالے سے غیر سنجیدہ ہیں ،دنیا بھر کا مال و دولت اپنی اولاد کیلئے جمع کرنے کے خواہش مند تو ہیں پر اُن کی اخلاقی تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے۔جس سمت محنت نہ کی جائے اُدھر سے اچھے نتائج آنے کی اُمید لگانا کوئی عقل مندی کی دلیل نہیں۔جدید میڈیا کی صورت میں بدتہذیبی کے مراکز ہمارے گھروں میں موجود ہیں ۔ہر ٹی وی چینل ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ہفتہ پہلے سے پرگرامز کا آغاز کردیتا ہے

جن میں باقاعدہ پریکٹیکل کرکے دیکھایا جاتا ہے۔آج مسلم معاشرے میں بہت سے
خاندان ایسے ہیں جنہیں محرم وغیر محرم کے حوالے سے مناسب آگاہی حاصل نہیں، وہ
جانتے ہی نہیں کہ اُن کے مذہب میں گناہ کیا ہے، ثواب کیا، کس طرح کی سرگرمیوں کی
ممانعت ہے اور کن اعمال کی تاکید ہے۔ایسے لوگ محبت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں خواہ
وہ غیر محرم رشتوں کے ساتھ ہی کیوں نہ کی جائے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ
ادھر اُدھر کی ہانکنے کے بجائے ان موضوعات کو مثبت طریقہ کار کے ذریعے زیر بحث
لاکر طویل حل تلاش کئے جائیں نہ کہ سنی سنائی، باتوں یا پھر پرانے زمانے کے پیش کردہ
دلائل کو دہرا کر اپنے نام یا تصویر پر روشنی ڈال شہرت کی ٹھنڈک محسوس کی جائے ۔

سابق حکمران

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ زندگی کتاب سے بھی زیادہ پچید ہوتی ہے،کتاب پہلے سبق دیتی ہے پھر امتحان لیتی ہے پر زندگی پہلے امتحان لیتی ہے پھر سبق دیتی ہے۔اس بات کی حقیقت مجھے اُس وقت سمجھ آئی جب میں کافی دنوں بعد میٹرو بس میں سوار ہوا۔پہلے پہل میٹرو بس میں انگلش اور اردو میں اگلے اسٹیشن کااعلان ہوا کرتا تھااور آج کل اگلے اسٹیشن کے اعلان کے ساتھ کچھ مزید ہدایات بھی دی جاتی ہیں،.برائے مہربانی سفر کے دوران اپنے سامان کی حفاظت خود کریں،تمام مسافروں سے التماس ہے کہ جیب کتروں سے ہوشیار رہیں۔میٹرو بس نے پاکستان میں کسی قسم کی تربیت حاصل کی ہے اورنہ ہی تعلیم۔پاکستانی زندگی کے امتحان میں فیل ہونے پراُس نے یہ تمام سبق سیکھ کرمسافروں کوآگاہی فراہم کرنا شروع کردی ہے۔میٹرو بس کی سمجھداری کو دیکھتے ہوئے یقین ساہوچلاہے کہ پاکستانی عوام زندگی کے امتحان میں بار بار فیل ہونے کے باوجود سبق نہیں سیکھتے۔حالات چیخ چیخ کر سبق دینے کی کوشش کرتے ہیں،ذمہ داران سابق حکمران) ہر وقت تربیت کرتے رہتے ہیں پر مجال ہے جو ہم کچھ سیکھنے کی کوشش) کریں۔جب 17اگست 1988ء کو جنرل ضیاء الحق کا جہاز حادثے کا شکار ہوااُس وقت ہم بہت چھوٹے تھے ہمیں بس اتنایاد ہے کہ سکول سے چھٹی ملنے کی خوشی ہوئی تھی،سنا ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں بھی میاں نواز شریف کسی

وزارت پر مامور تھے جو موجودہ دور میں تیسری بار وزیر اعظم پاکستان ہیں اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے اُن کے چھوٹے بھائی میاں شہباز شریف مسلسل وزیر اعلیٰ پنجاب کے منصب پر فائز ہیں، اندازہ کریں میاں برادارن کتنے سابق دور حکمرانی کے مزے لوٹ چکے ہیں ؟اب اُن کے تازہ ترین بیان پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کتنے سخت امتحان سے گزر کر بھی ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔اتوار کے روزوزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے مسلم لیگ (ن) کے عہدیداروں کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو مسائل کے گرداب سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے وعدے کی تکمیل کی جانب بڑھ رہی ہے اور ملک کو اندھیروں سے نکال کر روشنیوں میں لانے کیلئے ہر ممکن وسائل بروئے کار لائے جا رہے ہیں، وزیر اعظم محمد نواز شریف کی قیادت میں توانائی بحران کے خاتمے کیلئے بے مثال کام کیا جا رہا ہے، مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے منصوبوں پر تیز رفتاری سے دن رات کام کرنے کا کلچر متعارف کرایا اور توانائی کی کمی کے مسئلے پر قابو پانے کیلئے ملک بھر میں تیز رفتاری سے بجلی کے کارخانے لگائے جا رہے ہیں توانائی منصوبوں کی تکمیل سے 2017ء کے اختتام تک ہزاروں میگا واٹ بجلی نیشنل گرڈ میں شامل ہو جائے گی جس سے لوڈ شیڈنگ میں خاطر خواہ کمی ہوگی۔وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ سابق حکمرانوں کی ناقص پالیسیوں اور غلط ترجیحات کے باعث ملک اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا،ماضی کے حکمران توانائی بحران کے خاتمے کیلئے سنجیدہ کاوشیں کرتے تو ملک کو توانائی کی کمی کے

سنگین مسئلے کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ انہوں نے کہا گزشتہ دور آمریت میں بھی توانائی کے شعبے کو نظرانداز کیا گیا جبکہ بے مقصد دھرنوں کے ذریعے بھی دیگر ترقیاتی منصوبوں کی طرح توانائی کے منصوبوں میں رکاوٹ پیدا کی گئی۔حکومت کوئلے ، ہوا، سولر، گیس ، ہائیڈل اور دیگر سستے ذرائع سے بجلی کے حصول کے منصوبوں پر کام کر رہی ہے ،پنجاب میں گیس کی بنیاد پر 3600 میگاواٹ بجلی کے حصول کے کارخانے لگ رہے ہیں ، ساہیوال کول پاور پلانٹ مقررہ مدت سے پہلے مکمل ہوگا ،پنجاب حکومت نے ہوا سے ایک ہزار میگاواٹ بجلی کے حصول کیلئے ڈنمارک کی کمپنی ویسٹاز سے معاہدہ کیا ہے۔انہوں نے کہا قطر سے مائع گیس کی خریداری کیلئے طے پانیوالے تاریخ ساز معاہدے سے عوام کو سستی گیس ملے گی ،ایل این جی کی خریداری کا معاہدہ اقتصادی راہداری کے بعد قوم کیلئے ایک اور تحفہ ہے" قارئین دیکھا آپ نے پیپلزپارٹی کے گزشتہ وفاقی دورحکومت میں وزیراعلیٰ پنجاب نے پہلے چھ ماہ اور پھرایک سال میں بجلی بحران ختم نہ کرنے اور سابق صدر آصف علی زرداری جواُس وقت صدرپاکستان تھے کو سڑکوں پر نہ گھسیٹنے کی صورت میں اپنانام تبدیل کرنے کا وعدہ کیا تھاجوانہوں خادم اعلیٰ کالقب چھوڑ کرپوراکردیاپرشائدُاُن کو کسی نے یاد نہیں دلایاکہ انہوں کچھ یوں فرمایاتھا‘میں نے زرداری کولاہورکی سڑکوں پرنہ گھسیٹاتومیرانام شہبازشریف نہیں‘عوام الناس کویاد ہوتوجناب اُس وقت بھی وزیراعلیٰ پنجاب تھے اورآج بھی ہیں یعنی سابق بھی وہ ہیں اورحاضر بھی،نہ اُن کے سابق دور میں کسی بحران

کا حل نکلا اور نہ موجودہ دور میں اور اب وہ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے آئندہ عام انتخابات میں جیت کر ن لیگ مرکز اور صوبوں خاص طور پر پنجاب میں حکومت بنائے گی اور پھر عوام الناس کو ایک بار پھر یہ سچائی بتائی جائے گی کہ سابق حکمرانوں کی غلط پالیسیوں نے ملک اندھیرے میں ڈبو دیا جبکہ موجودہ حکومت تو ہر ممکن کوشش کر رہی ہے ہماری آنے والی اگلی حکومت تو صدیوں میں حل نہ ہونے والے مسائل منٹوں میں حل کردے گی اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں عوام الناس ہمیں پھر سے انتخابات میں کامیاب کروائیں تو ہم پھر اُن پر ٹھاٹھ باٹھ سے حکمرانی کریں گے پر سابق حکمرانوں یا اُن کی پالیسیوں کا کوئی حل نکالنا حکومت وقت اور مستقبل کے حکمرانوں کے بس کی بات نہیں، نتیجہ سابق حکمرانوں کی پالیسیاں ملک کو اندھیروں ڈبوئے رکھیں گی، پھر بھی 68 سال گزار کر بھی ہم (عوام الناس) سخت ترین امتحانات سے گزرنے کے باوجود کوئی سبق نہیں سیکھ پائے دوسری طرف میٹرو بس ایک دو سالوں میں سب کچھ سیکھ چکی ہے، ہم نے سبق نہیں سیکھنا تو کم از کم اتنا ہی سمجھ لیں کہ یہ جو سابق حکمران ہوتے ہیں یہ نہ ہوتے تو اب تک ہمارے تمام مسائل حل ہو چکے ہوتے، اب سابق حکمرانوں سے کیسے جان چھڑانی ہے یہ سوچنا کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ پوری قوم کا فرض ہے کیونکہ ہمارا مسئلہ بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ، ناانصافی، مہنگائی، بے روزگاری، بدامنی، کرپشن کا نہیں بلکہ سابق حکمرانوں اور اُن کی پالیسیوں کا ہے، خوش قسمتی سے حکمران ملک میں رہتے ہی تب تک ہی جب تک وہ سابق نہ

ہوجائیں اور سابق ہوتے ہیں ہی بیرون ملک اپنی دولت کے پہلو میں شفٹ ہوجاتے ہیں
یہ جو سابق ہوتے ہیں یہ بہت طاقتور ہوتے ہیں اس لئے ہم اُن کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے ہم،
تو کیا موجودہ حکمران بھی سابق حکمرانوں کو سڑکوں پر گھسیٹنے کا وعدہ پورا نہیں کر سکتے
بہتر یہی ہے کہ میٹرو بس کی طرح جلد سبق سیکھو ورنہ سابق حکمرانوں کی غلط پالیسیاں،
تمہاری طرح تمہاری آنے والی نسلوں کو بھی اندھیرے میں نہ ڈبو دیں۔ یہ بات
درست ہے کہ زندگی کتاب سے بھی زیادہ پچیدہ ہوتی ہے پر یاد رکھو سابق حکمرانوں سے
زیادہ نہیں اس لئے جس قدر ہو سکے سابق حکمرانوں سے دور رہو اسی میں اُن کی بھلائی
ہے۔

معصوم

اللہ پاک سے دُعا ہے کہ رب رحمٰن کائنات کے تمام معصوم پر رحمت فرمائے پر اس بات کو فائنل کرنا خالصتاً مالک حقیقی کے اختیار میں ہے کہ کس پر رحمت ہونی ہے اور کس کا کڑا احتساب۔ یہ بات طے ہے کہ اس دنیا میں کسی کا احتساب ہو نہ ہو روزِ آخرت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں سب کا احتساب ہوگا، معصومیت کے دور میں احتساب ایک خواب اور ظلم حقیقت بن چکا ہے،اللہ رب عزت ہمارے عیبوں پر پردہ نہ فرمائے تو سب کچھ کھل کر سامنے آجائے کہ کون کتنا معصوم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس دنیامیں ہم بھی معصوم ہیں اور تم معصوم ہو، حال ہی میں کچھ معصوموں کا ذکر وزیر اعظم پاکستان نے بھی کیا ہے ،وزیر اعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ نیب کو اپنا کام زیادہ ذمہ داری سے کرنا چاہئے۔ نیب والے تصدیق کئے بغیر معصوم لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے ہیں، عزتیں اچھالنا اچھی بات نہیں، نیب کے خوفزدہ کرنے کی وجہ سے سرکاری افسر فیصلہ کرنے سے ڈرتے ہیں۔ سرکاری افسروں کو ڈرانے پر حکومت اس سلسلے میں ضروری قانونی کارروائی کر سکتی ہے'وزیر اعظم نے معصوم کا لفظ کس کیلئے استعمال کیا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے،بقول وزیر اعظم سرکاری افسر نیب والوں کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں اس بات کا بظاہر کوئی وجود نظر نہیں آتا پر وزیر اعظم کے بیان کے بعد قومی احتساب بیورو کا ردعمل صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ وزیر اعظم سے ڈر گئے ہیں ،جی ہاں

وزیراعظم کے بیان پر قومی احتساب بیورو کا ردعمل سامنے آچکا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وزیراعظم کی رائے کا احترام کرتے ہیں، احتساب کے عمل کو مزید بہتر بنایا جائے گا،نیب ترجمان کی جانب سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ نیب کو بعض قباحتیں ورثے میں ملیں ہیں جن کے حل کیلئے اقدامات کر رہے ہیں۔پہلے تو وزیراعظم تسلی رکھیں کہ نیب والے معصوم تو کیا کسی ظالم کو بھی بے عزت نہیں کریں گے اور دوسری بات یہ کہ نیب کو ورثے میں ملنے والی قباحتیں دور نہیں ہو سکتی، وجہ اور کوئی نہیں بس اتنی سی ہے کہ نیب کا ڈی این اے کرنے والی کوئی ایجاد آج تک نہیں ہوئی اور ہو بھی نہیں سکتی۔وزیراعظم یقین رکھیں جس طرح ماضی میں کبھی کسی اہم سیاسی شخصیت کو سزا نہیں ملی آئندہ بھی نہیں ملے گی،یقین نہیں آتا تو سابق صدر پرویز مشرف سے پوچھ لیں جنہوں نے سنگین جرائم میں گرفتار کرنے کے بعد میاں صاحب کو نہ صرف ملک سے جانے دیا بلکہ واپس آکر عام انتخابات میں حصہ بھی لینے دیا، مسٹر مشرف سے پوچھو کہ جب میاں برادران عام انتخابات لڑنے کے اہل تھے تو پھر کس قانون کے اور اخلاق کی بنیاد پر وقت کے وزیراعظم ،وزیراعلیٰ اور دیگر وزیروں اور مشیروں کو نہ صرف برطرف کیا بلکہ گرفتار کرکے سنگین نوعیت کے مقدمات بھی قائم کیے گئے؟مشرف صاحب جانے کیا جواب دیں گے وزیراعظم کے حالیہ بیان کے مطابق تو یہی جواب بنتا ہے کہ کسی معصوم پر مقدمات قائم نہیں ہونے چاہیے، میاں صاحب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس طرح کے مقدمات ماضی میں بھی بنتے رہے ہیں جس کا آج تک کوئی نتیجہ نہیں نکل

سکا،آپ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ سابق صدر آصف علی زرداری پر 1998 میں کرپشن کے مقدمات بنائے گئے تھے۔ اس وقت بھی مسلم لیگ ن کی حکومت تھی اور سیف الرحمٰن صاحب چیئرمین نیب کے عہدے پر تعینات تھے۔ سیف الرحمٰن نے بعد ازاں یہ تسلیم کیا کہ آصف زرداری پر مقدمات سیاسی بنیاد پر بنائے گئے تھے، جب مسلم لیگ ن کی مرکز میں دوبارہ حکومت بنی تو یہ مقدمات ختم کرکے آصف زرداری کو باعزت بری کردیا گیا تھا۔ یہ مقدمات طویل عرصے تک کبھی چلتے رہے اور کبھی رکتے رہے، پھر 2008ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کو اکثریت ملنے کے بعد 2009 ء میں آصف علی زرداری صدر پاکستان بنے اور یوں یہ مقدمات کھٹائی میں پڑ گئے۔

آصف علی زرداری 5 سال تک ایوانِ صدر میں رہے اور صدارتی استثنٰی کے مزے لیتے رہے، 2013ء کے عام انتخابات کے بعد مسلم لیگ ن کی حکومت بنی۔ میاں نواز شریف نے پیپلز پارٹی کی مفاہمتی سیاست کو آگے بڑھانے کی پالیسی اپنائی جو آج تک جاری ہے۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران شریف برادران نے لوگوں سے جو وعدے کیے ان میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ وہ ملک کا لوٹا ہوا پیسہ واپس لائیں گے ،افسوس کہ کئی دیگر وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی وفا نہ ہو سکا، کیاہی بہتر ہوتا جو وزیراعظم ماضی کے حقائق کے باغور جائزے کے بعد نیب والوں کی خبر لینے کی بجائے اپنے معصوموں کو کہتے کہ اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ آصف علی زرداری کو سامنے رکھیں اور تصور کریں کہ ماضی کا معصوم آگے چل کر ملک کا صدر بن سکتا ہے تو پھر حال کے معصوں کو بھی مستقبل میں کوئی اہم

عہدہ مل سکتا ہے۔جہاں تک بات احتساب وحتساب کے تذکرے سن کر عوام کے خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ہے کہ تو ایسی کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی بجائے غور کریں تو وہ اور ہم (عوام) بھی کہیں نہ کہیں معصوم ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جیسی قوم ویسے حکمران مسلط ہونگے۔یعنی ہمارے حکمران بھی معصوم اور ہم عوام بھی معصوم ہیں، یایوں کہہ لیں کہ ہم بھی معصوم، تم بھی معصوم ۔آئیں غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ملک خداداد میں غریب آدمی کی ساری زندگی معمولی مقدمے میں عذاب بن جاتی ہے پر قومی خزانے کو لوٹنے والوں کے احتساب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟پاکستان مسلم ریاست ہے یہاں بسنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے جن کو یقین ہے پیدا کرنے سے پالنے اور پھر موت دینے پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات.برحق ہی قادر ہے اس لئے عام عوام حکمرانوں سے عزت کی دال روٹی ،کپڑا اور چھت نہیں ظالموں کا احتساب چاہتے ہیں موجودہ حالات کے مطابق سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کا احتساب ، کون سا احتساب، اور کون کرے گا احتساب ،توحکمرانوں پر احتساب کی اُمید لگانے والے میرے جیسے نا سمجھ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ احتساب فرمائے گا تمام ظالموں کا، یہاں تو ہم سب معصوم ہیں اس، لئے ہم ایک دوسرے کا احتساب نہیں کر سکتے ہیں ،جو لوگ نیب والوں سے پریشان ہیں وہ بالکل نہ گھبرائیں کیونکہ اللہ جانتا ہے نیب والے تواُن سے کہیں زیادہ معصوم ہیں شائداسی معصومیت کو نیب کے ترجمان نے وارثتی قباحت کہا ہے، سو یہ بات کھل، کر سامنے آگئی کہ ہم سب معصوم ہیں کوئی زیادہ کوئی کم ۔یعنی ہم بھی معصوم ،تم بھی

معصوم۔آخر میں ''ماہ رخ زیدی''کے چند اشعار جوانہوں نے معصومیت اوراُس کے صلے
کے عنوان سے لکھے ہیں

مجھکو معصومیت کا صلہ مل گیا
وہ جو بچھڑا کوئی دوسرا مل گیا
ہے مقدر بھی پتھر کی جیسے لکیر
ہم نے چاہا تھا کیا اور کیا مل گیا
دل میں مرنے کی خواہش نہیں اب ذرا
ہم کو تو جیتے جی ہی خُدا مل گیا
ہے یہ قدرت کی شانِ عطا دیکھیے
جو بھی مانگا تھا اس سے سوا مل گیا
سیدھا لے جائیگا ہم کر منزل تلک
ایسا آسان سا راستہ مل گیا
ڈھونڈتے تھے جسے شہر در شہر ہم
وہ گلی میں ہماری کھڑا مل گیا
کس سے شکوہ کریں کیا شکایت کریں
تھا جو قسمت میں لکھا ہوا مل گیا
صرف اتنی کہانی ہے میری تو بس
سبز مانگا تھا لیکن ہرا مل گیا

ساری دنیا نے چھوڑا تو کیا ماہ رخ
شاعری کا مجھے آسرا مل گیا

بوٹی ماسٹر

وہ گاؤں کے سرکاری سکول میں پہلی جماعت کا طالب علم تھا۔ اس وقت پہلی جماعت میں طالبعلموں کی کل تعداد 100 تھی اور ان کو پڑھانے کے لیے صرف ایک ٹیچر میسر تھا۔ وہ انتہائی ذہین لیکن راقم کی طرح کام چور تھا، پڑھنے، لکھنے میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی، والدین کی اسرار اور پھینٹی کے ڈر سے سکول جاتا۔ روزانہ سکول میں حاضر ہونے کے باوجود اسے 8 برس تک الف ب کی ٹھیک طرح سے پہچان نہ ہو پائی، اپنی چالاقی اور مکاری سے وہ 8 جماعتیں پاس کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ان 8 سالوں میں اس نے ایک دن بھی ہوم ورک نہیں لکھا پھر بھی استاد کو روزانہ ہوم ورک چیک کروایا کرتا ۔آپ حیران ہوں گے کہ جب وہ ہوم ورک لکھتا ہی نہیں تھا تو پھر استاد کو چیک کیا کرواتا تھا؟ آپ حیران نہ ہوں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کرتا کیا تھا۔ وہ بازار سے نئ کی بجائے پرانی کاپیاں خریدتا جن کے صفات پہلے سے تحریر سے پُر ہوتے ان کو بدل بدل کر اور کبھی کبھی کسی ہم جماعت کی کاپی چوری کرکے اساتذہ کو چیک کروا دیتا طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے استاد کے پاس اتنا ٹائم نہ تھا کہ وہ بچوں کی، کاپیاں غور سے دیکھ سکیں۔ اب بھی آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہوگی کہ پھر ہر مرتبہ وہ امتحان کس طرح پاس کرلیتا تھا۔ جناب عالی یہ بات بھی زیادہ حیران کن نہیں ہے کیونکہ امتحانات کی

نگرانی بھی وہی استاد کیا کرتے تھے جو اس کو سال بھر پڑھایا کرتے تھے۔ میں آپکو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ انتہائی ذہین تھا اپنی ذہانت کو وہ پڑھنے کی بجائے بوٹی کرنے میں استعمال کیا کرتا۔ سکول میں طلبہ اسے بوٹی ماسٹر کہا کرتے ،8 سال تک وہ اپنی تیز ترین بوٹی کی وجہ سے پاس ہوتا رہا پر اسے پڑھنا لکھنا بالکل نہ آیا،اس نے سوچا اس طرح تو وقت ضائع کرنے والی بات ہے ،جب پڑھنا لکھنا ہی نہیں ہے تو سکول جانے کا کیا فائدہ بس اس نے سکول چھوڑ دیا اور گھر والوں سے کہنے لگا کہ میں مزید نہیں پڑھ سکتا مجھے کام پر ڈال دیں میں کام سیکھوں گا۔اس کے والدین کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ اس کو پڑھا لکھا کر کسی سرکاری نوکری پر لگوانا چاہتے تھے۔ لہذا اس کے والدین نے آپس مشورے کے بعد اسے چائے کے ہوٹل پہ یہ سوچ کر لگا دیا کہ شائد تنگ آکر خود ہی سکول جانے کے لیے تیار ہو جائے پر ایسا نہ ہوا کچھ دن چائے کے ہوٹل پر کام کرنے کے بعد وہ کسی ٹرک ڈرائیور کے ساتھ شہر چلا گیا۔ کیونکہ وہ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں سے باہر نکلا تھا اس لیے شہر کا ماحول اس کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ تین دن بھوکہ رہنے کے بعد اس نے مزدوروں کے ساتھ دہاڑی لگا کر شام کو کھانا کھانے کا اہتمام کیا جو خاصا مشکل لگا، اس نے سوچا کسی دفتر میں کوئی کام مل جائے تو آسانی ہو سکتی ،اگلے دن وہ سارا دن دفتروں میں کام تلاش کرتا رہا،اسے کسی کام میں مہارت نہ تھی اور کچھ پڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا تھا،اُس پر شہر کے لوگ اس سے ناواقف تھے ،انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود خوش

قسمتی سے اسے ایک اخبار کے دفتر میں صفائی اور چائے پانی پلانے کی نوکری مل گئی ساتھ ہی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوگیا کیونکہ اخبار کے مالک نے اسے اس شرط پر نوکری دی کہ وہ رات کو دفتر میں ہی سویا کرے گا۔کچھ دن شہر میں گزارنے کے بعد اسے اپنے والدین تو یاد نہ آئے پر ہم جماعت بڑی شدت سے یاد آنے لگے خاص طور پر ان کا اسے بوٹی ماسٹر کہہ کر پکارنہ بہت یاد آیا۔وہ واپس گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے اس نے سوچا کچھ ایسا کیا جائے کہ شہر کے لوگ بھی اسے بوٹی ماسٹر کہنا شروع کردیں۔بہت غور و فکر کے بعد اس نے فیصلہ کیا وہ اپنے نام کے بوٹی ماسٹر لگالے پر اس طرح اس کا نام بہت لمبا ہو جاتا۔قارئین محترم اس کا نام تھا میاں چندو لال تنولی، لہٰذا اس نے اپنا نام چھوٹا کرتے ہوئے میاں چندو لال بوٹی کرلیا،اس طرح دفتر میں آنے جانے والے لوگ اسے چندو لال بوٹی کی بجائے بوٹی بوٹی کہہ کر پکارنے لگے۔اس طرح اسے ایک سال اخبار کے دفتر میں کام کرتے گزر گیا،یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اخبارات کے دفاتر میں مشہور شخصیات کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔جن میں شوبزاور سیاست دانوں کثرت ہوتی ہے، مشہور لوگوں کو چائے پلا پلا کر اسے بھی مشہور ہونے کا شوق ہوگیا۔اس نے کوشش کی کہ اداکار بن جائے پر کامیاب نہ ہوسکا پھر اس نے سوچا سیاست دان بن کر مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی ایک سال بعد شہر میں بلدیاتی الیکشن ہونے والے تھے لہٰذا اس نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔بدقسمتی سے الیکشن قریب آئے تو کونسلر کے اُمیدوار کے لیے میٹرک کی

شرط عائد کردی گئی۔اسے شدید مایوسی ہوئی اور اس نے آئندہ الیکشن سے پہلے میٹرک پاس کرنے کا اردہ کرلیا۔4 سال تک وہ میٹرک کی کتابوں کے ساتھ ہاتھا پائی کرتا رہا پر اسے کچھ سمجھ نہ آیا، پھر بھی آس نہ چھوڑی اور پرائیوٹ سکول میں میٹرک کی تیاری کرنے لگا۔اب الیکشن میں جو ایک سال باقی تھا وہ بھی فوراہی گزر گیا جبکہ میٹرک کا نصاب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔خیر اس نے میٹرک کا امتحان دینے کے لے داخلہ جمع کروادیا،اب ہونا کیا تھا، عادت سے مجبور چندولال بوٹی نے ہمیشہ کی طرح میٹرک کے امتحان میں بھی بوٹی کرنے کی کوشش کی اور پکڑا گیا،میٹرک پاس نہ ہونے کی وجہ سے سیاست دان بننے کی تمناء بھی دم توڑ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنااخبار نکالے گا اور اس میں اپنی خبریں اور تصویریں چھاپ چھاپ کر مشہور شخصیات میں شامل ہوجائے گا ۔اس طرح اس نے باقائدہ صحافتی میدان چھلانگ لگادی اور چند ماہ بعد اپنے ایک دوست سے مل کر چلتا چلاتا اخبار خرید لیا،ماڑی قسمت معاملہ وہیں کا وہیں رہا کیونکہ اب اس کے پاس کوئی ایسی خبر نہ تھی جس میں روزانہ اپنا نام اور تصویر شائع کرسکے ،کچھ دن پریشان رہنے کے بعد اس نے کالم لکھنے کا فیصلہ کیا اور لکھنے بیٹھ گیا، مہینہ بھر کالم لکھنے کی سرتوڑ کوشش کے بعد ناکام رہنے پر اسے بوٹی لگا کر کالم اپنے نام سے شائع کرنے کی سوجی تو اس نے پیج میکر سے کہا کہ روزانہ ایک کالم ڈھونڈ کر میری تصور کے ساتھ شائع کیا کرو۔بس اس دن سے وہ مشہور ہونا شروع ہوگیا اور اب اس کے اخبار کے قاری کو اس وقت

تک چین نہیں آتا جب تک کہ چندولال بوٹی کا لکھا کالم نہ پڑھ لے۔ چندولال بوٹی تو مشہور آدمی بن کر بہت خوش ہے پر جن کالم نویسوں کے کالم وہ چوری کرتا ہے۔ وہ چندولال بوٹی کو جن الفاظ میں یاد کرتے ہیں وہ بیان کرنا ممکن نہیں۔ بدقسمتی سے راقم بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کالم چندولال چوری کرتا ہے۔ کیا آپکو نہیں لگتا کہ آج صحافی.برادری میں بہت سے چندولال پیدا ہو چکے ہیں ؟ جن کی وجہ سے آج صحافی .برادری بدنام ہوکے رہ گئی ہے۔ اور اپنے آپ کو صحافی کہلوانے میں شرم محسوس کرتی ہے۔ میں کالم نویسی کی دنیاکے طالب علم ہونے کی حیثیت سے حکومت وقت سے مانگ کرتا ہوں کہ ان بدکردار لوگوں کے خلاف سخت سے سخت قانون سازی کرے جو قوم کو غلط اور بے بنیاد خبریں سناتے اور کالم چوری کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد صحافی .برادری متحد ہوکر ان ناپاک لوگوں کو اپنی صفوں سے باہر نکال پھینکے گی۔ اللہ تعالی (ہمیں حق لکھنے ،پڑھنے، کہنے، سننے اور اس پر چلنے کی توفیق وطاقت عطا فرمائے (آمین

دال جئ

آئے دن دال سبزی کی قیمتوں میں اضافے سے پیدا ہونے والی مشکلات کا اندازہ صرف محنت کش، سفید پوش طبقے کو ہو سکتا۔ وزیر اعظم پاکستان نے بنوں میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کے کہنے پر گھر چلا جاؤ ''یہ منہ اور مسور کی دال'' جناب وزیر اعظم مہربانی فرما کر بات منہ کی حد تک محدود کر لیں اور ہو سکے تو دال کو صرف دال نہیں بلکہ احترام کے ساتھ دال جئ کہہ کر مخاطب کریں، مسور کی دال جئ کو سیاسی نہ بنائیں، پچاس فیصد سے زائد پاکستانی دال جئ کی بہت عزت کرتے ہیں، کئی کئی دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں تب کہیں جاکے دال جئ کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے، آنے والے دنوں میں جب آپ کا نیا پاکستان بن جائے گا تو وہاں آپ مسور کی دال جئ تو کیا چاہے چنے کی دال جئ کو بھی خوب بے عزت کر لیجئے گا، بچا، کچا پرانا پاکستان ہم جیسے پرانے پاکستانیوں کیلئے اور مسور کی دال جئ کے احترام کا خیال کرتے ہوئے آپ اپوزیشن والوں کو سخت سے سخت الفاظ میں جواب دیں یا پھر کوئی جواب نہ دیں آپ کی مرضی۔ سادہ سی رائے ہے کہ اپنے مزاج میں نرمی رکھیں تو زیادہ بہتر ہوگا، جناب ملک کے میچور سیاستدان اور تیسری مرتبہ وزیر اعظم منتخب ہونے والی شخصیت ہیں، غیر سنجیدہ، مولاجٹ والے ڈائیلاگ اور فرضی منصوبوں کے اعلانات جناب کے رتبے کے شیان شان

نہیں، کوئی چور ہے، کرپٹ ہے یا کسی اور جرم میں ملوث ہے تو اُس کا احتساب کرنے کیلئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو احکامات جاری کریں ۔ بااختیار حاکم چور چور کی رٹ لگائے اور کسی کو پکڑے نہ تو عوام اور خاص طور پر ووٹر کس اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا اندازہ شائد محترم وزیر اعظم کو نہیں ۔جس آسانی کے ساتھ وزیر اعظم یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ پانامہ لیکس میں بچوں کے نام ہیں اُن کا نہیں معاملہ اتنا سادہ نہیں ۔ باپ سے بچوں اور بچوں سے باپ کو الگ کرنا نا ممکن ہے،آج وزات اعظمیٰ یا بچوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو میاں صاحب ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بچوں کا انتخاب کریں گے ۔ابھی کل کی بات ہے ۔ہم اپنے دوست حکیم محمد ہارون کے مطب میں براجمان تھے کہ اُن کا چھوٹا بیٹا بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا بابا مجھے جلدی سے اپنے کندھوں پر بیٹھالو ۔ حکیم صاحب نے بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کرلیا تو اُتنی دیر میں حکیم صاحب کا بڑا بیٹا غصے کی حالت میں مطب میں داخل ہوا، چھوٹا بیٹا جو باپ کے کندھوں پر سوار تھا بڑے بھائی کو مخاطب کرکے بولا اب مجھے کیسے پکڑو گے ؟شائد یہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ جب تک باپ کی سانس چلتی ہو کندھوں پر سوار اولاد کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خیر گولی مارو ساری باتوں کو ہمیں تو دال جئی سے غرض ہے جتنے چاہے جہاں چاہے اثاثے بناؤ، پانامہ لیکس ہو یا پاجامہ لیک ہو جائے کوئی بات نہیں بس اتنا احسان کرو کہ پاکستانی عوام کو بھی وہ جادو دیکھا دو جو اپنے بچوں کو دیکھایا ہے،ہاں یہ عوام آف شور کمپنیاں بنانے

کا جادو نہیں بس با عزت طریقے سے حلال دال، روٹی کمانے کا جادو دیکھنا چاہتے ہیں، آف شور کمپنیاں، مہنگے فلیٹ، محلات، فام ہاؤسس، سٹیل ملز، شوگر ملز یا دیگر بڑے بڑے کاروبار یا کسی اور طریقے سے تیزی کے ساتھ ڈالر بنانے کا جادو نہیں مانگتے بلکہ صحت و تعلیم کی سہولیات کا مطالبہ کرتے ہیں، ایک پرانا کھلاڑی چند چلے ہوئے کارتوس ہمرہ لئے نیا پاکستان بنانے کی بات کرے تو سنجیدہ لوگ دل پر نہیں لیتے پر اب خود وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کی زبان سے نیا پاکستان بنانے کا اعلان سن کو یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ سمجھدار لوگ اپنا اور اپنے خاندان کا سرمایہ یا کاروبار موجودہ پاکستان میں غیر محفوظ سمجھتے ہیں شائد اسی لئے ان کو نیا پاکستان مطلوب ہے؟ میاں صاحب کھلاڑی جو کرتا ہے کرنے دو عوام اب اتنے بھی بیوقوف نہیں رہے، بے فکر ہو کر اپنا کام کرتے جاؤ، لوگ جانتے ہیں کہ سوئس اکاؤنٹ کا معاملہ ہو یا پانامہ لیکس یہاں کچھ نہیں ہونے والا، اس قوم نے دیکھا کہ مکے دیکھانے والا فوجی جوان حکمران این آر او کے پانی سے سب کو پاک کر دیتا ہے تو پھر حاکم وقت کا احتساب کیوں اور کون کرے گا؟ جناب ملک کی سب بڑی جماعت کے سربراہ ہیں تو اس بات سے بھی باخوبی واقف ہوں گے کہ جلسوں میں آنے والے لوگ بھی دال خریدنے کیلئے پیسے لے کر جلسوں میں شرکت کرتے ہیں اور جلسوں میں شامل نہ ہونے والے بھی دال روٹی کا بندوبست کرنے کی غرض سے مزدوری نہیں چھوڑتے۔ تو حضور عوام کیلئے دال جئی بہت محترم ہے یہاں تک کہ وزیر اعظم سے بھی زیادہ کہا جا سکتا ہے۔ پانامہ لیکس ہو یا پاجامہ لیک ہمیں کوئی فرق نہیں

پڑتا پر خبردار دال جئ کو سیاسی بناؤ ورنہ ہی مسور کی دال کے ساتھ کسی سیاست دال جئ

(کا ذکر کرو (محکمہ غربیات پاکستان

وہ دن ضرور آئے گا

مسلم حاکمین کی ذمہ داریاں دیگر حاکمین کی نسبت بہت زیادہ ہیں،اسلامی مملکت میں جہاں عوام کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے وہیں اسلامی ریاست میں حاکم کے کردار پر بھی سنجیدگی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ متوازن ،مثالی معاشرہ قائم ہو اور ریاست کے محکومین کو زیادہ سے زیادہ سہولیات کی فراہمی ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل میں کمی واقع ہو۔قبل از اسلام جہاں دیگر خرافات بام عروج پر تھیں وہی ناانصافی کا بھی دور دورہ تھا،ایک دوسرے کے حقوق پرڈاکہ ڈالنے کی روایات، بھی پوری شدت سے موجود تھی، ظلم وزیادتی عام تھی ،حاکموں کا تمام تر زور بازو محض ذاتی مفادات کے تحفظ اور دوسروں کا مال ہتھیانے کے لئے تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس وقت معاشرہ اخلاقیات و تہذیب سے عاری ہو چکا تھا۔عام آدمی کا اس ماحول میں سانس لینا بھی مشکل تھا،ابتر حالات میں اللہ پاک نے دنیا سے شرک وجہالت کے خاتمہ اور انسان کو اس کی عظمت رفتہ سے ہمکنار کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا۔آپ ﷺ نے حقیقی معنوں میں عدل وانصاف کی بنیاد رکھ کر انسانیت کو جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نجات دلا کر کامیابی وکامرانی کی راہ پر گامزن کیا۔اللہ تعالی کی حاکمیت کی ایسی مثال قائم فرمائی جس کا قبل از کہیں ذکر نہیں ملتا،طاقت و دولت کے نشہ میں مست حکمرانوں کو جہالت کے

اندھیروں سے نکال کر عدل وانصاف کاایسادرس دیاکہ اُنکی دنیاوآخرت سنور گئے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافرمان عالیشان ہے (مفہوم) قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سخت عذاب کا مستحق ظالم امام وحکمران ہوگا''اسلامی جمہوریہ پاکستان کاسرکاری مذہب اسلام اور حکمران مسلمان ہیں پھر بھی حاکم ناانصاف اورظالم ہیں،مسلم ریاست میں ظالم حکمرانوں درویش وقت (سید عرفان احمد شاہ:المعروف نانگامست) گندھ قراردیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب وقت صفائی شروع ہوچکاہے۔رمضان المبارک کی آمدسے قبل دال سبزی کی قیمتوں دوگنااضافہ کرکے رمضان المبارک میں اُوپن مارکیٹ کے مقابلہ میں دس روپے کم فروخت کرکے خود کوانسان دوست ثابت کرناچاہتے ہیں،چالیس روز قبل اس طرح کے اعلانات کے ذریعے اپنے سرمایہ داررشتہ دارو،دوستوں کوآگاہ کیاجارہاہے کہ
دال،سبزی،پھل،مرغی ودیگراشیاء کی قیمتوں میں دل کھول کراضافہ کرلوتاکہ رمضان المبارک میں دس روپے کم فروخت کرنے کے باوجودزیادہ منافع حاصل ہو۔جیٔ ہاں تازہ ترین خبریہ ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے صوبہ کے عوام کو رمضان المبارک کے دوران ریلیف کے لئے اربوں روپے کے رمضان پیکیج کی منظوری دی ہے۔ دوروزقبل ویڈیو لنک کے ذریعے سول سیکرٹریٹ میں اعلیٰ سطح کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ کا کہنا تھاکہ رمضان پیکیج کے تحت عوام کو سستاآٹافراہم کیاجائے گاجس پر 5 ارب روپے کی سبسڈی دی جائے گی،رمضان بازاروں میں 10 کلو گرام آٹے کاتھیلا290 روپے میں دستیاب ہوگا

جبکہ اُوپن مارکیٹ میں 10 کلو گرام آٹے کا تھیلا 310 روپے میں اور 20 کلو گرام کا تھیلا 620 روپے میں ملے گا، پنجاب بھر میں 330 رمضان بازار لگائے جائیں گے جبکہ 25 ماڈل بازار بھی رمضان بازار کے طور پر کام کریں گے،2 ہزار دستر خوان بھی لگائے جائیں گے۔رمضان بازاروں کا آغاز 3 جون سے کیا جائے گااور رمضان بازار صبح 9 بجے سے شام 6 بجے تک کھلے رہیں گے۔ متعلقہ ایسو سی ایشنز چینی ، گھی، مرغی کا گوشت اور انڈے سستے داموں رمضان بازاروں میں فراہم کریں گی اور رمضان بازاروں میں چینی، گھی اور چکن عام مارکیٹ سے 10 روپے فی کلو گرام کم کے حساب سے سستے ملیں گے۔انھوں نے کہا رمضان بازاروں میں زرعی فیئر پرائس شاپس بھی لگائی جائیں گی جہاں پھل، کھجوریں، سبزیاں اور دالیں رعایتی نرخوں پر دستیاب ہوں گی۔ وزیر اعلیٰ نے ہدایت جاری کی کہ رمضان بازاروں اور عام مارکیٹوں میں اشیائے ضروریہ، پھلوں، سبزیوں اور دالوں کی قیمتیں نمایاں طور پر آویزاں ہونی چاہئیں اور عوام کی سہولت کیلئے ڈیجیٹل پرائس بورڈ لگائے جائیں۔ دالوں کی دستیابی کے ساتھ ان کی مناسب قیمتوں پر فراہمی ہر صورت یقینی بنانا ہوگی۔وزیر اعلیٰ نے مزید ہدایت کی کہ کسی چیز کی قلت کا خدشہ ہے تو اسے ابھی سے امپورٹ کرنے کے انتظامات کئے جائیں اور منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کے خلاف بلاامتیاز کارروائی کی جائے،رمضان بازاروں میں سکیورٹی کے فول پروف انتظامات ،ڈی سی اوز سبزی منڈیوں میں نیلامی کے عمل کی خود نگرانی کریں گے جبکہ صوبائی وزرا اور

سیکرٹریز اشیائے ضروریہ کی کوالٹی، دستیابی اور قیمتوں کا جائزہ لینے کیلئے رمضان بازاروں کے دورے کریں گے۔ عوام جانتے ہیں کہ رمضان المبارک میں 330 رمضان بازار، 25 ماڈل بازار لگا کر پنجاب بھر کے عوام کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے دعوے، اشتہارات بازی کے سوا کچھ نہیں۔ رمضان بازار میں آٹے کا تھیلا 290 اور اُوپن مارکیٹ میں 310 روپے مقرر کرنا دُہرے معیار کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیا اُوپن مارکیٹ پنجاب حکومت کے اختیارات سے باہر ہیں؟ کیا صرف رمضان المبارک میں سستے بازار لگا کر آٹے کی قیمت میں کمی کرنے سے حکومت کی تمام ذمہ داریاں پوری ہو جاتی ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم دُہرے معیار زندگی کے عادی ہو چکے ہیں، صحت، تعلیم، عدل وانصاف، روزگار ہر شعبے میں دُہرا معیار رائج ہے، عام لوگ ملکی ہسپتالوں سے علاج کروانے کی سکت نہیں رکھتے جبکہ حکمران طبقے کے کتوں اور بلیوں کا علاج بیرون ملک دنیا کے مہنگے ترین ڈاکٹروں سے کروایا جاتا ہے۔ عوام اپنے بچوں کی عام سی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کیلئے اپنے جسم کے عضاء فروخت کرنے پر مجبور ہیں تو دوسری جانب حکمرانوں کی اولاد بیرون ملک عالی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ رمضان المبارک میں آٹے کے تھیلے پر 20 روپے کم کرنے والے حکمرانوں کو یاد ہو تو ضرور بتائیں کہ کبھی اُنھوں نے آٹا خرید کر کھایا ہے؟ سستے بازار سے آٹا خریدنے والے کی ساری زندگی کا بجٹ ایک طرف جبکہ حکمرانوں کے ایک بچے کے ایک گھنٹے کا بجٹ ایک طرف، غریب ساری زندگی ہزار کے چکر میں رہتا ہے اور حاکم کے بچوں کی بلیاں بھی لاکھوں سے کم کی خوراک

نہیں کھاتیں۔آپ ﷺ کافرمان علیشان ہے کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ نا
پسندیدہ اور سخت عذاب کا مستحق ظالم امام وحکمران ہوگا تویقین رکھووہ دن ضرورآئے گا
جب اصل حاکم (اللہ تعالی) کی عدالت سجے گی،سب کے ساتھ انصاف کیاجائے گا۔تب
خلق خدادیکھے گی کہ حاکمین وقت کس عذاب میں مبتلاہونگے؟اللہ تعالی کے سخت عذاب
کے مستحق افرادکودرویش وقت (ناگامست) داتاکے نگرلاہورمیں بیٹھ کرگندھ کاخطاب
دیتے ہیں تواس بڑی حقیقت کوئی نہیں ۔اس اُمیدکے ساتھ دعاگوہیں کہ اللہ پاک ہماری
زندگی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان سے گندھ مکمل طورپرصاف فرمائے اوردرددل رکھنے
والے سچے مسلمان حاکمین عطافرمائے (آمین

قوم کا مقدر کمیشن، کمیٹیاں اور تحقیقات

یہ اُن دنوں کی بات ہے جن دنوں پنجاب میں پولیس مقابلوں کی بہار تھی ،جرائم پیشہ عناصر یاتوپولیس کی گولیوں کانشانہ بن رہے تھے یاسر پر ٹوپی ہاتھ میں تسبیح کندھے پر مسلا (جائے نماز) رکھے ایسے علاقوں میں پناہ لے رہے تھے جہاں اُن کو کوئی جاننے پہچاننے والانہ ہو،چاروں طرف امن وامان کی فضاء بحال ہو رہی تھی پر ہمارے محلے میں چوروں کاراج تھا،کوئی ہفتہ ایسانہ گزرتاجس میں ایک دوچوری کی وارداتیں نہ ہوتیں،عرصہ دوسال اسی طرح گزرگئے پر بہت ساری ایف آئی آردرج ہونے کے باوجود کوئی گرفتاری عمل میں نہ آئی ،بہت سارے افراد شک کی بنیادپر پکڑے جاتے جنہیں بے گناہ ثابت ہونے پر چھوڑدیاجاتا،پھرایک دن وہ وقت آیاجب یہ کہاوت سچ ہوئی کہ سودن چورکاایک دن سادکا،اہل علاقہ نے شک کی بنیادپر محلے میں مقیم ایک کرایہ دارکے گھرکی تلاشی لی تو17 چوریوں کے مکس سامان سمیت ایک چور قابوآگیا ۔پولیس کو بلاکرچور بماسامان حوالے کردیاگیا،اہل علاقہ نے پولیس سے مطالبہ کیاکہ چورکے باقی ساتھیوں کو گرفتارکیاجائے اور تمام وارداتوں کااعتراف کرواکردوسال کے دوران ہونے والی تمام چوریوں کا سامان برآمد کرکے متاثرہ لوگوں کے حوالے کیاجائے ۔کوئی ایک ہفتہ بعد راقم بھی اہل علاقہ کے ساتھ تھانے گیا،تفتیشی آفیسر سے تفتیش کے حوالے سے دریافت کیاتومعلوم ہواکہ

ابھی تک نہ تو چور کا کوئی ساتھی گرفتار ہوا ہے اور نہ ہی کسی طرح کا سامان برآمد کیا جا سکا ہے، اہل علاقہ تفتیشی آفیسر کے ساتھ تلخی سے پیش آئے تو اُس نے چور کو حوالات سے نکال کر ہمارے سامنے جیسا کہ سب جانتے تفتیش شروع کر دی، کافی مار کھانے کے بعد چور بولا پانی پلاؤ بتاتا ہوں، کانسٹیبل نے پانی کا گلاس لا کر دیا تو چور نے بہت ریلکس انداز میں پانی پینے کے بعد تفتیشی آفیسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جناب آپ مجھے یہ منوالیں کہ میں نے ابھی پانی کا گلاس پیا ہے تو میں تمام ساتھیوں اور وارداتوں کا اعتراف کرلُوں گا، اس سے پہلے کہ پولیس مزید تفتیش کرتی کالے کوٹ میں ملبوس ایک صاحب نمودار ہوئے، تفتیشی آفیسر کے ہاتھ میں ضمانت کے کاغذات تھماتے ہوئے بولے اس گلاس کے اُوپر میرے کلائنٹ کے فنگر پرنٹس ہیں، ان فنگر پرنٹس کو ثابت کرنے کیلئے آپ کو جن جن اداروں سے تعاون لینا ہے لے لیں، پہلی بات تو یہ کہ میرے کلائنٹ نے کوئی چوری تسلیم نہیں کی اور دوسری بات یہ کہ پولیس حراست میں ہزاروں چوریوں کا اعتراف کرنا بھی معنی نہیں رکھتا، عدالت ثبوتوں اور گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ دیتی ہے نہ تو کسی نے میرے کلائنٹ کو چوری کرتے دیکھا اور نہ ہی کوئی معقول ثبوت ہیں آپ کے پاس اور ہاں سن لیں میرے کلائنٹ پر ہونے والے تشدد کا حساب آپ کو عدالت میں دینا پڑے گا، پھر کیا ہونا تھا وہی جو یہاں ہوتا ہے سب متاثرہ لوگ آہستہ آہستہ مقدمہ کی پیروی سے پیچھے ہٹتے گئے اور عدالت نے اُس چور کو بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا اور ساتھ ہی محکمہ پولیس کی سرزنش بھی کی یاد دلاتا چلوں جب اُس،

چور کو بمعہ سامان پکڑا گیا راقم بھی موجود تھا۔ پانامہ لیکس کے منظر عام پر آنے کے بعد وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف اور دیگر ن لیگی قیادت کے بیانات سن کر یہ سارا واقعہ بہت شدت سے یاد آ رہا تھا سوچا قارئین کے ساتھ شیئر کرتا چلوں ۔لوگوں نے دیکھا میاں صاحب نے یہ بات نہیں کی کہ وہ خود اور اُن کے بچے بے گناہ ہیں پھر بھی تحقیقات کروالیں جرم ثابت ہوا تو سزا کیلئے تیار ہیں ،انہوں نے ہر بار یہی کہا کہ مخالفین الزمات کی سیاست کر رہے ہیں، کمیشن بنادیں گے کرپشن ثابت ہوئی تو خاموشی سے گھر چلا جاؤں گا، میاں صاحب اور اُن کے بچے بے گناہ ہیں تو پھر وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپوزیشن جہاں، جیسے چاہے تسلی کر لے انہوں نے کسی قسم کی کرپشن نہیں کی،آپ یقین کریں جس چور کی حقیقی داستان میں نے آپ کو سنائی اُس کا تعلق بالکل غریب خاندان سے تھا پھر بھی اُس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا،جب وزیراعظم خود کو خاندان سمیت کمیشن میں پیش کرنے کا اعلان کرنے کے ساتھ جرم ثابت ہونے کی صورت میں گھر جانے کی بات کرتے ہیں تو ماضی کے بے شمار واقعات یاد آتے ہیں جن میں سرفہرست ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا بھٹو قاتل ثابت ہو گیا تھا؟ کئی سال جیلوں میں بند رہنے کے باوجود آصف زرداری پر کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا، دور کی بات کیا کرنا موجودہ حکومت میں بے شمار مقدمات میں گرفتار ہونے والے سابق صدر پرویز مشرف پر آج تک کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا، مشرف کا این آر او بھی قوم بھولی نہیں اور میاں صاحب قوم کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی

بجائے کمیشن میں پیش ہونا چاہتے ہیں، سادہ دل پاکستانی میاں صاحب کی اس خواہش کو اعتراف جرم نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟ جبکہ قوم جانتی ہے کہ کمیشن، کمیٹیاں اور تحقیقات ہوتی ہی جرائم چھپانے کیلئے ہیں، میاں صاحب جنگل کے بادشاہ یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں، یہاں تو ایک معمولی چور اداروں کے قابو نہیں آتا تو پھر وزیر اعظم یا وزیر اعظم کے خاندان پر کوئی جرم کیونکر ثابت ہوگا؟ اُن کی پاناما لیکس بارے غیر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ وہ حیران کن طور پر ملک کے وزیر اعظم ہو کر اپوزیشن کے مقابلے میں جلسے کرنے نکل پڑے ہیں، حضور میاں صاحب حاکم قوم کا سرپرست یعنی ماں باپ ہوتا ہے پر آپ کے لب ولہجے سے لگتا ہے کہ آپ کو تو صرف وہ بچے عزیز ہیں جن کے نام کے ساتھ شریف لگتا ہے آپ کی طرف سے باقی سب جائیں جہنم میں، ماضی میں آصف زرداری کو للکارنے والے میاں شہباز شریف بالکل خاموش ہیں انہوں ایک بار بھی نہیں کہا کہ وزیر اعظم فوری طور پر اپنا اور اپنے خاندان کا سرمایہ پاکستان واپس لائیں، وزیر اعظم کے بچوں کے نام پاناما پیپرز میں آنے کے بعد سابق آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف کے درمیان بس ایک ہی فرق ہے کہ بڑے میاں صاحب چھوٹے میاں صاحب کے بھائی ہیں ورنہ اب تک چھوٹے میاں صاحب کرپشن کو للکارنے میں عمران خان سے بہت آگے ہوتے۔ پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت تھی تو چھوٹے میاں صاحب لوڈ شیڈنگ کے خلاف کیمپ لگا کر احتجاج کرتے رہے اب جب بڑے میاں صاحب وزیر اعظم ہیں تو بجلی آئے نہ آئے چھوٹے میاں صاحب نے کبھی وفاق کو نہیں للکارا جس سے صاف

ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو سات خون بھی معاف ہیں ، قارئین کو یاد ہوگا کہ جب آصف علی زرداری صدر تھے تو چھوٹے میاں صاحب اُن کو لاہور کی سڑکوں پر کس جرم میں گھسیٹنا چاہتے تھے ؟جی یاں ملک کی لوٹی ہوئی دولت کی ایک ایک پائی واپس لانے کے دعوے کرنے والے آج منہ ہی نہیں بلکہ آنکھ اور کان بھی بند کئے بیٹھے ہیں، چھوٹے میاں صاحب ابھی آصف زرداری کو لاہور کی سڑکوں پر گھسیٹنے کا وعدہ پورا کرپائے ہیں اور نہ ہی ملک کی لوٹی ہوئی دولت کی ایک پائی بھی واپس لاپائے ہیں اوراب پاناما نے کردیا ہے ہنگامہ۔ کسی بھی حادثے یاسانحہ کے بعد اُس سے بھی بڑاعذاب سامنے آتا ہے اب دیکھیں آگے کون سا بڑا سانحہ یاحادثہ قوم کامقدربننے جارہاہے، لگتاہے قوم کے مقدر میں تعلیم، صحت، انصاف، روزگار کی سہولیات نہیں کمیشن، کمیٹیاں اور تحقیقات لکھے ہیں ، قوم اس قدر حادثات کی عادی ہوچکی ہے کہ اب چور معمولی ہویاوی آئی پی سب جانتے ہیں کہ کچھ ثابت ہونے والا نہیں

کیا عورت انسان نہیں؟

کیا عورت انسان نہیں ؟آج یہ سوال اس لیے اُٹھا رہاہوں کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ موجودہ دور میں عورت کو انسان سمجھا جارہاہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر طرف مردوں کی اجارداری قائم ہے ۔ عوت تو بس ایک جسم بن کررہ گئی ہے ۔ عورت کی اس حالت کی ذمہ داری کہیں نہ کہیں عورت پر بھی عائد ہوتی ہے پر مرد کا یہ سوچنا کہ وہ عورت کو اپنے پاس سے کچھ دے رہا ہے انتہائی غلط ہے ۔ وہ مرد جو پیدا ہوتے ہی عورت کے سامنے رونے لگتا ہے وہ مرد عورت کو کیا حقوق دے گا ۔جسے اس دنیا میں آنے کے لیے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔وہ مرد جسے اپنی نسل آگے چلانے کے لیے کبھی کبھی ایک سے بھی زیادہ عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرد کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ جس نے اسے نو ماہ تک اپنے پیٹ میں پالا ۔اور پھر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اسے جنم دیا ۔وہ عورت ہی ہے جو اپنی تمام تر خواہشات کو زندہ دفن کرکے رات دن مرد کی بے لوث خدمت کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی فطرت میں شرم وحیاء پیدا فرما کر عورت کو ماں ، بیٹی ، بہن اور بیوی کے رشتے میں مرد کو ایسا تحفہ دیا ہے جس کا کوئی متبادل نہیں اور نہ ہی مرد کا وجود عورت کے وجود کے بغیر باقی رہ سکتا ہے۔ افسوس کہ دور قدیم سے دورجدید تک عورت مظلوم ہی رہی ۔ یہ بات سچ ہے کہ عورت میں بھی کچھ خامیاں ہیں ۔ کیونکہ

عورت میری ماں بھی ہے میری بہن بھی ہے اور بیوی بھی ہے اس لیے عورت کی کردار کشی نہیں کروں گا اور نہ ہی عورت کی خامیاں گنواؤں گا۔ عورت کی ان خامیوں کا ذمہ دار بھی مرد کو ہی سمجھتا ہوں ۔ کیونکہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے اس لیے معاشرے میں پیدا ہونے والے اچھے یا برے کرداروں کی ذمہ داری بھی مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ دورجدید میں سب سے بڑا لمحہ فکریہ ، یہ ہے کہ کبھی کوئی عورت اچھا اور قابل فخر کارنامہ سرانجام دیتی ہے تو اس کا سہرا بھی مرد کے سر ہوتا ہے کیونکہ مرد نے اسے اس کا موقعہ فراہم کیا ہوتا ہے۔ جبکہ ہر ناکامی اور برائی کی ذمہ داری عورت پر ڈال دی جاتی ہے ۔جو معاشرے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں غرق ہوجاتے ہیں وہ بے گناہوں کو ایسی سزائیں دیتے ہیں جو گناہ گاروں کو بھی دی جائیں تو زیادہ ہیں ۔دورجہالت میں عرب لوگ بیٹی کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے جبکہ دور حاضر میں بیٹی کو پیدا ہونے سے قبل ماں کے پیٹ میں قتل کردیا جاتا ہے ۔وہ معصوم کیا جانے کہ اسے کتنی بڑی سزا ملنے والی ہے جسے ابھی اس دنیا میں آنا ہے ۔اور ابھی تو اس معصوم نے اپنی ماں کے وجود سے باہر کی دنیا میں چند سانسیں ہی لی تھیں۔ وہ بالکل تندرست اور توانا تھی ۔ابھی اسے مذہب ،ذات پات ،رنگ ونسل، خاندانوں اور فرقوں کی تقسیم کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ ابھی تو اس نے ہنسنا بھی نہیں سیکھا تھا ابھی تو اسے بس رونا آتا تھا اور نہ ہی اسے اپنی جنس کا کچھ علم تھا پر اس کی قسمت میں زندہ دفن ہونا لکھا تھا کیونکہ وہ جس دور میں پیدا ہوئی

تھی وہ دور جہالت تھا جب بیٹی کو ایک گالی سمجھا جاتا تھا اور اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا ایسے میں اسے علم ہوتا کہ اس کو پیدا ہوتے ہی یا پیدا ہونے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں قتل کردیا جائے گا اور علم کے ساتھ اسے اختیار بھی ہوتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی جنس منتخب کرلے تو شاید وہ کبھی بھی عورت ہونا پسند نہ کرتی اسے کیا پتہ تھا کہ وہ کس زمانے میں پیدا ہو رہی ہے۔جی قارئین یہ حالات تھے اسلام سے پہلے کے جب عربوں میں جب بیٹی کو زندہ ہی دفن کردیا جاتا تھا پر پھر جب اللہ تعالی نے ہمارے دین میں عورت کو وہ مقام دیا جس کی وہ اللہ تعالی کے نزدیک حقدار تھی ۔اسلام نے عورت کو نہ صرف جینے کا حق دیا بلکہ دنیا میں پہلی مرتبہ بیٹی کو وراثت کا حقدار بنا کر اسے معاشرے میں با عزت فرد ہونے کا مقام عطا کیا۔ یاد رہے یہ حق صرف اسلام نے دیا اور انسانوں پر اللہ کا احسان ہے۔ عورت مغرب میں پیدا ہو یا مشرق میں کسی بھی معاشرے نے سوائے اسلام کے عورت کو انسان ہونے کا درجہ نہیں دیا۔ عورت کے وجود سے کائنات کا حسن باقی ہے۔ عورت ماں بھی ہے۔ عورت بہن بھی ہے۔ عورت بیوی بھی ہے اور عورت بیٹی بھی ہے۔ عورت کے بغیر نظام زندگی چل ہی نہیں سکتا تو پھر کیوں بیٹیوں کو قتل کرنے کی رسم صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قائم ہیں؟ مسلم معاشرے میں خواتین کو وہ مقام کیوں نہیں دیا جاتا جس اللہ تعالی و رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟ افسوس کے مسلم معاشرے میں بھی خواتین کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا، غیرت مند معاشرے کی بیٹی جسم فروشی پر مجبور ہو چکی ہے تو کیا ہم

اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی سے بچ جائیں گے؟ افسوس کہ اپنے آپ کو حضرت محمد ﷺ کا اُمتی کہنے والے بھی بیٹیوں کی عزت نہیں کرتے

ہمیں بھی وہاں لے چلو

ایک وہ دن تھا جب 21 فروری 2011 میاں نواز شریف نے پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے تھا کہ نااہل حکومت کو مزید سینے سے نہیں لگا سکتے، پاکستان میں بدامنی اور انتشار نہیں چاہتے، خودمختاری اور خوشحالی کیلئے کشکول توڑنا ہوگا۔ ڈکٹیٹر کے ہاتھ مضبوط کرنیوالوں کیلئے مسلم لیگ ن میں کوئی جگہ نہیں۔ ملک شدید مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ فوج کا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے، سیاست کرنا نہیں، جب بھی فوج سیاست میں آئی ملک بدنام ہوا اور عوام بدحال ہوئے، پرویز مشرف حکمران ہوتے تو آج ریمنڈ ڈیوس واپس جاچکا ہوتا۔ انہی دنوں ایک بیان میں میاں محمد نواز شریف نے کہا ہے کہ ایبٹ آباد آپریشن کیلئے تحقیقاتی کمیشن خود سوال بن گیا، وزیراعظم بتائیں ایبٹ آباد آپریشن پر پارلیمنٹ کی قرارداد کا کیا بنا؟ ایبٹ آباد آپریشن اور کراچی مہران بیس حملے کی ہر حال میں تحقیقات ہونی چاہئیں، ایسا نہ ہوا تو پھر عوام (ن لیگ کا) ساتھ دیں اور دیکھیں انکوائری، سزا، احتساب کے ساتھ ساتھ کرپشن اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ بھی ہوگا۔ پھر عوام نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا اور وہ الیکشن 2013ء میں منتخب ہوکر ممبر قومی اسمبلی کا حلف اٹھانے کے آئے تو حلف لینے کے بعد گفتگو کرتے ہوئے کچھ یوں کہا "کشکول توڑ کر ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہوگا، خود

کرپشن کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا، سب جان لیں اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے، قومی مفاد اور عوامی اُمنگوں پر پورا اُترنا ہوگا۔ قوم نے دیکھا کہ الیکشن 2013ء میں منتخب ہو کر میاں صاحب کی اہل حکومت آئی تو بدامنی، انتشار ختم ہو گئے، خود مختاری اور خوشحالی کی خاطر آئے روز وزیر خزانہ اسحاق ڈار دُبئی جاتے ہیں تاکہ
پرانا اور چھوٹا کشکول توڑ کر نیا، مضبوط اور کافی بڑا کشکول حاصل کر سکیں، میاں صاحب کی جادوگری نے ثابت کر دیا کہ اُن کی حکومت میں کبھی بھیک مانگی جائے گی اور نہ ہی آئی ایم ایف سے سود پر قرض لیا جائے گا۔ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ میاں صاحب نے جلاوطنی کے دنوں میں روزہ رسول اللہ ﷺ پر رو رو کر اس وعدے کے ساتھ حکومت مانگی کہ اس بار وہ ضرور ملک سے سودی نظام ختم کر دیں گے، خیر روزہ رسول اللہ ﷺ پر یا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھا کر انہوں نے کیا وعدے کئے یہ تو اللہ تعالیٰ، رسول للہ ﷺ یا پھر میاں صاحب ہی جانتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس جس نے دن دہاڑے سربازار نہتے پاکستانوں پر گولیوں کی برسات کر کے شہید کر دیا تھا، اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس وقت پاکستان میں پرویز مشرف کی حکومت تھی اور نہ ہی کسی اور فوجی کی، ان دنوں وفاق میں پیپلز پارٹی اور پنجاب میں چھوٹے میاں صاحب حاکم اعلیٰ او سوری خادم اعلیٰ) تھے، جیسا کہ میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ مشرف کی حکومت ہوتی) تو ریمنڈ ڈیوس جلد رہا ہو کر امریکہ چلا جاتا، یہ تو کرامات تھیں پنجاب حکومت کی کہ ریمنڈ ڈیوس کو جلد نہیں بلکہ بہت جلد رہا کر کے امریکہ بھیج

کرا یسی سزادی گئی کہ اتنی سخت سزا کبھی دنیامیں کسی قاتل کونہ دی گئی ہو۔ پھرجب میاں صاحب کا یہ بیان یادآتا ہے توپاکستان کے عوام آبدیدہ ہو کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس قدر عوام کادرد محسوس کرنے والا سیاست دان دنیامیں کوئی اور نہیں ہوسکتا،فرمان میاں صاحب '' عوام ساتھ دیں اور دیکھیں انکوائری، احتساب کے ساتھ ساتھ کرپشن اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ بھی ہوگا'' عوام نے ساتھ دیااور پھرانکوائری اوراحتساب دیکھا،دیکھا کہ کس طرح پاکستان سے کرپشن اورلوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہوگیا،میاں صاحب کاایک اوربیان یادآتا ہے توحوصلہ سا ہوجاتا ہے کہ شائدابھی ایسا ہوجائے،فرمان میاں صاحب'' خود کرپشن کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا'' دنیانے دیکھاکہ گزشتہ تین ساڑے تین سال میں پاکستان بھرسے کرپشن اس طرح غائب ہو گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ وعدے کے مطابق میاں صاحب نہ توخود کرپشن کرتے ہیں اونہ ہی کسی دوسرے کو کرنے دیتے ہیں ۔ نجانے پھر کیوں تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے وزیراعظم نواز شریف کو کرپشن کا بادشاہ قراردے دیا؟ گزشتہ دنوں بنوں میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان کا کہنا تھا کہ اللہ نے ہمیں اپنی تقدیر بدلنے کا موقع دیا ہے ،ہم سچ اور حق کے لیے کھڑے ہوجائیں تو ہم نیا پاکستان بنا سکتے ہیں، ہمیں کرپشن کا مقابلہ کرنا ہوگااور کرپشن کے بادشاہ نوازشریف کااحتساب کرنا ہوگا، میاں صاحب ہمیں سچ بتائیں کہ اُن کے اثاثے کتنے اور کہاں ہیں؟ انہوں نے کہاکہ کرپشن دیمک کی طرح ملک کو چاٹ رہاہے، حکمرانوں کی کرپشن کی وجہ

سے ملک بہت پیچھے چلا گیا جب کہ ہمارے ساتھ سنگاپور اور ملائیشیا کو ایماندار حکمران ملے جنھوں نے کرپشن ختم کر کے اداروں کو مضبوط کیا، انسانوں پر سرمایہ کاری کی جس کی بنیاد پر وہ آج کامیاب ملک تصور کیے جاتے ہیں افسوس کہ ہمیں نواز شریف ملے ہیں۔ بندہ پوچھے عمران خان کس پاکستان کو نیا بنانے چل پڑا ہے؟ جس کرپشن اور لوٹ مار پر عمران خان شور مچا رہا ہے میاں صاحب کے پاکستان میں تو اُس کا کہیں کوئی ذکر تک نہیں ہے۔ عمران خان آج کہتا ہے کہ بھیک مانگنے والوں کی کوئی عزت ہوتی ہے نہ خود مختاری جبکہ یہی بات میاں صاحب سالوں پہلے ہمیں بتا چکے۔ کشکول توڑنے کے وعدے پر تو عوام میاں صاحب کا بھرپور ساتھ دے چکے اب عمران خان کو الیکشن جیتنا ہے تو کوئی نئی بات کرے کیونکہ پرانا کشکول تو اسحاق ڈار کب کا توڑ چکے اب جو کشکول موجود ہے وہ کنکریٹ کا بنا ہوا ایک مضبوط اور بڑا کشکول ہے عمران اب بوڑھا ہو چکا اور پیچھے کوئی سیاسی وارث بھی نظر نہیں آتا ایسے میں عوام کیونکر اتنا مضبوط کشکول توڑنے کی ذمہ داری عمران خان کو دیں گے، تیسری مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے والا سینئر سیاست دان ملک سے کرپشن ختم کر سکا نہ کشکول توڑ سکا تو پھر عمران خان جو سیاست میں ابھی کل کا بچہ ہے کس طرح کشکول توڑ سکتا ہے؟ میاں صاحب ہم پاکستانی عوام ہیں اور ہمیں عمران خان سے کچھ لینا دینا نہیں بس آپ ایک احسان کرو ہم نہیں کہتے کہ لندن فلیٹز میں سے ہمیں کچھ دو یا آف شور کمپنیوں کے کچھ شیئر ہمارے نام کرو اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ شوگر ملز یا سٹیل ملز میں سے کوئی ہمارے نام

کردو بس جس پاکستان سے آپ نے بدامنی،انتشار، کرپشن اور لوڈشیڈنگ ختم کردی ہے ہمیں بھی وہاں لے چلو تاکہ ہم بھی حسن نواز اور حسین نواز کی طرح تیزی سے دولت کما سکیں ،اس پاکستان میں توانائی کا بحران ہے ، یہاں ہمارے حصے میں بھوک،پیاس مہنگائی،ناانصافی،انتشار،بدامنی،لوڈشیڈنگ اور آخر میں خودکشیاں آتیں ہیں اللہ تعالیٰ کے واسطے جس پاکستان سے آپ نے لوڈشیڈنگ ختم کردی ہمیں بھی وہاں لے چلو،ہمیں پوری اُمید ہے کہ وہاں ہمارا کاروبار بھی خوب چمکے گا،ہمارے پاکستان میں لگتا ہے فوجی حکومت ہے شائد اسی لئے ملک دن بدن بدحالی کا شکا اور بدنام ہو رہا ہے ، میاں صاحب ہم نے الیکشن 2013ء میں ڈکٹیٹر کا ساتھ دینے والوں کی بجائے ن لیگ کو ووٹ دیا تھا اس لئے جس پاکستان پر پاکستان مسلم لیگ ن کی حکومت ہے اُس پر ہمارا بھی حق ہے ،ہم مزید آمریت برداشت کرنے کے قابل نہیں ، ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں مکمل جمہوریت چلتی ہے،ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں بغیر کوئی کاروبار کئے آف شور کمپنی بنانا ممکن ہے ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں ہر کوئی معمولی سے معمولی بیماری کا اعلاج بیرون ملک کرواسکے،ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں رشوت، سفارش اقرباپروری نہ ہو، ہاں یاد آیا آپ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے تو آپ یقین کریں اس سے بڑا اور کوئی کام نہیں جن سہولیات میں آپ اور آپ کی فیملی زندگی بسر کر رہے ہیں پاکستانی عوام کو بھی وہاں لے چلو ، یہ کڑروں لوگ کل روز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر گواہی دیں گے تو آپ کی بخشش ممکن ہو جائے گی ورنہ اُس روز ہم آپ کو ہر گز یہ

نہیں کہیں گے کہ ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں اللہ تعالی کا عذاب نازل ہوتا ہے
اور بندے اپنے برے اعمال کی سزا پائیں گے

دنیاپر حکمرانی

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں سے نوازر کھا ہے، یہ صلاحتیں ہمیشہ ہماری شخصیت کی کسی گہرائی میں موجود رہتی ہے، جس طرح ایک مصور برش اور رنگوں کی مدد سے اپنے اندر کے موسموں کو کینوس پر اُتارتا ہے بالکل اسی طرح تخلیقی صلاحیت کو دریافت کرنے کے لئے اپنی شخصیت کی تراش خراش کرناپڑتی ہے، خود اعتمادی ایسااوزار ہے جس کے بل بوتے پر دنیاپر حکمرانی کی جاتی ہے، خود اعتمادی میں ایسا جادو ہے جو ہماری تخلیقی صلاحیت کو کئی گنابڑھا دیتا ہے، وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ واقعتاً کچھ کر سکتے ہے،آج میں ایسے ہی ایک فرد کی کے متعلق بات کروں گا جس نے خود اعتمادی کو ہتھیار بنا کر اپنے اندر چھپے صلاحیت کے خزانوں کو دریافت کیااور پھر دنیامیں بہت نام اور پیسہ کمایا۔ 11 سال کی عمر میں اپنے گاؤں میں ماچس کی فروخت سے اپنے کاروبار کاآغاز کرنے والے انگوار کی کمپنی میں آج 41000 ہزار ملازمین کام کرتے ہیں،اُس کی کمپنی 30 ممالک میں 150 سٹورز چلارہی ہے ،وہ دنیا میں لکڑی کا تیسرابڑا خریدار ہے۔ہر سال 100 ملین کیٹلاگ تقسیم کرنے والی یہ کمپنی تقریبا 256 بلین ڈالرمالیت کی سالانہ مصنوعات فروخت کرتی ہے ، انگوار کی کمپنی ورکنگ مدرز کے لیے کام کرنے والی دنیا کی سب سے بہترین کمپنی قرار

پائی ہے کہ وہ کام کرنے والی ماؤں کی ضروریات کا دنیا بھر میں سب سے زیادہ خیال رکھتی ہے۔پانچ سال کی کم عمر میں کسی ہوٹل، ورکشاپ، فیکٹری یا کارخانے کا رخ کرنے کی بجائے اپنے کاروبار کی شروعات کا درست فیصلہ انگوار کو ترقی کی بلندیوں پر لے گیا، دنیا میں پانچ سال کی عمر میں کوئی بھی کالج یا یونیورسٹی ڈگری فراہم کرنے کی طاقت نہیں رکھتی پر انگوار نے چھوٹی سی عمر میں اپنے کاروبار کا آغاز کرکے دنیا کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کردیا ہے کہ ترقی کیلئے ڈگری ضروری نہیں بلکہ ہمت اور محنت ہی کامیابی دلا سکتے ہیں ، کسی فیکٹری یا کارخانے کی نوکری میں عافیت تلاش کرنے کی بجائے مشکل فیصلوں کے ذریعے چیلنجز کو قبول کرنے والے ہی دنیا میں ترقی کے حق دار ہیں،انگوار نے وہ راز فاش کئے ہیں جو اُس کی کامیابی کی بنیاد بنے ۔انگوار کہتا ہے کہ دنیا میں نوکری کرنے والا کوئی بھی فرد خوشحال نہیں ہو سکتا،انسان کی معاشی زندگی تب شروع ہوتی ہے جب وہ اپنے کام کا آغاز کرتا ہے،کامیابی اور ترقی کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں، تعلیم سے روپیہ کمایا جا سکتا تو آج دنیا کا ہر پروفیسر کھرب پتی ہوتا،اس وقت دنیا میں ساڑھے نو سو ارب پتی ہیں،ان میں سے کوئی بھی پروفیسر ،ماہر تعلیم شامل نہیں،دنیا میں ہمیشہ درمیانے پڑھے لکھے لوگوں نے ترقی کی،یہ لوگ وقت کی قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور یہ لوگ ڈگریاں حاصل کرنے کی بجائے طالب علمی کے دور میں ہی کاروبار شروع کر دیتے ہیں،کامیابی انکو کالج یا یونیورسٹی کی بجائے کارخانے یا منڈی میں لے جاتی ہے،انگوار نے بتایا کہ وہ

زندگی میں کبھی کالج نہیں گیااوراس کی کمپنی میں اس وقت 30 ہزار اعلی تعلیم یافتہ مرد اور خواتین کام کرتے ہیں، یہ تعلیم یافتہ لوگ مجھ سے عقل اور ہنر میں بہت بہتر ہیں بس ان میں نوکری چھورنے کا حوصلہ نہیں، انہیں خود پر اور اپنی صلاحیتوں پر اعتبار نہیں، کوئی شخص انگوار کی کمپنی یا کسی اور کیلئے کام کر سکتا ہے تو وہ اپنے لیے بھی کر سکتا ہے، بس اس کیلئے ذرا سا حوصلہ چاہیے۔انگوار نے بہت بڑی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہاکہ دنیا میں ہر چیز کا متبادل موجود ہے پر محنت کا نہیں، دنیا میں نکمے لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں جبکہ کام کرنے والوں کے لیے ساری دنیا کھلی پڑی ہے۔دنیااس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ مزدور کے گھرپیدا ہونے والے انگوار نے محنت، لگن، حوصلے اور ایمانداری سے اپنا مقدر بدل دیا اور وہ 2007ء میں دنیا کا چوتھا امیر ترین شخص قرار پایا۔انگوار 1926ء سویڈن کے ایک گاؤں Agonnaryd میں پیدا ہوا، اس کے والدین ایک فارم ہاؤس میں مزدوری کرتے تھے، اس کے والدین نے پانچ برس کی عمر میں اسے بھی مزدوری پر لگا دیا پر اس کے چھوٹے سے دماغ نے مزدوری کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے کاروبار کا فیصلہ کیا، اس کے پورے نام کے دو حصے ہیں انگوار اور کیمپارڈ، اس نے گیارہ سال کی عمر میں ماچس بیچنے کاکام شروع کیا، وہ ماچسیں سائیکل پر گلی گلی بیچتا، چھ ماہ تک یہ کام کرتا رہا پھر ایک دن اسے خیال آیا کہ وہ شہر سے تھوک میں ماچس خرید کر گاؤں کے دکانداروں اور چھیری والو کو بیچ دے تو زیادہ منافع کما سکتا

ہے۔انگوار اگلے دن اسٹاک ہوم چلا گیا، تھوک میں ماچس خرید لایا، اس نے یہ ماچسیں تھوڑا سا منافع رکھ کر بیچ دیں، اس نے اگلے سال تک ماچسوں کے کاروبار کو مچھلی، کرسمس ٹری، کرسمس کارڈز، پھولوں کے بیج، بال پوائنٹس اور پینسلوں تک پھیلا دیا، وہ یہ ساری چیزیں تھوک میں خریدتا اور گاؤں کے دکانداروں کو فروخت کر دیتا، وہ 17 سال کا ہوا تو اس کے والد نے کاربار کیلئے اپنی چھوٹی سی جمع پونجی فراہم کر دی،اس نے اس معمولی سی رقم سے ایک ایسی کمپنی کی بنیاد رکھ دی جس نے آنے والے دنوں میں پوری دنیا کا لائف اسٹائل تبدیل کر دیا، انگوار نے اس رقم سے وزن میں ہلکا، رنگوں میں تیز فرنیچر بنانا شروع کیا،ارد گرد کے لوگوں کا خیال تھا کہ اس کا تجربہ ناکام ہو جائے گا کیونکہ اس وقت لکڑی کے بھاری بھر کم فرنیچر کا رواج تھا، لوگ ایک مرتبہ فرنیچر بنواتے جو تین، چار نسلوں تک ان کا ساتھ دیتا تھا چنانچہ اس وقت یورپ میں فرنیچر ایک ایسی پراڈکٹ سمجھا جاتا تھا جس کی مانگ نہ ہونے کے برابر تھی، اس وقت تک فرنیچر کے اسٹورز اور شورومز بھی شروع نہیں ہوئے تھے۔لوگ کاریگروں سے اپنی ضرورت کا فرنیچر آرڈر پر بنوا لیتے تھے ، انگوار نے فرنیچر کو کاروبار کی شکل دینے کا فیصلہ کیا، اس کا خیال تھا کہ آنے والے دور میں پوری دنیا میں نقل مکانی شروع ہو جائے گی، لوگ روزگار کے لیے آبائی علاقوں کو خیر باد کہتے ہوئے باہر نکلیں گے لہٰذا اس نقل مکانی کے دوران وزنی فرنیچر کی نقل و حرکت ناممکن ہو گی،اس کا خیال تھا مستقبل قریب میں بڑے

شہروں پر آبادی کا دباؤ بڑھ جائے گا جس کے نتیجے میں مکانوں اور فلیٹوں کا سائز چھوٹا ہو گا چنانچہ لوگوں کو چھوٹے سائز کے مکانوں کے لیے چھوٹے اور کم وزنی فرنیچر کی ضرورت پیش آئے گی، اُس کا خیال تھا مستقبل رنگوں کا دور ہو گا، آنے والے دنوں میں ہر چیز رنگین ہو جائے گی چنانچہ اس نے ان تمام امکانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے (ikea) کے نام سے فرنیچر سازی کی پہلی کمپنی کی بنیاد رکھ دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انگوار کی کمپنی میں بنے سائز میں چھوٹے، وزن میں ہلکے اور رنگوں میں تیز فرنیچر نے دنیا کا لائف اسٹائل بدل دیا، مزدور کے گھر میں پیدا ہونے والے ذہین انگوار نے اپنی محنت اور لگن سے بغیر کسی اعلیٰ ڈگری ایسی ترقی کی کہ آج وہ دنیا کے دس امیر ترین افراد کی لسٹ میں شامل ہے، انگوار کی کامیاب زندگی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اس انداز میں کی جائے کہ وہ بچپن ہی سے ذمہ داری قبول کرنا شروع کر دیں تو وہ آگے چل کر ترقی کر سکتے ہیں، ہمارے ہاں جو سسٹم چل رہا ہے اُس میں بچوں کی تمام ضروریات پوری کرنا والدین کے ذمہ ہے جبکہ بچوں کی توجہ صرف کتابوں کی طرف رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، مسلمان ہونے کے ناطے سب کی خواہش ہوتی ہے کہ بچے صبح فجر کی نماز مسجد میں ادا کریں اور ساتھ ہی قاری صاحب سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کریں، بچے مسجد سے واپس آتے ہیں تو سکول جانے کا وقت ہو جاتا ہے جلدی جلدی تیار ہو کر اسکول روانہ ہونا، اسکول سے واپسی پر فریش ہو کر کھانا کھانے تک ٹیوشن کا ٹائم ہو جاتا ہے اور پھر شام تک بچہ مسجد، سکول اور اکیڈمی سے بے

زار ہو کر اس سارے سسٹم سے بغاوت کے طریقے سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنے ہاں رائج تعلیمی سسٹم پر نظرثانی کرنے کی اشد ضرورت ہے، ہلکا پھلکا نصاب، زبانوں کے ساتھ فنی قسم کے مضامین میں وطن عزیز میں دستیاب وسائل کو بہتر انداز سے استعمال میں لانے کے جدید طریقے اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔ انگوار نے بغیر تعلیم کے ترقی کی یہ اپنی جگہ بڑی حقیقت ہے پر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر ماچس بیچنے

والا دنیا کا امیر ترین فرد بن جائے گا، آپ نے دیکھا کہ انگوار نے جب ماچس بیچنے کا کام شروع کیا تب ماچس بنانے والی کمپنی کا مالک انگوار سے زیادہ امیر تھا اور آج انگوار کی کہانی میں اُس کا کہیں نام بھی نہیں، راقم کے خیال میں معاشرتی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے علم سے بہتر کوئی راستہ نہیں، علم ہی انسان کو وہ روشنی فراہم کرتا ہے جو اُسی پستی کے اندھیروں سے نکال کر بلندیوں پر فائز کرتی ہے۔ صحت و تعلیم اور اچھی تربیت کے ساتھ جو لوگ محنت، لگن اور ایمانداری کے ساتھ آگے بڑھتے ہی وہی دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں اور وہی قومیں ترقی کی حقدار ہیں جو اپنی نسل نو کو اعلیٰ تعلیم کے ساتھ اپنے وسائل کا بہترین استعمال سکھاتی ہیں

جمہوریت وآمریت

سب سے پہلے توہمیں اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہے کہ آخر جمہوریت وآمریت میں
فرق کیا ہے؟سادہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت عوام کے اقتداراورآمریت
کسی فردواحد کی حکمرانی (تسلط)کانام ہے۔جب ہم وطن عزیزکے ماضی وحال
پر نظرڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رائج جمہوریت وآمریت میں کچھ خاص فرق
نہیں ہے،جو سیاست دان آج جمہوریت کے ٹھیکیدار ہیں کل وہی آمر کی گود میں
بیٹھا کرتے تھے اورآج جو سیاست دان اُن پر تنقید کرتے ہیں وہ آنے والے کل میں
آمر کی گود میں بیٹھنے کیلئے بیتاب ہیں،نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں جمہوریت سے غرض ہے
نہ آمریت سے نفرت ،ہمیں تو بس اپنے مفادات ملکی مفادات سے زیادہ
عزیز ہیں۔جولوگ موجودہ جمہوریت میں مستفید نہیں ہورہے اُن کی خواہش ہے کہ جلد
ہی فوج اورٹیک کرلے جبکہ جو سیاست دان جمہوری حکمرانی کی بہتی گنگا میں ڈبکیاں
لگارہے ہیں وہ عوام کے مسائل کو حل کئے بغیر ہی عوام سے ترک عوام جیسی اُمیدیں
لگائے خوب پیسہ (المعروف ڈالر)بنارہے ہیں۔ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جمہوریت
نے ملک وقوم کی قسم بدل کرعوام کوترقی کی روشنی سے متعارف کروادی ہے
توپھر مخلص جمہوری حکمرانوں کو خوف کس بات کا ہے؟جمہوریت کی حفاظت کیلئے جس
طرح آدھی رات کوترک عوام سڑکوں پرآئے پاکستانی جمہوریت کے ٹھیکیدار پاکستانی
عوام سے بھی ترک عوام جیسی

اُمیدیں وابستہ کر رہے ہیں۔ترک عوام کو اپنی محبت میں گرفتار کرنے والے حکمرانوں کی پالیسیوں اور اقدامات پر غور کیا ہوتا تو انہیں پاکستانی عوام کو اپنے افواج کے سامنے لانے کی ضرورت نہ رہتی۔ماضی اور حالات حاضرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے خیال ظاہر کرنا بڑی حدتک درست ہے کہ فوج آئی تو لوگ جشن منائینگے۔مانا کہ جمہوریت اچھی چیز ہے پر بیچارے عوام بھی کہاں جائیں؟سونا بہت قیمتی ہے پر زندگی سے قیمتی نہیں اسی طرح جمہوریت زیادہ فائدہ مند ہے پر جس جمہوریت میں عوام کا جینا مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے اُس کے خاتمے پر لوگ جشن نہ منائیں تو کیا ماتم کریں؟جس طرح ترکی کے محکمہ پولیس نے باغی فوج کا مقابلہ کیا اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں محکمہ پولیس آزاد، کرپشن فری اور خود مختار ادارہ ہے حکمران بتائیں کہ پاکستان میں پولیس سمیت کوئی ایک ادارہ بھی خود مختار اور کرپشن فری ہے؟فوج کے آنے کا سن کر لیٹرین میں پناہ لینے والے عوام سے غلط توقعات وابستہ کرنے کے بجائے عوامی مسائل کے حل کی طرف توجہ مرکوز کریں تو زیادہ بہتر ہو۔اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ بدترین کرپشن اور بدانتظامی کے باوجود افواج پاکستان نے جمہوریت کو سہارہ دیا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں سڑکوں پر عوامی مقدر کا فیصلہ کرنے والی مسلم لیگ ن کی قیادت نے اقتدار میں آکر کون سے وعدے پورے کئے ہیں؟ توانائی بحران بدستور موجود ہے۔ پٹرول کی قیمتیں عالمی سطح پر جس طرح کم ہوئیں عوام کو اس کے مطابق ریلیف نہیں دیا جا رہا۔ بجلی کی

بدترین قلت کے باوجود بار بار قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کیا گیا،اندرون شہر 16 سے گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال مخدوش ہے۔ قتل و غارت 18 گری، جبری زیادتی، راہزنی اور ڈکیتی وچوری کی وارداتیں گزشتہ دور کے مقابلے میں زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہو رہی ہیں۔ مہنگائی کے سامنے بند باندھنے میں حکومت ناکام ہوچکی ہے،بیروزگاری کاآسیب لگاتارلوگوں کو خودکشی پر مجبور کررہاہے۔ حکمرانوں کا میگا کرپشن کیسز میں نام آنا کیا کم تھا کہ پانامہ لیکس میں بھی انکے خاندان کے 150 افراد کا نام سرفہرست ہیں۔دنیانے دیکھاکہ 1999ء میں مسلم لیگ کی حکومت کا فوج نے بستر گول کردیا تھا۔ عوام تو کیا کسی لیڈر کو بھی فوج کے اس اقدام کیخلاف احتجاج کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ ذرہ سوچیں کہ موجودہ جمہوری حکمرانوں نے عوام پر کیا نوازشات کردی ہیں کہ لوگ ان کی خاطر کسی قسم کی مہم جوئی کیخلاف سڑکوں پر نکل کراپنے افواج کے سامنے کھڑے ہوجائیں گے؟ پاکستان کاترکی کے ساتھ موازنہ کرنے والے شہروں میں لگے فوج کو اورٹیک کی دعوت کے بینرز تو دیکھیں یہاں عوام فوج کو خودمدد کیلئے پکاررہے ہیں تووہ خوداپنی مدد کوآنے والے افواج کے سامنے
آکرجمہوریت کاتحفظ کیوں کریں گے؟ ہم توبھائی موجودہ جمہوریت کو جمہوریت تسلیم ہی نہیں کرتے پھر بھی ہم اس کے حامی ہیں پرہماری یاہم جیسے چندبیوقوفوں کی حمائت عوام کومہنگائی،بے روزگاری، کرپشن، سودی نظام،دہشتگردی،بدانتظامی،دھاندلی اوردیگر مسائل کی دلدل سے نہیں نکال

سکتی۔ایسے میں فوج عوام کی مدد کیلئے کرپٹ اور غدار قسم کے حکمرانوں کے خلاف ایکشن لیتی ہے تو ہم حکومتی پالیسیوں سے تنگ لوگوں کے ساتھ مل کر اس کا استقبال نہ کرکے تو اس کیخلاف آواز بھی بلند نہیں کرینگے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ پاکستان میں کبھی کسی قسم کی آمریت نہ آئے ،ہمیشہ حقیقی جمہوریت رائج رہے اور حکمرانوں کے ساتھ عوام بھی خوشحال ہوں، قومی ادارے خودمختار اور مضبوط ہوں۔پاکستانی حکمران عوام سے ترک عوام جیسے توقعات وابستہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر ترک حکمرانوں کی طرح اپنی پالیسیاں عوام کی حمایت میں اس طرح تشکیل دیں کہ وہ ترک عوام کی طرح حکومت کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کسی بھی قسم کی مہم جوئی کی کوشش کو ناکام بنادیں ورنہ بھائی ہم سرعام جشن نہ مناسکے تو خاموش چراغاں ضرور کریں گے۔افواج پاکستان سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ہر مشکل وقت میں عوام کی مدد کرتے ہیں اس لئے عوام کو افواج کے سامنے لانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی ،بہتر یہی ہے کہ اپنی کارکردگی کی بنیاد پر اُمیدیں قائم کی جائیں۔

خوشی کو شکر سے مناؤ

کائنات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو رب رحمٰن کے فضل و کرم کی برسات کے سوا کچھ نہیں ہے ،اُس پاک ذات کی بے شمار عنایات اور فضل و کرم اَن گنت صورتوں میں عیاں ہیں جن میں جسم و جان، ماں باپ،اُولاد ،مال دولت اور ملک و سلطنت وغیرہ شامل ہیں ۔زندگی کے مدار میں گومتے ہوئے اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بھی انسان تب تک بے قرار رہتا جب اللہ تعالی کا حقیقی فضل و کرم نصیب نہ ہو جائے۔اہل علم و دانش کے نزدیک اللہ تعالی کا حقیقی فضل و کرم انبیاء اکرام ہیں جبکہ احسان عظیم ہیں اللہ تعالی کے محبوب وآخری نبی حضرت محمد ﷺ ، جن کی تعلیمات اور پاکیزہ صحبت نے جہالت میں ڈوبی انسانیت کو حسن معاشرت کے سنہری اُصولوں میں پرودیا، روحانی و جسمانی بیماریوں سے نجات دلا کر صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھی ،انبیاء اکرام کی صحبت پانے والے بااَدب خوش نصیب بلند و بالا مقام پا چکے۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالی نے نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر بھی ہمارے لئے آل رسول اللہ ﷺ اوُر اولیااللہ کی صورت میں خاص فضل و کرام کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ بااَدب لوگ آل رسول اللہ ﷺ واُولیااللہ کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور اُن میں خوش بخت ہیں وہ جو اللہ تعالی کے احسانات و کرامات کا شکرادا کرتے اور عنانات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں

پسر نوح بابداں بہ نشت

خاندان نبوتش گم شد

سگِ اصحاب کہف روزے چند

پئے نیکاں گرفت مردم شد

ترجمہ ''حضرت نوح علیہ اسلام کا بیٹا بُروں کے ساتھ بیٹھا تو خاندان نبوت سے باہر ہو گیا اور اصحاف کہف کا کتا نیکوں کے پیچھے چلا تو مقام آدمیت حاصل کر گیا'' سبق یہ ملتاہے کہ بُروں کی صحبت اختیار کرنے سے نبی کی اولاد کا شمار کافروں میں ہو جاتا ہے اور کتا نیکوں کے پیچھے چل پڑے تو بڑا مقام پالیتاہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صحبت نصیب ہے۔ راقم اس لحاظ سے بہت خوش بخت ہے جسے آل رسول ﷺ کی سرپرستی نصیب ہے۔ مرشد جانی روحانی پیشوا حضرت سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست کی زندگی کا ہر پہلو نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ قابل فہم و عمل بھی ہے۔ سالگرہ کے متعلق علماء کرام کی رائے مختلف ہے، کسی کے خیال میں سالگرہ منانا جائز ہے جبکہ کسی کے مطابق سالگرہ غیر مسلم رسومات میں سے ہے۔ 11 اگست کے دن حضرت سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست کا یوم ولادت ہمیں ہر سال یہ درس دیتاہے کہ سالگرہ کے دن خوشی کا اظہار کرنا جائز ہے جبکہ اس روز غیر شرعی حرکات کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درود و اسلام کے نذرانے پیش کرنا، مخلوق

کی بھلائی کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں لنگر تقسیم کرنا، والدین، خود، بیوی بچوں، بہن بھائیوں، عزیزوں، دوستوں، ہمسایوں اور ملک و قوم کے حق میں دُعاؤں کا اہتمام کرنا حقیقی خوشی کا باعث بنتا ہے۔ آج 11 اگست درویش وقت روحانی پیشوا سید عرفان احمد المعروف ناںگامست نے اپنے یوم ولادت پر اپنے پیر و مرشد باباجی حضرت عبدالغنی چشتیؒ سرکار، باباجی حضرت محمد علیؒ مست سرکار اور داتا حضور کی خدمت میں حاضری پیش کی اور لنگر تقسیم کیا، اُمت مسلمہ، پاکستان، قوم، افواج پاکستان کیلئے اور خاص طور پر سودی نظام کے خاتمے اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے حق میں دُعا فرمائی، آپ نے فرمایا کہ آرمی چیف جنرل راحیل کی سربراہی میں ملک درست سمت میں چل پڑا ہے اس لئے ہم اُن کو پسند کرتے اور اُن کے حق میں دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر دراز فرمائے اور غیب سے امداد فرمائے، اُنھوں نے اُمید ظاہر کی کہ جنرل راحیل شریف جلد دہشتگردی اور کرپشن کے خاتمے کے ساتھ سودی نظام کے خاتمے کیلئے بھی ٹھوس اقدامات کریں گے، آپ نے فرمایا کہ اپنی ہر سانس کے ساتھ سود مخالف جہاد کر رہے ہیں، ایک مسلمان کسی بھی حالت میں سود پسند نہیں کرتا، حق تو یہ ہے کہ سودی نظام کے خاتمے کیلئے ہر فرد اپنا کردار ادا کرے۔ درویش وقت نے اپنے یوم ولادت کے موقع پر عبادات، بزرگان حق کے آستانوں پر حاضری، تقسیم لنگر اور دُعاؤں کا اہتمام کر کے ہمیں عملی درس دیا کہ خوشی ناچ، گانے، کیک کاٹنے، رشتہ داروں کو گھر بلا کر خوب ہلا گُلا کرنے یا دیگر فضول کاموں میں وقت اور پیسہ ضائع کرنے کا نام نہیں

بلکہ سالگرہ سمیت ہر خوشی اور غم کے وقت میں اللہ تعالٰی اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنا چاہئے۔ خوشی کے موقع پر اللہ تعالٰی کی راہ میں لنگر تقسیم کرنے والے کے رزق میں برکت ہوتی ہے اور لنگر کھانے والوں کے رزق میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں خوشی کے اظہار کیلئے مختلف قسم کے طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں جن میں ناچ گانا، شراب نوشی، اسلحہ کی نمائش اور استعمال ، فحش گفتگواور لباس ، بلند آواز میں میوزک، شامل ہیں، یہ تمام چیزیں غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ غیر اخلاقی بھی ہیں ، سید عرفان احمد صاحب نے اپنے یوم ولادت کے موقع پر درس دیا کہ ہر وہ چیز جو قرب الٰہی سے نکال کر جہالت کے اندھیروں کی طرف گامزن کرے وہ کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ، ہم اس دنیا میں کچھ وقت کیلئے مہمان ہیں ، ہماری زندگی کا مقصد اللہ تعالٰی کی رضا حاصل کرنا ہے ،آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو تاکید فرمائی کہ پانچ وقت نماز پڑھا کرو، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر درود واسلام بھیجا کرو، آپ ﷺ کی آل سے اُسی انداز میں محبت کیا کرو جیسا سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے، اللہ تعالٰی کے برگزیدہ بندوں کے آستانوں پر ادب اور احترام سے حاضر ہوا کرو، والدین سے شفقت اور محبت سے پیش آیا کرو۔اللہ تعالٰی، رسول اللہ ﷺ ، انبیا کرام، اُولیااللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو والدین کے گستاخ ہوں یا والدین کی خدمت اور احترام میں کمی کرتے ہیں ،جنت اور جہنم کا معاملہ اللہ تعالٰی اور بندوں کے درمیان ہے پر اس دنیا میں اُن لوگوں پر اللہ تعالٰی کی

رحمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں جو والدین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ والدین کی گستاخی کو معاشرے میں بہت معمولی خیال کیا جاتا ہے، خاص طور پر نوجوان نسل والدین کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایسا لہجہ اختیار کرتی ہے جو انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی والدین کے ساتھ دوستی ہے، یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ والدین اپنے بچوں کے بہترین اور مخلص دوست ہوتے ہیں اور اولاد کی ایسی باتوں پر بھی درگزر سے کام لیتے ہیں جو گستاخی کے زمرے میں آتی ہوں پر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اُن کی عزت و توقیر میں کمی کردی جائے ،اُن کا مقام ہر صورت اعلیٰ و ارفع رہتا ہے چاہے وہ اولاد کے اچھے دوست ثابت ہوں یا نہ ہوں ،ترقی یافتہ دور کا انسان دنیا کی تمام نعمتیں پالینے پر بھی بے چین و بے قرار نظر آتا ہے جس کی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری، حقوق والدین کی ادائیگی میں غفلت برتنا ہے، راقم نے اپنے مرشِد ''سید عرفان احمد المعروف ناناگمست صاحب کی صحبت نصیب ہونے کے بعد یہ شدت سے محسوس کیا ہے کہ جو علم و دانش اُولیا اللہ کی صحبت میں نصیب ہوتے ہیں وہ کتابوں کے مطالعہ اور تقریروں سے نہیں ملتا۔ شاہ صاحب کی سالگرہ کی حقیقی خوشی میں شامل ہو کر جو رہنمائی کے عملی سُچے موتی اور انمول ہیرے عنایت ہوئے اُن کو اپنی ذات تک محدود رکھنا انتہائی ناانصافی سمجھتے ہوئے اپنے قارئین کی نظر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین سے محبت، شفقت اور احترام کا سلوک کرنے اور ہر لمحہ اُن کی خدمت کرنے کی توفیق و طاقت، اُولیا اللہ کی صحبت اور

اُن کا اَدب و احترام کرنا نصیب فرمائے۔

خوبصورت یادیں

حضرت علیؓ نے فرمایا ''لوگوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہے جس کا میل جول اچھے لوگوں کے ساتھ ہو۔ فاسقوں اور گناہ گاروں کے ساتھ دوستی سے بچو کیونکہ برائی کی تاثیر برائی ہے'' بے شک اچھے دوست اللہ رب العزت کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں، جھوٹے کے ساتھ رفاقت نہ کرو کہ وہ سراب کی مانند ہے وہ تجھے فریب دے گا دور کو نزدیک اور نزدیک کو دور بتائے گا، فاسق اور بدکار کو دوست نہ بناؤ کہ وہ تجھے بہت کم قیمت پر یہاں تک کہ ایک نوالے کے مول بیچ دے گا حضرت علیؓ فرماتے ہیں : ہر چیز کے لیے ایک آفت ہے اور نیک انسان کیلئے آفت برا دوست ہے،ایک بھائی دوستی کے متعلق اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، دوست کو کبھی آزماؤ مت، دوست کی بری عادتیں اچھے طریقے سے بیان کرو، نہ کہ طنزیہ طور پر، دوست کا کبھی کسی سے گلہ نہ کرو،دوست کی دوستی اور شخصیت سے یہ توقع کبھی نہ رکھو کہ وہ آپکی سوچ کے عین مطابق ہونا چاہیے،راقم نے ابھی تک جو سمجھا اُس کے مطابق اچھے مخلص دوست اور رہنماء اللہ تعالیٰ کے طرف سے عطا ہوتے ہیں ،یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ اپنے لئے اچھے دوستوں کی تلاش کر سکے،دوست کی اہمیت کااندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتاہے کہ رب رحمان بھی دوست رکھتاہے،اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ،پوری کائنات اُس (اللہ) کی محتاج ہے پھر بھی وہ دوست

رکھتا ہے تو یقیناً ہماری لئے مخلص دوست اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں،بُروں کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا بھی غلط ہے کیونکہ کوئی بھی انسان پیدائشی طور پر بُرا نہیں بس حالات و واقعات کے بعد انسان کی عادات وحرکات ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ دوسروں کے لئے نہ پسندیدہ بن جاتے ہیں،ایسے لوگوں کی اصلاح کرنا زندگی کا اہم ترین فریضہ ہے،اللہ پاک نے انبیاء کرام سے بھی اپنی مخلوق کی اصلاح کا کام لیا ہے، کریم آقا حضرت محمد ﷺ نے ہمیشہ بُرے لوگوں کی پیار، محبت اور شفقت کے ساتھ اصلاح وتربیت فرمائی، جس کی بدولت دین اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا، عام انسان کیلئے یہی بہتر ہے کہ وہ بُروں کی محفل سے نکل کر خود کو تکلیف سے محفوظ کرلے کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی ذمہ داری ہے،بُرے لوگوں کی صحبت سے بچنے کے ساتھ اچھے لوگوں کی محفل اختیار کرنا بھی لازم ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھے لوگ کون ہیں؟ تو اس سوال کا جواب ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عطا فرمایا ہے،اچھے لوگ وہی ہیں جن پر اللہ رب العزت کا انعام ہوا اور وہ سیدھے راستے پر ہیں،یہی وہ لوگ ہیں جو مخلوق اللہ کی اصلاح فرماتے ہیں، راقم تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ اُن لوگوں کے قریب ہو جاؤ جنہیں اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے،ایسے لوگ ہمارے ارد گرد ہی موجود رہتے ہیں،ان کو ہم مرشد، پیر، محسن، رہنماء بھی کہتے ہیں، مرشد حق کس انداز میں تربیت اصلاح)فرماتے ہیں اس سوال کے جواب کیلئے آئیں آپ کو اپنے گزرے دنوں کی) سیر کرواتا چلوں،زندگی میں کچھ پل انتہائی یادگار بن جایا کرتے ہیں،کچھ تکلیف

وہ پل آنکھوں میں نمی کی صورت ٹھہر جاتے ہیں اور کچھ پیار و محبت بھرے لمحات جسم و روح کو روشن کرتے آنکھوں میں چمک بن کر بسیرا کر لیتے ہیں، ایسے کچھ پل آج آنکھوں سے نکل کر کاغذ کو روشن کرنا چاہتے ہیں جن میں راقم نے انتہائی عزت افزائی، پیار و محبت پایا، سب سے بڑھ کر زندگی میں بہت کام آنے والا ہنر سیکھا، انسان اس کائنات میں طالب علم کی حیثیت رکھتا ہے، سینکڑوں برس کی عمر پا کر بھی انسان مکمل نہیں ہوتا سوائے اہل اللہ کے، مرشد سرکار سید عرفان احمد المعروف نانگا مست بابا معراج دین جو روزنامہ رات اور میڈیا ورلڈ لائن (انٹرنیشنل نیوز ایجنسی) کے چیف ایڈیٹر ہیں، آپ کو روحانیت کے بلند درجات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے معاملات پر بھی مضبوط گرفت عطا فرمائی ہے، مرشد حضور کی صحبت نصیب ہوئی تو آپ نے فوراً ہی مہربانی فرما کر بندے کی تربیتی ڈیوٹی روزنامہ رات لاہور کے کورٹ رپورٹر لاہور کی حیثیت سے لاہور سول کورٹس میں لگائی، یہ کام انتہائی مشکل محسوس ہوا، اپنے محسن نہایت قابل عزت جناب محمد رضا ایڈووکیٹ (چیئرمین پاور گروپ لائیرز) کے ساتھ ایل ڈی اے پلازہ سول کورٹ کے گراؤنڈ فلور پر ایک کمرے میں پہنچا جہاں دیگر اخبارات کے کورٹ رپورٹرز حضرات تشریف فرما تھے، رضا صاحب نے میرا تعارف استاد محترم محمد اسلم چوہان صاحب سے کروایا اور ساتھ ہی اُن کی شاگردی میں دے دیا، کمرے میں کرسیاں کم جبکہ رپوٹرز کی تعداد زیادہ تھی جو آج بھی ہے کو دیکھ کر گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی، کمرے میں جگہ بالکل نہیں تھی جبکہ اسلم چوہان کا دل بہت کشادہ

نکلا،انہوں نے راقم کواپنے ساتھ بٹھایا، عزت دی اورکام کرنے کے گُر سکھائے، مرشد سرکار کی سرپرستی،استاد محترم کی شفقت اور دیگر ساتھیوں کے تعاون سے دن کچھ اس انداز میں گزرے کہ ایک سال سے زائد عرصہ آج کچھ لمحے محسوس ہوتاہے،راقم اکثر ساتھیوں کو بتایا کرتاکہ یہ کام ہمیشہ نہیں کروں گا،مرشد حضور کی تربیت میں ہوں جب تک یہاں سیکھنا منظور ہوا کورٹ رپورٹر بن کر سیکھوں گااُس کے بعد جہاں ڈیوٹی لگی وہاں چلاجاؤں گا،ساتھی کہتے آج تک یہاں سے کوئی نہیں گیاتم کیسے جاؤگے،راقم کے پاس اُس وقت سوائے مسکرانے کے کوئی دلیل نہ ہوتی، مرشد سرکار کی نظرکرم میں جب بطور کورٹررپورٹرتربیت مکمل ہوئی تومجھے اس سے بہتراورقریبی،تربیتی ڈیوٹی مل گئی،آج راقم کوروزنامہ رات لاہور اور میڈیاورلڈلائن کے ساتھ پہلے سے بھی گہری وابستگی میسرہے،کورٹس میں گزرے دن یاد آتے ہیں تووہ محبتیں،وہ عزتیں جوروزنامہ رات لاہورکے پلیٹ فارم سے دوران کورٹ رپورٹنگ میسرآئے ایک تازگی فراہم کرتے ہیں،وہ سارے ساتھی جنھوں نے بندے کونہ صرف برداشت کیابلکہ احساس محبت سے نوازا، تحریر کی صورت اپنی یادوں میں ان تمام محترم دوستوں کے تعارف کے رنگ بھرنابہت لازم ہے،پروقارشخصیت اور سنجیدہ مزاج اُستاد محترم جناب محمد اسلم چوہان سادہ طبیعت کے مالک اسلم چوہان کوفضول باتوں اورلوگوں سے ایک خاص قسم کی الرجی ہے،اتنی ہی بات کرنے کے عادی ہیں جتنی عزت ووقار کے دائرے میں ہو، 70.75 برس عمرکے نوجوان حاجی برکت،جلالی طبیعت،اپنے کام میں کسی کی

دخل اندازی برداشت نہ کرنا اُن کی فطرت ہے،۔بزرگی کی عمر میں جب لوگ کام کاج
چھوڑ اولاد کے سہارے زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں حاجی برکت جوشیلے نوجوان کی
طرح محنت کرتے نظر آتے ہیں ،حاجی صاحب عمر میں راقم سے بڑے ہیں پھر بھی راقم
اُن کو اپنا دوست سمجھتا ہے جبکہ حاجی صاحب راقم کو اپنا بیٹا مانتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی
شفقت جوش میں ہو تو اپنے بیٹوں سے بھی عزیز بیان کرتے ہیں، راقم اُن کی
محبت، شفقت اور اپنے متعلق فکر کو انتہائی عزت وقدر کی نظر سے دیکھتا ہے،اللہ پاک اُن
کو صحت و تندروستی والی لمبی عمر عطافرمائے اور وہ ہمیشہ راقم سے محبت کرتے رہیں
مزاج میں ذمہ دار بچپنا، جان، پہچان بڑھانے کے ماہر، پُراسرار شخصیت کے مالک،
رانا مزمل مجید ، کوئی نہیں جانتا وہ کس وقت کس کیفت میں ہوں گے ، کبھی شفیق تو کبھی
جلالی طبیعت ، مجموعی طور محبت بھرے دل کے مالک ہیں، کبھی خوشی کبھی غم والی بات
کو غیر حقیقی ثابت کرتے ، ملک عمران احمد، ہر وقت مزاح و تفریح کے موڈ میں رہتے ہیں
یہاں تک کہ کوئی ناراض بھی ہو جائے تب بھی اُن کی مسکراہٹ اور چھیڑ چھاڑ سے متاثر
ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا،اُستاد محترم کے فرزند فرمان علی چوہان جو سول کورٹ میں
ملازمت اختیار کر چکے ہیں، کونے میں بیٹھے چشمے کے شیشوں کے اُوپر سے دیکھ
کر مسکراتے، خوش مزاج، کھلاڑی طبیعت کے مالک چوہدری شاہد جاوید،اخلاقیات سے
عاری شخصیت،چیٹر مزاج صابر بھٹی، خاموش خاموش ،اپنی ہی دھن میں مگن نعیم
الدین، کورٹ رپورٹرز میں سب سے لمبے قد والے،اپنے کام میں مخلص کامران وارث
مستقل،

مزاج، مسکراتا چہرہ لئے سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے غلام صابر، انتہائی مصروف دوسروں اور اپنے کام کی کڑی نگرانی کرتے احسان خالد، کم کم تشریف رکھتے۔ بنیامین، انتہائی کشیدہ حالات میں بھی مسکراتے، سادہ دل مانوئل، سنجیدہ شخصیت اصولوں پر کاربند الفت شہزاد، دیر سے تشریف لانے والے، صحت مند محمد بابرامین، سمارٹ ترین شخصیت، حکمت مزاج کام میں سنجیدہ جبکہ دیگراوقات میں ہنسی مزاج کے عادی امان اللہ، قائداعظم کے فرمان پر کاربند، کام، کام اور بس کام کرتے شاہد انور، پوشیدہ پوشیدہ شخصیت محمد تنویر، سخت طبیعت ہنساچہرہ ملک طیب علی، بچت کے ماہر، سخت ترین ٹوپی کیپ) سر پر پہنے طارق صاحب، سمارٹ، ذہین اور پھرتیلے راناجمل مجیداور جن) دوستوں کے نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہے سب کی محبتیں زندگی بھریاد رہیں گی، راقم دوستوں سے ملنے والاپیاراور محبت کبھی فرموش نہیں کرسکتا، تقریباایک سال بعد عیدالضحیٰ کے کچھ دن بعد دوستوں سے ملنے سول کورٹس پہنچاتومحسوس ہواکہ آج ساتھی اُسی طرح محبت کرتے ہیں، سناہے کہ مخلص دوست بہترین سرمایہ ہوتے ہیں اللہ کریم ہمارے سرمائے میں مزید اضافہ فرمائے اور مرشد سرکار حضرت سید عرفان احمد المعروف ناننگامست بابامعراج دین کاسایہ راقم کے سرپرہمیشہ قائم فرمائے جن کی بدولت دنیامیں عزت ملتی ہے، دنیامیں جینے کاسلیقہ سیکھنے کے ساتھ ساتھ آخرت کی تیاری کی تربیت بھی حاصل ہورہی ہے :

مثالی حاکمین

تاریخ کائنات کے اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں مثالی حکومت اسلام کی تربیت حاصل کرنے،اللہ تعالیٰ ،رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر پورا عمل کرنے،اوراولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنے والوں نہیں کی ،جن میں سرفہرست مثالی حاکمین سرکاردوعالم ﷺ کے صحابہ ارکرام ہیں ،حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب عام لوگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو آپؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا،اے لوگو، میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نافرمانی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارا امیر اور حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا لوگو،اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لئے آزمائش بنایا ہے ،تم میں جو نیک کام کرے گا اُس کے ساتھ نیک سلوک کروں گا اور جو بُرائی کا ارتکاب کرے گا اسے عبرت ناک سزا دوں گا، عرب کی مثال اس اُنٹ کی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہے ،اس کے ساربان رہنماء)کافرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جارہا ہے ،میں (حضرت عمرؓ)اللہ تعالیٰ) کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں سیدھے راستے پر لے کر چلوں گا''تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورخلافت میں چلنے والا نظام حکومت نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے اپنی مثال آپ ہے''وطن عزیز کا حال یہ ہے کہ ایک چور دوسرے چور کی تلاشی لینے کی بات کرتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کرپٹ

شخص دوسرے کرپٹ شخص کا احتساب کرے اور پھر جس کی جیب میں چوری کا مال ہو، طاقتور بھی ہو وہ تلاشی نہیں دیا کرتا۔ وسیع تر سلطنت کے حکمران ہونے کے باوجود حضرت عمر نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی ،آپ اکثر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پیوند لگے لباس میں گشت کیا کرتے ،اکثر مقامات پر اینٹ کا تکیہ لگائے بلا تکلف سو جاتے ، خود بھی سادگی پسند کرتے اور اپنے حکام کو بھی سادگی کی تلقین کرتے تھے،ایک لباس سردیوں کا اور ایک گرمیوں کا رکھتے ، کبھی کبھی صرف ایک جوڑا ہوتا جسے دھو کر پہن لیتے ،آپؓ گزر بسر کے لئے صرف دو ،درہم روزانہ بطور وظیفہ لیتے ۔ قارائین محترم کالم کے آخر میں آپ کو حضرت عمرؓ کا ایک قول سناؤں گا جو مسلم ریاست کے حاکم کی حیثیت اور ذمہ داری کا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے ۔ پاکستان کے عوام اور حکمران حضرت عمرؓ کی طرح سادگی پسند ہوتے تو آج وی وی آئی پی کلچر اس قدر نہ پھیلتا، وی آئی پی کلچر کو تمام مسائل کی جڑ ہیں ۔آج ہر طرف سفارش ، رشوت ، کرپشن ،اقرباء پروری اور بے ایمانی کا بازار گرم ہے ۔ سرکاری محکمے تو اپنی جگہ پرائیوٹ مقامات پر بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے ۔کچھ دن پہلے میرے بیٹے کو تیز بخار ہوگیا ہر والد کی طرح میرا بھی دل چاہا کہ علاقے کے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرواؤں ،آپ جانتے ہیں کہ اچھے ڈاکٹر کی فیس بھی اچھی خاصی ہوتی ہے، بچے کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے کلینک پہنچا تو وہاں مریضوں کا کافی رش تھا، میں بھی ٹوکن لے کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔آپ کو یہ سن کر حیرانگی نہیں ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب ٹوکن

والے ایک مریض کے ساتھ چار سے پانچ وی آئی پی مریض چیک کر رہے تھے ، کوئی دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا جو ڈاکٹر صاحب کا بھی دوست ہے ۔اُسے ڈاکٹر کو فون کرکے سفارش کرنے کو کہا،اُس نے فون کرکے میری سفارش کردی ، سفارش کا اثر یہ ہوا کہ داکٹر صاحب کی نرس نے آکر پوچھا کے امتیاز صاحب کون ہیں اور کمرے میں چلی گئی ،جب سفارش کے بعد ایک گھنٹا گزر جانے پر بھی میری باری نہ آئی تو میں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک ملازم کو پچاس روپے کے ساتھ اپنا وزٹنگ کارڈ دے کر کہا کہ پچاس روپے آپ کے ہیں یہ کارڈ ڈاکٹر صاحب تک پہنچادیں ،کارڈ کا ڈاکٹر صاحب کے سامنے جانا تھا کہ مجھے اندر بلا لیا گیا ،ڈاکٹر صاحب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور فوری طور پر ٹھنڈے پانے کے بعد چائے کا آڈر بھی کردیا ۔ڈاکٹر صاحب کے عام مریضوں والے کمرے کے پیچھے ایک وی آئی پی مریضوں کو بیٹھانے والا کمرہ تھا ،مجھے اُس کمرے میں بیٹھا کر پانی،چائے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے آدھا گھنٹا ٹائم دیا اور آئندہ میرے لئے ٹوکن سسٹم بھی بند کردیا ، یہ سارا قصہ بیان کرنے کا مقصد ہے کہ جب ایک مسیحا فیس لے کر بھی انصاف نہیں کرتا تو پھر واپڈا، سوئی گیس ، تھانے عدالتوں ۔سرکاری ہسپتالوں میں جہاں ایک بیڈ پر چار چار مریض ایک ہی وقت میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور دیگر محکموں میں انصاف کون اور کس کو فراہم کرے گا؟ جہاں حکومت کو بجلی بحران ، مہنگائی ، دہشتگردی ، کرپشن ، امن وامان کی خراب صورت حال ، بے روزگاری وغیرہ وغیرہ کا سامنا ہے وہاں سفارش کرپشن ، رشوت ،

اقرباء پروری اور وی وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کے چیلنج کا سامنا بھی ہے۔ راقم کا، خیال ہے کہ وزیر اعظم میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف وی آئی پی کلچر، کرپشن، سفارش ،اقرباء پروری اور رشوت کے ساتھ ساتھ باقی تمام چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں پھر بھی وہ رشوت ، کرپشن، سفارش ،اقرباء پروری اور وی، وی آئی پی اور خوشامدی کلچر کو ختم نہیں کرپائیں گے ۔ کیونکہ رشوت ، کرپشن، سفارش،اقرباء پروری اور اس کے علاوہ بہت سی خرابیوں کی فصل وی آئی پی کلچر کے کھیت میں اُگتی ہے اور وی آئی پی کلچر کے سارے کے سارے کسان میاں برادران کے ارد گرد جمع ہو چکے ہیں اور جو باقی بچیں ہیں وہ بھی آتے جاتے رہتے ہیں ۔ قارائین آپ جانتے ہیں کہ کوئی کسان اپنے کھیت کھلیان کو اُجڑتے نہیں دیکھ سکتا اور پھر وی آئی پی کھیت ۔ان کھیتوں میں کسی بھی فصل کا کوئی خاص موسم نہیں ہوتا ، کرپشن ، رشوت ، سفارش،اقرباء پروری ایسے پھل پھول ہیں جو ان کھیوں میں ہر وقت پکے ہوئے تیار ملتے ہیں ۔ وی آئی پی کلچر آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ مضبوط ہوچکا ہے ۔ چیرمین ، ناظم ،ایم پی اے یا ایم این اے قسم کے لوگ کبھی برداشت نہیں کرتے کہ اُن کے حکم کے بغیر کوئی ادارہ بھی کام کرے ۔ واپڈا، گیس، تھانے سے لے کر گلی کوچوں کی صفائی کرنے والا عملہ بھی کسی شہری کی جائز بات اُس وقت نہیں سنتا جب تک کسی ناظم ،ایم پی اے یا پھر ایم این اے کا فون نا آجائے ۔اُس پر عوام کی خوش فہمی دیکھیں وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے کہنے پر اتنی بڑی شخصیت نے سیورج کھولنے

والوں کو فون کرکے اُن پر خاص احسان کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنائے بغیر مسائل کے گرداب سے نہیں نکلنا ممکن ہے؟ بحرانوں سے، نکلنے کیلئے سرکار دوعالم حضرت محمدؐ اور اُن کے غلاموں کی سادگی اور عاجزی کو اپنانا ہوگا۔آج ہم جن مسائل کا شکار ہیں یہ سارے ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہیں جس نے ہمیں ہمارے دین سے دور کرکے تباہ.برباد کردیا ہے۔ کتنی دردناک حقیقت ہے کہ ہم نے ایٹم بم تو بنالیا پر کسی بلند بلڈنگ پر لگی آگ میں جلتے ہوئے انسانوں کو بچانے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں ؟یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی حقیقتوں پر ہر مخلص پاکستانی کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ قارائین اب میں آپ کی نظر حضرت عمرؓ کا وہ قول کرتا ہوں جس کا آپ سے وعدہ کیا تھا۔آپ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کے مال پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال پر متولی کا ہوتا ہے'' یہ یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ قول فرمایا اُس وقت وہ مسلمانوں کی عظیم سلطنت کے عظیم حاکم تھے ۔ حضرت عمرؓ ایسے مثالی حاکم ہیں جن کا طرز حکمرانی آج غیر مسلم بھی اپنانا چاہتے ہیں

-

اے محبوب) تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا) ان کے مکر کو بیکار نہیں کردیا، اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے، پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا (سورۃ الفیل) بے شک اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے، ہم کیا کر رہے ہیں، کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے، ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، حق اور سچ پر چلنے والوں کو رب رحمٰن کی مدد حاصل ہوتی اس بات کے ثبوت ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے ملتے ہیں، ایک بات بالکل کھلی اور صاف ہے کہ سود خور، سود لینے والا، معاملہ تحریر کرنے والا اور گواہی دینے والے اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سخت نافرمانی کرتے ہیں اور ایسے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد آنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، ہم ظاہری حقائق کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کچھ بھی کرنے پر قادر ہے، اس لئے ہماری رائے انتہائی ناقص ہے، کون حق پر ہے اور کون کرپشن کا بے تاج بادشاہ؟ اس سوال کا درست جواب تب ملے گا جب اللہ تعالیٰ کی عدالت سجے گی اور سب کے ساتھ انصاف کردیا جائے گا، تب معلوم ہوگا کہ دوسروں پر الزامات لگانے سے اپنا گریبان صاف نہیں ہوتا بلکہ مزید گندہ ہو جاتا ہے، مرشد

سرکار 'سید عرفان احمد المعروف نانگامست بابامعراج دین' صاحب کافرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنااور پھراُس پر ڈٹ جانا شیطانی عمل ہے جبکہ غلطی پر شرمندہ ہو کرتوبہ کرنا،اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنا انسان ہونے کا ثبوت ہے، سودی نظام کی انتظامیہ کااپنے عمل پر ڈٹے رہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں۔ موجودہ حالات کو ہی دیکھ لیں مخلوق کرپشن کاحساب مانگ رہی ہے جبکہ حکمران ترقی کے گیت سنا رہے ہیں ملک میں بیرزگاری بڑھ رہی اور حکمرانوں کے گھروں میں ترقی جاری ہے، نجانے، کیا کرنا چاہتے ہیں سیاست دان؟ عمران خان کہتے ہیں کہ جب تک زندہ رہوں گامیاں صاحب کی کرپشن کا پیچھا کرتا رہوں ، گزشتہ روزبنی گالہ میں اپنی رہائش گاہ کے باہر میڈیا سے بات کرتے ہوئے چیرمین تحریک انصاف عمران خان کا کہنا تھا کہ حکومت نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے باوجود بنی گالہ بند کیا، آج اسکول اور میٹرو بھی بند کروائے گئے حالانکہ ہم نے توکچھ نہیں کیا، مجھے گھر میں نظر بند کیا گیا، بتایا جائے میں نے کون سا قانون توڑا؟ جب کہ پی ٹی آئی کے کئی رہنماؤں کو بھی بنی گالہ میں آنے نہیں دیا گیا، یہ کون سی جمہوریت ہے؟'' پانامہ لیکس کے بعد آج تک اپوزیشن احتساب کامطالبہ کر رہی ہے تو دوسری جانب آئی ایم ایف سربراہ کو بھی پاکستان میں شدید کرپشن نظرآتی ہے اور پاکستانی معیشت کو بھی خطرے سے باہر بیان کیا جارہاہے،ایک خبر کے مطابق آئی ایم ایف کی سربراہ کرسٹین لوگارڈ نے کہاہے کرپشن کے باعث سرمایہ کار پاکستان نہیں

آتے۔ پاکستان میں سرمایہ کاری کے ماحول کو بہتر بنایا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ کرپشن کے عالمی انڈیکس میں پہلے نمبروں پر آنے والے ممالک سے عالمی سرمایہ کار دور رہتے ہیں، لہذا پاکستان کو کرپشن پر قابو پا کر سرمایہ کاری کیلئے ماحول کو بہتر بنانا چاہئے۔ ملک پر قرضوں کا بوجھ 19 ہزار ارب روپے سے تجاوز کر چکا ہے اور اس پر سود کی ادائیگی پر خرچ ہونے والی رقم ملک کے سالانہ ترقیاتی پروگرام سے بھی بڑھ گئی۔ پاکستان کو قرض کے بوجھ میں کمی لانے پر توجہ دینا ہوگی۔ امرا کو ٹیکس نیٹ میں لانا ہوگا۔ انہوں نے کہا پاکستان میں سالانہ 20 لاکھ نوجوان ملازمتیں تلاش کرنے کیلئے ملکی معاشی مراکز کا رخ کر رہے ہیں تاہم ملکی معیشت انہیں روزگار فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ پاکستان کو اپنی پالیسیوں پر ایسی نظرثانی کرنا ہوگی کہ اس میں روزگار کے مواقع پیدا کئے جا سکیں۔ کرپشن پر قابو پانا ہوگا۔ معاشی ترقی کے فوائد غریب ترین آبادی تک پہنچانے کیلئے معاشی پالیسی پر نظرثانی کرنا ہوگی۔ حکومتی ارکین کے جانب سے ہر وقت دعوے کیے جاتے ہیں کہ شفاف پالیسوں پر عمل درآمد کی بدولت سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہوا ہے اور اب پاکستان میں بہت سرمایہ کاری ہو رہی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرپشن اپنی جگہ موجود ہے، بیروزگاری میں انتہاء درجہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو پھر ملک میں آنی والی سرمایہ کاری یا سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہونے سے فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے؟ عوام کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے، بیروزگاری کا جن نئی نسل کو کچا چبا رہا ہے، پوری دنیا ملک میں پھیلی

کرپشن پر سوالات اُٹھارہی ہے جبکہ حکمران تمام تر توجہ عمران خان پر لگائے ہوئے ہیں، حقائق دیکھیں تو صاف پتا چلتا ہے کہ عمران خان احتجاج بند کر دیں تب بھی کرپشن اپنی جگہ موجود رہے گی ۔یعنی حکمران کرپشن نہیں کرپشن کیخلاف ہونے والا احتجاج ختم کرنا چاہتے ہیں،ایسے حالات میں کرپشن کے خاتمے اور احتجاج کے مطالبے ڈٹ جانے والے عمران خان کے ساتھ بہت سارے اختلافات رکھنے کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ ڈٹے رہو عمران ڈٹ رہو، کوئی ساتھ دے نہ دے تم حق پر ہو، سچ پر ہو تو اللہ ،رسول اللہ ﷺ تمہارا ساتھ دیں گے ،جب اللہ ،رسول اللہ ﷺ ہوں تو پھر ننھے پرندے ہاتھیوں کو مار بھگاتے ہیں

کچھ ہونے والا ہے

بیشک اللہ تعالیٰ جسے عزت بخش دے کوئی اُس کو رسوانہیں کرسکتا،جسے اللہ رب العزت ذلیل کردے اُسے کوئی عزت نہیں دے سکتا،میڈیامیں سستی شہرت کیلئے لوگ اکثراپنے بیانات میں کہتے ہیں کہ فلاں سازشی اسلام کی جڑیں کھوکھلی کررہاہے یافلاں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایاہے،اس نقطہ نظرکے لوگوں کے جذبات اپنی جگہ پرراقم کی وجدانی کیفیت اس منطق کوماننے سے صاف انکاری ہے،اسلام ،اللہ تعالیٰ کادین ہے جس کاکوئی شریک نہیں ،اللہ واحد خالق و مالک ہے ،اللہ حاکم کل ہے،ساری کائنات اوراس میں بسنے والی مخلوقات اللہ کی محتاج ہیں ،نہ اللہ کسی کا محتاج ہے نہ دین اسلام کسی کا محتاج ہے،دین اسلام اپنے ماننے والوں کواللہ تعالیٰ کی عبادت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ،ادب واحترام،اُولیاء اللہ واہل علم کاادب واحترام، رزق حلال ، مخلوق کی بھلائی اور دیگرنیک اعمال کادرس دیتاہے،اب کوئی اللہ، تعالیٰ،رسول اللہ ﷺ ، اُولیاء اللہ، شہدااورصالحین کی تعلیمات کی پیروی کرے تویہ اُس کی خوش بختی ہے نہ کرے تو وہ،بڑابد بخت ہے،دین اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنایانقصان پہنچانا کسی کے بس میں نہیں ،دین اسلام کو ہماری ضرورت نہیں بلکہ ہمیں زندگی میں قدم قدم پراللہ تعالیٰ کے دین اسلام کی ضرورت پیش آتی ہے،ہمیں تو بس اپنے درست عقیدے پر قائم رہناہے کہ اللہ تعالیٰ کادین اسلام ہی حق ہے،اللہ

تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ، کریم آ قاحضرت محمد ﷺ کی محبت اسلام (ہمارے ایمان) کی اولین شرط ہے، ختم نبوت کا انکاری کسی صورت مسلمان نہیں، گستاخ رسول اللہ ﷺ کسی صورت قابل معافی نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا اصل حاکم ہے ،اللہ تعالیٰ جسے چاہتاہے اپنے کرم سے خاص کرتاہے ، جسے چاہتاہے اپنانائب مقرر کرتاہے، جسے چاہے اپنے علم کے خزانے عطا کرتاہے ، جسے چاہتاہے اپنے محبوب (رسول اللہ ﷺ) کی محبت عطا کرتاہے، جسے اللہ پاک اس دنیامیں حکمرانی عطافرمائے وہی حاکم کہلانے کا حق دارہے،اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کے نافرمان دنیاوی اقتدارپر قابض تو ہو سکتے ہیں پر اللہ تعالیٰ کے نائب کہلانے کے حق دار نہیں ہو سکتے،اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نواز کر جن کو اپنا خاص علم عطافرماتاہے، جواللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کی احکامات کی پیروی کرتے ہیں ، جن کا سینہ محبت رسول اللہ ﷺ سے روشن ہے، جوحلال و حرام کی تمیز کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی بھلائی کی ڈیوٹی پر مامور ہیں دراصل وہی لوگ حاکم ہیں ، وہی اہل علم ہیں، وہی سیدھے راستے پر ہیں،انہیں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہواہے ،اہل علم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور رسول اللہ ﷺ ،آل رسول اللہ ﷺ شہداوصالحین کاادب کرتے ہیں، گستاخان رسول اللہ ﷺ کے سامنے کلمہ حق کہنے سے، نہیں گھبراتے ،ایسے ہی ایک مرد مجاہد عزت مآب حضرت مولاناعلامہ خادم حسین رضوی صاحب نے جب اپنے خطاب میں مرشد سرکارسید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست بابامعراج دین کے روحانی درجات ، علم و عمل اوراللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کاذکر کیاتوراقم قلم اُٹھائے

بغیر نہ رہ سکا، حضرت علامہ خادم حسین رضوی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ لوگ اُن کو رات کو سوتے جگا کر کہتے ہیں کہ ہم سردار شہدا حضرت امیر حمزہؓ کے روضہ مبارک پر کھڑے ہیں ، مٹی سر میں ڈال رکھی تو ہم (خادم حسین رضوی صاحب) انہیں کہتے ہیں کہ ایک مُٹھی ہماری طرف سے بھی ڈالیں، کوئی ہمیں آدھی رات کو فون کرکے کہتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ روضہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے باادب حاضر ہے بتائیں ہماری کیا ڈیوٹی ہے،انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر پہرہ دینے والے غلام ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں عزت عطا فرماتا ہے،انہوں نے مرشد سرکار کا ذکر خیر کرتے ہوئے بتایا کہ سید عرفان احمد شاہ المعروف نانگا مست بابا معراج دین 13 سال عالم مجذوبی میں رہے،آپ کی روحانیت کے درجات اس قدر بلند ہیں کہ آپ ہر وقت شہدا و صالحین کے ساتھ روحانی رابطے میں رہتے ہیں، سردار شہدا حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ آپ کا قریبی رابطہ ہے،انہوں نے مزید بتایا کہ شاہ صاحب پر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، شہدا و صالحین کا خاص کرم ہے جس بیمار کو دم کردیں وہ شفاء یاب ہو جاتا ہے،،شاہ صاحب کو حکم نہیں ورنہ آج سود خور اقتدار پر قابض نہ ہوں ، حضرت علامہ خادم حسین رضوی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں شاہ صاحب سے سوال کیا کہ اس وقت پیارے آقا حضرت محمد ﷺ اپنی اُمت سے کیا چاہتے ہیں تو شاہ صاحب نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت سے چاہتے ہیں کہ وہ لبیک یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ بلند کرے اور ظالموں کے خلاف متحد ہو کر ڈٹ جائے، گستاخان رسول اللہ ﷺ، ان کے

حماتیوں، سودخوروں اور ظالم حکمرانوں ، صحابہ اکرام ،اُولیاء اللہ سے بغض رکھنے والوں کی حمایت چھوڑ کر اہل اللہ کا ساتھ دیں ،اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشادفرماتاہے ”یہ ان کا بدلہ ہے جہنم اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی (سورۃ الکھف۔۱۰۶) تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے (سورۃ الکھف۔۱۱۰) مرشد سرکار نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہیں مانتے یعنی اللہ کریم نے سودخوری سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے جو پھر بھی کھلم کھلا سودخوری کرتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اور جو اُن کے حمایتی ہیں وہ لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان کر سکتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی شان میں ذرہ برابر بھی کمی کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی ہم ان بدبختوں کے حمایتی ہیں، ہم ہر اُس شخص کے ساتھ ہیں جو اللہ کو ایک مانتا ہے، کریم آقا حضرت محمد ﷺ کا دل سے احترام کرتا اور گستاخان رسول اللہ ﷺ کیخلاف لڑنے کا جذبہ رکھتا ہے ، مرشد حضور نے فرمایا کہ خادم حسین رضوی صاحب بڑے خاص بندے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں محبت رسول اللہ ﷺ اور گستاخان رسول اللہ ﷺ کے خلاف شدید نفرت ڈال رکھی ہے ،اس لئے ہماری دُعائیں اُن کے ساتھ ہیں ،علامہ خادم حسین رضوی صاحب نے رمضان المبارک میں مسجد نبوی کے گیٹ کے قریب ہونے والے بم دھماکے کے حوالے سے بات

کرتے ہوئے کہاکہ پچاس سے زائد مسلم ممالک ہیں ،اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے حکمرانوں میں کوئی ایسانہیں ہے جسے سرکار خواب میں آکرفرمائیں کہ اُٹھو کوئی بم چلاکرحرم مبارک کے تقدس کو پامال کرنے کیلئے چل پڑاہے،انہوں نے کہاکہ جس کے ساتھ تعلق ہو، محبت ہو، لین دین اُسے کے خواب خیال آیا کرتے ہیں آج کے مسلم حاکمین کو امریکی صدر کے خواب جگاتے ہیں یا پھر مودی کے خیال ستاتے ہیں ،جب مسجد نبوی کے گیٹ پر بم دھماکہ ہوامرشد سرکار مسجد نبوی میں اعتکاف فرمارہے تھے،راقم نے مرشد حضور سے عرض کیاکہ واقعہ ہی سرکاردوعالم ﷺ کسی مسلم حاکم کو پسند نہیں فرماتے ؟مرشد پاک نے فرمایابیٹاایسی بات نہیں دراصل یہ لوگ حاکم ہیں ہی نہیں یہ تودنیاوی اقتدارپر قابض ہیں ، نبی کریم ﷺ کے اصل وارث ہی مسلم دنیاکے حاکم ہیں،پیارے آقا ﷺ نے خبر بھی فرمائی اور بمبار کو مسجد کے اندر سے نکالا بھی،ابھی حکم نہیں سارے پردے اُٹھانے کاورنہ آج ہی سارانظام ادھر کااُدھر کردیں، مرشد سرکار نے فرمایاکہ پرندے ہم سے اپنے لئے دُعاکی درخواست کررہے ہیں اور جب پرندے دُعاکی درخواست کرنے لگے توسمجھ لوکہ کچھ ہونے والاہے